فیض مشکوٰۃ
مشکوٰۃ شریف
۳
شارح:
مفتی حارث عبدالرحیم فاروقی قاسمی
مکتبہ فیض القرآن دیوبند ۲۴۷۵۵۴

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فیض المشکوٰۃ

شرح اردو

مشکوٰۃ شریف

جلد سوم

شارح

مفتی حارث عبدالرحیم فاروقی قاسمی
ابن (مولانا) عبد العلی فاروقی صاحب

ناشر

مکتبہ فیض القرآن دیوبند (یوپی) ۲۴۷۵۵۴

نام کتاب : فیض المشکوٰۃ شرح اردو مشکوٰۃ شریف جلد سوم
شارح : حارث عبدالرحیم فاروقی
باہتمام : تاج عثمانی ابن مشہود اقبال عثمانی
مطبوعہ : ۱۵/فروری ۲۰۰۸ء
کمپیوٹر کتابت وڈیزائننگ : شاد کمپیوٹر مکتبہ فیض القرآن دیوبند

نوٹ: فہرست مضامین جلد کے آخر میں ملاحظہ کیجئے

مکتبہ فیض القرآن
نزد مسجدِ چھتہ دیوبند ضلع سہارن پور (یوپی)
Ph.No.01336-222401
(Mob.)09897576186
Fax No.01336-223951

باب السنن وفضلھا

﴿سنتوں اور اس کے فضائل کا بیان﴾

اس باب کے تحت وہ احادیث ہیں جن میں سنن ونوافل کے فضائل بیان ہوئے ہیں مشروعات کی چار قسمیں ہیں۔(۱) فرض (۲) واجب (۳) سنت (۴) نفل۔ جو عمل دلیل قطعی سے ثابت ہو اور اس کے چھوڑنے پر لعنت وارد ہوا ہو وہ فرض ہوتا ہے، اور اگر یہی عمل دلیل ظنی سے ثابت ہو تو واجب ہے، اور اگر ترک کی ممانعت نہیں ہے، لیکن نبی کریم ﷺ اور خلفائے راشدین نے مواظبت فرمائی ہے تو وہ سنت ہے اور اگر مواظبت نہیں فرمائی ہے تو یہی نفل و مستحب ہے، یہاں سنن ونوافل دونوں کے فضائل بیان ہوئے ہیں، اور سنن کی دو قسمیں ہیں۔(۱) سنن ہدیٰ (۲) اور سنن زوائد۔دونوں کی فضیلت احادیث باب میں ہیں۔

سنن ھدیٰ: وہ سنتیں کہلاتی ہیں جن کا ترک کرنا گناہ کا سبب ہے، جیسا کہ اذان جماعت واقامت وغیرہ، اور سنن زوائد: وہ سنتیں ہیں جن کے ترک میں گناہ نہیں ہے، جیسے: آپ کا کھانا پینا وغیرہ۔کچھ سنتیں نماز سے پہلے کی ہیں اور کچھ نماز کے بعد کی ہیں، جو سنتیں نماز سے پہلے کی ہیں ان کا اصل مقصد یہ ہے کہ فرائض میں لگنے سے پہلے سنن کے ذریعہ سے بندہ اپنی توجہ اللہ کی طرف مبذول کرے اور جب مکمل طور پر توجہ الی اللہ حاصل ہو جائے تو فرائض میں لگے اگر فوری طور پر فرائض میں مشغول ہوگا تو دنیا کے گورکھ دھندے اس کو ستاتے رہیں گے، اور جو سنتیں فرائض کے بعد ہیں ان کا مقصد یہ ہے کہ فرائض میں جو نقص وکمی رہ گئی ہے، وہ ان سے دور ہو جائے، سنن میں کچھ سن مؤکدہ ہیں، یعنی ان کی بہت تاکید ہے اور یہ کل بارہ ہیں، اور بعض نفل نماز ایسی ہیں، جو حضور ﷺ کے ساتھ خاص ہیں مثلاً عصر کے بعد نماز، آپ ﷺ نے خود پڑھی ہے، لیکن امت کو منع فرمایا ہے۔

سنن ونوافل عام حالات میں گھر میں ادا کرنا بہتر ہے، لیکن بعض سنن، مسجد میں ہی ادا کرنا بہتر ہے جیسے صلوٰۃ کسوف وغیرہ، مخصوص حالات میں سنن ونوافل گھر کے بجائے مسجد ہی میں ادا کیا جائے، تو بہتر ہے، مثلاً گھر آکر سنن ونوافل کے ترک کا امکان ہو تو مسجد میں پڑھ لینا اچھا ہے۔

الفصل الاوّل

حدیث نمبر ۱۰۹۲ ﴿سنن پڑھنے کا ثواب﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۱۵۹

عَنْ اُمِّ حَبِيْبَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلَّى فِيْ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ ثِنْتَيْ عَشْرَةَ رَكْعَةً بُنِيَ لَهٗ بَيْتٌ فِي الْجَنَّةِ اَرْبَعًا قَبْلَ الظُّهْرِ وَرَكْعَتَيْنِ بَعْدَ هَا وَرَكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْمَغْرِبِ وَرَكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْعِشَاءِ وَرَكْعَتَيْنِ قَبْلَ صَلٰوةِ الْفَجْرِ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَفِيْ رِوَايَةٍ لِمُسْلِمٍ اَنَّهَا قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَا مِنْ عَبْدٍ مُسْلِمٍ يُصَلِّيْ لِلّٰهِ كُلَّ يَوْمٍ ثِنْتَيْ عَشْرَةَ رَكْعَةً تَطَوُّعًا غَيْرَ فَرِيْضَةٍ اِلَّا بَنَى اللّٰهُ لَهٗ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ اَوْ اِلَّا بُنِيَ لَهٗ بَيْتٌ فِي الْجَنَّةِ۔

حوالہ: ترمذی، ص ۹۴، ج ۱، باب ماجاء فیمن صلی فی یوم ولیلة ثنتی عشرة رکعةً، کتاب الصلا، حدیث نمبر ۴۱۵۔ مسلم، ص ۲۵۱، ج ۱، باب فضل السنن الراتبة قبل الفرائض الخ، کتاب صلاة المسافرین، حدیث نمبر ۸۲۸

ترجمہ: حضرت ام حبیبہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ''جس نے ایک دن ورات میں بارہ رکعتیں پڑھی تو اس کے لیے جنت میں گھر بنایا جاتا ہے، چار رکعت ظہر سے پہلے اور چار رکعت ظہر کے بعد، دو رکعت مغرب کے بعد اور دو رکعت عشاء کے بعد اور دو رکعت فجر سے پہلے (ترمذی) اور مسلم کی ایک روایت میں حضرت ام حبیبہؓ کا یہ بیان ہے کہ میں نے آپ ﷺ کو ارشاد فرماتے سنا کہ جو مسلمان بندہ بھی ہر دن میں اللہ تعالیٰ کو خوش کرنے کے لئے بارہ رکعت نماز فرض کے علاوہ نفل کے طور پر پڑھتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اس کے

لئے جنت میں گھر بنادیتے ہیں، یا یہ فرمایا کہ اس کے لئے جنت میں گھر بنادیا جاتا ہے۔

خلاصۂ حدیث فرض نمازوں میں سستی وکاہلی کی وجہ سے کچھ کمی آجاتی ہے، اس کمی کو سنن ونوافل دور کردیتی ہیں، جیسا کہ حدیث میں ہے کہ میدانِ حشر میں سب سے پہلے نماز کے بارے میں سوال ہوگا، پھر آپ کا فرمان ہے، "فَإِنِ انْتَقَصَ مِنْ فَرِيْضَتِهِ شَيْئٌ قَالَ الرَّبُّ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى اُنْظُرُوْا هَلْ لِعَبْدِيْ مِنْ تَطَوُّعٍ فَيُكَمَّلُ بِهَا مَا انْتَقَصَ مِنَ الْفَرِيْضَةِ" یعنی فرض میں کمی کے وقت اگر سنن ونوافل موجود ہوں گی تو ان سے تلافی ہوجائے گی، حدیث باب میں جن بارہ سنتوں کا ذکر ہے وہ سنن مؤکدہ ہیں، ان پر مواظبت کرنے والے کے لئے جنت کی بشارت ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح **اربعا قبل الظهر:** ظہر کی نماز سے قبل چار رکعت سنن مؤکدہ ہے، یہی امام ابوحنیفہؒ کا مذہب ہے حدیث باب مذہب ابی حنیفہؒ کی مؤید ہے، امام شافعیؒ کے نزدیک ظہر کی نماز سے پہلے صرف دو رکعت سنتِ مؤکدہ ہے، اگلی حدیث سے شوافع استدلال کرتے ہیں۔ مزید تحقیق کے لئے اگلی حدیث ملاحظہ کریں۔

حدیث نمبر ۱۰۹۳ ﴿ظہر کی نماز سے پہلے کی سنتوں کی تعداد﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۱۶۰

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ صَلَّيْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَكْعَتَيْنِ قَبْلَ الظُّهْرِ وَرَكْعَتَيْنِ بَعْدَهَا وَرَكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْمَغْرِبِ فِيْ بَيْتِهٖ وَرَكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْعِشَاءِ فِيْ بَيْتِهٖ قَالَ وَحَدَّثَتْنِيْ حَفْصَةُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُصَلِّيْ رَكْعَتَيْنِ خَفِيْفَتَيْنِ حِيْنَ يَطْلُعُ الْفَجْرُ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حوالہ: بخاری، ص۱۵۷، ج۱، باب الرکعتان قبل الظہر، کتاب التہجد، حدیث نمبر ۱۱۸۱۔ مسلم، ص۲۵۱، ج۱، باب فضل السنن الراتبة قبل الفرائض وبعدهنّ، کتاب صلاة المسافرین، حدیث نمبر ۷۲۹۔

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ دو رکعت ظہر سے پہلے پڑھی، اور دو رکعت ظہر کے بعد پڑھی، اور دو رکعت مغرب کے بعد آپ ﷺ کے ساتھ آپ ﷺ کے گھر میں پڑھی، اور دو رکعت عشاء کے بعد آپ ﷺ کے گھر میں پڑھی، اور مجھ سے حضرت حفصہؓ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ دو ہلکی رکعت طلوع فجر کے وقت پڑھتے تھے۔ (بخاری ومسلم)

خلاصۂ حدیث اس حدیث میں بھی سنن مؤکدہ کا تذکرہ ہے، ظہر کی فرض نماز سے پہلے کی سنتوں کے متعلق حضرت ابن عمرؓ فرما رہے ہیں کہ آپ ﷺ کے ساتھ دو رکعت سنت پڑھتا تھا ممکن ہے کہ آپ ﷺ ظہر کی چار سنتیں گھر میں پڑھ کر مسجد آئے ہوں اور مسجد آکر تحیۃ المسجد کی دو رکعت پڑھتے ہوں، ان دو رکعتوں کو حضرت ابن عمرؓ نے ظہر سے پہلے کی دو سنتیں خیال کیا ہو چوں کہ امہات المؤمنین گھر میں آپ کو ظہر سے پہلے چار رکعت ہی پڑھتے دیکھا کرتی ہوں گی، اسی بنا پر حضرت عائشہؓ اور حضرت ام حبیبہؓ نے ظہر سے پہلے چار رکعت سنتوں کو آپ ﷺ کا عمل قرار دیا ہے، جیسا کہ ماقبل کی روایت میں گذرا۔

کلماتِ حدیث کی تشریح **رکعتین قبل الظهر:** حدیث کے اس خبر سے استدلال کرتے ہوئے شوافع کہتے ہیں کہ ظہر سے پہلے چار رکعت سنتِ مؤکدہ نہیں ہیں بلکہ صرف دو رکعت سنت مؤکدہ ہے۔

سنت کی تعداد میں اختلاف ائمہ: جیسا کہ گزشتہ حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ سنت مؤکدہ کی تعداد بارہ ہے یہی امام ابوحنیفہؒ کا مذہب ہے۔ لیکن امام شافعیؒ کے نزدیک سنت مؤکدہ کی تعداد دس ہے۔ یہ اختلاف ظہر کی فرض سے پہلے کی سنتوں کی تعداد کی وجہ سے ہوا ہے۔

امام شافعیؒ کا مذہب: امام شافعیؒ کے نزدیک ظہر کی فرض نماز سے پہلے دو رکعت سنت ہے چوں کہ امام شافعیؒ کے نزدیک نفل

نماز خواہ دن میں ہو یا رات میں دو رکعتیں ہی افضل ہیں، لہٰذا انھوں نے ظہر سے پہلے بھی دو سنتوں والی روایت لی ہے۔

دلیل: امام شافعیؒ کی دلیل حدیث باب ہے جس میں واضح طور پر حضرت ابن عمرؓ کا بیان ہے کہ "**صليت مع رسول الله صلى الله عليه وسلم ركعتين قبل الظهر وركعتين بعدها.**"

امام ابوحنیفہؒ کا مذہب: امام صاحبؒ کے نزدیک ظہر سے پہلے چار رکعتیں مسنون ہیں۔

دلیل: (۱) امام صاحب کی ایک دلیل تو گزشتہ حدیث ہے جس میں صاف طور پر کہا گیا ہے کہ "**اربعاً قبل الظهر**" ظہر سے پہلے چار رکعت ہیں، اور حدیث میں بارہ رکعت سنن پڑھنے والے کے لئے جنت کی بشارت ہے اور بارہ جب ہی ہوتی ہیں جب کہ ظہر کی چار رکعتیں شمار کی جائیں۔ (۲) **قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من صلى قبل الظهر أربعاً وبعدها اربعاً حرمه على النار**" جو شخص ظہر سے پہلے چار رکعت اور ظہر کے بعد چار رکعت سنتیں پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس پر جہنم کی آگ حرام کردیتے ہیں، ان کے علاوہ بھی بہت سی روایت ہیں جن میں چار رکعت کے مسنون ہونے کی صراحت ہے۔ اس باب کے تحت بھی کئی احادیثیں مذکور ہیں۔ اسی بنا پر امام ترمذی فرماتے ہیں "**وَالْعَمَلُ عَلٰى هٰذَا عِنْدَ أَكْثَرِ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَنْ بَعْدَهُمْ يَخْتَارُوْنَ أَنْ يُصَلِّيَ الرَّجُلُ قَبْلَ الظُّهْرِ اَرْبَعَ رَكْعَاتٍ**"

شوافع کی دلیل کا جواب: (۱) ابن عمرؓ نے جن دو رکعتوں کا ذکر کیا ہے وہ تحیۃ المسجد تھیں (۲) حدیث باب فعلی ہے جبکہ قولی احادیث میں چار کی صراحت ہے، اور فعلی حدیث پر قولی حدیث کو ترجیح ہوتی ہے (۳) اقل سے اکثر کی نفی نہیں ہوتی ہے (۴) زیادہ احادیث سے چار رکعت ہی ثابت ہیں (۵) دونوں طریقے مسنون ہیں، وقت زیادہ ہو تو چار رکعت پڑھی جائیں تنگ وقت ہو تب دو رکعت پڑھی جائیں۔

فرض نماز سے پہلے ظہر کی سنتیں فوت ہوگئیں: ظہر سے پہلے کی جو چار رکعت سنن ہیں وہ اگر فرض سے پہلے فوت ہوگئیں تو کیا فرض کے بعد ان کو پڑھا جائے اس کا جواب یہ ہے کہ ہاں یہ چار رکعت بعد میں پڑھی جائیں گی، کیونکہ آپ ﷺ ان کو پڑھتے تھے، "**كان اذا لم يصل اربعاً قبل الظهر صلاهنّ بعدها**" سوال یہ ہے کہ یہ چار رکعت سنن، ظہر کی فرض چار رکعت کے فوراً بعد پڑھی جائیں یا دو رکعت سنتیں پڑھنے کے بعد پڑھی جائیں؟ جواب یہ ہے کہ امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ ان کی ادائیگی ظہر کے بعد والی "**ركعتين**" سے قبل کی جائے۔ لیکن امام صاحبؒ فرماتے ہیں کہ ان چار رکعت کی ادئیگی "**ركعتين**" کے بعد ہوگی، یہ مفتی بہ قول ہے، وجہ یہ ہے کہ شریعت نے کسی مصلحت کے پیش نظر فرضوں کے بعد ان کے مانند سنن نوافل نہیں رکھے ہیں تاکہ دیکھنے والا یہ خیال نہ کرے کہ نمازی نے نماز کا اعادہ کیا ہے، اور امام کے ساتھ نماز پڑھنے کا اعتبار نہیں کیا ہے، اس چیز میں بہت سے فتنے دبے رہتے ہیں، پھر ایک حدیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے "**كان رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا فاتته الا ربع قبل الظهر صلاها بعد الركعتين بعد الظهر**" اس میں صراحت ہے اگر آپؐ کی وہ چار سنتیں جو ظہر سے پہلے کی ہیں فوت ہوجاتیں، تو آپؐ ظہر کے بعد جو "**ركعتين**" ہیں ان کے بعد ادا کرتے تھے۔

سنن فجر مختصر پڑھنا: حدیث باب سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ فجر کی، سنتیں مختصر پڑھنا چاہئے کیونکہ حضرت حفصہؓ کا بیان ہے کہ "**ان رسول الله ﷺ كان يصلى ركعتين خفيفتين حين يطلع الفجر**" فجر کی سنتیں اسلئے ہلکی پڑھنے کی تاکید ہے تاکہ فرض نشاط کیساتھ پڑھی جائے، حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ **رمقت النبى ﷺ شهراً فكان يقرأ فى الركعتين قبل الفجر" قل يا ايها الكافرون، وقل هو الله احد**" میں نے ایک مہینہ حضور ﷺ کے قریب رہ کر اور کان لگا کر سنا ہے کہ آپ ﷺ

فجر کی سنتوں میں کونسی سورتیں پڑھتے ہیں، آپ ﷺ فجر کی سنتوں میں سورۃ الکافرون اور سورۃ الاخلاص پڑھا کرتے تھے۔

نوٹ: بعض نمازوں میں حضور ﷺ سے بعض سورتوں کا کثرت سے پڑھنا ثابت ہے، لہٰذا ماثورہ سورتیں پڑھنا بہتر ہیں لیکن ان کو لازم کر لینا ٹھیک نہیں ہے۔

حدیث نمبر ۱۰۹۴ ﴿جمعہ کی سنتوں کا بیان﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۱۶۱

وَعَنْهُ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ لَا يُصَلِّيْ بَعْدَ الْجُمُعَةِ حَتّٰى يَنْصَرِفَ فَيُصَلِّيْ رَكْعَتَيْنِ فِيْ بَيْتِهٖ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حوالہ: بخاری، ص ۱۲۸، ج ۱، باب الصلاة بعد الجمعة وقبلها، کتاب الجمعة، حدیث نمبر ۹۳۷، مسلم، ص ۲۸۸، کتاب صلاة المسافرین، باب فی استحباب اربع رکعات ورکعتین قبل الجمعة الخ.

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جمعہ کے بعد دو رکعت سنن حجرہ میں تشریف لیجا کر پڑھتے تھے، آپ ﷺ حجرہ میں اسلئے سنت پڑھتے کہ گھر میں سنن ونوافل کا پڑھنا افضل ہے، اس سے گھر میں برکت بھی ہوتی ہے، اور اہل خانہ کو نماز کی ترغیب بھی ہوتی ہے

کلمات حدیث کی تشریح

فیصلی رکعتین: آپ ﷺ جمعہ کے بعد دو رکعت نماز پڑھتے، یہ حدیث فعلی ہے اس کے علاوہ قولی حدیث بھی جمعہ کی سنن کے بارے میں ہیں، ایک حدیث میں آپ ﷺ نے جمعہ کے بعد چار رکعت پڑھنے کا حکم دیا ہے، روایات کے اختلاف کی بنا پر ائمہ کے درمیان بھی جمعہ کی سنن کے حوالے سے اختلاف ہے۔

﴿جمعہ کی سنن اور اختلافِ ائمہ﴾

امام ابو حنیفہؒ کا مذہب: امام صاحبؒ کے نزدیک جمعہ سے پہلے بھی چار رکعتیں ہیں اور جمعہ کے بعد چار رکعت سنت ہیں، اور صاحبینؒ کے نزدیک جمعہ سے پہلے چار رکعت اور جمعہ کے بعد چھ رکعت سنن ہیں۔

دلیل: روی عن عبداللہ بن مسعودؓ أنه كان يصلي قبل الجمعة أربعا وبعدها أربعاً. حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ وہ جمعہ سے پہلے چار اور جمعہ کے بعد چار رکعت سنن پڑھتے تھے، صاحبینؒ حضرت ابن عمرؓ کی حدیث باب اور ابو ہریرہؓ کی روایت "قال رسول اللہ ﷺ من كان منكم مصليا بعد الجمعة فليصل اربعاً" (آپ ﷺ نے فرمایا جو شخص تم میں سے جمعہ کے بعد نماز پڑھے تو وہ چار رکعت نماز پڑھے) دونوں روایتوں کے مجموعہ کو لے کر کہتے ہیں کہ جمعہ کے بعد چھ رکعت مسنون ہے، حضرت علیؓ کی بھی روایت ہے کہ "أنه امرا أن يصلي بعد الجمعة ركعتين ثم اربعاً" جمعہ کے بعد دو رکعتیں پھر چار رکعتیں یعنی کل چھ رکعت پڑھنے کا حکم کرتے تھے، البتہ امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ پہلے دو رکعت پڑھی جائیں پھر چار رکعت پڑھی جائیں، تاکہ فرض کے بعد فرض کے مانند رکعت نہ ہوں اور کوئی اس شبہ میں نہ پڑے کہ فرض نماز کا ہی اعادہ کر رہا ہے اور اس کو امام کی نماز کا اعتبار نہیں۔

امام احمدؒ کا مذہب: امام احمدؒ کے نزدیک جمعہ کے بعد دو سنتیں ہیں۔

دلیل: امام احمدؒ کی دلیل حدیث باب ہے جس سے آپ ﷺ کا عمل معلوم ہوا کہ آپ ﷺ جمعہ کے بعد صرف دو رکعت سنت ادا فرماتے تھے۔

جواب: اقل اکثر کے منافی نہیں ہے، یہ دو رکعت جو آپ ﷺ پڑھتے تھے یہ بھی مسنون ہیں اور اس کے علاوہ بھی سنت ہیں جیسا کہ ماقبل کی سطور سے علم ہوا۔ خود ابن عمرؓ جو حدیث باب کے راوی ہیں چھ رکعت سنت جمعہ کے بعد پڑھتے تھے، ترمذی میں روایت ہے کہ "عن عطاءٍ قال رأيت ابن عمرؓ صلى بعد الجمعة ركعتين ثم صلى بعد ذالك اربعاً.

سنن کی ادئیگی گھر میں: اس حدیث سے یہ بات بھی معلوم ہوتی ہیکہ سنن ونوافل گھر میں پڑھنا چاہئے کیونکہ حدیث میں ہے کہ "فیصلی رکعتین فی بیته" آپ ﷺ حجرہ میں جمعہ کے بعد دو رکعت سنن پڑھتے تھے، سنن ونوافل گھر میں پڑھنا افضل ہے،

آپ ﷺ کا فرمان ہے "افضل صلاتکم فی بیوتکم الا المکتوبة" (تمہاری نمازوں میں زیادہ فضیلت والی نماز وہ ہے جسے تم گھروں میں پڑھو لیکن فرض نماز اس سے مستثنیٰ ہے) فرض نمازیں مسجد ہی میں ادا کی جائیں، ایک موقع پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ "صلوا فی بیوتکم و لا تتخذوھا قبوراً" اپنے گھروں میں نمازیں پڑھو، اور انکو قبرمت بناؤ، مطلب یہ ہیکہ نفل نماز گھر ہی میں ادا کی جائیں لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ مسجد میں سنن ونوافل پڑھنے کی گنجائش نہیں، مسجد میں بھی سنن ونوافل پڑھی جاسکتی ہیں بلکہ بعض احوال میں مسجد میں پڑھنا بہتر ہے، خاص طور پر وہ لوگ جو گھروں میں سکون سے سنن ونوافل نہ ادا کر پاتے ہوں یا گھر میں پڑھنے کے چکر میں پڑ کر سنن ونوافل کے فوت ہونے کا خدشہ ہے تب تو بہتر ہے کہ مسجد میں ہی ادا کرلیا جائے۔

حدیث نمبر ۱۰۹۵ ﴿ظہر سے پہلے چار رکعات سنت﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۱۶۲

وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ شَقِيْقٍ قَالَ سَأَلْتُ عَائِشَةَ عَنْ صَلَاةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ تَطَوُّعِهِ فَقَالَتْ كَانَ يُصَلِّيْ فِيْ بَيْتِيْ قَبْلَ الظُّهْرِ اَرْبَعًا ثُمَّ يَخْرُجُ فَيُصَلِّيْ بِالنَّاسِ ثُمَّ يَدْخُلُ فَيُصَلِّيْ رَكْعَتَيْنِ وَكَانَ يُصَلِّيْ بِالنَّاسِ الْمَغْرِبَ ثُمَّ يَدْخُلُ فَيُصَلِّيْ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ يُصَلِّيْ بِالنَّاسِ الْعِشَاءَ وَيَدْخُلُ بَيْتِيْ فَيُصَلِّيْ رَكْعَتَيْنِ وَكَانَ يُصَلِّيْ مِنَ اللَّيْلِ تِسْعَ رَكْعَاتٍ فِيْهِنَّ الْوِتْرُ وَكَانَ يُصَلِّيْ لَيْلًا طَوِيْلًا قَائِمًا وَلَيْلًا طَوِيْلًا قَاعِدًا وَكَانَ اِذَا قَرَأَ وَهُوَ قَائِمٌ رَكَعَ وَسَجَدَ وَهُوَ قَائِمٌ وَكَانَ اِذَا قَرَأَ قَاعِدًا رَكَعَ وَسَجَدَ وَهُوَ قَاعِدٌ وَكَانَ اِذَا طَلَعَ الْفَجْرُ صَلّٰى رَكْعَتَيْنِ رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَزَادَ اَبُوْدَاوُدَ ثُمَّ يَخْرُجُ فَيُصَلِّيْ بِالنَّاسِ صَلَاةَ الْفَجْرِ.

حوالہ: مسلم، ص ۲۵۲، ج ۱، باب جواز النافلة الخ، کتاب صلاة المسافرین، حدیث نمبر ۷۳۰، ابو داؤد، ص ۱۷۸، ج ۱، باب تفریع ابواب التطوع، کتاب التطوع، حدیث نمبر ۱۲۵۰۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن شقیق ؒ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت عائشہ ؓ سے رسول اللہ ﷺ کی نفل نمازوں کے بارے میں دریافت کیا، تو آپ نے فرمایا کہ میرے گھر میں ظہر سے پہلے چار رکعت نماز پڑھتے تھے، پھر تشریف لاتے پھر دو رکعت نماز پڑھتے، اور آپ ﷺ رات میں نو رکعات نماز پڑھتے تھے، ان میں وتر بھی شامل ہوتی تھی اور آپ ﷺ رات کی نماز دیر تک کھڑے ہوکر اور دیر تک بیٹھ کر پڑھتے تھے، جب کھڑے ہوکر قرأت کرتے تو کھڑے ہوکر ہی رکوع وسجدہ کرتے اور جب بیٹھ کر قرأت کرتے تو بیٹھ کر ہی رکوع وسجدہ بھی کرتے، اور جب فجر طلوع ہوتا تو دو رکعت نماز پڑھتے (مسلم) ابوداؤد نے مزید یہ بات نقل کی ہے کہ آپ ﷺ تشریف لے جاتے اور لوگوں کو نماز پڑھاتے۔

خلاصۂ حدیث اس حدیث سے چند باتیں معلوم ہوتی ہیں (۱) ظہر سے پہلے چار رکعت نماز مسنون ہے (۲) ظہر بعد، مغرب بعد، عشاء بعد اور فجر سے پہلے دو رکعت سنت ہے (۳) سنن ونوافل عام حالات میں گھر میں پڑھنا افضل ہے آپ ﷺ کا یہی معمول تھا، (۴) تہجد کی رکعات کی تعداد کے بارے میں روایات متعدد ہیں لہٰذا وتر کی یہاں ایک رکعت بھی مراد ہوسکتی ہے، جیسا کہ شوافع کا مسلک ہے اور تین رکعات بھی مراد ہوسکتی ہیں جیسا کہ احناف کا مذہب ہے (۵) وتر تہجد کی نماز کے ساتھ پڑھنا افضل ہے، آپ ﷺ کا بھی یہی معمول تھا (۶) نوافل میں قرأت وقیام رکوع وسجود کا طویل کرنا افضل وبہتر ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح و کان یصلی لیلا طویلاً: حدیث کے اس جملے کے تین مطلب نقل کئے جاتے ہیں۔ (۱) آپ ﷺ رات کے ایک حصے میں دیر تک کھڑے ہوکر نماز پڑھتے تھے اور رات کے دوسرے حصے میں بیٹھ کر دیر تک نماز پڑھتے تھے یعنی ایک ہی شب میں کچھ نفلیں کھڑے ہوکر اور کچھ بیٹھ کر آپ ﷺ پڑھتے تھے (۲) بعض راتوں میں آپ ﷺ کھڑے ہوکر خوب لمبی نماز پڑھتے تھے اور بعض راتوں میں بیٹھ کر لمبی نماز پڑھتے تھے (۳) آپ ﷺ رات میں کثرت سے نماز پڑھتے

تھے اور کثرت سے قیام وقعود کرتے تھے ان مطالب میں پہلا مطلب واضح اور راجح اور حدیث کے الفاظ کے قریب تر ہے۔ **و کان اذا قرأ وھو قائم رکع وسجد وھو قائم:** حدیث کے اس جز کا مطلب ہے کہ آپ تہجد کی نماز بیٹھ کر بھی پڑھتے اور کھڑے ہو کر بھی پڑھتے لیکن جب آپ نماز **قائماً** شروع فرماتے تو رکوع وسجود بھی قائماً کرتے یعنی آپ ایسا نہیں کرتے کہ قرأت کے بعد بیٹھ جائیں اور بیٹھ کر رکوع وسجود کریں اسی طرح جب آپ ﷺ بیٹھ کر نماز شروع کرتے تو رکوع وسجدہ بھی بیٹھ کر کرتے یعنی آپ ﷺ ایسا نہیں کرتے کہ قرأت کے بعد کھڑے ہو جائیں اور پھر کھڑے ہو کر رکوع وسجدہ کریں۔

تعارض: حضرت عائشہؓ کی اس حدیث اور ابوداؤد کی ایک دوسری حدیث میں تعارض ہے، "**باب فی صلاۃ القاعد**" کے تحت، ابوداؤد میں روایت ہے کہ "**ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یصلی جالساً فیقرأ وھو جالس فاذا بقی من قرأتہ قدر ما یکون ثلاثین او اربعین آیۃ قام فقرأھا وھو قائم ثم رکع ثم سجد ثم یفعل فی الرکعۃ الثانیۃ مثل ذالک**" اس حدیث کا مطلب ہے کہ آپ ﷺ بیٹھ کر تہجد کی نماز شروع فرماتے، اور بیٹھ کر ہی قرأت کرتے لیکن جب تیس یا چالیس آیات کے بقدر آیات تلاوت کرنے کو باقی رہ جاتیں، تو آپ ﷺ کھڑے ہو کر ان کو پورا کرتے اور پھر رکوع میں جاتے، تو اس حدیث سے تو معلوم ہوا کہ آپ ﷺ نے جو نماز بیٹھ کر شروع فرمائی بسا اوقات اس کا رکوع کھڑے ہو کر کیا، جب کہ حدیث باب میں اس کی نفی ہے۔

جواب: (۱) اختلاف روایت احوال اور زمانے کے اختلاف کی بنا پر ہے، ایک وقت میں آپ ﷺ کا وہی عمل تھا جو کہ ابوداؤد کی مذکورہ روایت میں ہے اور ایک دوسرے وقت کا عمل وہ ہے جو حدیث باب میں مذکور ہے آپ ﷺ کا ہمیشہ کا کوئی ایک معمول نہیں تھا (۲) حضرت عائشہؓ نے اس حدیث میں جو نفی کی ہے، اس کا تعلق اس بات سے ہے کہ آپ ﷺ جو نماز کھڑے ہو کر شروع فرماتے تو اس میں خاص طور پر رکوع وسجدہ کرنے کے لئے کھڑے نہیں ہوتے تھے، جہاں تک ابوداؤد کی مذکورہ روایت میں آپ ﷺ کا کھڑا ہونا ہے، وہ خاص رکوع کے لیے نہیں تھا، بلکہ کچھ آیات تلاوت کرتے پھر رکوع کرتے دونوں میں فرق بالکل واضح ہے۔

حدیث نمبر ۱۰۹۶ ﴿فجر کی سنتوں پر آپؐ کی مواظبت﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۱۶۳

وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ لَمْ يَكُنِ النَّبِيُّ ﷺ عَلٰى شَيْءٍ مِّنَ النَّوَافِلِ اَشَدَّ تَعَاهُدًا مِنْهُ عَلٰى رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

حوالہ: بخاری، ص ۱۵۶، ج ۱، باب تعاھد رکعتی الفجر، کتاب التھجد، حدیث نمبر ۱۱۶۹، مسلم، ص ۲۵۱، ج ۱، باب استحباب رکعتی سنۃ الفجر، کتاب صلاۃ المسافرین، حدیث نمبر ۷۲۴.

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نفل نمازوں میں کسی نماز کی اتنی زیادہ مواظبت نہیں فرماتے تھے جتنی فجر کی دو رکعت سنت کی مواظبت فرماتے تھے۔ (بخاری ومسلم)

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ نفل وسنن میں سب سے زیادہ اہم فجر کی فرض نماز سے پہلی کی دو سنتیں ہیں، ان کی خوب پابندی کرنا چاہئے، اس لئے کہ حضرت نبی کریم ﷺ تمام سنن ونوافل میں ان دو سنتوں کو زیادہ اہمیت دیتے تھے، سفر وحضر ہر جگہ ان کو ضرور پڑھتے تھے۔

کلمات حدیث کی تشریح **اشد تعاھداً:** حضرت نبی کریم ﷺ فجر کی دو سنتوں کا جس قدر اہتمام فرماتے تھے، اتنا دوسری سنتوں کا اہتمام نہیں فرماتے تھے، فجر کی سنتوں کی اتنی تاکید ہے کہ گویا اسمیں واجب کی شان ہوگئی ہے فجر کی سنتوں کی قضاء کا حکم ہے، عام سنتوں کی قضاء مشروع نہیں ہے، یہ دلیل ہے کہ فجر کی سنتوں میں وجوب کی شان ہے اور چونکہ انکی قضا زوال تک ہے، زوال کے بعد قضا نہیں ہے، لہٰذا یہ واجب بھی نہیں ہے کیوں کہ اگر واجب ہوتی تو پھر زوال کے بعد بھی قضا کا حکم ہوتا۔ فجر کی سنن کی

اہمیت ترمذی کی اس حدیث سے ثابت ہوتی ہے آپ ﷺ کا فرمان ہے "رَکْعَتَا الْفَجْرِ خَیْرٌ مِّنَ الدُّنْیَا وَمَا فِیْهَا" فجر کی دو رکعتیں دنیا اور جو کچھ دنیا میں ہے اس سے بہتر ہے، ابوداؤد شریف میں آپ ﷺ کا فرمان ہے کہ "لَا تَدَعُوْهُمَا وَ اِنْ طَرَدَتْکُمُ الْخَیْلُ" (فجر کی دو سنتوں کو نہ چھوڑو، اگر چہ گھوڑے تم کو روند ڈالیں) یعنی اگر تم میدان جہاد میں ہو اور یہ سمجھتے ہو کہ فجر کی سنتوں میں مشغول ہوں گے، تو دشمن کے گھوڑے ہم کو روند ڈالیں گے، تو بھی اس کی پرواہ نہ کرو اور فجر کی سنتوں میں مشغول رہو آپ ﷺ کے ان فرامین اور حدیث باب میں مذکور آپ ﷺ کے عمل سے فجر کی سنتوں کی اہمیت اور دیگر سنن کے مقابلہ میں ان کی انفرادیت خوب سمجھ میں آتی ہے۔

حدیث نمبر ۱۰۹۷ ﴿فجر کی سنن کی اهمیت﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۱٦٤

وَعَنْهَا قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ رَکْعَتَا الْفَجْرِ خَیْرٌ مِّنَ الدُّنْیَا وَمَا فِیْهَا رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

حوالہ: مسلم، ص ۲۵۱، ج ۱، باب استحباب رکعتی سنة الفجر، کتاب صلاة المسافرین، حدیث نمبر ۷۲۵.

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ حضرت نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ "فجر کی دو رکعت (سنت) دنیا اور دنیا کی تمام چیزوں سے بہتر ہے۔ (بخاری و مسلم)

خلاصۂ حدیث اس سے بھی فجر کی سنن کی اہمیت معلوم ہو رہی ہے کہ فجر کی سنت بے حد اہم ہے ان کو قطعاً چھوڑنے کی گنجائش نہیں ہے، فجر کی سنتوں کی انفرادی شان کی بنا پر فقہاء نے لکھا ہے کہ ان کو بغیر عذر کے بیٹھ کر پڑھنا درست نہیں۔

کلمات حدیث کی تشریح رکعتا الفجر خیر: سنن مؤکدہ میں سے سب سے زیادہ تاکید فجر کی سنتوں کی ہے، بعض لوگ دنیا کی چھوٹی چھوٹی اشیا کے حصول کے خاطر فجر کی سنن سے غفلت کرتے ہیں، لہٰذا آپ ﷺ نے ایسے لوگوں کی آنکھیں کھولنے کے لئے فرمایا کہ یہ سنن دنیا اور جو کچھ دنیا میں ہے، سب سے بہتر ہیں لہٰذا ان سے غفلت مت برتو۔

حدیث نمبر ۱۰۹۸ ﴿مغرب کی نماز سے پہلے دو رکعت﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۱٦٥

وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مُغَفَّلٍ قَالَ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ صَلُّوْا قَبْلَ صَلٰوةِ الْمَغْرِبِ رَکْعَتَیْنِ قَالَ فِی الثَّالِثَةِ لِمَنْ شَاءَ کَرَاهِیَةَ اَنْ یَّتَّخِذَهَا النَّاسُ سُنَّةً مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ.

حوالہ: بخاری، ص۱۵۷، ج۱، باب الصلاة قبل المغرب، کتاب التهجد، حدیث نمبر ۱۱۸۳. مسلم، ص۲۷۸، ج ۱، باب استحباب رکعتین قبل المغرب، کتاب صلاة المسافرین، حدیث نمبر ۸۳۸.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مغفلؓ سے روایت ہے کہ حضرت نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ "مغرب کی نماز سے پہلے دو رکعت نماز پڑھو، تیسری مرتبہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جو چاہے پڑھے، اس بات کو آپ ﷺ نے ناپسند کیا کہ لوگ اس کو سنت نہ سمجھ لیں۔ (بخاری و مسلم)

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ آپ ﷺ نے تین مرتبہ اس بات کا تذکرہ فرمایا کہ مغرب کی نماز سے پہلے دو رکعت پڑھ لیا کرو، لیکن یہ دو رکعت چوں کہ واجب یا سنت کے درجہ کی نہیں ہیں، اس لئے آپ ﷺ نے اس بات کی بھی صراحت کردی کہ جو چاہے پڑھ لے، یعنی اگر کوئی نہ پڑھے تو بھی کوئی حرج نہیں ہے، آپ ﷺ نے ان دو رکعتوں کو سنت قرار دیے جانے کو ناپسند کیا ہے، اس لیے یہ دو رکعت زیادہ سے زیادہ مستحب کے درجہ کی ہیں۔

کلمات حدیث کی تشریح صلوا قبل صلاة المغرب رکعتین: اصل بات یہ ہے کہ مغرب کی نماز میں آپ ﷺ تعجیل فرماتے تھے، اسی بنا پر مغرب کی نماز سے قبل نہ تو آپ ﷺ خود دو رکعت پڑھتے تھے، اور نہ عام صحابہؓ کا یہ عمل تھا، چنانچہ آپ ﷺ کا فرمان ہے کہ "ان عند کل اذنین رکعتین ما خلا صلاة المغرب" (بیہقی) نماز کو بھی تغلیباً اذان

سے تعبیر فرمایا ہے، مطلب یہ ہے کہ ہر اذان اور نماز کے درمیان دو رکعتیں ہیں سوائے مغرب کے، یعنی مغرب سے پہلے سنتیں نہیں ہیں، اس طرح کی احادیث سے ظاہری طور پر معلوم ہوتا ہے کہ مغرب سے پہلے سنن کی ممانعت ہے، چنانچہ آپ ﷺ نے نہی اور ممانعت کو ختم کرنے کے لیے وہ بات فرمائی ہے جو حدیث باب میں ہے، یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ جو امر نہی کے بعد آئے وہ جواز اور اباحت کے لئے ہوتا ہے، وجوب یا سنت کے لئے نہیں ہوتا، مثلاً حالت احرام میں شکار حرام ہے، احرام کے کھولنے کے بعد شکار واجب وغیرہ نہیں ہے، صرف جائز ہے، لیکن اس کے لئے بھی اللہ تعالیٰ نے امر کا صیغہ استعمال کیا، فرمانِ باری تعالیٰ ہے: "اِذَا حَلَلْتُم فَاصْطَادُوْا" چنانچہ حدیث باب میں آپ ﷺ کا فرمان "صلوا قبل صلوة المغرب" بھی جواز کے لئے ہے اور اس پر قرینہ آپ ﷺ کا فرمان ہے "لمن شاء كراهية ان يتخذها الناس سنة" یہ بات جب سمجھ لی گئی تو یہ بھی سمجھ لینا چاہئے کہ اگر چہ شریعت نے ان رکعتوں کے پڑھنے کی اجازت دی ہے، لیکن ترک اولیٰ ہے، یہی وجہ ہے کہ نہ تو آپ ﷺ نے خود مغرب کے پہلے کی دو رکعتیں پڑھیں اور نہ کبارِ صحابہ میں سے کسی نے پڑھیں، حضرت ابو سعیدؓ کی روایت ہے کہ "لَمْ اُدْرِكْ اَحَداً مِنَ الصَّحَابَةِ يُصَلِّيْهَا غَيْرُ سَعْدِ بْنِ مَالِكٍ" سعد بن مالک کے علاوہ کسی بھی صحابی کو مغرب سے پہلے کی دو رکعتیں پڑھتے ہوئے نہیں پایا، حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ "ما رأيتُ احداً على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم يصليها" رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں کسی کو نماز پڑھتے نہیں دیکھا۔

اب رہ گئی بات ائمہ اربعہ کے مذاہب کی تو امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک رکعتین قبل المغرب مکروہ ہیں درِّ مختار میں اسی قول کو اختیار کیا گیا ہے، دیگر ائمہ کے نزدیک رکعتین قبل المغرب جائز ہے، حاصل یہ ہے کہ ائمہ اربعہ میں سے کسی کے نزدیک یہ نماز نہ تو سنت ہے اور نہ مستحب ہے، لہٰذا اس کا ترک ہی اولیٰ ہے۔

حدیث نمبر ۱۰۹۹ ﴿جمعه کی نماز کے بعد چار رکعات نماز﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۱۶۶

وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ كَانَ مِنْكُمْ مُصَلِّيًا بَعْدَ الْجُمُعَةِ فَلْيُصَلِّ اَرْبَعًا رَوَاهُ مُسْلِمٌ، وَفِي اُخْرىٰ لَهٗ قَالَ اِذَا صَلّٰى اَحَدُكُمُ الْجُمُعَةَ فَلْيُصَلِّ بَعْدَهَا اَرْبَعًا.

حواله: مسلم، ص ۲۸۸، ج ۱، باب الصلاة بعد الجمعة، كتاب الجمعة، حديث نمبر ۸۸۱.

ترجمه: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ "جو شخص تم میں سے جمعہ کے بعد نماز پڑھے تو وہ چار رکعت نماز پڑھے" (مسلم) مسلم شریف کی ایک دوسری روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ "جب تم میں سے کوئی شخص جمعہ کی نماز پڑھے تو اس کو چاہئے کہ جمعہ کے بعد چار رکعات نماز پڑھے۔

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ جمعہ کے بعد چار رکعت پڑھنا چاہئے، امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک جمعہ کے بعد چار رکعات ہی سنت ہے، صاحبین کے نزدیک چھ رکعت سنت ہے، حدیث باب امام صاحب کا مستدل ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح من كان منكم مصلّياً بعد الجمعة فليصلي اربعاً: اس حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ جمعہ کی فرض نماز کے بعد چار رکعت سنن پڑھو، امام ابوحنیفہؒ نے اس طرح کی احادیث سے استدلال کرکے فرمایا ہے کہ جمعہ کے بعد چار رکعت سنت ہیں، امام احمدؒ کے نزدیک دو رکعت جمعہ کے بعد مسنون ہیں، ان کی دلیل ابن عمر کی وہ حدیث ہے جو گذر چکی۔ (حدیث نمبر ۱۰۹۴) اس میں آپ ﷺ کا عمل مذکور ہے، "فيصلي ركعتين في بيته" آپ ﷺ اپنے حجرہ میں تشریف لے جاکر دو رکعت جمعہ کے بعد پڑھتے تھے، صاحبین کے نزدیک جمعہ کے بعد چھ رکعت سنت ہیں، وہ حدیث باب اور حدیث ابن عمرؓ دونوں کو ملا کر کہتے ہیں کہ جمعہ کے بعد چھ رکعت سنت ہیں، حضرت علیؓ کا اثر بھی ہے کہ "من كان مصلّيا بعد الجمعة

فلیصلی ستا" اس مسئلہ کے متعلق مزید تحقیق کے لئے حدیث نمبر۱۰۹۴ دیکھیں۔

حدیث نمبر ۱۱۰۰ ﴿ظہر سے پہلے اور بعد کی سنتیں﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۱۶۷

عَنْ اُمِّ حَبِیْبَةَ قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ حَافَظَ عَلٰى اَرْبَعِ رَكَعَاتٍ قَبْلَ الظُّهْرِ وَاَرْبَعٍ بَعْدَهَا حَرَّمَهُ اللّٰهُ عَلَى النَّارِ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ.

حواله: مسند احمد، ص۳۲۶، ج۱، ابوداؤد ص ۱۸۰، ج۱، باب اربع قبل الظهر وبعدها، كتاب التطوع، حديث نمبر ۱۲۶۹. ترمذی، ص۹۸، ج۱، باب منه كتاب الصلاة، حديث نمبر۴۲۷. نسائی، ص ۲۱۰، باب اختلاف، كتاب قيام الليل، حديث نمبر ۱۸۱۵. ابن ماجة، ص ۸۱، باب فيمن صلى قبل الظهر اربعاً، كتاب اقامة الصلاة، حديث نمبر ۱۱۶۰.

ترجمه: حضرت ام حبیبہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس نے ظہر سے پہلے اور ظہر کے بعد چار رکعات نماز پڑھنے پر مواظبت کی، اللہ تعالیٰ جہنم کی آگ اس پر حرام کردیں گے۔ (مسند احمد، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ)

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ ظہر سے پہلے اور ظہر کے بعد چار چار رکعات پڑھنا چاہئے، جو شخص اس پر مواظبت و پابندی کرے گا، تو اللہ تعالیٰ اپنے لطف وکرم سے اس پر جہنم کی آگ حرام کردیں گے۔

کلمات حدیث کی تشریح **من حافظ:** یہاں سے یہ بات معلوم ہوئی کہ حدیث باب میں جو بشارت ہے، وہ اس شخص کیلئے ہے جو مذکورہ سنتوں کی پابندی کرلے ایک دومرتبہ سنتیں پڑھنے والے کے لئے یہ بشارت نہیں ہے، کیوں کہ وہ مواظبت کرنیوالا نہیں ہے، اگر کہیں مواظبت کے الفاظ نہ بھی ہوں تو بھی مواظبت ہی مراد ہوگی، کیونکہ یہ جو سنتیں نماز سے قبل اور بعد کی ہیں، جنکی احادیث میں کافی تاکید ہے وہ سنت راتبہ کہلاتی ہیں اور "رتب، رُتُوْبًا" کے معنی میں ہیں جم جانا، مراد مواظبت کرنا ہے، **واربع بعدها:** اکثر اور مشہور روایات میں ظہر کے بعد دو رکعات کا تذکرہ ہے، لیکن حدیث باب میں ظہر کے بعد بھی چار رکعات مذکور ہیں، امام مالکؒ نے اسی حدیث کی بنا پر فرمایا ہے کہ ظہر کے بعد چار رکعات سنن ہیں اور چاروں ایک درجہ کی ہیں، لیکن جمہور کے نزدیک انمیں سے دو سنت مؤکدہ اور دو سنت غیر مؤکدہ ہیں، **حرمه الله على النار:** جو شخص مذکورہ سنتوں پر مواظبت کریگا، اس کیلئے حدیث باب میں بشارت ہے کہ اللہ تعالیٰ اسپر آگ کو حرام کردیں گے، یا تو مراد ہے کہ اسکو جہنم میں ڈالیں گے ہی نہیں، یا پھر خلود فی النار کی نفی ہے

اشکال: خلود فی النار تو کسی بھی مسلمان کے لئے نہ ہوگا، پھر اس میں اس شخص کے لئے کیا امتیاز ہے؟

جواب: اس شخص کے لئے امتیاز کی بات یہ ہے کہ ایسے شخص کے لئے گویا کہ حدیث خاتمہ بالخیر کی بشارت سنا رہی ہے، جب کہ ہر مسلمان کے حق میں یہ بات نہیں ہے کہ اس کا خاتمہ بھی ایمان پر ہوگا۔

حدیث نمبر ۱۱۰۱ ﴿ظہر سے پہلے کی چار رکعات﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۱۶۸

وَعَنْ اَبِيْ اَيُّوْبَ الْاَنْصَارِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَرْبَعٌ قَبْلَ الظُّهْرِ لَيْسَ فِيْهِنَّ تَسْلِيْمٌ تُفْتَحُ لَهُنَّ اَبْوَابُ السَّمَاءِ رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَابْنُ مَاجَةَ.

حواله: ابوداؤ، ص ۱۸۰، ج۱، باب الاربع قبل الظهر وبعدها، كتاب التطوع، حديث نمبر ۱۲۷۰. ابن ماجه، ص ۸۰، باب فی اربع الركعات قبل الظهر، كتاب اقامة الصلاة، حديث نمبر ۱۱۵۷.

ترجمه: حضرت ابوایوب انصاریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ "چار رکعات ظہر سے پہلے کہ ان میں سلام نہ پھیرا جائے" اس نماز کے لئے آسمان کے دروازے کھول دئے جاتے ہیں۔ (ابوداؤد، ابن ماجہ)

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ ظہر سے پہلے چار رکعات نماز پڑھی جائیں اور ان کے درمیان میں یعنی دو رکعت پر سلام نہ پھیرا جائے بلکہ چار رکعت پڑھ کر قعدہ آخیرہ میں سلام پھیرا جائے، تو یہ نماز بہت جلد باری تعالیٰ کی بارگاہ میں شرف قبولیت پالیتی ہے، اور اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی رحمتیں وعنایتیں بندے کی طرف متوجہ ہو جاتی ہیں۔

کلمات حدیث کی تشریح **اربع قبل الظهر**: ظہر سے پہلے کی چار رکعات یہ چار رکعات کون سی ہیں؟ اس میں دو قول ہیں۔(۱) ظہر کی فرض نماز سے پہلے کی چار سنن مراد ہیں، جن کا ذکر ماقبل کی احادیث میں ہو چکا ہے (۲) یہ وہ چار رکعات ہیں جو ظہر کی سنتوں سے بھی پہلے آپ ﷺ زوال آفتاب کے فوراً بعد پڑھتے تھے، اس کو صلاۃ الزوال کہتے ہیں، اس نماز کے تذکرے کے لئے امام ترمذیؒ نے باقاعدہ باب باندھا ہے، "**باب ماجاء في الصلاة عند الزوال**" اور اس باب کے تحت وہی حدیث ذکر کی ہے جو ہماری اگلی حدیث ہے، لہٰذا اس نماز سے متعلق مزید تحقیق اگلی حدیث میں ملاحظہ فرمائیں۔ **تفتح لهن ابواب**: اس نماز کی مقبولیت کے لئے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں۔

حدیث نمبر ۱۱۰۲ ﴿سنت زوال﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۱۶۹

وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ السَّائِبِ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يُصَلِّيْ اَرْبَعًا بَعْدَ اَنْ تَزُوْلَ الشَّمْسُ قَبْلَ الظُّهْرِ وَقَالَ اِنَّهَا سَاعَةٌ تُفْتَحُ فِيْهَا اَبْوَابُ السَّمَاءِ فَاُحِبُّ اَنْ يَصْعَدَ لِيْ فِيْهَا عَمَلٌ صَالِحٌ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ.

حواله: ترمذی، ص۱۰۸، ج۱، باب ماجاء فی الصلاۃ عند الزوال، کتاب الوتر، حدیث نمبر ۴۷۸.

ترجمه: حضرت عبداللہ بن سائبؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سورج ڈھلنے کے بعد ظہر سے پہلے چار رکعات پڑھتے تھے اور [illegible] گھڑی ہے کہ جس میں آسمان کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں، چنانچہ میں اس بات کو پسند کرتا ہوں کہ اس میں [illegible] چڑھے۔ (ترمذی)

خلاصۂ حدیث بعض وقات ایسے ہیں کہ ان میں اللہ تعالیٰ کی خصوصی رحمت متوجہ ہوتی ہے اور ان اوقات میں جو اعمال کیے جائیں [illegible] میں بہت جلد شرف قبولیت پا جاتے ہیں، ان ہی مبارک ساعات میں سے ایک زوال کے بعد کا وقت [illegible] آپ ﷺ اس وقت میں چار رکعت نماز پڑھتے تھے، تاکہ اس سعید گھڑی میں آپ ﷺ کا نیک عمل رب العالمین کی خدمت [illegible]۔

کلمات حدیث کی تشریح **كان يصلي اربعاً بعد ان تزول الشمس قبل الظهر**: آپ ﷺ ظہر سے پہلے اور زوال کے بعد چار رکعات نماز پڑھتے تھے۔ شوافع کے نزدیک یہ ایک مستقل نماز ہے جس کو "سنۃ الزوال" کہا جاتا ہے، اور جہاں تک ظہر کی سنتیں ہیں، تو وہ اس کے علاوہ ہیں جو کہ دو رکعت ہیں احناف کے یہاں اس کے مستقل نماز ہونے کی صراحت نہیں ملتی البتہ حضرت اقدس گنگوہیؒ کا "الکوکب الدری" میں یہ رجحان ہے کہ ایک علیحدہ نماز ہے ظہر کی نماز سے پہلے کی سنن اس کے ماسوا ہیں کیوں کہ سنتیں فرض سے ملی ہوئی ہوتی ہیں، اور گرمی کے موسم میں ظہر کافی تاخیر سے پڑھنا بہتر ہے ایسے میں زوال کے معاً بعد سنتیں پڑھنے اور پھر سورج کی تپش کے کم ہونے کے وقت ظہر پڑھنے کے درمیان کافی فصل ہوگا، لہٰذا یہی رائے بہتر ہے کہ حدیث باب میں جس نماز کا ذکر ہے وہ علیحدہ ہے جس کو سنۃ الزوال کہا جاتا ہے اور ظہر کے فرض سے پہلے کی سنت علیحدہ ہیں۔

حدیث نمبر ۱۱۰۳ ﴿عصر سے پہلے کی چار رکعات﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۱۷۰

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَحِمَ اللّٰهُ اِمْرَأً صَلّٰى قَبْلَ الْعَصْرِ اَرْبَعًا رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاوُدَ.

حوالہ: مسند احمد، ص ۱۱۷، ج ۱۔ ترمذی، ص ۹۸، ج ۱، باب ماجاء فی الاربع قبل العصر، کتاب الصلاۃ، حدیث نمبر ۴۳۰.

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ "اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحم کرے جو عصر سے پہلے چار رکعت نماز پڑھے۔ (مسند احمد، ابوداؤد)

خلاصۂ حدیث
اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ عصر سے پہلے چار رکعت نماز کا اہتمام کرنا چاہئے، جو شخص اس نماز کا اہتمام کرے گا وہ اللہ کی رحمت کا مستحق ہو جائے گا، یہ نماز سنن مؤکدہ میں سے نہیں ہے، اس کا پڑھنا مستحب ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح
رحم الله امرا صلى قبل العصر اربعاً: اللہ تعالیٰ اس بندہ پر رحم فرمائے جو عصر سے پہلے چار رکعت پڑھے، یہ جملہ خبریہ بھی ہو سکتا ہے اور دعائیہ بھی ہو سکتا ہے، یہ جملہ اس باب کی طرف اشارہ کر رہا ہے کہ عصر کی نماز کی سنتیں سنن مؤکدہ میں سے نہیں ہے، بلکہ اس سے کم درجہ کی ہے۔

حدیث نمبر ۱۱۰۴ ﴿آپؐ کا عصر سے پہلے کی چار رکعتیں پڑھنا﴾ عالمی حدیث ۱۱۷۱

وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ قَبْلَ الْعَصْرِ اَرْبَعَ رَكْعَاتٍ يَفْصِلُ بَيْنَهُنَّ بِالتَّسْلِيْمِ عَلَى الْمَلَآئِكَةِ الْمُقَرَّبِيْنَ وَمَنْ تَبِعَهُمْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُؤْمِنِيْنَ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ.

حوالہ: ترمذی، ص ۹۸، ج ۱، باب ماجاء فی الاربع قبل العصر، کتاب الصلاۃ، حدیث نمبر ۴۲۹.

ترجمہ: حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ عصر سے پہلے چار رکعتیں پڑھتے تھے، اُن کے درمیان مقرب فرشتوں اور جن مسلمین اور مؤمنین نے ان کی پیروی کی ہے ان پر سلام بھیجنے کے ذریعہ فصل کرتے تھے۔ (ترمذی)

خلاصۂ حدیث
اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ آپ ﷺ عصر سے پہلے کی چار رکعات کا جو اگرچہ سنن مؤکدہ میں سے نہیں ہیں، اہتمام فرماتے تھے اور ان کو پڑھتے تھے، یہ چار رکعات آپ ﷺ ایک سلام سے ادا کرتے تھے، اور درمیان میں یعنی دو رکعت کے بعد قعدۂ اولیٰ کرتے اور قعدۂ اولیٰ میں التحیات پڑھتے جس میں اللہ کے تمام نیک بندوں پر سلام بھیجنا بھی ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح
يفصل بينهن بالتسليم: تسلیم سے مراد "تشہد" ہے، جیسا کہ ترمذی میں ہے، "قوله انه يفصل بينهن بالتسليم يعني التشهد" حضرت علیؓ کے قول میں تسلیم سے مراد تشہد ہے، مطلب یہ ہیکہ آپ ﷺ چار رکعت ایک سلام سے پڑھتے تھے، اور یہاں سلام سے وہ سلام مراد نہیں ہے، جو نماز سے نکلنے کے لئے دائیں اور بائیں پھیرا جاتا ہے بلکہ وہ سلام مراد ہے جو تشہد کے ضمن میں ہے یعنی "السلام علينا وعلى عباد الله الصالحين" امام شافعیؒ کے نزدیک سنن ونوافل دو دو کر کے افضل ہیں، اس لئے وہ کہتے ہیں کہ سلام سے مراد سلام "نہائی" ہے اور آپ ﷺ عصر کی نماز دو سلاموں سے ہی پڑھتے تھے۔

حدیث نمبر ۱۱۰۵ ﴿عصر سے پہلے کی نماز﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۱۷۲

وَعَنْهُ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ قَبْلَ الْعَصْرِ رَكْعَتَيْنِ رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ.

حوالہ: ابوداؤد، ص ۱۸۰، ج ۱، باب الصلاۃ قبل العصر، کتاب التطوع، حدیث نمبر ۱۱۷۲.

ترجمہ: حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ عصر سے پہلے دو رکعت نماز پڑھتے تھے۔ (ابوداؤد)

خلاصۂ حدیث
اس حدیث سے بظاہر یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ عصر سے پہلے صرف دو رکعات ہیں۔

کلمات حدیث کی تشریح
يصلي قبل العصر ركعتين: دو روایتیں ماقبل میں گذریں جن میں عصر کی فرض سے پہلے چار رکعتوں کا تذکرہ ہے، اور حدیث باب میں دو رکعات مذکور ہیں، ان اختلاف روایات کی بنا پر احناف

کہتے ہیں عصر سے پہلے دو رکعت بھی پڑھی جاسکتی ہیں، اور چار بھی پڑھی جاسکتی ہیں، لیکن چار رکعت پڑھنا افضل ہے۔

حدیث نمبر ۱۱۰۶ ﴿مغرب کے بعد چھ رکعت نماز﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۱۷۳

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلّٰی بَعْدَ الْمَغْرِبِ سِتَّ رَکْعَاتٍ لَمْ یَتَکَلَّمْ فِیْمَا بَیْنَهُنَّ بِسُوْءٍ عُدِلْنَ لَهٗ بِعِبَادَةِ ثِنْتَیْ عَشْرَةَ سَنَةً رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِیْثٌ غَرِیْبٌ لَا نَعْرِفُهٗ اِلَّا مِنْ حَدِیْثِ عُمَرَ بْنِ اَبِیْ خَثْعَمٍ وَسَمِعْتُ مُحَمَّدَ بْنَ اِسْمَاعِیْلَ یَقُوْلُ هُوَ مُنْکَرُ الْحَدِیْثِ وَضَعَّفَهٗ جِدًّا.

حوالہ: ترمذی، ص ۹۸، ج ۱، باب ماجاء فی فضل التطوع، کتاب الصلاۃ، حدیث نمبر ۴۳۵۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ "جس نے مغرب کے بعد چھ رکعتیں اس طرح پڑھیں کہ ان کے درمیان زبان سے کوئی بری بات نہیں نکالی تو یہ چھ رکعتیں اس کے حق میں بارہ سال کی عبادت قرار دی جائیں گی۔ (ترمذی) امام ترمذی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث غریب ہے اس کو ہم نہیں جانتے مگر عمر بن ابی خثعم کی سند سے اور میں نے محمد بن اسماعیل کو کہتے ہوئے سنا کہ عمر بن ابی خثعم منکر الحدیث ہے اور اس کو امام بخاریؒ نے بہت ضعیف قرار دیا ہے۔

خلاصۂ حدیث اس حدیث میں مغرب کے بعد چھ رکعتیں پڑھنے کا ثواب بیان کیا گیا ہے، اس نماز کو "اوابین" کہا جاتا ہے حدیث باب میں چھ رکعتیں مذکور ہیں، اور اگلی حدیث میں بیس رکعتیں کہی گئیں، بہر حال چھ ہوں یا بیس ان میں مغرب کے بعد کی دو سنت مؤکدہ بھی شامل ہیں، لہٰذا پہلے وہ دو رکعت پڑھی جائیں، اس کے بعد یہ نماز چاہے چاروں رکعت ایک سلام کے ساتھ پڑھی جائیں، چاہے دو دو رکعت کر کے پڑھی جائیں۔

کلمات حدیث کی تشریح ستّ رکعات: مغرب اور عشاء کے درمیان جو نماز پڑھی جاتیں ہیں ان کا نام "اوابین" مشہور ہے، ابن الملکؒ کہتے ہیں کہ صلاۃ الاوابین کا نام حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے اصل میں اوّاب کے معنی ہیں رجوع کرنے والا، اور صلاۃ الاوابین کا مطلب ہے رجوع کرنے والوں کی نماز یعنی اس نماز کا وہ لوگ اہتمام کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ سے خصوصی تعلق رکھتے ہیں، صحیح احادیث میں اشراق اور چاشت کی نمازوں کو بھی اوابین کہا گیا ہے، مغرب کی نماز کو ایک مرسل روایت میں اوابین کہا گیا ہے مذکورہ نماز کے حوالے سے کوئی صحیح حدیث موجود نہیں ہے، چنانچہ حدیث باب بھی ضعیف ہے اور امام ترمذی نے اس کے ضعف کو واضح طور پر بیان بھی کر دیا ہے، لیکن فضائل اعمال میں احادیث ضعیفہ معتبر ہوتی ہیں، لہٰذا ان ضعیف احادیث سے بعد مغرب اوابین کی نماز کا استحباب ثابت ہو جائے گا اور یہ کہا جائے کہ یہ نماز سنن مؤکدہ تو نہیں ہے البتہ نفل ہے۔

حدیث نمبر ۱۱۰۷ ﴿مغرب کے بعد بیس رکعتوں کا ذکر﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۱۷۴

وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلّٰی بَعْدَ الْمَغْرِبِ عِشْرِیْنَ رَکْعَةً بَنَی اللّٰهُ لَهٗ بَیْتًا فِی الْجَنَّةِ رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ.

حوالہ: ترمذی، ص ۹۸، ج ۱، باب ماجاء فی فضل التطوع، کتاب الصلاۃ، حدیث نمبر ۴۳۵۔

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ "جس نے مغرب کی بیس رکعات نماز پڑھی، اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت میں گھر بنائے گا۔ (ترمذی)

خلاصۂ حدیث گزشتہ حدیث میں جس نماز کا ذکر ہے اسی نماز کا اس حدیث میں بھی بیان ہے، بس فرق یہ ہے کہ وہاں چھ رکعتوں پر بشارت تھی اور یہاں بیس رکعتوں پر بشارت ہے، علماء نے لکھا ہے کہ صلاۃ الاوابین کی کم سے کم تعداد دو رکعت ہے، اور زیادہ سے زیادہ بیس رکعات ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح بنی اللہ له بیتاً فی الجنة: اللہ تعالیٰ اس نماز کے پڑھنے والے کے لئے ایسا عمدہ گھر جنت میں بنائیں گے جو قسم قسم کی نعمتوں پر مشتمل ہوگا، یہ حدیث بھی ضعیف ہے، لیکن چوں کہ اس نماز کے ثبوت کی روایات کثرت سے ہیں، پھر ان کا ضعف بھی قابل برداشت ہے، لہٰذا ان روایات سے استحباب ثابت ہوجائے گا، صاحب مرقات نے اس نماز کی فضیلت کے حوالے سے طبرانی سے ایک روایت نقل کی ہے، "عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَمَّارِ بْنِ يَاسِرٍ قَالَ رَأَيْتُ عَمَّارَ بْنَ يَاسِرٍ يُصَلِّي بَعْدَ الْمَغْرِبِ سِتَّ رَكْعَاتٍ وَقَالَ رَأَيْتُ حَبِيْبِيْ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي بَعْدَ الْمَغْرِبِ سِتَّ رَكْعَاتٍ وَقَالَ مَنْ صَلَّى بَعْدَ الْمَغْرِبِ سِتَّ رَكْعَاتٍ غُفِرَتْ لَهُ ذُنُوْبُهُ وَاِنْ كَانَتْ مِثْلَ زَبَدِ الْبَحْرِ" حضرت محمد بن عمار بن یاسرؓ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت عمار بن یاسرؓ کو مغرب کے بعد چھ رکعات نماز پڑھتے ہوئے دیکھا، حضرت عمار بن یاسرؓ نے کہا کہ میں نے اپنے حبیب حضرت رسول اکرم ﷺ کو مغرب کے بعد چھ رکعات نماز پڑھتے ہوئے دیکھا، اور آقا ﷺ نے فرمایا کہ جس نے مغرب کے بعد چھ رکعات پڑھیں، اس کے گناہ معاف کردیئے جائیں گے، اگرچہ وہ سمندر کے جھاگ کے برابر ہوں۔

حدیث نمبر ۱۱۰۸ ﴿عشاء کی نماز کے بعد سنتیں﴾ عالمی حدیث نمبر 1175

وَعَنْهَا قَالَتْ مَا صَلَّى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْعِشَاءَ قَطُّ فَدَخَلَ عَلَيَّ اِلَّا صَلَّى اَرْبَعَ رَكْعَاتٍ اَوْ سِتَّ رَكْعَاتٍ رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ.

حوالہ: ابو داؤد، ص ۱۸۵، ج ۱، باب الصلاۃ بعد العشاء، کتاب التطوع، حدیث نمبر ۱۳۰۳.

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ عشاء کی نماز پڑھ کر میرے پاس تشریف لاتے، اور چار رکعات یا چھ رکعات نماز پڑھتے۔ (ابوداؤد)

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ آپ ﷺ عشاء کی نماز کے بعد چار رکعات یا چھ رکعات نماز پڑھتے تھے، اکثر روایات میں چار رکعات کا ذکر ہے، اس حدیث میں چھ کا ذکر بھی ہے، بہر حال چھ رکعت پڑھتے ہوں یا چار، ان میں دو رکعت سنت مؤکدہ ہیں، جیسا کہ ماقبل کی حدیث میں گزر چکا ہے، کہ عشاء کی فرض نماز کے بعد دو رکعت سنت مؤکدہ ہے باقی نفل ہیں، یعنی سنت مؤکدہ سے کم درجے کی سنن ہیں جس کو نفل و مستحب کہا جاتا ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح صلی اربع رکعات او ست رکعات: حضرت عائشہؓ فرمارہی ہیں کہ حضور ﷺ عشاء کی نماز پڑھ کر گھر آتے اور گھر میں آکر چار یا چھ رکعات نماز پڑھتے، حرف "او" یا شک کے لیے ہے یا تنویع کے لیے ہے، دونوں کا احتمال ہے اکثر احادیث میں چار رکعات ہی کا تذکرہ ہے، چنانچہ بخاری شریف میں حدیث ہے کہ "عن ابن عباسؓ قال بت فی بیت خالتی میمونة بنت الحارث زوج النبی صلی اللہ علیه وسلم وکان النبی صلی اللہ علیه وسلم عندها فی لیلتها فصلی النبی صلی اللہ علیه وسلم العشاء ثم جاء إلیٰ منزله فصلی اربع رکعات ثم نام الخ" "حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ میں نے اپنی خالہ حضرت میمونہؓ بنت حارث کے گھر رات گزاری جو رسول اللہ ﷺ کی زوجہ مطہرہ تھیں، آپ ﷺ رات میں حضرت میمونہؓ ہی کے پاس تھے، چنانچہ آپ ﷺ نے عشاء کی نماز پڑھی پھر اپنے گھر تشریف لائے، اور چار رکعات نماز ادا کی اور سو گئے۔ (بخاری شریف حدیث نمبر ۱۱۷) اس حدیث سے عشاء کے بعد آپ ﷺ کا چار رکعات نماز پڑھنا معلوم ہوتا ہے اسی طرح طبرانی اور نسائی وغیرہ میں حدیث ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص عشاء کے بعد چار رکعات نماز پڑھے، جن میں پہلی دو رکعت میں سورۂ کافرون اور سورۂ اخلاص پڑھے اور اخیر کے دو میں حم السجدۃ اور تبارک الذی بیدہ

الملک پڑھے تو اس کا ثواب ایسا ہے جیسا کہ لیلۃ القدر میں نماز کا ہوتا ہے، بہر حال حدیث میں چار رکعات یا چھ رکعات کا ذکر ہے، ان میں سے دو رکعت تو سنت مؤکدہ ہے جیسا کہ سنن مؤکدہ کی تفصیل والی حدیث میں ہے کہ "وبعد العشاء رکعتین" (ترمذی) عشاء کی نماز کے بعد دو رکعت سنن مؤکدہ ہے، تو دو سنت مؤکدہ ہو گئیں باقی جو دو یا چار بچیں وہ نفل ہیں۔

حدیث نمبر ۱۱۰۹ ﴿فجر سے پہلے اور مغرب کے بعد کی سنتیں﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۱۷۶

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِدْبَارَ النُّجُوْمِ الرَّكْعَتَانِ قَبْلَ الْفَجْرِ وَاِدْبَارَ السُّجُوْدِ الرَّكْعَتَانِ بَعْدَ الْمَغْرِبِ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ.

حواله: ترمذی، ص ۱۶۳، ج ۱، باب ومن سورة الطور، کتاب تفسیر القرآن، حدیث نمبر ۳۳۷۵.

ترجمه: حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ "ادبار النجوم" سے مراد فجر سے پہلے کی دو رکعت سنت ہیں اور "ادبار السجود" سے مراد مغرب کے بعد کی دو رکعت سنت ہیں۔ (ترمذی)

خلاصۂ حدیث اس حدیث سے فجر اور مغرب کی سنتوں کی اہمیت سمجھ میں آتی ہے، کیوں کہ ان کا ثبوت قرآن مجید سے ہے اور اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ان کی ادائیگی کا حکم دیا ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ سورہ طور میں اللہ تعالیٰ کے فرمان "فسبحه وادبار النجوم" ستاروں کے پیٹھ پھیرنے کے وقت اللہ تعالیٰ کی پاکی بیان کرو، اس سے مراد فجر سے پہلے کی سنتیں ہیں، یعنی فجر کی سنتیں ادا کرنے کا حکم قرآن مجید میں ہے، اسی طرح سورۂ "ق" میں اللہ تعالیٰ کا فرمان "فسبحه وادبار السجود" سجدوں کے بعد بھی اللہ کی پاکی بیان کرو، اس کا مطلب ہے کہ مغرب کے بعد کی دو سنت ادا کرو۔

الفصل الثالث

حدیث نمبر ۱۱۱۰ ﴿ظہر سے پہلے کی چار رکعات کی فضیلت﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۱۷۷

عَنْ عُمَرَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اَرْبَعٌ قَبْلَ الظُّهْرِ بَعْدَ الزَّوَالِ تُحْسَبُ بِمِثْلِهِنَّ فِيْ صَلَاةِ السَّحَرِ وَمَا مِنْ شَيْءٍ اِلَّا وَهُوَ يُسَبِّحُ اللّٰهَ تِلْكَ السَّاعَةَ ثُمَّ قَرَأَ يَتَفَيَّؤُا ظِلٰلُهٗ عَنِ الْيَمِيْنِ وَالشَّمَآئِلِ سُجَّدًا لِلّٰهِ وَهُمْ دٰخِرُوْنَ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ.

حواله: ترمذی، ص ۱۴۵، ج ۱، باب ومن سورة النحل، کتاب تفسیر القرآن، حدیث نمبر ۳۱۲۸، البیهقی فی شعب الایمان، ص ۱۲۲-۱۲۳، باب فی الصلوات، حدیث نمبر ۳۰۷۲.

ترجمه: حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ ظہر سے پہلے اور زوال کے بعد کی سنتیں تہجد کی نماز کیطرح شمار ہوتی ہیں، اسوقت ہر چیز اللہ کی پاکی بیان کرتی ہے، پھر آپ ﷺ نے قرآن مجید کی آیت "یتفیؤا ظلله الخ" پڑھی، ہر چیز کیساتھ ڈھلتے ہیں انکے داہنی طرف سے اور بائیں طرف سے سجدہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کا اور وہ عاجزی میں ہیں (ترمذی، بیہقی فی شعب الایمان)

خلاصۂ حدیث تہجد کی نماز بہت اہم نماز ہے، اسکی اہمیت وفضیلت کو سمجھنے کیلئے آپ ﷺ کا یہ فرمان کافی ہیکہ "افضل الصلاة بعد الفریضة صلاة اللیل" (ترمذی) فرض نمازوں کے بعد سب سے زیادہ فضیلت والی نماز تہجد کی ہے، شارح لکھتے ہیں کہ واجب اور سنن مؤکدہ فرائض کیساتھ لاحق ہیں، تو اب مطلب ہوگا فرائض، واجب اور سنن مؤکدہ کے بعد سب سے افضل نماز تہجد کی ہے، یعنی نوافل میں سے زیادہ فضیلت کی حامل تہجد کی نماز ہے، اگر کوئی شخص دن میں تہجد کی نماز کے مانند ثواب کے حصول کا آرزومند ہے، تو وہ حدیث باب میں مذکور نماز کا اہتمام کرے، حدیث باب میں جس نماز کا ذکر ہے، وہ ظہر سے پہلے کی وہ چار رکعات ہیں جنکو صلاۃ الزوال کہا جاتا ہے

کلمات حدیث کی تشریح وما من شئی الا وھو یسبح اللہ تلك الساعة: آپ ﷺ نے صلاۃ الزوال پڑھنے کا ثواب ذکر کیا اور پھر یہ بھی بتایا کہ اس وقت ہر چیز اللہ کی تسبیح بیان کرتی ہے، پھر اپنی بات کو قرآن کریم کے ذریعہ مؤکد بھی کر دیا، تا کہ لوگ اس نماز کی طرف راغب ہوں۔

حدیث نمبر ۱۱۱۱ ﴿عصر کے بعد دو رکعت پڑھنے کا ذکر﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۱۷۸

وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ مَا تَرَكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْعَصْرِ عِنْدِيْ قَطُّ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَفِيْ رِوَايَةٍ لِلْبُخَارِيِّ قَالَتْ وَالَّذِيْ ذَهَبَ بِهٖ مَا تَرَكَهُمَا حَتّٰى لَقِيَ اللّٰهَ.

حوالہ: بخاری، ص۸۳، ج۱، باب ما یصلی بعد العصر فی الفوائت، کتاب مواقیت الصلاۃ، حدیث نمبر ۵۹۱. مسلم، ص۲۷۷، ج۱، باب معرفة الرکعتین کان یصلیها النبی صلی اللہ علیہ وسلم بعد العصر، کتاب صلاۃ المسافرین، حدیث نمبر ۸۳۵.

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے میرے پاس عصر بعد دو رکعت کبھی نہیں چھوڑیں۔ (بخاری ومسلم) ایک روایت میں حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ ﷺ کی روح قبض کی آپ ﷺ نے ان دو رکعتوں کا پڑھنا کبھی نہیں ترک کیا، یہاں تک آپ ﷺ باری تعالیٰ سے جا ملے۔

خلاصۂ حدیث اس حدیث سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ آپ ﷺ عصر کی فرض نماز کے بعد دو رکعت نماز التزام کے ساتھ پڑھتے تھے، لیکن یہ آپ ﷺ کی خصوصیت تھی، امت کو آپ ﷺ نے اس نماز سے منع کیا ہے، اور بیشتر احادیث میں عصر کے بعد نماز پڑھنے کی ممانعت آئی ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح ما ترك رسول اللہ ﷺ رکعتین بعد العصر: رسول اللہ ﷺ نے عصر کے بعد دو رکعت پڑھنا کبھی ترک نہیں کیا، یہ آپ ﷺ کا خصوصی عمل تھا، عام لوگوں کے لیے فجر بعد اور عصر بعد نماز پڑھنے کی بہت سی احادیث میں ممانعت ہے، بخاری شریف میں آپ ﷺ کا فرمان ہے، (حدیث نمبر ۸۸۸) "نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن صلاتین بعد الفجر حتی تطلع الشمس وبعد العصر حتی تغرب الشمس" رسول اللہ ﷺ نے دو نمازوں سے منع فرمایا، فجر کے بعد یہاں تک کہ سورج طلوع ہو جائے اور عصر کے بعد یہاں تک کہ سورج غروب ہو جائے۔ آپ ﷺ خود عصر بعد دو رکعت نماز پڑھتے، لیکن امت کے حق میں اس کی ممانعت ہے، ابوداؤد شریف میں اس کی یوں وضاحت ہے کہ "إن رسول اللہ ﷺ کان یصلی بعد العصر وینھی عنها ویواصل وینھی عن الوصال" (ابوداؤد ص۱۸۲ ج۲) حضرت نبی کریم ﷺ عصر کے بعد خود نماز پڑھتے تھے، اور دوسروں کو منع فرماتے تھے اور خود صوم وصال رکھتے تھے اور دوسروں کو منع فرماتے تھے۔

حدیث نمبر ۱۱۱۲ ﴿نماز مغرب سے پہلے دو رکعت نفل کا مسئلہ﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۱۷۹

وَعَنِ الْمُخْتَارِ بْنِ فُلْفُلٍ قَالَ سَأَلْتُ اَنَسَ بْنَ مَالِكٍ عَنِ التَّطَوُّعِ بَعْدَ الْعَصْرِ فَقَالَ كَانَ عُمَرُ يَضْرِبُ الْاَيْدِيَ عَلٰى صَلَاةٍ بَعْدَ الْعَصْرِ وَكُنَّا نُصَلِّيْ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَكْعَتَيْنِ بَعْدَ غُرُوْبِ الشَّمْسِ قَبْلَ صَلَاةِ الْمَغْرِبِ فَقُلْتُ لَهٗ اَكَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْهِمَا قَالَ كَانَ يَرَانَا نُصَلِّيْهِمَا فَلَمْ يَأْمُرْنَا وَلَمْ يَنْهَنَا رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

حوالہ: مسلم، ص۲۷۸، ج۱، باب استحباب رکعتین قبل الصلاۃ المغرب، کتاب صلاۃ المسافرین، حدیث نمبر ۸۳۷.

ترجمہ: حضرت مختار بن فلفلؒ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت انس بن مالکؓ سے عصر کے بعد نفل نماز کے بارے میں سوال کیا، تو

انہوں نے کہا کہ حضرت عمرؓ عصر کے بعد نماز پڑھنے والوں کے ہاتھوں پر ضرب لگاتے تھے، اور ہم رسول اللہ ﷺ کے عہد میں سورج غروب ہونے کے بعد مغرب سے پہلے دو رکعت نماز پڑھا کرتے تھے، حضرت مختارؒ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت انسؓ سے دریافت کیا کہ کیا حضور اکرم ﷺ اس نماز کو پڑھتے تھے؟ اس پر حضرت انسؓ نے جواب دیا کہ آپ ﷺ ہم کو اس نماز کو پڑھتے ہوئے دیکھتے تھے، تو آپ ﷺ نہ ہم کو اس نماز کا حکم کرتے اور نہ آپ ﷺ روکتے تھے۔ (مسلم)

خلاصۂ حدیث آپ ﷺ نے عصر کے بعد نماز پڑھنے سے ممانعت فرمائی تھی، یہ ممانعت سورج غروب ہونے پر ختم ہوتی ہے، اسی ممانعت کے اختتام کو ثابت کرنے کے لیے آپ ﷺ نے ایک موقع پر فرمایا کہ "صلوا قبل صلاة المغرب ركعتين" مغرب سے پہلے دو رکعت نماز پڑھ لو، اور آپ ﷺ نے اس میں یہ بھی فرمایا کہ "من شاء" یعنی جو چاہے نماز پڑھ لے، معلوم ہوا کہ یہ نماز پڑھنا واجب یا مستحب نہیں ہے، صرف اس کی اباحت ہے، اسی وجہ سے عام صحابہ یہ نماز نہیں پڑھتے، چنانچہ اکثر فقہا اس کے ترک کو اولیٰ قرار دیتے ہیں، حدیث باب میں اسی نماز کا تذکرہ ہے، حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ ہم حضرت نبی کریم ﷺ کے عہد میں مغرب سے پہلے دو رکعت نماز پڑھا کرتے تھے، عام صحابہ تو اس نماز کو نہیں پڑھتے اس کی صراحت ہے، لہٰذا حضرت انسؓ کے اس فرمان سے صرف یہ ثابت ہوگا کہ بعض صحابہ دو رکعت دورِ نبوت میں یہ نماز پڑھتے تھے، لیکن دورِ نبوت کے بعد بھی اس نماز کو عام طور پر لوگوں نے نہیں پڑھا، یہ بھی حضرت انسؓ کے اس فرمان سے بخوبی سمجھ میں آرہا ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح **كان عمر يضرب الأيدى على صلاة بعد العصر:** چونکہ عصر بعد نماز پڑھنے کی ممانعت ہے اسلئے حضرت عمرؓ عصر بعد نماز پڑھنے سے روکتے تھے، اور جو باز نہ آتے تو اسکو مارتے تھے، اس حدیث سے یہ بات معلوم ہوئی کہ گذشتہ حدیث میں حضرت عائشہؓ کا فرمان ہے کہ "آپ ﷺ نے ہمیشہ عصر کے بعد دو رکعت نماز پڑھی" آپ ﷺ کا مخصوص عمل تھا، امت کے حق میں تو نماز بعد العصر کی ممانعت ہی ہے۔ **يرانا نصليهما فلم يأمرنا ولم ينهنا:** حضور ﷺ کے سامنے کسی بھی صحابی نے عمل کیا اور حضور ﷺ نے اس کی ممانعت نہیں فرمائی تو اس کو محدثین کی اصطلاح میں "تقریر" کہتے ہیں آپ ﷺ کی تقریر بھی آپ ﷺ کے قول وفعل کی طرح ہی ہوتی ہے، یہ بھی شرعی دلیل ہے، لہٰذا اس سے حضرت انسؓ نے اس نماز کے جواز کو ثابت کیا ہے، حقیقت یہی ہے کہ اس نماز کا پڑھنا مباح ہے، لیکن یہ بس مباح درجہ کی چیز ہے، اور چوں کہ مغرب کی نماز میں عجلت کی تاکید ہے، لہٰذا اکثر صحابہ نے اسکے ترک ہی کو بہتر سمجھا ہے، چنانچہ فقہا بھی اسکے ترک کو بہتر خیال کرتے ہیں۔ مزید تحقیق کیلئے حدیث نمبر ۱۰۸۹ دیکھیں۔

حدیث نمبر ۱۱۱۳ ﴿مغرب سے پہلے دو رکعت پڑھنا﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۱۸۰

وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ كُنَّا بِالْمَدِيْنَةِ فَاِذَا اَذَّنَ الْمُؤَذِّنُ لِصَلَاةِ الْمَغْرِبِ اِبْتَدَرُوْا السَّوَارِيَ فَرَكَعُوْا رَكْعَتَيْنِ حَتّٰى اِنَّ الرَّجُلَ الْغَرِيْبَ لَيَدْخُلُ الْمَسْجِدَ فَيَحْسِبُ اَنَّ الصَّلَاةَ قَدْ صُلِّيَتْ مِنْ كَثْرَةِ مَنْ يُصَلِّيْهِمَا رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

حواله: مسلم، ص ۲۷۸، ج ۱، باب استحباب ركعتين قبل صلاة المغرب، حديث نمبر ۸۳۶.

ترجمه: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ ہم لوگ مدینہ میں تھے تو جب مغرب کی نماز کے لئے مؤذن اذان دیتا، تو کچھ لوگ مسجد کی ستونوں کی طرف لپکتے تھے، پھر وہ دو رکعت نماز پڑھ لیتے تھے، یہاں تک کہ پردیسی آدمی اس وقت مسجد میں داخل ہوتا تو اس نماز کو کثیر لوگوں کو پڑھتے دیکھ کر وہ یہ سمجھتا کہ نماز ہو چکی ہے۔ (مسلم)

خلاصۂ حدیث مغرب کی نماز سے قبل نماز پڑھنے کا آپ ﷺ کا مستقل حکم نہیں ہے، بلکہ عصر کے بعد نماز پڑھنے کی جو ممانعت تھی اس کو ختم کرنا تھا، یعنی اس بات کی اجازت تھی کہ اب اگر کوئی نفل پڑھنا چاہے تو وہ پڑھ سکتا ہے، اکثر صحابہ اس نماز کو

نہیں پڑھتے تھے، کچھ لوگ پڑھتے تھے، حضرت انسؓ بھی ان ہی صحابہ میں سے ہیں جو اس نماز کے استحباب کے قائل ہیں لہٰذا حدیث باب سے وہ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ دورِ نبوت میں بہت سے صحابہ مغرب کی جماعت کھڑی ہونے سے قبل اور اذان کے بعد جلدی سے دو رکعت نماز پڑھ لیا کرتے تھے، لیکن آپ ہی کے فرمان سے اس طرف بھی اشارہ ہے کہ اس نماز کے پڑھنے کا رجحان کم تھا، اسی بنا پر کوئی اجنبی آدمی آتا تو اس نماز کے پڑھنے والوں کو دیکھ کر وہ سمجھتا کہ مغرب کی نماز ہو چکی ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح

فرکعوا رکعتین: مغرب سے قبل کی نماز کے بارے میں بعض صحابہ کا رجحان یہ تھا کہ اس نماز کا پڑھنا مستحب ہے، چنانچہ وہ پڑھتے تھے، لیکن اکثر صحابہ جن میں خلفائے راشدین بھی ہیں وہ اس نماز کے استحباب کے قائل نہیں تھے، چنانچہ دورِ نبوت میں بھی عام طور پر اس نماز کو لوگ نہیں پڑھتے تھے، یہی وجہ ہے کہ ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ "**ما رأیت احداً علی عهد رسول الله ﷺ یصلیهما**" حدیث باب سے یہ سمجھ میں آرہا ہے کہ اس نماز کو بہت سے لوگ پڑھتے تھے، یہ وہی لوگ ہیں جو استحباب کے قائل تھے، بہرحال عام صحابہ اور فقہائے امت اس کے جواز کے قائل ہیں، استحباب کے نہیں۔

حدیث نمبر ۱۱۱۴ ﴿دو رکعت نماز مغرب سے قبل﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۱۸۱

وَعَنْ مَرْثَدَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ اَتَیْتُ عُقْبَةَ الْجُهَنِیَّ فَقُلْتُ اَلا اُعَجِّبُكَ مِنْ اَبِیْ تَمِیْمٍ یَرْكَعُ رَكْعَتَیْنِ قَبْلَ صَلاةِ الْمَغْرِبِ فَقَالَ عُقْبَةُ اِنَّا كُنَّا نَفْعَلُهُ عَلٰی عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قُلْتُ فَمَا یَمْنَعُكَ الْاٰنَ قَالَ الشُّغْلُ رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ.

حوالہ: بخاری، ص۱۵۸، ج۱، باب الصلاۃ قبل المغرب، کتاب التهجد، حدیث نمبر ۱۱۸۴.

ترجمہ: حضرت مرثد بن عبداللہؓ سے روایت ہے کہ میں حضرت عقبہ جہنیؓ کے پاس آیا اور میں نے کہا کہ کیا میں آپ ﷺ (آپؓ) کو ابو تمیمؓ کی یہ تعجب خیز بات نہ بتاؤں کہ وہ مغرب کی نماز سے پہلے دو رکعت نماز پڑھتے ہیں؟ تو عقبہؓ نے کہا کہ ہم بھی رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں اس نماز کو پڑھتے تھے، حضرت مرثدؒ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ پھر کس چیز نے آپ ﷺ (آپؓ) کو اس سے روک دیا؟ تو حضرت عقبہؓ نے جواب دیا کہ شغلِ دنیا نے روک دیا۔ (بخاری)

خلاصۂ حدیث

اس حدیث سے بھی یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ اس نماز کو پڑھنے والے گنے چنے لوگ تھے اور یہ نماز صرف جائز تھی مستحب نہ تھی، اگر مستحب کے درجہ کی بھی ہوتی تو صحابیٔ رسول دنیا کے حصول یا فکرِ دنیا کے خاطر اس سے غفلت ہرگز نہ کرتے۔

کلمات حدیث کی تشریح

انا کنا نفعله: مطلب یہ ہے کہ بعض صحابی کبھی کبھی مغرب سے پہلے دو رکعت نماز پڑھتے تھے۔
الشغل: اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ یہ نماز صرف مباح ہے، مستحب نہیں کسی مستحب یا سنت کام کے کرنے کے لیے دنیا اِن حضرات کے راہ کی رکاوٹ نہیں بنی تھی، صرف جائز درجہ کی یہ نماز تھی اس لیے دنیا کی خاطر اس کے ترک میں کوئی حرج محسوس نہیں کیا۔

حدیث نمبر ۱۱۱۵ ﴿نوافل گھر میں پڑھنا بهتر هے﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۱۸۲

وَعَنْ كَعْبِ بْنِ عُجْرَةَ قَالَ اِنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَتٰی مَسْجِدَ بَنِیْ عَبْدِ الْاَشْهَلِ فَصَلّٰی فِیْهِ الْمَغْرِبَ فَلَمَّا قَضَوْا صَلَاتَهُمْ رَاٰهُمْ یُسَبِّحُوْنَ بَعْدَهَا فَقَالَ هٰذِهٖ صَلَاةُ الْبُیُوْتِ رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَفِیْ رِوَایَةِ التِّرْمِذِیِّ وَالنَّسَائِیِّ قَامَ نَاسٌ یَتَنَفَّلُوْنَ فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَلَیْكُمْ بِهٰذِهِ الصَّلَاةِ فِی الْبُیُوْتِ.

حوالہ: ابوداؤد، ص۱۸۴، ج۱، باب رکعتی المغرب این تصلیان، کتاب التطوع، حدیث نمبر ۱۳۰۰. ترمذی، ص۱۳۲، ج۱، باب ما ذکر فی الصلاۃ بعد المغرب، کتاب الجمعة، حدیث نمبر ۶۰۴. نسائی،

ص ۱۸۱، ج ۱، باب الحث علی فی البیوت، کتاب قیام اللیل، حدیث نمبر ۵۹۹.

ترجمہ: حضرت کعب بن عجرہؓ سے روایت ہے کہ جناب نبی کریم ﷺ قبیلۂ بنی عبد الاشہل کی مسجد میں تشریف لائے، تو آپ ﷺ نے وہاں مغرب کی نماز پڑھی، جب لوگ نماز پڑھ چکے، تو آپ ﷺ نے دیکھا کہ وہ مغرب کے بعد نفل نماز بھی مسجد میں پڑھ رہے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ نماز گھر میں پڑھنے کی ہے۔ (ابوداؤد) ترمذی اور نسائی کی روایت میں ہے کہ جب لوگ نفل پڑھنے کے لیے کھڑے ہوگئے، تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم پر لازم ہے کہ نمازیں گھر میں پڑھو۔

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ سنن ونوافل گھر میں پڑھنا بہتر ہے، آپ ﷺ کا یہی معمول تھا، اور آپ ﷺ نے اسی کی تاکید بھی فرمائی ہے، گھر میں نوافل پڑھنے سے گھر میں خیر وبرکت بھی رہے گی، اہل خانہ کو نماز کی ترغیب بھی ہوگی، اور سب سے بڑھ کر یہ اخلاص کے قریب اور ریا سے دور نماز ہوگی۔

کلمات حدیث کی تشریح هذه صلاة البيوت: جب آپ ﷺ نے مغرب کے بعد کی سنتوں کو مسجد ہی میں ادا کرتے دیکھا تو فرمایا کہ یہ گھر کی نماز ہے، یعنی اس کو گھر میں ادا کرو، اور دوسری روایت میں آپ ﷺ نے صاف طور پر اس نماز کو گھر میں ادا کرنے کا حکم دیا ہے، سنن ونوافل کے بارے میں اصل یہی ہے کہ ان کو گھر میں ادا کیا جائے، خواہ وہ سنن مؤکدہ ہوں یا غیر مؤکدہ، نفل ہوں یا مستحب بہتر یہی کہ صرف فرض نماز مسجد میں ادا کی جائے، باقی نمازیں گھر میں پڑھی جائیں، چنانچہ آپ ﷺ کا فرمان ہے "خير صلاة المرأ في بيته إلا المكتوبة" (ابوداؤد) تمہاری نمازوں میں زیادہ فضیلت والی نماز وہ ہے جسے تم گھروں میں پڑھو، مگر فرض اس سے مستثنیٰ ہے، اسی طرح ایک موقع پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ "صلوا في بيوتكم ولا تتخذوها قبوراً" (ترمذی) اپنے گھروں میں نماز پڑھو، اور گھروں کو قبرستان نہ بناؤ۔ یعنی جس قبرستان میں نماز نہیں ہوتی، اسی طرح اپنے گھروں کو بھی خالی آرام کی جگہ نہ بناؤ، بلکہ وہاں نماز پڑھو، حاصل یہ ہے کہ عام حالات میں گھر ہی میں سنن ونوافل کو ادا کیا جائے، لیکن مخصوص حالات میں سنن ونوافل مسجد میں ادا کرنا بہتر ہوتا ہے، مثلاً اگر اس بات کا اندیشہ ہے کہ گھر جا کر دنیاوی امور میں مشغول ہو جائیں گے اور سنن ونوافل فوت ہو جائیں گے تب مسجد ہی میں پڑھ لے، یا گھر میں سکون سے ادا کرنے کے مواقع نہ ہوں، یا پھر حرمین شریفین میں کوئی شخص ہو تب سنن ونوافل مسجد میں ادا کرنا بہتر ہے۔ حدیث باب میں "هذه صلاة البيوت" سے عمومی طور پر تمام سنن ونوافل مراد ہو سکتی ہیں، لیکن خاص طور سے یہ مغرب کی سنتوں کی بابت فرمان ہے، اس لیے مغرب کے بعد کی سنتیں گھر میں ادا کرنے کی بہت زیادہ تاکید ہے، بعض علماء جن میں ابن ابی لیلیٰ بھی شامل ہیں وہ کہتے ہیں کہ مغرب کے بعد کی سنتیں گھر میں ادا کرنے سے ادا نہیں ہوتی ہیں۔ امام مالکؒ دن کی سنتیں اور رات کی سنن میں فرق کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ دن کی سنن مسجد میں ادا کی جائیں اور رات کی سنن گھر میں، اس کی وجہ یہی ہے کہ دن میں آدمی گھر آکر دوسرے امور میں مشغول ہو کر سنن سے غفلت کا شکار ہو سکتا ہے، اور اس کا احتمال دن میں رات کے مقابلہ میں قوی ہے جمہور رات و دن میں کوئی فرق نہیں کرتے ہیں، تمام سنن ونوافل عمومی حالات میں گھر میں پڑھنے کو بہتر قرار دیتے ہیں، لیکن حضرات علماء نے نو قسم کے سنن ونوافل کو اس سے مستثنیٰ کیا ہے وہ یہ ہیں۔ (۱) تراویح (۲) سورج گہن کی نماز (۳) تحیۃ المسجد (۴) احرام کی دو رکعت (۵) طواف کی دو رکعت (۶) معتکف کے سب نوافل (۷) مسافر سفر سے لوٹے تو دو رکعت مسجد میں ادا کر کے پھر آئے (۸) جس شخص کو مشغولیت کی وجہ سے نماز فوت ہونے کا اندیشہ ہو (۹) جمعہ کی سنتیں (معارف السنن) علامہ شامی نے ان کو نظم میں یوں جمع کیا ہے۔

نَوَافِلُنَا فِي الْبَيْتِ فَاقَتْ عَلَى اللَّاتِيْ ☆☆☆ نَقُوْمُ لَهَا فِيْ مَسْجِدٍ غَيْرُ تِسْعَةٍ
صَلَاةُ تَرَاوِيْحَ، كُسُوْفٍ، تَحِيَّةٍ ☆☆☆ وَسُنَّةُ إِحْرَامٍ، طَوَافٍ بِكَعْبَةٍ
وَنَفْلُ اِعْتِكَافٍ أَوْ قُدُوْمِ مُسَافِرٍ ☆☆☆ وَخَائِفِ فَوْتٍ ثُمَّ سُنَّةُ جُمُعَةٍ

حدیث نمبر ۱۱۱۶ ﴿مغرب کی سنت گھر میں پڑھنا﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۱۸۳

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُطِيْلُ الْقِرَاءَةَ فِى الرَّكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْمَغْرِبِ حَتّٰى يَتَفَرَّقَ اَهْلُ الْمَسْجِدِ رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ.

حواله: ابو داؤد، ص ۱۸٤، ج ۱، باب رکعتی المغرب این تصلیان، کتاب التطوع، حدیث نمبر ۱۳۰۱.

ترجمه: حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مغرب کے بعد کی دو رکعت میں لمبی قرأت فرمائی یہاں تک کہ مسجد کے لوگ منتشر ہو گئے۔ (ابوداؤد)

خلاصۂ حدیث اس حدیث سے دو باتیں سمجھ میں آتی ہیں، (۱) آپ ﷺ نے مغرب کی نماز کے بعد دو رکعت سنت مسجد میں ادا کیں، (۲) اِن دو رکعتوں میں آپ ﷺ نے لمبی قرأت فرمائی، یہ دونوں باتیں آپ ﷺ کے عمومی عمل کے خلاف ہیں، کیوں کہ آپ ﷺ کا معمول یہی تھا کہ آپ ﷺ تمام سنن ونوافل گھر میں ادا کرتے تھے اور مغرب کی سنتوں میں آپ ﷺ سے مختصر قرأت ثابت ہے، لہٰذا آپ ﷺ کا یہ عمل کسی عذر یا پھر کسی سبب کے بنا پر ہوگا۔

کلمات حدیث کی تشریح **يطيل القراءة فى الركعتين بعد المغرب:** آپ ﷺ نے کبھی کبھار مغرب کی سنت میں لمبی قرأت کی ہوگی، عام طور پر آپ ﷺ سورۂ کافرون اور سورۂ اخلاص پڑھا کرتے تھے، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت ہے کہ "**ما احصى ما سمعت من رسول الله صلى الله عليه وسلم يقرءُ في الركعتين بعد المغرب وفي الركعتين قبل صلاة الفجر بقل يا ايها الكافرون وقل هو الله احد**" حضرت ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ میں گن نہیں سکتا اتنی مرتبہ میں نے حضرت رسول اکرم ﷺ کو مغرب کے بعد کی سنتوں اور فجر سے پہلے کی سنتوں میں "**قل يا ايها الكافرون اور قل هو الله احد**" پڑھتے ہوئے سنا۔ **حتى يتفرق اهل المسجد:** اس سے بظاہر یہ سمجھ میں آتا ہے کہ حضور ﷺ نے مغرب کی سنن مسجد میں ادا کیں، یہ عذر پر محمول ہے، یا بیان جواز کے لیے ہے، پھر آپ ﷺ نے یہ نماز گھر میں ادا کی ہوگی، لیکن گھر کا دروازہ کھلا ہوگا، لہٰذا حضرت ابن عباسؓ آپ ﷺ کو نماز میں مشغول دیکھ رہے ہوں گے، بہر حال آپ ﷺ کا یہ عمومی عمل نہ تھا، عام طور پر تو آپ ﷺ گھر ہی میں سنن ادا کرتے تھے اور مغرب کی سنن گھر میں ادا کی جائیں، اس کی تو خاص تاکید بھی آپ ﷺ نے فرمائی ہے، جیسا کہ ماقبل کی حدیث میں آپ ﷺ کا فرمان گذرا "**عليكم بهذه الصلاة في البيوت**" تم لوگوں پر لازم ہے کہ یہ نماز گھروں میں پڑھو۔

حدیث نمبر ۱۱۱۷ ﴿نماز اوّابین کا مرتبہ﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۱۸٤

وَعَنْ مَكْحُوْلٍ يَبْلُغُ بِهِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ صَلّٰى بَعْدَ الْمَغْرِبِ قَبْلَ اَنْ يَتَكَلَّمَ رَكْعَتَيْنِ وَفِىْ رِوَايَةٍ اَرْبَعَ رَكْعَاتٍ رُفِعَتْ صَلَاتُهُ فِىْ عِلِّيِّيْنَ مُرْسَلًا.

ترجمه: حضرت مکحول سے روایت ہے اور اس روایت کو رسول اللہ ﷺ تک پہنچاتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جس نے مغرب کے بعد بات کرنے سے پہلے دو رکعت اور ایک روایت میں ہے کہ چار رکعات نماز پڑھی، تو اس کی نماز علّیین میں پہنچادی جاتی ہے، حضرت مکحولؒ نے یہ روایت بطریق ارسال نقل کی ہے۔

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اوّابین کی نماز بغیر کلام کے پڑھتا ہے تو اس کی یہ نماز نہ صرف قبول ہوتی ہے بلکہ اس کا نہایت اعلیٰ وارفع مقام ہوتا ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح **ركعتين وفى رواية اربع ركعات:** اوّابین کی نماز کی تعداد دو سے لے کر بیس تک احادیث میں آئی ہے اور اس نماز کی بہت فضیلت ہے، گذشتہ اوراق میں بعض احادیث گذری بھی ہیں، تحقیق کے

لئے حدیث نمبر ۱۱۰۶-۱۱۰۷ دیکھیں۔ رفعت صلاتہ فی علیین: مطلب یہ ہے کہ اس کی نماز بارگاہ الٰہی میں بہت جلد شرفِ قبولیت حاصل کرتی ہے، اور اس کا بلند مقام ہوتا ہے، "علیین" ساتویں آسمان پر ایک مقام ہے جہاں مومنین کی روحیں لے جائی جاتی ہیں۔

حدیث نمبر ۱۱۱۸ ﴿مغرب کی سنتوں کے بارے میں حکم﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۱۸۵

وَعَنْ حُذَيْفَةَ نَحْوَهُ وَزَادَ فَكَانَ يَقُوْلُ عَجِّلُوا الرَّكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْمَغْرِبِ فَإِنَّهُمَا تُرْفَعَانِ مَعَ الْمَكْتُوْبَةِ رَوَاهُمَا رَزِيْنٌ وَرَوَى الْبَيْهَقِيُّ الزِّيَادَةَ عَنْهُ نَحْوَهَا فِيْ شُعَبِ الْإِيْمَانِ.

حوالہ: بیهقی، فی شعب الإیمان، ص ۱۲۱، ج ۳، باب فی الصلوات، حدیث نمبر ۳۰۶۸.

ترجمہ: حضرت حذیفہؓ سے حضرت مکحول کے مانند روایت کیا گیا ہے، حضرت حذیفہؓ کی حدیث میں یہ الفاظ مزید ہیں کہ آپ ﷺ فرماتے تھے کہ مغرب کے بعد کی دو رکعت نماز جلدی پڑھو، اس لیے کہ یہ بھی فرض نماز کے ساتھ اٹھائی جاتی ہیں ان دونوں روایتوں کو رزین نے نقل کیا ہے، بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت حذیفہؓ کی روایت کے زائد الفاظ کی طرح کے الفاظ نقل کیے ہیں۔

خلاصۂ حدیث اس حدیث میں آپ ﷺ نے مغرب کے بعد کی دو رکعت سنن کے حوالے سے یہ حکم دیا ہے کہ اس کو بلا تاخیر جلد از جلد پڑھنا چاہئے، اور اس کی علت یہ بتائی ہے کہ جس طرح فرض نماز قبولیت کے لیے لے جائی جاتی ہے اسی طرح یہ دو رکعت بھی فرض کے ساتھ ہی لے جائی جاتی ہیں۔

کلمات حدیث کی تشریح عجلوا الرکعتین بعد المغرب: مغرب کی نماز میں ممکنہ عجلت کی ہدایت ہے اور مغرب کے بعد کی سنن بھی جلدی پڑھنے کی تاکید ہے بعض روایات جن میں مغرب کی نماز کے بعد اذکار وغیرہ کا تذکرہ ہے تو وہ اذکار تعجیل کے خلاف نہیں ہیں اُن کو پڑھنے کے بعد سنت پڑھنا بھی جلدی پڑھنا شمار ہوگا، اسی طرح اگر کسی کا گھر مسجد سے دور ہے اور وہ گھر آکر سنت پڑھتا ہے تو یہ بھی تعجیل کے منافی نہیں ہے اپنے کسی عمل سے تاخیر نہ کرے یہ مراد ہے۔ **ترفعان مع المکتوبة: یعنی** فرائض کے ساتھ ساتھ یہ بھی قبولیت کے لئے اوپر لے جائی جاتی ہیں۔

حدیث نمبر ۱۱۱۹ ﴿فرض نماز کی جگہ سنت پڑھنا﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۱۸۶

وَعَنْ عَمْرِو بْنِ عَطَآءٍ قَالَ اِنَّ نَافِعَ بْنَ جُبَيْرٍ اَرْسَلَهُ اِلَى السَّائِبِ يَسْئَلُهُ عَنْ شَيْءٍ رَاٰهُ مُعَاوِيَةُ فِي الصَّلَاةِ فَقَالَ نَعَمْ صَلَّيْتُ مَعَهُ الْجُمُعَةَ فِي الْمَقْصُوْرَةِ فَلَمَّا سَلَّمَ الْاِمَامُ قُمْتُ فِيْ مَقَامِيْ فَصَلَّيْتُ فَلَمَّا دَخَلَ اَرْسَلَ اِلَيَّ فَقَالَ لَا تَعُدْ لِمَا فَعَلْتَ اِذَا صَلَّيْتَ الْجُمُعَةَ فَلَا تَصِلْهَا بِصَلَاةٍ حَتّٰى تَكَلَّمَ او تَخْرُجَ فَاِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَمَرَنَا بِذٰلِكَ اَنْ لَّا نُوْصِلَ بِصَلَاةٍ حَتّٰى نَتَكَلَّمَ اَوْ نَخْرُجَ رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

حوالہ: مسلم، ص ۲۸۸، ج ۱، باب صلاة الجمعة، کتاب الجمعة، حدیث نمبر ۸۸۳.

ترجمہ: حضرت عمرو بن عطا سے روایت ہے کہ بے شک حضرت نافع بن جبیرؓ نے ان کو حضرت سائبؓ کے پاس ایک چیز کے بارے میں دریافت کرنے کے لئے بھیجا، جس کو ان سے صادر ہوتے حضرت معاویہؓ نے دیکھا تھا، حضرت سائبؓ نے جواب دیا کہ میں نے حضرت معاویہؓ کے ساتھ جمعہ کی نماز مقصورہ میں پڑھی، جب امام نے سلام پھیر دیا تو میں اپنی جگہ پر کھڑا ہوا وہ دوبارہ مت کرنا، جب تم جمعہ کی نماز پڑھو تو تم اس کو کسی دوسری نماز کے ساتھ مت ملاؤ یہاں تک کہ تم کوئی بات کرلو یا پھر مسجد سے نکلو بلا شبہ رسول اللہ ﷺ ہمیں اس بات کا حکم کرتے تھے کہ ہم ایک نماز کیساتھ دوسری نماز نہ ملائیں یہاں تک کہ ہم کوئی بات منہ سے نکالیں یا پھر مسجد سے نکلیں۔ (مسلم)

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ فرض اور سنن کے درمیان فرق و امتیاز ہونا چاہئے، ایسا نہ ہونا چاہئے کہ جس جگہ فرض نماز پڑھی جائے پھر فرض کے فوراً بعد اسی جگہ سنن و نوافل کی نیت باندھ لی جائے سب سے بہتر شکل تو یہ ہے کہ فرض

مسجد میں پڑھی جائے اور سنن ونوافل گھر میں پڑھی جائے ،لیکن اگر کسی وجہ سے مسجد ہی میں سنن ونوافل کوئی پڑھ رہا ہے تو اس کو چاہئے کہ جہاں فرض پڑھی ہے وہاں سے کچھ ہٹ کر سنن پڑھے ،یا اگر وہیں پڑھنا ہے تو کسی سے کوئی بات وغیرہ کر لے پھر سنت میں مشغول ہو، تا کہ فرض وسنن میں کچھ فصل ہو جائے ،حضرت سائبؓ نے جمعہ کی فرض نماز کے بعد اسی جگہ پر جہاں فرض پڑھی تھی سنن پڑھی تو حضرت معاویہؓ نے ان کو ٹوکا، اور پھر یہ بتایا کہ میرا یہ ٹوکنا اپنی طرف سے نہیں ہے بلکہ حضرت محمد ﷺ ہمیں اس چیز سے روکتے تھے۔

کلمات حدیث کی تشریح المقصورة: اس سے مراد چھوٹا کمرہ ہے یہ امیر کی حفاظت کی خاطر مسجد کے محراب کی جگہ بنادیا جاتا تھا، امیر اسی میں کھڑے ہوکر نماز پڑھاتا تھا۔ اذا صليت الجمعة: جمعہ کی نماز کا ذکر بطور مثال کے ہے حکم ہر نماز کا یہی ہے کہ جس جگہ فرض نماز پڑھی جائے اسی جگہ بغیر بات چیت کیے یا بغیر مسجد سے نکلے نماز نہ پڑھنا چاہئے۔ ان لا نوصل: آپ ﷺ کا ممانعت فرمانا مکروہ تنزیہی کے طور پر ہے اور یہ امر استحباب کے لئے ہے وجوب کے لئے نہیں ہے۔

حدیث نمبر ۱۱۲۰ ﴿سنتیں پڑھنے کی لئے جگہ بدلنا﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۱۸۷

وَعَنْ عَطَاءٍ قَالَ كَانَ ابْنُ عُمَرَ إِذَا صَلَّى الْجُمُعَةَ بِمَكَّةَ تَقَدَّمَ فَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ يَتَقَدَّمُ فَيُصَلِّي أَرْبَعًا وَإِذَا كَانَ بِالْمَدِينَةِ صَلَّى الْجُمُعَةَ ثُمَّ رَجَعَ إِلَى بَيْتِهِ فَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ وَلَمْ يُصَلِّ فِي الْمَسْجِدِ فَقِيلَ لَهُ فَقَالَ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَفْعَلُهُ رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ وَفِي رِوَايَةِ التِّرْمِذِيِّ قَالَ رَأَيْتُ ابْنَ عُمَرَ صَلَّى بَعْدَ الْجُمُعَةِ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ صَلَّى بَعْدَ ذٰلِكَ أَرْبَعًا.

حواله: ابوداؤد، ص ۱۶۰، ج۱، باب الصلاة بعد الجمعة، كتاب الصلاة، حديث نمبر ۱۱۳۰. ترمذی، ص۱۱۷، ج۱، باب الصلاة قبل الجمعة وبعدها، كتاب الجمعة، حديث نمبر ۵۲۲.

ترجمه: حضرت عطاء سے روایت ہے کہ ابن عمرؓ جب جمعہ کی نماز مکہ میں پڑھتے تو آگے بڑھتے پھر دو رکعت نماز پڑھتے پھر آگے بڑھکر چار رکعت نماز پڑھتے ،اور جب مدینہ میں ہوتے تو جمعہ کی نماز پڑھتے پھر اپنے گھر لوٹ آتے ، پھر دو رکعت نماز پڑھتے ،اور مسجد میں نماز نہ پڑھتے ،ان سے اس بارے میں دریافت کیا گیا ،تو انہوں نے جواب دیا کہ جناب رسول اللہ ﷺ ایسا ہی کرتے تھے۔ (ابوداؤد) اور ترمذی کی روایت میں ہے کہ میں نے ابن عمرؓ کو جمعہ کے بعد دو رکعت نماز پڑھتے دیکھا، پھر اس کے بعد انھوں نے چار رکعت پڑھیں۔

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ جس جگہ فرض پڑھی جائے ،سنن وہاں سے کچھ الگ ہٹ کر پڑھی جائیں مکہ میں حضرت ابن عمرؓ زیادہ نماز پڑھتے ،اور مدینہ میں کم ،اسلئے کہ حرم شریف میں نماز کا ثواب بہت زیادہ ہے اسیطرح مکہ میں مسجد میں نماز پڑھتے اور مدینہ میں گھر میں پڑھتے ،کیوں کہ مدینہ میں گھر مسجد سے قریب تھا، جب کہ مکہ میں قیام گاہ مسجد سے دور تھا۔

کلمات حدیث کی تشریح تقدم فصلي: حضرت ابن عمرؓ جمعہ کی فرض نماز کے بعد آگے بڑھتے اور پھر دو رکعت نماز پڑھتے حضرت ابن عمرؓ کی فرض کی جگہ چھوڑ کر آگے بڑھنا یہ حضرت معاویہؓ کے ارشاد "فلا نصلها بصلاة حتى تكلم" کے درجہ میں ہے، یعنی اس سے بھی فرض اور سنن کے درمیان فصل ہو گیا۔ فيصلي اربعاً: دو رکعت کے بعد چار رکعت پڑھتے ،گویا کہ کل چھ رکعت ہو گئیں۔ امام ابو یوسفؒ اسی کے قائل ہیں کہ جمعہ کے بعد چھ رکعات سنت ہیں ،حضرت ابن عمرؓ دو رکعت کے بعد جب چار رکعت پڑھتے تو پھر کچھ آگے بڑھتے تھے ایک حدیث میں ہے کہ حضرت ابن عمرؓ جس جگہ جمعہ کی فرض نماز پڑھتے اس جگہ سے تھوڑا الگ ہٹتے اور الگ ہٹ کر دو رکعت سنت پڑھتے اور پھر تھوڑا ہٹتے اس کے بعد چار رکعات سنت پڑھتے ،حضرت عطاء سے پوچھا گیا کہ آپ ﷺ نے حضرت ابن عمرؓ کے اس عمل کو کتنی مرتبہ دیکھا؟ تو انھوں نے جواب دیا کہ "مراد" بہت مرتبہ میں نے ایسا کرتے دیکھا، اس سے ایک بات تو یہ معلوم ہوئی کہ حضرت ابن عمر سنن ونوافل فرض پڑھنے کی جگہ سے الگ ہٹ کر پڑھتے تھے ،اور دوسری بات یہ معلوم

ہوئی کہ جمعہ کے بعد چھ رکعات سنت پڑھتے تھے۔ فیصلی رکعتین: مدینہ میں حضرت ابن عمرؓ نے جمعہ کے بعد دو رکعت نماز پڑھی، یہ آپ ﷺ کا معمول نہیں تھا، بلکہ بیان جواز کے لیے کیا، عمومی عمل چھ رکعت ہی کا تھا۔ مزید تحقیق کے لیے حدیث نمبر ۱۰۹۴ دیکھیں۔

باب صلاۃ اللیل

﴿تہجد کی نماز کا بیان﴾

نفل نمازوں میں سب سے زیادہ فضیلت کی حامل نماز یہی تہجد کی نماز ہے، یہ رات کے وقت جب سب لوگ محوِ خواب ہوتے ہیں، ایسے میں بندہ اپنے رب کی رضا کی خاطر نیند قربان کر کے اٹھتا ہے اور عبادت کے لئے نہایت بہترین وقت کہ جس میں ریا اور دکھاوا مفقود ہوتا ہے، اپنے رب کی عبادت کرتا ہے، اسی بنا پر اس نماز کو غیر معمولی اہمیت حاصل ہے، اس وقت میں رحمت حق تعالیٰ پورے شباب پر ہوتی ہے، اور بندہ کی جانب پورے طور پر متوجہ ہوتی ہے، تہجد کا یہ اٹھنا نفس کو کچلنے والا بھی ہے اور نفس سے رزائل نکالنے والا بھی ہے، اسی بنا پر بھی تہجد کی نماز کا ثواب بہت ہے۔

تہجد کی نماز پہلے امت کے حق میں فرض تھی پھر فرضیت منسوخ ہوگئی، سورۂ مزمل ہی میں فرضیت اور نسخ دونوں کا بیان ہے، اللہ کے نبی ﷺ کے حق میں فرضیت باقی ہے یا نہیں؟ اس میں دو طرح کی روایتیں ہیں۔ بعض آپ ﷺ کے حق میں بھی نسخ کے قائل ہیں اور بعض نسخ کا انکار کرتے ہیں، فریقین کا استدلال "ومن اللیل فتهجد به نافلة لك" سے ہے، جو حضرات نسخ کے قائل ہیں وہ کہتے ہیں کہ اس آیت میں تہجد کے بارے میں صراحت ہے کہ یہ نماز آپ ﷺ کے حق میں نفل ہے، اور جو لوگ فرضیت کے قائل ہیں اور نسخ کا انکار کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ نفل کے لغوی معنی مراد ہیں، اصطلاحی نہیں، اور مطلب یہ ہے کہ تہجد کی نماز آپ ﷺ کے حق میں مزید فرض ہے، یعنی یہ آپ ﷺ کا اضافی فریضہ ہے۔

بعض حضرات کہتے ہیں کہ تہجد کی نماز کے لئے سو کر اٹھنا ضروری ہے، جب کہ دوسرے بعض لوگ کہتے ہیں عشاء کے بعد جو نماز پڑھی جائے وہ تہجد کی نماز ہے، خواہ سو کر اٹھ کے پڑھی جائے خواہ سونے سے پہلے پڑھی جائے۔

تہجد کے سلسلہ میں درجہ ذیل آداب کا خیال رکھنا چاہئے

(۱) جواز کا ر دوسری نماز کے لئے رکوع سجدہ وغیرہ میں آپ ﷺ سے منقول ہیں تہجد کی نماز میں بھی ان کی رعایت کی جائے اور ان اوراد کو پڑھا جائے۔ (۲) تہجد کی نماز دو دو رکعت کر کے پڑھی جائے۔ (۳) تہجد کی نماز میں سلام کے بعد خوب گڑگڑا کر دعا کی جائے۔ (۴) تہجد کی نماز میں قرأت رکوع وسجود وغیرہ حتی الامکان طویل کرنا چاہئے۔ (۵) تہجد کی رکعات کی تعداد کے سلسلہ میں آپ ﷺ کے مختلف اعمال احادیث میں مذکور ہیں، کم از کم وتر کے ساتھ سات رکعتیں ضروری ہیں، اور زیادہ سے زیادہ سترہ، لہٰذا جتنی رکعات بھی پڑھی جائیں وہ سنت ہے، لیکن گیارہ رکعات کی حدیث صحیح ترین بھی ہے اور اس مضمون کی روایات کثیر بھی ہیں، اور گیارہ میں سے تین وتر کی ہوگئیں تو اب آٹھ رکعات تہجد کی بچیں، لہٰذا آٹھ رکعات کا اہتمام زیادہ بہتر ہے۔

وتر کی نماز اصلاً تہجد کے ساتھ ہے، لیکن سہولت کے پیش نظر عشاء کے بعد پڑھنے کی اجازت ہے، لہٰذا جو لوگ تہجد کا اہتمام کریں، وہ تہجد کی نماز کے بعد وتر پڑھیں۔

حدیث نمبر ۱۱۲۱ ﴿تہجد کی نماز کا ذکر﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۱۸۸

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یُصَلِّیْ فِیْمَا بَیْنَ اَنْ یَّفْرُغَ مِنْ صَلٰوةِ الْعِشَآءِ اِلَی الْفَجْرِ اِحْدٰی عَشْرَةَ رَكْعَةً یُسَلِّمُ مِنْ كُلِّ رَكْعَتَیْنِ وَیُوْتِرُ بِوَاحِدَةٍ فَیَسْجُدُ السَّجْدَةَ مِنْ ذٰلِكَ قَدْرَ مَا یَقْرَأُ اَحَدُكُمْ خَمْسِیْنَ اٰیَةً قَبْلَ اَنْ یَّرْفَعَ رَاْسَهٗ فَاِذَا سَكَتَ الْمُؤَذِّنُ مِنْ صَلٰوةِ الْفَجْرِ وَتَبَیَّنَ لَهُ الْفَجْرُ قَامَ فَرَكَعَ رَكْعَتَیْنِ

خَفِيفَتَيْنِ ثُمَّ اضْطَجَعَ عَلٰى شِقِّهِ الْأَيْمَنِ حَتّٰى يَأْتِيَهُ الْمُؤَذِّنُ لِلْإِقَامَةِ فَيَخْرُجُ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حواله: بخاری، ص ۱۳۵، ج ۱، باب ماجاء فی الوتر، کتاب الوتر، حدیث نمبر ۹۹۴. مسلم، ص ۲۵۴، ج ۱، باب صلاة اللیل وعدد رکعات النبی ﷺ، کتاب صلاة المسافرین وقصرها، حدیث نمبر ۷۳۶.

ترجمه: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ عشاء کی نماز سے فارغ ہوکر نماز فجر تک گیارہ رکعت نماز پڑھتے تھے، ہر دورکعت پر آپ ﷺ سلام پھیرتے تھے، اور ایک رکعت کے ساتھ وتر پڑھتے تھے، اور اس میں اتنا طویل سجدہ کرتے تھے کہ اتنی دیر میں تم میں سے کوئی شخص اپنا سر اٹھانے سے پہلے پچاس آیتیں پڑھ لے، پھر جب مؤذن فجر کی اذان دے کر خاموش ہو جاتا اور آپ کے لئے فجر واضح ہو جاتی تو کھڑے ہوتے اور دو ہلکی رکعتیں پڑھتے، پھر اپنی داہنی کروٹ پر لیٹ جاتے، یہاں تک مؤذن اقامت نماز کے لیے آپ ﷺ کے پاس آتا، تو آپ ﷺ نماز کے لئے تشریف لے جاتے۔ (بخاری ومسلم)

کلمات حدیث کی تشریح

إحدى عشرة ركعة: تہجد کی رکعت کی تعداد متعین نہیں ہے، آپ ﷺ سے سات رکعت پڑھنا بھی مروی ہے، جسمیں چار تہجد اور تین وتر ہوتی ہیں، اور آپ ﷺ سے سترہ رکعات پڑھنا بھی ثابت ہے، جن میں چودہ تہجد کی اور تین وتر ہوتی ہیں، ابن حزم ظاہریؒ نے "المحلی بالآثار" میں آپ ﷺ کے تہجد کے سلسلہ کی سب روایتوں کو جمع کیا ہے اور یہ کل تیرہ صورتیں ہوتی ہیں، ان سب روایات میں سب سے اعلیٰ گیارہ رکعات والی روایت ہے، آپ ﷺ کا عام معمول یہی تھا کہ آپ گیارہ رکعات پڑھتے تھے، جسمیں آٹھ رکعات تہجد کی ہوتیں اور تین رکعات وتر ہوتی تھیں، **یوتر بواحدة**: ایک رکعت کیساتھ وتر بناتے تھے، امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک وتر کی تین رکعات ہیں، ایک سلام کیساتھ، اور یہاں جو لفظ ایک ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ اس ایک رکعات کے ذریعہ دوگانہ کو طاق بناتے تھے، یعنی آپ ﷺ دو دو رکعات پر سلام پھیر کر آٹھ رکعت پوری کرتے، اس کے بعد جب دو رکعت پڑھتے تو سلام نہ پھیرتے بلکہ ایک اور ملا کر اس کو وتر یعنی طاق بناتے تھے۔ مسلم شریف میں حضرت ابن عباسؓ کی حدیث ہے "ثم اوتر بثلث" امام شافعیؒ کے نزدیک ایک رکعت سے نو رکعت تک وتر جائز ہیں، وتر کے حوالے سے اختلاف ائمہ آگے مستقل باب "باب الوتر" میں نقل کریں گے۔ **ثم اضطجع علٰى شقه الايمن**: فجر کی دو رکعت سنت پڑھ کر آپ ﷺ کچھ دیر لیٹ جاتے تھے۔

فجر کی سنت کے بعد لیٹنے کا مسئلہ: آپ ﷺ دیر رات تک عبادت کرنے کے بعد سنت فجر پڑھ کر کچھ دیر آرام وسکون حاصل کرنے کی غرض سے لیٹ جایا کرتے تھے، آپ ﷺ کا یہ لیٹنا محض حصول راحت کیلئے ہوتا، اسلئے آپ ﷺ کا یہ عمل سنن عادت تو ہوگا، لیکن چونکہ یہ تعبدی وشرعی عمل نہیں تھا، اسلئے اسکو سنن عبادت میں داخل کرنا درست نہیں ہے، حافظ ابن حجرؒ آپ ﷺ کے اس آرام کرنے کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ "وَفَائِدَةُ ذٰلِكَ الرَّاحَةُ وَالنَّشَاطُ لِصَلٰوةِ الصُّبْحِ" اس لیٹنے کا مقصد یہ تھا کہ فجر کی نماز کیلئے نشاط پیدا ہوجائے، غیر مقلدین حضرات اس مسئلہ میں بہت غلو کرتے ہیں، اور فجر بعد لیٹنے کو سنن عبادت سمجھتے ہیں اور جس شخص نے ساری رات آرام کر کے گذاری ہو، اسکے حق میں بھی فجر کی سنت کے بعد لیٹنے کو سنت قرار دیتے ہیں، اور جو شخص مسجد میں ہو وہ بھی سنت پڑھکر مسجد میں لیٹ جائے یہ بھی انکے یہاں سنت ہے، حضرت ابن عمرؓ اس بات کو سخت ناگوار سمجھتے تھے، چنانچہ "زاد المعاد" میں ہے کہ "وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ يَحْصِبُهُمْ إِذَا رَآهُمْ يَضْطَجِعُوْنَهُ عَلٰى ايمانهم" حضرت ابن عمرؓ جب لوگوں کو فجر کی سنت کے بعد لیٹا ہوا دیکھتے تھے، تو کنکر مارتے تھے، اور آپ ﷺ فرماتے کہ "اِرْجِعْ اِلَيْهِمْ وَأَخْبِرْهُمْ أَنَّهَا بِدْعَةٌ" لوٹ کر جاؤ اور انکو یہ بتاؤ کہ یہ بدعت ہے، حضرت امام مالکؒ نے اس سلسلہ میں بڑی عمدہ بات فرمائی ہے کہ اگر کوئی شخص سنت فجر کے بعد راحت کے طور پر لیٹنا چاہے تو کوئی حرج نہیں، مگر اسکو سنت سمجھ کر لیٹنا مکروہ ہے، آپ ﷺ سے ہرگز یہ ثابت نہیں کیا جاسکتا کہ آپ ﷺ نے فجر کی دو رکعت مسجد میں

ادا کی ہوں اور مسجد ہی میں لیٹ گئے ہوں، پھر غیر مقلدین اپنے کو اہل حدیث کہنے کے باوجود مسجد میں کیوں لیٹتے ہیں اور اسکو سنت کہاں سے کہتے ہیں؟ اسکا جواب کسی بھی غیر مقلد کے پاس نہیں ہے، ترمذی کے حوالے سے ایک قول حدیث پیش کر کے یہ بات کہی جاتی ہے کہ آپ ﷺ نے فجر کی سنت کے بعد لیٹنے کا حکم کیا ہے، اس حدیث کے بارے میں ابن تیمیہؒ کہتے ہیں کہ "**ھذا باطل ولیس بصحیح**" فجر کی سنت کے بعد لیٹنے کے حوالے سے سب سے بہتر بات وہی ہے جو امام مالکؒ نے فرمائی ہے، اس کے مطابق عمل کرنا چاہئے۔

حدیث نمبر ۱۱۲۲ ﴿فجر کی سنت اور فرض کے درمیان وقفہ﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۱۸۹

وَعَنْهَا قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا صَلَّى رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ إِنْ كُنْتُ مُسْتَيْقِظَةً حَدَّثَنِي وَ إِلَّا اضْطَجَعَ رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

حوالہ: مسلم، ص ۲۵۳، ج ۱، باب صلاۃ اللیل الخ، کتاب صلاۃ المسافرین الخ، حدیث نمبر ۷۴۳.

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ جب فجر کی دو رکعت نماز پڑھ لیتے، تو اگر میں بیدار ہوتی، تو مجھ سے بات کرتے ورنہ آپ ﷺ لیٹے رہتے۔ (مسلم)

خلاصۂ حدیث اس حدیث سے یہ بات معلوم ہوئی کہ آپ ﷺ سنتِ فجر اور نماز فجر میں کچھ وقفہ فرماتے تھے، اس کے ذریعہ سے آپ ﷺ کی وہ تھکن دور ہوجاتی تھی جو رات میں عبادت کی وجہ سے فطری طور پر پیدا ہوجاتی ہے، لہٰذا اگر کوئی شخص تکان دور کرنے کی غرض سے سنن فجر اور فرض کے درمیان لیٹ کر آرام حاصل کرتا ہے، تو اس میں کوئی حرج نہیں اور چوں کہ یہ آپ ﷺ کی سنن عادت میں سے ہے، اس بنا پر اجر و ثواب کا مستحق بھی ہوگا، لیکن اسکو سنن عبادت سمجھنا، یا بلا مقصد لیٹنا، یا مسجد میں لیٹنا درست نہیں ہے

کلمات حدیث کی تشریح اذا صلی رکعتی الفجر: مراد فجر کی سنت ہے، حدثنی: اس سے معلوم ہوا کہ سنن و فرض کے درمیان بات کرنا درست ہے، اور جو شخص اس کو باطل کہے اس کا قول خود باطل ہے، البتہ اس میں شک نہیں کہ بلا مقصد کی دنیاوی لایعنی باتیں کرنا عام طور پر خلاف اولیٰ ہے، تو فرض و سنن کے درمیان اسطرح کی فضول بات کی گنجائش کا نہ ہونا تو بدیہی ہے۔

حدیث نمبر ۱۱۲۳ ﴿آپ ﷺ کا سنت فجر پڑھ کر لیٹنا﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۱۹۰

وَعَنْهَا قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا صَلَّى رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ اضْطَجَعَ عَلَى شِقِّهِ الْأَيْمَنِ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حوالہ: بخاری، ج ۱، باب من انتظر الاقامۃ، کتاب الاذان، حدیث نمبر ۶۲۶. مسلم، ص ۲۵۳، ج ۱، باب صلاۃ اللیل وعدد رکعات الخ، کتاب صلاۃ المسافرین، حدیث نمبر ۷۳۶.

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ جب نبی کریم ﷺ فجر کی دو رکعت پڑھ لیتے تو اپنی داہنی کروٹ پر لیٹ جاتے (بخاری و مسلم)

خلاصۂ حدیث اس حدیث میں اس بات کا بیان ہے کہ آپ ﷺ فجر کی فرض نماز اور سنت کے درمیان کچھ دیر آرام کر کے فصل فرماتے تھے، فجر کا وقت ہوتے ہی نماز فجر ادا نہیں کرتے تھے۔

کلمات حدیث کی تشریح اضطجع: مختلف احادیث میں آپ ﷺ کا یہ عمل آیا ہے کہ آپ ﷺ سنتِ فجر پڑھ کر لیٹ جاتے تھے، لیکن آپ ﷺ سنت گھر میں پڑھتے تھے، اور آرام گھر ہی میں کرتے تھے، لہٰذا بغیر تکان کے مسجد کے اندر لیٹنا اور اس لیٹنے کو سنت سمجھنا، سنت نہیں بلکہ بدعت ہے، حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سنتِ فجر پڑھ کر مسجد میں لیٹنے والے پر خفا ہوتے تھے، ایک موقع پر آپ نے فرمایا کہ "مَا بَالُ الرَّجُلِ إِذَا صَلَّى الرَّكْعَتَيْنِ يَفْعَلُ كَمَا يَفْعَلُ الْحِمَارُ إِذَا تَمَعَّكَ" (زاد المعاد) آدمی کو کیا ہوتا ہے کہ جب فجر کی دو رکعت پڑھ لیتا ہے، تو وہی کام کرتا ہے، جو گدھا اس وقت کرتا ہے جب کہ وہ دھوپ میں لت پت ہوتا ہے، کوئی شخص رات میں عبادت کی وجہ سے تکان محسوس کر رہا ہے اور سنت فجر کے بعد تکان دور کرنے کی غرض سے گھر میں کچھ دیر لیٹ جاتا

ہے،تو یہ نہ صرف جائز بلکہ نیک کام ہے،اور آپ کی اتباع کی نیت سے موجب اجر ہے۔

حدث نمبر ١١٢٤ ﴿تہجد میں تیرہ رکعت کا بیان﴾ عالمی حدیث نمبر ١١٩١

وَعَنْهَا قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يُصَلِّيْ مِنَ اللَّيْلِ ثَلٰثَ عَشْرَةَ رَكْعَةً مِنْهَا الْوِتْرُ وَرَكْعَتَا الْفَجْرِ رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

حواله: مسلم، ص ٢٥٤، ج ١، باب صلاة الليل الخ، كتاب صلاة المسافرين الخ، حديث نمبر ٧٣٨.

ترجمه: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ تہجد کی تیرہ رکعت نماز پڑھتے تھے،اُن میں سے وتر کی نماز بھی ہوتی،اور دو رکعت فجر کی سنت بھی ہوتی۔

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے آپ ﷺ آٹھ رکعت تہجد کی پڑھتے تھے، پھر تین رکعت وتر پڑھتے تھے، پھر کچھ دیر ٹھہرتے اور جب صبح صادق کا وقت ہوتا،تب دو رکعت سنت فجر ادا کرتے تھے۔

کلمات حدیث کی تشریح منھا الوتر: وتر کی تین رکعت نماز پڑھتے، وتر تہجد کے ساتھ پڑھنا افضل ہے، وتر کی تین رکعت ہی مراد ہے، کیونکہ اکثر احادیث میں وتر کی تین رکعات ہی بیان ہوئی ہیں، ترمذی میں حدیث ہے "ثم يصلي ثلاثا" اسی طرح مسلم میں حدیث ہے، "ثم اوتر بثلاث". ورکعتا الفجر: یہ مطلب نہیں کہ آپ ﷺ تہجد کے وقت میں فجر کی سنت ادا کرتے تھے، بلکہ مطلب یہ ہے تہجد کی نماز سے فراغت کے بعد جب صبح صادق ہوجاتا تب آپ سنت فجر ادا کرتے، لیکن چونکہ تہجد کی نماز سے فراغت اخیر رات میں ہوتی، اور سنت فجر طلوع صبح صادق کے فوراً بعد ادا فرماتے، لہٰذا اس قرب وقت کی بنا پر سنت فجر کا ذکر تہجد کی نماز کے ساتھ کردیا ہے۔

حدیث نمبر ١١٢٥ ﴿تہجد کی تعداد رکعات﴾ عالمی حدیث نمبر ١١٩٢

وَعَنْ مَسْرُوْقٍ قَالَ سَأَلْتُ عَائِشَةَ عَنْ صَلٰوةِ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِاللَّيْلِ فَقَالَتْ سَبْعٌ وَّتِسْعٌ وَّاِحْدٰى عَشْرَةَ رَكْعَةً سِوٰى رَكْعَتَي الْفَجْرِ رَوَاهُ.

حواله: بخاري، ص ١٥٣، ج ١، باب كيف صلاة النبي ﷺ، كتاب التهجد، حديث نمبر ١١٣٨.

ترجمه: حضرت مسروقؒ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت عائشہؓ سے نبی کریم ﷺ کی تہجد کی نماز کے بارے میں دریافت کیا تو حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ آپ کبھی سات رکعت پڑھتے، کبھی نو رکعت اور کبھی گیارہ رکعات پڑھتے، فجر کی دو سنتیں اس کے علاوہ ہوتی تھیں۔ (بخاری)

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ آپ ﷺ کا تہجد کی نماز میں تعداد رکعات کے حوالے سے ہمیشہ کوئی معمول نہیں تھا، کبھی آپ ﷺ چار رکعات تہجد کی اور تین رکعات وتر کی پڑھتے، تو یوں سات رکعات ہوئیں، کبھی چھ رکعت تہجد کی اور تین وتر کی ادا کرتے تو یہ نو ہوتیں، اور کبھی آٹھ رکعات تہجد اور تین رکعات، وتر کی ادا کرتے تو یہ کل گیارہ ہوجاتیں آپ ﷺ کا عام معمول یہی تھا کہ آپ ﷺ تہجد کی آٹھ رکعات پڑھتے تھے۔

کلمات حدیث کی تشریح سوی رکعتی الفجر: گذشتہ روایت میں "ثلاث عشرة رکعة" کے الفاظ مذکور تھے، اس میں آٹھ رکعت تہجد کی اور تین وتر کی اور دو فجر کی سنتیں تھیں، اس روایت میں "احدی عشر رکعة" یعنی گیارہ رکعتوں کا تذکرہ ہے، اس لیے الگ سے صراحت کردی کہ اس میں فجر کی دو سنتیں شامل نہیں ہیں، وہ علاحدہ ہیں، تو مطلب یہی نکلا کہ آٹھ تہجد کی اور تین وتر کی رکعتیں ہیں اور یہ کل ملا کر گیارہ ہوگئیں۔

حدیث نمبر ۱۱۲۶ ﴿تہجد کی نماز ہلکی قرأت سے شروع کرنا﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۱۹۳

وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا قَامَ مِنَ اللَّيْلِ يُصَلِّيْ إِفْتَتَحَ صَلٰوتَهُ بِرَكْعَتَيْنِ خَفِيْفَتَيْنِ رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

حوالہ: مسلم، ص ۲۶۲، ج ۱، باب الدعاء فی صلاۃ اللیل الخ، کتاب الصلاۃ المسافرین الخ، حدیث نمبر ۷۶۷

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ حضرت نبی کریم ﷺ جب تہجد کی نماز کے لیے کھڑے ہوتے، تو نماز دو ہلکی رکعتوں سے شروع فرماتے تھے۔ (مسلم)

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ تہجد کی ابتدا کی دو رکعت نماز میں آپ ﷺ بہت مختصر قرأت فرماتے تھے بقیہ تہجد کی نماز میں آپ ﷺ طویل قرأت کرتے تھے۔

کلمات حدیث کی تشریح افتتح صلاته بر كعتين خفيفتين: بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ دو رکعت تہجد کی نہ ہوتیں بلکہ یہ دو رکعت تحیۃ الوضور کی ہوتی تھیں، اس میں آپ ﷺ مختصر قرأت فرماتے، پھر تہجد کی نماز میں آپ ﷺ لمبی قرأت کرتے لیکن یہ قول مرجوح ہے، اس لیے کہ تحیۃ المسجد کی نماز علیحدہ اور مستقل نہیں ہے، یہ تہجد کی ابتدائی دو رکعت ہوتی تھیں، جن کو تحیۃ الوضور کے قائم مقام کہا جاسکتا ہے، اس حدیث میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ، کام کی شروعات میں تھوڑا کام کیا جائے، تاکہ آہستہ آہستہ عادت پڑجائے، شروعات میں ہلکی قرأت بعد میں نشاط پیدا کردیتی ہے، تو پھر آپ ﷺ لمبی قرأت فرماتے۔

حدیث نمبر ۱۱۲۷ ﴿دو ہلکی رکعتوں سے تہجد کی ابتدا کا حکم﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۱۹۴

وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ إِذَا قَامَ اَحَدُ مِنَ اللَّيْلِ فَلْيَفْتَتِحِ الصَّلٰوةَ بِرَكْعَتَيْنِ خَفِيْفَتَيْنِ رَوَاهُ مُسْلِمٌ

حوالہ: مسلم، ص ۲۶۲، ج ۱، باب الدعاء فی صلاۃ اللیل، کتاب صلاۃ المسافرین، حدیث نمبر ۷۶۸.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی شخص تہجد کی نماز کے لیے کھڑا ہوئے، تو اس کو چاہئے کہ وہ دو ہلکی رکعتوں سے نماز کی شروعات کرے۔ (مسلم)

خلاصۂ حدیث گذشتہ حدیث میں آپ کے جس معمول کا ذکر ہوا، اس حدیث میں آپ ﷺ کا امت کے افراد کے حق میں اسی بابت فرمان ہے یعنی تہجد کی نماز کی ابتدا کے حوالے سے آپ ﷺ کا فرمان ہے کہ اس کی شروع کی دو رکعتیں ہلکی پڑھی جائیں، تاکہ نشاط پیدا ہوجائے اور پھر لمبی نماز بسہولت پڑھی جاسکے۔

کلمات حدیث کی تشریح اذا قام: مراد نیند سے بیدار ہونا، انہی جیسی احادیث کی بنا پر بعض لوگ تہجد کی نماز کے لیے نیند سے بیدار ہونا شرط قرار دیتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ عشار کے بعد سوئے بغیر کوئی نماز پڑھی جارہی ہے تو اس پر تہجد کا اطلاق نہ ہوگا۔ بر كعتين خفيفتين: ہلکی نماز سے ابتدا کے ذریعہ سے بعد میں نماز پڑھنا آسان ہوگا۔

حدیث نمبر ۱۱۲۸ ﴿تہجد میں تیرہ رکعات پڑھنے کا بیان﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۱۹۵

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ بِتُّ عِنْدَ خَالَتِيْ مَيْمُوْنَةَ لَيْلَةً وَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عِنْدَهَا فَتَحَدَّثَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَعَ اَهْلِهٖ سَاعَةً ثُمَّ رَقَدَ فَلَمَّا كَانَ ثُلُثُ اللَّيْلِ الْاٰخِرِ اَوْ بَعْضُهُ قَعَدَ فَنَظَرَ اِلَى السَّمَآءِ فَقَرَأَ اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ حَتّٰى خَتَمَ السُّوْرَةَ ثُمَّ قَامَ اِلَى الْقِرْبَةِ فَاَطْلَقَ شِنَاقَهَا ثُمَّ صَبَّ فِي الْجَفْنَةِ ثُمَّ تَوَضَّأَ وُضُوْءً حَسَنًا بَيْنَ الْوُضُوْئَيْنِ لَمْ يُكْثِرْ وَقَدْ اَبْلَغَ فَقَامَ فَصَلّٰى فَقُمْتُ وَتَوَضَّأْتُ فَقُمْتُ عَنْ يَّسَارِهٖ فَاَخَذَ بِاُذُنِيْ فَاَدَارَنِيْ عَنْ يَّمِيْنِهٖ فَتَتَامَّتْ صَلٰوتُهُ ثَلٰثَ عَشْرَةَ رَكْعَةً ثُمَّ اضْطَجَعَ فَنَامَ حَتّٰى نَفَخَ وَكَانَ اِذَا نَامَ نَفَخَ فَاٰذَنَهُ بِلَالٌ بِالصَّلٰوةِ فَصَلّٰى وَلَمْ يَتَوَضَّأْ وَكَانَ

فِیْ دُعَائِہٖ اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ فِیْ قَلْبِیْ نُوْرًا وَّ فِیْ بَصَرِیْ نُوْرًا وَّفِیْ سَمْعِیْ نُوْرًا وَّعَنْ یَّمِیْنِیْ نُوْرًا وَّعَنْ یَّسَارِیْ نُوْرًا وَّفَوْقِیْ نُوْرًا وَّتَحْتِیْ نُوْرًا وَّاَمَامِیْ نُوْرًا وَّخَلْفِیْ نُوْرًا وَّاجْعَلْ لِّیْ نُوْرًا وَّزَادَ بَعْضُھُمْ وَفِیْ لِسَانِیْ نُوْرًا وَّذَکَرَ وَعَصَبِیْ وَلَحْمِیْ وَدَمِیْ وَشَعْرِیْ وَبَشَرِیْ مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ وَفِیْ رِوَایَۃٍ لَّھُمَا وَاجْعَلْ فِیْ نَفْسِیْ نُوْرًا وَّاَعْظِمْ لِیْ نُوْرًا وَّفِیْ اُخْرٰی لِمُسْلِمٍ اَللّٰھُمَّ اَعْطِنِیْ نُوْرًا۔

حوالہ: بخاری، ص ۹۳۴-۹۳۵، ج ۲، باب الدعاء اذا انتبہ من اللیل، کتاب الدعوات، حدیث نمبر ۶۳۱۶۔ مسلم، ص ۲۶۱، ج ۱، باب الدعاء فی الصلاۃ اللیل، کتاب صلاۃ المسافرین، حدیث نمبر ۷۶۸۔

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ ایک رات اپنی خالہ حضرت میمونہؓ کے پاس گذاری، حضرت نبی کریم ﷺ بھی حضرت میمونہؓ کے پاس تھے، چنانچہ آپ ﷺ نے اپنی اہلیہ سے کچھ دیر بات کی پھر آپ ﷺ سو گئے، جب آخری تہائی رات باقی رہ گئی یا اس سے بھی کچھ کم حصہ باقی رہ گیا، تو آپ ﷺ اٹھ گئے، اور آسمان کی طرف نگاہ اٹھا کر دیکھا، پھر آپ ﷺ نے یہ آیت پڑھی "ان فی خلق السموات الخ" بے شک آسمان وزمین کے بنانے اور رات ودن کے آنے جانے میں عقل والوں کے لیے نشانیاں ہیں، سورۃ کے اخیر تک آپ ﷺ نے تلاوت فرمائی، پھر آپ ﷺ کھڑے ہوئے اور مشکیزہ کے پاس گئے، پھر اس کا بندھن کھولا، پھر اس میں سے ایک پیالہ میں پانی لیا، پھر دو وضوؤں کے درمیان والا عمدہ وضو کیا، آپ ﷺ نے پانی کا بہت زیادہ استعمال نہیں کیا، اور آپ ﷺ نے پانی پورا پہنچایا، پھر آپ ﷺ کھڑے ہوئے، اور آپ ﷺ نے نماز پڑھی، میں نے وضو کیا اور میں آپ ﷺ کے بائیں طرف کھڑا ہو گیا، تو آپ ﷺ نے میرا کان پکڑا، اور آپ ﷺ نے مجھے گھما کر دائیں طرف کر لیا، پھر آپ ﷺ نے تیرہ رکعات نماز پوری کر لی اور لیٹ کر سو گئے، یہاں تک کہ آپ ﷺ خراٹے لینے لگے، اور آپ ﷺ جب سوتے تو خراٹے لیتے، پھر حضرت بلالؓ نے آکر آپ ﷺ کو نماز کی اطلاع دی، تو آپ ﷺ نے نماز پڑھی، اور وضو نہیں کیا اور آپ ﷺ نے یہ دعا مانگی، "اللھم اجعل فی قلبی نوراً الخ" اے اللہ میرے دل میں نور بھر دے، اور میری آنکھوں کو منور کر دے، میرے کانوں کو منور کر دے، میرے دائیں نور کر دے، میرے بائیں نور کر دے، میرے اوپر نور کر دے، میرے نیچے نور کر دے، میرے آگے نور کر دے، میرے پیچھے نور کر دے، اور مجھ کو نورانی بنا دے، اور بعض راویوں نے یہ الفاظ مزید نقل کیے ہیں، "وفی لسانی الخ" اور میری زبان میں نور رکھ دے، اور بعض نے ذکر کیا ہے کہ "وعصبی الخ" میرے پٹھوں، میرے خون، میرے بال اور میری کھال کو نورانی کر دے۔ (بخاری ومسلم) اور بخاری ومسلم کی ایک روایت کے الفاظ ہیں "واجعل فی نفسی نوراً الخ" اے اللہ میرے اندر نور بھر دے، میرے لیے نور بڑھا دے، اور مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ "اللھم اعطنی نوراً" اے اللہ مجھ کو نور عطا فرمائیے۔

خلاصۂ حدیث اس حدیث سے درج ذیل باتیں سمجھ میں آتی ہیں۔ (۱) عشاء کی نماز کے بعد گھر والوں سے بات چیت کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، لیکن لایعنی گفتگو کی عام حالات میں ممانعت ہے تو اس کی ممانعت اس وقت میں مزید بڑھ جائے گی۔ (۲) آخیر رات میں اللہ تعالیٰ کی رحمت بندہ کی طرف متوجہ ہوتی ہے، ایسے وقت میں بندہ کا عبادت کرنا اللہ کو بہت محبوب ہے، کیوں کہ اس میں نفس کشی بہت زیادہ ہے اور یہ عبادت ریا و شہرت سے بہت دور بھی ہے، آپ ﷺ کا معمول تھا کہ آپ ﷺ رات کے کچھ حصہ میں آرام کرنے کے بعد عبادت کے لیے بیدار ہو جاتے تھے۔ (۳) وضو کے دوران پانی کے استعمال میں نہ تو اسراف کرنا چاہیے، اور نہ اتنا کم پانی استعمال کرنا چاہیے کہ بخل محسوس ہو اور اعضاء کی تری بھی مشکل ہو جائے، بہتر وضو وہ ہے جو بخل واسراف دونوں سے محفوظ ہو۔ (۴) اگر ایک مقتدی ہے تو وہ امام کے داہنی طرف کھڑا ہو اور اگر اتفاق سے وہ بائیں کھڑا ہو جائے تو امام کو چاہیے کہ اس کو داہنی طرف اس طرح پر کر لے کہ نہ تو مقتدی امام سے آگے بڑھے اور نہ عمل کثیر ہوئے۔ (۵) تہجد میں تیرہ رکعات پڑھنے کا ذکر ہے، تین

وتر کی ہوگئیں اور دس رکعت تہجد کی ہوئیں، اس میں فجر کی دو سنت نہیں ہیں، کیوں کہ وہ آپ ﷺ نے سوکر اٹھنے کے بعد پڑھی ہیں، تہجد کی رکعات متعین نہیں ہیں، عام معمول آٹھ ہی کا تھا، لیکن کم وبیش آپ ﷺ سے ثابت ہے، اس حدیث میں آٹھ سے زائد دس رکعات پڑھنا معلوم ہوتا ہے۔ (۶) آپ ﷺ سوتے وقت خراٹے لیتے تھے، بسا اوقات خراٹے قوائے جسمانی کی صحت اور ناک کی نالی کے صاف اور کشادہ ہونے کی دلیل ہوتے ہیں آپ ﷺ کے ساتھ ایسا ہی معاملہ تھا۔ (۷) سوکر اٹھنے کے بعد آپ ﷺ نے وضو نہیں کیا، یہ آپ ﷺ کی خصوصیت تھی کہ نیند سے آپ ﷺ کا وضو نہیں ٹوٹتا تھا۔ (۸) آپ ﷺ نے سنت فجر اور نماز فجر کے درمیان مذکورہ دعا مانگی، یہ دعا بہت بابرکت ہے، تہجد کی نماز کے بعد اس کا خاص اہتمام بہت نافع اور باعث خیر وبرکت ہے۔ (۹) آپ ﷺ نے یہ دعا مختلف الفاظ سے کی ہے، اور کبھی اسی سبب سے دعا کے الفاظ میں تھوڑا سا اختلاف ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح **فنظر إلى السماء:** اللہ تبارک وتعالیٰ کی مخلوقات میں تدبر اور عالم کی اشیاء میں غور وفکر کیا اور مذکورہ آیت پڑھی، جس میں مخلوقات میں غور وفکر کرنے کی دعوت بھی ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ کی عظمت اور اس کی معرفت کے حصول کی بات بھی ہے، آپ ﷺ نے ایک موقع پر فرمایا کہ "وَيْلٌ لِمَنْ قَرَأَ هٰذِهِ الْآيَةَ وَلَمْ يَتَفَكَّرْ" اس شخص کے لیے ویل ہے جس نے مذکورہ آیت پڑھی اور تدبر وتفکر نہیں کیا۔ **بين الوضوئين:** یعنی ایسا عمدہ وضو کیا جو اسراف اور تقتیر سے پاک تھا۔ **فاخذ باذني:** ایک روایت کے الفاظ ہیں "فوضع يده اليمنىٰ على رأسي" حضور ﷺ نے اپنا داہنا ہاتھ میرے سر پر رکھا، روایت کے الفاظ مختلف ہیں، اس چیز کی وضاحت کے لیے حدیث نمبر ۱۰۳۹ دیکھیں۔ **ثلاث عشرة ركعة:** بظاہر حدیث کا یہ جز حضرت عائشہؓ کی اس روایت کے مخالف ہے جس میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ تیرہ رکعتیں آپ ﷺ نے فجر کی دو سنتوں کے ساتھ پڑھیں تھیں، لیکن یہ حقیقتاً تعارض نہیں ہے کیوں کہ آپ ﷺ کا عمل تہجد کی رکعات کے حوالے سے مختلف رہا ہے، کبھی آپ ﷺ کا عمل وہ تھا جس کو حضرت عائشہؓ نے ذکر کیا اور کبھی یہ عمل ہے یعنی کبھی آپ ﷺ نے تہجد کی آٹھ رکعت پڑھی، اور کبھی دس پڑھی، اس میں کوئی تضاد نہیں ہے۔ **ولم يتوضأ:** نیند ناقض وضو ہے عام لوگوں کے حق میں، حضور ﷺ کے حق میں نفس نیند خواہ غالب ہو یا نہ ہو، ناقض وضو نہیں ہے، کیوں کہ نیند کی حالت میں بھی آپ ﷺ کا دل بیدار رہتا تھا، جس کی بنا پر اگر وضو کسی دوسرے سبب سے ٹوٹتا تھا، تو آپ ﷺ کو علم ہو جاتا تھا۔ **اللهم اجعل في قلبي نورًا:** آپ ﷺ نے اپنے اعضاء کے نورانی ہونے کی دعا مانگی، اگر اس سے ظاہری معنیٰ مراد ہوں تو مطلب یہ ہے کہ میرے تمام اعضاء خوب چمکیں، تاکہ قیامت کی تاریکیوں میں اس سے روشنی حاصل ہو سکے۔ یا پھر یہ علم اور ہدایت سے استعارہ ہے، یا پھر مطلب یہ ہے کہ میرے تمام اعضاء کو اپنی معرفت اور طاعت سے آراستہ کر دے۔

حدیث نمبر ۱۱۲۹ ﴿وتر کی نماز تین رکعات﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۱۹۶

وَعَنْهُ أَنَّهُ رَقَدَ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَاسْتَيْقَظَ فَتَسَوَّكَ وَتَوَضَّأَ وَهُوَ يَقُوْلُ اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ حَتّٰى خَتَمَ السُّوْرَةَ ثُمَّ قَامَ فَصَلّٰى رَكْعَتَيْنِ اَطَالَ فِيْهِمَا الْقِيَامَ وَالرُّكُوْعَ وَالسُّجُوْدَ ثُمَّ انْصَرَفَ فَنَامَ حَتّٰى نَفَخَ ثُمَّ فَعَلَ ذٰلِكَ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ سِتَّ رَكَعَاتٍ كُلَّ ذٰلِكَ يَسْتَاكُ وَيَتَوَضَّأُ وَيَقْرَأُ هٰؤُلَاءِ الْاٰيَاتِ ثُمَّ اَوْتَرَ بِثَلَاثٍ رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

حواله: مسلم، ص ۲٦۱، ج ۱، باب الدعاء فى صلاة الليل، كتاب صلاة المسافرين، حديث نمبر ۷٦۳.

توجمه: حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کے پاس رات گذاری، تو آپ ﷺ بیدار ہوئے پھر مسواک کی، اور وضو کیا، اور یہ آیت "ان فى خلق السمٰوٰت الخ" اخیر سورت تک پڑھی، پھر کھڑے ہوئے اور دو رکعت نماز پڑھی، اُن میں قیام رکوع اور سجدہ لمبا کیا، پھر واپس آئے اور سوگئے، یہاں تک خراٹے لینے لگے، آپ ﷺ نے تین مرتبہ ایسا ہی کر کے چھ رکعات پڑھیں، ہر مرتبہ وضو فرماتے، مسواک کرتے، اور یہ آیتیں پڑھتے، پھر تین رکعات وتر کی پڑھیں۔ (مسلم)

خلاصۂ حدیث اس حدیث میں جو زیادہ اہم بات ہے وہ یہ ہے کہ آپ ﷺ نے تین رکعات وتر پڑھیں، اور یہ حنفیہ کے مسلک کی دلیل ہے، کیونکہ احناف کے نزدیک وتر کی تین رکعات ہیں، اس حدیث سے آپ ﷺ کی عبادت وریاضت اور رضائے الٰہی کے لئے جدوجہد کا بھی خوب علم ہوتا ہے، نیز مسواک کی اہمیت بھی صاف معلوم ہوتی ہے اور سوکر اٹھنے والے کے لئے مذکورہ آیات کا پڑھنا، اور خلق خدا کی حقیقت میں غور کرنا مستحب معلوم ہوتا ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح وتوضأ: آپ ﷺ نے اس لئے وضو نہیں کیا کہ نیند کی وجہ سے وضو ٹوٹ گیا تھا، کیوں کہ نیند آپ ﷺ کے حق میں ناقض وضو نہیں ہے، جیسا کہ گذشتہ حدیث سے صاف معلوم ہوا، یہ وضو اس لیے تھا کہ نیا وضو ہوجائے، یا پھر کسی دوسرے ناقض وضو کے پیش آنے کی بنا پر آپ ﷺ نے وضو کیا ہوگا۔ ثلاث مرات: اس حدیث سے یہ بات معلوم ہوئی کہ کبھی کبھی آپ ﷺ نے تہجد کی چھ رکعات بھی پڑھی ہیں۔

حدیث نمبر ۱۱۳۰ ﴿تہجد کی نماز میں آپ ﷺ کی قرأت﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۱۹۷

وَعَنْ زَيْدِ بْنِ خَالِدِنِ الْجُهَنِيِّ اَنَّهٗ قَالَ لَاَرْمُقَنَّ صَلٰوةَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اللَّيْلَةَ فَصَلّٰى رَكْعَتَيْنِ خَفِيْفَتَيْنِ ثُمَّ صَلّٰى رَكْعَتَيْنِ طَوِيْلَتَيْنِ طَوِيْلَتَيْنِ طَوِيْلَتَيْنِ ثُمَّ صَلّٰى رَكْعَتَيْنِ وَهُمَا دُوْنَ اللَّتَيْنِ قَبْلَهُمَا ثُمَّ صَلّٰى رَكْعَتَيْنِ قَبْلَهُمَا ثُمَّ صَلّٰى رَكْعَتَيْنِ وَهُمَا دُوْنَ اللَّتَيْنِ ثُمَّ اَوْتَرَ فَذَالِكَ ثَلٰثَ عَشْرَةَ رَكْعَةً رَوَاهُ مُسْلِمٌ قَوْلُهٗ ثُمَّ صَلّٰى رَكْعَتَيْنِ وَهُمَا دُوْنَ اللَّتَيْنِ قَبْلَهُمَا اَرْبَعَ مَرَّاتٍ هٰكَذَا فِيْ صَحِيْحِ مُسْلِمٍ وَّاَفْرَادِهٖ مِنْ كِتَابِ الْحُمَيْدِيِّ وَمُوَطَّأ مَالِكٍ وَّسُنَنِ اَبِيْ دَاوٗدَ وَجَامِعِ الْاُصُوْلِ.

حواله: مسلم، ص ۲۶۲، ج ۱، باب الدعاء فی صلاۃ اللّیل، کتاب صلاۃ المسافرین، حدیث نمبر ۷۶۵.

ترجمه: حضرت زید بن خالد جہنیؓ سے روایت ہے کہ انھوں نے سوچا کہ میں رسول اللہ ﷺ کی تہجد کی نماز ضرور دیکھوں گا، تو آپ ﷺ نے دو ہلکی رکعتیں پڑھیں، پھر آپ ﷺ نے دو رکعت بہت لمبی بہت ہی لمبی پڑھیں، پھر آپ ﷺ نے دو رکعت پڑھیں، یہ دو رکعت ماقبل کی دو رکعت سے ہلکی تھیں، پھر دو رکعت پڑھیں، یہ دو اپنے سے پہلی دو رکعتوں سے ہلکی تھیں، پھر دو رکعت پڑھی اور یہ دو رکعت اپنے ماقبل کی دو رکعتوں سے ہلکی تھیں، پھر آپ ﷺ نے دو رکعت پڑھیں، یہ اپنے سے ماقبل سے ہلکی تھیں، پھر وتر پڑھیں، یہ کل تیرہ رکعات ہوگئیں۔ (مسلم) حضرت زید کے الفاظ "ثم صلی رکعتین وهما دون اللتین قبلها" چار بار نقل ہوئے ہیں، اسی طرح مسلم میں ہے اور حمیدی کی کتاب سے افراد مسلم میں بھی ہے، نیز موطا امام مالک میں سنن ابی داؤد میں اور جامع الاصول میں ہے۔

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ آپ ﷺ نے تہجد کی ابتدائی دو رکعت بہت ہلکی پڑھتے، پھر اس کے بعد جب نشاط پیدا ہوجاتا تو دو رکعت طویل پڑھتے، اور اس میں لمبی قرأت اور طویل رکوع وسجدہ کرتے، پھر تہجد کی مزید نماز دو دو رکعت کرکے پڑھتے، اور ہر شفعہ میں پہلے کے مقابلے دوسرے میں مختصر قرأت رکوع وسجدہ وغیرہ کرتے پھر آپ ﷺ وتر کی نماز ادا کرتے

کلمات حدیث کی تشریح هٰكَذَا فِيْ صَحِيْحِ مُسْلِمٍ وَّاَفْرَادِهٖ مِنْ كِتَابِ الْحُمَيْدِيِّ: "حمیدی کی کتاب" سے مراد الجمع بین الصحیحین للحُمیدی ہے۔ اس کتاب میں حمیدیؒ نے تین قسم کی حدیثیں جمع کی ہیں، ایک تو وہ حدیثیں جو بخاری اور مسلم دونوں میں ہیں یعنی متفق علیہ، دوسری وہ حدیثیں جو صرف بخاری میں ہیں اور جن کو افراد بخاری سے تعبیر کیا ہے، اور تیسری وہ حدیثیں جو صرف مسلم میں ہیں اور جو افراد مسلم کہلاتی ہیں، اس وضاحت کے بعد سمجھئے کہ صاحب مشکوٰۃ قَوْلُهٗ سے جو عبارت یہاں لائے ہیں اُس سے اُن کا مقصد یہ بتانا ہے کہ صاحبِ مصابیح اپنی کتاب (مصابیح) میں یہ روایت مسلم سے لائے ہیں اور اس میں انہوں نے ثُمَّ صَلّٰى رَكْعَتَيْنِ الخ، کا فقرہ تین بار نقل کیا ہے جس سے ان رکعتوں کا گیارہ ہونا ظاہر ہوتا ہے، جب کہ اصل روایت میں یہ فقرہ

آیا ہے اور اسی اصل روایت کے مطابق ہم نے مسلم میں مشکوٰۃ میں یہاں اس روایت میں اس فقرہ کو چار بار ہی نقل کیا ہے، اس کے ثبوت میں صاحب مشکوٰۃ نے ایک حوالہ تو خود صحیح مسلم کے اصل نسخہ کا دیا ہے، دوسرا حوالہ حُمیدی کی کتاب سے افراد مسلم کا دیا ہے اور تیسرا حوالہ مؤطا امام مالک، سنن ابوداؤد اور جامع الاصول کا دیا ہے، کہ ان کتابوں میں بھی روایت اس فقرہ کے چار بار کے ساتھ نقل ہوئی ہے، غرض کہ صاحب مشکوٰۃ نے یہاں صاحب مصابیح کے تسامح کو زوردار انداز میں ظاہر کیا ہے۔

حدیث نمبر ۱۱۳۱ ﴿نوافل بیٹھ کر پڑھنا﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۱۹۸

وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ لَمَّا بَدَّنَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَثَقُلَ كَانَ اَكْثَرُ صَلٰوتِهٖ جَالِسًا مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حوالہ: بخاری، ص ۱۵۰، ج ۱، باب اذا صلی قاعداً ثم صح، کتاب تقصیر الصلاۃ، حدیث نمبر ۱۱۱۸. مسلم، ص ۲۵۳-۲۵۳، ج ۱. باب جواز النافلة قاعداً وقائما، کتاب صلاۃ المسافرین، حدیث نمبر ۷۳۲.

ترجمہ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کی جسمانیت بڑھ گئی اور جسم بھاری ہوگیا تو آپ ﷺ اکثر نمازیں بیٹھ کر پڑھتے تھے۔

خلاصۂ حدیث مطلب یہ ہے کہ جب عمر رسیدہ ہوگئے، اور جسم بھاری ہونے کی وجہ سے کھڑے ہوکر نماز پڑھنے میں دشواری ہونے لگی تو آپ ﷺ عام طور پر نفل نمازیں بیٹھ کر ادا کرنے لگے۔

کلمات حدیث کی تشریح اکثر صلاته جالسا: آپ ﷺ کا بیٹھ کر نفل نماز پڑھنا ثواب کو کم نہیں کرتا، اسلئے کہ جو کوئی اس بات کا تعلق ہے کہ بیٹھ کر نماز پڑھنے والے کا ثواب کھڑے ہوکر نماز پڑھنے والے کے مقابلے میں آدھا ہو، وہ آپ ﷺ کے حق میں مفقود ہے، جو شخص بیٹھ کر کسی عذر کی بنا پر نماز پڑھتا ہے فرض ہو یا نفل اس کو مکمل ثواب ملے گا، آپ ﷺ کی خصوصیت یہ ہے کہ آپ ﷺ عذر یا بغیر عذر کسی وجہ سے بیٹھ کر نماز پڑھیں آپ ﷺ کے ثواب میں کمی نہیں ہوتی۔ (تلخیص مرقات، ج ۱۲۷، ج ۳)

حدیث نمبر ۱۱۳۲ ﴿تہجد کی ایک رکعت میں دو سورت پڑھنا﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۱۹۹

وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ لَقَدْ عَرَفْتُ النَّظَائِرَ الَّتِيْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرِنُ بَيْنَهُنَّ فَذَكَرَ عِشْرِيْنَ سُوْرَةً مِّنْ اَوَّلِ الْمُفَصَّلِ عَلٰى تَاْلِيْفِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ سُوْرَتَيْنِ فِيْ رَكْعَةٍ اٰخِرُهُنَّ حٰمٓ الدُّخَانُ وَعَمَّ يَتَسَآءَلُوْنَ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حوالہ: بخاری، ص ۷۴۷، ج ۲، باب تالیف القرآن، کتاب فضائل القرآن، حدیث نمبر ۴۹۹۶. مسلم، ص ۲۷۴، ج ۱، باب ترتیل القرآن، کتاب صلاۃ المسافرین، حدیث نمبر ۷۲۲.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ میں ان سورتوں کو جانتا ہوں جو ایک جیسی ہیں، اور ان کو رسول اللہ ﷺ جمع فرماتے تھے، چنانچہ عبداللہ بن مسعودؓ کی ترتیب جمع کے مطابق بیس سورتیں جو مفصل کے شروع میں ہیں بیان کیں دو سورتیں ملا کر ایک رکعت میں آپ ﷺ پڑھتے تھے، اور ان میں سے آخیر کی دو سورتیں ''حم الدخان'' اور ''عم یتسا ءلون'' تھیں۔ (بخاری و مسلم)

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ آپ ﷺ تہجد کی دس رکعات میں بیس سورتیں پڑھتے تھے، ایک رکعت میں دو سورتوں کی قرأت فرماتے تھے، اور ان میں سورتوں کی ترتیب وہ نہیں تھی جو ہمارے مصحف یعنی مصحف عثمانی میں ہے، بلکہ یہ وہ ترتیب تھی جو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے اپنے اجتہاد سے قائم کی تھی، عبداللہ بن مسعودؓ کی ترتیب کے مطابق سورتوں کو ابوداؤد نے نقل کیا ہے، آپ ﷺ ایک رکعت میں دو سورتیں پڑھتے تھے ''سورۂ رحمٰن'' اور ''سورۂ نجم'' ایک رکعت میں ''اقتربت'' اور ''الحاقہ'' ایک رکعت میں ''سورۃ الطور'' اور ''سورۃ الذاریات'' ایک میں ''اذا وقعت'' اور ''سورۃ القلم'' ایک رکعت میں

"سال سائل" اور "النازعات" ایک رکعت میں "ویل للمطففین" اور "عبس" ایک رکعت میں "المدثر" اور "المزمل" ایک رکعت میں "هل اتی" اور "لا اقسم" یعنی سورۃ القیامۃ، ایک رکعت میں "عمّ یتسآء لون" یعنی سورۃ النباء، اور "المرسلات" ایک رکعت میں "سورۃ الدخان" اور "اذا الشمس کوّرت" ایک الگ رکعت میں پڑھتے تھے، یہ عبداللہ بن مسعودؓ کی ترتیب ہے۔ اسی کا ذکر حدیث باب میں ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح علی تالیف ابن مسعود: قرآن کریم کی آیات کی ترتیب توقیفی ہے، البتہ سورتوں کی تریب صحابہ کا اجتہاد ہے، اس لیے سورتوں کی تریب میں اختلاف رہا ہے، بعض صحابہ نے اپنے اجتہاد سے ترتیب قائم کی تھی پھر دورِ عثمانی میں آج جو سورتوں کی ترتیب قائم ہے، اس ترتیب پر قرآن جمع کیا گیا، چنانچہ اس وقت سے آج تک قرآن اسی ترتیب سے پڑھا جارہا ہے، اور اسی ترتیب سے پڑھنے پر اجماع ہے، اس کے خلاف پڑھنا، خلافِ اولیٰ ہے۔ آخرهن حم الدخان عمّ یتسآء لون: مطلب یہ ہے کہ آخیر کی دو سورتیں یعنی "حم" اور اس کے ہم مثل "والمرسلات" ملا کر ایک رکعت پڑھتے تھے۔

الفصل الثانی

حدیث نمبر ۱۱۳۳ ﴿تهجد کی نماز کی کیفیت کا ذکر﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۲۰۰

عَنْ حُذَيْفَةَ اَنَّهُ رَاَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ مِنَ اللَّيْلِ فَكَانَ يَقُوْلُ اللّٰهُ اَكْبَرُ ثَلٰثًا ذُوالْمَلَكُوْتِ وَالْجَبَرُوْتِ وَالْكِبْرِيَآءِ وَالْعَظَمَةِ ثُمَّ اسْتَفْتَحَ فَقَرَاَ الْبَقَرَةَ ثُمَّ رَكَعَ فَكَانَ رُكُوْعُهُ نَحْوًا مِّنْ قِيَامِهٖ فَكَانَ يَقُوْلُ فِيْ رُكُوْعِهٖ سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيْمِ ثُمَّ رَفَعَ رَاْسَهُ مِنَ الرُّكُوْعِ فَكَانَ قِيَامُهُ نَحْوًا مِّنْ رُكُوْعِهٖ يَقُوْلُ لِرَبِّيَ الْحَمْدُ ثُمَّ سَجَدَ فَكَانَ سُجُوْدُهُ نَحْوًا مِّنْ قِيَامِهٖ فَكَانَ يَقُوْلُ فِيْ سُجُوْدِهٖ سُبْحَانَ رَبِّيَ الْاَعْلٰى ثُمَّ رَفَعَ رَاْسَهُ مِنَ السُّجُوْدِ وَكَانَ يَقْعُدُ فِيْمَا بَيْنَ السَّجْدَتَيْنِ نَحْوًا مِّنْ سُجُوْدِهٖ وَكَانَ يَقُوْلُ رَبِّ اغْفِرْلِيْ رَبِّ اغْفِرْلِيْ فَصَلّٰى اَرْبَعَ رَكَعَاتٍ قَرَاَ فِيْهِنَّ الْبَقَرَةَ وَاٰلَ عِمْرَانَ وَالنِّسَآءَ وَالْمَائِدَةَ اَوِ الْاَنْعَامَ شَكَّ شُعْبَةُ رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ.

حواله: ابوداؤد، ص ۱۲۷، ج ۱، باب ما یقول الرجل فی رکوعه وسجوده، کتاب الصلاۃ، حدیث نمبر ۸۷٤.

ترجمه: حضرت حذیفہؓ سے روایت ہے کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو تہجد کی نماز پڑھتے ہوئے دیکھا، تو آپ ﷺ اللہ اکبر تین بار کہتے اور یہ کلمات کہتے "ذوالملکوت الخ" اللہ تعالیٰ ملک والے ہیں، غلبہ والے ہیں، بڑائی اور عظمت والے ہیں، پھر ثنا پڑھی اور سورۂ بقرہ کی قرأت فرمائی، پھر رکوع میں چلے گئے، اور آپکا وہ رکوع قیام کیطرح تھا، آپ ﷺ نے رکوع میں "سبحان ربی العظیم" پڑھا، پھر آپ ﷺ نے رکوع سے اپنا سر اٹھایا اور قومہ کیا اور یہ قومہ بھی رکوع کیطرح تھا، آپ ﷺ قومہ میں کہتے رہے کہ "لربی الحمد" (میرے ہی رب کیلئے تمام تعریفیں ہیں، پھر آپ ﷺ نے سجدہ کیا اور آپکا سجدہ قیام کے مانند تھا، اور سجدہ میں "سبحان ربی الاعلی" پڑھتے رہے، پھر آپ ﷺ نے سر سجدہ سے اٹھایا اور آپ دونوں سجدوں کے درمیان یعنی جلسہ میں ایک سجدہ کے مانند بیٹھے، اور "رب اغفرلی، رب اغفرلی" کہتے رہے، (اے میرے رب مجھ کو بخش دے، اے میرے رب مجھ کو بخش دے) آپ ﷺ نے چار رکعت نماز پڑھی اُن میں آپ ﷺ نے سورۂ بقرہ "سورۂ آل عمران، سورۃ النساء، اور سورۂ المائدہ، یا سورۃ الانعام پڑھی، یہ شک راوی حدیث شعبہ کو ہوا ہے۔ (ابوداود)

خلاصۂ حدیث اس حدیث سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ آپ ﷺ تہجد کی نماز میں قیام رکوع قومہ جلسہ اور سجدہ بہت طویل کرتے تھے، چوں کہ یہ وقت اللہ تعالیٰ کی خصوصی رحمت کا ہوتا ہے اس لیے رحمۃ للعالمین ﷺ اپنے آپ کو زیادہ سے زیادہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کا مستحق بنانے کے لیے خوب مجاہدہ فرماتے تھے۔

کلمات حدیث کی تشریح فکان رکوعه نحوا من قیامه: اس کے دو مطلب ممکن ہیں۔(۱) حقیقتاً آپ رکوع میں اتنی ہی دیر رہتے جتنی دیر تک قیام میں رہتے اور اس میں تسبیح پڑھتے رہے۔(۲) رکوع کی طرف طوالت کو بیان کرنا ہے، یعنی اس بات میں صرف تشبیہ دینا ہے کہ جیسے آپ ﷺ قیام لمبا کرتے اسی طرح رکوع بھی طویل کرتے تھے۔ رب اغفرلی: یا تو جلسہ میں صرف دو بار یہ تسبیح پڑھتے تھے، یا پھر دو مرتبہ تکرار کی طرف اشارہ کرنے کے لیے ہے، یعنی آپ دیر تک جلسہ فرماتے اور جلسہ میں یہ کلمات پڑھتے ہی رہتے۔

حدیث نمبر ۱۱۳۴ ﴿تہجد میں طویل قرأت کی فضیلت﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۲۰۱

وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ قَامَ بِعَشْرِ اٰيَاتٍ لَمْ يُكْتَبْ مِنَ الْغَافِلِيْنَ وَمَنْ قَامَ بِمِائَةِ اٰيَةٍ كُتِبَ مِنَ الْقَانِتِيْنَ وَمَنْ قَامَ بِاَلْفِ اٰيَةٍ كُتِبَ مِنَ الْمُقَنْطِرِيْنَ رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ.

حواله: ابوداؤد، ص ۱۹۸، ج ۱، باب تخریب القرآن، کتاب شهر رمضان، حدیث نمبر ۱۳۹۸.

ترجمه: حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس نے نماز میں دس آیات تلاوت کیں، اس کا شمار غافلین میں نہ ہوگا، اور جس نے سو آیت تلاوت کیں اس کو فرماں برداروں میں لکھا جائے گا، اور جو شخص ہزار آیات تلاوت کرے گا اس کا نام بہت زیادہ ثواب پانے والوں میں لکھا جائے گا۔

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہیکہ قرآن مجید کی تلاوت کی کثرت سے مقام ومرتبہ میں اضافہ ہوتا ہے یہ حدیث قرآن کریم پڑھنے کے بارے میں مطلق ہے، یہ نہ عام نماز کیساتھ مقید ہے اور نہ تہجد کی نماز کیساتھ مقید ہے، لہٰذا مطلق قرآن کریم پڑھنے پر حدیث میں مذکور سعادت حاصل ہوگی، لیکن چونکہ تلاوت قرآن کریم پر سب سے زیادہ ثواب نماز میں اور نماز میں بھی خاص طور سے تہجد کی نماز میں لمبی قرأت، بہت ہی زیادہ اجر وثواب ہے، اسی بنا پر علامہ بغوی نے اس حدیث کو تہجد کی نماز کے باب کے تحت ذکر کیا ہے

کلمات حدیث کی تشریح من قام بعشر آیات: حدیث میں مذکور سعادت ویسے تو عام ہے جیسا کہ ماقبل میں نقل ہوا، لیکن نماز میں قرآن کریم پڑھنا افضل ہے، اب ایسی صورت میں دس آیتوں سے کیا مراد ہے؟ بعض لوگ کہتے ہیں کہ سات آیات سورۂ فاتحہ کی اور تین دیگر آیات جو کہ نماز میں قرأت کا اقل درجہ ہے مراد ہیں، اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ سورۂ فاتحہ کے علاوہ دس آیات کا پڑھنا مراد ہے۔ لم یکتب من الغافلین: یعنی غافلین کے رجسٹر میں اس کا نام نہیں لکھا جائے گا۔ ومن قام بمائه ایة کتب من القانتین "قانتین" کے معنی ہیں عبادت پر مواظبت کرنے والے، یا عبادت خداوندی کے لیے قیام کو بہت لمبا کرنے والے، بہرحال جو شخص سو آیات تلاوت کرے گا، اس کا نام اللہ تعالیٰ کے فرماں بردار اور اطاعت شعار بندوں میں لکھا جائے گا، اور یہ سمجھا جائے گا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے بہت طویل مدت تک قیام کرنے والا ہے۔ ومن قام بالف ایة کتب من المقنطرین: "مقنطرین" بہت مال والے، یہاں مراد یہ ہے کہ جو لوگ ہزار آیات تلاوت کریں گے وہ بہت اجر وثواب والے ہوں گے، جیسے کہ "مقنطرین" بہت مال ودولت والے ہوتے ہیں، علامہ طیبیؒ نے تینوں مراتب میں فرق بیان کرتے ہوئے ذکر کیا ہے کہ جو آدمی دس آیات تلاوت کرتا ہے وہ عوام الناس کے زمرے سے نکل جاتا ہے اور ان لوگوں میں شامل ہو جاتا ہے جسکے بارے میں ارشاد ربانی ہے، "رِجَالٌ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ" اور سو آیات تلاوت کرنے والا فرماں برداروں کے اس زمرے میں شامل ہو جاتا ہے، جنکے بارے میں فرمان ہے رب العالمین کا "وکانت من القانتین" اور سب سے بڑا درجہ ان لوگوں کا ہے جو ہزار آیات تلاوت کرنیوالے ہیں، اور ان کے اجر وثواب کی اتنی کثرت ہے جتنی کثرت مال کے اس طبقہ کے پاس ہوتی ہے جس کو "مقنطرین" کہا جاتا ہے، قنطار کا کوئی خاص وزن متعین نہیں ہے، بہت زیادہ مال داری کے لیے استعمال ہوتا ہے، اور بعض کے نزدیک چار ہزار دینار ہے۔

حدیث نمبر ۱۱۳۵ ﴿تہجد کی نماز میں آپ ﷺ کا انداز قرأت﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۲۰۲

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ كَانَتْ قِرَاءَةُ النَّبِیِّ ﷺ بِاللَّیْلِ یَرْفَعُ طَوْرًا وَّیَخْفِضُ طَوْرًا رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ.

حوالہ: ابوداؤد، ص۱۸۷، ج۱، باب فی رفع الصوت بالقراۃ فی صلاۃ اللیل، کتاب التطوع، حدیث نمبر ۱۳۲۸

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضرت نبی کریم ﷺ تہجد کی نماز میں قرأت کبھی بلند آواز سے کرتے تھے اور کبھی پست آواز سے کرتے تھے۔ (ابوداؤد)

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ آپ ﷺ تہجد کی نماز میں وقت اور حالات کی رعایت کرتے ہوئے قرأت فرماتے تھے، مثلاً اگر تنہائی ہے تو آپ ﷺ بلند آواز سے قرآت کرتے تھے، اور اگر کچھ لوگ سو رہے ہیں، اور آپ ﷺ اسی جگہ تہجد کی نماز پڑھ رہے ہوتے تو وہ پست آواز سے قرأت فرماتے تھے، تا کہ کسی کو تکلیف نہ ہو۔

کلمات حدیث کی تشریح کانت قراۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم باللیل: آپ ﷺ رات میں قرأت مختلف انداز سے کرتے تھے اس بات کا بھی امکان ہے کہ یہاں تہجد کی نماز میں قرأت مراد ہو اور اس بات کا بھی امکان ہے کہ غیر نماز میں رات کے وقت قرأت مراد ہو، بہر صورت آپ ﷺ کبھی پست آواز سے اور کبھی بلند آواز سے قرأت کرتے، جیسے حالات ہوتے ویسا کرتے، لیکن پست اور جہر دونوں میں اعتدال رہتا تھا، یہی وجہ ہے کہ جب آپ ﷺ نے حضرت ابوبکرؓ کو بہت زیادہ پست آواز سے قرأت کرتے ہوئے سنا تو ان سے کہا کہ "ارفع قلیلاً" تھوڑا بلند آواز سے قرأت کرو، اور جب حضرت عمرؓ کو بہت بلند آواز سے قرأت کرتے ہوئے پایا تو ان کو حکم دیا کہ "اخفض قلیلا" تم تھوڑا آواز کو پست کر کے قرآت کرو، بہر حال جب آپ کے نماز پڑھنے کی جگہ کے آس پاس کوئی سویا ہوتا تو آپ ﷺ اس کی رعایت میں پست آواز سے قرأت کرتے تھے، تا کہ سونے والے کو خلل نہ پڑے، اور صرف قرأت ہی نہیں، بلکہ آپ ﷺ اپنے ہر عمل میں سونے والے کی رعات کرتے تھے، چنانچہ حضرت عائشہؓ صدیقہ فرماتی ہیں کہ جب آپ تہجد کی نماز کے لیے اٹھتے تو انداز یہ ہوتا کہ "قَامَ رُوَیْدًا" بالکل آہستہ سے اٹھتے، "وَفَتَحَ الْبَابَ رُوَیْدًا" دروازہ آہستہ سے کھولتے، تہجد کی نماز میں ان تمام باتوں کا خیال رکھنا چاہیے تا کہ یہ نماز اللہ تعالیٰ کی زیادہ سے زیادہ رضا جوئی کا ذریعہ بنے۔

حدیث نمبر ۱۱۳۶ ﴿آپ ﷺ کا قدرے بلند آواز سے قرأت فرمانا﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۲۰۳

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَتْ قِرَاءَةُ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى قَدْرِ مَا یَسْمَعُهُ مَنْ فِی الْحُجْرَةِ وَهُوَ فِی الْبَیْتِ رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ.

حوالہ: ابوداؤد، ص۱۸۷، ج۱، باب فی رفع الصوت بالقراۃ فی صلاۃ اللیل، کتاب التطوع، حدیث نمبر ۱۳۲۸. ترمذی، ج۱، باب ماجاء فی قراۃ اللیل، کتاب الصلاۃ، حدیث نمبر ۴۴۷.

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ کی قرأت اتنی مقدار میں بلند ہوتی کہ آپ ﷺ حجرہ میں ہوتے اور صحن میں موجود شخص اس کو سن لیتا۔ (ابوداؤد)

خلاصۂ حدیث اس حدیث سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ آپ ﷺ کی قرأت عام حالات میں نہ بہت زیادہ بلند ہوتی اور نہ نہایت پست ہوتی بلکہ معتدل ہوتی تھی اس طور پر قرأت ہوتی کہ حجرہ میں پڑھ رہے ہوتے تو صحن میں موجود شخص اسکو سن سکتا تھا

کلمات حدیث کی تشریح وھو فی البیت: حدیث کے اس جز کے دو مطلب بیان کئے گئے ہیں۔ (۱) حجرہ اور بیت دونوں سے مراد ایک ہی جگہ ہے اور مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ تہجد میں ایسی قرأت کرتے کہ جو شخص کمرہ میں ہوتا وہ اس کو سن لیتا، حجرہ سے باہر آواز نہیں جاتی تھی، لہٰذا جو حجرہ کے باہر ہوتا وہ آپ ﷺ کی رات کی قرأت سن نہ پاتا۔ (۲) حجرہ سے مراد حجرہ

کا صحن ہے، اب مطلب یہ ہوگا کہ آپ ﷺ حجرہ میں تلاوت فرماتے تو اس کو وہ شخص سن لیتا جو کہ حجرہ کے صحن میں ہوتا۔

حدیث نمبر ۱۱۳۷ ﴿تہجد کی نماز کیلئے آپ ﷺ کی ہدایت﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۲۰۴

وَعَنْ اَبِیْ قَتَادَۃَ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ خَرَجَ لَیْلَۃً فَاِذَا ھُوَ بِاَبِیْ بَکْرٍ یُصَلِّیْ وَیَخْفِضُ مِنْ صَوْتِہٖ وَمَرَّ بِعُمَرَ وَھُوَ یُصَلِّیْ رَافِعًا صَوْتَہٗ قَالَ فَلَمَّا اجْتَمَعَا عِنْدَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اَبَا بَکْرٍ مَرَرْتُ بِکَ وَاَنْتَ تُصَلِّیْ تَخْفِضُ صَوْتَکَ قَالَ قَدْ اَسْمَعْتُ مَنْ نَاجَیْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ وَقَالَ لِعُمَرَ مَرَرْتُ بِکَ وَاَنْتَ تُصَلِّیْ رَافِعًا صَوْتَکَ فَقَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اُوْقِظُ الْوَسْنَانَ وَاَطْرُدُ الشَّیْطَانَ فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَا اَبَابَکْرٍ اِرْفَعْ مِنْ صَوْتِکَ شَیْئًا وَقَالَ لِعُمَرَ اِخْفِضْ مِنْ صَوْتِکَ شَیْئًا رَوَاہُ اَبُوْدَاؤُدَ وَرَوَی التِّرْمِذِیُّ نَحْوَہٗ.

حوالہ: ابو داؤد، ص ۱۸۸، ج ۱، باب فی رفع الصوت بالقراۃ فی صلاۃ اللیل، کتاب التطوع، حدیث نمبر ۱۳۲۹. ترمذی، ج ۱، باب ما جاء فی قراۃ اللیل، کتاب الصلاۃ، حدیث نمبر ۴۴۷.

ترجمہ: حضرت ابوقتادہؓ سے روایت ہے کہ ایک رات رسول اللہ ﷺ باہر نکلے، تو حضرت ابوبکرؓ کے پاس سے گذرے وہ نماز پڑھ رہے تھے اور قرأت بہت آہستہ سے کر رہے تھے، پھر حضرت عمرؓ کے پاس سے آپ ﷺ گذرے، وہ بھی نماز پڑھ رہے تھے، اور بلند آواز سے قرأت فرما رہے تھے، جب دونوں حضرات نبی کریم ﷺ کی خدمت میں جمع ہوئے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اے ابوبکرؓ میں تمہارے پاس سے اس حال میں گذرا کہ تم نماز پڑھ رہے تھے، اور قرآت آہستہ سے کر رہے تھے، حضرت ابوبکرؓ نے جواب میں کہا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ میں نے اس کو سنا دیا جس سے میں سرگوشی کر رہا تھا، آپ ﷺ نے حضرت عمرؓ سے کہا کہ میں تمہارے پاس سے گزرا، تم اس حال میں نماز پڑھ رہے تھے کہ قرأت میں تمہاری آواز بلند تھی حضرت عمرؓ نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! میں سوئے ہوئے کو جگا رہا تھا، اور شیطان کو بھگا رہا تھا، آپ ﷺ نے فرمایا کہ اے ابوبکر تم اپنی آواز کچھ بلند کرلو، اور آپ نے حضرت عمرؓ سے کہا کہ تم اپنی آواز کچھ پست کرلو۔ (ابوداؤد، ترمذی نے اسی کے مثل روایت کیا ہے)

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ تہجد کی نماز میں جائز تو سراً اور جہراً دونوں طرح کی قرأت ہے، لیکن درمیانی کیفیت رہنی چاہئے، بہت آہستہ سے پڑھنے میں آدمی تھوڑی دیر میں اکتا جائے گا، اور تلذذ میں کمی رہے گی، اور بہت زور سے پڑھنے میں تھک جائے گا اور دوسروں کو پریشان بھی کردے گا، اس لیے اعتدال کی صورت اپنانا چاہئے اسی بات کی آپ ﷺ نے حضرات شیخین کو تلقین فرمائی ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح اسمعت من ناجیت: یعنی اللہ تعالیٰ کو سنانا مقصد ہے اور یہ مقصد آہستہ قرأت کرنے سے بھی حاصل ہوجاتا ہے، اس لیے آہستہ قرأت کر رہا ہوں، آپ ﷺ نے حضرت ابوبکرؓ کے اس جواب کو بہت پسند فرمایا لیکن اس کے باوجود آواز کچھ بلند کرنے کا حکم دیا، تاکہ نشاط برقرار رہے، اور اکتاہٹ محسوس نہ ہو۔ اطرد الشیطان: حدیث کے اس جزء سے معلوم ہوا کہ قرآن مجید کی تلاوت سے شیاطین راہِ فرار اختیار کرتے ہیں، گھروں سے شیطان کو بھگانے کا یہ بہت اہم ذریعہ ہے، اس کو استعمال کیا جائے تو بہت سی بلاؤں اور مصیبتوں سے اہل خانہ محفوظ رہیں گے۔

حدیث نمبر ۱۱۳۸ ﴿تہجد کی نماز میں ایک ہی آیت پڑھتے رہنا﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۲۰۵

وَعَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ قَامَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ حَتّٰی اَصْبَحَ بِاٰیَۃٍ وَالْاٰیَۃُ اِنْ تُعَذِّبْھُمْ فَاِنَّھُمْ عِبَادُکَ وَاِنْ تَغْفِرْلَھُمْ فَاِنَّکَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ رَوَاہُ النَّسَائِیُّ وَابْنُ مَاجَۃَ.

حوالہ: نسائی، ص ۱۱۶، ج ۱، باب ترديد الاية، كتاب الافتتاح، حديث نمبر ۱۰۰۹. ابن ماجه، ص ۹۶، باب ماجاء في قيام شهر رمضان، كتاب اقامة الصلاة الخ، حديث نمبر ۱۳۴۰.

ترجمہ: حضرت ابوذرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کھڑے ہوئے اور صبح تک ایک ہی آیت پڑھتے رہے، وہ آیت یہ تھی "ان تعذبهم الخ" اگر آپ ان کو عذاب دیں تو وہ آپ کے بندے ہیں اور اگر آپ ان کو معاف کردیں تو بے شک آپ زبردست حکمت والے ہیں۔ (نسائی، ابن ماجہ)

خلاصۂ حدیث اس حدیث میں قرآن مجید کی جو آیت آپ ﷺ رات بھر تہجد میں پڑھتے رہے وہ درحقیقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی درخواست ہے جو کہ عیسیٰ علیہ السلام اپنی امت کے حوالے سے بارگاہ خداوندی میں بروز حساب پیش کریں گے، آپ ﷺ نے تہجد کی نماز میں پوری رات کھڑے ہو کر اپنی امت کے حق میں یہ دعا فرمائی، یعنی اللہ تعالیٰ سے اپنی امت کی بخشش کی دعا کی

کلمات حدیث کی تشریح قام رسول الله صلى الله عليه وسلم حتى اصبح: یہاں اس بات کا بھی امکان ہے کہ آپ ﷺ نے پوری رات حالتِ قیام میں مذکورہ دعا کرتے گذاری، اور اس بات کا بھی امکان ہے کہ حسبِ عادت کچھ دیر سونے کے بعد آپ ﷺ تہجد کی نماز کے لئے بیدار ہوئے اور اس کے بعد صبح تک قیام کیا۔ **بأية:** ایک ہی آیت بار بار دہراتے رہے، اور اس کے معانی ومفاہیم میں غور وفکر کرتے رہے۔ **ان تعذبهم:** امت اجابت کو اگر اس کی نافرمانی کی بنا پر آپ عذاب دیں۔ **فانهم عبادك:** تو وہ آپ کے بندے ہیں اس سزا کے مستحق ہیں، آپ کی جانب سے ظلم کا تصور ممکن نہیں، اس میں لطیف انداز میں رحم وکرم طلب کیا گیا ہے۔ **وان تغفر لهم:** اور اگر آپ اپنے بندوں کے گناہوں کو معاف کردیں، تو آپ کی عالی شان ہے آپ سے کوئی دارو گیر کرنے اور باز پرس کرنے والا نہیں، کہ وہ پوچھے کہ آپ نے سزا کیوں نہیں دی۔

حدیث نمبر ۱۱۳۹ ﴿فجر کے بعد لیٹنے کا آپ ﷺ کا فرمان﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۲۰۶

وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا صَلّٰى اَحَدُكُمْ رَكْعَتَى الْفَجْرِ فَلْيَضْطَجِعْ عَلٰى يَمِيْنِهٖ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاوُدَ.

حوالہ: ترمذی، ص ۹۶، ج ۱، باب ماجاء في الاضطجاع الخ، كتاب الصلاة، حديث نمبر ۴۲۰، ابوداؤد، ص ۱۷۹، باب الاضطجاع بعدها، كتاب التطوع، حديث نمبر ۱۲۶۱.

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ "جب تم میں سے کوئی شخص فجر کی دو رکعت نماز پڑھ لے تو اس کو چاہئے کہ وہ اپنی داہنی کروٹ پر لیٹ جائے"۔ (ترمذی، ابوداود)

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ تہجد کی نماز اور پھر سنت فجر پڑھنے کے بعد اگر تکان محسوس ہو اور فجر کی فرض نماز میں وقت باقی ہو، تو کچھ دیر لیٹے رہنا چاہئے، تاکہ تکان دور ہو جائے، اور فجر کی فرض نماز پڑھنے کے لیے جسم میں نشاط پیدا ہو جائے، لیکن اس بات کا خیال رہے کہ یہ لیٹنا گھر کے اندر ہو، مسجد میں سنت فجر پڑھ کر نہ لیٹ جا۔ ئے، کیوں کہ یہ آپ ﷺ سے ثابت نہیں کہ آپ ﷺ خود کبھی سنت فجر پڑھ کر مسجد میں لیٹے ہوں، یا مسجد میں لیٹنے کا حکم کیا ہو۔

کلمات حدیث کی تشریح **فليضطجع على يمينه:** فجر کی سنت کے بعد کچھ دیر لیٹنے کا حکم ہے، آپ ﷺ کا خود عمل بھی یہی تھا، حنفیہ کے نزدیک یہ لیٹنا نہ مکروہ ہے اور نہ مستحب ہے، یہ امر تعبدی نہیں ہے، بلکہ راحت وآرام کے حصول کی غرض سے ہے اور ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ حکم تمام لوگوں کے لیے نہیں ہے بلکہ ان تہجد گزاروں کے لیے ہے جو تہجد کی نماز کی ادائیگی کی بنا پر تکان محسوس کر رہے ہوں، اور سنت فجر کے بعد کچھ دیر لیٹے رہنے کی بنا پر نماز فجر کی ادائیگی کے لیے ان میں نشاط پیدا ہو جائے گی،

ایسے لوگ کچھ دیر لیٹ لیں تو بہتر ہے۔ (مزید تحقیق کے لیے حدیث نمبر ۱۱۲۱ دیکھیں)

الفصل الثالث

حدیث نمبر ۱۱۴۰ ﴿آپ ﷺ کا تہجد میں اٹھنے کا وقت﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۲۰۷

عَنْ مَسْرُوْقٍ قَالَ سَاَلْتُ عَائِشَةَ اَیُّ الْعَمَلِ کَانَ اَحَبَّ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَتْ الدَّائِمُ قُلْتُ فَاَیَّ حِیْنٍ کَانَ یَقُوْمُ مِنَ اللَّیْلِ قَالَتْ کَانَ یَقُوْمُ اِذَا سَمِعَ الصَّارِخَ مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ.

حواله: بخاری، ص ۱۵۲، ج ۱، باب من نام عند السحر، کتاب التہجد، حدیث نمبر ۱۱۳۲. مسلم، ص ۲۵۵، ج ۱، باب صلاۃ اللیل الخ، کتاب صلاۃ المسافرین، حدیث نمبر ۷۴۱.

ترجمه: حضرت مسروقؒ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت عائشہؓ سے سوال کیا کہ حضرت نبی کریم ﷺ کو کون سا عمل سب سے زیادہ پسند تھا؟ حضرت عائشہؓ نے جواب دیا کہ وہ عمل جو کہ ہمیشہ کیا جائے، حضرت مسروق کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ آپ ﷺ تہجد کی نماز کے لیے کب کھڑے ہوتے تھے؟ حضرت عائشہؓ نے جواب دیا کہ جب مرغے کی آواز سنتے تھے۔ (بخاری ومسلم)

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ آپ ﷺ کو وہ نیکی بہت پسند تھی جس پر مداومت کی جائے، اور آپ ﷺ تہجد کی نماز کے لئے اس وقت اٹھ جاتے جب مرغ بانگ دینا شروع کرتا۔

کلمات حدیث کی تشریح الدائم: وہ نیک کام جس پر مداومت ہو، فرمانِ باری تعالیٰ ہے "اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا" اللہ تعالیٰ نے آیت مذکورہ میں ان لوگوں کو بشارت سنائی ہے جو اللہ تعالیٰ کو اپنا رب ماننے کے بعد اس پر جم جاتے ہیں اور استقامت اختیار کرتے ہیں۔ الصارخ: اس کے معنی چیخنے والا، چوں کہ مرغے رات میں بہت چیخ وپکار کرتے ہیں، اس لیے فرمایا کہ آپ ﷺ اس وقت اٹھ جاتے، جب مرغ آواز لگاتے، عرب میں مرغ آدھی رات کے بعد آواز دینا شروع کر دیتے ہیں، تو نتیجہ یہ نکلا کہ آپ ﷺ آدھی رات کے بعد تہجد کے لیے اٹھ جاتے تھے۔

حدیث نمبر ۱۱۴۱ ﴿آپ ﷺ کے تہجد پڑھنے اور سونے کا ذکر﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۲۰۸

وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ مَا کُنَّا نَشَاءُ اَنْ نَرٰی رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِی اللَّیْلِ مُصَلِّیًا اِلَّا رَاَیْنَاہُ وَلَا نَشَاءُ اَنْ نَرَاہُ نَائِمًا اِلَّا رَاَیْنَاہُ، رَوَاہُ النَّسَائِیُّ.

حواله: نسائی، ص ۱۸۵، ج ۱، باب ذکر صلاۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باللیل، کتاب قیام اللیل، حدیث نمبر ۱۶۲۶.

ترجمه: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ جب ہم نبی کریم ﷺ کو رات میں سوتے ہوئے دیکھنا چاہتے تو آپ ﷺ کو سوتے ہوئے دیکھتے اور جب آپ ﷺ کو نماز پڑھتے دیکھنا چاہتے تو ہم آپ ﷺ کو نماز پڑھتے دیکھتے۔ (نسائی)

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ آپ کا ہر روز کا معمول رات میں کچھ دیر سونے کا اور کچھ دیر عبادت کرنے کا تھا اور دونوں کے لیے وقت متعین تھا، لہٰذا جس کو آپ ﷺ کا جو عمل دیکھنا ہوتا وہ بسہولت آپ ﷺ کا وہ عمل دیکھ لیتا تھا۔

کلمات حدیث کی تشریح ولا نشاء ان نراہ نائماً الا رایناہ: آپ ﷺ کا معمول نہ تو ساری رات عبادت کرنے کا تھا اور نہ ساری رات سونے کا تھا، بلکہ آپ ﷺ دونوں عمل کرتے تھے، یہی وجہ ہے کہ جب ایک شخص نے یہ طے کیا کہ میں ساری رات عبادت کروں گا اور یوں اپنے عزم کا اظہار کیا کہ "اما انا اصلی اللیل ابداً" بہر حال میں تو ہمیشہ ساری رات نماز پڑھوں گا، آپ ﷺ کو جب اس کی خبر ہوئی تو آپ نے ان کے سامنے اپنا وہ اسوہ پیش کیا اور کہا کہ دیکھو میں تم سب لوگوں سے زیادہ اللہ سے ڈرتا ہوں اور تم سب سے زیادہ تقویٰ اختیار کرتا ہوں، لیکن میرا معمول یہ ہے کہ "اصوم وافطر اصلی وارقد الخ"

میں روزہ بھی رکھتا ہوں، افطار بھی کرتا ہوں، نماز بھی پڑھتا ہوں، اور سوتا بھی ہوں، معلوم ہوا کہ آپ ﷺ کی سنت یہی ہے کہ رات کے کچھ ساعات سوکر گزارے جائیں، اور کچھ اوقات عبادت کے ساتھ گذارے جائیں۔

حدیث نمبر ۱۱۴۲ ﴿آپ ﷺ کی نماز تہجد دیکھکر بیان کرنا﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۲۰۹

وَعَنْ حُمَيْدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ قَالَ اِنَّ رَجُلاً مِّنْ اَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ قُلْتُ وَاَنَا فِيْ سَفَرٍ مَّعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاللّٰهِ لَاَرْقُبَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِلصَّلٰوةِ حَتّٰى اَرٰى فِعْلَهُ فَلَمَّا صَلّٰى صَلٰوةَ الْعِشَآءِ وَهِيَ الْعَتَمَةُ اضْطَجَعَ هَوِيًّا مِّنَ اللَّيْلِ ثُمَّ اسْتَيْقَظَ فَنَظَرَ فِي الْاُفُقِ فَقَالَ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلاً حَتّٰى بَلَغَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ثُمَّ اَهْوٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلٰى فِرَاشِهٖ فَاسْتَلَّ مِنْهُ سِوَاكًا ثُمَّ اَفْرَغَ فِيْ قَدَحٍ مِّنْ اِدَاوَةٍ عِنْدَهُ مَاءً فَاسْتَنَّ ثُمَّ قَامَ فَصَلّٰى حَتّٰى قُلْتُ قَدْ صَلّٰى قَدْرَمَا نَامَ ثُمَّ اضْطَجَعَ حَتّٰى قُلْتُ قَدْ نَامَ قَدْرَمَا صَلّٰى ثُمَّ اسْتَيْقَظَ فَفَعَلَ كَمَا فَعَلَ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّقَالَ مِثْلَ مَا قَالَ فَعَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ قَبْلَ الْفَجْرِ رَوَاهُ النَّسَائِيُّ۔

حوالہ: نسائی، ص ۱۸۵، ج ۱، باب بای شئي يستفتح صلاة الليل، كتاب قيام الليل.

ترجمہ: حضرت حمید بن عبدالرحمن بن عوف سے روایت ہے کہ بے شک نبی کریم ﷺ کے ایک صحابی نے بیان کیا کہ ایک سفر کے دوران میں نبی کریم ﷺ کے ساتھ تھا، میں نے دل میں سوچا کہ آج کی رات رسول اللہ ﷺ کی تہجد کی نماز ضرور دیکھوں گا، تا کہ آپ ﷺ کی نماز تہجد کے ادا کرنے کے طریقہ کو میں سیکھ لوں، چنانچہ جب آپ عشاء کی نماز (جس کو عتمہ کہا جاتا ہے) سے فارغ ہوئے تو آرام کے لیے بہت رات تک لیٹے رہے، پھر بیدار ہوئے اور آسمان کی طرف نگاہ اٹھا کر دیکھا، پھر آپ ﷺ نے پڑھا "ربنا ما خلقت هذا باطلا" آپ ﷺ نے "انك لا تخلف الميعاد" تک پڑھا، پھر آپ ﷺ بستر کی طرف متوجہ ہوئے اور اس میں سے اپنی مسواک نکالی، پھر آپ ﷺ نے ایک پیالہ میں اس چھاگل سے پانی ڈالا جو کہ آپ ﷺ کے پاس رکھی ہوئی تھی، پھر آپ ﷺ نے مسواک کی اور نماز کے لئے کھڑے ہوئے، اور نماز پڑھی، آپ ﷺ کی نماز اتنی دیر تک ہوئی کہ میں نے دل میں کہا کہ جتنی دیر آپ ﷺ سوئے اتنی ہی دیر آپ ﷺ نے نماز پڑھی، پھر آپ ﷺ لیٹ گئے، یہاں تک کہ میں نے دل میں سوچا کہ آپ ﷺ اتنی دیر سوئے جتنی دیر کہ آپ ﷺ نے نماز پڑھی، پھر آپ بیدار ہوئے اور وہی کیا جو پہلی مرتبہ بیدار ہو کر کیا تھا، اور وہی پڑھا جو پہلی مرتبہ پڑھا تھا، رسول اللہ ﷺ نے یہ عمل فجر سے پہلے تک تین مرتبہ کیا۔ (نسائی)

خلاصہ حدیث اس حدیث میں ایک صحابی نے آپ ﷺ کی تہجد کی نماز کا تذکرہ کیا ہے. آپ نے تھوڑے تھوڑے وقفہ سے تہجد کی نماز پڑھی، چند رکعات پڑھ کر سو جاتے، پھر بیدار ہو کر چند رکعات پڑھتے. اور جتنی دیر سوتے تقریباً اتنی ہی دیر نماز پڑھتے، تہجد کی نماز کے حوالے سے آپ ﷺ کے طریقے مختلف رہے ہیں، جیسا کہ اس باب کے تحت مذکور احادیث سے یہ بات بخوبی سمجھ لی گئی ان ہی مختلف طریقوں میں سے ایک طرقہ حدیث باب میں بیان ہوا ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح ان رجلا: ظاہر یہ ہے کہ یہ شخص زید بن خالد جہنی ہیں، ان کی روایت ماقبل میں گذر چکی ہے یہ صحابی رسول ہیں ان لیے نبی کریم ﷺ کی صحبت کی برکت کی بنا پر ان کی جہالت مضر نہیں ہے۔ **قلت:** اپنے دل میں کہا یا کسی صحابی سے کہا۔ **فی سفر:** یہ واقعہ کسی غزوہ کے موقعہ کا ہے، یا عمرہ یا پھر حج کے موقعہ کا ہے۔ **وهي العشاء:** مغرب کی نماز پر بھی عشاء کا اطلاق ہوتا ہے، اس بنا پر عشاء کی تعیین کے لیے "عتمہ" کا لفظ استعمال کیا ہے، کیوں کہ "عتمہ" عشاء کے لیے خاص تھا۔ **هويا:** کافی دیر تک آپ سوتے رہے۔ **ربنا ما خلقت:** ماقبل میں حدیث گذری اس میں یہ بات بیان ہوئی کہ آپ ﷺ نے "ان فی

خلق السموٰت الخ" سے تلاوت شروع فرمائی، جب کہ یہاں تذکرہ ہے کہ آپ ﷺ نے "ربنا ما خلقت الخ" سے تلاوت شروع کی، اسی طرح ماقبل میں یہ بیان ہوا کہ آپ ﷺ نے اخیر سورت تک تلاوت کی اور یہاں ذکر ہے کہ آپ ﷺ نے "لا تخلف المیعاد" تک تلاوت فرمائی، اس کی وجہ یا تو یہ ہے کہ راوی نے اسی مقدار آپ سے سنا، اس لیے اتنا ہی بیان کیا، یا آپ ﷺ نے اتنی مقدار ہی اس رات میں تلاوت فرمائی ہوگی، جس رات کا یہ واقعہ ہے، آپ ﷺ کا عام معمول یہی تھا کہ آپ ﷺ رکوع سے شروع کرکے اخیر سورت تک تلاوت فرماتے تھے اسی بنا پر اکثر روایات میں آپ ﷺ کا یہی عمل مذکور ہے۔

حدیث نمبر ۱۱۴۳ ﴿تہجد کی نماز اور اس میں قرأت کا انداز﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۲۱۰

وَعَنْ يَعْلَى بْنِ مَمْلَكٍ أَنَّهُ سَأَلَ أُمَّ سَلَمَةَ زَوْجَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ قِرَاءَةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَصَلٰوتِهِ فَقَالَتْ مَا لَكُمْ وَصَلٰوتُهُ كَانَ يُصَلِّيْ ثُمَّ يَنَامُ قَدْرَمَا صَلّٰى ثُمَّ يُصَلِّيْ قَدْرَمَا نَامَ ثُمَّ يَنَامُ قَدْرَمَا صَلّٰى حَتّٰى يُصْبِحَ ثُمَّ نَعَتَتْ قِرَاءَتَهُ فَإِذَا هِيَ تَنْعَتُ قِرَاءَةً مُفَسَّرَةً حَرْفًا حَرْفًا رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ.

حوالہ: ابوداؤد، ص ۱۸۵، ج ۱، باب استحباب الترتیل فی القرأۃ، کتاب الوتر، حدیث نمبر ۱۴۶۶. ترمذی، ج ۱، باب ماجاء کیف کان قرأۃ النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم، کتاب ثواب القرآن، حدیث نمبر ۲۹۲۲. نسائی، ج ۱، باب ذکر صلاۃ رسول اللّٰہ باللیل، حدیث نمبر ۱۶۲۸.

ترجمہ: حضرت یعلی ابن مملک سے روایت ہے کہ انھوں نے ام المؤمنین حضرت ام سلمہؓ سے حضرت نبی کریم ﷺ کی قرأت اور نماز کے بارے میں دریافت کیا؟ حضرت ام سلمہؓ نے فرمایا کہ آپ کی نماز سے تمہیں کیا مطلب رسول اللہ ﷺ نماز پڑھتے تھے پھر سوتے تھے اتنی مقدار جتنی مقدار نماز پڑھی تھی، پھر اتنی مقدار نماز پڑھتے تھے جتنی مقدار سوتے تھے، پھر اتنی مقدار سوتے جتنی مقدار نماز پڑھی ہوتی، یہاں تک کہ صبح ہوجاتی، پھر ام سلمہؓ نے آپ کی قرأت کا ذکر کیا، اس انداز سے انھوں نے قرأت کی کہ ایک ایک حرف بالکل صاف اور الگ الگ معلوم ہوتا تھا۔ (ابوداؤد، ترمذی، نسائی)

خلاصۂ حدیث اس حدیث میں حضرت ام سلمہؓ نے آپ ﷺ کی نماز تہجد کا ذکر کیا ہے کہ آپ سوتے پھر تہجد کے لیے بیدار ہوتے پھر سوتے پھر تہجد کے لیے بیدار ہوتے، اسی معمول پر صبح ہوجاتی اور آپ ﷺ اس عمدہ انداز سے ترتیل کے ساتھ قرأت فرماتے تھے، کہ ایک ایک حرف صاف سمجھ میں آتا تھا۔

کلمات حدیث کی تشریح مالکم وصلاته: مطلب یہ ہے کہ حضرت نبی کریم ﷺ جس ذوق وشوق اور جس مجاہدہ کے ساتھ تہجد کی نماز پڑھتے اور اس میں جس والہانہ انداز میں قرآن کریم کی تلاوت فرماتے تھے اس کی تمہارے اندر نہ تاب ہے اور نہ حوصلہ، لہٰذا، آپ ﷺ کے طریقے پر تہجد پڑھنا تمہارے لیے ممکن نہیں، پھر ام سلمہؓ نے حضرت نبی کریم ﷺ کی تہجد کا مختصراً ذکر کیا۔ حتی یصبح: یا تو تین مرتبہ تہجد کی نماز کے لئے اٹھتے جیسا کہ ماقبل کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے، یا پھر صبح تک بار بار سوتے اور بار بار تہجد کے لیے اٹھتے۔ حرفاً حرفاً: ترتیل اور تجوید کی رعایت کے ساتھ آپ ﷺ قرآن کریم کی تلاوت فرماتے تھے۔

باب مایقول اذا قام من اللیل

رسول اللہ ﷺ تہجد کی نماز کیلئے اٹھنے کیوقت جو دعائیں پڑھتے تھے اسکا بیان

اس باب کے تحت کل آٹھ احادیث مذکور ہیں، ان احادیث میں آپ ﷺ کی ان دعاؤں کا ذکر ہے جو آپ ﷺ تہجد کی نماز کے لیے بیدار ہونے کے وقت پڑھتے تھے یا تہجد کی نماز میں پڑھتے تھے، اصل بات یہ ہے کہ تہجد کے وقت اللہ تعالیٰ کی رحمت شباب پر ہوتی ہے، اس وقت نماز و دعا اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہے، اور جو لوگ دعا و نماز کا اہتمام کرتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کو بہت محبوب ہوتے ہیں فرمانِ

باری تعالیٰ ہے ''کانو قلیلاً من اللیل مایھجعون '' (وہ لوگ رات میں بہت کم سوتے تھے) یعنی اللہ کے محبوب بندے رات میں بیدار رہ کر نماز و دعار میں مشغول رہتے ہیں۔ تہجد کے وقت میں جو دعا کی جائے وہ بہت جلد شرف قبولیت پالیتی ہے آپ ﷺ کا فرمان بخاری شریف میں ہے کہ ینزل ربنا تبارك وتعالیٰ كل ليلة اِلی السماء الدنيا حين يبقى ثلث الليل الآخر يقول من يدعونی فاستجيب له، من يسالنی فاعطيه من يستغفرلی فاغفرله'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ہمارا رب تبارک وتعالیٰ جب رات کی آخری تہائی حصہ باقی رہ جاتا ہے تو آسمان دنیا پر نزول فرماتا ہے اور فرماتا ہے کون ہے جو مجھ سے دعا کرے میں اس کی دعا قبول کروں گا، کون ہے جو مجھ سے مانگے میں اس کو دوں گا کون ہے جو مجھ سے مغفرت طلب کرے میں اس کو بخش دوں گا، اس حدیث میں چوں کہ اس بات کی صراحت ہے کہ تہائی رات کے باقی رہنے کے وقت یعنی تہجد کے وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے پکار ہوتی ہے کہ کوئی دعا کرے تا کہ اس کی دعا قبول کی جائے، لہٰذا آپ ﷺ اس وقت میں خوب دعائیں فرماتے تھے، ان ہی دعاؤں میں سے بعض دعائیں اس باب میں منقول ہیں، کیسی آسان ہے ہماری شریعت کہ حضرت نبی کریم ﷺ نے دعار کی قبولیت کا وقت بھی بتایا اور جو دعار کی جائے وہ بھی بتائی بس ہمارا کام ان الفاظ سے دعار کرنا ہے۔ فالحمد لله علی ذلك۔

الفصل الاوّل

حدیث نمبر۱۱۴۴ ﴿تہجد کی نماز میں آپؐ کی دعا کا ذکر﴾

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ اِذَا قَامَ مِنَ اللَّيْلِ يَتَهَجَّدُ قَالَ اَللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ اَنْتَ قَيِّمُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَنْ فِيْهِنَّ وَلَكَ الْحَمْدُ اَنْتَ نُوْرُالسَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَنْ فِيْهِنَّ وَلَكَ الْحَمْدُ اَنْتَ مَلِكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَنْ فِيْهِنَّ وَلَكَ الْحَمْدُ اَنْتَ الْحَقُّ وَوَعْدُكَ الْحَقُّ وَلِقَائُكَ حَقٌّ وَقَوْلُكَ حَقٌّ وَالْجَنَّةُ حَقٌّ وَالنَّارُ حَقٌّ وَالنَّبِيُّوْنَ حَقٌّ وَمُحَمَّدٌ حَقٌّ وَالسَّاعَةُ حَقٌّ اَللّٰهُمَّ لَكَ اَسْلَمْتُ وَ بِكَ آمَنْتُ وَعَلَيْكَ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْكَ اَنَبْتُ وَبِكَ خَاصَمْتُ وَاِلَيْكَ حَاكَمْتُ فَاغْفِرْلِیْ مَاقَدَّمْتُ وَمَا اَخَّرْتُ وَمَا اَسْرَرْتُ وَمَا اَعْلَنْتُ وَمَا اَنْتَ اَعْلَمُ بِهٖ مِنِّیْ اَنْتَ الْمُقَدِّمُ وَاَنْتَ الْمُؤَخِّرُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ وَلَا اِلٰهَ غَيْرُكَ متفق عليه.

حوالہ: بخاری ص نمبر ۱۵۱ ج ۱ باب التهجد بالليل، كتاب التهجد، حديث نمبر ۱۱۲۰، مسلم، ص ۲۶۲ ج ۱، باب الدعاء فی الليل، كتاب صلاة المسافرين، حديث نمبر ۷۶۹.

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب رات میں تہجد کی نماز کیلئے اٹھتے تو یہ دعا پڑھتے'' اللهم لك الحمد الخ '' اے اللہ تیرے ہی لئے حمد ہے، تو ہی آسمانوں زمین اور جو کچھ انمیں ہے سبکا قائم رکھنے والا ہے، تیرے ہی لئے حمد ہے تو آسمانوں وزمین اور جو کچھ ان میں ہے سب کا نور ہے، اور تیرے ہی لئے حمد ہے آسمانوں زمین اور جو کچھ ان میں ہے سب کا بادشاہ ہے، اور تیرے ہی لئے حمد ہے تو حق ہے، تیرا وعدہ حق ہے، تیری ملاقات حق ہے، تیرا قول حق ہے، جنت حق ہے دوزخ حق ہے، تمام انبیار حق ہیں۔ محمد حق ہیں اور قیامت حق ہے، اے اللہ میں تیرا ہی فرمانبردار ہوں۔ اور تجھ ہی پر ایمان لایا، اور تجھ ہی پر بھروسہ کیا، اور تیری ہی طرف رجوع کرتا ہوں، اور [illegible] لئے جھگڑتا ہوں اور تجھ سے فیصلہ چاہتا ہوں میرے اگلے پچھلے چھپے اور کھلے، اور جن کو تو مجھ سے زیادہ جانتا ہے سب گناہ بخش د[illegible] ہی آگے بڑھانیوالا ہے۔ اور پیچھے کرنیوالا ہے، تو ہی معبود ہے، تیرے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ (بخاری ومسلم)

خلاصہ حدیث: اس حدیث میں ایک لمبی دعا مذکور ہے یہ دعا آپ ﷺ تہجد کی نماز میں پڑھتے تھے کس موقع پر پڑھتے تھے صاحب مرقات لکھتے ہیں کہ ایک قول یہ ہے کہ نماز شروع کرنے سے پہلے پڑھتے تھے لیکن اظہر یہ ہے کہ نماز شروع کرنے کے فوراً بعد پڑھتے تھے یا پھر رکوع کے بعد قومہ میں سیدھا کھڑے ہو کر پڑھتے تھے۔ (مرقات ۳/۱۳۵)

کلمات حدیث کی تشریح

اذا قام من اللیل یعنی رات کے بعض اوقات میں جب آپ ﷺ تہجد کی نماز کے لئے اٹھتے لک الحمد تمام تعریفیں آپ (اللہ) ہی کے لئے ہیں۔ خبر کی تقدیم تخصیص پر دلالت کرتی ہے۔ انت قیم اللہ تعالیٰ آسمان وزمین کو ان تمام امور کے ساتھ قائم رکھنے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ''قیوم'' ہیں، قیوم کہتے ہیں اس ذات کو جو بذات خود قائم رہ کر دوسروں کو قائم رکھنے والی ہو، ومن فیھن مطلب یہ ہے کہ بلندی اور پستی کی تمام مخلوقات کا وجود وبقا سب کچھ اللہ ہی کا عطا کردہ ہے۔ انت نور السموات والارض آسمان وزمین کو منور کرنے والی ذات اللہ تعالیٰ ہی کی ہے، تمام چیزیں اللہ کے نور ہی سے منور ہیں، عدم کی ظلمت سے وجود کے نور کی طرف لانے والی ذات حق تعالیٰ کی ہے۔ انت ملك السموات والارض یعنی آسمانوں اور زمین میں ظاہری اور باطنی ہر اعتبار سے مکمل تصرف آپ ہی کا ہے، آپ کی حکومت میں کوئی نزاع کرنے والا نہیں ہے، اور نہ آپ کا کوئی ساجھی اور شریک ہے۔ انت الحق آپ کا وجود ثابت ہے حقیقی ہے، دائمی ازلی اور ابدی ہے، وعدك الحق، بندوں کے حق میں انعام واکرام کے وعدے اور انتقام وسزا کی وعیدیں بالکل سچ ہیں۔ اس میں کسی قسم کی وعدہ خلافی کا امکان نہیں ہے۔ ولقاء ك اللہ تعالیٰ کی ملاقات اور زیارت برحق ہے، لیکن یہ آخرت میں نصیب ہوگی، وقولك حق اللہ تعالیٰ کا فرمان محقق ثابت شدہ مبنی برحقیقت ہوتا ہے، اس میں کسی قسم کے شک وشبہ اور تردد کی گنجائش قطعاً نہیں ہوتی ہے، والجنة جنت کی نعمتیں اور جہنم کی اذیتیں ثابت شدہ ہیں ان کا وجود برحق ہے، محمد حق انبیاء کرام کے تذکرہ کے بعد حضور اکرم ﷺ کا خاص طور پر ذکر تخصیص بعد التعمیم کے قبیل سے ہے، اس کا مقصد حضور اکرم ﷺ کی تمام پیغمبروں اور رسولوں پر فوقیت کا اظہار ہے، والساعة حق قیامت برحق ہے، اس میں میزان پل صراط حوض کوثر حساب وکتاب سب شامل ہیں، لك اسلمت یعنی ظاہری طور پر بھی آپ کا مکمل طور پر اطاعت گذار اور فرمانبردار ہوں۔ وبك آمنت اے اللہ آپ کی تصدیق کرتا ہوں اور جن تمام باتوں پر ایمان لانا ضروری ہے، ان سب پر ایمان لاتا ہوں، وعلیك توکلت اپنے تمام معاملات میں آپ پر اے اللہ اعتماد کرتا ہوں، یعنی اسباب عادیہ سے قطع نظر کر کے اپنے تمام امور آپ کے سپرد کرتا ہوں والیك انبت اپنے تمام احوال میں آپ کی طرف رجوع کرتا ہوں سادات صوفیہ کے یہاں مشہور ہے کہ توبہ معصیت رجوع کرنے کا نام ہے اور انابت غفلت سے رجوع کرنے کو کہتے ہیں وبك خاصمت آپ کی عطا کردہ قوت وطاقت اور تائید ونصرت کے ذریعہ سے آپ کے دشمن سے مقابلہ کرتا ہو، والیك حاکمت اپنے اور اپنے مخالف کے درمیان پیش آمدہ معاملات کے تصفیہ کے لئے آپ کے دربار عالی میں اپنا معاملہ پیش کرتا ہوں، اور اس معاملہ میں آپ کو حکم بناتا ہوں، فاغفرلی، گناہوں سے معصوم ومغفور ہونے کے باوجود آپ کا بخشش طلب کرنا تواضع کی بنا پر، رب العالمین کی تعظیم کی بنا پر اور امت کو تعلیم دینے کی خاطر تھا، انت المقدم وانت المؤخر اللہ تعالیٰ جس کو چاہتے ہیں مقدم کرتے ہیں، اور جس کو چاہتے موخر کرتے ہیں۔ ابن بطالؒ کہتے ہیں کہ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بعثت کے اعتبار سے حضرت نبی کریم ﷺ کو سب سے اخیر میں رکھا، اور قیامت کا دن شفاعت اور دیگر امور میں حضرت نبی کریم ﷺ کو سب سے مقدم رکھیں گے۔ اسی بنا پر ایک موقعے پر آپ ﷺ نے فرمایا ''نحن الاخرون السابقون'' (تلخیص مرقات ص ۱۳۵۔۱۳۶ ج ۳)

حدیث نمبر ۱۱۴۵ ﴿تہجد کی نماز میں ہدایت کی دعاء﴾

وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا قَامَ مِنَ اللَّيْلِ افْتَتَحَ صَلٰوتَهُ فَقَالَ اللّٰهُمَّ رَبَّ جِبْرَئِيْلَ وَمِيْكَائِيْلَ وَاِسْرَافِيْلَ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ عَالِمَ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ اَنْتَ تَحْكُمُ بَيْنَ عِبَادِكَ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ اِهْدِنِيْ لِمَا اخْتُلِفَ فِيْهِ مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِكَ اِنَّكَ تَهْدِيْ مَنْ تَشَاءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ. رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

حواله: مسلم، ص ۲۶۳ ج ۱، باب الدعاء فی صلاۃ اللیل، کتاب المسافرین، حدیث نمبر ۷۷۰

ترجمہ: حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب رات میں کھڑے ہوتے تو اپنی نماز کی ابتدا ان کلمات سے کرتے، "اللھم رب جبرئیل الخ" اے اللہ جبرئیل، میکائیل اور اسرافیل کے رب آسمانوں اور زمینوں کے پیدا کرنے والے، چھپی اور کھلی باتوں کے جاننے والے، آپ ہی فیصلہ فرمائیں گے ان چیزوں کے درمیان جن میں آپ کے بندے اختلاف کرتے ہیں، اے اللہ مجھ کو اختلافی چیزوں میں اپنی توفیق سے حق بات کی طرف راہنمائی عطا کردیجئے، بے شک آپ جس کو چاہتے ہیں سیدھے راستہ کیطرف ہدایت عطا کرتے ہیں۔ (مسلم)

خلاصۂ حدیث اس حدیث میں آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی حمد بیان فرمائی ہے، اور اس بات کا ذکر کیا ہے کہ دنیا میں لوگ جو اختلاف کرتے ہیں اللہ تعالیٰ میدان حشر میں اس کا فیصلہ فرمائیں گے، جو لوگ حق پر ہوں گے ان کو انعام واکرام سے نوازیں گے، اور جو ناحق ہوں گے ان کو سزا دیں گے، اس حدیث میں آپ نے اپنے لیے یہ دعا فرمائی ہے کہ مجھے حق کی راہ پر ثابت قدم رکھیے اور ہدایت کا اعلیٰ مقام عطا فرمایئے۔

کلماتِ حدیث کی تشریح صلاته: تہجد کی نماز مراد ہے، اللھم رب جبرئیل اللہ تعالیٰ ہر چیز کے خالق ومالک ہیں اس کے باوجود حدیث باب میں مذکورہ فرشتوں کا رب اللہ تعالیٰ کو آپ ﷺ نے ان فرشتوں کی عظمت اور شرف کمال کی بنا پر فرمایا ہے، جبرئیل امین کو سب سے مقدم اس لئے کہا کہ جبرئیل امین کتب سماویہ کے امین ہیں، تمام دینی امور ان کی طرف لوٹتے ہیں اور اسرافیل کو سب سے موخر اس وجہ سے کہا کہ یہ لوح محفوظ اور صور کے امین ہیں، چنانچہ اخروی امور ان ہی کی طرف لوٹتے ہیں، اور میکائیل کو درمیان میں ذکر کیا اس وجہ سے کہ ان دونوں میں سے کچھ حصہ ان کو ملا ہے، وجہ یہ ہے کہ بارش اور رزق وغیرہ کے امین ہیں، اور ان چیزوں پر دنیا وآخرت اور دین کے بہت سے امور کا مدار ہے، اللھم اھدنی آپ ﷺ نے اپنے لیے ہدایت کی دعا کی، مطلب یہ ہے کہ ہدایت پر ثابت قدم رکھئے، اور ہدایت میں اضافہ فرمایئے۔ (مرقات ص نمبر ۱۳۷ ج ۳)

حدیث نمبر ۱۱۴۶ ﴿تہجد میں اٹھ کر دعا پڑھنے کا ذکر﴾

وَعَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ تَعَارَ مِنَ اللَّيْلِ فَقَالَ لَااِلٰهَ اِلَّااللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَعَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ وَسُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَااِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اَكْبَرُ وَلَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ ثُمَّ قَالَ رَبِّ اغْفِرْلِىْ اَوْقَالَ ثُمَّ دَعَا اُسْتُجِيْبَ لَهٗ فَاِنْ تَوَضَّأَ وَصَلّٰى ،قُبِلَتْ صَلَاتُهٗ، رَوَاهُ الْبُخَارِىُّ.

حوالہ: بخاری، ص ۱۵۵ ج ۱ ،باب فضل من تعار من اللیل فصلی، کتاب التھجد ،حدیث نمبر ۱۱۵۴.

حل لغات: تَعَارَّ فُلَانٌ رات کو بے خواب رہنا۔

ترجمہ: حضرت عبادہ بن صامتؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص رات میں بیدار ہو جائے اور یہ دعا پڑھے "لاالہ" "الااللہ الخ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں ہے، اسی کے لئے بادشاہت ہے، اسی کے لئے تمام تعریفیں ہیں، وہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے، اور اللہ پاک ہے اور تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں۔ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے، اللہ تعالیٰ سب سے بڑے ہیں، گناہ سے بچنے اور عبادت کی قوت اللہ ہی کی طرف سے ہے، پھر یہ تسبیح پڑھے "رب اغفرلی" اے میرے رب مجھ کو معاف فرمادے یا پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ "دعا کرے" اس کی دعا قبول کی جائے گی، پھر اگر وضو کرے اور نماز پڑھے تو اس کی نماز قبول ہو گی۔ (بخاری)

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ جب رات میں آنکھ کھولے تو منہ سے کوئی بات نکالنے سے پہلے مذکورہ دعا پڑھی جائے، تو اللہ اس کی دعا ضرور قبول فرمائیں گے، اور اگر وضو کر کے اس وقت نماز پڑھی جائے تو نماز بھی بہت جلد بارگاہ

رب العزت میں شرف قبولیت حاصل کر لے گی۔

کلمات حدیث کی تشریح من تعارّ من اللیل" تعار "جوامع الکلم میں سے ہے اس کا مطلب ہے کہ ذکر کے ساتھ بیدار ہونا، آپ ﷺ نے اس بات کو پسند فرمایا ہے کہ جو آدمی بیدار ہو تو اس کے منہ سے تسبیح اور حمد کی آواز نکلے یہ سعادت اس شخص کے حصہ میں آتی ہے جو بیداری میں بھی ذکر واذکار کی پابندی کرتا ہے۔

الفصل الثانی

حدیث نمبر ۱۱۴۷ ﴿تہجد میں بیدار ہونے کے وقت آپ ﷺ کی دعا﴾

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْ لُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا سْتَيقَظَ مِنَ اللَّيْلِ قَالَ لَاۤاِلٰهَ اِلَّااَنْتَ سُبْحَانَكَ اَللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ اَسْتَغْفِرُكَ لِذَنْبِىْ وَاَسْئَلُكَ رَحْمَتَكَ اَللّٰهُمَّ زِدْنِىْ عِلْمًا وَّلَا تُزِغْ قَلْبِىْ بَعْدَاِذْ هَدَيْتَنِىْ وَهَبْ لِىْ مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ

حوالہ: ابو داؤد، ص ۶۹۰ ج ۲، باب ما یقول الرجل اذا تعارّ من اللیل، کتاب الادب، حدیث نمبر ۵۰۶۱

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ، رسول اللہ ﷺ جب رات میں بیدار ہوتے تو یہ دعا پڑھتے "لا الہ الا انت" آپ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے، آپ کی ذات پاک ہے، اے اللہ! آپ ہی کے لئے تمام تعریفیں ہیں، میں اپنے گناہوں کی آپ سے مغفرت طلب کرتا ہوں۔ اور آپ کی رحمت کا سوال کرتا ہوں، اے اللہ! میرے علم میں اضافہ فرما دیجئے، مجھے ہدایت عطا کرنے کے بعد میرے دل میں کجی مت پیدا کیجئے۔ اور مجھے اپنے پاس سے رحمت عطا فرمائیے، بیشک آپ ہی بخشنے والے ہیں۔ (ابوداؤد)

خلاصہ حدیث اس حدیث میں بھی ایک دعا ہے جو آپ تہجد میں بیدار ہونے کے وقت پڑھتے تھے، اس دعا میں اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کے بعد آپ ﷺ نے اپنے لئے مغفرت طلب کی ہے، نیز رحمت کا سوال اور علم میں برکت کا سوال کیا ہے، اور ہدایت پر ثابت قدم رہنے کو طلب کیا ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح استیقظ یعنی جب آپ ﷺ رات میں نیند سے بیدار ہوتے، لا الہ الا انت سب سے پہلے اللہ کی وحدانیت کا اعتراف واقرار فرماتے، استغفرك لذنبی آپ ﷺ گناہوں سے معصوم ہیں، اس کے باوجود آپ ﷺ کا گناہوں سے مغفرت طلب کرنا تعلیم امت کی خاطر تھا یا پھر اللہ تعالیٰ کی تعظیم کی بنا پر تھا۔ یا پھر آپ ﷺ نے خلاف اولیٰ عمل کو ذنب سے تعبیر فرمایا ہے، کیوں کہ کمال اطاعت کا تقاضہ یہی ہے، ولا تزغ قلبی، یعنی دل کو حق سے باطل کی طرف مائل مت کریئے، علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ مطلب یہ ہے کہ ایسی آزمائش میں مبتلا نہ فرمایئے گا کہ جس میں دل حق سے باطل کی طرف مائل ہو، بعد اذھدیتنی یعنی اپنی ہدایت اور عنایت کو چھینئے گا نہیں، وھب لی اپنی طرف سے فضل وکرم عطا فرمائیے، ایمان وہدایت پر ثابت قدم رکھے۔ انت الوھاب چھوٹے چھوٹے عمل پر بے شمار نیکیاں عطا کرنے والے اور بے حد احسان کرنے والے اللہ تعالیٰ آپ ہی ہیں، (تلخیص مرقات ص نمبر ۱۳۹ ج ۳)

حدیث نمبر ۱۱۴۸ ﴿بیدار ہونے کے ذکر کرنے کی فضیلت﴾

وَعَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَامِنْ مُّسْلِمٍ يَّبِيْتُ عَلٰى ذِكْرٍ طَاهِرًا فَيَتَعَارُّ مِنَ اللَّيْلِ فَيَسْأَلُ اللّٰهَ خَيْرًا اِلَّا اَعْطَاهُ اللّٰهُ اِيَّاهُ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَاَبُوْدَاوُدَ.

حوالہ: مسند احمد بن ۲۴۱ ج ۵ ابوداؤد، ص ۶۸۷ ج ۲، باب فی النوم علی طهارة، کتاب الادب: حدیث نمبر ۵۰۴۲

ترجمہ: حضرت معاذ بن جبلؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ''جو مسلمان پاکی کی حالت میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہوئے سوتا ہے، پھر رات میں بیدار ہوتا ہے پھر اللہ تعالیٰ سے بھلائی طلب کرتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اس کو بھلائی عطا فرماتے ہیں۔ (مسند احمد، ابوداؤد)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ، آدمی جب سونے لگے تو پاک ہوکر سوئے اور ذکر کرتا ہوا سوئے، اور جب بیدار ہوئے تو اللہ کا ذکر کرتے ہوئے بیدار ہوئے۔ اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرے، اللہ تعالیٰ ایسے شخص کی دعا ضرور قبول فرمائیں گے۔

کلمات حدیث کی تشریح یبیت مطلب یہ ہے کہ رات میں ذکر کرتے ہوئے سوتا ہے، ذکر سے یا تو وہ اذکار مراد ہیں جو سونے کے وقت مستحب ہیں، یا پھر ذکر سے مراد عام اذکار ہیں، طاهراً مطلب یہ ہے کہ وضو کر کے سوتا ہے، یا تیمم کر کے سوتا ہے، یا پھر طہارت سے دل کی طہارت مراد ہے، یعنی حسد کینہ اور بغض وغیرہ سے دل پاک ہو اس عالم میں سوتا ہے، **فیتعار** رات میں آنکھ کھولنے پر اللہ تعالیٰ سے خیر و عافیت طلب کرتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اس کی دعا قبول فرماتے ہیں۔

حدیث نمبر ۱۱۴۹ ﴿تہجد کی نماز سے قبل آپ ﷺ کی دعا﴾

وَعَنْ شَرِيْقِنِ الْهَوْزَنِيِّ قَالَ دَخَلْتُ عَلٰى عَائِشَةَ فَسَأَلْتُهَا بِمَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَفْتَتِحُ اِذَا هَبَّ مِنَ اللَّيْلِ فَقَالَتْ سَأَلْتَنِيْ عَنْ شَيْءٍ مَّاسَأَلَنِيْ عَنْهُ اَحَدٌ قَبْلَكَ كَانَ اِذَاهَبَّ مِنَ اللَّيْلِ كَبَّرَ عَشْرًا وَّحَمِدَ اللّٰهَ عَشْرًا وَّقَالَ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ عَشْرًا وَّهَلَّلَ اللّٰهَ عَشْرًا ثُمَّ قَالَ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُبِكَ مِنْ ضِيْقِ الدُّنْيَا وَضِيْقِ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ عَشْرًا ثُمَّ يَفْتَتِحُ الصَّلٰوةَ وَقَالَ سُبْحَانَ الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ عَشْرًا وَ اسْتَغْفَرَ اللّٰهَ عَشْرًا. رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ.

حوالہ: ابو داؤد، ص ٦٩٤ ج ٢، باب مایقول اذا اصبح، کتاب الادب، حدیث نمبر ٥٠٨٥.

ترجمہ: حضرت شریقؒ سے روایت ہے کہ میں حضرت عائشہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں نے عرض کیا کہ رسول اللہ ﷺ رات میں بیدار ہونے کے بعد کس عمل سے شروعات کرتے تھے، حضرت عائشہ نے فرمایا تم نے ایسی چیز پوچھی ہے کہ وہ چیز تم سے پہلے مجھ سے کسی نے بھی نہیں پوچھی، آپ ﷺ جب رات میں بیدار ہوتے تو دس مرتبہ اللہ اکبر کہتے، دس مرتبہ **الحمد للّٰہ** کہتے، دس مرتبہ **سبحان اللّٰہ وبحمدہ** کہتے، دس مرتبہ **سبحان اللّٰہ الملک القدوس** کہتے۔ دس مرتبہ استغفار پڑھتے، دس مرتبہ **لاالٰہ الااللّٰہ** کہتے، پھر یہ دعا دس مرتبہ پڑھتے ''**اللھم انی اعوذ الخ**'' اے اللہ میں تجھ سے دنیا کی تنگی اور قیامت کے دن کی تنگی سے پناہ مانگتا ہوں، اس کے بعد آپ ﷺ نماز شروع فرماتے۔ (ابوداؤد)

خلاصہ حدیث تہجد میں بیدار ہونے کے بعد آپ ﷺ کا ایک عمل حدیث باب میں مذکور ہے حدیث باب میں سات تسبیحات ہیں، آپ ان سات تسبیحات کو دس دس مرتبہ پڑھتے تھے۔ اور حدیث باب میں جو دعا ہے اس دعا کو آپ ﷺ پڑھتے تھے۔ تہجد میں بیدار ہونے والے کے لئے اس عمل کو کرنا بہت سود مند ہوگا۔

کلمات حدیث کی تشریح **یفتتح** یعنی نیند سے بیدار ہونے کے بعد اذکار میں آپ ﷺ سب سے پہلے کون ساذکر فرماتے تھے، **سالتنی عن شئ** ایک طرف حضرت شریق کے سوال پر جہاں پسندیدگی کا اظہار ہے وہیں دوسری طرف لوگوں کے غفلت پر اظہار افسوس بھی ہے، الصلاۃ مراد تہجد کی نماز ہے۔

الفصل الثالث

حدیث نمبر ۱۱۵۰ ﴿تہجد کی نماز میں آپ کی دعا کا بیان﴾

عَنْ اَبِيْ سَعِيْدٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا قَامَ مِنَ اللَّيْلِ كَبَّرَ ثُمَّ يَقُوْلُ سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ وَتَبَارَكَ اسْمُكَ وَتَعَالٰى جَدُّكَ وَلَآاِلٰهَ غَيْرُكَ ثُمَّ يَقُوْلُ اللّٰهُ اَكْبَرُ كَبِيْرًا ثُمَّ يَقُوْلُ اَعُوْذُبِاللّٰهِ السَّمِيْعِ الْعَلِيْمِ مِنَ

الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ مِنْ هَمْزِهٖ وَنَفْخِهٖ وَنَفْثِهٖ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاوٗدَ وَالنَّسَائِيُّ وَزَادَ اَبُوْدَاوٗدَ بَعْدَ قَوْلِهٖ غَيْرُكَ ثُمَّ يَقُوْلُ لَآاِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ثَلٰثًا وَفِيْ آخِرِ الْحَدِيْثِ ثُمَّ يَقْرَأُ.

حواله: ترمذی، ص ۵۷، باب مایقول عند افتتاح الصلاۃ. کتاب الصلاۃ، حدیث نمبر ۲۴۲، ابو داؤد ص نمبر ۱۱۳ ج ۱ باب من رأی الاستفتاح الخ، کتاب الصلاۃ. حدیث نمبر ۷۷۵، نساء، ص ۱۰۴ ج ۱، باب نوع آخر من الذکر الخ. کتاب الافتتاح، حدیث نمبر ۸۹۹،

ترجمه: حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب تہجد کی نماز کے لئے کھڑے ہوتے تو تکبیر کہتے، پھر یہ پڑھتے۔ **سبحانك اللهم الخ:** اے اللہ تو پاک ہے تیری تعریف کرتے ہیں۔ تیرا نام بابرکت ہے، تیری بزرگی بلند وبالا ہے، تیرے سوا کوئی معبود نہیں ہے پھر آپ ﷺ "الله اکبر کبیرا" کہتے اور یہ پڑھتے "اعوذ بالله الخ" میں اللہ تعالیٰ جو خوب سننے والا اور خوب جاننے والا ہے کی شیطان مردود سے اس کے وسوسہ ڈالنے سے اس کے پھونکنے اور اس کے دم کرنے سے پناہ چاہتا ہوں، (ترمذی، ابوداؤد، نسائی) ابوداؤد نے "غیرك" کے بعد یہ الفاظ مزید نقل کئے ہیں، ثم یقول الخ پھر آپ ﷺ تین مرتبہ فرماتے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے، اور حدیث کے آخری الفاظ یہ ہیں "ثم یقرا" پھر آپ ﷺ پڑھتے۔

خلاصہ حدیث: تکبیر تحریمہ کے بعد اور قرأت سے پہلے ثناء پڑھتے تھے۔ ثناء کے الفاظ احادیث میں مختلف آئے ہیں، اس حدیث سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ آپ ﷺ تہجد کی نماز میں تکبیر تحریمہ کے بعد مذکورہ دعاء پڑھتے تھے۔

کلمات حدیث کی تشریح: همزه سے مراد شیطان کا وسوسہ، اور برے خیالات ڈالنا ہے، بعض لوگوں نے "ہمزہ" کے معنی جنون کے کئے ہیں۔ نفخه مراد عجب اور تکبر ہے انسان کے دل میں غرور و تکبر شیطان ہی ڈالتا ہے، جس سے اس سے بھی پناہ مانگی گئی ہے، ونفثه مراد جادو ہے، یعنی شیطانی جادو سے بھی پناہ مانگتا ہوں۔ (مرقاۃ ص نمبر ۱۴۰ ج ۳)

حدیث نمبر ۱۱۵۱ ﴿تہجد کی نماز میں آپ ﷺ کا حمد کرنا﴾

وعَنْ رَبِيْعَةَ بْنِ كَعْبٍ الْاَسْلَمِيِّ قَالَ كُنْتُ اَبِيْتُ عِنْدَ حُجْرَةِ النَّبِيِّ ﷺ فَكُنْتُ اَسْمَعُهٗ اِذَاقَامَ مِنَ اللَّيْلِ يَقُوْلُ سُبْحَانَ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ الْهَوِيَّ ثُمَّ يَقُوْلُ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ الْهَوِيَّ رَوَاهُ النَّسَائِيُّ وَلِلتِّرْمِذِيِّ نَحْوُهٗ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ.

حواله: نسائی ص نمبر ۱۸۴، ج ۱، باب ذکر مایستفتح به القیام، کتاب قیام اللیل، حدیث نمبر ۱۶۱۷، ترمذی ص نمبر ۱۷۹ ج ۲ باب منه، کتاب الدعوات حدیث نمبر ۳۴۱۶

ترجمه: حضرت ربیعہ بن کعب اسلمیؓ سے روایت ہے کہ میں نبی کریم ﷺ کے قریب رات گذارتا تھا، میں سنتا تھا کہ رسول اللہ ﷺ جب تہجد کی نماز کے لئے کھڑے ہوتے، تو دیر تک سبحان رب العالمین پڑھتے، پھر دیر تک سبحان اللہ وبحمدہ پڑھتے، (نسائی) ترمذی نے بھی اس طرح کی روایت نقل کی ہے، اور کہا ہے کہ یہ حدیث حسن ہے، صحیح ہے۔

خلاصہ حدیث: اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ کبھی کبھی آپ تہجد کی نماز میں کافی دیر مذکورہ کلمات ہی پڑھا کرتے تھے، پہلے کلمات میں صرف اللہ تعالیٰ کی پاکی کا بیان ہے۔ جبکہ دوسرے کلمات میں پاکی کے ذکر کے ساتھ حمد بھی ہے، یہیں سے معلوم ہوا کہ نقائص سے پاک ہونا مقدم ہے، فضائل سے آراستہ ہونا اس کے بعد ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح: ابیت راوی حدیث یہ بتا رہے ہیں کہ جس کمرہ میں حضور اکرم ﷺ ہوتے اس سے قریب ہی میں ہوتا تھا الهوی مراد ہے کہ آپ لمبی مدت تک سبحان رب العالمین، اور سبحان الله وبحمده، پڑھتے تھے بعض نے کہا ہے کہ یہ کسی رات کے ساتھ مخصوص عمل ہے، آپ ﷺ کا یہ معمول نہیں تھا۔

باب التحریض علی قیام اللیل
﴿شب بیداری پر رغبت دلانے کا بیان﴾

تحریض کے معنی ہیں ابھارنا، برانگیختہ کرنا نصف لیل کے بعد قیام اور شب بیداری کو تہجد کی نماز سے تعبیر کیا جاتا ہے ویسے تہجد کا زیادہ مناسب وقت شب کا آخری حصہ ہے، اس باب کے تحت اکیس احادیث درج کی گئی ہیں جن میں شب بیداری اور نماز تہجد کی فضیلت، تہجد حضرات انبیاء وصالحین کی مبارک سنت اور اس کو اللہ کا نہایت محبوب اور پسندیدہ عمل قرار دیا گیا ہے، فرائض وسنن موکدہ کے بعد نمازوں میں تہجد ہی کا درجہ ہے، رات کے آخری حصہ میں جب کہ پراگندہ کرنے والی مشغولیات سے دل صاف ہوتا ہے، جمعیت خاطر کی دولت حاصل ہوتی ہے، ماحول پرسکون ہوتا ہے آوازیں تھمیں ہوئی ہوتی ہیں اور لوگ بستر خواب پر دراز ہوتے ہیں ایسے وقت میں جو عبادت کی جاتی ہے اس میں دکھلانے کا اہتمام بہت کم ہوتا ہے اور عبادت کا بہترین وقت وہ ہے جس میں آدمی فارغ البال ہو اور دل اللہ کی جانب متوجہ ہو حدیث شریف میں ہے اے لوگوں سلام کو رواج دو غریبوں کو کھانا کھلاؤ رشتوں کو جوڑ داور رات میں نماز پڑھو درانحالیکہ لوگ سوئے ہوئے ہوں داخل ہو گے جنت میں سلامتی کے ساتھ (مشکوٰۃ شریف ۱/۱۶۸) لوگ خوابیدہ ہوں یعنی میٹھی نیند کے مزے لے رہے ہوں ایسے وقت میں ایک بندے کا اٹھکر نماز پڑھنا اللہ کی خصوصی رحمت کا حقدار بنا تا ہے (رحمۃ اللہ الواسعہ ۴۸۲/۳) قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے ان نا شئة الليل هي اشدوطأ واقوم قيلا (سورۃ مزمل) رات میں نماز کے لیے کھڑا ہونا نفس کو بہت زیادہ دبانے والا عمل ہے اور اس وقت جو زبان سے نکلتا ہے وہ بالکل ٹھیک اور دل کے مطابق یعنی دل سے نکلتا ہے۔ سورۂ اسرائیل میں آپ کو تہجد کے حکم کے ساتھ مقام محمود کی امید دلائی گئی ''ومن الليل فتجهد به نافلة لك عسى ان يبعثك ربك مقاما محمودا'' اور آپ اے نبی اس قرآن کے ساتھ تہجد پڑھئے یہ حکم آپ کیلئے زائد اور مخصوص ہے امید رکھنا چاہئے کہ آپ کو آپ کا رب مقام محمود پر فائز کریگا مقام محمود عالم آخرت اور جنت میں سب سے بلند ترین مقام ہے جسے اللہ آپ ﷺ کو عطا کریں گے آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ مقام محمود اور نماز تہجد میں کوئی خاص نسبت اور تعلق ہے اس لیے جو امتی نماز تہجد سے شغف رکھیں گے انشاء اللہ مقام محمود میں کسی درجہ کی حضور ﷺ کی رفاقت ان کو نصیب ہوگی، نماز تہجد کے اہتمام کرنے والوں کی تعریف ومدح کرتے ہوئے قرآن کریم نے فرمایا تتجافى جنوبهم عن المضاجع يدعون بهم خوفا وطمعا (سورۃ سجدہ) ان کے پہلو خوابگاہوں سے الگ رہتے ہیں۔ وہ اس وقت اپنے پروردگار سے امید وبیم کے ساتھ دعائیں کرتے ہیں آگے فرمایا کہ ان بندوں کیلئے ان کے عمل کا جو انعام اور صلہ جنت میں ملنے والا ہے جس میں ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک کا پورا سامان ہے اس کو اللہ کے سوا کوئی بھی نہیں جانتا۔ تہجد کا وقت جو رات کا آخری حصہ ہے خصوصی رحمت الٰہی کے نزول کا وقت ہے، اس وقت پروردگار عالم بندوں سے سب سے زیادہ قریب ہوتے ہیں۔ ترمذی کی روایت ہے کہ ''اللہ تعالیٰ بندے سے سب سے زیادہ قریب رات کے آخری درمیانی حصہ میں ہوتے ہیں۔ پس اگر تم سے ہو سکے کہ تم ان بندوں میں سے ہو جاؤ جو اس گھڑی میں اللہ کا ذکر کرتے ہیں تو ان میں سے ہو جاؤ (مشکوٰۃ شریف ۱/۱۰۹) حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر رات کو آخری تہائی حصہ میں آسمان دنیا پر نزول اجلال فرماتے ہیں اور اعلان فرماتے ہیں کہ ہے کہ کوئی توبہ کرنے والا جس کی میں توبہ قبول کروں، ہے کوئی استغفار کرنے والا، میں اس کی مغفرت کروں (مشکوٰۃ شریف ۱/۱۰۹) نماز تہجد اور شب بیداری کو آدمی کی تربیت میں خاص دخل ہے اس لئے کہ اس سے صفت بہیمت کمزور ہوتی ہے اور سحر خیزی بہیمت کے زہر کیلئے تریاق ہے اور جب انسان میں صفت بہیمت کمزور ہوتی ہے تو صفت ملکوتیت کو جلال اور تقویت ملتی ہے، مشہور ہے کہ جو لوگ کتوں کو شکار کی تربیت دیتے ہیں تو وہ اس کو بھوکا اور بیدار رکھتے ہیں اس طرح وہ اس کی تربیت میں کامیاب ہو جاتے ہیں اسی طرح انسان جب شب بیداری کی عادت ڈالے گا تو وہ اپنے

نفس کو کنٹرول کرنے میں کامیاب ہو جائیگا۔ (مستفاد رحمۃ اللہ الواسعہ ۳/۴۸۲)

حضرت جنید بغدادیؒ کے بارے میں منقول ہے کہ ان کے وصال کے بعد بعض حضرات نے ان کو خواب میں دیکھا تو پوچھا کہ کیا گذری اور آپکے پروردگار نے آپ کیساتھ کیا معاملہ کیا؟ جواب میں فرمایا ''تاهت العبارات وفنيت الاشارات ومانفعنا الا ركعات صليناها في جوف الليل ''یعنی حقائق معارف کی جو اونچی باتیں ہم عبارات واشارات میں کیا کرتے تھے وہ سب وہاں ہوا ہو گئیں اور بس رکعتیں کام آئیں جو رات ہم پڑھا کرتے تھے (حاشیہ مشکوٰۃ ۱/ص ۱۱۰)

الفصل الاوّل

حدیث نمبر ۱۱۵۲ ﴿رات میں عبادت کرنے سے شیطان کا روکنا﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۲۱۹

عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَعْقِدُ الشَّيْطَانُ عَلٰى قَافِيَةِ رَاْسِ اَحَدِكُمْ اِذَا هُوَ نَامَ ثَلٰثَ عُقَدٍ يَضْرِبُ عَلٰى كُلِّ عُقْدَةٍ عَلَيْكَ لَيْلٌ طَوِيْلٌ فَارْقُدْ فَاِنِ اسْتَيْقَظَ فَذَكَرَ اللّٰهَ انْحَلَّتْ عُقْدَةٌ فَاِنْ تَوَضَّاَ انْحَلَّتْ عُقْدَةٌ فَاِنْ صَلّٰى انْحَلَّتْ عُقْدَةٌ فَاَصْبَحَ نَشِيْطًا طَيِّبَ النَّفْسِ وَاِلَّا اَصْبَحَ خَبِيْثَ النَّفْسِ كَسْلَانَ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حوالہ: بخاری، ص نمبر ۱۵۳ ج ۱، باب عقد الشیطان علی قافیة الرأس، کتاب التهجد، حدیث نمبر ۱۱۴۲، مسلم ص نمبر ۲۶۵ ج ۱ باب الحث علی صلاۃ اللیل کتاب صلاۃ المسافرین، حدیث نمبر ۷۷۶

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی شخص سوتا ہے تو شیطان اسکے سر کی گدی پر تین گرہیں لگا دیتا ہے ہر گرہ پر مارتا ہے کہ ابھی رات بہت باقی ہے سو تا رہ! تو اگر کوئی شخص بیدار ہوتا ہے اور اللہ کو یاد کرتا ہے، تو ایک گرہ کھل جاتی ہے، پھر جب وضو کرتا ہے تو دوسری گرہ کھل جاتی ہے پھر جب نماز پڑھ لیتا ہے تو تیسری گرہ کھل جاتی ہے، چنانچہ ایسا شخص چست اور پاک نفس ہو کر صبح کرتا ہے، ورنہ تو وہ شخص کاہل اور پلید نفس ہو کر صبح کرتا ہے۔ (بخاری ومسلم)

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ شیطان سوتے میں انسان کے ساتھ کھیل کرتا ہے اور اس کو خواب غفلت میں مست رکھنے کی ترکیبیں کرتا ہے، چنانچہ جو اللہ کا نیک بندہ بیدار ہوتے ہی ذکر اللہ کرتا ہے اور وضو کر کے نماز پڑھتا ہے، وہ شیطان کے مکر سے نجات پالیتا ہے اور اس کی صبح اس عالم میں ہوتی ہے کہ وہ خوش وخرم ہوتا ہے اور رحمتِ خداوندی کے سائے میں ہوتا ہے، اس کے برخلاف جو شخص شیطان کے فریب کا شکار ہو جاتا ہے، نہ ذکر کرتا ہے، نہ وضو کر کے نماز پڑھتا ہے، تو ایسا شخص جب صبح بیدار ہوتا ہے تو اس کی صبح اپنے دامن میں اس کے لئے سستی و کاہلی کو لیے ہوتی ہے اور ایسے شخص کو ذہنی سکون اور قلبی راحت میسر نہیں آتی ہے اور یہ شخص رحمتِ خداوندی سے دور رہتا ہے۔

کلماتِ حدیث کی تشریح يعقد الشيطان: شیطان سے ابلیس یا اس کے معاون مراد ہیں جب انسان سوتا ہے تو شیطان اس کی گدی پر گرہیں لگا دیتا ہے۔

سوال: شیطان گدی ہی پر گرہ کیوں لگاتا ہے؟

جواب: اس کا جواب یہ ہے کہ ''گدی'' قوت واہمہ کا محل ہے قوت واہمہ میں شیطان کا تصرف آسان ہوتا ہے اور اس کے ذریعہ سے شیطان کی دعوت بہت جلد قبول ہوتی ہے اس بنا پر حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ شیطان ''قافية الراس ''یعنی گدی پر گرہ لگاتا ہے۔

سوال: شیطان کے گرہ لگانے کا کیا مطلب ہے؟

جواب: گرہ لگانا یا تو حقیقت پر محمول ہے، یا پھر اس کے مجازی معنی مراد ہیں، حقیقی معنی مراد لیں تب مطلب ہوگا کہ شیطان سونے والے کی گدی پر یوں گرہیں لگاتا ہے جیسا کہ جادوگر جادو کرتے وقت گرہیں لگاتا ہے، اس کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے ''انّ علی

راس کلا دمی جملا فیہ ثلاث عقد" اور اگر مجازی معنی مراد لیں تب مطلب یہ ہوگا کہ شیطان سونے والے کو ایسے ہی دھوکے اور فریب دیتا ہے جیسا کہ جادوگر گرہیں لگا کر اور مسحور کی عقل مفلوج کر کے دھوکہ اور فریب دیتا ہے اور پھر جس طرح مسحور شخص اپنے مقاصد کی تکمیل سے رک جاتا ہے، اسی طرح شیطان کے فریب کا شکار غفلت کی بنا پر ذکر اللہ اور نماز وغیرہ سے رک جاتا ہے۔

سوال: شیطان تین گرہیں کیوں لگاتا ہے؟

جواب: شیطان جن چیزوں سے گرہ لگا کر روکتا ہے وہ تین چیزیں ہیں (۱) ذکر اللہ (۲) وضو (۳) نماز چونکہ تین چیزوں سے روکنا مقصود ہے اس لئے تین گرہیں شیطان لگاتا ہے۔

لیل طویل شیطان یہ وسوسہ ڈالا کرتا ہے ابھی رات بہت باقی ہے سوتے رہو، تاکہ انسان غفلت کا شکار ہو جائے اور نماز فوت ہو جائے۔

فان استیقظ مطلب یہ ہے کہ شیطان کے فریب سے بچکر خوابِ غفلت سے بیدار ہو جاتا ہے۔

فذکر اللّٰہ دل سے اللہ کو یاد کرتا ہے یا پھر زبان سے ذکر اللہ کرتا ہے، **انحلت** ذکر کی برکت سے غفلت ونسیان کی گرہ کھل جاتی ہے **فان توضا** وضو کر لیتا ہے تو نجاست کی گرہ کھل جاتی ہے، **فان صلی** نماز پڑھ لیتا ہے تو سستی وکاہلی کی گرہ کھل جاتی ہے **فاصبح** ایسا شخص صبح اس عالم میں کرتا ہے کہ سکون ومسرت اس کو حاصل رہتی ہے اور رحمٰن کی رضا سے یہ شخص ہمکنار رہتا ہے **والّا** جو شیطان کی فرمانبرداری کرتا ہے اس کے پھندوں میں گرفتار رہتا ہے اور سوتا رہتا ہے، یہاں تک کہ اس کی فجر کی نماز بھی فوت ہو جاتی ہے تو اس کی صبح اس عالم میں ہوتی ہے کہ وہ حیران وپریشان ہوتا ہے، مغموم ومتفکر رہتا ہے (مرقات ص نمبر ۱۴۱-۱۴۲ ج ۳)

حدیث نمبر ۱۱۵۳ ﴿تہجد میں آپ ﷺ کی محنت وریاضت﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۲۲۰

وَعَنِ الْمُغِيْرَةِ قَالَ قَامَ النَّبِيُّ ﷺ حَتّٰى تَوَرَّمَتْ قَدَمَاهُ فَقِيْلَ لَهٗ لِمَ تَصْنَعُ هٰذَا وَقَدْ غُفِرَلَكَ مَاتَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ قَالَ اَفَلَا اَكُوْنُ عَبْدًا شَكُوْرًا مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حوالہ: بخاری، ص نمبر ۷۱۶ ج ۲ باب لیغفرلک اللّٰہ ماتقدم من ذنبک، کتاب التفسیر، حدیث نمبر ۴۸۳۶ مسلم ص نمبر ۳۷۷ ج ۲ باب اکثار الاعمال والاجتهاد فی العبادۃ، کتاب صلاۃ المنافقین، واحکامهم حدیث نمبر ۲۸۱۹

ترجمہ: حضرت مغیرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے نماز میں اتنا لمبا قیام فرمایا کہ آپ ﷺ کے پیروں پر ورم آگیا کسی نے آپ ﷺ سے عرض کیا کہ آپ ﷺ اس قدر عبادت کیوں کرتے ہیں جب کہ آپ ﷺ کے اگلے اور پچھلے تمام گناہ معاف ہو چکے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ کیا میں شکر گزار بندہ نہ بنوں۔ (بخاری ومسلم)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ آپ ﷺ باوجود اس کے کہ معصوم ومغفور تھے، لیکن کثرت سے عبادت کرتے اور اس قدر محنت وریاضت کرتے تھے کہ آپ ﷺ کے قدم مبارک سوج جایا کرتے تھے، کثرتِ عبادت کی وجہ آپ ﷺ نے بیان کی کہ میں اپنے رب کی شکر گزاری کی بنا پر اس کی کثرت سے عبادت کرتا ہوں۔

کلماتِ حدیث کی تشریح **لم تصنع** سوال تعجب کی بنا پر تھا، یعنی جب آپ ﷺ مغفور اور بخشے بخشائے ہیں، تو اس قدر عبادت کی ضرورت کیا ہے؟ ایک دوسری روایت میں ہے "اتلزم نفسك بهذه الكلفة والمشقة التي لا تطاق" کیا آپ اپنے اوپر اس کلفت ومشقت کو لازم کر رہے ہیں، جس کے آپ مکلف نہیں ہیں؟

افلا اکون عبداً شکوراً آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگرچہ میں مغفور ہوں، لیکن شکر گذاری کا تقاضہ یہ ہے کہ میں عبادت کروں لہٰذا میں اپنے رب کا شکر گزار بندہ بننے کیلئے اپنے رب کی کثرت سے عبادت کرتا ہوں، عبادت کا سبب یا تو گناہ کا خوف ہوتا ہے، یا مغفرت کی امید یا پھر رب العالمین کی شکر گزاری سب سے بہترین مقصد اور کامل سبب یہی ہے کہ عبادت اللہ تعالیٰ کی شکر گزاری کی بنا پر

کی جائے (مرقاۃ ص نمبر ۱۴۲ ج ۳)

حدیث نمبر ۱۱۵٤ ﴿نماز کے لیے بیدار نہ ہونے کا وبال﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۲۲۱

وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ ذُكِرَ عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ رَجُلٌ فَقِيْلَ لَهُ مَازَالَ نَائِمًا حَتّٰى اَصْبَحَ مَاقَامَ اِلَى الصَّلٰوةِ قَالَ ذَالِكَ رَجُلٌ بَالَ الشَّيْطٰنُ فِيْ اُذُنِهِ اَوْ قَالَ فِيْ اُذُنَيْهِ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حواله: بخاری، ص نمبر ۱۵۳ ج ۱ باب اذانام ولم یصل بال الشیطان فی اذنه، کتاب التهجد، حدیث نمبر ۱۱٤٤

ترجمه: حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ کے سامنے ایک شخص کا ذکر آیا اور آپ ﷺ سے بتایا گیا کہ وہ شخص صبح تک برابر سوتا رہا نماز کے لیے بیدار نہیں ہوا، آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ ایسا شخص ہے جس کے کان میں یا آپ ﷺ نے فرمایا کہ جس کے دونوں کانوں میں شیطان نے پیشاب کر دیا۔ (بخاری و مسلم)

خلاصہ حدیث جو شخص پڑا سوتا رہے اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کیلئے بیدار نہ ہوا ایسا شخص نہایت حقیر ہے اور یہ اس لائق ہے کہ شیطان اس کے کان میں پیشاب کر دے، کیوں کہ جو شخص مؤذن کی آواز پر لبیک نہ کہے اور کانوں میں تیل ڈالے پڑا رہے وہ اس کے مانند ہے جس کے کان میں شیطان نے پیشاب کر دیا ہو۔

کلماتِ حدیث کی تشریح ماقام الیٰ الصلاۃ پوری رات سوتا رہا، نماز کے لئے بیدار نہیں ہوا۔

سوال: یہاں نماز سے کون سی نماز مراد ہے؟

جواب: تہجد کی نماز بھی مراد ہوسکتی ہے اور فجر کی نماز بھی، دونوں کا احتمال ہے، لہٰذا دونوں نمازوں کا اہتمام کرنا چاہئے۔

بال الشیطان جو شخص پڑا سوتا رہے اور نماز کے لئے بیدار نہیں ہوتا، تو شیطان اس کے کان میں پیشاب کر دیتا ہے۔

سوال: شیطان کے پیشاب کرنے سے کیا مراد ہے؟

جواب: یہاں معنیٰ حقیقی بھی مراد ہوسکتے ہیں اور معنیٰ مجازی بھی مراد ہوسکتے ہیں، معنیٰ حقیقی مراد لیں تو مطلب بالکل ظاہر ہے، اور بعض بزرگوں کے تجربہ سے بھی ثابت ہے کہ ان کی نماز فوت ہوگئی تو انہوں نے خواب میں دیکھا کہ ان کے کان میں شیطان نے پیشاب کر دیا ہے اور اگر معنیٰ مجازی مراد لیں تو پھر اس کے متعدد مفہوم بیان کئے گئے ہیں، ایک مطلب یہ ہے کہ ایسے شخص کو شیطان حقیر سمجھتا ہے چونکہ جس چیز کی تحقیر مقصود ہوتی ہے اس پر پیشاب کیا جاتا ہے، یہ بھی مطلب ذکر کیا جاتا ہے کہ شیطان اس کے کانوں میں باطل باتیں اس طور پر بھر دیتا ہے کہ دعوتِ حق سننے سے وہ محروم ہو جاتا ہے۔ (تلخیص مرقات ص نمبر ۱۴۳ ج ۳)

حدیث نمبر ۱۱۵۵ ☆☆☆ عالمی حدیث نمبر ۱۲۲۲

﴿ایک مخصوص رات میں آپ کے بیدار ہونے کا ذکر﴾

وَعَنْ اُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ اسْتَيْقَظَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَيْلَةً فَزِعًا يَقُوْلُ سُبْحَانَ اللّٰهِ مَاذَا اُنْزِلَ اللَّيْلَةَ مِنَ الْخَزَائِنِ وَمَا ذَا اُنْزِلَ مِنَ الْفِتَنِ مَنْ يُوْقِظُ صَوَاحِبَ الْحُجُرَاتِ يُرِيْدُ اَزْوَاجَهُ لِكَيْ يُصَلِّيْنَ رُبَّ كَاسِيَةٍ فِي الدُّنْيَا عَارِيَةٍ فِي الْاٰخِرَةِ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ.

حواله: بخاری، ص نمبر ۱۰٤۷ ج ۲، باب لایاتی زمان الاالذی بعده شی منه، کتاب الفتن، حدیث نمبر ۷۰۶۹

ترجمه: حضرت ام سلمہؓ سے روایت ہے کہ ایک رات رسول اللہ ﷺ گھبرا کر بیدار ہوئے اور آپ ﷺ یہ فرما رہے تھے کہ سبحان اللہ! آج کی رات کس قدر خزانے اتر رہے ہیں، اور کس قدر فتنے اتر رہے ہیں، کون ہے جو کمرے والیوں کو بیدار کر دے، آپ ﷺ کی مراد ازواجِ مطہرات تھیں تا کہ وہ نماز پڑھ لیں آپ ﷺ نے فرمایا کہ بہت سی عورتیں ایسی ہیں جو دنیا میں پہنے ہوئے ہیں آخرت میں ننگی ہونگی (بخاری)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ ایک شب آپ ﷺ کو وہ خزائن اترتے ہوئے دکھائے گئے جو اس امت کو ملنا تھے، اور ان فتنوں کو بھی دکھایا گیا جن سے اس امت کو دوچار ہونا تھا، آپ ﷺ نے اپنے اہل خانہ کی فوری طور پر فکر کی اور ان کو بیدار کرایا تاکہ وہ اس خصوصی رات میں عبادت سے محروم نہ ہوں۔ آپ ﷺ نے اس حدیث میں یہ بات بھی بتائی کہ بہت سی عورتیں اس دنیا میں تو پہنے اوڑھے رہتی ہیں، لیکن اعمالِ حسنہ نہ ہونے کی بنا پر میدان محشر میں ان کو لباس عطا نہ ہوگا۔

کلماتِ حدیث کی تشریح ماذا انزل الليلة من الخزائن "خزائن" سے مراد رحمتِ خداوندی ہے، یا پھر مال و دولت کے وہ خزانے مراد ہیں جو فتوحات کی شکل میں مسلمانوں کو ملنے والے تھے۔

وماذا انزل الفتن عذاب الٰہی مراد ہے، چونکہ فتنوں کی بنا پر عذاب الٰہی مقدر ہوتا ہے، لہٰذا عذاب الٰہی کو فتنوں سے تعبیر کیا ہے، اور جمع عذاب کی وسعت و کثرت کی بنا پر ہے۔

رب كاسية في الدنيا عارية في الاخرة دنیا میں بہت سی لباس پہننے والی عورتیں آخرت میں ننگی ہوں گی، حدیث کے اس جز کی شرح میں متعدد اقوال ہیں (۱) دنیا میں اعمال بہت ہوں گے، لیکن اخلاص نہ ہوگا۔

دنیا میں لباس ہوگا لیکن آخرت میں لباس نہ ہوگا، کیوں کہ بغیر اخلاص کے اعمال کی کوئی قدر نہیں ہے (۲) عمل کئے ہونگے لیکن چغل خوری، غیبت اور دیگر ذرائع سے تکلیف بھی بہت پہنچائی ہوگی لہٰذا ان کے اعمال دوسروں کے کھاتے میں چلے جائیں گے اور یہ بغیر اعمال کے رہ جائیں گے۔

(۳) ازواج مطہرات کو مخاطب کر کے کہا گیا ہے کہ یہاں تو نبی کی نسبت کی بنا پر شرف و کمال کا لباس عطا ہو گیا ہے، لیکن آخرت میں محض نبی کی بیوی ہونے کی بنا پر شرف و کمال کا لباس نہیں ملے گا، بلکہ اس کے لئے اپنے طور پر اعمالِ حسنہ ضروری ہیں۔

حدیث نمبر ۱۱۵۶ ﴿عبادت کے لئے رات کا افضل حصہ﴾ عالمی حدیث ۱۲۲۳

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ یَنْزِلُ رَبُّنَا تَبَارَكَ وَتَعَالٰی كُلَّ لَیْلَةٍ اِلَی السَّمَآءِ الدُّنْیَا حِیْنَ یَبْقٰی ثُلُثُ اللَّیْلِ الْاٰخِرُ یَقُوْلُ مَنْ یَّدْعُوْنِیْ فَاَسْتَجِیْبَ لَهٗ مَنْ یَّسْاَلُنِیْ فَاُعْطِیَهٗ مَنْ یَّسْتَغْفِرُنِیْ فَاَغْفِرَلَهٗ مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ وَفِیْ رِوَایَةٍ لِّمُسْلِمٍ ثُمَّ یَبْسُطُ یَدَیْهِ یَقُوْلُ مَنْ یُّقْرِضُ غَیْرَ عَدُوْمٍ وَّلَا ظَلُوْمٍ حَتّٰی یَنْفَجِرَ الْفَجْرُ.

حوالہ: بخاری، ص نمبر ۱۵۳ ج ۱، باب الدعاء والصلاة من آخر الليل، كتاب التهجد، حدیث نمبر ۱۱۴۵ مسلم، ص نمبر ۲۵۸ ج ۱، باب صلاة الليل وعدد ركعات الخ كتاب صلاة المسافرين، حدیث نمبر ۷۵۸

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ہمارا رب جو کہ بزرگ و برتر ہے ہر رات میں اس وقت جب رات کا اخیر تہائی حصہ باقی رہ جاتا ہے آسمان دنیا پر نزول فرماتا ہے، اور فرماتا ہے کہ کون ہے جو مجھ سے دعا مانگے اور میں اس کی دعا قبول کروں اور کون ہے جو مجھ سے مانگے اور میں اس کی ضرورت پوری کردوں اور کون ہے جو مجھ سے مغفرت طلب کرے اور میں اس کو معاف کردوں (بخاری و مسلم) مسلم کی ایک دوسری روایت میں ہے کہ پھر اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کے ہاتھ دراز فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ کون ہے جو ایسے کو قرض دے جو نہ فقیر ہے اور نہ ظلم کرنے والا ہے، صبح تک یہ صدا اللہ تعالیٰ لگاتے رہتے ہیں۔

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ رات کے آخیر تہائی حصہ میں اللہ کی رحمت بندوں کی طرف پورے شباب سے متوجہ ہوتی ہے، اس وقت جو شخص اپنے لئے جو دعا کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس دعا کو قبول فرماتے ہیں لہٰذا کوشش کرنا چاہیے کہ آخیر شب میں بیدار ہو کر نماز پڑھ کر گڑگڑا کر رب العالمین سے اپنی حاجات اور مغفرت طلب کی جائے۔

کلماتِ حدیث کی تشریح ینزل ربنا تبارك رات کے اخیر تہائی حصہ میں اللہ تبارک وتعالیٰ سمائے دنیا کی طرف نزول فرماتے ہیں

سوال: اللہ تعالیٰ جسم اور مکان سے پاک ہیں پھر اللہ تعالیٰ کے سمائے دنیا کی طرف نزول فرمانے کیا مفہوم ہے؟

جواب: اس سلسلہ میں دو طرح کی رائیں ہیں (۱) تفویض، مطلب یہ ہے کہ اس حدیث کا تعلق صفات باری تعالیٰ سے ہے اور اس میں جو مضمون بیان ہوا ہے وہ متشابہات کے قبیل سے ہے، لہٰذا اس پر ایمان لایا جائے اور اس کے معنی ومراد کی کیفیت کے بارے میں سکوت کیا جائے (۲) تاویل، الفاظ کے ظاہری معنی مراد نہ لیے جائیں بلکہ اس کے معنی مجازی مراد لیے جائیں، اس صورت میں حدیث باب کا مطلب یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت نازل ہوتی ہے یا فرشتوں کا نزول مراد ہوگا کیوں کہ اللہ تعالیٰ کے حق میں ایک جگہ سے دوسری جگہ نازل ہونے کا عقیدہ رکھنا درست نہیں ہے اس وجہ سے کہ یہ چیزیں حوادث کے قبیل سے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی ذات قدیم ہے، جسم، مکان وغیرہ سے پاک ہے، ان دونوں طرح کی ارار میں تفویض اولیٰ ہے، اس لئے کہ اس میں غلطی کا امکان معدوم ہے۔

حدیث نمبر ۱۱۵۷ ﴿ہر رات میں مقبولیت کی ایک گھڑی ہوتی ہے﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۲۲۴

وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُوْلُ اِنَّ فِي اللَّيْلِ لَسَاعَةً لَا يُوَافِقُهَا رَجُلٌ مُسْلِمٌ يَسْأَلُ اللّٰهَ فِيْهَا خَيْرًا مِّنْ اَمْرِ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ اِلَّا اَعْطَاهُ وَذَالِكَ كُلَّ لَيْلَةٍ رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

حوالہ: مسلم، ص نمبر ۲۰۸ ج ۱، باب صلاۃ اللیل وعدد رکعات الخ، کتاب صلاۃ المسافرین، حدیث نمبر ۷۵۷

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ بلاشبہ رات میں ایک ایسی ساعت ہوتی ہے کہ جو مسلمان آدمی اس کو پا کر اس میں اللہ تعالیٰ سے جو بھی بھلائی دنیا وآخرت سے متعلق مانگتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کو ضرور عطا فرماتے ہیں، اور یہ ساعت ہر رات میں ہوتی ہے۔ (مسلم)

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ رات میں ایک ایسی ساعت ہوتی ہے جس میں جو بھی دعا کی جائے قبول ہوتی ہے لیکن یہ ساعت رات کے کس حصہ میں ہوتی ہے آپ ﷺ نے اس کی تعیین نہیں فرمائی ہے۔

کلماتِ حدیث کی تشریح وذٰلك كل ليلة اجابتِ دعا کی ساعت کسی ایک رات کے ساتھ مخصوص نہیں ہے، بلکہ ہر رات میں یہ ساعت ہوتی ہے، یہیں سے یہ بات معلوم ہوئی کہ دن کے مقابلہ میں رات افضل ہے، اس وجہ سے کہ دنوں میں صرف جمعہ کے دن ایک ساعت ایسی ہوتی ہے جس میں دعا ضرور مقبول ہوتی ہے، اور رات میں ہر رات ایک ساعت ایسی ہوتی ہے جس میں دعا ضرور قبول ہوتی ہے۔

سوال: آپ ﷺ نے رات کی اس ساعت کی تعیین کیوں نہیں فرمائی؟ مبہم رکھنے میں کیا فائدہ ہے؟

جواب: جو فائدہ لیلۃ القدر، اور جمعہ کی مقبولیت کی ساعت کے ابہام میں ہے وہی فائدہ یہاں بھی ہے، اور وہ فائدہ یہ ہے کہ مقصد کے حصول میں کوشش زیادہ کی جائے، اور وہ ساعت فوت ہونے کی صورت میں مایوسی سے بچا جا سکے، اور کسی ایک ہی وقت میں عبادت پر اکتفا نہ ہو، عجب اور غرور سے دل فارغ رہے اور بندہ امید وخوف کے درمیان میں رہے۔ (مرقات ص نمبر ۱۴۶ ج ۳)

حدیث نمبر ۱۱۵۸ ﴿رات میں حضرت داؤد کی عبادت کا طریقہ﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۲۲۵

وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَحَبُّ الصَّلٰوةِ اِلَى اللّٰهِ صَلٰوةُ دَاوٗدَ وَاَحَبُّ الصِّيَامِ اِلَى اللّٰهِ صِيَامُ دَاوٗدَ كَانَ يَنَامُ نِصْفَ اللَّيْلِ وَيَقُوْمُ ثُلُثَهٗ وَيَنَامُ سُدُسَهٗ وَيَصُوْمُ يَوْمًا وَيُفْطِرُ يَوْمًا مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حوالہ: بخاری، ص نمبر ۱۵۲ ج ۱ باب من نام عند السحر، کتاب التہجد، حدیث نمبر ۱۱۳۱، مسلم، ص

نمبر ۳۶۷ ج۱ باب النهی عن صوم الدهر عن تفرر به ، کتاب الصیام ،حدیث نمبر ۱۱۵۹

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تمام نمازوں میں اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب نماز حضرت داؤد کی نماز ہے اور تمام روزوں میں سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کو حضرت داؤد کا روزہ محبوب ہے، حضرت داؤد آدھی رات تک سوتے تھے اور تہائی رات تک قیام کرتے اور چھٹے حصے میں سو جاتے ،اور ایک دن روزہ رکھتے اور ایک دن افطار کرتے ۔(بخاری ،مسلم)

خلاصہ حدیث اس حدیث میں حضرت داؤد کے رات میں عبادت کرنے کے طریقے اور ان کے روزے رکھنے کے طریقے کو اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے پسندیدہ بتایا گیا ہے، رات میں عبادت کے سلسلہ میں حضرت داؤد علیہ السلام کا معمول یہ تھا کہ آدھی رات سوتے پھر ایک تہائی رات عبادت کرتے پھر چھٹا حصہ جو بچتا اس میں آرام فرماتے اور نفل روزوں کے سلسلہ میں آپ ﷺ کا یہ معمول تھا کہ ایک دن روزہ رکھتے اور ایک دن افطار کرتے تھے۔

کلمات حدیث کی تشریح احب الصلاة آپ ﷺ نے حضرت داؤد علیہ السلام کے قیام لیل کے طریقے اور ان کے روزے رکھنے کے طریقے کو اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے پسندیدہ قرار دیا ہے۔

سوال: حضرت داؤد کا طریقہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے پسندیدہ کیوں ہے؟

جواب: قیام لیل اور روزہ کا مذکورہ طریقہ بہت معتدل ہے، اس وجہ سے اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ ہے، آدھی رات آرام کے بعد عبادت کرنے میں بشاشت اور دل جمعی حاصل ہوتی ہے اور عبادت کے بعد کچھ دیر آرام کر لینے سے تھکاوٹ زائل ہو جاتی ہے، لہٰذا نمازِ فجر بھی مکمل بشاشت کے ساتھ ادا کرنے کی سعادت حاصل ہوتی ہے، اسی طرح ایک دن چھوڑ کر روزہ رکھنے میں نفس پر شاق تو ہوتا ہے لیکن لگاتار روزہ رکھنے کی بنا پر جسم کی توانائی جو بظاہر کم محسوس ہوتی ہے وہ اس میں نہیں ہوتی لہٰذا اس روزہ کو افضل قرار دیا ہے۔

اشکال: قیام لیل کا پسندیدہ طریقہ تو یہ ہے کہ جو حدیث میں مذکور ہوا لیکن آپ ﷺ کی عبادت اس کے خلاف مروی ہے اسی طرح روزہ میں بھی آپ ﷺ کا معمول اس کے خلاف روایات میں آتا ہے۔ حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ ’’کان یصوم من الشهر حتی نری ان لایرید أن یفطر منه ویفطر منه حتی نری أن لایرید أن یصوم منه شیئا و کنت لاتشاء أن تراه من اللیل مصلیا إلاّ ان رایته مصلیا و لا نائما الاأن رأیته نائما‘‘ حدیث مذکورہ سے خوب اچھی طرح یہ بات سمجھ میں آ رہی ہے کہ صوم داؤدی اور قیام لیل میں حضرت داؤد کے طریقہ پر ہمیشہ آپ ﷺ نے عمل نہیں فرمایا، جب کہ آپ ﷺ نے خود اس کو اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ طریقہ قرار دیا ہے، اس کی کیا وجہ ہے؟

جواب: وقت آپ ﷺ کے تابع تھا آپ ﷺ وقت کے تابع نہیں تھے، آپ ﷺ حاکم تھے محکوم نہیں تھے، لہٰذا جن اوقات میں عبادت کرنا آپ ﷺ مناسب خیال فرماتے ان اوقات میں آپ ﷺ عبادت کرتے تھے، آپ ﷺ کی شان ہر ایک کو حاصل نہیں ہو سکتی ہے لہٰذا عام لوگوں کے حق میں وہ بات ہے جو آپ ﷺ نے حدیث باب میں فرمائی، خود آپ ﷺ کی ذات اس سے مستثنیٰ تھی۔

حدیث نمبر ۱۱۵۹ ☆☆☆ عالمی حدیث نمبر ۱۲۲۶

﴿رات کے اول حصہ میں آرام فرمانا اور اخیر حصہ میں عبادت کرنا﴾

وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ تَعْنِي رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَنَامُ اَوَّلَ اللَّيْلِ وَيُحْيِيْ اٰخِرَهٗ ثُمَّ اِنْ كَانَتْ لَهٗ حَاجَةٌ اِلٰى اَهْلِهٖ قَضٰى حَاجَتَهٗ ثُمَّ يَنَامُ فَاِنْ كَانَ عِنْدَ النِّدَاءِ الْاَوَّلِ جُنُبًا وَثَبَ فَاَفَاضَ عَلَيْهِ الْمَاءَ وَاِنْ لَمْ يَكُنْ جُنُبًا تَوَضَّاَ لِلصَّلٰوةِ ثُمَّ صَلّٰى رَكْعَتَيْنِ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حوالہ: بخاری، ص نمبر ۱۵۴ ج ۱، باب من نام أول اللیل وأحیٰ، کتاب التھجد، حدیث نمبر ۱۱۴۶، مسلم، ص نمبر ۲۵۴ ج ۱ باب صلاۃ اللیل وعدد کتاب النبی ﷺ، کتاب صلاۃ المسافرین، حدیث نمبر ۷۳۹.

ترجمہ: حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ رات کے اول حصہ میں سوتے تھے اور رات کے آخیر حصہ میں عبادت کرتے تھے پھر اگر آپ ﷺ کو اپنی اہلیہ کے پاس جانے کی حاجت ہوتی تو آپ اپنی حاجت پوری فرماتے پھر سو جاتے، پھر اگر اذان اول کے وقت جنبی ہوتے تو جلدی سے اٹھکر اپنے اوپر پانی بہاتے اور اگر جنبی نہ ہوتے تو نماز کیلئے وضو فرماتے پھر دو رکعت نماز پڑھتے (بخاری ومسلم)

خلاصہ حدیث

اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ آپ ﷺ کا عام معمول تھا کہ آپ آدھی رات استراحت میں گذارتے تھے، اس کے بعد بقیہ رات عبادت کرتے، فجر کی اذان سے کچھ پہلے آپ آرام کیلئے لیٹ جاتے تھے، اور اس وقت اگر آپ ﷺ اہلیہ سے ہم بستری کی ضرورت محسوس کرتے تو اپنی ضرورت پوری کرتے، پھر اذان کے وقت بیدار ہوکر غسل کر کے دو رکعت سنت پڑھتے پھر باہر تشریف لے جاتے اور اگر آپ جنبی نہ ہوتے تو وضو فرما کر سنت پڑھتے پھر نماز فجر کے لئے باہر تشریف لے جاتے۔

کلمات حدیث کی تشریح

فینام آپ ﷺ وضو کر کے سوتے تھے وطی کے بعد غسل کر کے سونا مسنون ہے، لیکن کبھی کبھی بیان جواز کے لئے آپ ﷺ نے ترک کیا ہے، تاکہ غسل سے پہلے جنبی کا سونا حرام نہ سمجھا جائے۔

الفصل الثانی

آپ ﷺ نے سونے سے پہلے وضو کیا ہوگا کیوں کہ وضو کی نفی حدیث میں نہیں ہے لہٰذا آپ ﷺ کے عمل کو کمال پر محمول کرنا زیادہ بہتر ہے اور کمال اسی میں ہے کہ یوں سمجھا جائے کہ آپ ﷺ وضو کر کے سوئے ہوں گے۔

حدیث نمبر ۱۱۶۰ ﴿تہجد کی نماز کا حکم﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۲۲۷

عَنْ اَبِیْ اُمَامَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ عَلَیْکُمْ بِقِیَامِ اللَّیْلِ فَاِنَّہٗ دَأْبُ الصَّالِحِیْنَ قَبْلَکُمْ وَھُوَ قُرْبَۃٌ لَکُمْ اِلٰی رَبِّکُمْ وَمَکْفَرَۃٌ لِلسَّیِّاٰتِ وَمَنْھَاۃٌ عَنِ الْاِثْمِ رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ۔

حوالہ: ترمذی نمبر ۱۹۰ ج ۲، باب، کتاب الدعوات، حدیث نمبر ۳۵۴۹

ترجمہ: حضرت ابوامامہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ "تم لوگ تہجد کی نماز ضرور پڑھا کرو، بلاشبہ یہ تم سے پہلے کے نیک لوگوں کا طریقہ ہے اور تمہارے لئے تمہارے رب کی طرف قربت کا ذریعہ ہے اور گناہوں کے دور کرنے نیز گناہوں سے روکنے کا سبب ہے۔ (ترمذی)

خلاصہ حدیث

اس حدیث میں تہجد کی نماز کی ادائیگی کی پر ابھارا گیا ہے اور اس بات پر تنبیہ کی گئی ہے کہ صالحین کاملین کا طریقہ یہ نہیں ہے کہ اس نماز کو ادا نہ کریں ان کی عادت تو اس نماز کے ادا کرنے ہی کی ہوتی ہے اس نماز سے رب العالمین کا قرب میسر آتا ہے، کیوں کہ اس نماز میں ریا اور دکھاوا مفقود ہوتا ہے، اور اس نماز سے گناہ بھی خوب زائل ہوتے ہیں اور یہ نماز گناہ کے ارتکاب سے باز بھی رکھتی ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح

علیکم بقیام اللیل تہجد کی نماز اپنے حق میں لازم کرلو، یعنی اس نماز کو ضرور پڑھا کرو، فانہ دأب الصالحین تہجد کی نماز کا ادا کرنا یہ تم سے پہلے کے نیک لوگوں کا طریقہ ہے۔ نیک لوگوں سے مراد انبیاء سابقین اور اولیاء اللہ ہیں، آگے حدیث آرہی ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کی امت تہجد کی نماز کا اہتمام کرتی تھیں یہیں سے اس بات پر تنبیہ بھی ہوگئی کہ اس امت کو تہجد کی نماز کا خوب اہتمام چاہئے کیوں کہ یہ امت خیر امت ہے، اس حدیث میں

اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جو شخص اس نماز کو ادا نہیں کرتا ہے وہ صالحین کاملین میں سے نہیں ہے۔ وھو قربۃ لکم الی ربکم انبیاء سابقین کی سیرت کی اقتدا کے ساتھ تہجد کی نماز رب العالمین کے قرب کا وسیلہ بھی ہے، اس میں اس حدیث قدسی کی طرف اشارہ بھی ہے، **لایزال العبد یتقرب الیّ بالنوافل حتّی احبہ** ''اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ بندہ نوافل کے ذریعہ برابر میرا قرب طلب کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں۔ **ومکفرۃ للسیّات** مطلب یہ ہے کہ تہجد کی نماز گناہوں کو ڈھانپ لینے والی اور عیوب کو مٹا دینے والی ہے جیسے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ'' **ان الحسنات یذھبن السیات** ''بلاشبہ نیکیاں برائیوں کو مٹا دیتی ہے، **ومنہاۃ عن الاثم** تہجد کی نماز جہاں ایک طرف سابقہ گناہوں کو مٹا دیتی ہے وہیں آگے کے بہت سے گناہوں سے روکتی بھی ہے کیونکہ نماز کی یہ خاصیت ہے کہ فواحش اور بے حیائی سے باز رکھتی ہے، جیسا کہ فرمان باری تعالیٰ ہے'' **ان الصلوۃ تنھی عن الفحشاء والمنکر** ''بلا شبہ نماز بے حیائی اور بری باتوں سے روکنے والی ہے۔ (مرقات ص نمبر ۱۴۸ ج ۳)

حدیث نمبر ۱۱۶۱ ☆☆☆ عالمی حدیث نمبر ۱۲۲۸

﴿تہجد کی نماز پڑھنے والے سے اللہ تعالیٰ خوش ہوتے ہیں﴾

وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِنِ الْخُدْرِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ ثَلٰثَۃٌ یَّضْحَکُ اللّٰہُ اِلَیْھِمِ الرَّجُلُ اِذَا قَامَ بِاللَّیْلِ یُصَلِّیْ وَالْقَوْمُ اِذَا صَفُّوْا فِی الصَّلٰوۃِ وَالْقَوْمُ اِذَا صَفُّوْا فِیْ قِتَالِ الْعَدُوِّ رَوَاہُ فِیْ شَرْحِ السُّنَّۃِ.

حوالہ: بغوی فی شرح السنّۃ، ص نمبر ۴۲، ج ٤، باب التحریض علیٰ قیام اللیل حدیث نمبر ۹۲۹

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تین طرح کے لوگ ہیں جن سے اللہ تعالیٰ خوش ہوتے ہیں (۱) وہ آدمی جو رات میں اٹھ کر نماز پڑھتا ہے (۲) وہ لوگ جو نماز کے لئے صف درست کرتے ہیں (۳) وہ لوگ جو دشمن سے جہاد کے لئے صف درست کرتے ہیں''۔ (بغوی فی شرح السنۃ)

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ حدیث میں مذکور تین طرح کے لوگوں سے اللہ تعالیٰ خوش ہوتے ہیں، ان پر رحمت وعنایت کی نظر فرماتے ہیں اور ان کے لئے بے شمار اجر وثواب مقرر فرماتے ہیں۔

کلمات حدیث کی تشریح **یضحك** مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ خوش ہوتا ہے، رحمتِ کاملہ نازل فرماتا ہے، اذاقام جن تین طرح کے لوگوں پر اللہ تعالیٰ کی رحمت نازل ہوتی ہے، ان میں سے سب سے پہلے وہ ہے جو تہجد کی نماز پڑھتا ہے، تہجد کی نماز میں نفس کو بہت زیادہ کچلنا پڑتا ہے اور اس میں ریاکاری کا احتمال مفقود ہے اسی بنا پر اس کا اجر وثواب بہت زیادہ ہے۔

سوال: یہاں پر الرجل واحد کیوں لائے، جمع لاتے تاکہ آگے والے دونوں جزوں سے مطابقت پیدا ہو جاتی؟

جواب: جمع اس لئے نہیں لائے تاکہ جماعت اور اجتماع کی قید کا وہم دفع ہو جائے تہجد کی نماز اصلاً انفرادی ہے بغیر تداعی کے اگر جماعت سے پڑھ لی جائے تو گنجائش ہے۔

حدیث نمبر ۱۱۶۲ ﴿اخیر رات میں اللہ تعالیٰ کا قرب﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۲۲۹

وَعَنْ عَمْرِوبْنِ عَبَسَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اَقْرَبُ مَایَکُوْنُ الرَّبُّ مِنَ الْعَبْدِ فِیْ جَوْفِ اللَّیْلِ الْاٰخِرِ فَاِنِ اسْتَطَعْتَ اَنْ تَکُوْنَ مِمَّنْ یَّذْکُرُ اللّٰہَ تِلْكَ السَّاعَۃَ فَکُنْ رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَقَالَ ھٰذَا حَدِیْثٌ حَسَنٌ صَحِیْحٌ غَرِیْبٌ اِسْنَادًا.

حوالہ: ترمذی، ص نمبر ۱۹۸ ج ۲، باب کتاب الدعوات، حدیث نمبر ۳۵۷۹

ترجمہ: حضرت عمرو بن عبسہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ وہ وقت کہ جس میں رب العالمین بندہ کے سب سے زیادہ

قریب ہوتا ہے آخیر رات درمیان کا وقت ہے، تو اگر تم سے ہو سکے کہ تم ان میں شامل ہو جاؤ جو اس وقت اللہ کو یاد کرتے ہیں تو تم ضرور ان میں شامل ہو جاؤ۔ (ترمذی) امام ترمذیؒ نے فرمایا کہ یہ حدیث حسن ہے، صحیح ہے، سند کے اعتبار سے غریب ہے۔

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ بندہ جس وقت اللہ تعالیٰ کی رحمت کا سب سے زیادہ مستحق ہو سکتا ہے وہ آخری تہائی رات سے شروع ہوتا ہے یہی تہجد کی نماز کے لئے بیدار ہونے کا وقت ہے اس وقت اللہ تعالیٰ کی رحمتیں جھوم جھوم کر برستی ہیں، لہٰذا کوشش ہونا چاہئے کہ اس وقت میں رب العالمین کو راضی کر کے ان کا قرب حاصل کر لیا جائے۔

کلمات حدیث کی تشریح اقرب مایکون العبد جس وقت کہ آخری تہائی رات کی ابتدا ہوتی ہے وہ وقت اللہ تعالیٰ کی خصوصی تجلی کا ہوتا ہے اور اس وقت اللہ تعالیٰ کی رحمت جھوم جھوم کر برستی ہے جیسا کہ حدیث میں گذرا کہ "ینزل ربنا تبارك وتعالیٰ كل ليلة الى السماء الدنيا حتى يبقى ثلث الليل الآخر" (تحقیق کے لئے حدیث نمبر ۱۱۵۶ دیکھیں) اسی بات کو حدیث باب میں یوں فرمایا گیا ہے کہ اس وقت اللہ تعالیٰ بندہ کے سب سے قریب ہوتے ہیں، اس وقت اللہ تعالیٰ کی جانب سے بندہ کے لئے یہ ندا لگائی جاتی ہے کہ مانگو عطا کروں گا، مغفرت طلب کرو بخش دوں گا۔

سوال: ایک حدیث ہے جس میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ "اقرب مايكون العبد من ربه وهو ساجد" بندہ اپنے رب کے اس وقت سب سے زیادہ قریب ہوتا ہے جبکہ وہ سجدہ کی حالت میں ہوتا ہے اس حدیث اور حدیث باب میں کیا فرق ہے؟

جواب: حدیث باب میں رب العالمین کی بندہ سے سب زیادہ قربت کا وقت اخیر رات کا درمیانی حصہ بتایا گیا ہے اور اس حدیث میں بندہ کی جانب سے اللہ تعالیٰ کے قرب کا وقت سجدہ کی حالت کو بتایا گیا ہے، اس میں باریک فرق ہے اور وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تجلی کا خصوصی وقت ہے جو کہ بندہ کے کسی عمل پر موقوف نہیں ہے، جو شخص اس سے فائدہ اٹھالے وہ فائدہ میں رہے گا اور جو نہ فائدہ اٹھائے وہ محروم ہوگا، یہ وقت وہ ہے جو حدیث باب میں بیان کیا گیا ہے، اور اسی وقت میں عبادت کرنے والے سے اللہ تعالیٰ کی رحمت بہت قریب ہوتی ہے اور وہ قرب جو سجدہ کے ذریعہ میسر آتا ہے وہ بندہ کے عمل پر موقوف ہے اور اس کے ساتھ مخصوص ہے۔

حدیث نمبر ۱۱۶۳ ﴿تہجد کی نماز کے لئے بیدار کرنا﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۲۳۰

وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ رَحِمَ اللّٰهُ رَجُلًا قَامَ مِنَ اللَّيْلِ فَصَلّٰی وَاَيْقَظَ امْرَاَتَهٗ فَصَلَّتْ فَاِنْ اَبَتْ نَضَحَ فِیْ وَجْهِهَا الْمَاءَ رَحِمَ اللّٰهُ امْرَاَةً قَامَتْ مِنَ اللَّيْلِ فَصَلَّتْ وَاَيْقَظَتْ زَوْجَهَا فَصَلّٰی فَاِنْ اَبٰی نَضَحَتْ فِیْ وَجْهِهِ الْمَاءَ رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَالنَّسَائِیُّ.

حوالہ: ابو داؤد، ص نمبر ۱۸۵ ج ۱، باب قيام الليل كتاب التطوع، حدیث نمبر ۱۳۰۸ نسائی، ص نمبر ۱۸۳ ج ۱ باب الترغيب فی قيام الليل، كتاب قيام الليل، حدیث نمبر ۱۶۰۹

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ "اللہ تعالیٰ رحمت نازل فرمائے ایسے آدمی پر جو رات میں بیدار ہوا، پھر اس نے نماز پڑھی اور اپنی بیوی کو بھی بیدار کیا، اس نے بھی نماز پڑھی اور اگر اس نے اٹھنے سے انکار کیا، تو خاوند نے اپنی اہلیہ کے چہرے پر پانی کے چھینٹے مارے، اللہ تعالیٰ رحمت نازل فرمائے اس عورت پر جو رات میں بیدار ہوئی اور نماز پڑھی اور اپنے شوہر کو بھی بیدار کیا اور اس نے بھی نماز پڑھی پس اگر شوہر نے اٹھنے سے انکار کیا، تو اس نے شوہر کے چہرے پر پانی کے چھینٹے مارے۔ (ابوداؤد، نسائی)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ شوہر اور بیوی کو ایک دوسرے کے حق میں نیکیاں کرنے کے حوالے سے بھی معاون ہونا چاہئے، یہ نہیں کہ خود نیک کام کرلے اور اپنے شریک حیات کے سلسلہ میں طاعت کیلئے کوشش نہ کرے، جسطرح خود تہجد پڑھنے کا عادی ہے اسی طرح اپنی بیوی کو بھی تہجد کا عادی بنائے، اسی طرح اگر عورت تہجد گزار ہے تو اسکو اپنے شوہر کیلئے فکر مند ہونا

چاہئے کہ وہ تہجد کی ادائیگی کرنے والا بن جائے، اسی طرح تمام نیک کاموں کا معاملہ ہے اور جس طرح اپنے شریک حیات کیلئے فکر مند ہونا ضروری ہے، اسی طرح اپنے احباب اپنے رفقاء اور اپنے اہل خانہ کیلئے بھی کوشش کرنا چاہئے کہ وہ اطاعت کرنیوالے اور منکرات سے بچنے والے بن جائیں۔

کلمات حدیث کی تشریح

قام من اللیل رات کے کسی حصہ میں جاگ کر عبادت کی، فصلی تہجد کی نماز پڑھی اور اگر اس کے ذمہ کوئی نماز قضا ہے تو اس کا ادا کرنا بہتر ہے وایقظ امراتہ نصیحت کے ذریعہ یا کسی اور ذریعہ سے بیوی کو بیدار کیا، بیوی ہی کے حکم میں دیگر محارم بھی ہیں، فصلت تو اس عورت نے بھی نفل نماز پڑھی حدیث میں نرمی سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے لئے بیدار کرنے کی کوشش کا ذکر ہے، یہ کوشش جس طرح بھی ممکن ہو کی جائے۔ابن الملک کہتے ہیں۔ یہیں سے معلوم ہوا کہ نیک کام کے لئے ''اکراہ'' نہ صرف درست، بلکہ مستحب ہے۔ (مرقات ص نمبر۱۴۹ ج ۳)

حدیث نمبر ۱۱۴۶ ﴿تہجد کے وقت کی دعا قبول ہوتی ہے﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۲۳۱

وَعَنْ اَبِی اُمَامَةَ قَالَ قِیْلَ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ اَیُّ الدُّعَاءِ اَسْمَعُ قَالَ جَوْفُ اللَّیْلِ الْاٰخِرُ وَدُبُرُ الصَّلَوَاتِ الْمَكْتُوْبَاتِ رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ.

حوالہ: ترمذی، ص نمبر ۱۸۷ ج ۲، باب، کتاب الدعوات، حدیث نمبر ۳۴۹۹

ترجمہ: حضرت ابوامامہؓ سے روایت ہے کہ دریافت کیا گیا کہ اے اللہ کے رسول! کون سی دعا سب سے زیادہ مقبول ہوتی ہے؟ حضرت نبی کریم ﷺ نے جواب دیا کہ اخیر رات کے درمیان اور فرض نمازوں کے بعد (ترمذی)

خلاصہ حدیث

ای الدعاء اسمع یعنی کس وقت دعا کی قبولیت کی زیادہ امید ہوتی ہے، جوف اللیل الآخر اخیر رات کے درمیان، اس سے مراد آخری تہائی حصہ ہے اور رات کے چھے حصے میں سے پانچ حصہ ہے یہی تہجد کا اصل وقت ہے۔ دبر الصلوٰۃ المکتوبات فرض نمازوں کے مابعد بھی دعا بھی قبول ہوتی ہے''

نماز باجماعت کے بعد دعاء اور غیر مقلدین کا اختلاف

حدیث باب سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ فرض نمازوں کے بعد دعا کرنا چاہئے، کیوں کہ یہ دعا کی قبولیت کا وقت ہوتا ہے غیر مقلدین نماز باجماعت کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنے کو بدعت قرار دیتے ہیں۔ حالاں کہ مسلمانوں کا اس پر متواتر عمل ہے، اور تواتر عملی اسلام میں خود ایک حجت ہے، اگر تواتر عمل کے علاوہ کوئی دلیل شرعی نہ ہوتی تب بھی محض اسی دلیل کی بنا پر مشروعیت ثابت ہوتی، جب کہ صورت حال یہ ہے کہ اس کے علاوہ بہت سے دلائل موجود ہیں۔

مختصراً اس مسئلہ کی تحقیق پیش کی جاتی ہے۔ دعا کے بارے میں آنحضور اکرم ﷺ کا عام معمول یہ تھا: کان رسول اللہ ﷺ یرفع یدیہ بحذاء صدرہ اذا دعا ثم یمسح بھا وجھہ (مصنف عبدالرزاق ج ۳ ص ۱۲۳)

ترجمہ: یعنی رسول [illegible] ﷺ جب دعا کرتے تو اپنے ہاتھ سینے کے مقابل تک اٹھاتے پھر چہرہ پر ہاتھ پھیر لیتے۔

معلوم ہوا کہ د[illegible] میں مسنون طریقہ یہی ہے کہ ہاتھ اٹھا کر دعا کی جائے، اور اب یہ بھی جان لیجئے کہ نماز کے بعد دعا کرنے کی احادیث میں [illegible] آئی ہے کہ یہ وہ وقت ہوتا ہے کہ اس وقت پروردگار بندہ کی دعا قبول کرتا ہے، ترمذی شریف میں حضرت ابوامامہ کی روایت ہے [illegible]ی الدعاء اسمع یعنی رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا کہ کون سے وقت کی دعا اللہ کے یہاں زیادہ سنی جاتی ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا۔

جوف اللیل الأخیر و دبر الصلوٰۃ المکتوبات یعنی اخیر شب کی دعا اور فرض نمازوں کے بعد کی دعا اللہ کے یہاں سنی جاتی ہے۔ متعدد حدیثوں سے ثابت ہے کہ آپ ﷺ نماز کے بعد دعا کرتے تھے۔ مثلاً ابوداؤد اور نسائی میں زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کی روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں نے سنا کہ آپ ﷺ نماز کے بعد یہ دعا فرماتے تھے **اللّٰھمّ ربنا و ربّ کل شیء الخ**۔

اور نسائی شریف حضرت صہیب رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث ہے کہ آپ ﷺ نماز سے فارغ ہوکر یہ دعا کرتے تھے **اللھم اصلح لی دینی الخ** حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں تو صاف صاف ہے کہ **انّ رسو ل اللہ** ﷺ **رفع یدیہ بعد ماسلّم وھو مستقبل القبلۃ** کہ رسول اللہ ﷺ نے سلام پھیرنے کے بعد قبلہ رخ ہوکر دعا مانگی۔

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو نماز سے فارغ ہونے سے پہلے ہی نماز میں ہاتھ اٹھا کر دعا مانگتے ہوئے دیکھا تو آپ نے فرمایا: **ان رسول اللہ** ﷺ **لم یکن یرفع یدیہ حتّٰی یفرغ من صلوتہٖ** یعنی اللہ کے رسول ﷺ نماز سے فارغ ہونے سے پہلے ہاتھ اٹھا کر دعا نہیں مانگا کرتے تھے۔

اس سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ کا معمول نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے کا تھا۔

حضرت اسود عامری اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اکرم ﷺ کیساتھ فجر کی نماز پڑھی، تو آپ ﷺ نے سلام پھیرا اور تھوڑا سا رخ موڑا اور پھر دونوں ہاتھ اٹھا کر دعا کی تحفۃ الاحوذی جلد اوّل ص ۲۴۵ و ۲۴۶ میں احادیث کے حوالے دیکھ لئے جائیں۔

ان احادیث میں آپ غور کریں تو معلوم ہوگا کہ نماز با جماعت کے بعد دعا کرنے کی آپ نے ترغیب بھی دی ہے اور خود آپ کا معمول بھی یہی تھا کہ آپ نماز سے فارغ ہوکر ہاتھ اٹھا کر دعا کرتے تھے تو جو عمل آپ ﷺ سے ثابت ہو اس پر بدعت ہونے کا حکم لگانا یا اس پر انکار کرنا یہ دین کی بات ہوگی یا بددینی کی؟

حدیث نمبر ۱۱۶۵ ☆☆☆ عالمی حدیث نمبر ۱۲۳۲۔۱۲۳۳

﴿تہجد کی نماز کے اہتمام پر اللہ کا انعام﴾

وَعَنْ اَبِیْ مَالِکِنِ الْاَشْعَرِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اِنَّ فِی الْجَنَّۃِ غُرَفًا یُرٰی ظَاھِرُھَا مِنْ بَاطِنِھَا وَبَاطِنُھَا مِنْ ظَاھِرِھَا اَعَدَّ ھَا اللّٰہُ لِمَنْ اَلَا نَ الْکَلَامَ وَاَطْعَمَ الطَّعَامَ وَتَابَعَ الصِّیَامَ وَصَلّٰی بِاللَّیْلِ وَالنَّاسُ نِیَامٌ رَوَاہُ الْبَیْھَقِیُّ فِیْ شُعَبِ الْاِیْمَانِ وَرَوَی التِّرْمِذِیُّ عَنْ عَلِیٍّ نَّحْوَہٗ وَفِیْ رِوَایَتِہٖ لِمَنْ اَطَابَ الْکَلَامَ.

حوالہ: بیہقی فی شعب الایمان، ص نمبر ۴۰۴ ج ۴ باب فی الصیام، حدیث نمبر ۳۸۹۲، ترمذی، ص نمبر ۷۹ ج۲، باب ماجاء فی صفۃ غرف الجنۃ، کتاب صفۃ الجنۃ، حدیث نمبر ۲۵۲۷

ترجمہ: حضرت ابو مالک اشعریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بلاشبہ جنت میں ایسے بالا خانے ہیں، جن کے اندر کی چیزیں باہر سے اور باہر کی چیزیں اندر سے دکھائی دیتی ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان بالا خانوں کو اس شخص کے لئے تیار کیا ہے، جو نرم بات کرے، کھانا کھلائے، پے در پے روزے رکھے، اور رات میں اس وقت نماز پڑھے جب کہ لوگ سو رہے ہوں بیہقی نے شعب الایمان میں اس روایت کو نقل کیا ہے، ترمذی نے اسی طرح کی روایت حضرت علیؓ سے نقل کی ہے، اور اس روایت میں ''لمن اَلانَ الکلام'' بجائے ''لمن اطاب الکلام'' نقل کیا ہے، یعنی جو عمدہ طریقے سے بات کرے۔

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ جس شخص میں حدیث میں مذکورہ اوصاف ہوں گے، اللہ تعالیٰ اس پر اپنا خصوصی فضل فرماتے ہیں، اس کو جنت میں ایسے صاف شفاف بالا خانے عنایت فرمائیں گے، جن کی صفائی شیشے سے بھی زیادہ ہوگی اور اس میں آر پار چیزیں نظر آئیں گی، حدیث باب میں اس بات پر ابھارنا مقصود ہے کہ آدمی نرم کلام اختیار کرے، غریبوں،

مسکینوں کو خصوصاً اور عام انسانوں کو عموماً کھانا کھلانے کا اہتمام کرے، نفلی روزے کثرت سے رکھے، اور تہجد کی نماز کی ادائیگی کرے، تاکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے انعام واکرام کا مستحق ہو جائے۔

کلماتِ حدیث کی تشریح إن فی الجنة غرفًا جنت میں نہایت عمدہ صاف ستھرے پاکیزہ بالا خانے اللہ تعالیٰ نے تیار کرر کھے ہیں لمن الان الکلام۔ مراد وہ شخص ہے جو اللہ کی مخلوق کے ساتھ اچھے اخلاق سے پیش آتا ہو، قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے مخلصین بندوں کے اوصاف میں یہ چیز بھی ذکر کی ہے کہ ''واذاخاطبهم الجاهلون قالوا سلامًا'' یہ بھی در حقیقت نرم کلامی ہی ہے، پھر لمن ان بندوں کی جزا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ ''اولئك يجزون الغرفة بماصبروا'' یہاں بھی بدلہ میں بالا خانے ہی کا ذکر ہے وتابع الصیام فرض کے علاوہ کثرت سے نفل روزہ رکھنا مراد ہے، اس کی اقلِ مقدار ہر مہینے میں تین نفلی روزے رکھنا ہے، وصلی باللیل رات میں جب کہ اکثر لوگ سو رہے ہوں یا غافل ہوں اس وقت نماز پڑھتا ہو، یہ عبادت اللہ کے نزدیک بہت پسندیدہ ہے کیوں کہ اس میں ریاکاری کا دخل مفقود ہے، اس میں فرمان باری تعالیٰ کی طرف اشارہ ہے کہ ''والذین یبتغون لربهم سجدا وقیامًا'' (خلاصہ مرقات ص نمبر ۱۵۰ ج ۳)

الفصل الثالث

حدیث نمبر ۱۱٦٦ ﴿تہجد کی نماز چھوڑنے کی ممانعت﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۲۳٤

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ قَالَ قَالَ لِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَاعَبْدَ اللّٰهِ لَاتَكُنْ مِثْلَ فُلَانٍ كَانَ يَقُوْمُ مِنَ اللَّيْلِ فَتَرَكَ قِيَامَ اللَّيْلِ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حواله: بخاری ص، نمبر ۱۵٤ ج ۱ باب مایکره من ترك قیام اللیل لمن کان یقومه، کتاب التهجد حدیث نمبر ۱۱۵۲، مسلم، ص نمبر ج ۱، باب النهی عن صوم الدهر، کتاب الصیام، حدیث نمبر ۱۱۵۹

ترجمه: حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ اے عبداللہ فلاں شخص کی طرح مت ہو جانا، وہ تہجد کی نماز پڑھتا تھا، پھر اس نے تہجد کی نماز پڑھنا چھوڑ دیا (بخاری ومسلم)

خلاصۂ حدیث اللہ تعالیٰ کی عبادت سے انسان ترقی کے منازل طے کرتا ہے، چنانچہ کسی عبادت کا معمول بنانے کے بعد اس کو ترک کرنا یہ ترقی کے بعد تنزل کو پسند کرنا ہے، حضرت نبی کریم ﷺ کے دور میں کسی صاحب نے تہجد کی نماز پڑھنے کا معمول بنایا، پھر آرام طلبی کی وجہ سے بغیر کسی عذر کے اس معمول کو ترک کر دیا، حدیث باب میں نبی کریم ﷺ نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص کو نصیحت کی کہ دیکھو تم ان کی طرح نہ ہونا، یعنی تم تہجد کی نماز ترک کرنے کا معمول نہ بنانا۔

کلماتِ حدیث کی تشریح لاتکن مثل فلان کان یقوم من اللیل اصل بات یہ ہے کہ نفلی عبادت بہت اچھا عمل ہے اور خاص طور پر تہجد کی نماز تو قرب خداوندی کا اہم ذریعہ ہے ہی، لیکن اس میں ایسا نہ کرنا چاہئے کہ کچھ دن تک بہت مشقت اٹھا کر طو[illegible] قراءت کے ساتھ ادائیگی کا معمول رکھا جائے اور پھر بعد میں بالکلیہ ترک کر دیا جائے اسی کو ایک موقع پر آپ ﷺ نے فرمایا [illegible]ارك الورد ملعون'' ورد یعنی معمول کو چھوڑنے والا ملعون ہے، لیکن ترک کرنے سے مراد بلا عذر شرعی کے محض آرام طلبی کو [illegible] سے ترک کرنا ہے، اصل بات اس سلسلہ میں یہ ہے کہ آدمی اتنا عمل کرے، جس پر مواظبت کر سکے، تاکہ ترقی کے بعد تنزلی کا شکار نہ [illegible]خاری شریف میں حدیث ہے کہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میرے پاس قبیلہ بنو اسد کی ایک عورت بیٹھی ہوئی تھی، اتنے میں رسول اللہ ﷺ میرے پاس تشریف لائے اور آپ ﷺ نے پوچھا کہ یہ عورت کون ہے؟ میں نے عرض کیا کہ یہ فلانی عورت

ہے، جورات بھر نہیں سوتی، پھر میں اس کی نماز کا ذکر کرنے لگی، آپ ﷺ نے فرمایا کہ "مه علیکم بماتطیقون من الاعمال فان اللّٰہ لایمل حتی تملوا" آپ ﷺ نے فرمایا کہ بس کر، اتنا ہی عمل کرو جتنے کی طاقت ہے؟ اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ ثواب دینے سے نہیں تھکتے ہیں، البتہ تم لوگ عمل کرنے سے تھک جاتے ہو، معلوم ہوا کہ اتنا نفلی عمل کرنا چاہئے جس پر مداومت ہوسکے چند دن خوب عبادت کی جائے پھر چھوڑ کر بیٹھ جایا جائے یہ پسندیدہ طریقہ نہیں ہے۔

حدیث نمبر ۱۱۶۷ ☆☆☆ عالمی حدیث نمبر ۱۲۳۵

﴿حضرت داؤد علیہ السلام کا تہجد کی نماز کا اهتمام﴾

وَعَنْ عُثْمَانَ بْنِ الْعَاصِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ كَانَ لِدَاوُدَ عَلَيْهِ السَّلَامُ مِنَ اللَّيْلِ سَاعَةٌ يُوْقِظُ فِيْهَا اَهْلَهُ يَقُوْلُ يَاآلَ دَاوُدَ قُوْمُوْا فَصَلُّوْا فَاِنَّ هٰذِهِ سَاعَةٌ يَسْتَجِيْبُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ فِيْهَا الدُّعَاءَ اِلَّا لِسَاحِرٍ اَوْعَشَّارٍ رَوَاهُ اَحْمَدُ.

حوالہ: مسند احمد ص نمبر ۲۲ ج ٤

ترجمہ: حضرت عثمان بن العاص رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے رات میں ایک حصہ مقرر فرما رکھا تھا، اس میں وہ اپنے گھر والوں کو بیدار کر کے کہتے کہ اے داؤد کے آل واولاد اٹھو اور نماز پڑھو، بلاشبہ یہ ایسا وقت ہے کہ جس میں اللہ تعالیٰ دعائیں قبول کرتا ہے، سوائے جادوگر اور چنگی وصول کرنے والی کی دعا کے۔ (مسند احمد)

خلاصہ حدیث اس حدیث سے یہ بات معلوم ہوئی کہ تہجد کی نماز کا اہتمام دیگر انبیاء بھی فرماتے تھے، نیز تہجد کی نماز کے لئے اٹھنا اور اس وقت میں اللہ سے مانگنا یہ اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہے، لہٰذا اللہ تعالیٰ کسی شخص کو خالی ہاتھ واپس نہیں کرتے ہیں۔ سب کی مراد پوری کرتے ہیں لیکن جادوگری اور چنگی وصول کرنا اللہ کو بہت زیادہ ناپسند ہے لہٰذا ایسے لوگ اگر اپنے قبیح اعمال کی انجام دہی کے ساتھ تہجد میں اٹھ کر اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کی طرف نظرِ عنایت نہیں فرماتے ہیں۔

کلمات حدیث کی تشریح یاآل داؤد اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کی آل کو یہ حکم دیا کہ "اعملوا آل داؤد شکرا الخ، چنانچہ حضرت داؤد اپنی آل واولاد کو رات میں عبادت کے لئے بیدار کرتے تاکہ ارشاد باری تعالیٰ پر عمل ہوسکے اور اسی کے مناسب اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان بھی ہے "کانوا قلیلاً من اللیل مایهجعون.

الدعاء تہجد کے وقت میں باری تعالیٰ کی رحمت شباب میں ہوتی ہے لہٰذا اس وقت خصوصی طور پر دعا قبول ہوتی ہے، اور نماز بذات خود دعا ہے، لہٰذا محض نماز کی ادائیگی پر بغیر مانگے بھی اللہ تعالیٰ خوب نوازتے ہیں، **الالساحر** جادوگر کی عبادت اور ریاضت بھی غیر مقبول ہے اور اس کی دعا بھی شرفِ قبولیت نہیں پاتی، کیوں کہ جادوگری سے اللہ تعالیٰ سخت ناراض ہوتے ہیں اور اس میں شیطان کی رضا شامل ہوتی ہے، جادو کہتے ہی ہیں ایسے امرِ عجیب کو جس میں شیطان کو خوش کر کے ان کی مدد حاصل کی گئی ہو، **العشار** چنگی وصول کرنے والے کی عبادت بھی غیر مقبول ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ چنگی وصول کرنے والا لوگوں سے ناحق جبراً پیسہ وصول کرتا ہے نہ دینے پر ظلم وستم کرتا ہے، لہٰذا اللہ تعالیٰ اس پر بھی شفقت نہیں فرماتے ہیں۔

حدیث نمبر ۱۱۶۸ ﴿تہجد کی نماز کی فضیلت﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۲۳۶

وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ اَفْضَلُ الصَّلٰوةِ بَعْدَ الْمَفْرُوْضَةِ صَلٰوةٌ فِيْ جَوْفِ اللَّيْلِ. رَوَاهُ اَحْمَدُ.

حوالہ: منسداحمد، ص نمبر ۳٤۲ ج ۲.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ فرض نمازوں کے بعد سب سے افضل نماز درمیانی رات کی نماز ہے۔ (مسند احمد)

خلاصۂ حدیث اس حدیث سے تہجد کی نماز کی اہمیت اور افضلیت خوب اچھی طرح سمجھ میں آرہی ہے، بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سننِ رواتب یعنی فرض نمازوں کے ساتھ جو سنن شامل ہیں، ان سے بھی زیادہ فضیلت تہجد کی نماز کو حاصل ہے۔ لیکن جمہور علماء کے نزدیک مجموعی طور پر سننِ رواتب تہجد سے افضل ہے، لیکن ریاء سے دور ہونے کے اعتبار سے تہجد کی افضلیت مسلم ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح افضل الصلاۃ بعد الفریضۃ صلاۃ فی جوف اللیل اس حدیث اوران احادیث جن میں سننِ رواتب کو افضل قرار دیا گیا ہے کوئی منافات نہیں ہے اس وجہ سے کہ دونوں کی افضلیت الگ الگ وجوہات سے ہے سننِ رواتب اس وجہ افضل ہیں کہ وہ فرائض کی تکملہ ہیں، نیز ان کی ادائیگی کی بہت تاکید آئی ہے، اور تہجد کی افضلیت کی وجہ یہ ہے کہ اس میں مشقت بہت ہے، ریا سے دور ہے، یا پھر اس وجہ سے کہ یہ وتر کو بھی شامل ہے اور وتر واجب ہے اور وتر کی سنن رواتب پر افضلیت کے سلسلہ میں کسی کو کلام بھی نہیں ہے۔ (تلخیص مرقات ص نمبر ۱۵۱ ج ۳)

حدیث نمبر ۱۱۶۹ ﴿تہجد کی نماز کا اثر﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۲۳۷

وَعَنْهُ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ اِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ اِنَّ فُلَانًا يُّصَلِّيْ بِاللَّيْلِ فَاِذَا اَصْبَحَ سَرَقَ فَقَالَ اِنَّهٗ سَيَنْهَاهُ مَا تَقُوْلُ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ.

حوالہ: مسند احمد ص نمبر ۴۴۷ ج ۲

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک شخص آئے اور انہوں نے عرض کیا کہ فلاں شخص رات میں تہجد کی نماز پڑھتا ہے اور صبح کو چوری کرتا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ جو تم کہہ رہے ہو اس سے یہ نماز اس شخص کو روک دے گی۔

خلاصۂ حدیث نماز کے بارے میں رب العالمین کا ارشاد ہے کہ "ان الصلاۃ تنھی عن الفحشاء والمنکر" نماز بے حیائی اور برے کاموں سے روکتی ہے، اور چونکہ تہجد کی نماز خالص رضاء الٰہی کے لئے پڑھی جاتی ہے، اس وجہ سے اس کے اندر برائیوں سے روکنے کی تاثیر بہت زیادہ ہوتی ہے، اسی بنا پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ چوری گناہ ہے، لیکن اگر تہجد کی نماز پر مداومت کی جائے گی تو اس کی برکت سے آدمی اس قبیح فعل سے بچ جائے گا۔

کلماتِ حدیث کی تشریح أنہ سینھاہ ماتقول یعنی تہجد کی نماز پر مداومت کرتا رہا تو اس گناہ سے باز آجائے گا، بعض روایات میں آتا ہے کہ آپ ﷺ کے اس ارشاد کے بعد وہ شخص اپنے گناہ سے تائب ہوگیا، حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نماز میں یہ تاثیر رکھی ہے کہ اگر اس کا حق ادا کیا جائے تو آدمی گناہوں سے ضرور محفوظ ہو جاتا ہے، اگر کوئی شخص نماز پڑھ رہا ہے اور گناہوں پر اصرار بھی کر رہا ہے تو اس سے نماز کی تاثیر کے حوالے سے شبہ میں نہ پڑھنا چاہئے، بلکہ غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ اس سے نماز کی ادائیگی میں ضرور کوتاہی ہو رہی ہے اور جو نماز کا حق ہے وہ ادا نہیں ہو رہا اسی بنا پر گناہوں سے بچنا مشکل ہو رہا ہے۔

حدیث نمبر ۱۱۷۰ ﴿تہجد کی نماز پڑھنے والوں کا مقام﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۲۳۸

وَعَنْ اَبِيْ سَعِيْدٍ وَّاَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا اَيْقَظَ الرَّجُلُ اَهْلَهٗ مِنَ اللَّيْلِ فَصَلَّيَا اَوْصَلّٰى رَكْعَتَيْنِ جَمِيْعًا كُتِبَا فِي الذَّاكِرِيْنَ وَالذَّاكِرَاتِ رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَابْنُ مَاجَةَ.

حوالہ: ابو داؤد، ص نمبر ۱۸۵ ج ۱ باب قیام اللیل، کتاب التطوع، حدیث نمبر ۱۳۰۹ ابن ماجہ، ص نمبر ۹۴، باب ما جاء فیمن أیقظ الخ کتاب اقامۃ الصلاۃ، حدیث نمبر ۱۳۳۵

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری اور حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب آدمی رات کو اپنے اہل کو بیدار کرتا ہے پھر وہ دونوں یا آپ ﷺ نے فرمایا کہ ان میں سے ہر ایک دو رکعت نماز ایک ساتھ پڑھتے ہیں تو ان کا نام ذکر کرنے والے مردوں اور ذکر کرنے والی عورتوں میں لکھا جاتا ہے۔ (ابوداؤد، ابن ماجہ)

خلاصہ حدیث سورۃ الاحزاب میں اللہ تعالیٰ نے یہ وعدہ فرمایا ہے کہ ذکر کرنے والے مردوں اور عورتوں کے لئے اللہ تعالیٰ نے مغفرت اور اجر عظیم تیار کر رکھا ہے، حدیث باب سے یہ بات سمجھ میں آئی کہ جو شخص خود تہجد کا اہتمام کرتا ہے اور اپنے اہل خانہ کو بھی بیدار کر کے تہجد کی نماز میں مشغول کرتا ہے، تو ان سب کو اللہ تعالیٰ ذاکرین میں شمار کرتا ہے، یعنی ان کے لئے بھی مغفرت اور اجر عظیم مقرر کر دیا جاتا ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح اھلہ بیوی گھر کی دیگر عورتیں، رشتہ، اولاد، غلام باندیاں سب کو شامل ہے او صلی آپ نے فرمایا کہ دونوں نماز پڑھیں، یعنی بیدار کرنے والا مرد اور اس کے اہل، یا پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ ان میں سے ہر ایک پڑھے، الفاظ کا اختلاف ہے مطلب دونوں صورتوں میں یہ ہے کہ بیدار کرنے والا اور بیدار ہونے والے دو رکعت تہجد کی نماز پڑھیں تو اللہ تعالیٰ ان کو ذاکرین میں شمار کرے گا، یعنی ذاکرین کا ثواب ان کو بھی ملے گا۔

حدیث نمبر نمبر ۱۱۷۱ ☆☆☆ عالمی حدیث نمبر ۱۲۳۹

﴿تہجد گزار اس امت کے معزز لوگ شمار ہوں گے﴾

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَشْرَافُ اُمَّتِیْ حَمَلَةُ الْقُرْاٰنِ وَاَصْحَابُ اللَّیْلِ رَوَاهُ الْبَیْهَقِیُّ فِیْ شُعَبِ الْاِیْمَانِ.

حوالہ: بیهقی فی شعب الایمان، ص نمبر ۵۵۶ ج۲، باب فی تعظیم القرآن، حدیث نمبر ۲۷۰۳.

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میری امت کے معزز لوگ قرآن کے حامل اور شب بیداری کرنے والے ہیں۔ (بیہقی فی شعب الایمان)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ اس امت کے معزز ترین وہ لوگ ہیں جو قرآن کو یاد کر کے قرآن کے مطابق زندگی گذارتے ہیں اور راتوں کو جاگ کر تہجد و تلاوت کا اہتمام کرتے ہیں، یہ حضرات اللہ کی نگاہ میں نہایت معزز ہیں۔

کلمات حدیث کی تشریح حملة القرآن قرآن کے حامل، قرآن کا حامل وہ کہلانے کا مستحق ہے، جو قرآن کے الفاظ یاد کرنے والا ہو، اس کے معنی سمجھنے والا ہو، اس کے آوامر پر عمل کرنے والا اور نواہی سے گریز کرنے والا ہو۔

اصحاب اللیل اصحاب اللیل سے مراد تہجد گزار لوگ، خالص اللہ کے لئے راتوں کو اٹھ کر مشقت برداشت کر کے عبادت کرنے والے، خلاصہ یہ نکلا کہ معزز وہ لوگ ہیں جو علم نافع اور عمل صالح کو جمع کرنے والے ہیں۔

حدیث نمبر ۱۱۷۲ ☆☆☆ عالمی حدیث نمبر ۱۲۴۰

﴿حضرت عمرؓ کا تہجد کے لئے گھر والوں کو بیدار کرنا﴾

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ اَبَاهُ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ كَانَ يُصَلِّیْ مِنَ اللَّیْلِ مَاشَاءَ اللّٰهُ حَتّٰی اِذَاكَانَ مِنْ اٰخِرِ اللَّیْلِ اَیْقَظَ اَهْلَهٗ لِلصَّلٰوةِ یَقُوْلُ لَهُمُ الصَّلٰوةُ ثُمَّ یَتْلُوْا هٰذِهِ الْاٰیَةَ وَاْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَیْهَا لَانَسْئَلُكَ رِزْقًا نَحْنُ نَرْزُقُكَ وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوٰی رَوَاهُ مَالِكٌ.

حوالہ: مؤطا امام مالك باب ماجاء فی صلاۃ اللیل ، کتاب صلاۃ اللیل.

ترجمه: حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رات کو جس قدر اللہ چاہتا نماز پڑھتے تھے، یہاں تک کہ جب رات کا اخیر حصہ شروع ہوتا تو اپنے گھر والوں کو نماز کے لئے بیدار فرماتے اور ان کو نماز کا حکم کرتے، پھر یہ آیت تلاوت فرماتے ''وامر اهلك بالصلاۃ'' اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم کریے اور اس پر جمیے، ہم آپ سے رزق کا سوال نہیں کرتے ہیں، ہم تو خود آپ کو رزق دیتے ہیں ،اچھا انجام متقیوں کے لئے ہے۔

خلاصہ حدیث تہجد کی نماز کی بہت فضیلت ہے، اس سے بندہ کا مقام اللہ کے نزدیک بہت بلند ہوتا ہے، آدمی کو چاہئے کہ خود بھی اس کا اہتمام کرے اور اپنے اہل وعیال کو بھی اس کا عادی بنائے، اس لئے کہ اپنے گھر والوں سے اخروی راحت کی فکر کرنا یہ دنیوی راحت کی فکر سے بہتر ہے، بہت سے لوگ خود نماز کا اہتمام کر لیتے ہیں، لیکن اپنے اہل وعیال کے آرام میں خلل نہ پڑے اس کا لحاظ کر کے ان کو نماز کے لئے بیدار نہیں کرتے، یہ دوستی ہرگز نہیں، حدیث باب میں حضرت عمر بن خطاب کا عمل مذکور ہے کہ وہ خود بھی تہجد کا اہتمام فرماتے تھے اور اپنے اہل وعیال کو بھی بیدار کرتے تاکہ وہ بھی اس نماز کو پڑھ سکیں۔

کلمات حدیث کی تشریح ماشاء اللہ یعنی اللہ جتنی رکعت یا جتنی دیر تک نماز پڑھنے کی توفیق مرحمت فرماتے تھے حضرت عمر بن الخطاب اتنی دیر تک نماز پڑھتے تھے، ایقظ اهله اپنے اہل وعیال کو تہجد کی نماز اور آخر شب کی عبادت کیلئے بیدار کرتے تھے، تاکہ جو خیر وہ حاصل کر رہے ہیں اس میں گھر والے بھی شریک ہو جائیں یقول لهم الصلاۃ یعنی گھر والوں کو بتاتے تھے تہجد کا وقت آ گیا نماز کے لئے بیدار ہو جاؤ وامر اهلك بالصلاۃ اس آیت میں یہ حکم ہے کہ اپنے گھر والو کو نماز کا حکم دو اور مطلق نماز کا ذکر ہے، اس کے عموم میں تہجد کی نماز بھی داخل ہے۔

باب القصد فی العمل

﴿عبادت میں میانہ روی کا بیان﴾

اس باب کے تحت تیرہ احادیث، بیان کی گئی ہیں جن میں نفلی عبادات کے اندر میانہ روی، مداومت عمل کی تلقین، نفس پر بے جا مشقتوں کے ڈالنے کی مخالفت اور شریعت میں دی گئی سہولتوں کو اپنانے کی تعلیم دی گئی ہے، شریعت محمدیہ علی صاحبہا الصلوۃ والتسلیم کی یہ انفرادی اور امتیازی خصوصیت ہے کہ اس نے اپنے متبعین کو ہر معاملہ میں افراط وتفریط سے خالی معتدل راہ کی راہنمائی کی ہے سابقہ امتوں میں گمراہی داخل ہونے کی خاص وجہ یہی تھی کہ وہ افراط وتفریط کا شکار ہوگئیں، ترک دنیا، ترک لذات، رہبانیت یہ سب اسی کی دین تھی اس لئے اسلام نے ہر چیز میں یہاں تک نفلی عبادت، نماز، روزہ، شب بیداری ہر چیز میں میانہ روی کی سخت تاکید اور ہدایت کی اور نبی کریم ﷺ نے خود اس پر عمل کر کے دکھلایا۔ عبادات وغیرہ میں بے اعتدالی اور حد سے تجاوز کرنے کے مفاسد (۱) بے اعتدالی سے طبیعت میں رنج وملال اور فتور پیدا ہوتا ہے اور جب نفس میں فتور پیدا ہوتا ہے تو عبادت سے خشوع نکل جاتا ہے جو عبادت کی روح ہے اور نیاز مندی کے اظہار سے اس کا ذہن ہٹ جاتا ہے اور عبادت کی مشقت بے فائدہ ہو جاتی ہے اسی لئے حدیث شریف میں ہے جب تک نشاط رہے نماز پڑھو اور جب سستی چڑھے تو بیٹھ جاؤ (مشکوٰۃ شریف ۱/۱۰۱) یعنی تہجد پڑھنا موقوف کر دو۔ الحاصل چستی کے بقدر ہی عبادت مفید ہے اور نشاط اعتدال ہی کی صورت میں رہتا ہے (۲) بے حد عبادت سے معاشی معاملات درہم برہم ہو جاتے ہیں اور دوسروں کی حق تلفی ہوتی ہے، نفلی عبادات کا مقصود اللہ کا تقرب اور صفت احسان پیدا کرنا ہے مگر اس طرح کہ معاشی معاملات درہم برہم نہ ہوں اور دوسروں کی حق تلفی نہ ہو حضرت ابو درداءؓ کے بارے میں آیا ہے کہ وہ رات بھر عبادت کرتے تھے، نہ سوتے تھے نہ بیوی سے کچھ تعلق رکھتے تھے حضرت سلمان فارسیؓ جو مواخات کی رو سے ان کے بھائی تھے ان کو سمجھایا کہ تم پر تمہارے پروردگار کا بھی حق ہے اور

تمہاری آنکھوں کا بھی حق ہے اور تمہاری بیوی کا بھی حق ہے جب یہ فہمائش آپ ﷺ کے علم میں آئی تو آپ ﷺ نے فرمایا سلمان نے سچ کہا (جامع الاصول) نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے بیشک میں روزہ رکھتا ہوں، افطار کرتا ہوں، رات میں نماز کیلئے اٹھتا ہوں، سوتا ہوں اور عورتوں سے نکاح کرتا ہوں بس جو میرے طریقے سے اعراض کرتا ہے وہ میرا نہیں (مشکوۃ ۱/۲۷) (۳) ہر وقت عبادت میں لگے رہنے والے کو عبادت کی لذت محسوس نہیں ہوتی، عبادتوں سے مقصود نفس کی درستگی اور اس کی کجی کی اصلاح ہے تمام عبادتوں کا احاطہ مقصود نہیں اور عام لوگوں کے حق میں یہ محال بھی ہے اس لئے حکم دیا گیا کہ استقامت اختیار کرو تمام طاعات کا تم ہرگز احاطہ نہیں کر سکتے اور نوافل اعمال میں سے اتنے اپناؤ جو تمہارے بس میں ہوں (مشکوۃ شریف ۱/۳۹، ۱/۱۱۰۔ آدمی اگر ہر وقت عبادت میں مشغول رہے تو نفس عبادت کا عادی ہو جائیگا اور وہ ہر وقت عبادت کی حلاوت سے سرشار رہے گا تو اس کو دوسری کیفیت کا ادراک نہیں ہوگا نہ وہ عبادت کے ثمرہ سے آشنا ہوگا اس لئے وقفہ وقفہ سے عبادت کرنا زیادہ مفید ہے۔ (۴) عبادت میں غلو دین میں تعمق کا راستہ کھولتا ہے۔ شریعت سازی میں جو باتیں خاص ملحوظ رہی ہیں وہ یہ ہیکہ دین میں تعمق کا دروازہ بند ہو، تعمق کے لغوی معنی ہیں گہرائی میں اترنا، تہ میں پہنچنا اور اصطلاحی معنی ہیں احکام شرعیہ کو ان کی حدود سے متجاوز کرنا اور دین میں نئی باتیں پیدا کرنا جب کسی زمانہ کے لوگ دین کے اندر کسی امر کا اضافہ کرتے ہیں اور اس کا غایت درجہ اہتمام کرتے ہیں تو آئندہ نسل اس کو فرض تصور کرنے لگتی ہے اور اس کے بعد والی نسل کا تصور یقین سے بدل جاتا ہے پس وہ دین کا جز بن جاتی ہے اور رفتہ رفتہ دین کا حلیہ بگڑ جاتا ہے نصاریٰ میں رہبانیت اسی راہ سے داخل ہوئی تھی۔ (۵) عبادت میں جب غلو کا مزاج بنتا ہے تو آدمی یہ محسوس کرتا ہے کہ اس عبادت شاقہ کے بغیر اللہ اس سے راضی نہ ہوگا اور نہ اس کے بغیر اس کے نفس کی اصلاح ہوگی اور وہ ان ریاضتوں میں کمی کو دین میں کوتاہی تصور کرتا ہے تو اس کے ساتھ اس گمان کے مطابق معاملہ کیا جاتا ہے یعنی ان التزامات پر عمل نہ کرنے کی صورت میں مواخذہ ہوگا اور اس کے اپنے تصورات وبال جال بن جائیں گے اسی لئے حدیث شریف میں ہے ان الدین یسر ولن یشاد الدین احد الا غلبہ (مشکوۃ شریف ۱/۱۱۰) بیشک دین آسان ہے اور ہرگز دین پر غالب آنے کی کوشش نہیں کرے گا کوئی شخص مگر دین اس پر غالب آجائیگا مستفاد رحمۃ اللہ الواسعہ ۳/۵۳۷، الغرض کامیابی میانہ روی اور اعتدال میں ہے حد سے تجاوز کرنا اور بے اعتدالی اختیار کرنا مضر اور نقصان دہ ہے۔

الفصل الاول

حدیث نمبر ۱۱۷۳ ﴿نفلی عبادت میں آپ کا اعتدال﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۲۴۱

عَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يُفْطِرُ مِنَ الشَّهْرِ حَتّٰى نَظُنَّ اَنْ لَا يَصُوْمَ مِنْهُ شَيْئًا وَّيَصُوْمُ حَتّٰى نَظُنَّ اَنْ لَّا يُفْطِرَ مِنْهُ شَيْئًا وَّكَانَ لَاتَشَاءُ اَنْ تَرَاهُ مِنَ اللَّيْلِ مُصَلِّيًا اِلَّا رَاَيْتَهٗ وَلَا نَائِمًا اِلَّا رَاَيْتَهٗ. رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ.

حوالہ: بخاری ص، ۱۵۳ ج ۱، باب قیام النبی ﷺ من نومہ، کتاب التہجد، حدیث نمبر ۱۱۴۱

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کسی مہینے کے اکثر دنوں میں افطار کرتے تھے، یہاں تک ہم خیال کرتے کہ آپ ﷺ اس مہینے میں روزہ نہیں رکھیں گے، اور کسی مہینے میں اتنی کثرت سے روزہ رکھتے تھے، کہ ہم سمجھتے تھے کہ اس مہینے میں افطار نہیں کریں گے، اور نماز تہجد کے سلسلہ میں آپ ﷺ کا یہ معمول تھا کہ جب تم رات میں نماز پڑھتے دیکھنا چاہتے تو دیکھ لیتے، اور جب تم آپ ﷺ کو سوتا ہوا دیکھنا چاہتے تو دیکھ لیتے۔ (بخاری)

خلاصۂ حدیث اس حدیث سے یہ بات معلوم ہوئی کہ نفلی عبادتوں میں آپ ﷺ میانہ روی اختیار فرماتے تھے، افراط وتفریط سے گریز کرتے تھے، ہر مہینے میں بعض ایام آپ ﷺ روزہ رکھتے، اور بعض ایام افطار کرتے تھے، ایسا تو ہوتا تھا کہ

بعض مرتبہ مہینے کے اکثر ایام روزہ رکھتے اور بعض مرتبہ مہینے کے اکثر ایام افطار کی حالت میں گذارتے، لیکن ایسا نہ ہوتا تھا کہ پورا پورا مہینہ روزہ رکھ کر یا پورا مہینہ روزہ رکھے بغیر گذاردیں۔ اسی طرح رات کی عبادت کا معاملہ تھا، کچھ اوقات عبادت میں گذارتے تھے، اور کچھ اوقات آرام کرکے گذارتے تھے، یہی وہ طریقہ ہے جس پر عمل کرکے آدمی استقامت اختیار کرسکتا ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح کان رسول الله ﷺ یفطر: حدیث کے اس جز کا مقصد یہ ہے کہ آپ ﷺ روزہ رکھنے میں افراط وتفریط سے کام نہیں لیتے تھے، بلکہ مہینے کے بعض ایام میں روزہ رکھتے تھے، اور بعض ایام میں افطار کرتے تھے، اس کی وضاحت اس حدیث سے بھی ہوتی ہے۔ **جاء ثلاثة رهط الیٰ ازواج النبی ﷺ یسالون عن عبادة النبی ﷺ فلما اخبر وابها کا نهم تقالوها فقالو این نحن من النبی ﷺ وقد غفر الله ماتقدم من ذنبه وماتاخر فقال أحدهم أما أنا فاصلي الليل أبدا وقال الآخر أنا أصوم النهار أبدا وقال الآخر أفطر وقال الآخر أنا اعتزل النساء فلا اتزوج ابداً فجاء النبی ﷺ فقال انتم الذین قلتم کذا وکذا، والله انی لاخشاکم الله واتقاکم لکن اصوم وافطر واصلی وارقد واتزوج النساء فمن رغب عن سنتی فلیس منی"**

اس حدیث کا ترجمہ ومطلب حدیث ۱۳۸ کے تحت دیکھا جاسکتا ہے حدیث مذکور سے اچھی طرح اس بات کی وضاحت ہوگئی کہ آپ ﷺ نفلی روزوں میں افراط وتفریط سے کام نہیں لیتے تھے؛ بلکہ آپ ﷺ دوسروں کو بھی اس سے منع فرماتے تھے، **وکان لا تشاء ان تراه من اللیل** حدیث کے اس جز کا مقصد یہ ہے کہ آپ ﷺ رات کی عبادات میں بھی میانہ روی اختیار کرتے تھے، کچھ وقت استراحت میں گذارتے تھے اور کچھ وقت عبادت میں صرف کرتے تھے، یہی مفہوم وضاحت سے شمائل ترمذی کی حدیث میں موجود ہے **"عن انس سئل عن صوم النبی ﷺ فقال کان یصوم من الشهر حتی نری أن لا یرید ان یفطر منه ویفطر منه حتی نری ان لا یریدان یصوم منه شیئا وکنت لا تشاء ان تراه من اللیل مصلیا الارأیته مصلیا ولا نائما الاّ رأیته"** حاصل یہ ہے کہ آپ ﷺ نے سونے کا الگ اور نماز پڑھنے کا الگ وقت مقرر کررکھا تھا، اور آپ ﷺ دونوں امور انجام دیا کرتے تھے۔

اصل بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو وہ عمل پسند ہے جس پر مواظبت ہوسکے، جیسا کہ اگلی حدیث میں ہے کہ: **احب الاعمال الی الله ادومها وان قل**" جس عمل پر مواظبت ہو اگرچہ وہ کم ہو اللہ کو پسند ہے، اور مداومت اسی عمل پر ممکن ہے جو افراط وتفریط سے پاک ہو، اسی بنا پر آپ ﷺ خود بھی ہر عمل میں اعتدال کو پسند فرماتے تھے، اور صحابۂ کرام کو بھی میانہ روی کی تلقین فرماتے تھے، اس وجہ سے جب آپ ﷺ نے حضرت ابوبکرؓ کو بہت آہستہ قرآن پڑھتے ہوئے دیکھا تو ان سے فرمایا کہ "**ارفع من صوتك شیئا**" تھوڑا بلند آواز سے پڑھو، اور حضرت عمرؓ کو بہت زور سے قرآن کی تلاوت کرتے ہوئے دیکھا تو ان سے فرمایا کہ "**اخفض من صوتك شیئاً**" کچھ پست آواز میں پڑھو، مقصد یہ تھا کہ دونوں حضرات تلاوت قرآن میں آواز کے حوالے سے بھی راہِ اعتدال کو فراموش نہ کریں۔

حدیث نمبر ۱۱۷۴ ☆☆☆ عالمی حدیث نمبر ۱۲۴۲

﴿عمل پر مواظبت اللہ تعالیٰ کو پسند ہے﴾

وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَحَبُّ الْاَعْمَالِ اِلَى اللّٰهِ اَدْوَمُهَا وَاِنْ قَلَّ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حواله: مسلم، ص نمبر ۱۱ ج ۱، باب فضیلة العمل الدائم، کتاب صلوة المسافرین، حدیث نمبر ۷۸۲ مسلم ص ج ۱ باب فضیلة العمل الدائم، کتاب صلاة المسافرین حدیث نمبر ۷۸۲ .

ترجمه: حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہترین عمل وہ ہے جس پر مداومت کی جائے، اگرچہ وہ تھوڑا ہی کیوں نہ ہو۔ (بخاری ومسلم)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ عمل قلیل اگر پابندی کے ساتھ کی جائے تو وہ اس عمل کثیر سے بہتر ہے، جو بغیر پابندی کے کیا جائے، اور پابندی کے لئے لازم امر ہے کہ اعمال میں اعتدال و میانہ روی اختیار کی جائے۔

کلمات حدیث کی تشریح ادومها حدیث کے اس جز سے استدلال کر کے اہل تصوف اوراد کے ترک کو اتنا ہی برا سمجھتے ہیں جتنا برا فرائض کے ترک کو سمجھا جاتا ہے حالاں کہ حقیقت کے اعتبار سے ترک اوراد ترک فرائض میں فرق ہے، اس وجہ سے کہ فرائض کا ترک کرنے والا اللہ تعالیٰ کی ناراضگی والا عمل کرتا ہے، جس کی بنا پر وہ مستحق عتاب ہے، اس کے برخلاف ترک اوراد ایسا جرم نہیں ہے جو قابل سزا ہو، صاحب مرقات لکھتے ہیں۔ کہ ان الفاظ کے ساتھ یہ حدیث بخاری میں نہیں ہے، اسی معنی کی ایک دوسری حدیث ہے، اسی مناسبت سے اس حدیث کے بارے میں مؤلف نے متفق علیہ کہہ دیا ہے، اس معنی میں جو حدیث ہے وہ یہ ہے''
عن مسروق سألت عائشة ای الاعمال احب الی النبی ﷺ قالت الدائم ''

حدیث نمبر ١١٧٥ ﴿بقدر استطاعت نیک عمل کرنے کا حکم﴾ عالمی حدیث نمبر ١٢٤٣

وَعَنْهَاقَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ خُذُوْامِنَ الْاَعْمَالِ مَاتُطِيْقُوْنَ فَاِنَّ اللّٰهَ لَايَمَلُّ حَتّٰى تَمَلُّوْا مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حواله: بخاری ص نمبر ١٥٤ ج ١، باب احب الدین الی اللّٰه ادومه، کتاب الایمان، حدیث نمبر ٤٣ ص نمبر ٢٦٧ باب فضیلة العمل الدائم، کتاب صلاة المسافرین حدیث نمبر ٧٨٢.

ترجمه: حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ'' اعمال میں سے اس قدر اختیار کرو جس کی تمہارے اندر طاقت ہے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نہیں اکتاتے ہیں، لیکن تم اکتا جاتے ہو۔ (بخاری و مسلم)

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ نوافل میں اسی قدر اہتمام کرنا چاہئے جتنی کہ آدمی کے اندر سکت ہو، اسی وجہ سے کہ سکت سے زائد عبادت کرنے کا بسا اوقات نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ آدمی عبادت سے اکتا جاتا ہے، اور پھر بالکلیہ اس کو ترک کر دیتا ہے، مکمل ترک کرنے سے کہیں بہتر ہے کہ مستقل طور پر عبادت کی جائے۔ اگر چہ تھوڑی ہی کیوں نہ ہو۔

کلمات حدیث کی تشریح **خذو من الاعمال ماتطیقون**۔ مشکوٰۃ شریف میں حدیث کے بعض جز مذکور نہیں ہیں بخاری شریف میں یہ حدیث ہے کہ حضرت عائشہ کے پاس حضور تشریف لائے اس وقت حضرت عائشہ کے پاس ایک عورت بیٹھی ہوئی تھیں، آپ ﷺ نے حضرت عائشہ سے دریافت کیا کہ یہ کون ہیں؟ حضرت عائشہ نے جواب دیا کہ ''**فلانة تذکر من صلاتها**'' یہ فلانی عورت ہیں جن کی نماز کا بڑا چرچا ہے، یعنی یہ کثرت سے نماز پڑھتی ہیں اس پر آپ ﷺ نے فرمایا اگر یہ خطاب حضرت عائشہ کو ہے تو مطلب یہ ہے کہ منہ پر تعریف مت کرو، اور اگر اس عورت کو ہے جو حضرت عائشہ کے پاس بیٹھی تھیں، تب مطلب یہ ہے کہ اتنی زیادہ عبادت مت کرو کہ عبادت بوجھ بن جائے، پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ ''**علیکم بما تطیقون**'' اتنا عمل کرو جتنی کی سکت ہو، حافظ ابن حجر نقل کرتے ہیں کہ گذشتہ باب میں یہ بات تھی کہ ایمان و اسلام میں حسن اعمال سے آتا ہے، اب اس میں جو احادیث ہیں ان سے یہ بتانا مقصود ہے کہ اعمال مطلوب تو ہیں، لیکن اس میں اتنی کثرت نہ ہو کہ طبیعت اکتا جائے۔ (فتح الباری ص ٢٠٧ ج ١)

فَوَاللّٰهِ لَايَمَلُّ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ثواب عطا کرنے سے ہرگز اکتاتے نہیں، لیکن بندہ نیک کام کرنے سے اکتا جاتا ہے، اور اکتانے کے بعد نیک کام کرنا بند کر دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ عمل کرنے کی صورت میں جو ثواب عطا فرما رہے تھے اس کو بند کر دیتے ہیں۔

سوال: آپ ﷺ نے یہاں ''**فو اللّٰه**'' قسم کھا کر اگلی بات کیوں فرمائی، بظاہر قسم کے کھانے کا موقع سمجھ میں نہیں آتا۔

جواب: پہلی بات تو یہ ہے کہ اگر کوئی قسم نہ کھلوائے تب بھی قسم کھانا جائز ہے نیز اگر دین کے کسی معاملہ کی عظمت ثابت کرنا ہے یا کسی

نیک کام پر ابھارنا ہے، یا کسی ممنوع کام سے روکنا ہے اس کے لئے قسم کھانا مستحب ہے۔ (فتح ص ۲۰۸ ج ا)

اشکال: ملال کے معنی ہیں کسی چیز کو رغبت سے شروع کرنے کے بعد دل کی تنگی کے باعث ترک کر دینا، ظاہر بات ہے اللہ کی شان میں یہ گستاخی ہے کہ اس بارے میں یہ تصور کیا جائے کہ اللہ نے دل کی تنگی کے باعث ثواب دینا بند کر دیا، پھر کیوں فرمایا کہ "فو اللہ لا یمل حتی تملوا" یعنی جب تم اکتا جاتے ہو تب ہی اللہ تعالیٰ اکتاتے ہیں۔

جواب: یہاں اللہ تعالیٰ کے لئے لفظ ملال "مشاکلت لفظیہ" کے طور پر استعمال ہوا ہے، جیسے برائی کا بدلہ برائی نہیں ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے فرمایا "وجزاء سیئة سیئة بمثلها" اللہ تعالیٰ کے لئے ملال کا صرف اتنا مطلب ہے کہ جب بندہ نیک کام سے اکتا کر اس کو ترک کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ ثواب دینا ترک کر دیتے ہیں، تو صرف ترک کرنے کے معنی میں ملال اللہ تعالیٰ کے لئے استعمال ہوا ہے۔

(تلخیص مرقات ص نمبر ۱۵۴ ج ۳)

حدیث نمبر ۱۱۷۶ ﴿نشاط کے ساتھ نیک کام کرنے کا حکم﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۲۴۴

وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ لِيُصَلِّ اَحَدُكُمْ نَشَاطَهٗ وَاِذَافَتَرَ فَلْيَقْعُدْ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حوالہ: بخاری، ص ۱۰۴ ج ۱، باب مایکرہ من التشدید فی العبادۃ، کتاب التهجد، حدیث نمبر ۱۱۵۱ مسلم، ص نمبر ۲۶۶ ج ۱، باب امر من نعس فی صلاۃ، کتاب صلاۃ المسافرین، حدیث نمبر ۷۸۴

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم میں سے ہر ایک شخص کو چاہئے کہ جب تک نشاط ہو نماز پڑھے، اور جب تھک جائے تو بیٹھ جائے۔ (بخاری و مسلم)

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ نفس کو بہت زیادہ مشقت اور پریشانی میں ڈال کر نفلی عبادت نہ کی جائے، بلکہ رغبت ونشاط کے ساتھ جتنی نفلی عبادت ممکن ہو اس کو اختیار کیا جائے، تاکہ دل اکتا کر بالکلیہ عبادت سے محروم نہ ہوئے، کیونکہ کسی عمل کو اختیار کرنے کے بعد اس کو ترک کرنا محرومی ہوتا ہے، اسی بنا پر ایک موقع پر آپ ﷺ نے حضرت عبداللہ بن عمر بن العاص کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا کہ "یا عبداللہ لاتکن مثل فلان کا ن یقوم من اللیل فترك قیام اللیل" اے عبداللہ تو فلاں شخص کی طرح مت ہو جانا وہ تہجد کی نماز ادا کرتا تھا، پھر اس نے یہ نماز ادا کرنا ترک کر دیا۔

کلماتِ حدیث کی تشریح لیصل احدکم نشاطه، اللہ تعالیٰ کو یہ بات ناپسند ہے کہ بندہ اس کے ساتھ اکتاہٹ یا کاہلی وسستی سے سرگوشی کرے، اس لئے آپ ﷺ نے یہ بات فرمائی کہ جس وقت نشاط وچستی ہو، اور عبادت کی رغبت ہو، اس وقت عبادت کی جائے اور نفلی عبادت اسی قدر کی جائیں جس قدر نشاط کے ساتھ ممکن ہو، بخاری شریف میں حدیث کے اجزاء سے پہلے جو کلمات ہیں اس میں یہ بات ہے کہ جناب نبی کریم ﷺ مسجد میں تشریف لائے تو دیکھا کہ ایک رسی ہے جو دو ستونوں کے درمیان تنی ہوئی ہے، آپ ﷺ نے دریافت کیا "ما هذاالحبل" یہ رسی کیسی ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ یہ ام المومنین حضرت زینبؓ کی رسی ہے، جب وہ نماز میں کھڑے کھڑے تھک جاتی ہیں تو اس سے لٹک جاتی ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ رسی نہیں ہونی چاہئے، اس کو کھول دو، اس کے بعد آپ ﷺ نے وہ بات فرمائی جو یہاں مذکور ہے، یعنی "لیصل احدکم نشاطه" تم میں سے ہر شخص کو چاہئے کہ جب تک نشاط ہو نماز پڑھے، وَاِذَا فتر فلیعقد مطلب یہ ہے کہ عبادت کرتے کرتے اگر تھکاوٹ آجائے تو پھر آپ آرام کرو، اگر تھکاوٹ کے باوجود کوئی عبادت کرتا رہے گا تو اکتاہٹ میں مبتلا ہو کر عبادت سے بالکلیہ رک سکتا ہے، اسی طرح آپ ﷺ نے ایک موقع پر فرمایا "اذا نعس احدکم فی الصلاۃ فلیرقد حتی یذهب عنه النوم فان احدکم اذا صلی وهو ناعس لعله یذهب یستغفر فیسب نفسه" مطلب یہ ہے کہ اگر ہم میں سے کسی کو نماز میں اونگھ آنے لگے تو اس کو چاہئے کہ کچھ دیر کے لئے

سو جائے، تاکہ نیند کا اثر چلا جائے، ورنہ نیند کی حالت میں سمجھ نہ سکے گا، اور بجائے دعا واستغفار کے اپنے آپ کو گالی دینے لگ جائے گا، ان تمام احادیث کا مطلب یہ ہے کہ نیک اعمال میں میانہ روی اختیار کی جائے اور اعمال نشاط ورغبت کے ساتھ انجام دئے جائیں۔

حدیث نمبر ۱۱۷۷ ﴿اونگھ کی حالت میں نماز پڑھنے کی ممانعت﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۲۴۵

وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا نَعَسَ اَحَدُكُمْ وَهُوَ يُصَلِّيْ فَلْيَرْقُدْ حَتّٰى يَذْهَبَ عَنْهُ النَّوْمُ فَاِنَّ اَحَدَكُمْ اِذَا صَلّٰى وَهُوَ نَاعِسٌ لَا يَدْرِيْ لَعَلَّهُ يَسْتَغْفِرُ فَيَسُبُّ نَفْسَهُ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حواله: بخاری ص نمبر ۳۴، ج ۱، باب الوضوء من النوم، کتاب الوضوء، حدیث نمبر ۲۱۲، مسلم، ص نمبر ۲۶۷ ج ۱، باب امر من نعس صلاته، کتاب صلاة المسافرین، حدیث نمبر ۷۸۶.

ترجمه: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب نماز کی حالت میں تم میں سے کسی شخص پر اونگھ طاری ہو تو اس کو اس وقت تک سو جانا چاہئے جب تک کہ نیند کا اثر ختم ہو جائے، اس وجہ سے کہ اونگھنے کے عالم میں نماز پڑھنے کی صورت میں تم میں سے کوئی شخص نہیں سمجھ سکتا، ممکن ہے کہ وہ استغفار کا ارادہ کرے اور اپنے حق میں بد دعا کرلے۔ (بخاری ومسلم)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ اونگھ کی حالت میں نماز نہ پڑھی جائے، کیونکہ اس میں شعور مکمل طور پر بیدار نہیں رہتا، ممکن ہے کہ نمازی قرآن کی تلاوت میں غلطیاں کرے، دعائے ماثورہ میں ایسی غلطی کرے جو بجائے نفع کے نقصان کا سبب نے، لہٰذا اونگھ جب آئے تو نماز وغیرہ پڑھنے کے بجائے آرام کرے، جب نیند پوری ہو جائے تب نماز پڑھے۔

کلمات حدیث کی تشریح اذا نعس احدکم "نعاس" کے معنی اونگھ، یہ نیند کا مقدمہ ہے، اس میں آنکھ بند ہو جاتی ہے، لیکن فی الجملہ شعور باقی رہتا ہے، فلیرقد یہ امر بطور استحباب ہے، اونگھ کی حالت میں نماز پڑھنا مکروہ ہے، لیکن اگر کسی نے پڑھی تو ثواب ملے گا، فیسب نفسه اونگھ کی حالت میں آدمی دعا کے بجائے ممکن ہے اپنے حق میں بددعا کرلے، مثلاً **اللّٰھم اغفر** کے بجائے **اللّٰہ اعفر** کہے گا تو اس میں اپنے لئے ذلت وپستی طلب کرنا ہوگا اس لئے اونگھ کی حالت میں نماز پڑھنے سے منع کیا گیا ہے۔ (تلخیص مرقات ص ۱۴۱ ج ۳)

سوال: کیا اونگھ سے وضو ٹوٹ جاتا ہے،؟

جواب: وضو "نوم غالب" سے ٹوٹتا ہے اونگھ سے وضو نہیں ٹوٹتا ہے، اگر اونگھ سے وضو ٹوٹتا تو آپ یہ نہ فرماتے کہ جب اونگھ آئے تو آرام کرلو، بلکہ آپ ﷺ فرماتے کہ اونگھ سے وضو ٹوٹ گیا، لہٰذا ایسی حالت میں نماز مت پڑھو، حضرت شیخ الہند فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اونگھ طاری ہو تو لیٹ جایا کرو، اس کا یہ مطلب نہیں کہ نماز کو وہیں ناتمام چھوڑ کر سو جاؤ، بلکہ مطلب یہ ہے کہ ایسی صورت میں جلد از جلد نماز پوری کرکے اس وقت تک سو جاؤ جب تک نیند کا اثر ختم نہ ہو جائے، اس صورت میں ابطال عمل لازم نہ آئے گا، کیوں کہ ابطال عمل خود ممنوع ہے، حاصل یہ ہے کہ جس نماز میں اونگھ طاری ہو اس کو تو جلدی سے مکمل کرلیا جائے، باقی نماز آرام کرنے کے بعد جب نیند کا اثر زائل ہو جائے تب پڑھی جائے۔ یہیں سے یہ بات بھی معلوم ہوگئی کہ اونگھ سے وضو نہیں ٹوٹتا، کیونکہ اونگھ طاری ہونے کے باوجود نماز پوری کرنا یہ موقوف ہے وضو کے باقی ہونے پر۔ (مستفادہ ایضاح البخاری ص نمبر ۳۵۹ ج ۲)

حدیث نمبر ۱۱۷۸ ﴿دین میں سختی پیدا کرنے کی ممانعت﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۲۴۶

وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ الدِّيْنَ يُسْرٌ وَلَنْ يُّشَادَّ الدِّيْنَ اَحَدٌ اِلَّا غَلَبَهُ فَسَدِّدُوْا وَقَارِبُوْا وَاَبْشِرُوْا وَاسْتَعِيْنُوْا بِالْغُدْوَةِ وَالرَّوْحَةِ وَشَيْءٍ مِّنَ الدُّلْجَةِ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ.

حوالہ: بخاری ص نمبر ۱۰ ج ۱ ،باب الدین یسر ،کتاب الایمان ،حدیث نمبر ۳۹

ترجمہ: ابو ہریرہ رضی اللہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ دین آسان ہے اور دین سے مزاحمت کرنے والے پر دین غالب آجاتا ہے لہٰذا تم درست رہو، قریب الاستقامت رہو، اور صبح وشام اور رات کے کچھ حصہ سے مدد حاصل کرو۔

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ حد سے بڑھ کر عبادت کرنا یہ دین کے ساتھ شدت برتنا ہے، اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ چند دن کے بعد سب چھوڑ چھاڑ کر آدمی بیٹھ جائے گا، حافظ ابن حجرؒ نقل فرماتے ہیں کہ حدیث باب میں کمال عبادت سے روکنا مقصد نہیں ہے، کیونکہ یہ تو امور محمودہ میں سے ہے، یہاں تو ممانعت اس زیادتی کی ہے جو اکتاہٹ تک پہنچانے والی ہو، یا اس نفلی عبادت کی کثرت سے روکنا ہے جو افضل کے ترک ہونے کا باعث بنے، مثلاً رات بھر عبادت کرتا رہے جسکی بناپر اخیر رات میں نیند غالب آگئی اور فجر کی نماز جماعت سے چھوٹ گئی یا وقت مستحب نکل گیا، یا سورج طلوع ہوا جسکی بناپر وقت ہی نکل گیا۔ (فتح الباری ص نمبر ۱۹۵ ج ۱)

دین میں شدت برتنا اس صورت میں بھی ہوتا ہے کہ صرف عزائم پر عمل کیا جائے اور رخصتوں سے گریز کیا جائے۔

اعمال کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) عزیمت، (۲) رخصت، عزیمت وہ ہے جس کو شارع کی جانب سے بلالحاظ اعذار مقرر کیا گیا ہو، اور جس عمل کے اندر اعذار عبادت کا لحاظ ہو تو وہ رخصت ہے، یہ دونوں چیزیں دین میں داخل ہیں، عبدیت کا تقاضہ یہ ہے کہ دونوں پر عمل کیا جائے، عزیمت کی تلاش یہ دین میں شدت برتنا ہے جس کی ممانعت حدیث باب میں ہے۔ (مستفاد ایضاح البخاری ص ۴۳ ج ۱)

کلمات حدیث کی تشریح فسددوا اس کا مطلب یہ ہے کہ درمیانی راہ اختیار کرو صحابہ کرام بسا اوقات اعمال میں بہت آگے بڑھنے کی کوشش کرتے، تو آپ ﷺ اس بات کی تلقین فرماتے کہ اتنا ہی عمل کرو جس پر مواظبت ہو سکے۔ بعض صحابہ کو تو آپ ﷺ نے صوم وصال رکھتے دیکھا تو آپ ﷺ نے اس سے منع فرمایا وجہ یہی تھی کہ یہ چیز بس سے باہر کی ہے۔

وقاربوا: اصل بات تو یہی ہے کہ انسان میانہ روی اختیار کرے، یعنی استقامت پر عمل کرے، لیکن چونکہ ہر معاملہ میں استقامت دشوار ہے، لہٰذا آپ ﷺ نے سہولت کے لئے فرمایا "قاربوا" یعنی اگر استقامت مکمل طور پر اختیار نہ کرسکو تو استقامت کے قریب رہو

وابشروا مطلب یہ ہے کہ اگر مکمل طور پر استقامت حاصل نہ ہو پائی تو صراط مستقیم کا قرب بھی کوئی معمولی چیز نہیں ہے، اس پر بھی خوش رہو، اس قرب میں تمہارے لئے بشارت ہے، بشارت سے ہمت بلند اور عمل کرنے کی طاقت پروان چڑھتی ہے"۔

واستعینوا بالغدوۃ مشکل کام کو آسان بنانے کا طریقہ یہ ہے کہ اس کو مختلف اوقات پر تقسیم کرو، صبح اور شام اور شب کے آخیر اوقات نشاط ورغبت کے بھی ہیں، اور عبادت کی قبولیت کے بھی، لہٰذا ان اوقات میں تسبیح وتحمید کی جائے، تو انسان کے اندر دیگر اوقات میں عبادت کرنے کی خاص طاقت پیدا ہوگی۔

حدیث نمبر ۱۱۷۹ ﴿رات کا وظیفہ دن میں پورا کرنے کا بیان﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۲۴۷

وَعَنْ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ نَامَ عَنْ حِزْبِهٖ اَوْعَنْ شَیْءٍ مِّنْهُ فَقَرَأَهٗ فِیْمَا بَیْنَ صَلٰوۃِ الْفَجْرِ وَصَلٰوۃِ الظُّهْرِ كُتِبَ لَهٗ كَاَنَّمَا قَرَأَهٗ مِنَ اللَّیْلِ رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

حوالہ: مسلم، ص نمبر ۲۵۶ ج ۱ ، باب صلاۃ اللیل الخ کتاب الصلاۃ المسافرین ،حدیث نمبر ۷۴۷

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص اپنا مکمل وظیفہ یا اس کا حصہ کچھ پڑھے بغیر سو گیا، پھر اس کو فجر اور ظہر کی نماز کے درمیان پڑھ لیا، تو اس کو اس طور پر لکھا جائے گا کہ اس نے اس کو رات ہی میں پڑھا ہے۔ (مسلم)

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ جس کسی نے قرآن کی تلاوت اور اوراد یا دعاؤں کا کوئی معمول مقرر کر رکھا ہے۔ جس پر وہ رات کو مواظبت کرتا ہے، اگر کسی وجہ سے رات میں پڑھنا رہ گیا اور اس کو دن میں پڑھ لیا تو اللہ اس کے حق میں یوں

لکھ لیں گے کہ گویا اس نے رات ہی میں پڑھا ہو، اسی طرح اگر دن کا معمول ہے اور وہ چھوڑ گیا اور رات میں پورا کرلیا تو یوں شمار ہوگا جیسے اس نے دن ہی میں پڑھا ہو۔

کلمات حدیث کی تشریح

من نام عن حزبه: یعنی اپنا وظیفہ پڑھے بغیر سوگیا، او عن شیء منه وظیفہ کا کچھ حصہ رہ گیا تھا کہ نیند آگئی اور سوگیا، وظیفہ میں اوراد، اذکار، ادعیہ نفل نماز سب شامل ہیں **فقرأه فیمابین صلاة الفجر وصلاة الظهر** ، جو وظیفہ رات میں رہ گیا تھا، اس کو فجر اور ظہر کے درمیان پڑھا تو رات میں پڑھنا شمار ہوگا۔

سوال: ظہر سے پہلے کی قید کیوں ہے؟

جواب: ہمارے بعض علماء کہتے ہیں کہ ظہر سے پہلے کا وقت من جملہ رات کا حصہ بھی ہے، اسی وجہ سے زوال سے پہلے اگر روزہ کی نیت کرلی تو روزہ درست ہوتا ہے، یہ بات بھی کہی گئی ہے کہ زوال سے پہلے روزہ کی نیت اس وجہ سے نہیں معتبر ہوتی ہے کہ زوال سے پہلے کا حصہ ایک گونہ رات کا حصہ ہے، بلکہ اس لئے معتبر ہوتی ہے کہ زوال سے پہلے نیت کرنے میں نیت کا اکثر حصہ دن میں واقع ہوتا ہے، زوال کے بعد اکثر حصہ دن میں نہیں ہوتا ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ رات اور دن ایک دوسرے کے قائم مقام ہیں، رات کا فوت شدہ وظیفہ دن میں اور دن کا وظیفہ رات میں معتبر ہے اصل بات یہ ہے کہ باب کے اندر جو مضمون ہے وہ اس آیت کی طرف مشیر ہے "**وهو الذی جعل اللیل والنهار خلفة لمن اراد ان یذکر اواراد شکوراً**"

سوال: رات دن ایک دوسرے کے قائم مقام ہیں تو آپ ﷺ نے خاص طور پر رات میں فوت شدہ عبادت کا ذکر کیوں فرمایا؟

جواب: اکثر رات میں ایسا ہوتا ہے کہ نیند کے غلبہ کی وجہ سے تہجد کی نماز یا دیگر معمولات فوت ہوتے ہیں، اس وجہ سے رات کا ذکر کیا ورنہ یہ حکم رات و دن دونوں کے لئے عام ہے۔

حدیث نمبر ۱۱۸۰ ﴿معذوری کی حالت میں نماز اداکرنے کا بیان﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۲۴۸

وَعَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ صَلِّ قَائِمًا فَإِنْ لَمْ تَسْتَطِعْ فَقَاعِدًا فَإِنْ لَمْ تَسْتَطِعْ فَعَلٰى جَنْبٍ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ.

حواله: بخاری ص نمبر ۱۵۰ ج ۱ باب اذالم یطق قاعدًا ، کتاب تقصیر الصلاة ،حدیث نمبر ۱۱۱۷

ترجمه: حضرت عمران بن حصینؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ نماز کھڑے ہوکر پڑھو، اگر نہ ہوسکے تو بیٹھ کر پڑھو (بخاری)

خلاصہ حدیث

اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ معذور جس طرح نماز پڑھ سکتا ہے پڑھے، اگر قیام پر قادر ہے تو کھڑے ہوکر پڑھے۔ قیام پر قدرت نہیں تو بیٹھ کر نماز پڑھے۔ اگر اس پر بھی قدرت نہیں ہے تو کروٹ سے لیٹ کر نماز پڑھے۔

کلمات حدیث کی تشریح

صَلِّ قائماً، فرض نماز کے بارے میں حکم ہے کہ مریض ہے تو بھی اگر قیام پر قدرت ہے تو کھڑے ہوکر ہی نماز پڑھے۔ فعلی جنب بیٹھ کر نماز پڑھنے پر قدرت نہیں ہے تو کروٹ پر لیٹ کر نماز پڑھو، مقصد یہ ہے کہ نماز کسی طرح سے بھی ادا ہو جائے، تاکہ اگر کل حاصل نہیں ہو پا رہا ہو تو کل فوت بھی نہ ہو جائے۔

کروٹ پر لیٹ کر نماز پڑھنا اور ائمه کا مذهب

ائمه ثلاثه کا مذهب: اگر بیٹھ کر نماز پڑھنے پر قدرت نہیں ہے تو پھر کروٹ پر لیٹ کر نماز پڑھی جائے، اور لیٹنا اس طور پر ہو کہ چہرا قبلہ کی طرف ہو یہ ائمہ ثلاثہ کا مذہب ہے۔

دلیل: ائمہ ثلاثہ کی دلیل حدیث باب ہے جس میں آپ ﷺ نے صاف فرمایا کہ ''فعلی جنب'' یعنی جب بیٹھ کر بھی نماز پڑھنے پر قدرت نہ ہو تو پھر کروٹ پر لیٹ کر نماز پڑھی جائے۔

امام ابو حنیفہ کا مذہب: امام صاحب کے نزدیک چت لیٹ کر نماز پڑھی جائے گی، کیوں کہ اسمیں قبلہ کا استقبال زیادہ ہے، اوراس کی صورت یہ ہوگی کہ پیر قبلہ کی طرف ہوں، اور مونڈھوں کے نیچے تکیہ رکھ کر سر اونچا کر دیا جائے تاکہ نمازی کا منہ قبلہ کی سامنے ہو جائے، اور رکوع وسجدہ کا اشارسر سے کرے، آنکھ یا ابرو سے نہ کرے، سجدہ کا اشارہ رکوع سے کچھ جھکا ہوا ہو۔

دلیل: دار قطنی میں آپ ﷺ کا ارشاد ہے ''یصلی المریض قائما فان لم یستطع صلی مستلقیا رجلاہ ممایلی القبلۃ''

حدیث باب کا جواب حدیث باب جو کہ بظاہر امام صاحب کے مخالف ہے اور ائمہ ثلاثہ کے مذہب کے مطابق، حنفیہ کی طرف سے اس کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ یہ حکم خاص طور پر عمران بن حصین کو تھا، اس وجہ سے کہ وہ بواسیر کے مریض تھے، اوران کے لئے چت لیٹنا مشکل تھا، جیسا کہ بخاری شریف کی روایت میں حضرت عمران بن حصین اپنے مرض کے حوالے سے خود فرماتے ہیں کہ ''کانت بی بواسیر فسالت رسول اللہ ﷺ عن الصلاۃ'' میں نے حضور اکرم ﷺ سے دریافت کیا کہ مجھے بواسیر کا عارضہ لاحق ہے، ایسی صورت میں نماز کیسے پڑھوں؟ تو آپ ﷺ نے عمران بن حصینؓ کو جو صورت بتائی وہ حدیث باب میں نقل ہے۔

حدیث نمبر ۱۱۸۱ ﴿بیٹھ کر نماز پڑھنے میں ثواب آدھا ہے﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۲۴۹

وَعَنْهُ اَنَّهٗ سَاَلَ النَّبِیَّ ﷺ عَنْ صَلٰوۃِ الرَّجُلِ قَاعِدًا قَالَ اِنْ صَلّٰی قَآئِمًا فَهُوَ اَفْضَلُ وَمَنْ صَلّٰی قَاعِدًا فَلَهٗ نِصْفُ اَجْرِ الْقَآئِمِ وَمَنْ صَلّٰی نَآئِمًا فَلَهٗ نِصْفُ اَجْرِ الْقَاعِدِ رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ۔

حوالہ: بخاری ص نمبر ۱۵۰ ج ۱، باب صلاۃ القاعد بالایماء، کتاب تقصیر الصلاۃ حدیث نمبر ۱۱۱۶۔

ترجمہ: حضرت عمران بن حصینؓ کے بارے میں روایت ہے کہ انہوں نے آپ ﷺ سے اس شخص کے بارے میں دریافت کیا، جو کھڑے ہونے کی طاقت رکھنے کے باوجود بیٹھ کر نماز پڑھتا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ بہتر تو وہی ہے جو کھڑے ہو کر نماز پڑھے، لیکن جو شخص بیٹھ کر نماز پڑھے گا تو اس کو کھڑے ہو کر نماز پڑھنے والے کی بنسبت نصف ثواب ملے گا، اور جو شخص لیٹ کر نماز پڑھے گا اس کو بیٹھ کر نماز پڑھنے والے کی بہ نسبت آدھا ثواب ملے گا۔ (بخاری)

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ کھڑے ہو کر نماز پڑھنا سب سے بہتر ہے پھر بیٹھ کر، پھر لیٹ کر فرض نماز تو بلا عذر بیٹھ کر یا لیٹ کر درست نہیں ہے، البتہ نفل نماز بلا عذر کے بیٹھ کر ادا کرنا جائز ہے نفل نماز لیٹ کر ادا کرنا بلا عذر کے درست ہے یا نہیں اس میں ائمہ کا اختلاف ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح عن صلاۃ الرجل قاعدًا صاحب مرقات لکھتے ہیں کہ یہاں نفل نماز مراد ہے اور مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص قیام پر قادر ہے تو نفل نماز بیٹھ کر پڑھ سکتا ہے کہ نہیں آپ ﷺ نے فرمایا کہ پڑھ سکتا ہے، لیکن ثواب آدھا ملے گا۔

اشکال: صاحب مرقات کی بات سے قطع نظر اگر حدیث کے الفاظ پر غور کریں اور اس روایت کو فرض پر محمول کریں تو دو حال سے خالی نہیں۔ (۱) بلا عذر پر محمول ہے۔ (۲) عذر پر محمول ہے، اگر بلا عذر پر محمول ہے تو فرض نماز بیٹھ کر بلا عذر کے درست ہی نہیں ہے، ایسی صورت میں آدھے ثواب ملنے کا کوئی مسئلہ نہیں ہے، اور اگر عذر پر محمول ہے تو عذر والا اگر بیٹھ کر نماز پڑھ رہا ہے تو اس کو پورا ثواب ملے گا، نہ کہ آدھا ثواب، اور اگر نفل پر محمول ہے تو اگر عذر والا بیٹھ کر نماز پڑھ رہا ہے تو اس کو آدھا نہیں پورا ثواب ملے گا، اور اگر بغیر عذر کے ہے تو

بغیر عذر کے نفل بیٹھ کر پڑھتے ہیں تو آدھا ثواب ہے یہ تو ٹھیک ہے، لیکن بغیر عذر کے نفل نماز لیٹ کر پڑھنا درست نہیں ہے۔

جواب: یہ حدیث اس فرض پڑھنے والے کیلئے ہے جو معذور ہے اور اس کے لئے بیٹھ کر پڑھنے کی اجازت ہے، لیکن یہ ایسا شخص ہے جو مشقت کے بعد کھڑے ہو کر بھی پڑھ سکتا ہے، ایسی صورت میں اگر وہ رخصت پر عمل کرتا ہے تو آدھا ثواب ملے گا، اور اگر مشقت برداشت کر کے کھڑے ہو کر نماز پڑھتا ہے دوہرا اجر ملے گا، یہاں پر جو بیٹھنے کی صورت میں آدھا اجر کہا ہے یہ دوہرے کے مقابلہ میں ہے۔ ورنہ حقیقت یہ ہے کہ چونکہ یہ معذور ہے اس لئے بیٹھ کر پڑھنے کے باوجود اس کو مکمل اجر ملے گا۔

الفصل الثانی

حدیث نمبر ۱۱۸۲ ﴿پاکی کی حالت میں سونے کی فضیلت﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۲۵۰

عَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِیَّ ﷺ یَقُوْلُ مَنْ اَوٰی اِلٰی فِرَاشِهٖ طَاهِرًا وَّذَکَرَ اللّٰهَ حَتّٰی یُدْرِکَهُ النُّعَاسُ لَمْ یَتَقَلَّبْ سَاعَةً مِّنَ اللَّیْلِ یَسْأَلُ اللّٰهَ فِیْهَا خَیْرًا مِّنْ خَیْرِ الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ الا اعطاه اِیَّاهُ ذَکَرَهُ النَّوَوِیُّ فِیْ کِتَابِ الْاَذْکَارِ بِرِوَایَةِ ابْنِ السُّنِّیِّ.

حواله: عمل الیوم واللیلة لابن السنی: ص نمبر ٢٠٤ باب مایقول اذا اخذ مضجعه حدیث نمبر ٧١٧.

ترجمه: حضرت ابوامامہؓ سے روایت ہے کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا، کہ جو شخص پاکی کی حالت میں بستر پر جگہ لے، اور اللہ کو یاد کرتا رہے یہاں تک کہ نیند اس پر غالب آجائے، تو وہ رات کے جس حصہ میں بھی کروٹ لیتا ہو، اللہ تعالیٰ سے اسمیں دنیا و آخرت کی بھلائیوں میں سے جو بھی بھلائی مانگتا ہو اللہ تعالیٰ اس کو ضرور عطا فرماتے ہیں۔ اس روایت کو نووی نے کتاب الاذکار میں ابن سنی کی روایت سے نقل کیا ہے۔

خلاصہ حدیث: اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ بستر پر جانے سے پہلے وضو کر لیا جائے اور پاک صاف ہونے کی حالت میں لیٹنے کیلئے بستر پر جایا جائے، نیز جب تک نیند نہ آئے دل و زبان کو ذکر اللہ سے تر رکھا جائے، ادعیہ وغیرہ کا ورد زبان پر رہے، اگر کوئی یہ معمول بنائے گا تو اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت کی بھلائیاں اس کے لئے مقدر فرمادیں گے۔

کلمات حدیث کی تشریح: طاهرا، حدث اکبر، اور حدث اصغر دونوں سے پاک ہو، نیز گناہوں اور گندگیوں سے پاکی مراد ہے، الا اعطاه مطلب یہ ہے کہ ایسا شخص جو بھی طلب کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو ضرور عطا کریں گے، ہرگز محروم نہ کریں گے، ذکره النووی. اس روایت کو امام نووی نے نقل کیا ہے، صاحب مرقات لکھتے ہیں کہ منذری نے فرمایا کہ ترمذی نے اس روایت کو شہر بن حوشب عن ابی امامة کی سند سے نقل کیا ہے، اور حدیث کو ''حسن'' کہا ہے۔

حدیث نمبر ۱۱۸۳ ﴿جن سے اللہ تعالیٰ خوش ہوتا ہے﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۲۵۱

وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَجِبَ رَبُّنَا مِنْ رَجُلَیْنِ رَجُلٍ ثَارَ عَنْ وِطَائِهٖ وَلِحَافِهٖ مِنْ بَیْنِ حِبِّهٖ وَاَهْلِهٖ اِلٰی صَلٰوتِهٖ فَیَقُوْلُ اللّٰهُ لِمَلٰٓئِکَتِهٖ انْظُرُوْا اِلٰی عَبْدِیْ ثَارَ عَنْ فِرَاشِهٖ وَوِطَائِهٖ مِنْ بَیْنِ حِبِّهٖ وَاَهْلِهٖ اِلٰی صَلٰوتِهٖ رَغْبَةً فِیْمَا عِنْدِیْ وَشَفَقًا مِّمَّا عِنْدِیْ وَرَجُلٍ غَزَا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ فَانْهَزَمَ مَعَ اَصْحَابِهٖ فَعَلِمَ مَا عَلَیْهِ فِی الْاِنْهِزَامِ وَمَالَهٗ فِی الرُّجُوْعِ فَرَجَعَ حَتّٰی هُرِیْقَ دَمُهٗ فَیَقُوْلُ اللّٰهُ لِمَلٰٓئِکَتِهٖ انْظُرُوْا اِلٰی عَبْدِیْ رَجَعَ رَغْبَةً فِیْمَا عِنْدِیْ وَشَفَقًا مِّمَّا عِنْدِیْ حَتّٰی هُرِیْقَ دَمُهٗ رَوَاهُ فِیْ شَرْحِ السُّنَّةِ.

حواله: بغوی فی شرح السنة، ص نمبر ٤٢، ٤٣ ج ٤، باب التحریض علی قیام اللیل، کتاب الصلاة حدیث نمبر ٩٣٠

حل لغات: ثَارَ (ن) ثَوْرًا مشتعل ہونا، جوش میں آنا، یہاں بستر چھوڑنا مراد ہے، الانهزام اِنْهَزَمَ اِنْهِزَامًا، باب انفعال سے شکست کھانا

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ہمارا رب دو آدمیوں سے خوش ہوتا ہے، (۱) وہ آدمی جو تہجد کی نماز کی خاطر اپنے بچھونے اور اپنے لحاف کو چھوڑ کر اپنی محبوب اور پیاری بیوی کے پاس سے اٹھتا ہے اللہ تعالیٰ اپنے فرشتوں سے فرماتے ہیں کہ میرے اس بندہ کو دیکھ یہ تہجد کی نماز کی خاطر اپنے بستر اور بچھونے کو چھوڑ کر اپنی محبوب اور پیاری بیوی کے پاس سے اٹھتا ہے محض اس چیز کی رغبت کی بنا پر جو میرے پاس ہے اور محض اس چیز سے ڈر کر جو میرے پاس ہے، (۲) وہ آدمی جس نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کیا، پھر اپنے ساتھیوں کے ساتھ بھاگ کھڑا ہوا، پھر بھاگ کھڑے ہونے میں جو گناہ ہے اور واپس لوٹ کر جانے میں جو ثواب ہے اس کا احساس ہوا تو وہ لوٹ کر میدان جنگ میں آ گیا، اور جنگ کرتے ہوئے شہید ہو گیا، اللہ تعالیٰ اپنے فرشتوں سے فرماتے ہیں میرے اس بندہ کو دیکھ یہ میدان جنگ میں صرف اس چیز کی رغبت کی بنا پر واپس آیا جو میرے پاس ہے، اور صرف اس چیز کی خوف کی وجہ سے آیا جو میرے پاس ہے یہاں تک کہ اس کا خون بہا دیا گیا (یعنی وہ شہید ہو گیا)۔ (بغوی فی شرح السنہ)

خلاصہ حدیث اس حدیث میں ان دو لوگوں کا ذکر ہے جن سے اللہ بہت خوش ہوتے ہیں، ایک تو وہ شخص جو لذات کو چھوڑ کر تہجد کے لئے اٹھتا ہے، اور دوسرا وہ شخص جو راہ خدا میں جان نچھاور کرتا ہے، اور ان لوگوں کا یہ عمل ثواب کی امید اور عذاب کے خوف کی بنا پر ہوتا ہے، کوئی دنیوی قرائن پیش نظر قطعاً نہیں ہوتی۔

کلمات حدیث کی تشریح عجب ربنا یعنی اللہ تعالیٰ حدیث میں مذکور دو لوگوں سے یا ان کے عمل سے راضی اور خوش ہوتے ہیں، ثار عن وطائه لحاف گدے، نرم بستر، محبوب بیوی سب کچھ چھوڑ کر تہجد کی نماز کے لئے اٹھتا ہے، یہ گویا اس بات کا اقرار کرتا ہے کہ یہ سب چیزیں قبر میں اور میدان حشر میں ذرہ برابر کام آنے والی نہیں ہیں، فیقول اللہ لملائکته اللہ تعالیٰ فخر کے طور پر فرشتوں سے کہیں گے کہ یہ انسان جس کے ساتھ شیطان وساوس، نفس، شہوت کی طلب سب کچھ لگا ہے اس کے باوجود اس نے بشری تقاضوں کو پس پشت ڈالکر صفات ملائکہ کو غالب کر لیا، انکو دیکھو اور ان پر نظر کرم کرو، ان کے حق میں استغفار کرو، رغبة یعنی عبادت کرنے میں کوئی شہرت یا ریاکاری مقصود نہیں ہے، بلکہ میرے پاس جو انعامات ہیں ان کی وجہ سے مشقت برداشت کر رہا ہے، یعنی جنت، ثواب، رضاء، اور قیامت کے دن میری ملاقات کی غرض ہے اور کچھ نہیں وشفقا" اور مشقت جہنم اور عذاب کی مختلف انواع اور میری ناراضگی کے خوف سے برداشت کر رہا ہے، فعلم ما علیه جہاد میں شرکت کی، شکست ہونے لگی تو بھاگ کھڑا ہوا، لیکن بھاگنے کے نتیجہ میں جو گناہ اور عذاب ملتا ہے وہ یاد آیا اور لوٹ کر جانے میں جو ثواب اور اچھا بدلہ ملتا ہے، وہ یاد آیا چنانچہ وہ صرف رضاء الٰہی کی خاطر واپس آیا اور جام شہادت نوش کیا تو یہ بندہ اللہ کی نگاہ میں بہت محبوب ہے اور اس کا تذکرہ بھی فرشتوں میں اللہ تعالیٰ بطور فخر کے فرماتے ہیں۔

حدیث نمبر ۱۱۸۴ ﴿نبی کریم ﷺ کا بیٹھ کر نماز پڑھنا﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۲۵۲

عن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنهما. قال حدثت ان رسول اللہ ﷺ قال صلاة الرجل قاعدًا نصف الصلاة. قال فاتيته فوجد يصلي جالساً فوضعت يدي على رأسه، فقال مالك يا عبداللہ بن عمر؟ قلت حدثت يارسول اللہ انك قلت، صلاة الرجل قاعدا على نصف الصلاة، وانت تصلي قاعداً قال اجلا ولكني لست كاحد منكم رواه مسلم.

حوالہ: مسلم، ص نمبر ۲۵۳ ج ۱، باب جواز النافلة قائما وقاعداً کتاب صلاة المسافرين. حديث نمبر ۷۳۵.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ مجھ سے یہ بات بتائی گئی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بیٹھکر نماز پڑھنے والے کی نماز کھڑے ہو کر نماز پڑھنے والے کے مقابلہ میں آدھی ہوتی ہے، حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ میں حضرت نبی کریم ﷺ کی خدمت میں

حاضر ہوا تو میں نے آپ ﷺ کو بیٹھکر نماز پڑھتے ہوئے پایا، چنانچہ میں نے اپنا ہاتھ آپ ﷺ کے سر مبارک پر رکھا آپ ﷺ نے فرمایا کہ عبداللہ عمرؓ کیا بات ہے؟ میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول ﷺ مجھے یہ بات بتائی گئی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا ہے کہ بیٹھ کر نماز پڑھنے والے کی عبادت آدھی ہوتی ہے، اور آپ ﷺ ہی بیٹھ کر نماز پڑھ رہے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہاں ایسا ہی ہے، لیکن میں تمہارے جیسا نہیں ہوں۔ (مسلم)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ نفل نماز بغیر عذر کے بیٹھ کر پڑھی جاسکتی ہے، لیکن بلا عذر نماز اگر بیٹھ کر پڑھی جائے گی تو ثواب آدھا ملے گا، لیکن آپ ﷺ کا معاملہ عام انسانوں کی طرح نہیں ہے، آپ ﷺ کا بیٹھ کر نماز پڑھنا سستی کی وجہ سے نہیں تھا، بلکہ بیان جواز یا کسی اور وجہ سے تھا، اسی لئے کہا جاتا ہے کہ اگر کوئی شخص بلا عذر کے اتباع سنت کی غرض سے بیٹھ کر نفل نماز پڑھتا ہے تو ممکن ہے کہ کھڑے ہو کر نفل نماز پڑھنے سے بھی زیادہ ثواب مل جائے، کیوں کہ نفل نماز پڑھنے کا ثواب علاحدہ ہے اور اتباع سنت کا ثواب علیحدہ ہے

کلمات حدیث کی تشریح فوضعت علی راسه حضرت ابن عمرؓ نے حضور ﷺ کے سر پر اپنا ہاتھ رکھا اہل عرب میں یہ رواج تھا کہ تعجب کی بات دیکھنے پر سر پر ہاتھ رکھتے تھے، یہ کمال محبت والفت کی دلیل ہوتی تھی، اس میں توہین پہلو نہ تھا، قلت حدثت حضرت ابن عمرؓ کا مقصد یہ تھا کہ مجھے یہ معلوم ہورہے کہ بیٹھ کر نفل نماز پڑھنے میں ثواب آدھا ہے اور یہ بات آپ ﷺ کا فرمان نہیں ہے؟ یا اس میں کوئی تاویل وغیرہ ہے؟ ایسا تو نہیں ہوسکتا کہ آپ ﷺ آدھا ثواب ملنے کے باوجود بیٹھ کر نماز پڑھیں، اجل آپ ﷺ کے فرمان کا مقصد یہ ہے کہ جو بات تم کو معلوم ہوگئی ہے وہ صحیح ہے میرا فرمان ہے، اس میں کوئی تاویل بھی نہیں ہے، میں بیٹھ کر نماز پڑھ رہا ہوں، اور میرے ثواب میں کمی نہ ہوگی، یہ میری خصوصیت ہے، ذالك فضل الله یوتیه من یشاء و کان فضل الله علیك عظیماً"

الفصل الثالث

حدیث نمبر ۱۱۸۵ ﴿نماز میں راحت ھے﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۲۵۲

عَنْ سَالِمْ بْنِ اَبِیْ الْجَعْدِ قَالَ قَالَ رَجُلٌ مِنْ خُزَاعَةَ لَیْتَنِیْ صَلَّیْتُ فَاسْتَرَحْتُ فَکَاَنَّھُمْ عَابُوْ ذٰلِكَ عَلَیْهِ فَقَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ یَقُوْلُ اَقِمِ الصَّلَاةَ یَابِلَالُ اَرِحْنَا بِھَا رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ.

حواله: ابو داؤد، ص نمبر ۶۸۱ ج۲، باب فی صلاة العتمة، کتاب الدب، حدیث نمبر ۴۹۸۵

ترجمه: حضرت سالم بن ابو الجعدؓ سے روایت ہے کہ قبیلہ خزاعہ کے ایک شخص نے کہا کہ کاش کہ میں نماز پڑھوں تا کہ راحت حاصل کروں، تو لوگوں نے گویا کہ ان کی بات کو برا جانا، چنانچہ انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ "اے بلال! نماز قائم کرو، اور اس کے ذریعہ سے ہم کو راحت پہونچاؤ۔ (ابوداؤد)

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ نماز کوئی بوجھ نہیں ہے بلکہ ذریعہ راحت ہے، جو لوگ نماز کو کما حقہ ادا کرتے ہیں ان کو اس میں ایک عجیب لذت وراحت نصیب ہوتی ہے۔ خود نبی کریم ﷺ کو راحت ملتی تھی، اس وجہ سے آپ ﷺ حضرت بلالؓ سے کہتے تھے کہ نماز قائم کر کے راحت پہنچاؤ، اور یہی مقصد ان صاحب کا بھی تھا، کہ جلدی سے وقت آئے تا کہ میں نماز پڑھوں، بعض لوگ ان صاحب کے مقصد کو سمجھ نہیں سکے۔ اس وجہ سے ان کو یہ بات بری معلوم ہوئی۔

کلمات حدیث کی تشریح صلیت فاسترحت اس جملے کے دو مطلب ممکن ہیں، (۱) نماز کا وقت آجائے تا کہ نماز میں مشغول ہو کر راحت پاؤں۔ یعنی نماز میں جو لذت ہے اس سے محظوظ ہوں، یہ مطلب تو بہت اچھا ہے، (۲) جلدی

سے نماز سے فارغ ہوکر آرام کروں، اس صورت میں نماز کو بوجھ سمجھ کر اتارنا مقصود ہے، کہنے والے نے پہلے کی نفی مراد لیا تھا، لیکن کچھ لوگ سمجھ نہیں پائے، چنانچہ ان لوگوں کو یہ بات ناگوار گذری، جب لوگوں نے ناگواری کا اظہار کیا تو ان صاحب نے اپنی بات سمجھانے کیلئے رسول اکرم ﷺ کا فرمان پیش کیا، کہ آپ ﷺ بھی نماز کے قیام سے راحت حاصل کرتے تھے، اور میرا بھی یہی مقصد ہے، آپ ﷺ کو دنیا کے امور تو شاق نظر آئے تھے، لیکن نماز میں بہت راحت محسوس کرتے تھے، اسوجہ سے کہ نماز میں رب العالمین سے مناجات ہوتی ہے

باب الوتر

﴿نماز وتر کا بیان﴾

وتر کے لغوی معنی طاق کے ہیں طاق مبارک عدد ہے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے اِنَّ اللّٰہَ وِتْرٌ یُحِبُّ الْوِتْرَ (مشکوٰۃ ۱/ ۱۱۲) بیشک اللہ تعالیٰ یکتا ہیں طاق کو پسند کرتے ہیں اور اصطلاحی معنی نماز وتر کے ہیں جس کی تعداد احناف کے نزدیک تین رکعت اور امام شافعیؒ اور امام احمد کے نزدیک ایک رکعت ہے نماز وتر کی رکعتیں طاق عدد ہیں اس لئے وتر کے نام سے اس کو موسوم کیا گیا ہے، اس باب کے تحت ۲۹/ احادیث ذکر کی گئی ہیں جو تمام کی تمام نمازِ وتر کے فضائل، مسائل، اور احکام پر مشتمل ہیں، نماز وتر کے وقت نماز عشاء ہی کا وقت ہے البتہ ادائیگی میں وہ عشاء کے تابع ہے، اس کی ادائیگی نماز عشاء کے قبل صحیح نہیں ہے، احناف کے نزدیک وتر واجب ہے ، باقی ائمہ کے نزدیک سنت ہے، لیکن یہ ایسی سنت ہے جس کا ترک ان کے یہاں بھی جائز نہیں، واجب ایک فقہی اصطلاح ہے جس کا درجہ فرض اور سنت کے درمیان ہے اور یہ اصطلاح احناف نے تجویز کی ہے، دوسرے ائمہ کے یہاں واجب کی اصطلاح نہیں ہے، فرض اور واجب میں فرق یہ ہیکہ فرض کا منکر کافر ہوتا ہے اور واجب کا منکر کافر نہیں ہوتا، لیکن عمل کے اعتبار سے دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے، نماز وتر اور تہجد کے سلسلہ کی روایتوں میں شدید اختلاف ہے اس لئے مجتہدین کرام کے یہاں اس مسئلہ میں کافی اختلاف اور پیچیدگی ہے، امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام احمدؒ کے نزدیک وتر اور صلاۃ اللیل (تہجد) دو الگ الگ نماز ہیں پھر امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک وتر تین رکعتیں دو قعدوں اور ایک سلام کے ساتھ ہیں اور واجب ہیں اور امام مالکؒ کے نزدیک وتر تین رکعتیں دو سلام سے مستحب ہیں ایک سلام سے مکروہ ہیں اور وتر سنت ہیں امام احمدؒ کے نزدیک تہجد اور وتر ایک ہی نماز ہیں، فرق بس برائے نام ہے اور دونوں سنت ہیں مگر وتر زیادہ مؤکد ہے ان کے نزدیک وتر ایک تا گیارہ رکعت ہے اور صلوٰۃ اللیل بھی ہیں۔ اور ان کے پڑھنے کا طریقہ یہ ہے کہ ہر دو رکعت پر سلام پھیرے اور آخر میں ایک رکعت علیحدہ پڑھے غرض چاروں ائمہ متفق ہیں کہ وتر کی صرف ایک رکعت پڑھنا جائز نہیں کم از کم تین رکعت پڑھنا ضروری ہے قاضی ابوالطیب (شافعی) نے ایک رکعت وتر پڑھنے کو مکروہ لکھا ہے اور امام احمد اور امام مالک رحمہما اللہ کا بھی یہی قول ہے (معارف السنن ۴/۱۶۸) وتر کے وجوب کے چند دلائل (۱) انیس روایات ہیں جن میں وتر کی غایت درجہ تاکید آئی ہے مثلا **الوتر حق فمن لم یوتر فلیس منا** (مشکوٰۃ ۱/۱۱۳) وتر برحق ہے پس جو وتر نہیں پڑھتا وہ ہم میں سے نہیں آپ ﷺ نے یہ بات مکرر تین بار ارشاد فرمائی ابوداؤد نے اس کو صحیح سند سے روایت کیا ہے۔ (۲) آنحضرت ﷺ نے وتر مواظبت تامہ کے ساتھ ادا فرمائے ہیں زندگی میں ایک بار بھی ترک نہیں فرمایا: اگر وتر واجب نہ ہوتی تو بیانِ جواز کیلئے ایک بار ہی آپ ﷺ وتر ترک فرماتے تا کہ امت حقیقت حال سے واقف ہوتی۔ (۳) وتر کا وقت مقرر ہے یعنی عشاء کی نماز کے بعد سے طلوع فجر تک اس کا وقت ہے اور یہ شان فرائض کی ہے نوافل کیلئے اس طرح اوقات کی تعیین نہیں کی گئی (۴) اگر کوئی شخص وتر پڑھنا بھول جائے یا سوتا رہ جائے تو یاد آنے پر بیدار ہونے پر اس کی قضا ضروری ہے (مشکوٰۃ ۱/۱۱۳) اور یہ شان بھی فرائض کی ہے نوافل کی اگر چہ وہ سنت مؤکدہ ہوں قضا نہیں ہے۔ (۵) وتر نہ پڑھنے کی کسی مجتہد نے اجازت نہیں دی۔ جو حضرات سنت کہتے ہیں وہ بھی ترکِ وتر کے روادار نہیں، امام مالکؒ فرماتے ہیں وہ جو وتر نہیں پڑھتا اس کو سزا دی

جائیگی اور وہ مردود الشہادۃ ہے امام احمدؒ فرماتے ہیں وہ جو شخص بالقصد وتر چھوڑتا ہے وہ برا آدمی ہے اور اس کی گواہی قبول نہیں کی جانی چاہئے''(مستفاد رحمۃ اللہ الواسعہ ۴۹۳/۳، ۴۹۵) ان مذکورہ پانچوں باتوں کے مجموعہ میں غور کرنے سے وتر کی مشابہت فرض سے صاف نظر آتی ہے اور یہ بات بھی ائمہ نے تسلیم کی ہے اسی لئے ائمہ ثلاثہ سنت کے قائل ہونے کے باوجود اس کے ترک کے روادار نہیں۔ اس لئے وتر کے سنت یا واجب میں اختلاف کے باوجود حقیقت وجوب کے سب قائل ہیں۔

الفصل الاول

حدیث نمبر ۱۱۸۶ ﴿نماز وترکی تعداد رکعت﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۲۵٤

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ صَلوٰةُ اللَّيْلِ مَثْنٰى مَثْنٰى فَاِذَا خَشِيَ اَحَدُكُمُ الصُّبْحَ صَلّٰى رَكْعَةً وَّاحِدَةً تُوْتِرُ لَهُ مَاقَدْ صَلّٰى مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حوالہ: بخاری ص نمبر ۱۳۵ ج ۱، باب ماجاء فی الوتر، کتاب الوتر، حدیث نمبر ۵۱۶ مسلم ص نمبر ۱۵۷ ج ۱، باب صلاۃ اللیل کتاب صلاۃ المسافرین، حدیث نمبر ۷۵۲.

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ رات کی نماز دو دو رکعت ہے اور جب کسی کو صبح ہونے کا اندیشہ ہونے لگے تو ایک رکعت پڑھ لے۔ یہ پہلی پڑھی نمازوں کو طاق کر دے گی۔ (بخاری ومسلم)

خلاصۂ حدیث اس حدیث میں دو باتیں ہیں (۱) جو شخص تہجد کی نفل نماز پڑھے تو وہ جتنی رکعات بھی پڑھے، لیکن دو دو رکعت پڑھے۔ یعنی دو رکعت پر سلام پھیر دے، پھر دو رکعت مستقل پڑھ کر سلام پھیر دے رات میں نوافل کا یہی افضل طریقہ ہے، (۲) وتر کی نماز میں عدد طاق کا ہے، اب سوال یہ ہے کہ وتر کی رکعت کتنی ہیں۔ بعض لوگ کہتے ہیں ایک ہے بعض کہتے ہیں کہ تین ہیں، وہ بھی حدیث باب سے استدلال کرتے ہیں۔ اور جو تین کے قائل ہیں وہ اپنے اعتبار سے اس حدیث کی توجیہ کرتے ہیں۔

کلمات حدیث کی تشریح صلوۃ اللیل مثنی مثنی حدیث کے اس جزء سے استدلال کرکے امام ابو یوسفؒ، امام محمدؒ اور امام شافعیؒ وغیرہ کہتے ہیں کہ رات کی نوافل میں افضل یہ ہے کہ دو رکعت پر سلام پھیر دیا جائے، فاذا خشی احدکم، اگر صبح ہونے کا خوف ہے تو ایک رکعت مزید ملا کر وتر بنالو، تو گویا اب یہ تین رکعت ہوگئیں۔ اور یہ تین رکعات وتر کی ہوئیں۔ شوافع وغیرہ وتر کی ایک رکعت کے قائل ہیں، لہٰذا وہ کہتے ہیں کہ حدیث باب میں ایک رکعت کو وتر پڑھنے کا حکم ہے۔

وتر کی تعداد رکعت میں اختلاف ائمہ

وتر کی تعداد رکعت میں شدید اختلاف ہے، ہر فریق کے پاس بہت سے دلائل ہیں، یہاں سب دلائل اور ان کے جوابات نقل نہ کرکے صرف چند کو نمونہ کے طور پر ذکر کیا جائیگا، تحقیق کیلئے علامہ انور شاہ کشمیری کی تصنیف ''کشف الستر عن صلاۃ الوتر'' دیکھی جائے۔

حنفیہ کا مذہب: حنفیہ کے نزدیک وتر کی تین رکعات ہیں اور یہ مستقل نماز ہے، تہجد کی نماز کے تابع نہیں ہے۔

دلائل: حدیث حضرت ابن عباسؓ ''ثم اوتر بثلاث'' (مشکوۃ) (۲) عن علی کان رسول اللہ ﷺ یوتر بثلاث'' (ترمذی) (۳) عن عائشۃ قالت کان رسول اللہ ﷺ یوتر بثلث لایسلم الافی آخر ھا'' (حاکم) (۴) وتر اللیل ثلاث کوتر النھار صلاۃ المغرب'' (دار قطنی) ان دلائل سے معلوم ہوا کہ وتر تین رکعات ہیں۔

شوافع کا مذہب: شوافع وغیرہ وتر کی نماز ایک سے گیارہ تک قرار دیتے ہیں، لیکن یہ تین رکعت دو سلاموں سے پڑھی جائے گی، حاصل یہ ہے کہ ہر ایک رکعت وتر علاحدہ پڑھی جائے گی۔

دلائل: (۱) حدیث عائشہؓ "ویوتر بواحدۃ" (مشکوٰۃ) (۲) عن ابی ایوب من احب أن یوتر بخمسة فلیفعل ومن احب ان یوتر بثلاثة فلیفعل ومن احب ان یوتر بواحدة فلیفعل" (مسلم)

جوابات: جن روایات میں وتر کے سلسلہ میں "واحدۃ" کا لفظ آیا ہے یعنی ایک رکعت پڑھنا مذکور ہے ان روایات کا مقصد یہ ہے کہ دو رکعت کے بعد مزید ایک رکعت ملا کر تین رکعت کرلو، جیسا کہ حدیث باب میں بھی یہی مذکور ہے تنہا ایک رکعت پڑھنے کی تو آپ ﷺ نے صراحتاً ممانعت فرمائی ہے، فرمان نبوی ﷺ ہے" انّه علیه السلام نهیٰ عن البتیراء ان یصلی الرجل رکعة واحدة" اس حدیث میں صاف طور پر ایک رکعت پڑھنے کی ممانعت ہے، لہٰذا جہاں تک ایک رکعت وتر کا حکم ہے وہاں دونوں کو ساتھ ملا کر ایک رکعت پڑھنا مراد ہے، حضرت ابوایوبؓ کی روایت میں تہجد اور وتر دونوں کے مجموعہ پر وتر کا اطلاق ہے چنانچہ "ان یوتر بخمس" میں دو رکعت تہجد کی اور تین وتر کی ہیں، اور "ان یوتر بواحدۃ" کا مطلب یہ ہے کہ تہجد کی نماز جو دو رکعت کر کے شفعہ شفعہ پڑھی گئی وہ ایک رکعت سے طاق ہو جائے گی، یہ تاویل اس لئے ضروری ہے کہ علاحدہ ایک رکعت نماز پڑھنے کا ثبوت کسی حدیث میں نہیں ہے، بلکہ ایک رکعت علاحدہ نماز پڑھنے کی ممانعت وارد ہوئی ہے۔ (مزید تحقیق کے لئے مرقات بذل وغیرہ دیکھیں)

حدیث نمبر ۱۱۸۷ ﴿ایک رکعت وتر کا بیان﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۲۵۵

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللّٰه علیه وسلم اَلْوِتْرُ رَكْعَةٌ مِّنْ اٰخِرِ اللَّيْلِ رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

حواله: مسلم ص نمبر ۲۵۷ ج ۱، باب صلاة اللیل، کتاب صلاة المسافرین حدیث نمبر ۷۴۹

ترجمه: حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ وتر ایک رکعت ہے آخر رات میں۔ (مسلم)

خلاصۂ حدیث اس حدیث سے ایک بات تو یہ معلوم ہوتی ہے کہ وتر ایک رکعت ہے، یہ مذہب شوافع وغیرہ کا ہے، لہٰذا یہ حدیث بظاہر حنفیہ کے خلاف ہے دوسری بات حدیث سے یہ معلوم ہوئی کہ وتر اخیر رات میں پڑھنا چاہئے، وتر کا اصل وقت عشاء کی نماز کے بعد سے طلوع فجر تک ہے، لیکن افضل یہ ہے کہ وتر اخیر رات میں پڑھی جائے، لیکن اگر کسی کو اس بات کا اندیشہ ہے کہ وہ طلوع فجر سے پہلے بیدار نہ ہو سکے گا، تو اس کے لئے سونے سے پہلے پڑھ لینا بہتر ہے،

کلمات حدیث کی تشریح الوتر واحدۃ وتر ایک رکعت ہے، جن روایات میں ایک رکعت کا ذکر ہے، وہ روایات مجمل اور محتمل ہیں ان میں تاویل کرنا ضروری ہے، تا کہ جن احادیث میں ایک رکعت پڑھنے کی صراحتاً ممانعت وارد ہوئی ہے ان روایات میں مطابقت ہو جائے، اور ظاہری تعارض ختم ہو جائے، لہٰذا ملا علی قاریؒ حدیث باب میں "واحدۃ" کا مطلب بیان کرتے ہیں کہ دو رکعت جو پہلے پڑھی ہیں، ان میں ایک رکعت ملا لیا جائے۔ تو کل تین رکعت کے ذریعہ سے وتر بنے گا، من آخر اللیل مطلب یہ ہے کہ وتر کا آخری وقت رات کا اخیر حصہ ہے، یا پھر یہ مطلب ہے کہ وتر پڑھنے کا مستحب وقت رات کا آخری حصہ ہے۔

(تلخیص مرقات ص نمبر ۱۶۱ ج ۳)

حدیث نمبر ۱۱۸۸ ﴿پانچ رکعت وتر کا بیان﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۲۵۶

وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يُصَلِّيْ مِنَ اللَّيْلِ ثَلٰثَ عَشْرَةَ رَكْعَةً يُوْتِرُ مِنْ ذٰلِكَ بِخَمْسٍ لَايَجْلِسُ فِيْ شَيْءٍ اِلَّا فِيْ اٰخِرِهَا مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حواله: بخاری ص نمبر ۱۵۳ ج ۱ باب کیف صلاۃ النبی ﷺ کتاب التهجد حدیث نمبر ۱۱۴۰ مسلم ص نمبر ۲۵۴ ج ۱، باب صلاۃ اللیل وعدد رکعات النبی ﷺ، کتاب صلاة المسافرین حدیث نمبر ۷۳۷.

توجمه: حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ رات میں تیرہ رکعات نماز پڑھتے تھے، اس میں پانچ رکعت کے ذریعہ سے وتر پڑھتے تھے، ان پانچ رکعت میں صرف آخری رکعت میں آپ ﷺ بیٹھتے تھے۔ (بخاری ومسلم)

خلاصۂ حدیث آپ ﷺ کی تہجد کی رکعات کے حوالے سے مختلف احوال منقول ہیں، حدیث باب میں وتر کولیکر تیرہ رکعت کا ذکر ہے، پہلے آپ ﷺ چار چار رکعت کرکے آٹھ رکعات پڑھتے تھے، پھر پانچ رکعت پڑھتے تھے، حدیث باب سے سمجھ میں آرہا ہے، کہ یہ پانچوں رکعات وتر ہوتی تھیں، اور انمیں آپ ﷺ صرف آخری رکعت ہی میں بیٹھتے تھے، یہ حدیث بھی بظاہر حنفیہ کے خلاف ہے

کلمات حدیث کی تشریح یوتر من ذلك بخمس لا یجلس فی شیء الافی آخرها، باب کے اس جزء سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ پانچ رکعات ایک تشہد اور ایک سلام کے ساتھ پڑھتے تھے، حالانکہ یہ فضل بن عباس کی اس روایت کے خلاف ہے جس میں مذکور ہے کہ "تشهد فی کل رکعتین" (ترمذی)

اس کا جواب یہ ہے کہ ان پانچ میں سے دو تو تہجد کی رکعات ہوتی تھیں اور تین وتر کی اور یہاں جو جلوس کی نفی ہے، وہ مطلقاً تشہد کی نفی نہیں ہے، بلکہ جلوس طویل کی نفی ہے، یعنی اس جلوس کی نفی ہے جس میں ادعیہ وغیرہ پڑھکر سلام پھیرا جاتا ہے، بعض حضرات کی رائے ہے کہ دو رکعت پر جلسہ نہ ہونے کی روایت دیگر احادیث قویہ سے منسوخ ہے، ابتدا میں جائز تھا بعد میں منسوخ ہوگیا۔

حدیث نمبر ۱۱۸۹ ﴿حضورؐ کی تہجد اوروتر کی نماز﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۲۵۷

وَعَنْ سَعْدِ بْنِ هِشَامٍ قَالَ اِنْطَلَقْتُ اِلٰى عَآئِشَةَ فَقُلْتُ يَاأُمَّ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْبِئِيْنِيْ عَنْ خُلُقِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ قَالَتْ اَلَسْتَ تَقْرَءُ الْقُرْاٰنَ قُلْتُ بَلٰى قَالَتْ فَاِنَّ خُلُقَ نَبِيِّ اللّٰهِ ﷺ كَانَ الْقُرْاٰنَ قُلْتُ يَاأُمَّ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْبِئِيْنِيْ عَنْ وِتْرِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَتْ كُنَّا نُعِدُّلَهٗ سِوَاكَهٗ وَطَهُوْرَهٗ فَيَبْعَثُهُ اللّٰهُ مَاشَآءَ اَنْ يَّبْعَثَهٗ مِنَ اللَّيْلِ فَيَتَسَوَّكُ وَيَتَوَضَّأُ وَيُصَلِّيْ تِسْعَ رَكَعَاتٍ لَايَجْلِسُ فِيْهَا اِلَّا فِي الثَّامِنَةِ فَيَذْكُرُ اللّٰهَ وَيَحْمَدُهٗ وَيَدْعُوْهُ ثُمَّ يَنْهَضُ وَلَا يُسَلِّمُ فَيُصَلِّي التَّاسِعَةَ ثُمَّ يَقْعُدُ فَيَذْكُرُ اللّٰهَ وَيَحْمَدُهٗ وَيَدْعُوْهُ ثُمَّ يُسَلِّمُ تَسْلِيْمًا يُسْمِعُنَا ثُمَّ يُصَلِّيْ رَكْعَةً يَابُنَيَّ فَلَمَّا اَسَنَّ ﷺ وَاَخَذَ اللَّحْمُ اَوْتَرَ بِسَبْعٍ وَّصَنَعَ فِي الرَّكْعَتَيْنِ مِثْلَ صَنِيْعِهٖ فِي الْاُوْلٰى فَتِلْكَ تِسْعٌ يَابُنَيَّ وَكَانَ نَبِيُّ اللّٰهِ ﷺ اِذَا صَلّٰى صَلٰوةً اَحَبَّ اَنْ يُّدَاوِمَ عَلَيْهَا وَكَانَ اِذَا غَلَبَهٗ نَوْمٌ اَوْوَجْعٌ عَنْ قِيَامِ اللَّيْلِ صَلّٰى مِنَ النَّهَارِ ثِنْتَيْ عَشْرَةَ رَكْعَةً وَلَا اَعْلَمُ نَبِيَّ اللّٰهِ ﷺ قَرَأَ الْقُرْاٰنَ كُلَّهٗ فِيْ لَيْلَةٍ وَلَا صَلّٰى لَيْلَةً اِلَى الصُّبْحِ وَلَا صَامَ شَهْرًا كَامِلًا غَيْرَ رَمَضَانَ رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

حواله: مسلم، ص نمبر ۲۵۶ ج ۱، باب صلاۃ اللیل، کتاب صلاۃ المسافرین حدیث نمبر ۷۴۶۔

توجمه: حضرت سعد بن ہشامؒ سے روایت ہے کہ میں حضرت عائشہؓ کے پاس گیا، میں نے کہا کہ اے ام المؤمنین مجھے اللہ کے رسول ﷺ کے اخلاق کے بارے میں بتائیے۔ حضرت عائشہؓ نے سوال کیا کیا تم نے قرآن نہیں پڑھا؟ میں نے کہا کہ کیوں نہیں، کہا کہ نبی کریم ﷺ کے اخلاق قرآن تھا، میں نے کہا کہ ام المؤمنین مجھ کو رسول اللہ ﷺ کے وتر کے بارے میں بتایئے تو ام المؤمنین نے فرمایا کہ ہم آپ ﷺ کیلئے مسواک اور آپ ﷺ کے وضو کا پانی تیار رکھتے اللہ تعالیٰ جب چاہتے رات میں ان کو نیند سے بیدار فرماتے آپ ﷺ مسواک کرتے وضو کرتے اور نو رکعت نماز پڑھتے صرف آٹھویں میں بیٹھتے اللہ کو یاد کرتے اس کی تعریف کرتے اور اس سے دعا مانگتے۔ پھر سلام پھیرتے اور ہم کو سناتے، پھر سلام کے بعد دو رکعت بیٹھ کر پڑھتے۔ یہی گیارہ رکعات ہیں، اے بیٹے، جس وقت آپ کی عمر زیادہ ہوئی اور بدن بھاری ہوا تو آپ سات رکعت وتر پڑھتے اور دو رکعت اسی طرح پڑھتے جس طرح پہلے پڑھتے تھے، تو یہ نو رکعات ہوتیں، اور نبی کریم ﷺ جس وقت کوئی نماز پڑھتے تو اس بات کو پسند کرتے تھے، کہ اس پر مداومت اختیار کریں اور جب نیند یا بیماری آپ ﷺ پر غالب آجاتی

اور رات میں نماز نہ پڑھ پاتے تو دن میں بارہ رکعت نماز پڑھتے اور میں نہیں جانتی کہ آپ ﷺ نے پورا قرآن ایک رات میں ختم کیا ہو، اور نہ آپ ﷺ نے رات سے لے کر صبح تک نماز پڑھی اور نہ آپ ﷺ نے رمضان کے علاوہ کسی مہینے میں مکمل روزے رکھے۔ (مسلم)

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اچھی خصلتوں اور عمدہ باتوں کی تعلیم دی ہے وہ سب چیزیں نبی اکرم ﷺ کی ذات میں کامل طور پر جمع تھیں، آپ ﷺ گیارہ رکعت تہجد کی وتر کے ساتھ عموماً پڑھتے لیکن جب بوڑھاپا ہوا تو وتر کے ساتھ نو رکعت پڑھنے کا معمول کیا، حدیث باب میں وتر کے بعد دو رکعت مزید نماز پڑھنے کا ذکر ہے یہ آپ ﷺ کا دائمی عمل نہ تھا بلکہ کبھی کبھار ایسا کیا ہے، دائمی عمل یہی تھا کہ شب کے اخیر میں آپ ﷺ وتر کی پڑھتے تھے۔

کلمات حدیث کی تشریح کان خلقه القرآن، قرآن کریم میں جن اخلاق حسنہ کا تعلیمات وارد ہوئی ہیں وہ سب آپ ﷺ میں جمع تھے، مثلاً **خذ العفو وأمر بالمعروف وأعرض عن الجاهلين واصبر علىٰ ما اصابك فاعف عنهم واصفح** وغیرہ آپ ﷺ ان تمام اخلاق حسنہ کے پیکر تھے، **لايجلس فيها الافى الثامنة** حدیث کے اس جز سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف آٹھویں رکعت میں تشہد پڑھتے تھے اور پھر نویں میں بیٹھ کر سلام پھیرتے تھے لیکن صحیح بات یہ ہے کہ آپ ہر دو رکعت پر بیٹھتے تھے لیکن چوں کہ سائل نے وتر کے بارے میں دریافت کیا ہے تو وتر میں آٹھویں رکعت پر ہی جلوس فرماتے تھے، اور یہ جلوس بدون سلام کے ہوتا تھا، اور پھر نویں میں سلام پھیرتے تھے، تو حاصل یہ نکلا کہ ساتویں آٹھویں اور نویں رکعت جو کہ وتر ہیں ان میں آپ صرف آٹھویں میں جلوس فرماتے تھے اور نویں میں جلوس فرما کر سلام پھیرتے تھے، بقیہ پہلے کی جو چھ رکعت ہیں ان میں جلوس فرماتے تھے کہ نہیں اس کا یہاں کوئی ذکر نہیں ہے، کیونکہ سائل نے اس بارے میں پوچھا بھی نہیں ہے۔ **ثم يسلم ركعتين بعد ما يسلم** حدیث کے اس جز سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ وتر کے بعد میں دو رکعت پڑھتے تھے جب کہ آپ ﷺ کا خود فرمان ہے "**اجعلوا آخر صلاتكم بالليل وترا**" یعنی وتر کے بعد رات میں کوئی نماز نہ پڑھو، سب سے آخیر میں وتر کی نماز پڑھو، امام نوویؒ اس ظاہری تضاد کو دور کرنے کے لئے یہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ کا وتر کے دو رکعت پڑھنا بیان جواز کے لئے تھا، عام معمول نہ تھا، لیکن وتر کو اخیر میں اس وقت رکھا جب کہ تہجد کے وقت وتر پڑھی جائے اور کوئی شخص عشاء کے بعد وتر پڑھ رہا ہے تو دو رکعت پڑھ لے اگر تہجد میں نہ اٹھ سکے گا تو یہ دو رکعت نفل اس کے قائم مقام ہوگی اور اگر اٹھ جائے تو تہجد پڑھے، کوئی ممانعت نہیں ہے۔ واللہ اعلم

اذا اصلى صلاة احب ان يداوم یعنی آپ ﷺ کسی نفلی عمل کو اختیار کرتے تو خود بھی اس پر مواظبت فرماتے اور امت کو آپ ﷺ نے اسی بات کی تلقین فرمائی کہ اعمال صالحہ پر مداومت کی جائے، یہی وجہ ہے کہ نوافل میں آپ ﷺ نے جن لوگوں کو غلو کرتے ہوئے دیکھا ان کو تنبیہ فرمائی، ایک موقع پر آپ ﷺ نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ کو نصیحت فرمائی کہ **ياعبدالله لاتكن مثل فلان كان يقوم من الليل فترك قيام الليل** "اے عبداللہ تم فلاں کی طرح مت ہو جانا وہ پہلے تہجد کی نماز پڑھتا تھا پھر اس نے تہجد کی نماز پڑھنا چھوڑ دیا، حاصل یہ ہے کہ نوافل پر آپ خود بھی مواظبت فرماتے تھے، اور امت کو بھی اس کی تلقین فرماتے تھے، **ولا صام شهرا كاملا غير رمضان**، رمضان کے علاوہ آپ ﷺ کسی مہینہ میں مکمل روزہ نہیں رکھتے تھے، البتہ شعبان کا تقریباً پورا مہینہ روزہ رکھ کر گذارتے تھے جن روایات میں شعبان کے پورے مہینے میں روزہ رکھنے کا ذکر ہے وہاں یہی مراد ہے کہ شعبان کے مہینہ میں اکثر ایام روزہ رکھتے، نہ کہ کامل و مکمل پورا مہینہ روزہ رکھتے تھے۔

حدیث نمبر ۱۱۹۰ (رات کی آخری نماز وتر) عالمی حدیث نمبر ۱۲۵۸

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ اجْعَلُوْا اٰخِرَ صَلٰوتِكُمْ بِاللَّيْلِ وِتْرًا رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

حوالہ: مسلم، ص نمبر ۲۵۷ ج ۱، باب صلاۃ اللیل الخ. کتاب صلاۃ المسافرین، حدیث نمبر ۷۵۱

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ رات کی نماز میں اپنی آخری نماز وتر کو بناؤ۔ (مسلم)

خلاصۂ حدیث عشاء کی نماز کے بعد جو سنن و نوافل ہیں ان کو پہلے پڑھ لو، وتر کو بعد میں پڑھو، وتر کے بعد کوئی نماز نہ پڑھو، یہ امر مستحب ہے واجب نہیں ہے، اگر تہجد میں وتر پڑھی جارہی ہے تب تو سب سے اخیر میں وتر پڑھی جائے لیکن اگر کوئی سونے سے قبل پڑھ رہا ہے تو وتر کے بعد دو رکعت نفل پڑھ لے، تو تہجد میں نہ اٹھ پانے کی شکل میں اس کو تہجد کا ثواب ملے گا۔

کلمات حدیث کی تشریح اجعلوا آخر صلاتکم حدیث کے اس جز سے یہ بات معلوم ہو رہی ہے کہ وتر کے بعد کوئی نماز نہ پڑھی جائے، حالانکہ گذشتہ حدیث میں یہ بات گذری کہ حضور ﷺ وتر کے بعد دو رکعت نفل پڑھتے تھے۔ حضور ﷺ کا دو رکعت نماز نفل وتر کے بعد پڑھنا بیان جواز کے لئے تھا۔

حدیث نمبر ۱۱۹۱ ﴿وتر کی نماز طلوع فجر سے پہلے پڑھنے کا حکم﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۲۵۹

وَعَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ بَادِرُوا الصُّبْحَ بِالْوِتْرِ رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

حوالہ: مسلم ص نمبر ۱۲۵۷ ج ۱، صلاۃ اللیل کتاب المسافرین، حدیث نمبر ۷۵۰.

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا کہ صبح ہونے سے پہلے وتر جلدی سے پڑھو۔ (مسلم)

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ صبح صادق کے طلوع سے پہلے عجلت سے وتر پڑھ لو، کہیں ایسا نہ ہو کہ صبح ہو جائے اور وتر فوت ہو جائے، اگر وتر فوت ہوگئی تو حنفیہ کے نزدیک اسکی قضا لازم ہوگی۔ لہٰذا یہ حکم حنفیہ کے نزدیک بطور وجوب کے ہے

کلمات حدیث کی تشریح بادروا الصبح بالوتر مطلب یہ ہے کہ صبح ہونے سے پہلے وتر جلدی سے پڑھ لو، حنفیہ کے نزدیک وتر کی نماز واجب ہے لہٰذا یہ امر بطور وجوب کے ہے چنانچہ اگر کسی شخص کی وتر کی نماز فوت ہوگئی تو اس پر قضا لازم ہوگی اگر کسی شخص کی وتر فوت ہوگئی اور وہ شخص صاحب ترتیب ہے اس کو وتر کا فوت ہونا یاد تھا۔ لیکن اس نے وتر کی ادائیگی سے قبل فجر کی نماز پڑھی تو فجر کی نماز درست نہ ہوگی۔ (مرقات ص نمبر ۱۶۴ ج ۳)

حدیث نمبر ۱۱۹۲ ﴿اوّل شب میں وتر پڑھنا﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۲۶۰

وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ خَافَ اَنْ لَّا يَقُوْمَ مِنْ اٰخِرِ اللَّيْلِ فَلْيُوْتِرْ اَوَّلَهٗ وَمَنْ طَمِعَ اٰخِرَهٗ فَلْيُوْتِرْ اٰخِرَ اللَّيْلِ فَاِنَّ صَلٰوةَ اٰخِرِ اللَّيْلِ مَشْهُوْدَةٌ وَذٰلِكَ اَفْضَلُ رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

حوالہ: مسلم، ص نمبر ۲۵۸ ج ۱، باب صلاۃ اللیل، کتاب صلاۃ المسافرین، حدیث نمبر ۷۵۵

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص کو اس بات کا خطرہ ہو کہ وہ آخیر رات میں اٹھ نہ سکے گا تو اس کو چاہئے کہ اول شب میں وتر پڑھ لے اور جس کو اس بات کا توقع ہو کہ وہ اخیر شب میں اٹھ جائے گا تو اس کو چاہئے کہ اخیر رات میں وتر پڑھ لے۔ اس وجہ سے کہ اخیر رات کی نماز مشہودہ ہوتی ہے اور یہ افضل ہے۔ (مسلم)

خلاصۂ حدیث وتر کی نماز کا اصل وقت عشاء کے بعد سے طلوع فجر تک ہے۔ لیکن افضل اور بہتر یہ ہے کہ اخیر رات میں تہجد کی نماز کے بعد وتر پڑھی جائے یہی آپ ﷺ کا عمومی عمل تھا، لیکن اگر کسی کو اس بات کا اندیشہ ہے کہ وہ اخیر رات میں بیدار ہو سکے گا، اور وتر فوت ہو جائے گی تو اس کے لئے یہی بہتر ہے کہ وہ عشاء کے بعد وتر پڑھ لے، اس کے بعد سوئے۔

کلمات حدیث کی تشریح فلیوتر اوله. اگر وتر کے فوت ہونے کا خطرہ ہے تو شروع رات میں وتر پڑھ لو، اس بات سے وتر کا واجب ہونا معلوم ہوتا ہے یہی امام ابوحنیفہ کا مذہب ہے۔ مشہودہ اخیر شب میں فرشتے حاضر ہوتے ہیں

اس وجہ سے یہ نماز مشہودہ ہے، اس وقت دن اور رات کے فرشتے موجود ہوتے ہیں و ذالك الفضل چونکہ اس وقت فرشتوں کی کثرت ہوتی ہے اور یہ مصلی کے حق میں استغفار کرتے ہیں، اور برکت ورحمت کی دعا کرتے ہیں اس لئے اس وقت وتر پڑھنا افضل ہے۔

حدیث نمبر ۱۱۹۳ ﴿آپ ﷺ کے وتر پڑھنے کا وقت﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۲٦۱

وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ مِنْ كُلِّ اللَّيْلِ اوتر رسول الله صلى الله عليه وسلم من اول الليل وَاَوْسَطِهٖ وَاٰخِرِهٖ وانتهٰى وِتْرُهٗ اِلَى السَّحْرِ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حواله: بخاری ص نمبر ۱۳٦ ج ۱، باب ساعات الوتر، کتاب الوتر، حدیث نمبر ۹۹٦، مسلم، ص نمبر ۲۵۵ ج ۱، باب صلاة الليل، وعدد ركعات النبی ﷺ، کتاب صلاة المسافرین. حدیث نمبر ۷٤۵

ترجمه: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے شروع رات میں، درمیان شب میں، اور اخیر شب میں بھی وتر کی نماز پڑھی ہے، وتر کے سلسلہ میں آپ ﷺ کا آخری معمول یہ تھا کہ آپ سحر کے قریب پڑھتے تھے۔ (بخاری ومسلم)

خلاصہ حدیث چونکہ عشاء کے بعد سے اخیر رات تک وتر کا وقت ہے لہٰذا کسی بھی وقت ادا کی جاسکتی ہے، اسی وجہ سے آپ ﷺ نے بھی حسب سہولت رات کے مختلف اوقات میں وتر پڑھی ہے، لیکن چونکہ افضل اخیر رات میں وتر پڑھنا ہے اس لئے آپ ﷺ کا آخری معمول یہی تھا کہ آپ ﷺ سحر کے قریب وتر پڑھتے تھے۔

کلمات حدیث کی تشریح وانتهى وتره الى السحر یہاں یہ بات ہے کہ حضور ﷺ کا آخری معمول یہ تھا کہ آپ ﷺ سحر کے قریب نماز وتر پڑھتے تھے، جبکہ گذشتہ روایات میں آپ ﷺ کا یہ فرمان گذرا کہ وتر اخیر رات میں پڑھو صاحب مرقات لکھتے ہیں کہ دونوں میں کوئی تضاد نہیں ہے، اس وجہ سے کہ اخیر رات سے مراد، سدس آخر، یعنی رات کا چھٹا حصہ مراد ہے۔ اور رات کا چھٹا حصہ اور اخیر سحر دونوں کو شامل ہے۔

حدیث نمبر ۱۱۹٤ ﴿وتر کے بارے میں ایک وصیت﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۳٦۲

وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ اَوْصَانِيْ خَلِيْلِيْ بِثَلٰثٍ صِيَامِ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ مِنْ كُلِّ شَهْرٍ وَرَكْعَتَيِ الضُّحٰى وَاَنْ اُوْتِرَ قَبْلَ اَنْ اَنَامَ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حواله: بخاری، ص نمبر ۲٦٦ ج ۱، باب صیام البیض، کتاب الصوم، حدیث نمبر ۱۹۸۱، مسلم ص نمبر ۲۵۰ ج ۱، باب استحباب الضحٰی کتاب صلاة المسافرین، حدیث نمبر ۷۲۱

ترجمه: حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا کہ میرے خلیل (میرے جگری دوست) نے مجھے تین چیزوں کی وصیت فرمائی ہے۔ (۱) ہر مہینے میں تین دن روزہ رکھنے کی (۲) چاشت کی دو رکعت نماز پڑھنے کی۔ (۳) سونے سے پہلے وتر پڑھنے کی۔ (بخاری ومسلم)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ آپ ﷺ نے حضرت ابو ہریرہؓ کو خاص طور پر ایام بیض کے روزے رکھنے، چاشت کی نماز دو رکعت پڑھنے کی اور وتر آخر رات کے بجائے شروع رات میں پڑھنے کی تاکید فرمائی، حضرت ابو ہریرہؓ کو یہ خصوصی حکم اسلئے تھا کہ وہ احادیث مبارکہ یاد کرنے میں مشغول رہتے تھے، جسکی وجہ سے اخیر شب میں ان کیلئے بیدار ہونا مشکل ہوتا تھا۔

کلمات حدیث کی تشریح اوصانی خلیلی خلیل کے معنی جگری دوست، مراد یہ ہے کہ میرے محبوب حضرت محمد ﷺ نے مجھے وصیت کی۔

اشکال: آپ ﷺ نے فرمایا کہ "لو كنت متخذ اخليلا غير ربي لا تخذت ابابكر خليلا" اگر میں اللہ کے علاوہ کسی کو خلیل بناتا تو وہ ابوبکر ہوتے، معلوم ہوا کہ آپ ﷺ نے کسی کو خلیل نہیں بنایا ہے، پھر ابو ہریرہؓ آپ ﷺ کو اپنا خلیل کیوں کہہ رہے ہیں؟

جواب: خلیل کا مطلب یہ ہے کہ جس کی محبت دل کی گہرائیوں میں اتری ہوئی ہو۔آپ ﷺ نے اپنے فرمان میں اپنے لئے اس بات کو ذکر کیا ہے کہ میں کسی کو خلیل بناتا تو وہ ابوبکرؓ ہوتے، اور جب ابوبکر کو نہیں بنایا تو کسی کو نہیں بنایا'' لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ صحابہؓ نے آپ ﷺ کو اپنا خلیل نہ بنایا ہو، ابوہریرہؓ نے آپ کو اپنا خلیل بنایا تھا، اس لئے انہوں نے فرمایا کہ میرے خلیل یعنی حضور ﷺ نے مجھ کو یہ نصیحت فرمائیں، خلیل ہونے کیلئے جانبین سے تعلق ضرور نہیں ہے، ایک جانب سے خلیل ہوسکتا ہے۔(فتح الملهم: ص:نمبر ۲۸۰ ج۲)

صیام ثلاثة ایام: آپ ﷺ نے پہلی نصیحت یہ کی کہ ہر مہینے میں تین دن روزہ رکھو۔اس سے ایام بیض کے روزے مراد ہیں، وروہ ہر مہینے کی ۱۳/۱۴/۱۵/ تاریخوں کو رکھنا مستحب ہے۔ (ابوداؤد ص نمبر ۳۳۲ ج۱)

ور کعتی الضحی: اشراق کی دو رکعت نماز مراد ہے، اشراق کی نماز کم از کم دو رکعت اور زیادہ سے زیادہ آٹھ رکعت ہے، فتح مکہ کے موقع پر آپ ﷺ نے آٹھ رکعت نماز پڑھی، جیسا کہ مسلم کی روایت میں ہے کہ ''فصلی ثمان رکعات'' حضرت ابوہریرہؓ علوم دینیہ میں کثرت سے اشتغال فرماتے تھے، خاص طور پر احادیث نبویہ کے حفظ میں اپنے اوقات صرف کرتے تھے، اس وجہ سے آپ ﷺ نے ان کو تاکید کی کہ تم اقل کا اہتمام کرو، یعنی صرف دو رکعت نماز اشراق ادا کرو، وان اوتر قبل ان انام آپ ﷺ کا فرمان گذر چکا کہ'' من خاف ان لایقوم من آخر اللیل فلیوتر اوله'' جس کو اس بات کا خطرہ ہو کے وہ آخر شب میں بیدار نہ ہوسکے گا وہ وتر اول شب میں پڑھے، اور وتر پڑھنے کے بعد سوئے، چونکہ ابوہریرہؓ اوائل شب ہی سے حفظ حدیث میں مشغول ہوجاتے تھے، لہٰذا ان کو یہ خطرہ ہوتا تھا کہ اخیر شب میں بیدار نہ ہوسکیں گے، اس لئے آپ ﷺ نے حضرت ابوہریرہؓ کو وصیت کی کہ تم وتر سونے سے پہلے پڑھ لیا کرو، یہیں سے معلوم ہوا کہ علم دین میں مشغول رہنا بہت سے نوافل و مستحبات سے افضل ہے۔

الفصل الثانی

حدیث نمبر ۱۱۹۵ ﴿وتر میں آپ ﷺ کی قرأت﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۲۶۳

عَنْ غُضَيْفِ بْنِ الْحَارِثِ قَالَ قُلْتُ لِعَآئِشَةَ اَرَاَيْتِ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ يَغْتَسِلُ مِنَ الْجَنَابَةِ فِيْ اَوَّلِ اللَّيْلِ اَمْ فِيْ اٰخِرِهٖ قَالَتْ رُبَّمَا اغْتَسَلَ فِيْ اَوَّلِ اللَّيْلِ وَرُبَّمَا اغْتَسَلَ فِيْ اٰخِرِهٖ قُلْتُ اللّٰهُ اَكْبَرُ الحمد لله الذی جعل فی الأمر سعة قلت كان یوتر اَوَّلَ اللَّيْلِ اَمْ فِيْ اٰخِرِهٖ قَالَتْ رُبَّمَا اَوْتَرَ فِيْ اَوَّلِ اللَّيْلِ وَرُبَّمَا اَوْتَرَ فِيْ اٰخِرِهٖ قُلْتُ اللّٰهُ اَكْبَرُ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ جَعَلَ فِي الْاَمْرِ سَعَةً قُلْتُ كَانَ يَجْهَرُ بِالْقِرَاءَةِ اَمْ يَخْفِتُ قَالَتْ رُبَّمَا جَهَرَ به وربما خفت قلت الله اكبر الحمدُ لله الذی جعل فِي الْاَمْرِ سَعَةً رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَرَوَى ابْنُ مَاجَةَ الْفَصْلَ الْاٰخِيْرَ.

حواله: ابو داؤد، ص نمبر ۲۹/۳۰ ج۱، باب فی الجنب یؤخر الغسل كتاب الطهارة حديث نمبر ۲۲۶. ابن ماجه ص نمبر ۹۶ باب ماجاء فی القرأة فی صلاة اللیل. ماجاء فی قیام شهر رمضان حديث نمبر ۱۳۰۴

ترجمہ: حضرت غضیف بن حارث سے روایت ہے کہ میں نے حضرت عائشہ سے عرض کیا آپؓ نے رسول اللہ ﷺ کا کیا معمول دیکھا؟ آپ غسل جنابت اول شب میں فرماتے تھے یا آخر شب میں؟ حضرت عائشہ نے جواب دیا کہ کبھی آپ ﷺ شروع رات میں غسل فرماتے تھے، اور کبھی آخر شب میں غسل فرماتے تھے، میں نے کہا اللہ اکبر تمام تعریف اللہ ہی کے لئے ہے جس نے دین میں ایسی کشادگی رکھی، پھر میں نے دریافت کیا کہ آپ ﷺ وتر اول رات میں پڑھتے تھے یا آخر رات میں؟ حضرت عائشہ نے جواب دیا کہ کبھی وتر آپ اول رات میں پڑھتے تھے اور کبھی آخر شب میں پڑھتے تھے، میں نے کہا کہ اللہ اکبر تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں جس نے دین میں اس قدر گنجائش رکھی پھر میں نے دریافت کیا کہ آپ ﷺ تہجد کی نماز میں بلند آواز سے قرأت فرماتے تھے یا آہستہ آواز سے قرأت فرماتے تھے؟ حضرت عائشہؓ نے جواب دیا کہ آپ ﷺ کبھی بلند آواز سے قرأت فرماتے تھے، اور کبھی پست آواز سے قرأت

فرماتے تھے، میں نے کہا اللہ اکبر تمام تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جس نے دین میں اس قدر وسعت رکھی ہے (ابوداؤد) ابن ماجہ نے صرف روایت کا آخری حصہ نقل کیا ہے۔

خلاصۂ حدیث اس حدیث سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ ''الدین یسر'' ہمارا دین بہت آسان ہے، اس حدیث میں تین سوال راوی نے کئے تینوں کے ایسے جوابات ملے جس سے دین کے سہل اور آسان ہونے کا علم ہوتا ہے، چنانچہ تینوں مرتبہ سائل نے اس بات کا اعتراف کیا کہ اللہ نے اس دین کو بہت آسان بنایا ہے، پہلے سوال و جواب سے معلوم ہوا کہ غسل جنابت، جنابت لاحق ہونے کے فوراً بعد لازم نہیں ہے، شروع رات میں بھی غسل کیا جاسکتا ہے، اور اس بات کی بھی گنجائش ہے کہ تاخیر کر کے غسل کیا جائے، دوسرے سوال و جواب سے معلوم ہوا کہ تہجد کی نماز میں جہراً یا سراً کسی ایک طرح کی قرأت کی پابندی لازمی نہیں ہے۔ آدمی اپنی سہولت کے اعتبار سے جو طریق چاہے اختیار کرے۔

کلمات حدیث کی تشریح ربما اغتسل آپ ﷺ کبھی جنابت لاحق ہونے کے فوراً بعد غسل فرماتے تھے اور کبھی صرف وضو کر کے سو جاتے تھے، اور پھر بیدار ہو کر غسل کرتے تھے۔

اشکال: ممکن ہے کہ حضرت عائشہؓ کی مراد یہ ہو کہ بعض مرتبہ جنابت کی حالت شروع شب میں پیش آتی تھی، اور بعض مرتبہ آخیر شب میں چنانچہ، جس وقت آپ کو جنابت پیش آتی اس وقت آپ غسل فرماتے تھے۔

جواب: عقلاً تو اس بات کا احتمال ہے لیکن یہ معنی اسلئے مراد نہیں کہ سائل نے جواب سنکر ''الحمدللہ الذی الخ'' کہا جس سے معلوم ہوا کہ حضرت عائشہ نے جو جواب دیا اسمیں بڑی وسعت تھی، اور وسعت اسی وقت ہوگی جب وہ معنی مراد لئے جائیں جو پہلے نقل ہوئے۔

حدیث نمبر ۱۱۹۶ ﴿آپ ﷺ وتر میں تین رکعات پڑھتے تھے﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۲۶۴

وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ اَبِیْ قَیْسٍ قَالَ سَاَلْتُ عَائِشَةَ بِكَمْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يُوْتِرُ قَالَتْ كَانَ يُوْتِرُ بِاَرْبَعٍ وَّثَلٰثٍ وَّسِتٍّ وَّثَلٰثٍ وَّثَمَانٍ وَّثَلٰثٍ وَّعَشْرٍ وَّثَلٰثٍ وَّلَمْ يَكُنْ يُوْتِرُ بِاَنْقَصَ مِنْ سَبْعٍ وَّلَا بِاَكْثَرَ مِنْ ثَلٰثَ عَشْرَةَ رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ.

حواله: ابو داؤد ص نمبر ۱۹۳ ج۱، باب فی صلاۃ اللیل، کتاب التطوع. حدیث نمبر ۱۳۲۶.

ترجمه: حضرت عبداللہ بن قیسؓ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت عائشہ سے سوال کیا کہ رسول اللہ ﷺ کتنی رکعات کے ساتھ وتر پڑھتے تھے؟ حضرت عائشہؓ نے جواب دیا کہ رسول اللہ ﷺ کبھی چار رکعت اور تین رکعات کے ساتھ وتر پڑھتے تھے۔ کبھی چھ رکعات اور تین رکعات کے ساتھ وتر پڑھتے تھے، کبھی آٹھ رکعت اور تین رکعت کے ساتھ وتر پڑھتے تھے، اور کبھی دس رکعات اور تین رکعات کے ساتھ وتر پڑھتے تھے اور آپ ﷺ نے سات رکعتوں سے کم اور تیرہ رکعات سے زیادہ کے ساتھ وتر نہیں پڑھی۔ (ابوداؤد)

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ آپ ﷺ وتر تین ہی رکعت پڑھتے تھے، البتہ وتر سے پہلے تہجد کی رکعتوں میں کمی بیشی فرماتے تھے، تین رکعات وتر ہیں اور اس سے پہلے چار چھ آٹھ اور دس یہ تہجد کی نماز کی رکعات کا بیان ہے، تہجد کی نماز کی رکعات میں کمی بیشی میں کوئی حرج نہیں ہے، آپ ﷺ سے مختلف اعمال منقول ہیں، البتہ وتر کی رکعات کی تعداد تین ہی ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح کان یوتر باربع وثلاث ابوداؤد شریف کی یہ حدیث جامع اور واضح ہے اس سے تعداد رکعات تہجد پر بھی روشنی پڑتی ہے، اور وتر کی رکعت کا عدد بھی متعین ہوتا ہے۔ تہجد کی رکعت کے بارے میں تو یہ معلوم ہوا کہ آپ ﷺ کم از کم چار رکعت اور زیادہ سے زیادہ دس رکعات تہجد پڑھتے تھے، جہاں اس سے زیادہ منقول ہے وہاں فجر کی دو سنتوں کو

بھی شامل کرلیا گیا ہے، یا وہ دو رکعت شامل کی گئیں ہیں جو آپ تہجد کے بعد جالساً پڑھتے تھے، اور وتر کے بارے میں معلوم ہوا کہ آپ ﷺ وتر ہمیشہ تین رکعت پڑھتے تھے، نہ کبھی اس سے کم کرتے تھے اور نہ کبھی اس پر اضافہ کرتے تھے، کیوں کہ حدیث باب میں ایک رات کا عمل مذکور نہیں ہے بلکہ متعدد راتوں کا عمل مذکور ہے، اور سب میں یہ بات ہے کہ آپ ﷺ وتر تین ہی رکعت پڑھتے تھے۔

بعض روایات ایسی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے وتر ایک رکعت بھی پڑھی ہے، مثلاً ابوداؤد ہی میں حدیث ہے "**یصلی من اللیل احدی عشرۃ رکعۃ یوتر منھا بواحدۃ**" احناف کہتے ہیں کہ یہاں ایک رکعت وتر پڑھنا مراد نہیں ہے، بلکہ مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ آخری شفعہ یعنی نویں دسویں رکعت میں ایک رکعت مزید ملا کر اس شفعہ کو وتر یعنی طاق بنا لیتے تھے، مزید تحقیق کے لئے حدیث نمبر ۱۱۸۰ دیکھیں۔

حدیث نمبر ۱۱۹۷ ﴿وتر کی نماز واجب ہے﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۲۶۵

وَعَنْ اَبِیْ اَیُّوْبَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اَلْوِتْرُ حَقٌّ عَلٰی کُلِّ مُسْلِمٍ فَمَنْ اَحَبَّ اَنْ یُّوْتِرَ بِخَمْسٍ فَلْیَفْعَلْ وَمَنْ اَحَبَّ اَنْ یُّوْتِرَ بِثَلٰثٍ فَلْیَفْعَلْ وَمَنْ اَحَبَّ اَنْ یُّوْتِرَ بِوَاحِدَۃٍ فَلْیَفْعَلْ رَوَاہُ اَبُوْدَاوٗدَ وَالنَّسَآئِیُّ وَابْنُ مَاجَۃَ.

حوالہ: ابوداؤد، ص نمبر ۲۰۱ باب کم الوتر، حدیث نمبر ۱۴۲۲ نسائی، ص نمبر ۱۹۲ ج ۱، باب ذکر الاختلاف الخ، کتاب قیام اللیل، حدیث نمبر ۱۷۱۰، ابن ماجۃ ص نمبر ۸۳ باب ماجاء فی الوتر ثلاث، کتاب اقامۃ الصلاۃ، حدیث نمبر ۱۱۹۰.

ترجمہ: حضرت ابوایوبؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ وتر لازم ہے ہر مسلمان پر جو شخص پانچ رکعت وتر پڑھنا چاہے، وہ پانچ رکعت وتر پڑھ لے، جو تین رکعت پڑھنا چاہے وہ تین رکعت پڑھ لے، اور جو شخص ایک رکعت وتر پڑھنا چاہے وہ ایک رکعت پڑھ لے۔ (ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ)

خلاصۂ حدیث اس حدیث سے دو باتیں معلوم ہوتی ہیں، (۱) وتر کی نماز واجب ہے، لہٰذا اگر کسی کی وتر فوت ہوگئی تو اس پر قضا لازم ہوگی، یہی امام ابوحنیفہ کا مذہب ہے۔ (۲) اس حدیث سے بظاہر یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ وتر کی ایک رکعت یا تین یا پانچ لازم نہیں، بلکہ ان میں سے ہر ایک کی گنجائش ہے، جو صورت بھی اختیار کی جائے وتر کی نماز ادا ہو جائے گی۔

کلمات حدیث کی تشریح الوتر حق علی کل مسلم حق کے معنی ثابت ہونا اور واجب ہونا، مطلب یہ ہے کہ وتر کی نماز واجب ہے، یہاں سے ان لوگوں کی تردید ہوگئی جو وتر کے وجوب کے قائل نہیں ہے۔

وتر واجب ہے یا نہیں، اختلاف ائمہ: امام ابوحنیفہؒ کا مذہب: امام صاحب کے نزدیک وتر کی نماز واجب ہے۔

دلائل: (۱) ایک دلیل تو حدیث باب ہے، البتہ اس کے بارے میں منقول ہے کہ یہ حدیث موقوف ہے۔ (۲) حضرت زید بن اسلم کی روایت ہے "**من نام عن وترہ فلیصل اذا اصبح**" معلوم ہوا کہ وتر کی نماز واجب ہے، تبھی قضا کا حکم دیا جا رہا ہے، (مشکوٰۃ) (۳) فصل ثالث میں حضرت بریدہ کی روایت آرہی ہے "**الوتر حق فمن لم یوتر فلیس منا**" اس کے علاوہ متعدد دلائل ہیں جن سے وتر کا وجوب ثابت ہوتا ہے۔

ائمہ ثلاثہ کا مذہب: ائمہ ثلاثہ کے نزدیک نماز وتر سنت ہے، واجب نہیں ہے۔

دلائل: حضرت ضمام ابن ثعلبہ کی روایت ہے جس میں آپ ﷺ کا ارشاد ہے "**خمس صلوات فی الیوم واللیلۃ**" رات ودن میں پانچ نماز فرض ہیں، انہوں نے سوال کیا کہ "**ھل علی غیرھا**" ان کے علاوہ بھی کوئی نماز لازم ہے آپ ﷺ نے فرمایا کہ "لا الا

ان تطوع ''یعنی لازم تو صرف پانچ نمازیں ہیں، البتہ ان کے علاوہ نوافل ہیں۔

(۲) حضرت علی کا ارشاد ہے کہ ''الوتر لیس بحتم کصلوتکم المکتوبة ولکن سن رسول اللہ ﷺ وتر کی نماز فرض نمازوں کی طرح لازم نہیں ہے، اس کو حضور ﷺ نے سنت قرار دیا ہے، ان دو دلائل کے علاوہ بھی ائمہ ثلاثہ کے دلائل ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ وتر کی نماز واجب نہیں ہے۔

پہلی دلیل کا جواب: ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ ضمام بن ثعلبہ کا مذکورہ واقعہ وتر سے پہلے کا ہے۔ بعض لوگوں نے یہ جواب دیا ہے کہ وتر کوئی مستقل نماز نہیں، بلکہ عشاء کے تابع ہے، اس وجہ سے وتر کو علاحدہ نہیں ذکر کیا، عیدین کی نماز کے وجوب کے تو سب قائل ہیں۔ لیکن آپ ﷺ نے ان کو یہاں ذکر نہیں کیا، اس کی وجہ یہ ہے کہ عیدین کی نماز یومیہ نہیں ہے، تو آپ ﷺ کے اس موقع پر ذکر نہ کرنے سے عیدین کے وجوب کی نفی نہیں ہوتی ہے، اسی طرح وجوب وتر کی بھی نفی نہ ہوگی۔

دوسری دلیل کا جواب: حضرت علیؓ نے وتر کی فرضیت کی نفی کی ہے اور فرضیت کے تو ہم بھی قائل نہیں، ہم تو وتر کے وجوب کے قائل ہیں، اور وجوب کی نفی حضرت علیؓ کے فرمان سے ہرگز نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ حنفیہ وتر کے منکر کو کافر قرار نہیں دیتے ہیں۔

فمن احب ان یوتر بخمس حدیث باب کے اس جز سے معلوم ہوتا ہے کہ وتر کی رکعت کی مقدار متعین نہیں ہے حالانکہ حنفیہ اس بات کے قائل ہیں کہ وتر کی تین رکعت ہیں، یہی آپ کا مستقل معمول تھا، جیسا کہ گذشتہ روایت میں یہ مضمون نقل بھی ہوا، یہ حدیث بظاہر حنفیہ کے خلاف ہے۔

حدیث باب کا جواب: اس حدیث سے تو یہ بات معلوم ہوئی کہ وتر ایک رکعت بھی ہے، حالانکہ ابن مسعودؓ سے مؤطا محمد میں روایت ہے کہ ''ماجزأت رکعة قط'' اسی طرح حدیث بیتراء'' بہت مشہور ہے، معلوم ہوا کہ روایات مرفوعہ سے ایک رکعت ثابت نہیں ہے، اور حدیث باب موقوف ہے، لہٰذا یہ مرجوح ہوگی۔ (تفصیل کے لئے آثار السنن دیکھیں)

(۲) صحابۂ کرام ایتار سے رات بھر کی نفل عبادت مراد لیے تھے، جیسا کہ طحاوی میں حدیث عائشہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے، بکم کان رسول اللہ ﷺ یوتر قالت باربع وثلاث ولم یکن یوتر بأکثر من ثلاث عشرة ولاانقص من سبع ''اس میں خوب اچھی طرح معلوم ہو رہا ہے کہ ''ایتار کے معنی وتر مع تہجد کے ہیں، لہٰذا حدیث باب میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ دو رکعت وتر بھی پڑھ سکتے ہو، اور ایک رکعت وتر یعنی دو رکعت جو تہجد کی پڑھی ہے وہ ایک رکعت سے طاق بن جائے گی، یہ تاویل اگر چہ بظاہر محسوس ہو رہی ہے، لیکن چونکہ ایک رکعت نماز پڑھنے کا ثبوت نہیں ہے، اس لئے یہ تاویل اختیار کی جائے گی۔ (تخصیص کے لئے مرقات دیکھیں)

حدیث نمبر ۱۱۹۸ ﴿وتر کے بارے میں آپؐ کا حکم﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۲۶۶

وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ اللّٰهَ وِتْرٌ يُحِبُّ الْوِتْرَ فَاَوْتِرُوْا يَااَهْلَ الْقُرْاٰنِ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ.

حوالہ: ابو داؤد، ص نمبر ۲۰۰ ج ۱، باب استحباب الوتر، کتاب الوتر، حدیث نمبر ۱۴۱۶، ترمذی، ص نمبر ۱۰۳ ج ۱، باب ماجاء ان الوتر لیس بحتم، کتاب الوتر حدیث نمبر ۴۵۳، نسائی، ص نمبر ۱۸۹ ج ۱، باب الامر بالوتر، کتاب قیام اللیل، حدیث نمبر ۱۶۷۴۔

ترجمہ: حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ وتر یعنی یگانہ ہے، وہ وتر یعنی طاق کو پسند کرتا ہے، تو اے قرآن والو (حفاظ) وتر پڑھو۔ (ترمذی۔ ابوداؤد۔ نسائی)

خلاصۂ حدیث حدیث باب میں وتر سے مراد تہجد کی نماز ہے، جیسا کہ گذشتہ روایت میں گذرا کہ جملہ عبادت پر صحابہ کرامؓ ایتار" کا اطلاق کرتے تھے، یہاں مطلب یہ ہے کہ حافظوں کو خاص طور پر تہجد کی نماز کا اہتمام کرنا چاہئے، وہ رات میں تہجد کی نماز میں تلاوت قرآن کریں، یہی قرآن کی قدردانی ہے، اور یہی یادرکھنے کا اہم ذریعہ بھی ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح یحب الوتر یہاں وتر سے مراد تہجد مع الوتر ہے، چونکہ تہجد کے ساتھ جب وتر پڑھی جائے گی تو مجموعی عدد طاق کا ہوگا، اور اللہ تعالیٰ یگانہ ہیں، لہٰذا عدد طاق کو پسند کرتے ہیں یہاں وتر سے صرف حقیقی وتر مراد نہیں ہے، اور اہل قرآن سے حفظ قرآن مراد ہیں، تہجد کی نماز قرآن یاد رکھنے کے لئے نسخۂ اکسیر ہے۔

حدیث نمبر ۱۱۹۹ ﴿نماز وتر کی اھمیت﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۲۶۷

وَعَنْ خَارِجَةَ بْنِ حُذَافَةَ قَالَ خَرَجَ عَلَيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَقَالَ اِنَّ اللّٰهَ اَمَدَّكُمْ بِصَلٰوةٍ هِيَ خَيْرٌ لَّكُمْ مِّنْ حُمُرِ النَّعَمِ الْوِتْرُ جَعَلَهُ اللّٰهُ لَكُمْ فِيْمَا بَيْنَ صَلٰوةِ الْعِشَآءِ اِلٰى اَنْ يَّطْلُعَ الْفَجْرُ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاوُدَ.

حواله: ابو داؤد ص نمبر ۲۰۱ ج ۱، باب استحباب الوتر، کتاب الوتر حدیث نمبر ۱۴۱۸، ترمذی ص نمبر ۱۰۳ ج ۱، باب ماجاء فی فضل الوتر کتاب الوتر، حدیث نمبر ۴۵۲.

ترجمه: حضرت خارجہ بن حذافہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے، چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ بیشک اللہ تعالیٰ تمہارے پاس ایک نماز کی کمک بھیجی ہے، وہ نماز تمہارے لئے سرخ اونٹوں سے بہتر ہے، وہ وتر کی نماز ہے، اللہ تعالیٰ نے اس کو تمہارے فائدہ کے لئے عشاء کی نماز اور طلوع فجر کے درمیان مقرر کیا ہے۔ (ابوداؤد۔ ترمذی)

خلاصۂ حدیث اس حدیث میں آپ ﷺ نے وتر کی نماز کی اہمیت بتائی ہے، عرب میں سرخ اونٹ گراں قدر مال شمار ہوتا تھا اسی اعتبار سے وتر کو سرخ اونٹ قرار دیا ہے، اس حدیث سے وتر کا وجوب بھی سمجھ میں آتا ہے، کیونکہ رسول اکرم ﷺ نے ان کو فرضوں کے لئے کمک کہا ہے، اور کمک کا مطلب اضافہ ہے، اور اضافہ کسی چیز میں اسی جنس سے ہو تبھی کمک اور امداد کہلاتی ہے، فوج کے لئے پیچھے سے فوجی روانہ کیے جاتے ہیں تبھی اس کو کمک کہتے ہیں، حاصل یہ ہے کہ حدیث باب سے وتر بھی عملاً فرض کی طرح لازمی سمجھ میں آرہی ہے لیکن چونکہ فرائض کا ثبوت قرآن سے ہے، یعنی دلیل قطعی سے ہے، اس وجہ سے اس پر فرض کا اطلاق ہوتا ہے، اور وتر کا ثبوت اخبار آحاد سے ہے یعنی دلائل ظنیہ سے ہے اس لئے اس پر واجب کا اطلاق ہوتا ہے۔ (تلخیص تحفۃ الالمعی)

کلمات حدیث کی تشریح خرج علینا یعنی آپ ﷺ اپنے حجرہ سے نکل کر مسجد میں تشریف لائے، امدکم کسی جگہ فوج لڑرہی ہو اس کی مدد کے لئے پیچھے سے جو فوج بھیجی جاتی ہے، اس کو عربی میں امداد اور اردو میں کمک کہتے ہیں۔

من حمر النعم نماز وتر کی اہمیت اجاگر کرنے اور اس کی طرف راغب کرنے کے لئے آپ ﷺ نے اس نماز کو سرخ اونٹ سے بہتر قرار دیا ہے، کیوں کہ پہلے عرب سرخ اونٹ کو بہت قیمتی مال تصور کرتے تھے، یہیں سے معلوم ہوا کہ وتر کی نماز واجب ہے، کیوں کہ نوافل کی تو کوئی تحدید نہیں ہے، زیادتی محدود چیزوں میں ہوتی ہے، اور وہ نماز فرض ہے، اور اضافہ اسی کے جنس سے ہوتا ہے، بعض لوگ کہتے ہیں کہ مزید کے لئے یہ ضروری نہیں کہ وہ مزید علیہ کے جنس سے ہو، اگر یہ بات تسلیم کرلی جائے تو پھر یہ حدیث وتر کی اہمیت تو بتانے والی ہوگی، لیکن اس سے وتر کا وجوب ثابت نہ ہوگا، وتر کے وجوب پر بالکل صریح دلیل آگے آرہی ہے "الوتر حق فمن لم یوتر فلیس منا.

جعله الله لکم: حدیث کے اس جز سے معلوم ہوا کہ وتر کا وقت عشاء کی نماز کے بعد سے شروع ہوکر طلوع فجر سے پہلے تک رہتا ہے، اگر کسی نے عشاء سے پہلے وتر ادا کی تو نہ ہوگی، اور اگر کسی کی وتر چھوٹ گئی تو اس پر قضاء لازم ہوگی۔

حدیث نمبر ۱۲۰۰ ﴿وتر کی قضاء کا حکم﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۲۶۸

وَعَنْ زَيْدِبْنِ اَسْلَمَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ نَامَ عَنْ وِتْرِهٖ فَلْيُصَلِّ اِذَا اَصْبَحَ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ مُرْسَلاً.

حوالہ: ترمذی ص نمبر ۱۰۶ ج ۱، باب ماجاء فی الرجل ینام عن الوتر اوینساہ، کتاب الوتر، حدیث نمبر ۴۶۶.

ترجمہ: حضرت زید بن اسلمؒ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص اپنی وتر کی نماز سے غافل ہو کر سو گیا تو اس کو چاہئے کہ وہ صبح کو پڑھ لے، اس روایت کو ترمذی نے بطریق ارسال نقل کیا ہے۔

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ صبح صادق تک تہجد اور وتر کا وقت ہے، صبح صادق ہو گیا تو دونوں کا وقت ختم ہو گیا لیکن چونکہ تہجد کی نماز نفل ہے، لہٰذا اس کی قضا نہیں ہے، جبکہ وتر کی نماز واجب ہے، لہٰذا اس کی قضاء ہے، صبح ہونے کے بعد بھی وتر کی قضا لازم ہو گی۔

کلمات حدیث کی تشریح من نام عن وترہ اصل بات تو یہ ہے کہ صبح صادق سے پہلے پہلے وتر ادا کر لینا چاہئے۔ جیسا کہ آپ ﷺ کا فرمان ہے، "بادروا الصبح بالوتر" وتر پڑھنے میں صبح سے سبقت کرو، یعنی صبح صادق سے پہلے وتر پڑھ لو، یہی وتر کا وقت ہے، اگر صبح ہو گئی تو وتر کا وقتِ ادا ختم ہو گیا، اب قضا پڑھنی ہو گی، چونکہ اما صاحب کے نزدیک وتر کی نماز واجب ہے، (تحقیق کے لئے حدیث نمبر ۱۱۹۰ دیکھیں) اس لئے قضا بھی لازم ہے، ائمہ ثلاثہ وتر کے وجوب کے قائل نہیں ہیں، لہٰذا وہ قضا کے بھی قائل نہیں ہے، حنفیہ کے پاس وتر کی قضا کے بہت سے دلائل ہیں، جبکہ ائمہ ثلاثہ عدم قضا پر ترمذی کی حدیث "لاوتر بعدصلاۃ الصبح" سے استدلال کرتے ہیں یعنی طلوع صبح صادق کے بعد وتر کی ادائیگی نہ کی جائے گی۔ یہ حدیث حد درجہ ضعیف ہے، اس کے ضعف کو مکمل طور پر سمجھنے کے لئے دیکھئے۔ (معارف السنن ص نمبر ۲۵۴ ج ۴)

حدیث نمبر ۱۲۰۱ ☆☆☆ عالمی حدیث نمبر ۱۲۶۹۔۱۲۷۰۔۱۲۷۱۔۱۲۷۲

﴿ایک سلام کے ساتھ تین رکعت وتر کا ثبوت﴾

وَعَنْ عَبْدِ الْعَزِيْزِ بْنِ جُرَيْجٍ قَالَ سَاَلْنَا عَآئِشَةَ بِاَيِّ شَيْءٍ كَانَ يُوْتِرُ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ قَالَتْ كَانَ يَقْرَأُ فِي الْاُوْلٰى بِسَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى وَفِي الثَّانِيَةِ بِقُلْ يَاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ وَفِي الثَّالِثَةِ بِقُلْ هُوَاللّٰهُ اَحَدٌ وَالْمُعَوِّذَتَيْنِ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاوُدَ وَرَوَاهُ النَّسَائِيُّ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ ابْنِ اَبْزٰى وَرَوَاهُ اَحْمَدُ عَنْ اُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ وَّالدَّارِمِيُّ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَّلَمْ يَذْكُرَ اوَالْمُعَوِّذَتَيْنِ.

حوالہ: ابو داؤد، ص نمبر ۲۰۱ ج ۱، باب مایقرأ فی الوتر، کتاب الوتر، حدیث نمبر ۱۴۲۴ ترمذی ص نمبر ۱۰۳ ج ۱، باب ماجاء فیما یقرأبه الوتر، کتاب الوتر، حدیث نمبر ۴۶۳، سنن نسائی، ص نمبر ۱۰۴ ج ۱، باب نوع آخر من القرأة فی الوتر کتاب قیام اللیل. حدیث نمبر ۱۷۲۹. مسند امام احمدص نمبر ۱۲۳ ج ۵، سنن دارمی، باب کم الوتر، کتاب الصلاۃ حدیث نمبر ۱۵۸۶.

ترجمہ: حضرت عبدالعزیز بن جریجؒ سے روایت ہے کہ ہم نے حضرت عائشہ سے دریافت کیا کہ رسول اللہ ﷺ وتر میں کون سی سورتیں پڑھا کرتے تھے؟ انہوں نے فرمایا کہ پہلی رکعت میں "سورۃ الاعلیٰ" دوسری میں "سورۃ الکافرون" تیسری میں "سورۃ الاخلاص" اور معوذتین" پڑھا کرتے تھے۔ (ترمذی۔ابوداؤد) نسائی اس روایت کو "عبدالرحمٰن بن ابزیٰ" سے احمد نے ابی بن کعب سے اور دارمی نے ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے اور احمد ودارمی نے معوذتین کا ذکر نہیں کیا ہے۔

خلاصۂ حدیث اس حدیث سے ایک بات تو یہ سمجھ میں آئی کہ وتر کی تین رکعتیں ہیں، دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ وتر کی تین رکعت ایک سلام کے ساتھ پڑھی جائیں گی۔ کیوں کہ درمیان میں سلام پھیرنے کا ذکر نہیں ہے، تیسری بات یہ معلوم ہوئی

کہ وتر کی پہلی رکعت میں سورۃ الاعلیٰ، دوسری رکعت میں سورۃ الکافرون، اور تیسری رکعت میں سورۃ الاخلاص مع معوذتین کے پڑھنا بہتر ہے، صحابہ کرام اور بعد کے علماء نے یہ پسند کیا ہے کہ نمازی وتر کی آخری رکعت میں ایک سورہ پڑھے یعنی سورۂ اخلاص، معوذتین کو ساتھ میں شامل نہ کرے، حدیث باب میں معوذتین کا بھی ذکر ہے، لیکن یہ حدیث معمول بہ نہیں؟ کیونکہ یہ ضعیف ہونے کے علاوہ منقطع بھی ہے

کلمات حدیث کی تشریح کان یقرأ فی الاولیٰ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے جو جواب دیا اس سے وتر میں آپ ﷺ کی قرأت تو معلوم ہوئی ساتھ یہ بھی سمجھ میں آیا کہ وتر کی تین رکعت ایک سلام کے ساتھ ہیں۔ اس کے علاوہ بہت سی احادیث سے صراحتاً یہ بات معلوم ہوتی ہے، صاحب مرقات نے اس مسئلہ سے متعلق بعض روایات ذکر فرمائی ہیں۔

(۱) عن عائشة قالت كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يوتر بثلاث لايسلم الا فى آخرهن (حاکم) رسول اللہ ﷺ وتر میں تین رکعت پڑھا کرتے تھے، اور صرف تیسری رکعت پر سلام پھیرتے تھے۔

(۲) عن عائشة قالت كان النبى صلى الله عليه وسلم لا يسلم فى ركعتى الوتر (نسائی) نبی کریم ﷺ وتر کی دو رکعت پر سلام نہیں پھیرتے تھے۔

(۳) عن ابن مسعود وتر الليل ثلاث كوتر النهار . رات کے وتر تین ہیں جیسے دن کے وتر تین ہیں یعنی مغرب کی نماز جیسے ایک سلام کے ساتھ ہے ویسے ہی وتر کی نماز بھی ایک سلام کے ساتھ تین رکعت ہے (مزید تحقیق کے لیے دیکھیں مرقات: ۱۷۰/۳)

ولم يذكر او المعوذتين وتر کی آخری رکعت میں سورۂ اخلاص کے ساتھ معوذتین پڑھی جائیں یا نہیں؟ یہاں جو چار روایات ہیں ان میں پہلی روایت میں پڑھنے کا ذکر ہے، آخیر کی دو کے بارے میں صاحب مشکوٰۃ فرماتے ہیں کہ ان میں سورہ الاخلاص کے ساتھ معوذتین پڑھنے کا ذکر نہیں ہے۔ نسائی کی روایت کے بارے میں صاحب مشکوٰۃ نے صراحت نہیں کی۔ لیکن اس میں بھی معوذتین کا ذکر نہیں ہے۔ اور حدیث باب پر بہت کلام ہے۔ لہٰذا حنفیہ اس بات کے قائل ہیں کہ آخری رکعت میں معوذتین نہ پڑھی جائیں۔ سورۂ اخلاص پر ہی اکتفاء کیا جائے آخری رکعت میں سورۂ اخلاص کے ساتھ معوذتین پڑھنے کی صورت میں آخری رکعت کا پہلی دو رکعتوں سے طویل ہونا بھی لازم آئے گا۔ یہ چیزیں بھی آپ کے معمول کے خلاف ہے، پوری حدیث حضرت عبدالعزیز بن جریج کا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے سماع ثابت نہیں ہے، حدیث باب میں یہ بات اٹھی کہ حضرت جریج نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے سوال کیا یہ نیچے ایک راوی خصیف کا ایک وہم ہے۔

حدیث نمبر ۱۲۰۲ ﴿وتر کی دعاء قنوت کا ذکر﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۲۷۳

وَعَنِ الْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ قَالَ عَلَّمَنِيْ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَلِمَاتٍ اَقُوْلُهُنَّ فِيْ قُنُوْتِ الْوِتْرِ اَللّٰهُمَّ اهْدِنِيْ فِيْمَنْ هَدَيْتَ وَعَافِنِيْ فِيْمَنْ عَافَيْتَ وَتَوَلَّنِيْ فِيْمَنْ تَوَلَّيْتَ وَبَارِكْ لِيْ فِيْمَا اَعْطَيْتَ وَقِنِيْ شَرَّ مَا قَضَيْتَ فَاِنَّكَ تَقْضِيْ وَلَا يُقْضٰى عَلَيْكَ اِنَّهٗ لَا يَذِلُّ مَنْ وَّالَيْتَ تَبَارَكْتَ رَبَّنَا وَتَعَالَيْتَ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارِمِيُّ .

حواله: ابوداد ص : ۲۰۱،۲۰۲، ج۱ باب القنوت فی الوتر باب القنوت فی الوتر كتاب الوتر حديث نمبر ۱۴۲۵ . ترمذى :ص : ۱۰۶ ج ، ۱ باب ماجاء فى القنوت فى الوتر ، كتاب الوتر، حديث نمبر ۴۶۴ نسائى: ص : ۱۹۵ ج ، ۱ باب الدعاء فى الوتر ، كتاب قيام الليل ، حديث نمبر ۱۷۴۴ ابن ماجه ص : ۸۲ باب ما جاء فى القنوت فى الوتر ، كتاب اقامة الصلوٰة حديث نمبر ۱۱۷۸ ، دارمى ص :۴۵۲ : ج : ۱ ، باب الدعاء فى القنوت كتاب الصلاة ، حديث نمبر ۱۵۹۳ .

ترجمه: حضرت حسن بن علیؓ سے روایت ہے کہ مجھے رسول اللہ ﷺ نے وتر میں پڑھنے کے لیے چند کلمات سکھائے، اللّٰم اھدنی الخ اللہ مجھے ہدایت عطا فرما۔ ان بندوں میں شامل کر کے جن کو آپ ﷺ نے ہدایت عطا فرمائی۔ اور مجھے عافیت عطا فرما ان بندوں میں شامل کر کے جن کو آپ ﷺ نے عافیت فرمائی۔ اور میرا کارساز بن ان بندوں میں شامل کر کے جن کی آپ ﷺ کارسازی فرماتے ہیں۔ اور مجھے برکت عطا فرما ان چیزوں میں جو آپ نے مجھے عطا فرمائی اور مجھے بچالیں ان فیصلوں کے اثراتِ بد سے جو آپ فرمائیں۔ آپ یقیناً فیصلہ کرتے ہیں اور اس کے خلاف کوئی فیصلہ نہیں کیا جا سکتا بیشک شان یہ ہے کہ وہ شخص رسوا نہیں ہوتا جس کو آپ درست بنالیں، آپ برکت والے ہیں اے ہمارے پروردگار اور اس کی شان بہت بلند ہے۔

خلاصہ حدیث وتر کی تیسری رکعت میں کھڑے کھڑے ایک دعا کی جاتی ہے، جس کو دعا قنوت کہا جاتا ہے، ایک وہ قنوت ہے جو دائمی ہے۔ جس کو قنوت الوتر کہا جاتا ہے اور ایک وہ قنوت ہے جو خاص طور پر مصیبت کے پیش آنے پر پڑھا جاتا ہے اس کو قنوت نازلہ کہا جاتا ہے۔ دعا رقنوت کے حوالے سے کئی امور میں ائمہ کا اختلاف ہے ان اختلاف کو مع دلائل اگلے باب "باب القنوت" کے تحت جو روایات ہیں ان کے ذیل میں ذکر کیا جائے گا، حدیث باب میں جو قنوت ہے وہ آپ ﷺ نے حضرت حسن کو سکھایا تھا، اس میں ہدایت کی، عافیت کی حمایت ونصرت کی، برکت کی، برے فیصلوں سے بچانے کی دعا ہے، ساتھ میں اللہ تعالیٰ کی شان عظمت وشان کبریائی کا اعتراف ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح قنوت الوتر امام صاحب کے نزدیک دعا قنوت پورے سال پڑھی جائے گی، جبکہ شوافع رمضان کے نصف آخیر میں دعا رقنوت پڑھے جانے کے قائل ہیں، اللّٰھُمَّ اھدنی اے اللہ مجھے ہدایت عطا فرمایئے

اشکال: جو شخص نماز پڑھ رہا ہے ظاہر بات ہے کہ وہ ہدایت یافتہ ہے پھر ہدایت کا طلب کرنا تو تحصیل حاصل ہے۔

جواب: ہدایت کا مطلب ہے کہ ہدایت پر ثابت قدم رکھے، ہدایت کا اعلیٰ درجہ کو توفیق کہتے ہیں، اس کی ترقی کی کوئی انتہا نہیں ہے، اسی میں اضافہ کی دعا مراد ہے۔

وعافنی: بری بیماریوں، برے اخلاق اور خواہشات سے محفوظ رکھے، وتولنی میرے کارساز آپ مجھے میرے نفس کے سپرد نہ فرمایئے۔ ورنہ وہ تو مجھے گمراہی میں مبتلا کر دے گا، وبارك یعنی جو مال، عمر، علوم، اور اعمال آپ نے عطا فرمائے ہیں، ان میں برکت عطا فرمادیجئے، وقنی، جو برے فیصلہ آپ نے مقرر فرمائے ہیں ان سے مجھے بچالیجئے۔

انه لایذل یعنی آپ کا دوست ذلیل نہیں ہو سکتا نہ دنیا میں نہ آخرت میں، لاکھ کوئی بے عزت کرے، لیکن حقیقت کے اعتبار سے وہ رسوا نہیں ہو سکتا، انبیاء کرام قتل کیے گئے طرح طرح کی مشکلات سے گذرے، ان کو ستایا گیا، لیکن اس کو ذلیل ہونا ہرگز قرار نہ دیا جائے گا یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آزمائشیں تھیں، جن کی بنا پر ان کے مقام ومرتبہ میں اضافہ ہوا۔

وتعالیت: آپ کی عظمت شان بلند وبالا ہے، آپ کا قہر وقدرت سب پر ظاہر ہے۔ (تلخیص مرقات ص نمبر ۱۷۰، ۱۷۱، ج ۳)

حدیث نمبر ۱۲۰۳ ☆☆☆ عالمی حدیث نمبر ۱۲۷۴۔۱۲۷۵

﴿وتر کا سلام پھیرنے کے بعد کی دعا﴾

وَعَنْ اُبَیِّ بْنِ کَعْبٍ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا سَلَّمَ فِی الْوِتْرِ قَالَ سُبْحَانَ الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَالنَّسَائِیُّ وَزَادَ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ یُطِیْلُ وَفِیْ رِوَایَةٍ لِلنَّسَائِیِّ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ ابْنِ اَبْزٰی عَنْ اَبِیْهِ قَالَ کَانَ یَقُوْلُ اِذَا سَلَّمَ سُبْحَانَ الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ ثَلٰثًا وَّیَرْفَعُ صَوْتَهٗ بِالثَّالِثَةِ.

حواله: ابو داؤد، ص نمبر ۲۰۲ ج ۱، باب في الدعاء بعد الوتر، کتاب الوتر، حدیث نمبر ۱۴۳۰، نسائي ص

نمبر ۱۹۱ ج۱، باب ذکر اختلاف الناقلین الخ، کتاب قیام اللیل، حدیث نمبر ۱۶۹۸.

ترجمه: حضرت ابی بن کعب سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب وتر کا سلام پھیرتے تو یہ دعا رفرماتے سبحان الملك الخ سلطنتوں اور بادشاہوں کا مالک نہایت پاک ہے (ابوداود، نسائی) اور نسائی کی روایت میں "ثلث مرات" کے کلمات زائد ہیں یعنی آپ ﷺ تین مرتبہ مذکورہ کلمات کہتے اور تیسری مرتبہ آواز میں بلندی پیدا کرتے اور نسائی کی ایک روایت عن عبدالرحمن بن ابزیٰ عن ابیه کی سند سے ہے اس میں فرماتے ہیں کہ رسول ﷺ جب سلام پھیرتے تو تین بار فرماتے سبحان الملك القدوس الخ اور تیسری مرتبہ میں یہ کلمات بلند آواز سے فرماتے تھے۔

خلاصہ حدیث مذکورہ حدیث باب میں ایک دعا ہے، جو آپ ﷺ وتر کے بعد پڑھتے تھے، اس میں دعا رکلمات بھی مذکور ہیں، دعا پڑھنے کی تعداد بھی ذکر ہے، اور پڑھنے کا طریقہ بھی نقل ہوا ہے، ہم لوگوں کو اس کا اہتمام کرنا چاہئے۔

کلمات حدیث کی تشریح سبحان الملك القدوس، بعض روایات میں یہ ہے کہ یہ کلمات تین مرتبہ پڑھتے تھے، دو مرتبہ آہستہ آواز سے اور ایک مرتبہ بلند آواز سے، بعض روایات میں مذکورہ کلمات کے بعد یہ الفاظ بھی ہیں۔

رب الملائكة والروح.

یرفع صوته: یہ کلمات اس بات پر دلالت کر رہے ہیں کہ بلند آواز سے ذکر جائز ہے، بلکہ بلند آواز سے ذکر مستحب ہے، لیکن یہ جب ہے، جب کہ ریا کاری کا دخل نہ ہو، مقصود دین کا اظہار اور سامعین کو تعلیم نیز ان کو غفلت سے بیدار کرنے اور ذکر کی برکت ان تک پہنچانا ہو، اس میں یہ فائدہ بھی ہے کہ جہاں تک ذکر کی آواز پہنچے گی، ہر چیز ذکر کرنے والے کے حق میں گواہی دے گی، بعض مشائخ ذکر خفی کو پسند کرتے ہیں، اس کی وجہ ہے کہ ذکر خفی ریا سے دور ہوتا ہے، حاصل یہ کہ طریقے دونوں ہیں، بس سارا مدار نیت پر ہے، اگر نیت ٹھیک ہے تو بلند آواز سے بہتر ہے، ریا کا شبہ ہو تو آہستہ بہتر ہے۔ (مستفاد مرقات ص نمبر ۳۱۷ ج ۳)

اشکال: کلمات مذکورہ دعا تو ہیں نہیں ذکر ہے۔

جواب: اللہ تعالیٰ کا ذکر اس کی حمد وثنا سب دعا میں شامل ہے۔

حدیث نمبر ۱۲۰۴ ﴿وتر کے آخر میں آپ کی دعا﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۲۷۶

وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ إِنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يَقُوْلُ فِيْ اٰخِرِ وِتْرِهِ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُبِرِضَاكَ مِنْ سَخَطِكَ وَبِمُعَافَاتِكَ مِنْ عُقُوْبَتِكَ وَاَعُوْذُبِكَ مِنْكَ لَا اُحْصِيْ ثَنَاءً عَلَيْكَ اَنْتَ كَمَا اَثْنَيْتَ عَلٰى نَفْسِكَ رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ.

حواله: ابو داؤد ص نمبر ۲۰۲ ج ۱، باب القنوت فی الوتر، کتاب الوتر، حدیث نمبر ۱۴۲۷ ترمذی، ص نمبر ۱۹۶ ج ۲ باب دعاء الوتر، کتاب الدعوات، حدیث نمبر ۳۵۶۶ نسائی ص نمبر ۱۹۵ ج ۱، باب الدعاء فی الوتر، کتاب قیام اللیل، حدیث نمبر ۱۷۴۶ ابن ماجه ص نمبر ۸۲ ج ۱، باب ماجاء فی القنوت، کتاب اقامة الصلاة، حدیث نمبر ۱۱۷۹،

ترجمه: حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنے وتر کے اخیر میں دعا کرتے تھے "اللّٰهم انی اعوذ برضاك الخ" اے اللہ میں آپ کی رضامندی کے واسطے سے آپ کے غضب وغصہ سے پناہ مانگتا ہوں، اور آپ کی عافیت کے واسطے سے آپ کے عذاب سے... آپ کی ذات کے واسطے سے پناہ مانگتا ہوں آپ کے غضب سے، میں کما حقہ آپ کی تعریف نہیں کر سکتا ہوں، آپ ویسے ہی

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ آپ وتر کے آخر میں مذکورہ دعا پڑھتے تھے، وتر کے مراد میں متعدد اقوال ہیں، اس دعا میں آپ نے اللہ تعالیٰ کے غضب، عذاب، اور غصہ کی صفات سے پناہ طلب کی ہے، اپنی عاجزی کا اعتراف کیا ہے، کہ اے اللہ آپ کی کما حقہ تعریف کرنا میرے لئے ممکن نہیں ہے، یعنی اظہار بندگی آپ ﷺ نے کیا ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح فی آخر وتر ہ وتر کے اخیر سے کیا مراد ہے؟ (۱) سلام کے بعد آپ مذکورہ دعا پڑھتے تھے (۲) نماز سے فارغ ہو کر اپنے بستر پر تشریف لا کر مذکورہ دعا پڑھتے تھے۔ (مرقات ص نمبر ۳۷۱ ج ۳) (۳) وتر کی تیسری رکعت میں رکوع کے بعد قومہ میں مذکورہ دعا پڑھتے تھے، اس کے علاوہ بھی چند اقوال نقل کئے جاتے ہیں۔

علماء نے لکھا ہے کہ ''قنوت'' میں کسی ایک کا التزام نہ کیا جائے کیوں کہ رٹی رٹائی دعا زبان پر تو آسانی سے جاری ہو جاتی ہے، لیکن اس میں دعا کا مقصد التماس اور استدعا مفقود ہو جاتا ہے، لیکن اس حکم سے ''اللھم انا نستعینك'' مستثنیٰ ہے، کیوں کہ صحابہ کا اس کے پڑھنے پر اتفاق تھا، اگر چہ اس کے علاوہ دوسرے قنوت پڑھنے کی بھی گنجائش ہے۔ (مرقات ص نمبر ۳۷۴ ج ۳)

الفصل الثالث

حدیث نمبر ۱۲۰۵ ﴿وتر کے بارے میں حضرت معاویہؓ کا عمل﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۲۷۷

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قِيلَ لَهُ هَلْ لَكَ فِي اَمِيرِ الْمُؤْمِنِينَ مُعَاوِيَةَ مَاأَوْتَرَ اِلَّا بِوَاحِدَةٍ قَالَ اَصَابَ اِنَّهُ فَقِيهٌ وَفِي رِوَايَةٍ قَالَ ابْنُ اَبِي مُلَيْكَةَ اَوْتَرَ مُعَاوِيَةُ بَعْدَالْعِشَاءِ بِرَكْعَةٍ وَعِنْدَهُ مَوْلًى لِابْنِ عَبَّاسٍ فَاَتَى ابْنَ عَبَّاسٍ فَاَخْبَرَهُ فَقَالَ دَعْهُ فَاِنَّهُ قَدْ صَحِبَ النَّبِيَّ ﷺ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ.

حوالہ: بخاری ص نمبر ۵۳۱ ج ۲، باب معاویۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، کتاب فضائل الصحابۃ، حدیث نمبر ۳۷۶۴

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ ان سے کہا گیا کہ امیر المؤمنین حضرت معاویہؓ کے بارے میں آپؓ کی رائے کیا ہے، کہ وہ صرف ایک رکعت وتر پڑھتے ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ نے جواب دیا کہ ان کا عمل ٹھیک ہے، بلاشبہ وہ فقیہ ہیں، ایک روایت میں ہے کہ ابن ملیکہ نے کہا کہ حضرت معاویہؓ نے عشا کے بعد وتر ایک رکعت پڑھی، اور ان کے پاس ابن عباس کے مولیٰ تھے، چنانچہ وہ ابن عباسؓ کے پاس آئے اور ان کو اطلاع دی، حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ حضرت معاویہؓ کی بات چھوڑ دو، وہ جناب نبی ﷺ کی خدمت میں رہے ہیں۔

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ حضرت معاویہؓ نے ایک رکعت وتر پڑھی جو عام صحابہؓ کے معمول کے خلاف تھا، اس پر لوگوں کے ذہن میں سوال اٹھا چنانچہ حضرت ابن عباسؓ سے دریافت کیا گیا تو انہوں نے ایک روایت کے مطابق فرمایا کہ وہ مجتہد ہیں، اپنے اجتہاد پر عمل کر سکتے ہیں۔ اجتہاد اگر غلط ہوا پھر بھی ثواب کے مستحق ہیں، اور دوسری روایت کے مطابق حضرت ابن عباس نے جواب دیا کہ وہ حضرت نبی کریم ﷺ کے صحابہ میں سے ہیں، ممکن ہے کہ حضور ﷺ کی صحبت میں انہوں نے کوئی ایسی چیز دیکھی ہو، جس کا علم دوسروں کو نہ ہو، لہٰذا ان کے عمل کو غلط مت سمجھو ان کو ان کے عمل پر چھوڑ دو۔

کلمات حدیث کی تشریح ما اوتر الا بواحدۃ، ظاہری مطلب تو یہ ہے کہ ایک رکعت وتر پر حضرت معاویہؓ نے اکتفا کیا ہو، لیکن اس بات کا بھی احتمال ہے کہ ایک رکعت اس سے قبل والے شفعہ سے ملایا ہو، اور یوں وتر تین رکعت ہو گئی ہو اور معترض کو اعتراض تہجد کے ترک کرنے کی بنا پر ہوا ہو، یا عشاء کی سنت ترک کرنے پر ہوا ہو، کیونکہ عام صحابہ وتر تہجد کیساتھ پڑھتے تھے اصاب مطلب یہ ہے کہ حضرت معاویہؓ ثواب کے مستحق ہیں، اسوجہ سے کہ مجتہد کے اجتہاد میں اگر غلطی بھی ہو تب بھی اسکو ثواب ملتا ہے فانہ قد صحب صحابہ کے بارے میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ ''اصحابی کالنجوم بایھم اقتدیتم اھتدیتم'' میرے صحابہ ستاروں کے مانند ہیں جسکی بھی اقتدا کرو گے ہدایت پا جاؤ گے، صحابہ سب کے سب عادل ہیں وہ اپنے نفس کی خواہش پر عمل نہیں کرتے ہیں، ا۔

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ معاویہؓ کے اس عمل کو غیر صحابی کے عمل پر مت قیاس کرو، حضرت معاویہؓ نبی کے صحابی ہیں ممکن ہے کہ انکو کوئی ایسی بات معلوم ہو جو دوسروں کے علم میں نہ ہو، لیکن اس کے باوجود یہ بات اپنی جگہ مسلم ہے کہ حضرت معاویہؓ کا یہ عمل دیگر اصحاب کے خلاف ہے، دیگر اصحاب تین رکعت وتر پڑھتے تھے، اور اس کو روایت کرتے تھے، لہٰذا ہم لوگوں کے لئے قابل عمل عام صحابہ کا طریقہ ہے۔

حدیث نمبر ۱۲۰۶ ﴿وتر کی نماز واجب ہے﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۲۷۸

وَعَنْ بُرَيْدَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ اَلْوِتْرُ حَقٌّ فَمَنْ لَمْ يُوْتِرْ فَلَيْسَ مِنَّا اَلْوِتْرُ حَقٌّ فَمَنْ لَمْ يُوْتِرْ فَلَيْسَ مِنَّا رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ.

حوالہ: ابو داؤد ص نمبر ۲۰۱ ج ۱، باب فیمن لم یوتر، کتاب الوتر، حدیث نمبر ۱۴۱۹.

ترجمہ: حضرت بریدہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو میں نے یہ فرماتے ہوئے سنا کہ وتر واجب ہے، جس نے وتر نہیں پڑھی وہ ہم میں سے نہیں ہے وتر واجب ہے، جس نے وتر نہیں پڑھی وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ (ابو داؤد)

خلاصہ حدیث اس حدیث سے وتر کی اہمیت اور اس کا وجوب خوب اچھی طرح سے سمجھ میں آرہا ہے، اس کا ترک گناہ ہے، آپ ﷺ نے بہت تاکید اور شدت کیساتھ اسی لئے بیان کیا تاکہ اس کا اہتمام کیا جائے، اور اسکے ترک سے گریز کیا جائے۔

کلمات حدیث کی تشریح الوتر حق وتر ثابت ہے اور اس کا وجوب حدیث مبارکہ سے ثابت ہے، فلیس منا، جو وتر نہ پڑھے وہ ہماری ملت میں سے نہیں ہے، یہ بات آپ ﷺ نے بطور وعید فرمائی، یہ حدیث وجوب وتر پر حنفیہ کی دلیل ہے شوافع وغیرہ کے نزدیک وتر سنت ہے واجب نہیں ہے اس مسئلہ کی تحقیق کے لیے حدیث نمبر ۱۱۹۰ دیکھیں۔

حدیث نمبر ۱۲۰۷ ﴿فوت شدہ وتر کی قضاء کا حکم﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۲۷۹

وَعَنْ اَبِىْ سَعِيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ نَامَ عَنِ الْوِتْرِ اَوْ نَسِيَهٗ فَلْيُصَلِّ اِذَا ذَكَرَ وَ اِذَا اسْتَيْقَظَ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاوُدَ ابْنُ مَاجَةَ.

حوالہ: ترمذی ص : ۱۰۶ ج ۱، باب ماجاء فی الرجل ینام عن الوتر، کتاب الوترحدیث نمبر ۴۶۵، ابو داؤد ص نمبر ۲۰۲ ج ۱ باب الدعاء بعد الوتر، کتاب الوتر حدیث نمبر ۱۴۳۱ ابن ماجہ ص : ۸۳ باب من نام عن وتر، کتاب اقامۃ الصلاۃ حدیث نمبر ۱۱۸۸.

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص وتر پڑھے بغیر سو جائے یا وتر پڑھنا بھول جائے تو جب یاد آئے پڑھ لے یا اس وقت پڑھ لے جب بیدا ہو۔ (ترمذی، ابو داؤد، ابن ماجہ)

خلاصہ حدیث اس حدیث سے بھی وتر کا وجوب معلوم ہوتا ہے، کیونکہ اس میں وتر کی نماز چھوٹ جانے پر قضا کا حکم ہے، اور قضا سنن کی نہیں ہے وتر کی نماز کا وقت عشاء کے بعد سے صبح صادق سے پہلے تک ہے، صبح صادق ہوتے ہی وتر کا وقت نکل جاتا ہے لہٰذا اس سے پہلے پہلے وتر ادا کرنے کا حکم ہے، لیکن اگر کوئی سو گیا یا بھول گیا تو جب یاد آئے یا جب بیدار ہوئے اس کے لیے لازم ہے کہ وتر کی قضاء پڑھے۔

کلمات حدیث کی تشریح من نام عن الوتر کوئی شخص شروع رات میں سو گیا کہ اخیر رات میں بیدا ہو کر وتر پڑھیں گے لیکن آنکھ نہیں کھلی اور وتر فوت ہوگئی، اونسیہ ایک شخص وتر پڑھنا ہی بھول گیا اور وقت نکل گیا اذا ذکر یہ راجع ہے نسیان یعنی بھولنے کی طرف یعنی جب یاد آجائے تو وتر کی نماز پڑھ لے، اذا استیقظ یہ راجع ہے نوم کی طرف یعنی جب بیدار ہوئے نماز وتر پڑھ لے چوں کہ حنفیہ وجوب وتر کے قائل ہیں اس لیے اس کی قضاء کے بھی قائل ہیں لہٰذا یہ حدیث حنفیہ کی دلیل ہے۔

شوافع وغیرہ وجوب وتر کے قائل نہیں، اس بنا پر وتر کی قضاء کے بھی قائل نہیں ہیں، لہٰذا یہ حدیث ان کے مذہب کے خلاف ہے۔

حدیث نمبر ۱۲۰۸ ﴿وتر کے وجوب پر سوال﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۲۸۰

وَعَنْ مَالِكٍ بَلَغَهُ اَنَّ رَجُلًا سَأَلَ ابْنَ عُمَرَ عَنِ الْوِتْرِ اَوَاجِبٌ هُوَ فَقَالَ عَبْدُاللّٰهِ قَدْ اَوْتَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ اَوْتَرَ الْمُسْلِمُوْنَ فَجَعَلَ الرَّجُلُ يُرَدِّدُ عَلَيْهِ وَعَبْدُ اللّٰهِ يَقُوْلُ اَوْتَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ اَوْتَرَ الْمُسْلِمُوْنَ رَوَاهُ فِي الْمُوَطَّا .

حوالہ: مؤطا امام مالك باب الامر بالوتر ، كتاب صلاة الليل ، حديث نمبر ۱۷ .

ترجمہ: ابن مالک سے روایت ہے کہ ان کو یہ بات پہنچی کہ ایک شخص نے حضرت ابن عمرؓ سے دریافت کیا کہ کیا وتر کی نماز واجب ہے؟ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے جواب دیا کہ وتر کی نماز رسول اللہ ﷺ پڑھتے تھے، اور تمام مسلمان پڑھتے تھے، وہ شخص حضرت عبداللہ کے سامنے بار بار اپنا سوال دہراتا رہا، اور حضرت عبداللہ یہی جواب دیتے رہے کہ وتر کی نماز رسول اللہ ﷺ نے پڑھی اور تمام مسلمانوں نے پڑھی۔ (مؤطا امام مالک)

خلاصۂ حدیث اس حدیث میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے سائل کا جواب دیا تھا یعنی وتر کے وجوب کا اظہار کر دیا تھا اس وجہ سے کہ حضرت عبداللہ بن عمر نے وتر کی نماز پر حضور ﷺ کی مواظبت اور مسلمانوں کی مواظبت ذکر فرمائی تھی، جو کہ وجوب کے لیے کافی ہے، صراحتاً جواب دینے سے اس لئے گریز کیا کہ وتر کے وجوب کے بارے میں انہوں نے حضور ﷺ سے کچھ سنا نہیں تھا، اس لیے کنایۃً جواب دیا۔

کلماتِ حدیث کی تشریح اوتر رسول الله صلى الله عليه وسلم حضرت عبداللہ نے اشارۃً یہ بات سمجھادی کہ وتر واجب ہے، صراحتاً واجب نہیں فرمایا، یہی حضور ﷺ کا بھی معاملہ تھا کہ آپ ﷺ عام طور پر عمل کے بارے میں یہ نہیں فرماتے تھے کہ یہ واجب ہے، یہ سنت ہے، یہ مستحب ہے، اسی وجہ سے ائمہ کا وہ اختلاف رونما ہوا کہ جو کہ رحمت ہے، لیکن حضور ﷺ کا مواظبت فرمانا اور اہل اسلام کا اجماع وجوب کی دلیل ہے۔ امام ابوحنیفہؒ وتر کے وجوب کے قائل ہیں، یہ حدیث ان کے مذہب کی دلیل ہے۔

حدیث نمبر ۱۲۰۹ ﴿وترکی تین رکعتوں میں نو سورتیں پڑھنا﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۲۸۱

وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يُوْتِرُ بِثَلٰثٍ يَقْرَأُ فِيْهِنَّ بِتِسْعِ سُوَرٍ مِّنَ الْمُفَصَّلِ يَقْرَأُ فِيْ كُلِّ رَكْعَةٍ بِثَلٰثِ سُوَرٍ اٰخِرُهُنَّ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ.

حوالہ: ترمذی ،ص نمبر ۱۰٦ ج ۱ ،باب ماجاء في الوتر بثلاث ، كتاب الوتر ، حديث نمبر ٤٦٠ .

ترجمہ: حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ وتر تین رکعت پڑھا کرتے تھے، ان تین رکعت میں مفصلات میں سے سورتیں پڑھا کرتے تھے، ہر رکعت میں تین سورتیں پڑھتے تھے، ان نو سورتوں میں آخری سورت سورۃ الاخلاص ہوا کرتی تھی۔

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ آپ وتر میں قصار مفصل کی سورتوں میں سے نو سورتیں پڑھتے تھے، ہر رکعت میں تین سورتیں پڑھتے تھے، لیکن ایسا آپ ﷺ نے کبھی کیا ہوگا، ورنہ آپ ﷺ کا عمومی معمول تو وہ ہے جو حدیث نمبر ۱۱۸۴ کے تحت گذر چکا ہے، یعنی آپ ﷺ ہر رکعت میں ایک سورت پڑھتے تھے، پہلی میں سورۃ الاعلیٰ، دوسری میں سورۃ الکافرون اور تیسری میں سورۃ الاخلاص ، اور بعض روایات میں ہے کہ سورۃ الاخلاص کے ساتھ معوذتین بھی پڑھتے تھے، لیکن یہ بات مرجوح ہے راجح یہی ہے کہ تیسری رکعت میں آپ ﷺ عموماً صرف سورۃ الاخلاص پڑھتے تھے، یا کبھی کبھی وہ عمل تھا جس کا حدیث باب میں ذکر ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح یقرأ فیھن بتسع کبھی کبھی وتر کی تین رکعت میں نو سورتیں قرأت فرماتے تھے، یہاں اجمال ہے، طحاوی کی روایت میں اس کی تفصیل ہے۔ پہلی رکعت میں سورۃ تکاثر، سورۃ زلزال پڑھتے تھے، دوسری رکعت میں سورۂ عصر، سورۂ نصر، اور سورۂ کوثر، اور تیسری رکعت میں سورۂ کافرون، سورۂ تبت اور سورۂ اخلاص پڑھا کرتے تھے۔

حدیث نمبر ۱۲۱۰ ﴿نقض وتر کا بیان﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۲۸۲

وَعَنْ نَافِعٍ قَالَ كُنْتُ مَعَ ابْنِ عُمَرَ بِمَكَّةَ وَالسَّمَاءُ مُغِيمَةٌ فَخَشِيَ الصُّبْحَ فَأَوْتَرَ بِوَاحِدَةٍ ثُمَّ انْكَشَفَ فَرَاى اَنَّ عَلَيْهِ لَيْلًا فَشَفَعَ بِوَاحِدَةٍ ثُمَّ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ رَكْعَتَيْنِ فَلَمَّا خَشِيَ الصُّبْحَ اَوْتَرَ بِوَاحِدَةٍ رَوَاهُ مَالِكٌ.

حوالہ: مؤطا امام مالک باب الامر بالوتر، کتاب صلاۃ اللیل. حدیث نمبر ۱۹

ترجمہ: حضرت نافع سے روایت ہے کہ میں مکہ میں حضرت ابن عمرؓ کے ساتھ تھا، اور آسمان ابر آلود تھا، حضرت ابن عمرؓ کو یہ اندیشہ ہوا کہ صبح ہو جائے گی، لہٰذا انہوں نے ایک رکعت کے ذریعہ سے وتر پڑھ لی، ابر کھل گیا، چنانچہ انہوں نے محسوس کیا کہ رات ابھی باقی ہے، لہٰذا انہوں نے مزید پڑھ کر اس کو دوگانہ کر لیا، پھر دو دو رکعت کر کے نماز پڑھتے رہے، اور جب ان کو اس بات کا خدشہ ہوا کہ کہیں صبح نہ ہو جائے تو ایک رکعت کے ذریعہ وتر پڑھ لی۔

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ حضرت ابن عمرؓ نبی کریم ﷺ کی اس حدیث پر مضبوطی سے عمل کرنا چاہتے تھے، جس میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ سب سے آخری نماز وتر کو بناؤ، اب ایسی صورت میں اگر عام طریقے سے نوافل میں لگتے، تو وتر اخیر میں نہ ہوتی، نوافل پڑھ کر وتر پڑھتے، تو دو مرتبہ وتر ہوئی، اس کی ممانعت بھی آپ ﷺ نے فرمائی ہے، حدیث ہے "لا وتران فی لیلۃ" ایک رات میں دو مرتبہ وتر نہیں ہے، لہٰذا حضرت ابن عمرؓ نے دونوں طرح کی احادیث پر عمل کرنے کے لئے پہلی پڑھی ہوئی وتر کو توڑ دیا، اور اس کی صورت یہ کہ ایک رکعت پڑھ کر وتر میں شامل کر دی، لہٰذا وتر شفعہ ہو گئی، پھر آپ ﷺ نے مزید نوافل پڑھ کر اخیر میں ایک رکعت شفعہ میں ملا کر وتر بنا لی۔

کلما حدیث کی تشریح فشفع بواحدۃ: حضرت ابن عمرؓ نے ایک رکعت پڑھ کر شفعہ بنایا، اس کو نقض وتر کہتے ہیں، کسی بھی وجہ سے پہلے وتر پڑھ لی، اور پھر آپ ﷺ کے فرمان "اجعلوا آخر صلاتکم باللیل وتراً" پر عمل کرنا ہے، تو اس کی صورت ایک رکعت پڑھ کر وتر میں شامل کر دی جائے، وتر جب شفعہ ہو جائے گی تو وتر ختم ہو جائے گی، اور پھر مزید نوافل وغیرہ پڑھ کر وتر پڑھ لی جائے، اس کے حضرت ابن عمرؓ قائل تھے، لیکن اکثر صحابہ اور ائمہ اربعہ میں سے کوئی بھی قائل نہیں تھا، خود حضرت ابن عمرؓ کا یہ عمل اپنے اجتہاد کی بنا پر تھا، وہ فرماتے ہیں کہ "شیء افعلہ برائی لا ارویہ" نقض وتر کی صورت میں نے اپنے اجتہاد سے اختیار کی ہے، اس پر میرے پاس آپ ﷺ کی کوئی روایت نہیں ہے۔ (معارف السنن)

ائمہ اربعہ کے نزدیک آپ ﷺ کا فرمان "اجعلوا آخر صلاتکم الخ" سب سے اخیر میں وتر پڑھو، استحباب پر محمول ہے، بسا اوقات خود آپ ﷺ نے اس کے خلاف کیا لہٰذا اس پر عمل کرنے کے لئے نقض وتر کی صورت نہیں اختیار کی جائے گی۔

حدیث نمبر ۱۲۱۱ ﴿بیٹھ کر نماز پڑھنے کا حکم﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۲۸۳

وَعَنْ عَائِشَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ يُصَلِّيْ جَالِسًا فَيَقْرَأُ وَهُوَ جَالِسٌ فَاِذَا بَقِيَ مِنْ قِرَاءَتِهِ قَدْرُ مَا يَكُوْنُ ثَلٰثِيْنَ اَوْ اَرْبَعِيْنَ اٰيَةً قَامَ وَقَرَأَ وَهُوَ قَائِمٌ ثُمَّ رَكَعَ ثُمَّ سَجَدَ ثُمَّ يَفْعَلُ فِي الرَّكْعَةِ الثَّانِيَةِ مِثْلَ ذٰلِكَ رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

حوالہ: مسلم، ص نمبر ۲۵۲ ج ۱، باب جواز النافلۃ قائما وقاعداً، کتاب صلاۃ المسافرین، حدیث نمبر ۷۳۱،

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نفل نماز بیٹھ کر پڑھتے تھے، چنانچہ آپ ﷺ بیٹھ کر ہی قرأت فرماتے، پھر جب آپ ﷺ کی تیس چالیس آیات کے بقدر باقی رہ جاتی تو آپ ﷺ کھڑے ہو جاتے تھے، اور پھر بقیہ قرأت آپ ﷺ کھڑے ہو کر ہی فرماتے، پھر رکوع فرماتے، پھر سجدہ فرماتے، پھر دوسری رکعت میں بھی اسی طرح کرتے۔ (مسلم)

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ آپ ﷺ کبھی بیٹھ کر نماز شروع فرماتے، پھر کھڑے ہو کر کچھ قرأت فرما کر پھر رکوع وسجدہ فرماتے، آپ ﷺ ایسا نہیں کرتے تھے کہ کوئی نماز بیٹھ کر شروع فرمائیں۔ اور اس میں مکمل قرأت بیٹھ کر کریں صرف رکوع وسجدہ کے لئے کھڑے ہوئیں۔ آپ ﷺ کا عمومی معمول تو یہ تھا کہ جو نماز کھڑے ہو کر شروع فرماتے اس کو مکمل طور پر کھڑے ہو کر ادا کرتے، اور جو بیٹھ کر شروع فرماتے اس کو مکمل طور سے بیٹھ کر ادا فرماتے تھے، جیسا کہ مسلم شریف کی حدیث کا ایک جز ہے "وکان اذاقرأ وھوقائم رکع وسجد وھوقائم وکان اذاقرأقاعدا رکع وسجد وھوقاعد" (تحقیق کے لئے حدیث نمبر ۱۰۶۵ دیکھیں)

کلمات حدیث کی تشریح کان یصلی جالسا آپ ﷺ جب ضعیف ہوگئے تو اپنی آخری حیات میں بیٹھ کر نماز پڑھنے لگے تھے، قام وھوقائم ثم رکع ثم سجد، بیٹھ کر نماز شروع کرنے کے بعد حدیث میں جو صورت مذکور ہے، اس طریقہ پر نماز مکمل کرنے میں کوئی حرج نہیں، یہ صورت بالاتفاق بلا کراہت درست ہے۔

حدیث نمبر ۱۲۱۲ ﴿وتر کے دو رکعت پڑھنے کا حکم﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۲۸۴

وَعَنْ أُمِّ سَلَمَةَ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يُصَلِّيْ بَعْدَالْوِتْرِ رَكْعَتَيْنِ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَزَادَابْنُ مَاجَةَ خَفِيْفَتَيْنِ وَهُوَ جَالِسٌ.

حوالہ: ترمذی، ص نمبر ۱۰۸ ج ۱، باب ماجاء لاوتران فی لیلة، کتاب الوتر، حدیث نمبر ۴۷۱، ابن ماجة، ص نمبر باب ماجاء فی الرکعتین بعد الوتر جالساً، کتاب اقامة الصلاة حدیث نمبر ۱۱۹۵،

ترجمہ: حضرت ام سلمہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ وتر کے بعد دو رکعت نماز پڑھا کرتے تھے، (ترمذی) ابن ماجہ کی روایت میں یہ الفاظ مزید ہیں "خفیفتین وھو جالس" یعنی آپ ﷺ وہ دو رکعتیں ہلکی اور بیٹھ کر پڑھتے تھے۔

خلاصۂ حدیث آپ ﷺ کا عمومی معمول تو یہی تھا کہ آپ ﷺ سب سے آخیر میں وتر پڑھتے تھے، وتر کے بعد رات میں کوئی نماز نہیں پڑھتے تھے، لیکن بیان جواز کے لئے کبھی آپ ﷺ نے وتر کے بعد دو رکعت نفل بھی پڑھی ہیں، لیکن یہ دو رکعت نماز آپ ﷺ بیٹھ کر پڑھتے اور یہ بیٹھ کر پڑھنا بالقصد ہوتا تھا، تاکہ وتر کا آخری نماز ہونا بھی پورے طور پر متأثر نہ ہو،

کلمات حدیث کی تشریح کان یصلی بعدالوتر رکعتین وتر کے بعد دو رکعت نفل پڑھنے کے ثبوت کا امام مالکؒ انکار کرتے ہیں امام اعظمؒ اور امام شافعیؒ سے اس سلسلہ میں کچھ مروی نہیں ہے، امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ نہ میں یہ نفلیں پڑھتا ہوں اور نہ روکتا ہوں، متأخرین احناف نے وتر کے بعد دو رکعت نفل کا ثبوت تسلیم کیا ہے، لیکن یہ سب بحث اس وقت ہے جب کوئی اخیر رات میں وتر پڑھے، اور کوئی عشا کے بعد فوراً وتر پڑھ کر سوتا ہے، تو اس کے لئے وتر کے بعد نوافل پڑھنے میں اتفاق ہے۔

حدیث نمبر ۱۲۱۳ ﴿بیٹھ کر قرأت فرمانے کا ذکر﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۲۸۵

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ یوتر بِوَاحِدَةٍ ثُمَّ يَرْكَعُ رَكْعَتَيْنِ يَقْرَأُ فِيْهِمَا وَهُوَجَالِسٌ فَإِذَا أَرَادَ أَنْ يَّرْكَعَ قَامَ فَرَكَعَ رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ.

حوالہ: ابن ماجہ، ص نمبر ۸۳ باب ماجاء فی الرکعتین بعد الوتر جالساً، کتاب اقامة الصلاة، حدیث نمبر ۱۱۹۶.

ترجمہ: حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک رکعت کے ذریعہ سے وتر پڑھتے تھے، پھر دو رکعت نفل پڑھتے تھے، قرأت اس میں بیٹھ کر فرماتے تھے، پھر جب رکوع فرمانے کا ارادہ ہوتا تو کھڑے ہو کر رکوع فرماتے۔ (ابن ماجہ)

خلاصۂ حدیث اس حدیث سے بھی یہ بات سمجھ میں آرہی ہے کہ وتر کے بعد بسا اوقات آپ ﷺ دو رکعت نفل پڑھتے تھے، لہٰذا اس کا انکار بہت سی احادیث کا انکار کہلائے گا۔

کلمات حدیث کی تشریح یوتر بواحدۃ، یعنی ماقبل کے شفعہ میں ایک رکعت ملا کر تین رکعت وتر کی بناتے تھے، یرکع مراد نماز پڑھنا ہے، وھُوَ جَالِسٌ۔ آپ ﷺ کا بیٹھ کر قرأت فرمانا اور کھڑے ہو کر رکوع کرنا اس وجہ سے تھا، تا کہ وتر کی نماز کا آخری نماز ہونا باقی رہے۔ اور بیان جواز کے لئے وتر کے بعد نفل کا اہتمام بھی ہو جائے۔

حدیث نمبر ۱۲۱۴ ﴿وتر کے بعد دو رکعت پڑھنے کی فضیلت﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۲۸۶

عَنْ [illegible] عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ اِنَّ ھٰذَا السَّھَرَ جُھْدٌ وَثِقْلٌ فَاِذَا اَوْتَرَ اَحَدُکُمْ فَلْیَرْکَعْ رَکْعَتَیْنِ فَاِنْ قَامَ مِنَ [illegible] رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ.

حوالہ [illegible] نمبر ۴۵۲ ج ۱، باب فی الرکعتین بعد الوتر، کتاب الصلاۃ. حدیث نمبر ۱۵۹۴.

ترجمہ [illegible] سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ بلاشبہ شب بیداری بہت مشکل اور دشوار کام ہے، لہٰذا [illegible] جب کوئی شخص وتر پڑھ [illegible] کو چاہئے کہ وتر کے بعد نفل پڑھ لے، پھر اگر وہ رات میں بیدار ہو کر تہجد پڑھتا ہے، تو بہت [illegible] لئے کافی ہوں گی۔ (دارمی)

خلاصۂ حدیث اس حدیث سے [illegible] بات سمجھ میں آتی ہے کہ ''الدین یسر'' دین بہت آسان ہے تہجد کی نماز کیلئے بیدار ہونا بہت افضل [illegible] بیدار نہیں ہو پاتا تو اس فضیلت کو کسی حد تک حاصل کرنے کے لئے بہت سہل نسخہ بتایا کہ وتر کے بعد دو رکعت نفل پڑھ لو، اگر تہجد میں بیدار نہ ہو پائے تو یہ دو رکعت تہجد کے قائم مقام ہوں گی، ''اللّٰہ اکبر الحمد للّٰہ الذی جعل فی الامر سعۃ''

کلمات حدیث کی تشریح فاذا اوتر احد کم، سب سے بہتر صورت تو یہ ہے کہ نمازی عشاء کی نماز سے فارغ ہو کر سو جائے، اور آخیر شب میں تہجد کے بعد وتر پڑھے۔ تا کہ تہجد بھی مل جائے اور وتر بھی اخیر میں ادا ہو جائے، تا کہ آپ ﷺ کے فرمان ''اجعلو آخر صلاتکم باللیل وترًا'' پر بھی عمل ہو جائے، لیکن کوئی اخیر شب میں بیدار نہیں ہو سکتا تو اس کو چاہئے کہ وتر عشاء کے بعد میں پڑھ لے پھر سو جائے، آپ ﷺ کا فرمان ہے کہ ''من خاف أن لایقوم من آخر اللیل فلیوتر اولہ'' ''جس کو اس بات کا اندیشہ ہو کہ وہ اخیر رات میں بیدار نہ ہو سکے گا تو وہ اول شب میں وتر پڑھ لے، اب وتر کے مزید دو رکعت نفل پڑھ لے اس صورت میں وتر تو آخری نماز نہ ہوگی، لیکن یہ دو رکعت نفل تہجد کے قائم مقام ہوں گی، اگر تہجد میں بیدار نہ ہو سکا اور وتر کو آخری نماز بنانا یہ واجب نہیں ہے، صرف مستحب ہے، آپ ﷺ نے خود بیان جواز کے لئے اس کے خلاف کیا۔ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ ''فاذا اوتر احدکم فلیرکع رکعتین'' آپ ﷺ کے فرمان ''اجعلو آخر صلاتکم باللیل وتراً'' کے منافی ہے، کیوں کہ یہاں ''اوتر'' کا مطلب ہے کہ جب وتر کا ارادہ کرو تو دو رکعت نفل پڑھ لو یعنی جب اول شب میں وتر پڑھنا ہے تو وتر سے پہلے دو رکعت پڑھ لو یہ دو رکعت تہجد کے قائم مقام ہوں گی، اور وتر کو اس کے بعد پڑھو، تا کہ آخری نماز برقرار رہے۔

حدیث نمبر ۱۲۱۵ ☆☆☆ عالمی حدیث نمبر ۱۲۸۷

﴿وتر کے بعد دو رکعت نفل بیٹھ کر پڑھنے کا حکم﴾

عَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ کَانَ یُصَلِّیْهِمَا بَعْدَ الْوِتْرِ وَهُوَ جَالِسٌ یَقْرَأُ فِیْهِمَا اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ وَقُلْ یٰاَیُّهَا الْکَافِرُوْنَ رَوَاهُ اَحْمَدُ .

حوالہ: مسند احمد، ص نمبر ۲۶۰ ج ۵.

ترجمہ: حضرت ابوامامہؓ سے روایت ہے کہ بیشک نبی کریم ﷺ وتر کے بعد دو رکعت نفل نماز بیٹھ کر پڑھتے تھے، اور ان میں اذا زلزلت اور قل یا ایھا الکافرون کی قرأت فرماتے تھے۔ (مسند احمد)

خلاصۂ حدیث اس مضمون کی کئی حدیثیں ماقبل میں گذر چکی ہیں مطلب یہی ہے کہ وتر کے بعد دو رکعت نماز کبھی کبھی آپ ﷺ نے پڑھی ہے۔ اس حدیث میں مزید یہ بھی نقل ہے کہ ان دونوں رکعتوں میں آپ ﷺ سورۃ الزلزال اور سورۃ الکافرون کی تلاوت فرماتے تھے۔

کلمات حدیث کی تشریح وھو جالس آپ ﷺ وتر کے بعد دو رکعت نفل پڑھتے تھے، اور یہ بیٹھ کر پڑھنا اتفاقی امر نہ تھا، بالقصد تھا، تاکہ وتر کا آخری نماز ہونا متاثر نہ ہو، حضرت گنگوہیؒ نے فرمایا کہ بیشک بیٹھ کر نماز پڑھنے سے ثواب آدھا ملتا ہے، لیکن اگر کوئی اتباع رسول کی نیت سے بیٹھ کر پڑھے تو اس کو دو ثواب ملیں گے (۱) نفلوں کا آدھا ثواب اور اتباع سنت کا علاحدہ ثواب۔ اور ممکن ہے کہ نفل اور اتباع رسول کا ثواب کھڑے ہو کر نفل پڑھنے کے ثواب سے زیادہ ہو جائے یَقْرَأُ فِیْهِمَا اذا زلزلت نفل کی دونوں رکعتوں میں سے ایک میں سورۃ الزلزال اور دوسری میں سورۃ الکافرون آپ ﷺ پڑھتے تھے، یہیں سے اس حدیث کا مطلب بھی واضح ہو گیا جس میں آیا ہے کہ ''خفیفتین'' یعنی وتر کے بعد آپ ﷺ جو دو رکعت پڑھتے تھے، وہ ہلکی پڑھتے تھے۔

باب القنوت

﴿قنوت کا بیان﴾

قنوت کے کئی معانی آتے ہیں۔ (۱) اطاعت کرنا (۲) نماز میں کھڑا ہونا (۳) اللہ تعالیٰ کے سامنے خاکساری کرنا اسی طرح دعا کو بھی قنوت کہتے ہیں اور اصطلاح میں قنوت دعائے مخصوص کو کہتے ہیں اور وہی یہاں مراد ہے۔ اس باب کے تحت چھ روایتیں درج کی گئی ہیں، اس باب میں دو مسئلے ہیں۔ پہلا مسئلہ وتر میں قنوت پورے سال ہے یا صرف رمضان میں یا رمضان کے نصف آخر میں ہے؟ امام ابو حنیفہ اور امام احمد رحمہما اللہ کا مختار قول اور امام شافعیؒ کی ایک روایت یہ ہیکہ وتر میں قنوت پورے سال ہے اور امام مالکؒ کے نزدیک صرف رمضان میں ہے باقی گیارہ مہینے وتر میں قنوت نہیں۔ اور امام شافعیؒ کا اصل مذہب اور امام احمدؒ کی روایت یہ ہے کہ رمضان کی سولہویں رات سے ختم رمضان تک قنوت ہے، باقی ساڑھے گیارہ مہینے قنوت نہیں۔

دوسرا مسئلہ امام اعظم اور امام مالک رحمہما اللہ کے نزدیک قنوت کی جگہ وتر کی آخری رکعت میں رکوع سے پہلے ہے۔ اور امام شافعیؒ اور امام احمد رحمہما اللہ کے نزدیک رکوع کے بعد قومہ میں قنوت کی جگہ ہے، اس مسئلہ میں کوئی مرفوع روایت نہیں ہے۔ البتہ صحابہ کے مختلف اقوال اور اعمال ہیں حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ سال بھر قنوت کے قائل تھے، اور وہ اس کی جگہ تیسری رکعت میں رکوع سے پہلے تجویز کرتے تھے۔ احناف نے اسی کو لیا ہے اور حضرت علیؓ سے صرف رمضان کے آخری پندرہ دنوں میں قنوت پڑھنا مروی ہے آپ تیسری رکعت کے رکوع کے بعد پڑھتے تھے، امام شافعیؒ نے اسی کو اختیار کیا ہے۔

قنوت کے سلسلہ میں دو دعائیں روایات میں آتی ہیں ایک دعا مشکوٰۃ میں حضرت حسنؓ سے منقول ہے اس کو شوافع نے اختیار کیا

ہے۔ اور دوسری دعا جو احناف کے یہاں معروف و مشہور ہے اس کو ابن شیبہ اور طحاوی وغیرہ نے حضرت عمر اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ (مستفاد تحفۃ الالمعی ۳۲۰/۲، رحمۃ اللہ الواسعہ ۴۹۹/۳)

فائدہ: قنوت تین ہیں (۱) جو وتر میں پڑھا جاتا ہے (۲) قنوت نازلہ جو دشمن کی طرف سے آنے والی کسی افتاد کے وقت میں پڑھا جاتا ہے امام اعظمؒ کا مشہور قول یہ ہیکہ یہ قنوت صرف نماز فجر کی دوسری رکعت کے قومہ میں پڑھا جائے دوسرا قول یہ ہیکہ تمام جہری نمازوں میں پڑھ سکتے ہیں اور امام شافعیؒ کے نزدیک پانچوں نمازوں میں قنوت نازلہ پڑھ سکتے ہیں۔ (۳) قنوت راتبہ ہمیشہ پڑھا جانے والا قنوت اس کے صرف امام مالک اور امام شافعی رحمہما اللہ قائل ہیں، پھر امام مالک اس کو مستحب گردانتے ہیں اور امام شافعیؒ سنت باقی دو امام اس قنوت کے قائل نہیں ہیں، یہ قنوت صرف فجر کی نماز میں دوسری رکعت کے قومہ میں ہے۔

الفصل الاوّل

حدیث نمبر ۱۲۱۶ ﴿آپ ﷺ کا قنوت پڑھنا﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۲۸۸

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَؓ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ اِذَا اَرَادَ اَنْ يَدْعُوْ عَلٰى اَحَدٍ اَوْ يَدْعُوْ لِاَحَدٍ قَنَتَ بَعْدَ الرُّكُوْعِ فَرُبَّمَا قَالَ اِذَا قَالَ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ اَللّٰهُمَّ اَنْجِ الْوَلِيْدَ بْنِ الْوَلِيْدَ وَسَلَمَةَ بْنِ هِشَامٍ وَعَيَّاشِ بْنِ اَبِیْ رَبِيْعَةَ اَللّٰهُمَّ اشْدُدْ وَطْاَتَكَ عَلٰى مُضَرَ وَاجْعَلْهَا سِنِيْنَ كَسِنِیْ يُوْسُفَ يَجْهَرُ بِذٰلِكَ وَكَانَ يَقُوْلُ فِیْ بَعْضِ صَلٰوتِهٖ اَللّٰهُمَّ الْعَنْ فُلَانًا وَفُلَانًا لِاَحْيَاءٍ مِنَ الْعَرَبِ حَتّٰى اَنْزَلَ اللّٰهُ لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَیْءٌ الْآيَةَ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حواله: بخاری ص: ۶۵۵ ج ۲، باب لیس لك من الامر شی، کتاب التفسیر، حدیث نمبر ۴۵۹۰ مسلم، ص: نمبر ۲۳۷ ج ۱، باب استحباب القنوت فی جمیع الصلاۃ، کتاب المساجد ومواضع الصلاۃ حدیث نمبر ۶۷۵۔

ترجمه: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب کسی کو بددعا دیتے یا کسی کے لیے دعا کرتے تو رکوع کے بعد دعائے قنوت پڑھتے تھے چنانچہ بعض اوقات ''سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ'' کہنے کے بعد یہ دعا کرتے تھے، ''اَللّٰهُمَّ اَنْجِ الْوَلِيْدَ الخ'' اے اللہ ولید بن ولید، سلمہ بن ہشام، اور عیاش بن ربیعہ کو نجات عطا فرما، اے اللہ قوم مضر پر تو اپنا سخت عذاب نازل کر اور اس عذاب کو قحط کی صورت میں اُن پر مسلط کر، ایسا قحط جو حضرت یوسف علیہ السلام کے قحط کے مانند ہو، یہ دعا رآپ ﷺ باواز بلند فرماتے تھے اور کسی نماز میں عرب کے بعض قبائل کے لیے اس طرح بددعا فرماتے تھے۔ ''اَللّٰهُمَّ الْعَنْ فُلَانًا فُلَانًا'' اے اللہ تو لعنت کر فلاں اور فلاں پر یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی لیس لك من الامر شی الخ یعنی اس معاملہ میں آپ ﷺ کا کوئی دخل نہیں ہے۔ (بخاری ومسلم)

خلاصۂ حدیث اس حدیث میں قنوت نازلہ کا ذکر ہے قنوت نازلہ حادثہ اور مصیبت پیش آنے پر پڑھا جاتا ہے اس قنوت میں آپ ﷺ نے بعض مظلوم مسلمانوں کی رہائی کی دعار کی ہے اور بعض کافروں پر بددعا کی ہے قبیلۂ مضر جس کی وحشت گردانہ کارروائیوں کے باعث مسلمانوں کو اپنا وطن ترک کرنا پڑا، ان کے بارے میں آپ ﷺ نے قحط کی بددعار کی تاکہ ان کی عسکری طاقت ختم ہو اور ان کا غرور ٹوٹے آپ کی بددعار کے اثر کی بنار پر مکہ والے سخت قحط سالی کا شکار ہوئے۔ آپ ﷺ یہ قنوت برابر پڑھتے رہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے مذکورہ آیت نازل فرما کر آپ ﷺ کو دشمنوں کے حق میں بددعار کرنے سے روکا۔ مسلمانوں پر کسی قسم کی مصیبت یا حادثہ پیش آنے پر یا دشمن کے حملہ آور ہونے پر اس دعار کا اہتمام نمازوں میں کرنا درست ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح

اذا اراد ان یدعو علی احد و یدعو لاحد کسی قوم کے ظلم وستم کی بنا پر اس کے خلاف بدعا کا، یا کسی مظلوم جماعت کے حق میں دعا کا ارادہ آپ ﷺ فرماتے تو دعا قنوت پڑھتے قنت قنوت کے اصل معنی اطاعت کے ہیں یہاں مراد دعا ہے آپ قنوت کب پڑھتے تھے صبح کی نماز کے ساتھ خاص ہونے کا بھی احتمال ہے اور تمام نمازوں میں پڑھنے کا بھی امکان ہے **بعدالرکوع** آپ دعا قنوت رکوع کے بعد پڑھتے تھے، بیہقی نے نقل کیا ہے کہ آپ ﷺ رکوع سے قبل دعا قنوت پڑھتے تھے یہ حدیث بظاہر حنفیہ کے خلاف ہے کیوں کہ حنفیہ قنوت قبل الرکوع کے قائل ہیں حنفیہ کا اس حدیث میں جو عمل ہے اس کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ عمل قنوتِ نازلہ کے ساتھ مخصوص ہے، آپ نے صرف ایک مہینہ رکوع کے بعد قنوت پڑھا ہے جیسا کہ اگلی حدیث میں صراحۃً یہ مضمون منقول ہے **اللّٰھم الخ** اللہ کے نبی نے بعض مظلوم مسلمانوں کے لیے قنوتِ نازلہ کے ذریعہ دعا کی **الولید بن الولید** آپ ﷺ نے جن لوگوں کے لیے دعا کی اُن میں ولید بن ولید بھی شامل تھے، یہ ولید بن مغیرہ کے بیٹے اور خالد بن ولید کے بھائی ہیں، بدر کی جنگ میں کفار کی طرف سے آئے اور گرفتار ہوئے زرفدیہ ادا کر کے چھٹے، مکہ پہنچ کر اغواش اسلام میں داخل ہوگئے، لوگوں نے کہا اگر اسلام قبول کرنا تھا تو پہلے قبول کر لیتے، زرفدیہ دلوانے کی کیا ضرورت تھی یہ سن کر وہ بولے "**کرھت ان یظن بی أنی أسلمت جزعا**" مجھے یہ بات ناگوار ہوئی کہ لوگ سمجھیں کہ میں ڈر کر مسلمان ہوگیا ہوں ان کے ایمان لانے کی بنا پر ان کے بھائیوں نے ان کو قید کر دیا، اور ان کو اذیت پہنچانے لگے آپ ﷺ نے ان کی نجات کیلئے دعا فرمائی، چنانچہ ان کو نجات مل گئی اور مدینہ آ کر نبی کریم ﷺ کے ساتھ شامل ہوگئے، **سلمة بن هشام** یہ قریش کے معزز افراد میں تھے ابوجہل کے بھائی تھے ابتدا ہی میں مسلمان ہوگئے تھے، لیکن کفار مکہ نے ان کو ظلم وستم کا نشانہ بنایا، ہجرت مدینہ سے روک دیا، آپ ﷺ کی دعا کی برکت سے ظالموں کے چنگل سے رہائی پا کر مدینہ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے **عیاش بن ربیعة** یہ ابوجہل کے اخیافی بھائی تھے، ابتدائے اسلام میں مسلمان ہوگئے تھے انہوں نے بہت سختیاں برداشت کیں بالآخر نبی کریم ﷺ کی دعا سے ان کو نجات ملی۔

اللّٰھم اشدد وطأتك علی مضر: آپ نے قبائل مضر پر بہت سخت بدعا کی کیوں کہ یہ مسلمانوں کے سخت دشمن تھے انہوں نے دعوتِ اسلام کو دبانے کے لئے ہر طرح کے ظلم وستم کے پہاڑ توڑے تھے، ان ہی کی ظالمانہ کارروائیوں کی بدولت مسلمانوں نے ترکِ وطن گوارا کیا، **واجعلها سنین** آپ ﷺ نے قبیلۂ مضر پر ایسے سخت قحط کی بدعا کی، جیسا قحط مصر میں حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانے میں پڑا تھا، آپ ﷺ کی بدعا کا اثر یہ ہوا کہ کفار مکہ سخت ترین قحط کا شکار ہوگئے **اللّٰھم العن** بعض قبائل کے حق میں آپ ﷺ نے لعنت کی یعنی اللہ سے بدعا کی کہ ان کو اپنی رحمت سے دور کر دیجئے، **لیس لك** یعنی ہدایت دینا یا مخلوق کو تباہ و برباد کرنا، ان امور میں آپ ﷺ کو کوئی اختیار نہیں ہے اللہ جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے، جس کو چاہتا ہے ہلاک کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے معاف کرتا ہے، اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی مذکورہ آیت میں آپ ﷺ کو کفار کے حق میں بدعا کرنے سے روکا، چنانچہ آپ رک گئے، اگرچہ بدعا کرنے میں آپ حق بجانب تھے، لیکن اللہ تعالیٰ کی مرضی یہ تھی کہ آپ ﷺ اپنی شانِ رحمت کے اعتبار سے معاملہ فرمائیں اور ان کے حق میں بدعا سے گریز کریں، چنانچہ کچھ دنوں کے بعد یہی بڑے بڑے ظالم آپ ﷺ کے جان نثار اور آپ ﷺ کے اشارے پر گردن کٹانے والے بن گئے۔

حدیث نمبر ۱۲۱۷ (رکوع سے پہلے دعائے قنوت کا ذکر) عالمی حدیث نمبر ۱۲۸۹

وَعَنْ عَاصِمٍ الْاَحْوَالِ قَالَ سَأَلْتُ اَنَسَ بْنَ مَالِكٍ عَنِ الْقُنُوْتِ فِی الصَّلٰوةِ كَانَ قَبْلَ الرُّكُوْعِ اَوْبَعْدَهٗ قَالَ قَبْلَهٗ اِنَّمَا قَنَتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بَعْدَ الرُّكُوْعِ شَهْرًا اِنَّهٗ كَانَ بَعَثَ اُنَاسًا يُقَالُ لَهُمُ الْقُرَّاءُ سَبْعُوْنَ رَجُلًا فَاُصِيْبُوْا فَقَنَتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بَعْدَالرُّكُوْعِ شَهْرًا يَدْعُوْ عَلَيْهِمْ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

حواله: بخاری ص نمبر ۱۳۶ ج ۱ باب القنوت قبل الرکوع الخ ، کتاب الوتر، حدیث نمبر ۱۰۰۲ مسلم، ص نمبر ۲۳۷ ج ۱ باب استحباب القنوت فی جمیع الصلاة ، کتاب المساجد و مواضع الصلاة حدیث نمبر ۶۷۷

ترجمه: حضرت عاصم احولؒ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت انس بن مالکؓ سے نماز میں قنوت پڑھنے کے بارے میں سوال کیا کہ رکوع سے پہلے قنوت پڑھا جاتا تھا یا رکوع کے بعد، انہوں نے کہا، رکوع سے پہلے اصل بات یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے رکوع کے بعد صرف ایک مہینہ قنوت پڑھا، جبکہ آپ ﷺ نے کچھ صحابہؓ کو جو قراء کہلاتے تھے وہ ستر حضرات تھے بھیجا (قرآن سکھانے کیلئے) اور وہ سب شہید کر دیئے گئے تو آپ ﷺ نے رکوع کے بعد ایک مہینہ قنوت پڑھا، جسمیں آپ ﷺ نے ان صحابہؓ کے قاتلوں کیلئے بددعا کی۔ (بخاری و مسلم)

خلاصۂ حدیث: اس حدیث میں ایک بات تو یہ معلوم ہوئی کہ اصلاً آپ قنوت قبل الرکوع پڑھتے تھے، اور یہی حنفیہ کا مذہب بھی ہے، اور جن روایات میں بعد الرکوع منقول ہے ان کا معاملہ بھی حدیث باب سے واضح ہو گیا کہ ان روایات کا تعلق اس ایک مہینہ سے ہے جس میں آپ ﷺ نے قنوت بعد الرکوع پڑھا تھا، آپ کا عمومی عمل قنوت قبل الرکوع ہی تھا ایک مہینہ آپ ﷺ نے قنوت بعد الرکوع اس وقت پڑھا جب ستر بزرگ صحابہؓ کو بئر معونہ کے قریب شہید کر دیا گیا یہ صحابہ کہلاتے تھے، قرآن کریم کی تعلیم کے غرض سے جا رہے تھے کہ دھوکہ دے کر ان کو قتل کر دیا گیا، آپ ﷺ کو اس دردناک واقعہ پر بہت رنج ہوا، چنانچہ ایک مہینہ آپ ﷺ نے قنوت نازلہ کے ذریعہ قاتلوں کے حق میں بددعا فرمائی۔

کلمات حدیث کی تشریح: انما قنت رسول الله ﷺ بعد الرکوع شهرا، گزشتہ حدیث میں یہ مضمون گذرا تھا کہ آپ ﷺ نے رکوع کے بعد قنوت پڑھا حدیث باب میں سوال و جواب کے ذریعہ سے معلوم ہوا کہ رکوع سے قبل قنوت پڑھنا آپ ﷺ کا عمومی عمل تھا۔

قنوت قبل الرکوع یا بعد الرکوع؟ اختلاف ائمه

حنفیه کا مذهب: حنفیہ کے نزدیک دعائے قنوت قبل الرکوع پڑھنی چاہئے یہی امام مالک اور کثیر صحابہ کرام کا مذہب ہے۔

دلائل: (۱) حضرت ابی بن کعبؓ کی روایت ہے "ان رسول الله ﷺ کان یوتر فیقنت قبل الرکوع" اس روایت میں صراحتاً یہ بات ہے کہ آپ ﷺ دعائے قنوت رکوع سے پہلے پڑھتے تھے۔ (۲) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت ہے کہ "ان رسول الله ﷺ قنت فی الوتر قبل الرکوع"

شوافع کا مذهب: شوافع و حنابلہ کے نزدیک رکوع کے بعد قنوت مسنون ہے۔

دلیل: ان کا استدلال سوید بن غفلہ کی روایت سے ہے جس میں منقول ہے کہ "سمعت ابابکر وعمر وعثمان وعلیا رضی الله عنهم یقولون قنت رسول الله ﷺ فی آخر الوتر" آخر وتر میں آپ ﷺ قنوت پڑھتے تھے، اور آخر وتر تب ہو گا جب کہ قنوت رکوع کے بعد ہو۔

جواب: جب ایک چیز نصف سے زائد ہو جائے تو وہ آخر شمار ہوتی ہے، لہٰذا جب قنوت تیسری رکعت میں پڑھا جائے اگرچہ رکوع سے پہلے ہو، تب بھی وہ آخر ہی میں شمار ہو گا، آخر کے لئے یہ ہرگز لازم نہیں ہے، کہ وہ رکوع کے بعد ہو، شوافع وغیرہ بعض دیگر دلائل سے بھی استدلال کرتے ہیں، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے رکوع کے بعد قنوت پڑھا اس کا جواب یہ ہے کہ آپ ﷺ کا عمل قنوتِ نازلہ سے متعلق ہے، جیسا کہ روایت باب میں صراحت ہے کہ ایک مہینہ آپ ﷺ نے قنوت نازلہ میں رکوع کے بعد قنوت پڑھا۔

الفصل الثانی

حدیث نمبر ۱۲۱۸ ﴿قنوت نازلہ کا بیان﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۲۹۰

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَنَتَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ شَهْرًا مُتَتَابِعًا فِي الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ وَالْمَغْرِبِ وَالْعِشَآءِ وَصَلٰوةِ الصُّبْحِ اِذَا قَالَ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ مِنَ الرَّكْعَةِ الْاٰخِرَةِ يَدْعُوْ عَلٰى اَحْيَاءٍ مِّنْ بَنِيْ سُلَيْمٍ عَلٰى رِعْلٍ وَذَكْوَانَ وَعُصَيَّةَ وَيُؤَمِّنُ مَنْ خَلْفَهٗ رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ.

حوالہ: ابو داؤد ص نمبر ۲۰۴ ج ۱، باب القنوت فی الصلاۃ، کتاب الوتر، حدیث نمبر ۱۴۴۳.

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک مہینہ مکمل ظہر، عصر، مغرب، عشاء اور فجر کی نمازوں میں قنوت پڑھا جب آخری رکعت میں "سمع اللہ لمن حمدہ" کہہ چکتے تو بنو سلیم رعل، ذکوان اور عصیہ قبائل پر بددعا کرتے اور آپ ﷺ کے پیچھے لوگ "آمین" کہتے۔ (ابوداؤد)

خلاصۂ حدیث اس حدیث سے ایک بات تو یہ معلوم ہوئی کہ آپ ﷺ نے صرف ایک مہینہ فرض نمازوں میں قنوت پڑھا، لہٰذا ہمیشہ فرض نمازوں میں دعائے قنوت نہیں پڑھی جائے گی، جب کبھی مصیبت نازل ہوگی تب فرض نمازوں میں قنوت پڑھنا مشروع ہے، دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ اس موقع پر آپ ﷺ نے بعد الرکوع قنوت پڑھا، لہٰذا وتر کا قنوت قبل الرکوع ہی پڑھا جائے گا بعد الرکوع کا تعلق قنوتِ نازلہ سے ہے، آپ ﷺ نے بنو سلیم کے مذکورہ قبائل پر اس وجہ سے بددعا کی کہ قراء صحابہ کے قتل میں یہی قبائل پیش پیش تھے۔

کلمات حدیث کی تشریح قنت رسول اللہ ﷺ شهراً متتابعًا آپ ﷺ نے لگاتار ایک مہینہ دعائے قنوت پڑھی، ابن الملک کہتے ہیں کہ یہیں سے یہ بات معلوم ہوئی کہ تمام اوقات میں فرض نمازوں میں قنوت مشروع نہیں ہے، بلکہ فرض نماز میں قنوت اس وقت مشروع ہے جب مسلمانوں پر کوئی مصیبت نازل ہو جائے مثلاً قحط ہو جائے، یا دشمن کا غلبہ ہو جائے، یا اس کے علاوہ کوئی مصیبت آجائے۔ (مرقات ص نمبر ۱۸۱ ج ۳)

قنوت فی الفجر اور اختلاف ائمہ

فجر کی نماز میں ہمیشہ قنوت پڑھنا مستحب ہے یا نہیں؟ اس مسئلہ میں ائمہ کا اختلاف ہے۔

حنفیہ کا مذہب: امام ابوحنیفہؒ اور صحابہ وتابعین کی ایک بڑی جماعت اس بات کی قائل ہے کہ فجر کی نماز میں ہمیشہ قنوت پڑھنا نہ سنت ہے نہ مستحب، البتہ مصیبت کے نزول کے وقت قنوتِ نازلہ پڑھنا مسنون ہے۔

دلیل: (۱) پہلی دلیل تو حدیث باب ہے، جس میں صراحت ہے کہ آپ ﷺ نے ایک مہینہ قنوت پڑھا (۲) مسند بزار میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت ہے کہ "لم يقنت رسول الله ﷺ فی الصبح الاشهر اثم تركه لم يقنت قبله ولا بعده" اس حدیث سے یہ بات معلوم ہوئی کہ آپ ﷺ نے فجر کی نماز میں صرف ایک مہینہ قنوت پڑھا، نہ یہ کہ آپ ﷺ کا ہمیشہ کا معمول تھا، اور یہ ایک مہینہ قنوت پڑھنا بھی ایک خاص مصیبت کے نازل ہونے کی بنا پر تھا۔

شوافع کا مذہب: امام شافعیؒ فجر کی نماز میں ہمیشہ قنوت کے مسنون ہونے کے قائل ہیں، امام مالکؒ بھی ہمیشہ فجر کی نماز میں دعائے قنوت کو مستحب قرار دیتے ہیں۔

دلیل: یہ حضرات حضرت انسؓ کی اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں "مازال رسول الله ﷺ يقنت فی صلاة الغداة حتى فارق الدنيا" حضرت نبی کریم ﷺ فجر کی نماز میں ہمیشہ قنوت پڑھتے رہے، یہاں تک کہ آپ ﷺ اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔

جواب: (۱) یہاں قنوت سے مراد "طویل قیام" ہے اور فجر میں آپ ﷺ لمبا قیام فرماتے تھے، یہ مسلم بات ہے (۲) ہمیشہ فجر میں قنوت پڑھنے کا مطلب یہ ہے کہ مصیبت کے نازل ہونے پر آپ ﷺ نے ہمیشہ فجر کی نماز میں قنوت پڑھا۔ (۳) خود حضرت انسؓ کی دوسری روایت اس مفہوم کی تردید کرتی ہے جو حضرات شوافع مراد لیتے ہیں عاصم بن سلیمان کہتے ہیں کہ ہم نے حضرت انسؓ سے دریافت کیا کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ حضورؐ نے فجر کی نماز میں ہمیشہ قنوت پڑھا، حضرت انسؓ نے جواب دیا کہ "کذبوا انما قنت رسول الله ﷺ شهراً واحداً" جولوگ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ نے ہمیشہ فجر کی نماز میں قنوت پڑھا وہ جھوٹ بولتے ہیں حضور ﷺ نے صرف ایک مہینہ فجر کی نماز میں قنوت پڑھا۔ اس مسئلہ سے متعلق مزید تحقیق کے لئے معارف السنن اور بذل المجہود دیکھیں۔

حدیث نمبر ۱۲۱۹ ﴿ایک مهینه قنوت پڑھنے کا تذکرہ﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۲۹۱

وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ قَنَتَ شَهْرًا ثُمَّ تَرَكَهُ رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَالنَّسَائِیُّ.

حواله: ابو داؤد، ص نمبر ۲۰٤ ج ۱ باب القنوت في الصلاة، كتاب الوتر، حديث نمبر ۱٤٤٥ نسائی، ص نمبر ۱۲۲ ج ۱ باب ترك القنوت، كتاب التطبيق، حديث نمبر ۱۰۷۸

ترجمه: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک مہینہ قنوت پڑھا پھر اس کا پڑھنا چھوڑ دیا۔ (ابوداؤد، نسائی)

خلاصۂ حدیث ستر قراء صحابہ کو دھوکے سے قتل کردیا گیا، آپ ﷺ نے ایک مہینہ تک ان کے قاتلوں کے لئے فرض نماز میں قنوت پڑھ کر بددعا کی، پھر جب آیت شریفہ "ليس لك من الامر شئ الخ" نازل ہوئی، تو آپ ﷺ نے قنوتِ نازلہ پڑھنا ترک کردیا۔

کلمات حدیث کی تشریح قنت شهراً ثم تركه ایک مہینہ قنوت پڑھا۔ پھر ترک کردیا، چوں کہ آپ ﷺ کی شان بہت بلند تھی اور آپ ﷺ کی رحمت بہت عام تھی، اس بنا پر اللہ تعالیٰ نے یہ پسند نہیں کیا آپ ﷺ بہت زیادہ بددعا کریں، لہٰذا آپ ﷺ کو قنوتِ نازل کے ذریعہ بددعا کرنے سے روک دیا، اگرچہ آپ ﷺ بددعار کرنے میں حق پر تھے، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بہت سے وہ لوگ جو آپ ﷺ کے دشمن تھے، ہدایت پاکر آپ ﷺ کے غلام ہوئے، مسلمانوں کے لئے مصیبت نازل ہونے کے وقت فرض نمازوں میں دعائے قنوت کا اہتمام کرنا مشروع ہے۔

حدیث نمبر ۱۲۲۰ ﴿فجر میں ہمیشہ قنوت پڑھنا ثابت نہیں ہے﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۲۹۲

وَعَنْ اَبِیْ مَالِكِ نِ الْاَشْجَعِیِّ قَالَ قُلْتُ لِاَبِیْ یَااَبَتِ اِنَّكَ قَدْ صَلَّیْتَ خَلْفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَاَبِیْ بَكْرٍ وَّعُمَرَ وَعُثْمَانَ وَعَلِیٍّ هٰهُنَا بِالْكُوْفَةِ نَحْوًا مِّنْ خَمْسِ سِنِیْنَ اَكَانُوْا یَقْنُتُوْنَ قَالَ اَیْ بُنَیَّ مُحْدَثٌ رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَالنَّسَائِیُّ وَابْنُ مَاجَةَ.

حواله: ترمذی، ص نمبر ۹۱ ج ۱ باب ماجاء في ترك القنوت، كتاب الصلاة، حديث نمبر ۴۰۲، نسائی، ص نمبر ۱۲۲ ج ۱ باب ترك القنوت، كتاب التطبيق، حديث نمبر ۱۰۷۹ ابن ماجه، ص نمبر ۸۷ باب ماجاء في القنوت في صلاة الفجر، كتاب اقامة الصلاة حديث نمبر ۱۲٤۱

ترجمه: حضرت ابومالک اشجعیؒ سے روایت ہے کہ میں نے اپنے والد سے عرض کیا کہ "ابا جان! آپ ﷺ نے بلاشبہ جناب نبی کریم ﷺ کے پیچھے، حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ حضرت عثمان کے پیچھے یہاں کوفہ میں تقریباً پانچ سال حضرت علیؓ کے پیچھے نماز پڑھی، کیا یہ حضرات قنوت پڑھتے تھے "حضرت ابومالکؒ کے والد نے جواب دیا اے میرے بیٹے یہ نئی بات ہے۔ (ترمذی، نسائی، ابن ماجہ)

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ آپ ﷺ اور خلفاء راشدین ہمیشہ فرض نمازوں میں قنوت نہیں پڑھتے تھے، مصیبت کے نزول کے وقت ایک خاص مدت تک پڑھنا تو ثابت ہے، لہٰذا تمام فرض نمازوں میں یا کسی ایک فرض نماز میں ہمیشہ قنوت پڑھنا یہ وہ چیز ہے جو غیر ثابت شدہ ہے اور نئی بات ایجاد کرنا ہے۔

کلماتِ حدیث کی تشریح ای بنی محدث آپ ﷺ نے ابتدائی ایام میں فجر میں قنوت پڑھا ہے، مگر بعد میں ترک کر دیا تھا، صغار صحابہؓ نے جب دیکھا کہ مرورِ زمانہ سے لوگ آنحضرت ﷺ کے اس عمل کو بھول گئے ہیں، تو انہوں نے کبھی کبھی اس پر عمل شروع کر دیا تا کہ لوگ اس عمل کو بھی محفوظ کریں، مگر چوں کہ ہر نئی چیز لذیذ ہوتی ہے، اس لیے بعض لوگوں نے اس سے دل چسپی لینی شروع کر دی اور پھر وہ لوگ اس عمل کو دوام کے ساتھ کرنے لگے، ابو مالک اشجعیؒ کے علاقے میں بھی بعض لوگ فجر میں دوام کے ساتھ قنوت پڑھنے لگے تھے، لہٰذا انہوں نے اپنے والد صحابی رسول ﷺ سے مسئلہ دریافت کیا، تو انہوں نے اس کو بدعت قرار دیا (تحفۃ الالمعی) فجر میں دائمی قنوت کا مسئلہ حدیث نمبر ۱۲۱۱ کے تحت گذرا ہے دیکھ لیا جائے۔

الفصل الثالث

حدیث نمبر ۱۲۲۱ ☆☆☆ عالمی حدیث نمبر ۱۲۹۳، ۱۲۹۴

﴿رمضان کے نصف اخیر میں قنوت پڑھنے کا ذکر﴾

عَنِ الْحَسَنِ اَنَّ عُمَرَ بْنَ الخَطَّابِ جَمَعَ النَّاسَ عَلٰی اُبَیِّ بْنِ كَعْبٍ فَكَانَ يُصَلِّی لَهُمْ عِشْرِيْنَ لَيْلَةً وَّلَا يَقْنُتُ بِهِمْ اِلَّا فِی النِّصْفِ الْبَاقِیْ فَاِذَا كَانَتِ الْعَشْرُ الْاَوَاخِرُ يَتَخَلَّفُ فَصَلّٰی فِیْ بَيْتِهٖ فَكَانُوْا يَقُوْلُوْنَ اَبَقَ اُبَیٌّ رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَسُئِلَ اَنَسُ بْنُ مَالِكٍ عَنِ الْقُنُوْتِ فَقَالَ قَنَتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بَعْدَالرُّكُوْعِ وَفِیْ رِوَايَةٍ قَبْلَ الرُّكُوْعِ وَبَعْدَهٗ رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ.

حوالہ: ابو داؤد، ص نمبر ۲۰۲ ج ۱، باب القنوت فی الوتر، کتاب الوتر، حدیث نمبر ۱۷۲۹، ابن ماجہ، ص نمبر باب ماجاء فی القنوت قبل الرکوع وبعدہ، کتاب اقامۃ الصلاۃ حدیث نمبر ۱۲۷۱۔

ترجمہ: حضرت حسن بصریؒ سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن الخطابؓ نے لوگوں کو حضرت ابی بن کعبؓ کے پیچھے جمع کیا، چنانچہ حضرت ابی بن کعبؓ بیس راتوں تک ان کو تراویح کی نماز پڑھاتے تھے اور قنوت صرف نصف اخیر میں پڑھتے تھے، جب رمضان کا آخری عشرہ آتا تو وہ الگ ہو جاتے اور اپنے گھر میں نماز پڑھتے لوگ کہتے کہ ابی بن کعبؓ بھاگ کھڑے ہوئے (ابوداؤد) حضرت انسؓ بن مالکؓ سے قنوت کے بارے میں دریافت کیا گیا تو آپؓ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ قنوت رکوع کے بعد پڑھتے تھے اور ایک روایت میں ہے کہ رکوع سے پہلے اور رکوع کے بعد پڑھتے تھے۔

خلاصہ حدیث اس حدیث سے چند باتیں معلوم ہوتی ہیں (۱) حضرت ابی بن کعب سید القراء تھے، اس لیے حضرت عمرؓ نے ان کو تراویح کا امام مقرر کیا، تا کہ لوگ ان کے پیچھے تراویح پڑھیں (۲) حضرت ابی صرف بیس رات تراویح میں امامت کرتے تھے باقی دس دن خلوت میں عبادت کرتے تھے، (۳) دعائے قنوت رمضان کے نصف اخیر میں پڑھی جاتی تھی، (۴) قنوت رکوع کے بعد پڑھا جاتا تھا، اخیر الذکر دونوں امور شوافع کے مطابق اور حنفیہ کے خلاف ہیں (۵) حضرت ابی بن کعبؓ جب گھر میں

رکوع سے قبل اور رکوع کے بعد دونوں صورتوں میں قنوت پڑھا ہے۔

کلماتِ حدیث کی تشریح ولا یقنت بھم الافی النصف الآخیر حدیث کے اس جز سے معلوم ہو رہا ہے کہ "قنوت فی الوتر" صرف رمضان کے نصف اخیر میں ہے یہی حضرات شوافع کا مذہب ہے، لہٰذا یہ شوافع کی دلیل ہے حنفیہ کے نزدیک سارے سال وتر میں میں دعائے قنوت مشروع ہے، ان کی دلیل وہ حدیث ہے، جو گذشتہ باب میں گذری، حضرت حسنؓ کی حدیث ہے کہ "علمنی رسول اللہ ﷺ کلمات اقولھا فی قنوت الوتر" اس سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ نے وتر میں پڑھنے کے لئے قنوت سکھایا اور اس کو وتر میں پڑھنے کی ہدایت کی تھی، اس میں رمضان اور غیر رمضان کی کوئی قید نہیں ہے چوں کہ وتر کی نماز رمضان اور رمضان کے نصف اخیر کے ساتھ مخصوص نہیں ہے، لہٰذا قنوت بھی مخصوص نہ ہوگا، بلکہ پورے سال وتر میں پڑھا جائے گا۔

حدیث باب کا جواب: ملاعلی قاریؒ لکھتے ہیں کہ اس روایت میں رمضان کے نصف اخیر میں جس قنوت کے پڑھنے کا تذکرہ ہے، اس سے مراد وہ قنوت ہے جو حضرت ابیؓ کافروں کے لئے بددعار کے طور پر پڑھتے تھے، حضرت عمرؓ سے منقول ہے کہ جب ماہِ رمضان ادھا گذر جائے تو کفار پر لعنت کرنا مسنون ہے۔

اس روایت میں "قنوت" رکوع کے بعد پڑھنے کا ذکر ہے، احناف وتر میں رکوع سے قبل قنوت پڑھنے کے قائل ہیں یہاں جو رکوع سے پہلے ذکر ہے اس سے مراد وہ ایک مہینہ ہے۔

احناف وتر میں رکوع سے قبل قنوت پڑھنے کے قائل ہیں یہاں جو رکوع سے پہلے ذکر ہے اس سے مراد وہ ایک مہینہ ہے جس میں آپ نے قنوتِ نازلہ پڑھا۔ اس موقع پر آپ ﷺ نے رکوع کے بعد قنوت پڑھا۔ اس مسئلہ کی مزید تفصیل کے لئے حدیث نمبر ۱۲۱۰ دیکھیں

باب قیام شہر رمضان

﴿ماہ رمضان میں قیام کا بیان﴾

اس باب کے تحت تیرہ حدیثیں بیان کی گئی ہیں جس میں نماز تراویح کی فضیلت اس کے احکام ومسائل اور چند حدیثوں میں پندرہویں شعبان کے فضائل واحکام بیان کئے گئے ہیں۔ تراویح کی نماز سنت ہے مسلم شریف میں حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ تراویح کی ترغیب دیتے تھے تاکید (وجوب) کے ساتھ حکم دیئے بغیر پس فرماتے تھے کہ جو شخص ایمان واحتساب کے ساتھ رمضان کی راتوں میں نوافل (تراویح وتہجد) پڑھے گا، اس کے سب پچھلے گناہ معاف کردیئے جائیں گے۔ (مشکوٰۃ شریف ۱۱۴/۱) نبی کریم ﷺ کا رمضان کے اخیر عشرہ میں اعتکاف کرنے کا معمول تھا آپ کیلئے مسجد میں بوریئے کا حجرہ بنادیا جاتا تھا آپ اسی میں رات میں نوافل ادا فرماتے تھے اور لوگ اپنے گھروں میں اور مسجد میں نوافل میں مشغول رہتے تھے ایک رات اچانک آپ ﷺ حجرہ سے باہر تشریف لائے۔ اور مسجد میں موجود لوگوں سے فرمایا آؤ میں تمہیں نماز پڑھاؤں صبح جب اس بات کا چرچا ہوا تو اگلی رات میں لوگ کافی تعداد میں جمع ہوگئے یہ امید لیکر کہ شاید آج بھی آپ نوافل پڑھائیں آپ حسب امید تشریف لائے اور نماز پڑھائی اب تو لوگوں کو غالب گمان ہوگیا کہ آپ اسی طرح ہر رات نوافل پڑھائیں گے چنانچہ تیسری رات میں کافی لوگ جمع ہوگئے مگر آپ تشریف نہ لائے لوگوں نے یہ خیال کیا کہ شاید آنکھ لگ گئی ہے چنانچہ بعض لوگوں نے کھنکارا کہ آنکھ کھل جائے مگر آپ تشریف نہ لائے پھر لوگ مایوس ہوکر منتشر ہوگئے صبح آپ ﷺ نے فرمایا: میں رات برابر تمہارا طرز عمل دیکھتا رہا یہاں تک کہ مجھے اندیشہ ہوا کہ یہ نماز تم پر فرض کی جائے، اور اگر یہ نماز تم پر فرض کی جائے گی تو تم اس کو نباہ نہ سکو گے (مشکوٰۃ ۱۱۴/۱) احکام کی تشریع کی ایک صورت یہ ہیکہ نبی اور امت کسی حکم کو چاہیں تو وہ حکم لازم کردیا جاتا ہے اور کوئی ایک پیچھے ہٹے وہ حکم لازم نہیں کیا جاتا۔ مثلاً روایات سے آنحضرت ﷺ کی شدید خواہش کا پتہ چلتا ہے کہ ہر

نماز سے پہلے مسواک کو ضروری قرار دیا جائے۔ اور آپ ﷺ نے اپنی اس خواہش کا لوگوں سے اظہار بھی فرمایا مگر لوگوں کی جانب سے کوئی پر جوش جواب نہ ملا تو مسواک لازم نہ ہوئی۔ اسی طرح جب آپ ﷺ نے حج کی فرضیت کا اعلان کیا تو آپ ﷺ سے بار بار سوال کیا گیا کہ حج ہر سال فرض ہے؟ آپ ﷺ نے تیسری مرتبہ سوال کے جواب میں فرمایا کہ نہیں اور یہ بھی فرمایا کہ اگر میں ہاں کر دیتا تو ہر سال حج کرنا فرض ہو جاتا اور وہ تمہاری استطاعت سے باہر تھا اسی طرح باجماعت تراویح کے معاملہ میں بھی لوگوں کی طرف سے انتہائی جوش وخروش دیکھنے میں آیا مگر نبی ﷺ کے ذہن میں ایک اندیشہ آیا اور آپ ﷺ نے قدم پیچھے ہٹا لیا تو تراویح کی نماز بھی لازم نہ ہوئی۔ مگر دو دن آپ ﷺ کا نماز پڑھانا جماعت تراویح کے استحسان پر دلالت کرتا ہے لیکن جب نبی کریم ﷺ کے دنیا سے رحلت فرمانے کے بعد فرضیت کا اندیشہ نہ رہا تو حضرت عمر فاروق ؓ نے اپنے دور خلافت میں صحابہ کرام کے مشورہ سے باجماعت تراویح کا نظام چلایا۔ (مستفاد رحمۃ اللہ الواسعہ ۵۰۴/۳) آنحضرت ﷺ نے تنہا اور جماعت سے جو تراویح پڑھائی جاتی ہے وہ بیس رکعت تھی اسی لئے حضرت عمرؓ نے بیس رکعات تراویح کا لوگوں کو حکم دیا، حضرت ابن عباسؓ کی حدیث بیہقی ۴۹۶/۲ میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ ماہ رمضان میں بالجماعت بیس رکعتیں اور وتر پڑھتے تھے اور علامہ ابن حجر عسقلانیؒ نے التلخيص الحبير في تخريج احاديث الرافعي الكبير ۱۱۹/۱ میں یہ روایت لکھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دو دن جماعت سے نماز پڑھائی تھی وہ بیس رکعتیں پڑھائی تھیں حافظ رحمہ اللہ فرماتے ہیں، اس روایت کی صحت پر تمام محدثین کا اتفاق ہے۔ (فتاوی رحیمیہ ۲۹۰/۱)

حضرت عمرؓ نے حضرت ابی ابن کعب اور حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہما کو حکم دیا بیس رکعت پڑھائیں اور مختصر پڑھائیں اور لوگوں کو سونے کا موقع دیں پھر اٹھ کر ہر شخص تنہا تہجد پڑھے بخاری شریف میں ہے کہ اس نئے نظام کے شروع ہونے کے بعد ایک مرتبہ حضرت عمرؓ مسجد نبوی میں تشریف لائے لوگوں کو ایک امام کے پیچھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھا اور فرمایا نعمت البدعة هٰذِهٖ کیا ہی اچھی بدعت ہے یہ نفس تراویح کا ثبوت تو ماقبل کی روایت سے ہو گیا البتہ اہتمام جماعت مستقل نہیں تھا اسی کو آپ نے بدعت کہا۔ الحاصل حضرت عمرؓ کے زمانہ سے اب تک امت شرقاً غرباً تراویح جماعت کے ساتھ بیس رکعت پڑھتی چلی آرہی ہے صرف غیر مقلدین اس مسئلہ میں اختلاف کرتے ہیں وہ کہتے ہیں: تراویح کی آٹھ رکعتیں ہیں اور حضرت عائشہؓ کی روایت سے استدلال کرتے ہیں جس میں گیارہ رکعتوں کا تذکرہ ہے۔ اور ابن عباسؓ کی روایت جو بیہقی میں ہے اس کو ضعیف بتلاتے ہیں احناف نے اس کا جواب دیا ہے کہ حدیث عائشہ کا تعلق تراویح سے نہیں ہے بلکہ تہجد سے ہے۔ اور حضرت ابن عباسؓ کی روایت کا ضعف تسلیم ہے مگر مسئلہ باب میں وہی تنہا روایت ہے اس کے معارض کوئی روایت نہیں اس لئے اس کو لینا ضروری ہے۔ علاوہ ازیں بیس رکعت تراویح پر چاروں ائمہ، تمام صحابہ، تابعین کا اجماع ہے جو کہ خود ایک مستقل دلیل شرعی ہے۔

الفصل الاوّل

حدیث نمبر ۱۲۲۲ ﴿نماز تراویح کا تذکرہ﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۲۹۵

عَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ اتَّخَذَ حُجْرَةً فِي الْمَسْجِدِ مِنْ حَصِيرٍ فَصَلّٰى فِيهَا لَيَالِيَ حَتّٰى اجْتَمَعَ عَلَيْهِ نَاسٌ ثُمَّ فَقَدُوْا صَوْتَهُ لَيْلَةً وَظَنُّوْا اَنَّهُ قَدْنَامَ فَجَعَلَ بَعْضُهُمْ يَتَنَحْنَحُ لِيَخْرُجَ اِلَيْهِمْ فَقَالَ مَازَالَ بِكُمُ الَّذِيْ رَاَيْتُ مِنْ صَنِيعِكُمْ حَتّٰى خَشِيْتُ اَنْ يُكْتَبَ عَلَيْكُمْ وَلَوْ كُتِبَ عَلَيْكُمْ مَاقُمْتُمْ بِهٖ فَصَلُّوْا اَيُّهَا النَّاسُ فِيْ بُيُوْتِكُمْ فَاِنَّ اَفْضَلَ صَلٰوةِ الْمَرْءِ فِيْ بَيْتِهٖ اِلَّا الصَّلٰوةَ الْمَكْتُوْبَةَ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حواله: بخاری ص ، نمبر ۱۰۱ ج ۱ ، باب صلاة الليل، كتاب الاذان، حديث نمبر ۷۳۱، مسلم ص نمبر ۲۶۶ ج ۱، باب استحباب صلاة النافلة في بيته ، كتاب صلاة المسافرين وقصرها، حديث نمبر ۷۸۱.

ترجمہ: حضرت زید بن ثابت سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے مسجد میں بوریئے کا ایک حجرہ بنایا، اور چند راتیں اس کے اندر نمازیں پڑھیں، یہاں تک کہ لوگ جمع ہو گئے، اور انہوں نے آپ ﷺ کی کوئی آہٹ محسوس نہیں کیا، تو وہ یہ سمجھے کہ آپ ﷺ سو گئے ہیں، بعض لوگوں نے کھنکارنا شروع کیا، تا کہ آپ ﷺ باہر تشریف لے آئیں، آپ ﷺ نے فرمایا کہ تمہارا جو عمل برابر جاری ہے اس سے میں واقف ہوں، لیکن مجھے اندیشہ ہوا کہ کہیں یہ نماز تمہارے اوپر فرض نہ کر دی جائے، اگر یہ نماز تمہارے اوپر فرض کر دی جاتی تو تم اس کو ادا نہ کر سکتے، لہٰذا اے لوگو! تم اپنے گھروں میں نماز پڑھ لیا کرو کیوں کہ انسان کی بہترین نماز وہ ہے جس کو اس نے اپنے گھر میں پڑھا ہو، سوائے فرض نماز کے۔ (بخاری و مسلم)

خلاصۂ حدیث

اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ حضرت نبی کریم ﷺ نے مسجد میں ایک عارضی خلوت گاہ قائم فرمائی، یہ کوئی مستقل کمرہ نہیں تھا، بلکہ چٹائی سے حجرہ کا کام لیا تھا، اسی میں آپ ﷺ رمضان کی مقدس ساعتوں میں اعتکاف فرماتے تھے چند راتیں آپ ﷺ نے عشاء کی فرض نمازوں کے بعد نمازِ تراویح پڑھائی، صحابہ کرام نماز کے عاشق تھے، اس لئے اس نماز کے لیے بہت بے چین ہوئے، انہوں نے اپنے شوق کے اظہار کے لیے آواز بلند کی، کھنکارا، تسبیح پڑھی، تا کہ اگر آپ ﷺ سو گئے ہوں تو بیدار ہو جائیں آپ ﷺ نے صحابہ کرام کے جذبات کو دیکھنے کے بعد باہر نکل کر فرمایا کہ نماز تراویح کے حوالے سے تمہارے اندر جو اشتیاق ہے اس سے میں واقف ہوں، لیکن اگر میں اس نماز پر مداومت کروں گا، تو ممکن ہے کہ یہ نماز فرض کر دی جائے، اور بعد کے لوگوں کو پریشانی ہو، لہٰذا میں نے آج کی شب نماز تراویح جان بوجھ کر جماعت سے ادا نہیں کی۔ پھر آپ ﷺ نے سنن ونوافل کو گھر میں ادا کرنے کی تاکید کے ساتھ فرمایا کہ سنن ونوافل کا گھر میں ادا کرنا بہتر ہے۔

کلماتِ حدیث کی تشریح

اتخذ حجرة في المسجد جیسے آج کل چادر وغیرہ تان کر مسجد میں خلوت گاہ قائم کی جاتی ہے، اسی طرح آپ ﷺ نے کھجور کی چٹائی سے اپنے لئے خلوت گاہ قائم فرمائی تھی **فصلی فيها ليالي** آپ ﷺ اسی حجرہ میں نماز پڑھتے تھے اور صحابہ باہر سے آپ ﷺ کی اقتدا میں نماز پڑھتے تھے جیسا کہ بخاری کی روایت میں ہے "**فصلی بصلاته ناس من اصحابه**" (صحابہؓ میں سے بہت سے لوگوں نے آپ ﷺ کی اقتدا میں نماز پڑھی) معلوم ہوا کہ رات کی تاریکی میں اگر نماز ہو رہی ہے، تو اقتدا کی صحت کیلئے انتقالات کا علم کافی ہے **خشيت ان يكتب عليكم** حدیث کے اس جز سے یہ بات سمجھ میں آئی کہ آپ ﷺ نے جماعت کے ساتھ تراویح پر عدم مواظبت امت پر شفقت کی بنا پر کی آپ ﷺ کو اس بات کا اندیشہ تھا کہ اگر تراویح پر میں مواظبت کروں گا تو یہ نماز فرض ہو جائے گی اور بعد والے اس فریضہ کی ادائیگی کی بنا پر مشقت میں مبتلا ہوں گے۔

اشکال: ثبوت فرض تو منجانب اللہ دلیل قطعی سے ہوتا ہے۔ آپ ﷺ کو اپنی مواظبت کی وجہ سے ثبوتِ فرضیت کا خدشہ کیوں ہوا۔

جواب: ممکن ہے کہ آپ پر وحی نازل ہوئی ہو کہ اگر آپ ﷺ مواظبت فرمائیں گے، تو تراویح کی نماز فرض کر دی جائے گی، اسی بنا پر آپ ﷺ کو مواظبت کی وجہ سے فرضیت کا خدشہ ہوا ہو۔

اشکال: ایک حدیث میں ہے کہ "**هن خمس وهن خمسون مايبدل القول**" اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ پانچ نمازوں پر تغیر وتبدل نہ ہوگا، پھر آپ کو کیوں خدشہ ہوا کہ تراویح کی نماز بھی فرض ہو سکتی ہے؟

جواب: حدیث مذکور میں یہ بات تھی کہ پانچ نمازوں میں کمی نہ ہوگی اضافہ کے امکان کی نفی نہیں تھی، پھر وہ زمانہ نسخ کا تھا، اس لئے حدیث مذکور میں جو بات ہے اس کے نسخ کا بھی امکان تھا، اسی بنا پر آپ ﷺ کو خوف ہوا کہ یہ نماز بھی فرض ہو سکتی ہے، **فان افضل صلاة المرأفي بيته** حدیث کے اس جز سے استدلال کر کے امام یوسفؒ امام مالک وغیرہ فرماتے ہیں کہ نماز تراویح فرداً فرداً گھر میں

پڑھنا افضل ہے، لیکن جمہور فقہا کے نزدیک تراویح جماعت کے ساتھ پڑھنا افضل ہے، ان حضرات کی دلیل اکثر صحابہ کرام کا عمل اور حضرت عمرؓ بن خطاب کا مسجد میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھوانے کا حکم ہے۔ نوافل گھر میں افضل ہے، لیکن وہ نوافل جو شعار دین میں سے ہیں ان کو ظاہر کر کے پڑھنا ہی بہتر ہے، مثلاً ''صلاۃ الکسوف'' وغیرہ اسی طرح عیدین کی نماز بھی جماعت کے ساتھ مسجد میں پڑھنا چاہئے اور یہی حکم تراویح کا بھی ہے مزید تحقیق کے لئے حدیث نمبر ۱۱۱۵ دیکھیں۔

حدیث نمبر ۱۲۲۳ ﴿تراویح باعث مغفرت ہے﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۲۹۶

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ یُرَغِّبُ فِیْ قِیَامِ رَمَضَانَ مِنْ غَیْرِ اَنْ یَّاْمُرَهُمْ فِیْهِ بِعَزِیْمَةٍ فَیَقُوْلُ مَنْ قَامَ رَمَضَانَ اِیْمَانًا وَّاحْتِسَابًا غُفِرَلَهٗ مَاتَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ فَتُوُفِّیَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَالْاَمْرُ عَلٰی ذٰلِكَ ثُمَّ کَانَ الْاَمْرُ عَلٰی ذٰلِكَ فِیْ خِلَافَةِ اَبِیْ بَکْرٍ وَّصَدْرًا مِّنْ خِلَافَةِ عُمَرَ عَلٰی ذٰلِكَ رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

حوالہ: مسلم، ص نمبر ۲۰۹ ج ۱، باب الترغیب فی قیام رمضان، کتاب صلاۃ المسافرین، حدیث نمبر ۷۵۹

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نماز تراویح کی لوگوں کو رغبت دلاتے تھے، بغیر تاکیدی حکم ان کو دے ہوئے آپ ﷺ فرماتے تھے کہ جو شخص ایمان اور احتساب یعنی ثواب کی امید میں قیام رمضان کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے سابقہ گناہ معاف فرمائیں گے، چنانچہ رسول اللہ ﷺ کی وفات ہوگئی اور معاملہ اسی طرح رہا، پھر حضرت ابو بکر کے زمانہ خلافت میں بھی یہی صورت رہی اور حضرت عمرؓ کے زمانہ خلافت کے ابتدائی دنوں میں معاملہ اسی طرح رہا۔ (مسلم)

خلاصہ حدیث اس حدیث میں دو باتیں خاص طور پر بیان ہوئی ہیں (۱) نماز تراویح سچ اور صحیح اعتقاد اور اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس سے اچھے درجہ کی امید کی بنا پر پڑھی جائے تو اللہ تعالیٰ سابقہ گناہ معاف فرمادیں گے۔ (۲) آپ ﷺ نے تراویح کی تاکید فرمائی، خود جماعت کے ساتھ پڑھی بھی لیکن فرضیت کے خوف سے جماعت کے ساتھ پڑھنے پر مواظبت نہیں فرمائی۔ حضرت عمرؓ نے اس نماز کی اہمیت کی بنا پر اور جس بات کا آپ ﷺ کو خدشہ تھا اس کے ختم ہوجانے کی بنا پر جماعت کے ساتھ مستقل مسجد میں ادا کیے جانے کا اہتمام کیا فله اجر ها واجر من عمل بها إلى يوم القيامة.

کلماتِ حدیث کی تشریح فتوفی رسول الله ﷺ والامر كذا لك حدیث باب سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ تراویح سنتِ مؤکدہ نہیں ہے، تو سوال یہ ہے کہ اس کو سنت مؤکدہ کیوں کہا جاتا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ تراویح کو سنت مؤکدہ آپ ﷺ کے اس فرمان کی بنا پر کہا جاتا ہے ''ان الله تبارك وتعالىٰ فرض صيام رمضان عليكم وسننت لكم قيامه'' نیز صحابہ کرام نے جس مداومت اور شوق کے ساتھ اس نماز کا اہتمام کیا وہ تراویح کے سنتِ مؤکدہ ہونے کی دلیل ہے وصدراً من خلافة عمر على ذلك حدیث کے اس جز سے یہ سمجھ میں آرہا ہے کہ حضرت عمرؓ نے تراویح میں نیا طریقہ داخل کیا، حضرت عمرؓ نے بیس رکعات جماعت کے ساتھ امام کے پیچھے نماز پڑھوائی، اس میں کوئی بدعت نہیں ہے، بیس رکعات ہی تراویح جماعت کے ساتھ حضور ﷺ سے ثابت تھی، بس حضور ﷺ نے فرضیت کے اندیشہ کی بنا پر مواظبت نہیں کی تھی، حضرت عمرؓ نے آپ ﷺ ہی کے طریقہ کو مستحکم طور پر جاری کیا، اگر بیس رکعات آپ ﷺ سے ثابت نہ ہوتیں، یا جماعت سے تراویح ثابت نہ ہوتی تو حضرت عمرؓ ہرگز ایسا نہ کرتے کیوں کہ حضرت عمرؓ تو بدعات کے سب سے بڑے دشمن تھے اور اگر بالفرض حضرت عمرؓ سے کوئی غلطی ہوتی تو دیگر صحابہ ان کو متنبہ کرتے، سارے کے سارے صحابہ کا حضرت عمرؓ کے حکم پر عمل کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ ان کے پاس آپ ﷺ کا عمل یا قول ضرور ہوگا، پھر آپ ﷺ کا یہ فرمان تو ہے ''علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین'' نیز آپ ﷺ نے فرمایا ''اقتدو بالذین من بعدی ابی بکر وعمر''

(تراویح کی رکعات اور اس کے متعلق دیگر اعتراضات کے جواب کے لئے حدیث نمبر ۱۲۲۷ دیکھیں)

حدیث نمبر ۱۲۲۴ ﴿کچھ نمازیں گھر میں پڑھنا بہتر ہے﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۲۹۷

وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا قَضٰى اَحَدُكُمُ الصَّلٰوةَ فِىْ مَسْجِدِهٖ فَلْيَجْعَلْ لِبَيْتِهٖ نَصِيْبًا مِّنْ صَلٰوتِهٖ فَاِنَّ اللّٰهَ جَاعِلٌ فِىْ بَيْتِهٖ مِنْ صَلٰوتِهٖ خَيْرًا رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

حواله: مسلم، ص نمبر ۲۶۵ ۱، باب استحباب صلاۃ النافلة ، کتاب صلاۃ المسافرین ، حدیث نمبر ۷۷۸.

ترجمه: حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی شخص مسجد میں اپنی نماز سے فارغ ہو جائے ، تو اس کو چاہیے کہ اپنی نماز میں سے کچھ حصہ اپنے گھر کے لئے مقرر کر لیے ، بلا شبہ اللہ تعالیٰ اس کی نماز کی بدولت اس کے گھر میں بھلائی نازل کرتے ہیں۔ (مسلم)

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ سنن ونوافل کا گھر میں ادا کرنا بہتر ہے نمازی کو ایسا نہ کرنا چاہئے کہ تمام نماز مسجد میں ادا کر لے اور گھر کو بالکل ویران کر دے ، رمضان کے مہینہ میں خاص طور پر گھر میں نوافل کا اہتمام کرنا چاہئے ، تا کہ گھر میں خیر و برکت نازل ہوئے۔

کلمات حدیث کی تشریح فلیجعل لبیته یہ بات گذر چکی ہے کہ سنن ونوافل کا اہتمام گھر میں کرنا بہتر ہے ، لیکن تراویح کی نماز چوں کہ شعائر دین میں داخل ہے ، اس لئے اس کو جماعت کے ساتھ مسجد میں پڑھنا بہتر ہے ، آپ ﷺ نے خود مسجد میں جماعت کے ساتھ تراویح پڑھائی ہے اور حضرات صحابہؓ نے اس کا التزام کیا ہے ، لہٰذا تراویح مسجد میں ادا کی جائے ، البتہ تراویح کے علاوہ کچھ نوافل رمضان کے مہینہ میں خاص طور پر گھر میں ضرور ادا کرنا چاہئے ، اس سے گھر کے لوگوں کو مزید نیک کاموں کی توفیق ملتی ہے اور ان کے رزق و عمر میں برکت پیدا ہوتی ہے۔

الفصل الثانی

حدیث نمبر ۱۲۲۵ ﴿آپ ﷺ کی تراویح کا بیان﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۲۹۸

عَنْ اَبِىْ ذَرٍّ قَالَ صُمْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَلَمْ يَقُمْ بِنَا شَيْئًا مِّنَ الشَّهْرِ حَتّٰى بَقِىَ سَبْعٌ فَقَامَ بِنَا حَتّٰى ذَهَبَ ثُلُثُ اللَّيْلِ فَلَمَّا كَانَتِ السَّادِسَةُ لَمْ يَقُمْ بِنَا فَلَمَّا كَانَتِ الْخَامِسَةُ قَامَ بِنَا حَتّٰى ذَهَبَ شَطْرُ اللَّيْلِ فَقُلْتُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ لَوْ نَفَّلْتَنَا قِيَامَ هٰذِهِ اللَّيْلَةِ فَقَالَ اِنَّ الرَّجُلَ اِذَا صَلّٰى مَعَ الْاِمَامِ حَتّٰى يَنْصَرِفَ حُسِبَ لَهٗ قِيَامُ لَيْلَةٍ فَلَمَّا كَانَتِ الرَّابِعَةُ لَمْ يَقُمْ بِنَا حَتّٰى بَقِىَ ثُلُثُ اللَّيْلِ فَلَمَّا كَانَتِ الثَّالِثَةُ جَمَعَ اَهْلَهٗ وَنِسَاءَهٗ وَالنَّاسَ فَقَامَ بِنَا حَتّٰى خَشِيْنَا اَنْ يَّفُوْتَنَا الْفَلَاحُ قُلْتُ وَمَا الْفَلَاحُ قَالَ السُّحُوْرُ ثُمَّ لَمْ يَقُمْ بِنَا بَقِيَّةَ الشَّهْرِ رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَالتِّرْمِذِىُّ وَالنَّسَائِىُّ وَرَوَى ابْنُ مَاجَةَ نَحْوَهٗ اِلَّا اَنَّ التِّرْمِذِىَّ لَمْ يَذْكُرْ ثُمَّ لَمْ يَقُمْ بِنَا بَقِيَّةَ الشَّهْرِ.

حواله: ابوداؤد، ص نمبر ۱۹۵ ج ۱ باب تفریع ابواب شهر رمضان، کتاب شهر رمضان، حدیث نمبر ۱۳۷۵ ترمذی ص نمبر ۱۶۶ ج ۱ باب ماجاء فی قیام شهر رمضان، کتاب الصوم ، حدیث نمبر ۸۰۶، نسائی ، ص نمبر ۱۵۳ ج ۱ باب من صلی مع الامام حتی ینصرف ، کتاب السهو، حدیث نمبر ۱۳۶۳، ابن ماجه ص نمبر ۹۴ باب ماجاء فی قیام شهر رمضان ، کتاب اقامة الصلاة ، حدیث نمبر .

ترجمه: حضرت ابوذرؓ سے روایت ہے کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ روزہ رکھا ، پھر آپ ﷺ نے رمضان کے مہینہ میں ہمیں تراویح کی نماز نہیں پڑھائی ، یہاں تک کہ جب سات راتیں باقی رہ گئیں ، تو آپ ﷺ نے ہمیں تہائی رات تک تراویح پڑھائی ، پھر جب چھے راتیں باقی رہ گئیں تو آپ ﷺ نے ہمیں تراویح نہیں پڑھائی ، پھر جب پانچ راتیں باقی رہ گئیں تو آپ ﷺ نے ہمیں آدھی

رات تک تراویح پڑھائی میں نے کہا کہ اے اللہ کے رسول! اگر آپ ﷺ اس رات میں مزید قیام فرماتے تو بہتر ہوتا، آپ ﷺ نے فرمایا کہ آدمی جب امام کے فارغ ہونے تک امام کے ساتھ نماز پڑھتا ہے تو اس کو ساری رات نماز پڑھنے والا شمار کیا جاتا ہے، پھر جب چار راتیں باقی رہ گئیں تو آپ ﷺ نے ہمیں تراویح نہیں پڑھائی، پھر جب تین راتیں رہ گئیں تو آپ ﷺ نے اپنے گھر والوں، اپنی عورتوں اور لوگوں کو جمع کر کے ہمیں نماز پڑھائی اتنی طویل نماز ہوئی کہ ہمیں خدشہ ہوا کہ کہیں ''فلاح'' فوت نہ ہو جائے، راوی کہتے ہیں کہ میں نے سوال کیا کہ ''فلاح'' کیا چیز ہے حضرت ابوذرؓ نے جواب دیا کہ فلاح سے مراد ''سحری کھانا'' پھر مہینہ کی بقیہ راتوں میں آپ ﷺ نے تراویح نہیں پڑھائی، (ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ) مگر ترمذی نے ''ثم لم یقم بنا بقیۃ الشھر'' کے الفاظ نقل نہیں کیے ہیں۔

خلاصہ حدیث اس حدیث میں آپ ﷺ کی تراویح کا ذکر ہے، یہ بات پہلے گذر چکی کہ تراویح مع الجماعت پر آپ ﷺ نے مواظبت اس لیے نہیں فرمائی کہ کہیں فرض نہ ہو جائے، آپ ﷺ نے صرف تین راتوں میں جماعت کے ساتھ تراویح پڑھی، اور اس میں بھی آپ نے فصل کیا۔ آپ ﷺ نے تیئسویں پچیسویں اور ستائیسویں شب میں تراویح پڑھائی، ان شبوں میں سے پہلی شب میں تہائی رات تک دوسری شب میں آدھی رات تک قیام کیا اور تیسری شب میں تقریباً پوری رات تراویح پڑھتے رہے، ان تینوں شبوں میں آپ ﷺ نے کتنی رکعات پڑھیں، اس کی صراحت نہیں ہے، لیکن آپ کی نماز میں جو تفاوت حدیث میں مذکور ہے، وہ تعداد رکعات کے اعتبار سے نہیں تھا، بلکہ رکعات کی طوالت اور اقتصار کے اعتبار سے تھا۔

کلمات حدیث کی تشریح فلم یقم بنا شیئا من الشھر بائیس راتوں تک آپ ﷺ نے تراویح نہیں پڑھائی، صرف تین شبوں میں فصل کر کے آپ ﷺ نے تراویح پڑھائی، آپ ﷺ نے تراویح پر اگرچہ مواظبت نہیں فرمائی لیکن مواظبت کو پسند کیا، یہ مواظبت حکمیہ ہے اور سنت کا مدار مطلق مواظبت پر ہے، لہٰذا معلوم ہوا کہ تراویح سنت مؤکدہ ہے، اسی طرح آپ ﷺ جماعت کے ساتھ پورے مہینے تراویح پڑھنا چاہتے تھے، لہٰذا کہا جائیگا کہ پورے مہینہ جماعت کے ساتھ تراویح سنت مؤکدہ ہے۔ آپ ﷺ کی تراویح کی تعداد کیا تھی، عہد فاروقی میں تعدادِ تراویح کیا تھی اس کیلئے حدیث نمبر ۱۲۲۷ دیکھیں

فقلت یارسول اللّٰہ: آپ ﷺ نے دوسری شب یعنی پچیسویں شب میں تراویح نصف لیل تک پڑھی حضرت ابوذرؓ نے اضافہ کی درخواست کی کہ اگر آپ ﷺ مزید کچھ دیر اور یہ نماز پڑھتے تو بہت اچھا ہوتا، آپ ﷺ نے فرمایا کہ **ان الرجل اذا صلی** جب آدمی امام کے ساتھ جماعت سے نماز پڑھتا ہے، اور امام کے نماز پڑھانے تک اس کے ساتھ شامل رہتا ہے تو اس کو پوری رات نماز پڑھنے کا ثواب ملتا ہے۔

حدیث نمبر ۱۲۲۶ ﴿شب برأت کی فضیلت﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۲۹۹

وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ فَقَدْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ لَيْلَةً فَاِذَا هُوَ بِالْبَقِيْعِ فَقَالَ اَكُنْتِ تَخَافِيْنَ اَنْ يَّحِيْفَ اللّٰهُ عَلَيْكِ وَرَسُوْلُهٗ قُلْتَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّىْ ظَنَنْتُ اَنَّكَ اَتَيْتَ بَعْضَ نِسَآئِكَ فَقَالَ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالىٰ يَنْزِلُ لَيْلَةَ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ اِلَى السَّمَآءِ الدُّنْيَا فَيَغْفِرُ لِاَكْثَرَ مِنْ عَدَدِ شَعْرِ غَنَمِ كَلْبٍ رَوَاهُ التِّرْمِذِىُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَزَادَ رَزِيْنٌ مِمَّنِ اسْتَحَقَّ النَّارَ وَ[illegible] [illegible]ترمذی سَمِعْتُ مُحَمَّدًا يَعْنِى الْبُخَارِىَّ يُضَعِّفُ هٰذَا الْحَدِيْثَ.

حوالہ: ترمذی، [illegible] نمبر ۱۵۶ ج ۱، باب ماجاء فی لیلۃ النصف من شعبان، کتاب الصوم حدیث نمبر ۷۳۹ ابن ماجہ، ص نمبر [illegible] ج باب ماجاء فی لیلۃ النصف شعبان، کتاب اقامۃ الصلاۃ، حدیث نمبر ۱۳۸۹۔

ترجمہ: حضرت [illegible] ئشہؓ سے روایت ہے کہ ایک رات میں نے حضور اکرم ﷺ کو بستر پر نہیں پایا، پھر کیا دیکھتی ہوں کہ آپ ﷺ بقیع میں ہیں آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم کو یہ خوف ہوا کہ اللہ اور اس کا رسول تم پر ظلم کرے گا، حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ میں نے کہا کہ اللہ کے

رسول مجھے یہ گمان ہوا کہ شاید آپ ﷺ اپنی کسی دوسری بیوی کے پاس تشریف لے گئے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا کہ نصف شعبان کی رات میں اللہ تعالیٰ آسمان دنیا پر نزول فرماتے ہیں اور بنو کلب کی بکریوں کے بالوں کی تعداد سے زیادہ گناہوں کو معاف فرماتے ہیں، (ترمذی ابن ماجہ) رزین نے یہ الفاظ مزید نقل کیے ہیں "ممن استحق النار" یعنی ان اہل ایمان کی اللہ تعالیٰ مغفرت فرماتے ہیں جو آگ کے مستحق ہوتے ہیں امام ترمذی کہتے ہیں کہ میں نے محمد یعنی امام بخاری کو کہتے ہوئے سنا کہ یہ حدیث ضعیف ہے۔

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ شعبان کی پندرہویں رات خاص فضیلت کی حامل رات ہے، اس میں آپ ﷺ نے خصوصی عبادت بھی فرمائی ہے اور قبرستان بھی تشریف لے گئے اس رات میں اللہ تعالیٰ کی رحمت شباب پر ہوتی ہے اور گناہ گاروں کی خوب بخشش ہوتی ہے لیکن چوں کہ آپ ﷺ سے اس شب میں مداومت کے ساتھ قبرستان جانا ثابت نہیں ہے، لہٰذا اس کو سنت مستمرہ کا درجہ دینا صحیح نہیں ہے، شعبان کی پندرہویں شب کی فضیلت کی اور بھی احادیث ہیں لیکن سنداً احادیث ضعیف ہیں، لیکن اس کے باوجود اس شب میں عبادت کا اہتمام بدعت نہیں ہے، کیوں کہ کثرت روایات سے ثابت ہے کہ شعبان کی فضیلت ہے لہٰذا سند کے ضعف کی طرف نظر کر کے فضیلت کا انکار درست نہیں ہے۔

کلماتِ حدیث کی تشریح **فاذا هو بالبقیع** حضرت عائشہؓ نے حضور ﷺ کو اپنے بستر پر موجود نہیں پایا تو تلاش میں نکلیں، تو آپ ﷺ کو بقیع میں موجود پایا "بقیع" مدینہ میں ایک قبرستان ہے، اس کو جنت البقیع بھی کہتے ہیں حدیث باب میں اختصار ہے، ایک دوسری روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں "**فاذا هو ساجد بالبقیع فاطال السجود حتی ظننت انه قبض فلما سلم التفت الی**" حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ میں نے بقیع میں آپ ﷺ کو سجدہ کی حالت میں پایا، آپ ﷺ اتنی دیر تک سجدہ میں رہے کہ مجھے خیال ہوا کہ شاید آپ ﷺ اس دنیا سے رخصت ہو گئے پھر آپ ﷺ سلام پھیر کر میری طرف متوجہ ہوئے اور آپ ﷺ نے فرمایا کہ کیا تم کو اس بات کا خطرہ تھا کہ اللہ اور اس کا رسول تمہارے ساتھ ناانصافی کرے گا، یعنی تمہاری باری میں تمہارے علاوہ کسی دوسری بیوی کے پاس جا کر تم پر ظلم کروں گا، کیا تم نے یہ سوچا تھا۔

سوال: آپ ﷺ نے یہ کیوں فرمایا کہ "**ان یحیف الله علیك و رسوله**" اللہ اور اس کا رسول تم پر ظلم کرے گا یعنی آپ ﷺ نے اپنے ساتھ اللہ کو کیوں شامل فرمایا؟

جواب: (۱) اپنے رب کے نزدیک اپنی عظمتِ شان بیان کرنے کیلئے اپنے ساتھ اللہ تعالیٰ کا بھی تذکرہ کیا، جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا "**ان الذین یبایعونك انما یبایعون الله**" (۲) اللہ کا ذکر حسنِ بیان اور زینتِ کلام کیلئے ہے **انی ظننت انك اتیت** حضرت عائشہ کو اللہ تعالیٰ نے خصوصی فہم عطا فرمائی تھی، لہٰذا حضورِ اکرم ﷺ کے سوال کے جواب میں یہ نہیں کہ ہاں خدانخواستہ مجھے آپ ﷺ سے ایسی بدگمانی تھی، اگر یہ فرماتیں تو کلمہ کفر ہوتا حضرت عائشہ نے جواب دیا کہ مجھے اس بات کا خیال آیا کہ آپ ﷺ اللہ کے حکم یا اپنے اجتہاد کے ذریعہ کسی ضرورت کے تحت دوسری بیوی کے پاس گئے ہونگے، مجھے اس بات کا قطعاً گمان نہ ہوا کہ آپ ﷺ نعوذ باللہ میرا حق ماریں گے **فقال ان الله** آپ ﷺ نے ارشاد کے ذریعہ حضرت عائشہؓ کو تسلی بھی دی اور اپنے قبرستان جانے کی وجہ بھی بیان کی، اور شعبان کی پندرہویں شب کی فضیلت بھی ذکر کی، آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس رات میں بنو کلب کی بکریوں کے بالوں کی تعداد سے بھی زیادہ گناہ بخشے جاتے ہیں، بنو کلب ایک قبیلہ تھا جو کثرت سے بکریاں پالتا تھا، آپ ﷺ کے بیان کا مقصد یہ تھا کہ اس رات اللہ تعالیٰ بہت زیادہ مہربان ہوتے ہیں اور بہت زیادہ گناہ معاف کرتے ہیں، یہ حدیث اگرچہ ضعیف ہے، لیکن قابل عمل ہے، صاحب مشکوٰۃ اس روایت کو اس باب کے تحت اسی وجہ سے لائے ہیں تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ شعبان کی پندرہویں شب کی فضیلت ایسی ہے جیسے کہ رمضان کی راتوں کی

فضیلت ہے، لہٰذا جس طرح رمضان میں عبادت کا اہتمام کیا جاتا ہے اسی طرح اس رات میں اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کی فکر کی جائے۔

شب برأت کی فضیلت کا انکار

غیر مقلدین حضرات شب برأت کی نہ صرف فضیلت کا انکار کرتے ہیں، بلکہ اس رات میں خصوصی عبادات کو بدعت قرار دیتے ہیں، اور اس ضمن میں جو احادیث ہیں صرف ان کے ضعف کی بنا پر ان کو قابلِ عمل ماننے سے انکار کرتے ہیں، حالانکہ غیر مقلدوں کے بہت بڑے عالم مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری فرماتے ہیں، **اعلم انه قدورد فی فضیلة النصف من شعبان عدة احادیث مجموعها یدل علی ان لها اصلاً** (تحفۃ الاحوذی ص نمبر ۵۲ ج ۲) معلوم ہونا چاہئے کہ نصف شعبان کے بارے میں متعدد حدیثیں وارد ہوئی ہیں ان سب کے مجموعہ سے پتہ چلتا ہے کہ ان احادیث کی اصل ہے، غیر مقلدین حضرات ابن تیمیہ کو اپنا مانتے ہیں ابن تیمیہ بھی اس رات کی فضیلت کے قائل ہیں چنانچہ ان کے فتاویٰ میں ہے کہ ”**سئل عن صلاة نصف شعبان فاجاب اذاصلی الانسان لیلة النصف وحده اوفی جماعة خاصة کما کان یفعل طائفة من السلف فهو احسن**“ یعنی امام ابن تیمیہ بالخصوص جماعت کے ساتھ نماز پڑھے جیسا کہ اسلاف کے بہت سے لوگوں کا معمول تھا تو یہ اچھا عمل ہے غیر مقلدین صرف احادیث کے ضعف کی بنا پر نصف شعبان کی فضیلت والی احادیث کا انکار کرتے ہیں؛ حالانکہ فضائل اعمال میں ضعیف احادیث معتبر ہیں اور غیر مقلدین کے یہاں تو فضائل کے ساتھ مسائل میں بھی ضعیف احادیث معتبر ہیں فتاویٰ ستاریہ میں سوال نمبر ۷۶۴ میں ہے کیا ضعیف حدیث پر عمل کیا جا سکتا ہے شاہ ولی اللہ کے متعلق سنا ہے کہ وہ کمزور حدیث پر عمل کرتے تھے، جواب نمبر ۷۶۴ ضعیف حدیث بھی قابل عمل ہوتی ہے۔ (فتاویٰ ستاریہ بحوالہ ارمغان حق جلد نمبر ۱)

حدیث نمبر ۱۲۲۷ ﴿نوافل گھر میں پڑھنا بہتر ھے﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۳۰۰

عَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ صَلَاةُ الْمَرْءِ فِيْ بَيْتِهٖ اَفْضَلُ مِنْ صَلَاتِهٖ فِيْ مَسْجِدِيْ هٰذَا اِلَّا الْمَكْتُوْبَةَ. (رَوَاهُ ابو داؤد، والتِّرْمِذِيُّ)

حواله: ابو داؤد، ص نمبر ۱۴۹ ج ۱، باب صلاة الرجل التطوع فی بیته، کتاب الصّلاة، حدیث نمبر ۱۰۴۴ ترمذی، ص نمبر ۱۰۲ ج، باب ماجاء فی صلاة التطوع فی البیت، کتاب الصلاة، حدیث نمبر ۴۵۰.

ترجمه: حضرت زید بن ثابتؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ”آدمی کی اپنے گھر میں پڑھی ہوئی نماز اس نماز سے بہتر ہے، جو میری اس مسجد (مسجد نبوی) میں پڑھی جائے علاوہ فرض نماز کے۔ (ابوداؤد، ترمذی)

خلاصہ حدیث

اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ سنن ونوافل کا گھر میں ادا کرنا مسجد میں ادا کرنے سے بہتر ہے، مسجد نبوی میں نماز کا ثواب بہت زیادہ ہے، لیکن اس کے باوجود آپ ﷺ نے اس بات کی ترغیب دی کہ گھر میں نوافل کا ادا کرنا زیادہ ثواب کا باعث ہے، البتہ فرض نمازیں مسجد میں ادا کی جائینگی گھر میں نوافل کے اہتمام کرنے کے حوالے سے ایک موقع پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”**صلوا فی بیوتکم ولا تتخذوها قبورًا**“ (ترمذی) اپنے گھروں میں نماز پڑھو اور ان کو قبریں مت بناؤ گھر میں نماز پڑھنے کی آپ ﷺ نے اس وجہ سے تاکید کی تاکہ گھر کے افراد بھی نماز کی طرف راغب ہوں اور گھر میں خیر وبرکت ہو، آپ ﷺ نے گھروں کو قبریں بنانے سے منع کیا، اس کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح قبرستان میں نماز نہیں پڑھی جاتی، ایسے ہی اپنے گھروں کی حالت نہ کرو، گھروں میں نوافل وغیرہ کا اہتمام کرو، البتہ فرائض مسجد ہی میں ادا کرنا چاہئے۔

کلمات حدیث کی تشریح

صلاة المرء فی بیته چونکہ گھر میں جو نماز پڑھی جاتی ہے وہ ریا اور شہرت سے دور ہوتی ہے اور اس میں اہل خانہ کو ترغیب دینا بھی ہے، لہٰذا نوافل گھر میں پڑھنا مسجد کے مقابل میں بہتر ہے **الا المکتوبة** مساجد کی تعمیر اصلاً نماز کی ادائیگی کے لئے ہی ہوتی ہے لہٰذا فرض نمازیں مسجد میں ادا کی جائے گی، گھروں میں فرض نماز بلا عذر پڑھنا

درست نہیں ہے، کیونکہ ایسی صورت میں مساجد ویران ہوجائیں گی، البتہ عذر کی حالت اس سے مستثنٰی ہے علماء نے واجب اور سنن مؤکدہ کو فرض کے تابع کیا ہے، یعنی ان کا بھی مسجد میں ادا کرنا بہتر ہے، علامہ شامی نے فرائض کے علاوہ نو نمازیں مسجد میں ادا کرنا بہتر لکھا ہے، ان میں تراویح کی نماز بھی داخل ہے، حدیث نمبر ۱۱۱۵ کے تحت اس مضمون کی تفصیل دیکھی جاسکتی ہے، بعض علماء اس حدیث سے استدلال کرکے تراویح بھی گھر میں ادا کرنا بہتر سمجھتے ہیں، لیکن جمہور علماء تراویح جماعت کے ساتھ مسجد میں ادا کرنے کو راجح قرار دیتے ہیں، کیوں کہ فاروق اعظمؓ کے دورِ خلافت سے مسلمانوں کا یہی عمل رہا ہے، اور تعامل خود بہت بڑی دلیل ہے، پھر تراویح کی نماز شعارِ دین میں سے ہے، لہٰذا اس کا اظہار بہت مناسب ہے۔

الفصل الثالث

حدیث نمبر ۱۲۲۸ ﴿حضرت عمرؓ کا جماعت تراویح مقرر کرنا﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۳۰۱

عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ الْقَارِیِّ قَالَ خَرَجْتُ مَعَ عُمَرَ بْنِ الخَطَّابِ لَيْلَةً اِلَى الْمَسْجِدِ فَاِذَا النَّاسُ اَوْزَاعٌ مُتَفَرِّقُوْنَ يُصَلِّيْ الرَّجُلُ لِنَفْسِهٖ وَيُصَلِّی الرَّجُلُ فَيُصَلِّیْ بِصَلٰوتِهِ الرَّهْطُ فَقَالَ عُمَرُ اِنِّیْ لَوْجَمَعْتُ هٰؤُلَآءِ عَلٰی قَارِئٍ وَّاحِدٍ لَكَانَ اَمْثَلَ ثُمَّ عَزَمَ فَجَمَعَهُمْ عَلٰی اُبَیِّ بْنِ كَعْبٍ قَالَ ثُمَّ خَرَجْتُ مَعَهٗ لَيْلَةً اُخْرٰی وَالنَّاسُ يُصَلُّوْنَ بِصَلٰوةِ قَارِئِهِمْ قَالَ عُمَرُ نِعْمَتِ الْبِدْعَةُ هٰذِهٖ وَالَّتِیْ تَنَامُوْنَ عَنْهَا اَفْضَلُ مِنَ الَّتِیْ تَقُوْمُوْنَ يُرِيْدُ الْاٰخِرَ اللَّيْلِ وَكَانَ النَّاسُ يَقُوْمُوْنَ اَوَّلَهٗ رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ.

تراویح کا حکم جمہور فقہاء فرماتے ہیں کہ تراویح کی نماز سنت ہے، بلکہ سنتِ مؤکدہ ہے، تراویح مع الجماعت کی سنیت کی سب سے بڑی دلیل تو حضرت عمرؓ کا حکم فرمانا اور اس پر التزام کرنا ہے اور حضرت عمرؓ کی سنت کی اتباع بھی لازم ہے، آپ ﷺ کا فرمان اس سلسلہ میں ماقبل میں گذر چکا ہے، حضرت مولانا عبدالحی صاحبؒ ''التعلیق الممجد'' میں تحریر فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے اگرچہ تراویح پر مواظبت نہیں فرمائی، لیکن مواظبت کے محبوب اور پسندیدہ ہونے کو ظاہر فرمایا ہے، پس یہ بھی مواظبت کی ایک قسم ہے، یعنی مواظبت حکمیہ، اور سنت مؤکدہ کا مدار مطلق مواظبت پر ہے، لہٰذا اس سے مستفاد ہوا کہ تراویح سنتِ مؤکدہ ہے، اور یہی بات بعینہ جماعت کے بارے میں کہی جائے گی کہ آپ ﷺ اس نماز کو ہمیشہ جماعت کے ساتھ پڑھنا چاہتے تھے، لہٰذا اس نماز کیلئے جماعت بھی سنت ہوئی نیز آپ ﷺ اس نماز کو پورے رمضان کے مہینہ میں پڑھنا چاہتے تھے، اس سے معلوم ہوا کہ یہ تمام رمضان کی سنت ہے۔

(ماخوذ از الدر المنضود)

تعدادِ رکعات تراویح تعدادِ رکعات تراویح کے سلسلہ میں جمہور ائمہ، علماء، وفقہاء سب اس بات پر متفق ہیں کہ رکعات تراویح بیس رکعات ہیں، حافظ ابن قدامہ حنبلیؒ نے ''اَلْمُغْنِیْ'' میں متعدد آثار نقل کرکے بیس رکعات تراویح پر اجماع نقل کیا ہے۔

ائمہ اربعہ میں امام مالک کے علاوہ سب بیس رکعت کے ہی قائل ہیں، امام مالکؒ کی ایک روایت رکعات تراویح کے بارے میں یہ ہے کہ رکعات تراویح چھتیس ہیں، یہی اہل مدینہ کا عمل بھی تھا، اس کی وجہ یہ ہے کہ اہل مکہ بیس رکعات تراویح پڑھتے تھے، اور ہر چار رکعت کے بعد ترویحہ میں خانۂ کعبہ کا طواف کرتے تھے، آخری ترویحہ میں طواف نہیں کرتے تھے، اس طرح مکہ والوں کو یہ سعادت میسر آئی کہ وہ بیس رکعات تراویح بھی پڑھتے تھے اور دوران تراویح چار مرتبہ طواف کعبہ بھی کرتے لیتے تھے، اہل مدینہ طواف کر نہیں کرسکتے تھے، لہٰذا وہ ہر ترویحہ کے بعد چار رکعت مزید نماز پڑھتے تھے، اور آخری ترویحہ میں نہیں پڑھتے تھے، تو اس طرح چار ترویحہ میں وہ سولہ رکعت مزید پڑھ لیتے تھے اور یوں ان کی رکعات تراویح چھتیس ہوجاتی تھی، اہل مدینہ کے اس عمل کو ہی امام مالکؒ نے اپنا مذہب بنایا اور وہ تراویح کی چھتیس رکعات کے قائل ہیں، اس سے یہ بات سمجھ میں آئی کہ خانۂ کعبہ کے طواف کی برکت حاصل نہ پانے کی بناء پر، کچھ سعادت حاصل

ہو جائے اس غرض سے اہل مدینہ سولہ رکعات مزید پڑھتے تھے، ورنہ حقیقت میں ان کے نزدیک بھی تراویح بیس رکعات ہی تھی۔

نماز تراویح اور نتیجہ غیر مقلدین

غیر مقلدین نے تراویح کے سلسلہ میں سب سے پہلے یہ بات گڑھی کہ تراویح اور تہجد دونوں ایک نماز ہیں عام دنوں میں جو نماز تہجد کی کہلاتی ہے وہی نماز رمضان میں تراویح کی کہلاتی ہے، جب غیر مقلدین نے یہ قول اختیار کیا، تو اس کا لازمی نتیجہ تین رکعات تراویح میں اختلاف کی صورت میں نکلا، اس لئے کہ تہجد کی تعداد رکعات آپ ﷺ کی مختلف رہی ہیں، چوں کہ عام طور پر آپ ﷺ تہجد کی نماز آٹھ پڑھتے تھے، اس لئے غیر مقلدین اس بات کے قائل ہوئے کہ تراویح کی نماز آٹھ رکعات ہیں اور آٹھ رکعات تراویح کے ثبوت میں جو حدیث پیش کرتے ہیں اس میں چار چار رکعت کر کے پڑھنے کا تذکرہ ہے، جب کہ غیر مقلدین دو دو رکعت کر کے آٹھ رکعت تراویح پڑھتے ہیں، اس اشکال سے بچنے کے لئے وہ حدیث پیش کرتے ہیں جس میں یہ ذکر ہے کہ آپ ﷺ نے تہجد کی نماز دو دو رکعت پڑھی ہے، لیکن اس روایت میں تعداد رکعت آٹھ نہیں بارہ ہے، لہٰذا غیر مقلدین کے پاس کوئی ایسی دلیل نہیں ہے جس سے وہ طریقہ ثابت ہو جائے جس پر وہ عمل پیرا ہیں، حقیقت یہ ہے کہ تراویح کے نام پر جو عبادت کرتے ہیں، اس کا ثبوت کہیں نہیں ہے، کسی حدیث سے کچھ، کسی سے کچھ لے کر ایک عبادت گڑھ لی ہے۔

تراویح و تہجد دونوں مستقل نمازیں

حقیقت یہ ہے کہ تراویح اور تہجد دونوں الگ الگ مستقل نمازیں ہیں، تہجد کی نماز اللہ تعالیٰ کے فرمان سے مقرر ہوئی ہے فرمانِ باری ہے "**ومن الليل فتهجد به نافلة لك**" اور نماز تراویح آپ ﷺ کے فرمان سے مشروع ہوئی ہے، آپ ﷺ کا فرمان ہے "**وسننت لكم قيامه**" رمضان المبارک کا روزہ اللہ تعالیٰ نے تم پر فرض کیا ہے اور رمضان المبارک میں تراویح کی نماز میں نے مسنون قرار دی ہے، ائمہ میں سے کوئی بھی تراویح اور تہجد کو ایک قرار نہیں دیتا ہے، محدثین تراویح کے لئے الگ باب قائم کرتے ہیں اور تہجد کے لئے الگ باب قائم کرتے ہیں اور دونوں بابوں میں الگ الگ احادیث نقل کرتے ہیں، امام بخاری تراویح و تہجد دونوں نمازیں پڑھا کرتے تھے تراویح باجماعت پڑھتے تھے اور ہر رکعت میں بیس آیات پڑھتے تھے، اور پورے رمضان میں صرف ایک قرآن تراویح میں مکمل فرماتے تھے، جب کہ تہجد کی نماز تنہا پڑھتے تھے، اور اس نماز میں تین راتوں میں ایک قرآن مکمل کر لیتے تھے، (مقدمہ فتح الباری) غیر مقلدین کا دونوں نمازوں کو ایک قرار دینا کسی شاذ قول کی اتباع کے علاوہ کچھ نہیں ہے، قرآن و حدیث اور ائمہ مجتہدین کے فرامین کے بالکل خلاف ہے۔

آٹھ رکعات تراویح

غیر مقلدین تراویح و تہجد کو ایک قرار دیتے ہیں اور پھر تہجد والی روایات سے استدلال کر کے کہتے ہیں کہ دیکھو تراویح کی رکعات آٹھ ہیں، غیر مقلدین کی آٹھ رکعات تراویح کی سب سے مضبوط دلیل حدیث عائشہ ہے

سُئِلَتْ عَائِشَة رضی الله عنها كيف كانت صلاة رسول الله ﷺ فی رمضان فقالت ما كان يزيد فی رمضان ولا فی غيره علٰى اِحدٰى عشرة ركعةً "حضرت عائشہؓ سے دریافت کیا گیا کہ رسول اللہ ﷺ کی رمضان میں نماز کی کیفیت کیا ہوا کرتی تھی؟ حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ سے زائد نہیں پڑھتے تھے، غیر مقلدین نے حضرت عائشہؓ کے جواب کے اسی جز پر اکتفا کر لی اور یہ کہنے لگے کہ دیکھو حضرت عائشہؓ گیارہ رکعات فرما رہی ہیں، جس میں تین وتر اور باقی آٹھ رکعات تراویح کی ہیں، لہٰذا تراویح صرف آٹھ رکعات ہے، حالانکہ ابھی حضرت عائشہؓ نے جواب دیا ہی نہیں ہے سائل نے نماز کی کیفیت کے بارے میں سوال کیا تھا حضرت عائشہؓ نے اس کا جواب آگے یوں دیا کہ "**يصلی اربعًا فلا تسال عن حسنهن وطولهن ثم يصلی اربعًا فلا تسال عن حسنهن وطولهن ثم يصلی ثلاثًا**" آپ ﷺ چار رکعت نماز پڑھتے تھے تم ان کی خوبی اور ان کی لمبائی مت پوچھو، پھر آپ ﷺ چار رکعت پڑھتے تھے اس کی خوبی اور لمبائی کے بابت مت دریافت کرو، پھر آپ ﷺ

تین رکعات وتر پڑھا کرتے۔ غیر مقلدین نے حضرت عائشہ کی اسی حدیث کو لے کر اپنا مذہب آٹھ رکعات تراویح کا بنایا ہے حالانکہ اس حدیث میں صاف اس بات کی صراحت ہے کہ آپ ﷺ چار چار رکعات کر کے نماز پڑھتے تھے، جب کہ غیر مقلدین دو دو رکعت پڑھتے ہیں، اس حدیث میں صراحت ہے آپ ﷺ وتر تین رکعات پڑھتے تھے، غیر مقلدین ایک رکعت وتر کے قائل ہیں یا تین رکعات دو سلام سے، لہٰذا یہ حدیث اس مسئلہ میں بھی ان کے خلاف ہے، اس حدیث میں سوال و جواب کا اصل مقصد کیفیت صلاۃ کو بتانا ہے، عدد رکعات تو ضمناً بیان ہوا ہے، لیکن غیر مقلدین عدد رکعات سن کر تو اس کے لینے کے لئے دوڑ پڑے، لیکن کیفیت صلاۃ پر کوئی توجہ نہیں کی، حدیث میں چار رکعت طویل پڑھنے کا ذکر ہے، ابن تیمیہ فتاویٰ میں نقل کرتے ہیں کہ ''**قد ثبت في الصحيح من حذيفة أنه كان يقرأ في الركعة بالبقرة والنساء وآل عمران**'' (فتاویٰ ج ۲۳ ص ۱۱۳) حضرت حذیفہؓ کی صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ آپ ﷺ تہجد کی نماز میں ایک رکعت میں سورۂ بقرہ سورۂ نساء اور سورہ آل عمران پڑھتے تھے، یہ تو صرف قرأت کا ذکر ہوا، آپ ﷺ کا رکوع سجدہ سب کچھ اسی طرح طویل ہوتا تھا، غیر مقلدین ان میں سے کسی بات پر عامل نہیں اور چوں کہ غیر مقلدین اپنے مذہب پر جو دلیل پیش کرتے ہیں اس پر خود ان کا عمل نہیں، لہٰذا یہ حدیث قابل استدلال نہیں ہے، غیر مقلدین'' حدیث عائشہ'' کا سہارا لے کر کہتے ہیں کہ آٹھ رکعات میں تراویح منحصر ہے، حالانکہ خود حضرت عائشہ ہی کی حدیث اس کے خلاف ہے، بخاری کی روایت ہے۔ **كان يصلي رسول الله** ﷺ **بالليل ثلاث عشرة ركعة**'' اس حدیث کی روشنی میں یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ غیر مقلدین کا آٹھ رکعات کے انحصار کے حوالے سے حضرت عائشہؓ کی حدیث کا پیش کرنا اور اسی عدد میں انحصار کا دعویٰ کرنا باطل ہے، سچی بات یہ ہے کہ ان احادیث کا تعلق تراویح سے ہے ہی نہیں، یہ روایت تہجد سے متعلق ہیں، اور تہجد کی رکعات کے حوالے سے آپ ﷺ کا عمل مختلف رہا ہے، اسی وجہ سے روایت میں تعداد رکعات کے حوالے سے اختلاف ہے، حدیث عائشہؓ اس نماز کے بارے میں جواب دے رہی ہیں جو نماز رمضان و غیر رمضان دونوں سے متعلق ہے اور وہ تہجد کی نماز ہے، اگر تراویح کے بارے میں جواب دینا ہوتا تو غیر رمضان کا ذکر نہ فرماتیں۔

سوال: سائل نے اپنے سوال میں خاص طور پر رمضان کا ذکر کیوں کیا؟

جواب: سائل کو خیال ہوا کہ ممکن ہے آپ ﷺ رمضان میں تہجد کی نماز میں اضافہ فرماتے ہوں اس لیے پوچھا کہ رمضان میں آپ ﷺ کے تہجد کی کیا کیفیت ہوتی ہے۔

بیس رکعات تراویح کا ثبوت

رکعات تراویح کے حوالے سے دو دور ہیں (۱) عہد نبوی (۲) عہد فاروقی۔

عہد نبوی میں رکعات تراویح کی تعداد متعین تھی یا نہیں؟

اس میں نظریات مختلف ہیں، علامہ سیوطی، ابن تیمیہ عہد نبوی میں تعداد رکعات کے قائل نہیں اور جن روایات میں ذکر ہے ان کو قابل حجت نہیں مانتے، امام طحاوی وغیرہ دور نبوی میں عدد رکعات تراویح کو ثابت مان کر کہتے ہیں کہ تراویح کی رکعت دور نبوت میں بھی بیس تھیں، ابن ابی شیبہ کی حدیث ہے'' **عن ابن عباس قال كان رسول الله** ﷺ **يصلي في شهر رمضان في غير جماعة عشرين ركعة**'' یہ تو عہد نبوی کی بات ہوئی، حضرت عمرؓ نے اپنے دور خلافت میں حضرت ابی ابن کعبؓ کو امام مقرر کیا اور انہوں نے تراویح کی نماز باجماعت پڑھائی، اس میں انہوں نے بیس رکعات ہی پڑھائیں، جیسا کہ روایت میں ہے کہ'' **كانوا يقومون على عهد عمرؓ بعشرين ركعة وعلى عهد عثمان وعلى مثله**'' اسی طرح مؤطا میں روایت ہے'' **كان الناس يقومون في زمان عمر بن الخطاب في رمضان بثلث وعشرين ركعة**'' تین رکعت وتر ہیں، باقی بیس رکعت تراویح ہیں، بعض لوگ کہتے ہیں کہ

یہ راوی کا وہم ہے، یا پھر ابتدا میں گیارہ رکعات پڑھائی ہوں گی، اور پھر بعد میں بیس کردی ہوں گی، بہر حال دورِ فاروقی سے بیس رکعات تراویح چل رہی ہے، اسی پر امت کا تعامل رہا ہے، خلاصہ کلام یہ ہے کہ اگر دورِ نبوت میں بیس رکعات کا ثبوت نہ بھی ہو اور صحابہ کرام کی اجماعی رائے سے بیس رکعات طے پائی ہو، تو بھی اس پر عمل کرنا لازم ہے، آپ ﷺ کا فرمان ہے کہ "مارآہ المؤمنون حسناً فھو عند اللہ حسن" نیز حضرت عمرؓ کے حکم سے تراویح کی جماعت اور تعداد رکعات کا تعین ہوا ہے اور وہ خلفائے راشدین میں سے ہیں اور خلفاء راشدین کے سلسلہ میں آپ کا فرمان گذر چکا ہے "علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین المھدیین"

حضرت عمرؓ کا جماعتِ تراویح کو بدعت کہنا حضرت عمرؓ نے فرمایا "نعمت البدعة ھذہ" مطلب یہ تھا کہ اس جماعت کا مقرر ہونا اچھی بدعت ہے، یہ مقصد نہ تھا کہ اصلِ جماعت بدعت ہے، کیوں کہ اصل جماعت تو آپ ﷺ سے ہی ثابت ہے، ایک امام کے پیچھے تمام لوگوں کا اکٹھا ہونا سیدنا صدیق اکبرؓ کے دور میں نہیں تھا، بلکہ لوگ تنہا تنہا، یا ٹولیوں کی شکل میں بٹ کر جماعت سے تراویح پڑھتے تھے، حضرت عمرؓ نے اپنے دور میں تمام لوگوں کو ایک امام کے تابع کیا یہ نیا عمل تھا، لیکن یہ کوئی اصطلاحی بدعت نہیں ہے، بلکہ لغوی بدعت ہے یعنی "الامور البدیع ہے، حضرت عمرؓ کا کسی طریقہ کو رائج کرنا بدعت نہیں ہوسکتا، بلکہ وہ سنت کہلائے گا اور اس کی اتباع لازم ہوگی آپ ﷺ کا فرمان ہے "ستحدث بعدی أشیاء واحبھا الیّ ان تلزموا ما احدث عمرؓ" (ترمذی) اسی طرح آپ ﷺ کا فرمان کئی بار نقل ہوا "علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین المھدیین" علامہ ابن تیمیہ لکھتے ہیں کہ فمن تمسك بسنة الخلفاء الراشدین فقد اطاع اللہ ورسولہٗ جس نے خلفائے راشدین کی سنت کو تھاما اس نے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کی۔ (فتاویٰ ج ۲۴ ص ۲۰۹)

حدیث نمبر ۱۲۲۹ ﴿حضرت عمرؓ کا تراویح کیلئے امام مقرر کرنا﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۳۰۲

وَعَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيْدَ قَالَ اَمَرَ عُمَرُ اُبَيَّ بْنَ كَعْبٍ وَتَمِيْمَانِ الدَّارِمِيَّ اَنْ يَّقُوْمَا لِلنَّاسِ فِيْ رَمَضَانَ بِاِحْدٰى عَشَرَةَ رَكْعَةً وَّكَانَ الْقَارِئُ يَقْرَأُ بِالْمِئِيْنَ حَتّٰى كُنَّا نَعْتَمِدُ عَلَى الْعَصَامِنْ طُوْلِ الْقِيَامِ فَمَا كُنَّا نَنْصَرِفُ اِلَّا فِيْ فُرُوْعِ الْفَجْرِ رَوَاهُ مَالِكٌ.

حوالہ: مؤطا امام مالك، ص نمبر ۰ ٤ باب ماجاء في قيام رمضان، كتاب الصلاة في رمضان، حديث نمبر ۴۸.

ترجمہ: حضرت سائب بن یزیدؓ سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے حضرت ابی بن کعبؓ اور حضرت تمیم داری کو اس بات کا حکم دیا کہ وہ لوگوں کو گیارہ رکعات نماز رمضان کی راتوں میں پڑھایا کریں، چنانچہ قاری سو سے زائد آیتوں والی سورتیں پڑھتے تھے اور ہم لوگ طویل قیام کی وجہ سے لاٹھی پر ٹیک لگالیا کرتے تھے، اور ہم نماز سے اس وقت فارغ ہوتے تھے جبکہ طلوع فجر کا وقت قریب ہوتا تھا۔ (مؤطا امام مالک)

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے حضرت ابی بن کعبؓ اور حضرت تمیم داری کو تراویح کا امام مقرر کیا تھا، کہ یہ حضرات لوگوں کو تراویح کی نماز پڑھایا کریں، شروع میں حضرت عمرؓ نے گیارہ رکعات تراویح پڑھانے کا حکم دیا تھا اور لمبی قرأت کرنے کا حکم دیا تھا، لیکن جب لوگوں کو طویل قرأت سے مشقت ہونے لگی اور آپؓ کو حضرت نبی کریم ﷺ کی بیس رکعات کی روایت معلوم ہوئی، تو آپؓ نے بیس رکعات پڑھانے کا اور قرأت میں کچھ تخفیف کرنے کا حکم کیا، چنانچہ یہی حکم نافذ رہا، جو آج تک چلا آرہا ہے۔

کلماتِ حدیث کی تشریح امر ابی بن کعب حضرت عمرؓ نے اپنے دورِ خلافت میں حضرت ابی بن کعبؓ اور حضرت تمیم داریؓ کو حکم کیا کہ وہ لوگوں کو تراویح کی نماز پڑھایا کریں، یعنی کچھ رکعتیں حضرت ابی بن کعبؓ پڑھائیں اور کچھ رکعتیں حضرت تمیم داریؓ پڑھائیں، یا پھر یہ مطلب ہے کہ کسی رات میں حضرت ابی بن کعبؓ پڑھائیں اور کسی رات میں حضرت تمیم داریؓ

پڑھائیں، علامہ زرقانیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت ابی بن کعب کو مردوں کا امام مقرر کیا اور حضرت تمیم داریؓ کو عورتوں کا امام بنایا، **احدی عشرۃ رکعۃ** اس حدیث سے یہ بات سمجھ میں آرہی ہے کہ یہ لوگ دورِ فاروقی میں گیارہ رکعات پڑھاتے تھے، جن میں آٹھ تراویح کی رکعات ہوتی تھیں اور تین وتر کی، تو یہ حدیث تو غیر مقلدین کے مذہب کے موافق ہے اور ہمارے خلاف ہے۔

حدیث باب کا جواب شروع میں گیارہ رکعت پڑھائیں، پھر بیس رکعات تراویح پر استقرار ہوا، چنانچہ مؤطا میں یزید بن رومان کی حدیث ہے "**کان الناس یقومون فی زمان عمر بن الخطاب فی رمضان بثلث وعشرین رکعۃ**" صرف مؤطا امام مالک میں سائب بن یزید کی روایت میں گیارہ کا ذکر ہے، ورنہ خود سائب بن یزید کی اکثر روایات میں بیس رکعات تراویح کا ذکر ہے، اسی وجہ سے بعض لوگ کہتے ہیں کہ مؤطا کی روایت میں '**احدی عشرۃ**' راوی کا وہم ہے، لیکن اصل بات یہ ہے کہ شروع میں گیارہ رکعات طویل قرأت سے پڑھی گئیں، لیکن بعد میں قرأت میں تخفیف ہوئی اور بیس رکعات تراویح پر استقرار ہوا۔

اشکال: یہ بھی تو ممکن ہے کہ پہلے بیس رکعات ہوں بعد میں گیارہ ہوگئیں ہوں، جب سائب بن یزید سے دونوں طرح کی روایات ہیں تو گیارہ والی کو مقدم مان کر منسوخ کرنا اور بیس والی کو مؤخر کرنا اور ناسخ کرنا قرار دینا کس دلیل کی رو سے ہے؟

جواب: بیس ہی رکعت والی روایت بعد کی ہے اور یہی عمل بعد کا ہے، اگر گیارہ کا حکم بعد کا ہوتا تو اسی پر تعامل ہوتا، حالانکہ تعامل بیس رکعت پر ہی ہے، نیز بیہقی نے سائب بن یزید کی روایت صحیح سند سے نقل کی ہے کہ "**کانوا یقومون علی عهد عمر بعشرین رکعۃ وعلی عهد عثمان وعلی مثله**" اس حدیث سے صاف معلوم ہوا کہ بیس رکعات حکم بعد کا ہے، یہی وجہ ہے کہ یہی عمل حضرت عثمانؓ وحضرت علیؓ کے دور میں بھی رہا اور آج تک یہی چلا آرہا ہے۔

حدیث نمبر ۱۲۳۰ ﴿نمازتراویح میں طویل قرأت کا تذکرہ﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۳۰۳

وَعَنِ الْاَعْرَجِ قَالَ مَاادْرَكْنَا النَّاسَ اِلَّا وَهُمْ يَلْعَنُوْنَ الْكَفَرَةَ فِيْ رَمَضَانَ قَالَ وَكَانَ الْقَارِئُ يَقْرَءُ سُوْرَةَ الْبَقَرَةِ فِيْ ثَمَانِ رَكَعَاتٍ فَاِذَا قَامَ بِهَا فِيْ ثِنْتَيْ عَشَرَةَ رَكْعَةً رَاَى النَّاسُ اَنَّهُ قَدْ خَفَّفَ رَوَاهُ مَالِكٌ.

حوالہ: مؤطا امام مالک، ص نمبر ۴۰ باب ماجاء فی قیام رمضان، کتاب الصلاۃ فی رمضان، حدیث نمبر ......

ترجمہ: حضرت اعرج سے روایت ہے کہ ہم نے لوگوں کو رمضان میں کفار پر لعنت کرتے ہوئے پایا، راوی کہتے ہیں کہ قاری آٹھ رکعات میں سورۂ بقرہ کی مکمل تلاوت کرتے تھے، اور جب کبھی بارہ رکعت میں سورۂ بقرہ کی تلاوت مکمل کرتے تو لوگ سمجھتے کہ ہلکی نماز پڑھی ہے۔ (مؤطا امام مالک)

خلاصہ حدیث کفار نے رمضان کے مبارک مہینے کی قدر نہیں کی، اور کتاب ہدایت جو کہ رمضان میں نازل ہوئی اس سے ہدایت حاصل نہیں کی تو وہ لعنت کے مستحق ہوئے اس لئے بالخصوص صحابہ کرام وتابعین رمضان میں ان پر لعنت کرتے تھے اور یہ لعنت وتر کی نماز میں قنوت کے ذریعہ ہوا کرتی تھی، اس روایت سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ تراویح کی نماز آٹھ رکعات سے زائد ہے، آپ ﷺ کا عمل تعدادِ رکعاتِ تراویح کے اعتبار سے مختلف رہا ہے، حضرت عمرؓ کے زمانہ میں بیس رکعاتِ تراویح پر اجماع ہوا ہے، لہٰذا ہمیں اس کی اتباع لازمی طور پر کرنی ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح **ما ادرکنا الناس الا وهم یلعنون** مطلب یہ ہے کہ صحابہ وتابعین کفار پر رمضان میں لعنت کرتے تھے، حضرت عمرؓ سے ثابت ہے کہ رمضان جب نصف گزر جائے تو وتر میں کافروں پر لعنت کرو، یہاں مطلق رمضان کا ذکر ہے، لیکن مراد نصف آخر ہے، تاکہ احادیث میں تطبیق ہو جائے، نصف آخر کے ساتھ مخصوص کرنے میں ان کے زوال کی طرف اشارہ ہے۔ **فی ثمان رکعات** آپ ﷺ نے تراویح میں کتنی رکعات پڑھی ہیں؟ اس سلسلہ میں روایات مختلف ہیں، لہٰذا بعد میں

لوگوں کا عمل مختلف رہا، اس روایت میں بھی آٹھ رکعات اور بارہ رکعات کا تذکرہ ہے، حضرت عمرؓ کے دورِ خلافت میں بیس رکعات تراویح پر اجماع ہوا ہے، اور پھر اس وقت سے لے کر آج تک امت کے سوادِ اعظم اسی پر عمل پیرا رہا ہے، ایسی صورت میں اگر روایت مرفوعہ سے رکعاتِ تراویح کا عدد بیس ثابت نہ ہو، تب بھی ہمارے لیے یہی واجب العمل ہے، کیوں کہ خلفاء کی اتباع بھی ہم پر لازم ہے اس کے علاوہ حضرات محدثین کا یہ اصول بھی ہے کہ ''غیر مدرك بالرائی'' مسائل میں حضراتِ صحابہ کے آثار موقوفہ روایاتِ مرفوعہ کے حکم میں ہیں، لہٰذا بیس رکعات با جماعت تراویح کے حوالے سے بھی یہی بات کہی جائے گی کہ حضرت عمرؓ نے اس کا حکم دیا اور تمام صحابہ نے اس کو قبول کیا یہ دلیل ہے اس بات کی کہ ان کے پیش نظر حضور اکرم ﷺ کا کوئی قول یا فعل ضرور رہا ہوگا؟ کیوں کہ بیس رکعات تراویح کو مجموعی طور پر اپنانا ''غیر مدرك بالرائی'' مسئلہ ہے۔

حدیث نمبر ۱۲۳۱ ﴿نماز تراویح کی طوالت کا بیان﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۳۰۴

وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ اَبِیْ بَكْرٍ قَالَ سَمِعْتُ اُبَیًّا یَقُوْلُ كُنَّا نَنْصَرِفُ فِیْ رَمَضَانَ مِنَ الْقِیَامِ فَنَسْتَعْجِلُ الْخَدَمَ بِالطَّعَامِ مَخَافَةَ فَوْتِ السَّحُوْرِ وَفِیْ اُخْرٰی مَخَافَةَ الْفَجْرِ رَوَاهُ مَالِكٌ.

حوالہ: مؤطا امام مالك، ص نمبر ۴۱ باب ماجاء في قيام رمضان، كتاب الصلاة في رمضان، حديث نمبر ۷.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن ابی بکرؓ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت ابی بن کعبؓ کو فرماتے ہوئے سنا کہ ہم لوگ رمضان میں نمازِ تراویح سے فارغ ہو کر آتے، تو سحر کے وقت کے فوت ہونے کے خوف سے خادموں کو جلد کھانے لانے کو کہتے، ایک دوسری روایت میں ''مخافة الفجر'' کے الفاظ ہیں یعنی فجر کے طلوع ہونے کے خوف سے۔ (مؤطا امام مالک)

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ صحابہ کرام بسا اوقات تراویح کی نماز بہت لمبی پڑھتے تھے، جس کی وجہ سے سحری کے فوت ہو جانے کا خدشہ پیدا ہو جاتا، لہٰذا خدام سے جلدی کھانے لانے کو کہتے، تاکہ سحری کھا کر روزہ رکھیں۔

کلماتِ حدیث کی تشریح من القیام تراویح کی نماز کو قیام سے اس لیے تعبیر کیا کہ اس میں بہت لمبا قیام کرتے تھے بعض لوگوں نے یہ وجہ بیان کی ہے کہ سو کر اٹھنے کے بعد یہ نماز پڑھنے کی وجہ سے اس کو ''قیام'' کہا ہے، یہ بات درست نہیں ہے، کیوں کہ بہت سے لوگ سونے سے پہلے یہ نماز پڑھتے تھے۔ (مرقات ص ۱۹۵ ج ۳)

حدیث نمبر ۱۲۳۲ ﴿شب برأت میں لکھے جانے والے امور﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۳۰۵

وَعَنْ عَائِشَةَ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ قَالَ هَلْ تَدْرِیْنَ مَافِیْ هٰذِهِ اللَّیْلَةِ یَعْنِیْ لَیْلَةَ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ قَالَتْ مَافِیْهَا یَارَسُوْلَ اللّٰهِ فَقَالَ فِیْهَا اَنْ یُّكْتَبَ كُلُّ مَوْلُوْدٍ مِّنْ بَنِیْ اٰدَمَ فِیْ هٰذِهِ السَّنَةِ وَفِیْهَا اَنْ یُّكْتَبَ كُلُّ هَالِكٍ مِّنْ بَنِیْ اٰدَمَ فِیْ هٰذِهِ السَّنَةِ وَفِیْهَا تُرْفَعُ اَعْمَالُهُمْ وَفِیْهَا تُنْزَلُ اَرْزَاقُهُمْ فَقَالَتْ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ مَامِنْ اَحَدٍ یَّدْخُلُ الْجَنَّةَ اِلَّا بِرَحْمَةِ اللّٰهِ تَعَالٰی فَقَالَ مَامِنْ اَحَدٍ یَّدْخُلُ الْجَنَّةَ اِلَّا بِرَحْمَةِ اللّٰهِ تَعَالٰی ثَلٰثًا قُلْتُ وَلَا اَنْتَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَوَضَعَ یَدَهٗ عَلٰی هَامَتِهٖ فَقَالَ وَلَا اَنَا اِلَّا اَنْ یَّتَغَمَّدَ نِیَ اللّٰهُ مِنْهُ بِرَحْمَةٍ یَقُوْلُهَا ثَلٰثَ مَرَّاتٍ رَوَاهُ الْبَیْهَقِیُّ فِی الدَّعْوَاتِ الْكَبِیْرِ.

حوالہ: بيهقى فى الدعوات الكبير.

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ کیا تم جانتی ہو کہ اس رات یعنی شعبان کی پندرہویں رات میں کیا ہوتا ہے؟ حضرت عائشہؓ بولیں اے اللہ کے رسول! اس شب میں کیا ہوتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس سال اولادِ آدم میں جو بھی بچہ پیدا ہونا ہوتا ہے وہ اس شب میں لکھا جاتا ہے، اولادِ آدم میں جو بھی اس سال مرنے والے ہوتے ہیں وہ سب اس رات میں لکھے جاتے

ہیں، اس رات میں لوگوں کے اعمال اٹھائے جاتے ہیں، اور اسی شب میں لوگوں کے لیے رزق اتارے جاتے ہیں، حضرت عائشہؓ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی رحمت کے بغیر جنت میں داخل نہ ہوگا؟ آپ ﷺ نے تین مرتبہ فرمایا کہ کوئی شخص اللہ کی رحمت کے بغیر جنت میں داخل نہ ہوگا، حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ میں نے کہا اور آپ ﷺ بھی اللہ کی رحمت کے بغیر جنت میں داخل نہ ہوں گے؟ نبی کریم ﷺ نے اپنے ہاتھ کو اپنے سر مبارک پر رکھا اور فرمایا کہ میں بھی جنت میں داخل نہ ہونگا مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے مجھے اپنی رحمت میں ڈھانپ لے، یہ الفاظ بھی آپ ﷺ نے تین مرتبہ فرمائے (بیہقی فی الدعوات الکبیر)

خلاصہ حدیث اس حدیث سے پندرہویں شعبان یعنی شب برأت کی اہمیت معلوم ہورہی ہے، یوں تو اللہ تعالیٰ نے ازل ہی میں لوحِ محفوظ کے اندر سب کچھ لکھ دیا، لیکن سال بھر تک پیش آنے والے اعمال سب کے سب دوبارہ شب برأت میں لکھ دیے جاتے ہیں، یعنی بڑے رجسٹر سے چھوٹے رجسٹر میں سال بھر پیش آنے والے تمام امور اسی شب میں لکھے جاتے ہیں اس حدیث سے یہ بات بھی سمجھ میں آئی کہ بغیر اللہ کے فضل ورحم وکرم کے کوئی شخص اپنے اعمال کی بدولت جنت میں نہیں جاسکتا، جنت میں وہی جائے گا جس پر اللہ کا رحم ہوگا۔

کلمات حدیث کی تشریح ماتدرین حضرت نبی کریم ﷺ نے حضرت عائشہ سے پندرہویں شب کے بابت استفسار کیا، پھر جواب مرحمت کیا، اس کا مقصد امت کو اس بات پر ابھارنا ہے کہ اس رات میں اللہ تعالیٰ کی کثرت سے عبادت کی جائے اور اس سے مغفرت طلب کی جائے، فیھا ان یکتب سال بھر میں کس کو پیدا ہونا ہے، کس کو مرنا ہے، کس کو کیا ملنا ہے، سب لکھ دیا جاتا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "فیھا یفرق کل امر حکیم" ترفع اعمالھم سال بھر بندہ کو جو اعمال کرنا ہے، اور جو اعمال ہر روز اٹھائے جاتے ہیں، وہ اسی رات لکھ دیئے جاتے ہیں، آپ ﷺ کے اسی فرمان سے حضرت عائشہؓ کو وہ سوال پیدا ہوا جس کا آگے ذکر ہے کہ جب سب اعمال پہلے ہی لکھدیے جاتے ہیں، تو دخولِ جنت کا معاملہ تو رضائے الٰہی پر منحصر ہوا، حضرت عائشہ کے سوال کے جواب میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ سب لوگ جنت میں اللہ کے رحم وکرم سے ہی جائیں گے۔

اشکال: اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مجید میں حصولِ جنت کو اعمالِ صالحہ کا صلہ قرار دیا ہے، فرمان باری ہے "**وتلك الجنة التي اورثتموها بما كنتم تعملون**" یہ جنت تمہارے نیک اعمال کے بدولت دی گئی ہے، اور اس حدیث سے معلوم ہورہا ہے کہ جنت نیک اعمال کے بدولت نہیں، بلکہ رحمتِ خداوندی کی وجہ سے ملتی ہے۔

جواب: اعمالِ صالحہ کی توفیق یہ بھی تو رحمتِ خداوندی ہے، لہٰذا اعمالِ صالحہ کا صادر ہونا جو کہ دخولِ جنت کا سبب ظاہری ہے، یہ بھی رحمتِ خداوندی کے سوا کچھ نہیں ہے، بعض لوگ نقل کرتے ہیں کہ دخولِ جنت تو رحمتِ خداوندی کے صدقہ میں میسر آئے گا، البتہ جنت کے اندر درجات میں تفاوت اعمال کے اعتبار سے ہوگا۔ (تلخیص مرقات ص نمبر ۱۹۸،۱۹۹ ج ۳)

حدیث نمبر ۱۲۳۳ ﴿شب برأت میں نوافل کے اہتمام کا حکم﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۳۰۶، ۱۳۰۷

وَعَنْ اَبِیْ مُوْسَی الْاَشْعَرِیِّ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی لَیَطَّلِعُ فِیْ لَیْلَةِ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ فَیَغْفِرُ لِجَمِیْعِ خَلْقِهٖ اِلَّا لِمُشْرِكٍ اَوْمُشَاحِنٍ رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ وَرَوَاهُ اَحْمَدُ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو بْنِ الْعَاصِ وَفِیْ رِوَایَتِهٖ اِلَّا اثْنَیْنِ مُشَاحِنٌ وَّقَاتِلُ نَفْسٍ.

حواله: ابن ما جه، ص نمبر ۹۹ باب ماجاء فی لیلة النصف من شعبان، کتاب ماجاء فی قیام شهر رمضان حدیث نمبر ۱۳۰۹ مسند احمد ص نمبر ۱۷۶ ج ۲.

ترجمه: حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ شعبان کی پندرہویں شب

میں توجہ فرماتے ہیں، اور مشرک وکینہ پرور کو چھوڑ کر اپنی تمام مخلوق کی مغفرت فرما دیتے ہیں، (ابن ماجہ) امام احمدؒ نے اس روایت کو حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سے روایت کیا ہے اور ان کی روایت میں یوں ہے کہ ''إلّا اثنين الخ'' دو لوگوں کی اللہ تعالیٰ مغفرت نہیں فرماتے، (۱) کینہ پرور (۲) کسی کو قتل کرنے والا۔

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ پندرہویں شعبان کی شب میں اللہ تعالیٰ کی رحمت شباب پر ہوتی ہے، اس دن اللہ تعالیٰ بڑے بڑے گنہگاروں کی مغفرت فرماتے ہیں، جن گناہوں کی معافی اس بابرکت رات میں نہیں ہوتی، ان میں سے دو کا یہاں پہلی روایت میں ذکر ہے، (۱) مشرک شرک ایسا گناہ ہے جس کی معافی کا کوئی سوال ہی نہیں، لہٰذا مشرک شخص اس بابرکت رات میں بھی رحمت الٰہی سے فیضیاب نہیں ہو پاتے (۲) کینہ پرور: بغض ونفرت اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں بہت مبغوض چیزیں ہیں، لہٰذا اگر کوئی شخص اپنی ذات کی خاطر کسی سے بغض وعناد رکھ رہا ہے، اور کینہ کو دل میں جگہ دے رہا ہے، تو اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو اس بابرکت رات میں بھی مغفرت نہیں عطا فرماتے، دوسری روایت میں کینہ پرور کے ساتھ، ناحق قتل کرنے والا کا بھی ذکر ہے، اگر کوئی شخص کسی دوسرے کو ناحق قتل کرے گا تو یہ بھی شخص اللہ کی نگاہ میں مبغوض ہوگا اس رحمت والی رات میں بخشش کا مستحق نہ ہوگا۔

کلماتِ حدیث کی تشریح فيغفر لجميع خلقه یوں تو اللہ تعالیٰ کی رحمت بالکل عام ہے، لیکن کچھ خاص اوقات ہیں جن میں رحمت الٰہی شباب پر ہوتی ہے، اور اس میں گناہ گاروں پر اللہ کی خاص عنایت ہوتی ہے، ان ہی اوقات میں سے پندرہویں شعبان کی رات بھی ہے، اس شب کے حوالے سے آپ ﷺ نے فرمایا، کہ اس میں خود باری تعالیٰ فرماتے ہیں کہ کوئی معافی چاہنے والا ہے جو مجھ سے معافی مانگے، اور میں اس کو معاف کر دوں، کوئی ہے روزی چاہنے والا میں اس کو روزی عطا کر دوں کوئی ہے مصیبت زدہ جو مجھ سے مصیبت دور کرنے کی درخواست کرے، اور میں اس کی مصیبت دور کروں غروبِ شمس سے لیکر صبح صادق تک یہ آواز لگائی جاتی رہتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے گناہوں اور خطاؤں کی معافی ملتی رہتی ہے إلّا لمشرك حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ اور حضرت عمرو بن عاص دونوں کی روایتوں کو ملا کر تین لوگوں کا یہاں تذکرہ ہے، جن کی اس بابرکت رات میں مغفرت نہیں ہوتی، (۱) مشرک (۲) کینہ پرور، (۳) ناحق قتل کرنے والا، ایک روایت میں چھے لوگوں کا ذکر ہے کہ ان کی مغفرت نہیں ہوتی، ان میں ٹخنوں سے نیچے پاجامہ پہننے والا، شراب پینے والا، اور والدین کی نافرمانی کرنے والا بھی شامل ہے، مشرک کی مغفرت اس لئے نہیں ہوتی کہ شرک جرم عظیم ہے، مشرک اللہ کی ذات پر بہتان لگانے والا، اور اللہ کی توہین کرنے والا ہوتا ہے، تو گویا مشرک اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ غداری کرنے والا ہے، اور بقیہ جن جرموں کا یہاں تذکرہ ہے، وہ درحقیقت اللہ کی مخلوق کے ساتھ غداری اور اللہ تعالیٰ کے احکامات کو توڑتا ہے، اس لئے ان کی مغفرت نہیں ہوتی، مشاحن کینہ پرور اللہ کی نگاہ میں بہت مبغوض ہے، نبی کریم ﷺ نے حضرت انسؓ کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ ''یا بنی ان استطعت ان تصبح وتمسي وليس في قلبك غش لاحد فافعل'' اے میرے بیٹے اگر تم اس بات پر قدرت رکھو کہ تیری صبح وشام اس طرح گذرے کہ تیرے دل میں کسی کے خلاف حسد نہ ہو تو ایسا کرلو کسی ایک موقع پر آپ ﷺ نے حسد اور کینے کے مفاسد بیان کرتے ہوئے فرمایا: إياكم والحسد فان الحسد يأكل الحسنات كما تأكل النار الحطب کو ایسے ہی کھا جاتا ہے جس طرح آگ سوکھی لکڑی کو کھا جاتی ہے، حسد بغض عداوت اور کینہ ونفرت سے انسان کو اپنے دل کو خالی رکھنا چاہئے، کیونکہ یہ ایسا جرم ہے جس کی اللہ تعالیٰ شعبان کی پندہویں رات جیسی بابرکت رات میں مغفرت نہیں فرماتے، وقاتل نفس ناحق قتل کرنے والا بھی اس بابرکت رات میں اللہ تعالیٰ کی جانب سے مغفرت کا حق دار نہیں ہوتا ہے کیونکہ یہ بھی جرم عظیم ہے، اللہ تعالیٰ نے اس جرم کے بارے میں صاف فرمایا کہ ''من قتل نفسًا بغير نفس او فساد في الأرض فكانما قتل الناس جميعًا'' ایک موقع پر

آپ ﷺ نے فرمایا کہ ایک مؤمن کا قتل اللہ کے نزدیک پوری دنیا کے زوال سے بڑھ کر ہے، حاصل یہ ہے کہ اس بابرکت رات کی قدر کرنا چاہئے، اور گناہوں سے توبہ کرنا چاہئے جن گناہوں کی بدولت اللہ تعالیٰ کی رحمت متوجہ نہیں ہوتی، ان سے مکمل اجتناب کرنا چاہئے۔

حدیث نمبر ۱۲۳۴ ﴿شب براءت میں جن کی مغفرت نہیں ہوتی﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۳۰۸

وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ إِذَا كَانَتْ لَيْلَةُ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ فَقُوْمُوْا لَيْلَهَا وَصُوْمُوْا يَوْمَهَا فَإِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى يَنْزِلُ فِيْهَا لِغُرُوْبِ الشَّمْسِ إِلَى السَّمَآءِ الدُّنْيَا فَيَقُوْلُ أَلَا مِنْ مُسْتَغْفِرٍ فَأَغْفِرَ لَهُ أَلَا مِنْ مُسْتَرْزِقٍ فَأَرْزُقَهُ أَلَا مُبْتَلًى فَأُعَافِيَهُ أَلَا كَذَا أَلَا كَذَا حَتّٰى يَطْلُعَ الْفَجْرُ رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ.

حواله: ابن ماجه، ص نمبر ۹۹، باب ماجاء فی لیلة النصف من شعبان، ماجاء فی قیام شهر رمضان، حدیث نمبر ۱۳۸۸.

ترجمه: حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب شعبان کی پندرہویں شب آئے، تو اس میں قیام کرو، اور اس کے دن میں روزہ رکھو، بلاشبہ اللہ تعالیٰ اس رات میں غروبِ شمس کے بعد آسمانِ دنیا پر نزول فرماتے ہیں، اور فرماتے ہیں، خبردار ہے کوئی مغفرت کا طلب گار کہ میں اس کی بخشش کروں، خبردار ہے کوئی روزی چاہنے والا کہ میں اس کو روزی عطا کروں، خبردار ہے کوئی مصیبت زدہ کہ میں اس کو عافیت عطا کردوں، ہے کوئی ایسا اور ایسا، یہاں تک فجر طلوع ہوجاتی ہے۔ (ابن ماجہ)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ شبِ براءت میں اللہ تعالیٰ کی رحمت جوش میں ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ اس رات میں اپنی رحمت عامہ کے ساتھ بندوں کی طرف متوجہ ہوتا ہے، اس رات میں کثرت سے نوافل کا اہتمام کرکے اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کی کوشش کرنی چاہئے، اور شب گذار کو اگلے دن روزہ رکھنا چاہئے، اس شب میں اللہ تعالیٰ کثرت سے دعائیں قبول کرتے ہیں لہٰذا خوب دعا کرنا چاہئے اور اپنی پریشانی کو اللہ کے سامنے رکھ کر اس سے عافیت کی، بخشش کی اور روزی میں برکت کی دعا کرنا چاہئے۔

کلماتِ حدیث کی تشریح فقوموا لیلها نصف شعبان کی شب میں آپ ﷺ نے عبادت کرنے کا حکم دیا ہے، نصف شعبان کی رات کی اہمیت اور اس میں عبادت کرنے کی تاکید سے متعلق کئی احادیث گذر چکی ہیں ان احادیث سے یہ بات معلوم ہوئی کہ شب جاگ کر گذاری جائے اور اس میں کثرت سے استغفار کیا جائے، یہ احادیث اگرچہ سند کے اعتبار سے ضعیف ہیں، لیکن تعددِ طرق کی بنا پر اتنی پختگی پیدا ہوگئی ہے کہ ان کا انکار درست نہیں؟ لیکن اس رات میں عبادت کو رسم و رواج نہ بنایا جائے، مساجد میں لوگوں کا اجتماع درست نہیں ہے، اسی طرح قبروں پر چراغاں کرنا، حلوہ بنانا یہ سب بدعت ہے اس سے احتراز لازم ہے۔

باب صلوة الضحى

﴿نماز چاشت کا بیان﴾

ضحیٰ کے لغوی معنی ہیں، دن کا بلند ہونا، چاشت، اصطلاح میں ضحیٰ چاشت کی نماز کو کہتے ہیں جو دن کے کچھ بلند ہونے پر پڑھی جاتی ہے۔ اس کا مختار وقت دن کے ابتدائی ربع حصہ کے گذرنے کے بعد ہے۔ دو رکعت سے لے کر بارہ رکعت تک چاشت کی نماز پڑھنا ثابت ہے، (کما فی التعلیق الصبیح ۱/۱۱۱) البتہ اکثر علماء کے نزدیک پسندیدہ چار رکعت ہے، اس باب کے تحت بارہ روایتیں بیان کی گئی ہے، جن میں نماز چاشت کی فضیلت کو اجاگر کیا گیا ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ نماز چاشت کی حکمت بیان کرتے ہیں کہ "دن (جو اہل عرب کے نزدیک صبح سے یعنی فجر کے وقت سے شروع ہوجاتا ہے اور جو چار چوتھائیو میں تقسیم ہے جن کو چار پہر کہتے ہیں) حکمت الٰہی کا تقاضا ہوا کہ دن کے ان چار پہروں میں سے کوئی پہر بھی نماز سے خالی نہ رہے، اس لئے پہلے پہر کے شروع میں نمازِ فجر

فرض کی گئی اور تیسرے اور چوتھے پہر میں ظہر وعصر اور دوسرا پہر جو عوام الناس کی معاشی مشغولیتوں کی رعایت سے فرض نماز سے خالی رکھا گیا تھا اس میں نفل اور مستحب کے طور پر یہ ''صلوۃ الضحی'' (نماز چاشت) مقرر کر دی گئی اور اس کے فضائل وبرکات بیان کر کے اس کی ترغیب دی گئی کہ جو بندگان خدا اپنے مشاغل سے وقت نکال کر اس وقت میں چند رکعتیں پڑھ سکیں وہ یہ سعادت حاصل کریں۔
(رحمۃ اللہ الواسعہ ۳/۵۱۱ معارف الحدیث ۳/۳۵۵)

الفصل الاوّل

حدیث نمبر ۱۲۳۵ ﴿رسول اللہ ﷺ کا چاشت کی نماز پڑھنا﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۳۰۹

عَنْ اُمِّ هَانِئٍ قَالَتْ اِنَّ النَّبِيَّ ﷺ دَخَلَ بَيْتَهَا يَوْمَ فَتْحِ مَكَّةَ فَاغْتَسَلَ وَصَلّٰى ثَمَانِيَ رَكَعَاتٍ فَلَمْ اَرَصَلٰوةً قَطُّ اَخَفَّ مِنْهَا غَيْرَ اَنَّهُ يُتِمُّ الرُّكُوْعَ وَالسُّجُوْدَ وَقَالَتْ فِيْ رِوَايَةٍ اُخْرٰى وَذٰلِكَ ضُحًى مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حوالہ: بخاری، ص نمبر ۵۲ ج ۱ باب الصلاۃ فی الثوب الواحد، کتاب الصلاۃ، حدیث نمبر ۳۵۷، مسلم ص نمبر ۲۴۵ باب استحباب صلاۃ الضحی، کتاب صلاۃ المسافرین، حدیث نمبر ۳۳۶۔

ترجمہ: حضرت ام ہانیؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے بیان کیا کہ فتح مکہ کے دن حضور ﷺ ان کے گھر میں تشریف لائے اور آپ ﷺ نے غسل فرمایا اور آٹھ رکعات نماز پڑھی، میں نے کوئی نماز اتنی ہلکی نہیں دیکھی، لیکن آپ ﷺ نے رکوع اور سجدے مکمل فرمائے، ایک دوسری روایت میں حضرت امام ہانی کہتی ہیں کہ یہ ضحیٰ یعنی چاشت کی نماز تھی۔ (بخاری ومسلم)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ آپ ﷺ نے ضحیٰ کی نماز پڑھی، ضحیٰ سے دو نمازیں متعلق ہیں (۱) ضحوۂ صغریٰ اس کو اشراق کی نماز کہا جاتا ہے (۲) ضحوۂ کبریٰ، یہ چاشت کی نماز ہے صبح وقت مکروہ گذرنے کے بعد سے دن کا پہلا حصہ گذرنے تک جو نماز پڑھی جائے وہ اشراق ہے اور دوسرا چوتھائی حصہ شروع ہو جائے تو اس وقت سے دوپہر یعنی نصف النہار تک جو نماز پڑھی جائے وہ ہے چاشت، یہاں آپ ﷺ نے جو نماز پڑھی وہ چاشت کی مراد ہے، آپ ﷺ نے آٹھ رکعات نماز پڑھی تھی، بہت ہلکی نماز پڑھی یعنی آپ ﷺ مختصر قرأت فرمائی اور رکوع وسجود میں تسبیحات مختصر تعداد میں پڑھی، لیکن رکوع وسجود کی تعداد میں کوئی کمی نہیں فرمائی۔

کلماتِ حدیث کی تشریح دخل بیتھایوم فتح مکۃ بخاری شریف کی روایت کے الفاظ کچھ بدلے ہوئے ہیں، اس روایت میں دو مزید بہت اہم مسائل مذکور ہیں جو یہاں مذکور نہیں ہیں، (۱) ''فصلی ثمان رکعات ملتحفافی ثوب واحد'' یعنی آپ ﷺ نے فتح مکہ کے دن حضرت ام ہانی کے گھر پر چاشت کی آٹھ رکعات نماز ایک کپڑا لپیٹ کر ادا کی، معلوم ہوا کہ ایک کپڑے میں اگر ستر عورت ہو رہا ہے تو نماز کے لئے ایک کپڑا بھی کافی ہے (۲) فلمّا انصرف قلت یارسول اللہ ﷺ زعم ابن امی أنه قاتل رجلاً قداجرته فلان بن هبیرة فقال رسول اللہ ﷺ قد اجرنا من اجرتِ یا ام هانی'' (بخاری)

جب نماز سے نبی کریم ﷺ فارغ ہوئے تو میں نے (حضرت ام ہانی) عرض کیا، یارسول اللہ ﷺ میرے ماں کے بیٹے یعنی میرے بھائی حضرت علیؓ کہتے ہیں کہ وہ اس شخص کو قتل کر سکتے ہیں جس کو میں نے پناہ دی ہے، یعنی فلاں بن ہبیرہ کو، آپ ﷺ نے فرمایا کہ ام ہانی جس کو تم نے پناہ دی اس کو ہم نے پناہ دی، مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی کافر کسی مسلمان کی پناہ میں آگیا تو اب اس کے مال وجان سے تعرض درست نہیں، پناہ دینے والا مسلمان خواہ مرد ہو یا عورت، اس کی پناہ معتبر ہوگی، وصلی ثمانی رکعات آپ ﷺ نے چاشت کی آٹھ رکعات نماز پڑھیں، نماز چاشت زیادہ سے زیادہ بارہ رکعات ہیں اور کم سے کم چار ہیں، بعض لوگ کہتے ہیں کہ کم از کم دو رکعات ہیں، آپ ﷺ نے یہ آٹھ رکعات دو سلاموں سے پڑھی ہوں اس کا بھی امکان ہے اور اس بات کا بھی امکان ہے دو رکعات کر کے چار سلاموں سے

پڑھی ہوں، فلم ار صلاۃ قط اخف منھا مطلب یہ ہے کہ چاشت کی نماز میں آپ ﷺ نے بہت لمبی قرأت اور بہت زیادہ اذکار نہیں پڑھے، بلکہ بہت مختصر طور پر آپ ﷺ نے قرأت وغیرہ کر کے نماز مکمل فرمائی، غیر انه یتم الرکوع مطلب یہ ہے کہ رکوع وسجدے مکمل اطمنان اور سکون سے ادا کیے، اس میں تخفیف سے کام نہیں لیا، (مرقات ص نمبر ۱۹۸ ج ۳)

حدیث نمبر ۱۲۳۶ ﴿چار رکعات چاشت کی نماز کا ذکر﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۳۱۰

وَعَنْ مُعَاذَةَ قَالَتْ سَأَلْتُ عَائِشَةَ كَمْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يُصَلِّيْ صَلٰوةَ الضُّحٰى قَالَتْ اَرْبَعَ رَكَعَاتٍ وَّيَزِيْدُ مَاشَاءَ اللّٰهُ رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

حواله: مسلم، ص نمبر ۲۴۹ ج ۱، باب استحباب صلاۃ الضحی، کتاب صلاۃ المسافرین، حدیث نمبر ۳۳۶

ترجمه: حضرت معاذہؓ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت عائشہؓ سے دریافت کیا کہ رسول اللہ ﷺ چاشت کی نماز کتنی رکعات پڑھتے تھے، حضرت عائشہؓ نے جواب دیا کہ چار رکعت پڑھتے تھے، اور جو اللہ چاہتا اس میں اضافہ فرماتے تھے۔ (مسلم)

خلاصہ حدیث اس حدیث میں اس بات کا ذکر ہے کہ آپ ﷺ چاشت کی نماز چار رکعات یا اس سے زائد پڑھتے تھے، اس طرح کی روایات سے استدلال کر کے اکثر فقہاء یہ کہتے ہیں کہ اشراق کی نماز کم از کم چار رکعات اور زیادہ سے زیادہ بارہ رکعات ہیں۔

کلمات حدیث کی تشریح کم کان رسول اللّٰہ ﷺ یصلی صلاۃ الضحی سائلہ نے حضرت عائشہؓ سے "صلاۃ الضحی" سے متعلق آپ ﷺ کی تعداد رکعات کے بابت سوال کیا، صلاۃ الضحیٰ میں ضحوۂ صغریٰ یعنی اشراق کی نماز اور ضحوۂ کبریٰ یعنی چاشت کی نماز دونوں داخل ہو سکتی ہیں، کیونکہ ضحی کی نماز کا اطلاق چاشت واشراق دونوں پر ہوتا ہے، گذشتہ حدیث میں یہ بات مذکور ہوئی کہ چاشت واشراق دو نمازیں ہیں، اور صوفیا کے نزدیک یہی بات راجح ہے، لیکن اکثر فقہاء ومحدثین کے نزدیک چاشت واشراق یہ دو نمازیں نہیں ہیں، بلکہ صبح وقتِ مکروہ گزرنے کے بعد اگر کوئی جلدی نماز پڑھ لے تو یہ اشراق کی نماز ہوگی اور اگر دیر کر کے پڑھے تو یہی چاشت کی نماز کہلائے گی، "حضرت مفتی سعید صاحب پالنپوری فرماتے ہیں کہ فقہاء ومحدثین کے نزدیک یہ دونوں ایک نمازیں ہیں، صوفیا کہتے ہیں کہ دونوں الگ الگ نمازیں ہیں، ظاہر بات ہے کہ اس مسئلہ میں صوفیا کی رائے کو زیادہ اہمیت نہیں دی جائے گی، شریعت کو سمجھنے والے اول نمبر پر فقہاء ہوتے ہیں، پھر محدثین، لہٰذا ان کی رائے قابلِ ترجیح ہے۔ (تحفۃ الالمعی)

حدیث نمبر ۱۲۳۷ ﴿صلاۃ الضحیٰ کی فضیلت﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۳۱۱

وَعَنْ اَبِيْ ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يُصْبِحُ عَلٰى كُلِّ سُلَامٰى مِنْ اَحَدِكُمْ صَدَقَةٌ فَكُلُّ تَسْبِيْحَةٍ صَدَقَةٌ وَّكُلُّ تَحْمِيْدَةٍ صَدَقَةٌ وَّكُلُّ تَهْلِيْلَةٍ صَدَقَةٌ وَّكُلُّ تَكْبِيْرَةٍ صَدَقَةٌ وَّاَمْرٌ بِالْمَعْرُوْفِ صَدَقَةٌ وَّنَهْيٌ عَنِ الْمُنْكَرِ صَدَقَةٌ وَّيُجْزِئُ مِنْ ذٰلِكَ رَكْعَتَانِ يَرْكَعُهُمَا مِنَ الضُّحٰى رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

حواله: مسلم، ص نمبر ۲۵۰ ج ۱، باب استحباب صلاۃ الضحیٰ، کتاب صلاۃ المسافرین، حدیث نمبر ۷۲۰

ترجمه: حضرت ابوذرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ صبح ہوتے ہی تم میں سے ہر شخص پر اس کی ہر ہڈی کی طرف سے صدقہ لازم ہے، ہر تسبیح یعنی سبحان اللہ کہنا صدقہ ہے ہر تہلیل یعنی لا الٰہ الا اللہ کہنا صدقہ ہے، ہر تحمید یعنی الحمد للہ کہنا صدقہ ہے، اور ہر تکبیر یعنی اللہ اکبر کہنا صدقہ ہے، نیکی کا حکم کرنا صدقہ ہے، برائی سے روکنا صدقہ ہے اور صلاۃ الضحی کی دو رکعت پڑھ لینا ان صدقات کی طرف سے کافی ہے، (مسلم)

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ صبح کے وقت جب انسان اٹھے اور اپنے تمام اعضاء کو صحیح سالم پائے، تو اس کے لئے شکر بجالانا ضروری ہے، اور ہر جوڑ کی طرف سے صدقہ کرنا لازم ہے، صدقہ کرنے کی مختلف شکلیں ہیں، اور ان تمام صورتوں کو حاوی ہے، صلاۃ الضحیٰ کی دو رکعت نماز، یعنی وقتِ مکروہ گذرنے کے بعد دو رکعات نماز پڑھ لینا یہ ہر جوڑ کی طرف سے صدقہ بننے کی لیاقت رکھتا ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح یصبح علی کل یعنی جب انسان سوکر اٹھا، اور اس نے اپنے بدن کو اور تمام جوڑوں کو صحیح وسالم پایا، تو اب اس کے لئے شکر بجالانا ضروری ہے، یہاں یہ بتادیا کہ ہر ہڈی کی طرف سے صدقہ کرنا ضروری ہے لیکن صدقہ صرف مال ہی نہیں ہوتا بلکہ ''کل خیرٍ صدقۃ'' ہر بھلا کام صدقہ ہے تمام اذکار اور تمام عبادات صدقات میں شامل ہیں، یہاں تو مثال کے طور پر چند چیز کا ذکر ہے، یہاں صدقہ حقیقی یعنی مال کا تذکرہ اسلئے نہیں کیا تاکہ فقراء اور مالی صدقہ دینے سے عاجز لوگوں کو بھی تسلی رہے اور وہ بھی شکر بجالانے پر قادر رہیں یجزئ من ذلک صلاۃ الضحیٰ کی دو رکعت نماز ان تمام صدقات سے کفایت کرنیوالی ہے، اسکے اندر تمام مذکورہ چیزیں داخل ہیں، نماز تمام بدن کا عمل ہے اور تمام اعضاء اسکے اندر شکر یہ بجالاتے ہیں، اور اسمیں مذکورہ تمام صدقات بھی داخل ہیں، نماز میں نفس کو نیکی کا حکم کرنا، شکر ترک کرنے سے روکنا، سب کچھ داخل ہے، پھر نماز تو ہر برائی اور بے حیائی سے روکتی بھی ہے، یر کعهما من الضحیٰ صلاۃ الضحیٰ کی کم سے کم دو رکعات کا ذکر کرکے اسطرف بھی اشارہ کردیا کہ ایک رکعت نماز مکروہ ہے اس نماز پر مداومت کرنا چاہئے، ایک جماعت نے اسکے ترک کو مکروہ سمجھا ہے، یعنی ہمیشہ ترک کرنیکا معمول بنانا مکروہ عمل ہے

حدیث نمبر ۱۲۳۸ ﴿نماز چاشت کا افضل وقت﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۳۱۲

وَعَنْ زَيْدِ بْنِ اَرْقَمَ اَنَّهٗ رَاٰى قَوْمًا يُصَلُّوْنَ مِنَ الضُّحٰى فَقَالَ لَقَدْ عَلِمُوْا اَنَّ الصَّلٰوةَ فِيْ غَيْرِ هٰذِهِ السَّاعَةِ اَفْضَلُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ صَلٰوةُ الْاَوَّابِيْنَ حِيْنَ تَرْمَضُ الْفِصَالُ رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

حواله: مسلم، ص نمبر ج ۱، باب صدقة الاوّابين الخ، كتاب صلاة المسافرين، حديث نمبر ۷۴۸

ترجمه: حضرت زید بن ارقم سے روایت ہے کہ انہوں نے ایک قوم کو چاشت کی نماز پڑھتے دیکھا، تو فرمایا کہ البتہ تحقیق کہ یہ لوگ اس بات کو جانتے ہیں کہ یہ نماز اس وقت کے علاوہ میں افضل ہے، بلاشبہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اوابین کی نماز اس وقت ہے جب اونٹ کے بچوں کے پاؤں تپنے لگیں۔

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ چاشت کی نماز کا مختار اور مستحب وقت وہ ہے، جب زمین تپنے لگے، یعنی نصف النہار سے کچھ پہلے اس کو ڈیڑھ پہر بھی کہا جاسکتا ہے، حضرت زیدؓ نے ایک قوم کو وقتِ مستحب سے پہلے نماز پڑھتے دیکھا تو اس پر نکیر فرمائی صلاۃ الضحیٰ کا ایک نام ''صلاۃ الاوابین'' بھی ہے اس حدیث میں اس نام سے چاشت کی نماز کا تذکرہ ہے، جو لوگ اللہ تعالیٰ کی طرف بہت رجوع کرنے والے ہوتے ہیں وہ اس وقت میں اپنے آرام کو قربان کرکے نماز پڑھتے ہیں، اسی مناسبت سے اس نماز کو ''اوابین'' کی نماز یعنی رجوع کرنے والوں کی نماز کہا جاتا ہے۔

کلماتِ حدیث کی تشریح رای قوماً یصلون من الضحی کچھ لوگ تھوڑی مقدار میں سورج بلند ہوا کہ چاشت کی نماز ادا کرنے لگے، اس پر حضرت زید نے نکیر فرمائی کہ جب چاشت کی نماز کا افضل وقت جانتے ہیں، تو پھر اسی وقت اس نماز کو کیوں نہیں ادا کرتے، صلاۃ الاوابین' حدیث باب میں چاشت کی نماز کو اوابین کی نماز فرمایا گیا ہے، جب کہ مغرب کے بعد کی نوافل کو بھی اوابین کہا جاتا ہے، اصل بات یہ ہے کہ ''اوّاب'' کے معنی ہیں اللہ تعالیٰ کی طرف بہت رجوع کرنے والا، تو لغوی معنی کے

اعتبار سے اشراق چاشت مغرب کے بعد کے نوافل، تہجد کی نماز سب ''صلاۃ الاوّابین'' ہیں کیوں کہ یہ تمام نمازیں اہتمام کے ساتھ اللہ کے وہی نیک بندے ادا کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف بہت رجوع کرنے والے ہوتے ہیں، حین ترمض الفصال مطلب یہ ہے کہ چاشت کا وقت مستحب وہ ہے جب دھوپ کی شدت سے زمین تپنے لگے اور اونٹ کے بچوں کے پاؤں جلنے لگیں، اور وہ دھوپ کی تمازت کے باعث چرنا چھوڑ کر بیٹھ جائیں، یہ وقت نصف النہار سے کچھ پہلے ہوتا ہے۔

الفصل الثانی

حدیث نمبر ۱۲۳۹ ﴿نماز چاشت کی برکت﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۳۱۳۔۱۳۱۴

عَنْ اَبِی الدَّرْدَآءِ وَاَبِیْ ذَرٍّ قَالَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ عَنِ اللّٰہِ تَبَارَكَ وَتَعَالٰی اَنَّہٗ قَالَ یَاابْنَ اٰدَمَ ارْكَعْ لِیْ اَرْبَعَ رَكَعَاتٍ مِّنْ اَوَّلِ النَّهَارِ اَكْفِكَ اٰخِرَہٗ رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَرَوَاہُ اَبُوْدَاوٗدَ وَالدَّارِمِیُّ عَنْ نُعَیْمِ بْنِ هَمَّارِ نِالْغَطْفَانِیِّ وَاَحْمَدُ عَنْهُمْ.

حوالہ: ترمذی، ص نمبر ۱۰۸ ج ۱، باب ماجاء فی صلاۃ الضحیٰ، حدیث نمبر ۴۷۵

ترجمہ: حضرت ابودرداءؓ اور حضرت ابوذرؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں کہ اے فرزند آدم! تو دن کے شروع میں میرے لیے چار رکعت پڑھ [illegible] کے آخر تک تیری کفایت کروں گا، (ترمذی) اس روایت کو ابوداؤد اور دارمی نے حضرت نعیم بن ہمار غطفانی سے اور امام احمدؒ نے سب سے [illegible] ہے۔

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ چاشت کی چار رکعات نماز بڑی خیر و برکت والی اور نفس کو درست کرنے والی ہیں، اگر کوئی شخص ان کا اہتمام کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے شام تک کے مسائل حل فرماتے رہیں گے۔

کلماتِ حدیث کی تشریح ارکع لی، خالص اللہ کی رضا کے لئے دن کے شروع میں چار رکعات نماز پڑھو، یہ کون سی چار رکعت ہیں بعض لوگ اشراق کی یا چاشت کی چار رکعت مراد لیتے ہیں، جب کہ بعض لوگ فجر کی سنت اور فرض ملا کر جو [illegible] رکعات ہوتی ہیں وہ مراد لیتے ہیں اکفک اخرہ مطلب یہ ہے کہ ان چار رکعات کی برکت سے اللہ تعالیٰ دن بھر کی تمام ضروریات پوری فرمادیں گے، تمام دشواریوں اور پریشانیوں سے نجات عطا کریں گے، ایک مقولہ ہے ''من کان للّٰہ کان اللّٰہ لہ'' جو اللہ کا ہوجاتا ہے اللہ اس کا ہوجاتا ہے، یہی مفہوم یہاں بھی مراد ہے کہ تم صبح کے وقت میں سے کچھ دیر میرے لیے فارغ کرکے میری عبادت کرو میں شام تک تمہاری ضروریات پوری کرکے تم کو الجھنوں سے فارغ کردوں گا، ایک حدیث ہے، من جعل الهموم هماواحداهم الدین کفاہ اللّٰہ هم الدنیا والآخرۃ ''یعنی جو شخص صرف دین کی فکر طاری کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو تمام فکر سے نجات عطا کردیتے ہیں، حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ یہ چار رکعات نفس کی اصلاح کے لئے معتد بہ مقدار ہے، اگر کوئی شام تک نفس کی اصلاح کیلئے کوئی دوسری عبادت نہ بھی کرے تو یہ عبادت اس کے لئے کافی ہے، (تحفۃ الالمعی)

حدیث نمبر ۱۲۴۰ ﴿صلاۃ الضحیٰ کی اھمیت﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۳۱۵

وَعَنْ بُرَیْدَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ یَقُوْلُ فِی الْاِنْسَانِ ثَلٰثُ مِائَةٍ وَّسِتُّوْنَ مَفْصِلًا فَعَلَیْهِ اَنْ یَّتَصَدَّقَ عَنْ كُلِّ مَفْصِلٍ مِّنْهُ بِصَدَقَةٍ قَالُوْا وَمَنْ یُّطِیْقُ ذٰلِكَ یَانَبِیَّ اللّٰہِ قَالَ النُّخَاعَةُ فِی الْمَسْجِدِ تَدْفِنُهَا وَالشَّیْءُ تُنَحِّیْهِ عَنِ الطَّرِیْقِ فَاِنْ لَّمْ تَجِدْ فَرَكْعَتَا الضُّحٰی تُجْزِئُكَ رَوَاہُ اَبُوْدَاوٗدَ.

حوالہ: ابو داؤد، ص نمبر باب فی اماطۃ الاذی عن الطریق باب الادب، حدیث نمبر ۵۲۴۲

ترجمہ: حضرت بریدہؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ انسان کی جسم میں تین سو ساٹھ جوڑ ہیں، اس

کے لئے لازم ہے کہ اپنے ہر جوڑ کی طرف سے صدقہ دے، لوگوں نے عرض کیا اے اللہ کے نبی، اس کی استطاعت کس میں ہوگی؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ مسجد میں پڑے ہوئے تھوک کو مٹی میں چھپا دینا، کسی تکلیف دہ چیز کا راستہ سے ہٹا دینا صدقہ ہے اور اگر کچھ نہ پاؤ تو دو رکعت چاشت کی نماز تمہاری طرف سے کافی ہوگی۔ (ابوداؤد)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ اللہ نے انسان کے جسم میں جتنے جوڑ پیدا کئے ہیں، وہ سب انسان کیلئے قابل نفع ہیں، لہٰذا ان کا شکریہ ادا کرنا چاہئے، شکر بجالانے کیلئے بہت مال خرچ کرنا بہت عبادت کرنا ضروری نہیں، بلکہ ہر نیک کام اللہ تعالیٰ کی شکر گذاری کے لائق ہوسکتا ہے، حدیث باب میں چاشت کی نماز کی اہمیت کا ذکر ہے کہ یہ دو رکعت نماز اگر پڑھ لی تو اللہ کی ذات اتنی کریم ہے کہ وہ اپنے رجسٹر میں اس شخص کو ان لوگوں میں لکھے گا جنہوں نے اپنے ہر جوڑ کا صدقہ دیا یعنی ہر جوڑ کا شکریہ ادا کیا۔

کلمات حدیث کی تشریح فعليه ان يتصدق آدمی کے بدن میں تین سو ساٹھ جوڑ ہیں، ہر روز ہر شخص اپنے تمام جوڑوں کی صحت وسلامتی کیساتھ صبح کرتا ہے، الہٰذا ہر شخص کو چاہئے کہ اس نعمت عظمیٰ کے شکریہ میں صدقہ کرے، قالوا ومن يطيق صحابہ کرام نے عرض کیا کہ اتنی استطاعت کہاں ہو پائے گی کہ آدمی روزانہ تین سو ساٹھ صدقے کرے، آپ ﷺ نے دشواری کو رفع فرماتے ہوئے بتایا شکر بجالانے کے لئے تین سو ساٹھ صدقے ضروری نہیں ہیں، بلکہ چھوٹے موٹے نیک کام بھی صدقہ بن سکتے ہیں، چند نیک کام حدیث باب میں مذکور ہیں اس کے علاوہ حدیث نمبر ۱۲۳۷ کے تحت گذرا چند امور مذکور میں بہر حال ہر نیک کام صدقہ ہے اور اگر کوئی چاشت کی دو رکعات نماز پڑھے، تو تمام صدقات کے لئے کافی ہے، اس وجہ سے کہ نماز کے ذریعہ سے تمام جوڑوں کی طرف سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہوتی ہے اور یوں ہر جوڑ کی طرف سے شکریہ ادا ہو جاتا ہے، حدیث باب کے اندر "فعليه أن يتصدق سے یہ سمجھنا کہ چاشت کی نماز یا دیگر ثواب کے امور واجب ہیں اور اس کا تارک گنہگار ہے صحیح نہیں ہے یہاں تو تاکید کے ساتھ ان امور کے ادا کرنے کی طرف توجہ دلانا مقصود ہے۔

حدیث نمبر ۱۲۴۱ ﴿بارہ رکعات صلاۃ الضحی کا تذکرہ﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۳۱۶

وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ صَلَّى الضُّحٰى ثِنْتَىْ عَشْرَةَ رَكْعَةً بَنَى اللّٰهُ لَهُ قَصْرًا مِّنْ ذَهَبٍ فِي الْجَنَّةِ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ لَا نَعْرِفُهُ اِلَّا مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ.

حواله: ترمذی، ص نمبر ۱۰۸ ج ۱ باب ماجاء في صلاة الضحى، كتاب الوتر، حدیث نمبر ۴۷۳، ابن ماجه، ص نمبر ۹۸ باب ماجاء في صلاة الضحى، كتاب اقامة الصلاة، حديث نمبر ۱۳۸۰

ترجمه: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص چاشت کی بارہ رکعات نماز پڑھے گا، اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت میں سونے کا محل بنائیں گے (ترمذی، ابن ماجہ) ترمذی نے کہا یہ حدیث غریب ہے، اس وجہ سے کہ اس حدیث کو اس سند کے علاوہ کسی دوسری سند سے ہم نہیں جانتے۔

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ اگر کوئی شخص چاشت کی نماز پر مواظبت کرے گا تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اس کو جنت میں ... کا محل عطا فرمائیں گے، اس حدیث میں چاشت کی نماز کے حوالے سے بارہ رکعتوں کا ذکر ہے، بعض لوگ کہتے ہیں کہ چاشت کی نماز زیادہ سے زیادہ بارہ رکعات ہی ہیں۔

کلمات حدیث کی تشریح ثنتی عشرة رکعة یہاں اتنی بات مذکور ہے کہ چاشت کی بارہ رکعت نماز پڑھنے والے کیلئے اللہ تعالیٰ جنت میں سونے کا محل بنائیں گے، بیہقی میں یہ روایت مفصل منقول ہے، اسکو صاحب مرقات نے نقل کیا ہے عن أبي ذر الغفاري مرفوعًا إن صليت الضحى ركعتين لم تكتب من الغافلين وان صليتها اربعًا كتبت من المحسنين

وان صلیتھا ستًا کتبت من القانتین ،وان صلیتھا ثمانیا کتبت من الفائزین ،وان صلیتھا عشرًا لم یکتب لک الیوم ذنب وان صلیتھا ثنتی عشرۃ رکعۃ بنی اللہ لک بیتًا فی الجنۃ ''ابوذر غفاری حدیث مرفوع نقل کرتے ہیں کہ اگر تم دو رکعت چاشت کی نماز پڑھو گے تو غافلین میں شمار نہ ہو گے، اگر چار رکعات چاشت کی نماز پر مواظبت کرو گے تو محسنین میں شمار ہو گے اگر چھے رکعات چاشت کی نماز پڑھو گے تو قانتین میں لکھے جاؤ گے اگر آٹھ رکعات چاشت کی نماز پڑھو گے تو فائزین میں لکھے جاؤ گے اور اگر دس رکعت نمازِ چاشت ادا کرو گے تو جس دن نماز پڑھو گے اس دن تمہارے حق میں کوئی گناہ نہیں لکھا جائے گا، اور اگر بارہ رکعت نمازِ چاشت ادا کرو گے تو جنت میں تمہارے لئے اللہ تعالیٰ گھر بنائیں گے، ھذا حدیث غریب امام ترمذی نے اس حدیث کو غریب کہا ہے اور یہ بات کہی ہے کہ مجھے یہ حدیث صرف اسی سند سے ملی ہے اور یہ سند کوئی بہت عالی نہیں، اس لیے یہ حدیث غریب ہے، اس حدیث کی سند میں ایک راوی ہیں ''موسیٰ بن فلاں'' فلاں نام ہے، یہ راوی بہت اچھے نہیں ہیں مجہول سے ہیں، لیکن اس حدیث کے غریب ہونے سے کوئی اثر نہیں پڑتا، کیوں کہ نمازِ چاشت کی فضیلت اصل مقصود ہے، اور اس سے متعلق بہت سی صحیح احادیث ہیں جن میں بعض گزر بھی چکی ہیں۔

حدیث نمبر ۱۲۴۲ ﴿اشراق کی نماز کا تذکرہ﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۳۱۷

وَعَنْ مُعَاذِ بْنِ اَنَسِ الْجُهَنِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ قَعَدَ فِيْ مُصَلَّاهُ حِيْنَ يَنْصَرِفُ مِنْ صَلٰوةِ الصُّبْحِ حَتّٰى يُسَبِّحَ رَكْعَتَيِ الضُّحٰى لَا يَقُوْلُ اِلَّا خَيْرًا غُفِرَلَهٗ خَطَايَاهُ وَاِنْ كَانَتْ اَكْثَرَ مِنْ زَبَدِ الْبَحْرِ رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ.

حوالہ: ابوداؤد، ص نمبر ۱۸۲، ج ۱، باب صلاۃ الضحی، کتاب التطوع، حدیث نمبر ۱۲۸۷

ترجمہ: حضرت معاذ بن انس جہنیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص فجر کی نماز سے فارغ ہونے کے بعد اپنی نماز پڑھنے کی جگہ بیٹھا رہے یہاں تک کہ وہ اشراق کی دو رکعت نماز پڑھے، اور اس درمیان کلمۂ خیر کے علاوہ اس کی زبان سے کچھ نہ نکلے تو اس کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں اگر چہ یہ گناہ سمندر کے جھاگ کے برابر ہوں۔ (ابوداؤد)

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ فجر کی نماز پڑھنے کے بعد اپنی جگہ ہی پر بیٹھکر ذکر و اذکار میں لگنا چاہئے اور سورج نکلکر جب بلند ہو جائے، یعنی وقت مکروہ نکل جائے تو اشراق کی نماز پڑھنا چاہئے، اور فجر اور اشراق کے درمیانی وقت میں دنیوی امور سے متعلق کوئی بات نہ کیجائے، جو شخص اس عمل کا اہتمام کریگا تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اس کے تمام گناہ معاف کر دیں گے۔

کلمات حدیث کی تشریح من قعد في مصلاہ فجر کی نماز سے فراغت کے بعد اسی جگہ بیٹھ کر ذکر و اذکار میں لگنا بہت بہتر ہے، لیکن اگر کوئی شخص اس جگہ سے اٹھ کر دوسری جگہ چلا جاتا ہے، مثلاً گھر آ کر کوئی اشراق کی نماز پڑھتا ہے، تو وہ بھی حدیث میں مذکور فضیلت کا مستحق ہے، مگر شرط یہی ہے کہ اشراق کی نماز تک اپنی امور میں ہی مشغول رہا ہو، صلاۃ الضحی'' بہت اہم نماز ہے، اس سے خطاؤں کی مغفرت ہوتی ہے۔ اور آخرت میں بلند مراتب حاصل ہوں گے، یہی وجہ ہے کہ حضرت عائشہؓ اس درجہ اہتمام فرماتی تھیں کہ ایک موقع پر فرمایا کہ ''لو نشر لی ابو ای ماتر کتھا'' اگر کوئی شخص بالفرض مجھے آ کر یہ اطلاع دے کہ تمہارے ماں باپ دونوں زندہ ہو کر پھر دنیا میں آ گئے، تو میں اس وقت بھی اس نماز کو نہیں چھوڑ سکتی۔

الفصل الثالث

حدیث نمبر ۱۲۴۳ ﴿صلاۃ الضحی بخشش کا اہم ذریعہ﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۳۱۸

عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ حَافَظَ عَلٰى شُفْعَةِ الضُّحٰى غُفِرَتْ لَهٗ ذُنُوْبُهٗ وَاِنْ كَانَتْ مِثْلَ زَبَدِ الْبَحْرِ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ.

حوالہ: مسند احمد، ص نمبر ۴۹۹ ج ۲، ترمذی ص نمبر ۱۰۸ ج ۲، باب ماجاء فی صلاۃ الضحی، کتاب الوتر

حدیث نمبر ٤٧٦ ابن ماجہ، ص نمبر ٩٨، باب ماجاء فی صلاۃ الضحی، کتاب اقامۃ الصلاۃ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص چاشت کی دو رکعتوں کو پابندی سے پڑھتا ہے، اس کے گناہ معاف کردیئے جاتے ہیں، اگرچہ وہ سمندر کے جھاگ کے برابر ہوں۔

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ چاشت کی نماز کی پابندی کرنے سے صغیرہ گناہ خود بخود معاف ہوجاتے ہیں، ارشاد خداوندی ہے کہ "ان الحسنات یذھبن السیآت" یہاں کبیرہ گناہ مراد نہیں ہیں، اس لئے کہ ان کی معافی کے لئے توبہ شرط ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح وان کان مثل زبدالبحر مطلب یہ ہے کہ چاشت کی نماز کی پابندی سے گناہ صغیرہ خوب کثرت سے معاف ہوتے ہیں، اسی کثرت کو سمجھانے کے لئے یہ کہا گیا ہے کہ سمندر کے جھاگ کے برابر گناہ ہوں گے وہ بھی معاف ہوجائیں گے، کیوں کہ سمندر کے جھاگ کی کثرت ہر ایک کے علم میں ہوتی ہے۔ (مرقات ص نمبر ٣٠٣ ج ٣)

حدیث نمبر ١٢٤٤ ﴿نماز چاشت کی عظمت﴾ عالمی حدیث نمبر ١٣١٩

وَعَنْ عَائِشَةَ اَنَّهَا كَانَتْ تُصَلِّي الضُّحٰى ثَمَانِيَ رَكَعَاتٍ ثُمَّ تَقُوْلُ لَوْ نُشِرَلِيْ اَبَوَايَ مَاتَرَكْتُهَا رَوَاهُ مَالِكٌ.

حوالہ: مؤطا امام مالك، ص نمبر ٥٣ باب صلاة الضحی، كتاب قصر الصلاة، حدیث نمبر ٣٠

ترجمہ: حضرت عائشہؓ کے بارے میں مروی ہے کہ وہ نماز ضحیٰ کی آٹھ رکعات پڑھتی تھیں، اور کہتی تھیں کہ اگر میرے ماں باپ میرے لئے زندہ کردیئے جائیں تو بھی میں اس نماز کو ترک نہ کروں گی۔ (مؤطا امام مالک)

خلاصۂ حدیث اس حدیث سے حضرت عائشہؓ اس بات کو بتانا چاہتی ہیں کہ میں چاشت کی نماز کسی صورت میں ترک نہیں کرسکتی، اسی مفہوم کو بتانے کے لئے انہوں نے تعلیق بالمحال کا سہارا لیا ہے، یعنی یہ نماز مجھے اتنی محبوب ہے کہ اگر بالفرض میرے والدین کو زندہ کردیا جائے اور مجھے اس کی اطلاع دی جائے، اور ان سے ملاقات کے لئے مجھے چاشت کی نماز ترک کرنا پڑے، تو میں چاشت کی نماز ترک کرکے ان کی ملاقات کے لئے نہیں جاؤں گی۔

کلمات حدیث کی تشریح لو نشر لی حضرات صحابہؓ وصحابیاتؓ کے دلوں میں خوف خدا حد درجہ تھا اور نیک اعمال کے بہت حریص تھے، اسی وجہ سے ان کی یہ کیفیت ہوتی تھی جس کا اظہار حضرت عائشہؓ نے اپنے فرمان سے کیا ہے، ظاہر بات ہے کہ وہ ایک وفا شعار بیٹی تھیں، اپنے والد سے بے حد محبت تھی، لیکن آخرت کے امور پر کسی چیز کو ترجیح حاصل نہ تھی، آخرت کی زندگی لامتناہی ہے، اس کی تیاری اور خطاؤں سے بخشش کی وجہ سے ہی وہ چاشت کی نماز چھوڑنے پر کسی حال میں رضامند نہیں ہیں، والدین سے ملاقات کی لذت بہت خوب ہے، لیکن یہ دنیوی لذت ہے، اور چاشت کی نماز یہ اخروی لذت ہے، دنیوی لذت کو اخروی لذت پر ترجیح دینے سے حضرت عائشہؓ نے انکار کیا ہے۔ (مرقات ص نمبر ٣٠٢ ج ٣)

حدیث نمبر ١٢٤٥ ﴿نماز چاشت کے بارے میں آپ ﷺ کا عمل﴾ عالمی حدیث نمبر ١٣٢٠

وَعَنْ اَبِيْ سَعِيْدٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يُصَلِّي الضُّحٰى حَتّٰى نَقُوْلَ لَا يَدَعُهَا وَيَدَعُهَا حَتّٰى نَقُوْلَ لَا يُصَلِّيْهَا رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ.

حوالہ: ترمذی ص نمبر ١٠٨ ج ١ باب ماجاء فی صلاة الضحی، كتاب الوتر، حدیث نمبر ٤٧٧.

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ چاشت کی نماز کبھی اتنے اہتمام سے پڑھتے تھے کہ ہمارا گمان ہوتا کہ آپ اس نماز کو کبھی نہیں چھوڑیں گے، پھر آپ ﷺ کبھی اس کو پڑھنا بند کردیتے تھے، یہاں تک کہ ہمارا گمان ہوتا ہے کہ اب آپ ﷺ

اس کو کبھی نہیں پڑھیں گے (ترمذی)

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ آپ ﷺ نے چاشت کی نماز پر مواظبت نہیں فرمائی، کچھ ایام تسلسل کے ساتھ پڑھتے تھے، پھر لمبے وقفہ تک کے لئے اس نماز کو پڑھنا بند کر دیتے تھے۔

کلمات حدیث کی تشریح یصلی الضحی حتی نقول وقت اور حالت کے تقاضہ کے اعتبار سے آپ ﷺ کا معمول تھا، جب رخصت کا موقع ہوتا تو اس پر عمل کرتے ہوئے چاشت کی نماز ترک فرماتے تھے اور جب عزیمت کا موقع ہوتا تو آپ ﷺ اس پر عمل کرتے ہوئے پابندی سے چاشت کی نماز ادا کرتے تھے، چاشت کی نماز اگر آپ ﷺ پر واجب تھی تو یہ حدیث وجوب کے منافی نہیں ہے، کیوں وجوب فی الجملہ تھا، ہر دن نماز کا ادا کرنا واجب نہیں تھا۔ (مرقات ص نمبر ۳۰۴ ج ۳)

حدیث نمبر ۱۲۴۶ ☆☆☆ عالمی حدیث نمبر ۱۳۲۱

﴿نماز چاشت کے سلسلہ میں حضرت ابن عمرؓ کا فرمان﴾

وَعَنْ مُوَرِّقٍ الْعِجْلِيِّ قَالَ قُلْتُ لِابْنِ عُمَرَ تُصَلِّي الضُّحٰى قَالَ لَا قُلْتُ فَعُمَرُ قَالَ قَالَ لَا قُلْتُ فَاَبُوْبَكْرٍ قَالَ لَا قُلْتُ فَالنَّبِيُّ ﷺ قَالَ لَااِخَالُهُ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ.

حوالہ: بخاری، ص نمبر ۱۵۷ ج ۱ باب صلاۃ الضحی فی السفر، کتاب التہجد، حدیث نمبر ۱۱۷۵.

ترجمہ: حضرت مورق عجلیؒ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت ابن عمرؓ سے پوچھا کیا آپؓ چاشت کی نماز پڑھتے ہیں؟ حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا کہ نہیں میں نے پوچھا کہ کیا حضرت عمرؓ پڑھتے تھے؟ فرمایا نہیں، میں نے دریافت کیا کہ حضرت ابو بکرؓ پڑھتے تھے؟ فرمایا نہیں، میں نے سوال کیا کہ نبی کریم ﷺ؟ فرمایا کہ میں نہیں سمجھتا ہوں کہ آپ ﷺ نے چاشت کی نماز پڑھی ہے۔ (بخاری)

خلاصۂ حدیث گذشتہ بہت سی احادیث سے نہ صرف نماز چاشت کی اہمیت وفضیلت معلوم ہوئی، بلکہ یہ بات بھی علم میں آچکی ہے کہ آپ ﷺ نے بھی یہ نماز ادا کی ہے، اگرچہ مواظبت نہیں فرمائی ہے اور صحابہ کرام خصوصاً حضرت عائشہؓ کے متعلق اس کا اہتمام صراحت کے ساتھ گذرا ہے، لیکن حدیث باب میں اس باپ کا ذکر ہے کہ حضرت ابن عمرؓ اور حضرت ابو بکرؓ اس نماز کو ادا نہیں کرتے تھے، اور حضرت نبی کریم ﷺ کے بارے میں احتمال کے ساتھ یہ بات مذکور ہے کہ آپ ﷺ بھی ادا نہیں کرتے تھے، دونوں طرح کی روایات میں تضاد محسوس ہوتا ہے، لیکن اصل بات یہ ہے کہ آپ ﷺ نے نماز پڑھی ہے حضرت ابن عمرؓ کا آپ ﷺ کے بارے میں عرض کرنے کا مقصد یہ ہے کہ آپ ﷺ مسجد میں یہ نماز ادا نہیں کرتے تھے، اور اس بارے میں آپ ﷺ کا قطعی عمل ان کے علم میں نہیں ہے، بقیہ اس سلسلہ کی روایات میں جو اختلاف ہے وہ مختلف احوال کی وجہ سے ہے، محدثین دونوں طرح کی روایات ذکر کرتے ہیں، مقصد یہ بتانا ہوتا ہے کہ اس کے ادا کرنے اور ترک کرنے دونوں کی گنجائش ہے۔

کلماتِ حدیث کی تشریح قلت لا حضرت ابن عمرؓ نے ''صلاۃ الضحی'' پڑھنے کا انکار کیا ہے، بعض لوگ کہتے ہیں کہ نفی دوام سے متعلق ہے، نفسِ صلاۃ سے نہیں اس لئے کہ نفسِ صلاۃ بہت سی احادیث سے ثابت ہے، نفی کی روایات سفر سے متعلق ہیں اور ثبوت کی روایات حضر سے متعلق ہیں مطلقاً صلاۃ الضحی'' کا انکار ممکن نہیں ہے بخاری شریف میں حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ ''اوصانی خلیلی ﷺ بثلاث لاادعهن حتی اموت صوم ثلاثة ایام من کل شهر وصلاة الضحی ونوم علی وتر'' میرے دوست حضرت محمد ﷺ نے مجھے تین باتوں کی وصیت فرمائی ہے، میں مرنے تک ان کو نہ چھوڑوں گا، (۱) ہر مہینے تین دن کے روزہ رکھنا (۲) چاشت کی نماز پڑھنا (۳) وتر پڑھ کر سونا،

باب التطوع

﴿نفل نمازوں کا بیان﴾

تطوع طوع سے ماخوذ ہے تابعداری کرنا فرمانبرداری کرنا نفلی عبادات کو تطوع اور نفلی عبادت کرنے والے کو مطوع کہا جاتا ہے، تطوع اور نفل کا اطلاق عموماً سنن غیر مؤکدہ پر ہوتا ہے، نوافل مقدماتِ فرائض اور مکملاتِ فرائض ہوتے ہیں اس لئے علما لکھتے ہیں کہ سنن ونوافل کی ادائیگی کے بعد فرائض کی ادائیگی ایسے ہی ہے جیسے گھر میں دروازے سے داخل ہونا اور بغیر پیشگی نوافل وسنن، فرائض میں مشغول ہونا گھر میں پیچھے سے اور نقب لگا کر داخل ہونا ہے حجۃ اللہ البالغہ کی شرح رحمۃ اللہ الواسعہ میں نوافل کی مشروعیت کی حکمت اس طرح بیان کی گئی ہے۔

''تمام شریعتوں میں رحمت خداوندی نے ہمیشہ اس بات کا لحاظ کیا ہے کہ تمام ضروری باتیں بیان کردی جائیں، دین کا کوئی گوشہ تشنہ نہ چھوڑا جائے، اسی طرح وہ باتیں بھی بیان کردی جائیں جن کے ذریعہ لوگ نمازوں سے پورا پورا فائدہ حاصل کرسکیں۔ تاکہ ہر شخص نماز سے اپنا حصہ لے سکے یعنی جو مشغول ہیں اور دنیوی امور کی طرف متوجہ ہیں وہ فرائض کو مضبوط پکڑیں، اور ان کو پابندی سے ادا کریں اور جو فارغ البال ہیں، اور نفس کی اصلاح کی طرف اور آخرت کو سنوارنے کی طرف متوجہ ہیں وہ کامل طور پر عبادات کو ادا کریں، اس لئے آئین سازی کرنے والی عبادت متوجہ ہوئی اور اس نے فرض نمازوں کے ساتھ نوافل کو بھی مشروع کیا، اور ان کے لائق اسباب واوقات متعین کئے، ان کے اہتمام کرنے پر ابھارا، ان کی خوب ترغیب دی اور ان کے فوائد کی وضاحت کی، یہی رواتب یعنی مقررہ سنتیں ہیں مگر کچھ دیگر نوافل کی بالا جمال ترغیب دی یعنی ان کے لئے اوقات واسباب متعین نہیں کئے ان کو ہر وقت پڑھا جاسکتا ہے البتہ جن اوقات میں نماز ممنوع ہے ان میں پڑھنے کی اجازت نہیں، خلاصہ یہ کہ نوافل خواہ وہ موقت ہوں، یا غیر موقت، بعض بندوں کی ضرورت ہیں اور ضرورتیں مہیا کرنا پروردگار عالم کی چارہ سازی ہے اس لئے نوافل مشروع کئے گئے ہیں (رحمۃ اللہ الواسعہ ۴۷۲/۳) ترمذی شریف میں حریث بن قبیصہ کی روایت ہے کہ میں مدینہ طیبہ آیا تو میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی اے اللہ مجھے اپنے کسی صالح بندے کی صحبت میسر فرما؟ پھر میں ابو ہریرہؓ کی خدمت میں حاضر ہوا تو میں نے ان سے کہا کہ میں نے اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کی تھی کہ مجھے کسی صالح بندے کی صحبت نصیب فرما اور میں اب آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں آپ مجھے کوئی ایسی حدیث سنائیں جو آپ نے خود رسولؐ سے سنی ہو۔ مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو میرے لئے نفع مند بنائے گا، تو حضرت ابو ہریرہؓ نے یہ حدیث سنائی۔ فرمایا کہ میں نے رسولؐ سے سنا آپؐ فرماتے تھے کہ قیامت کے دن بندے کے اعمال میں سب سے پہلے نماز کا حساب ہوگا اور اس کی نماز جانچی جائے گی پس اگر وہ ٹھیک نکلی تو بندہ فلاح یاب وکامیاب ہوجائے گا اور اگر وہ خراب نکلی تو بندہ ناکام اور نامراد رہ جائے گا پھر اگر اس کے فرائض میں کمی کسر ہوئی تو رب کریم فرمائے گا کہ دیکھو کیا میرے بندے کے ذخیرہ اعمال میں فرائض کے علاوہ کچھ نیکیاں (سنتیں یا نوافل) ہیں تاکہ ان سے اس کے فرائض کی کمی کسر پوری ہوسکے۔ پھر نماز کے علاوہ باقی اعمال کا حساب بھی اسی طرح ہوگا۔ (ترمذی شریف)

تطوع کا اطلاق فرائض کے علاوہ عبادات پر ہوتا ہے تطوع (نماز نوافل) دو قسم کے ہیں (۱) وہ نوافل جن کے لئے جماعت مسنون ہے، جیسے نماز عیدین، نماز جنازہ، نمازِ کسوف، نمازِ استسقاء اور نمازِ تراویح (۲) وہ نوافل جن کو تنہا تنہا ادا کیا جاتا ہے، جن نمازوں میں جماعت مسنون ہے وہ نمازیں تنہا پڑھنے کے مقابلے میں افضل ہوں گی جن نفل نمازوں میں جماعت مسنون ہے، ان میں سب سے افضل نماز عیدین پھر نماز کسوف پھر نماز استسقاء ہے اور جن نفل نمازوں کو منفرداً ادا کرنا مسنون اور افضل ہے، ان میں وتر، پھر سنت فجر، پھر سنن مؤکدہ ہیں، جن نوافل کو منفرداً ادا کیا جاتا ہے ان کی دو قسمیں ہیں (۱) سنت معینہ یعنی جن کا وقت اور جن کی تعداد متعین

ہے۔(۲) نوافل مطلقہ یعنی جن کی تعداد اور وقت متعین نہیں ہے، پھر سنت معینہ کی چند قسمیں ہیں (۱) سنن مؤکدہ فرائض کے ساتھ (۲) نوافل، سنن مؤکدہ کے ساتھ جیسے چار رکعت زوال کے بعد اور چار رکعت ظہر کے بعد اور چار رکعت عصر سے پہلے اور دو رکعت مغرب سے پہلے اور چھ رکعت سے لے کر بیس رکعت تک مغرب کے بعد اور انہیں میں سے معینہ نمازیں اس کے علاوہ ہیں، (۳) نماز چاشت (۴) صلوٰۃ التسبیح (۵) نماز استخارہ (۶) صلوٰۃ الحاجۃ (۷) صلوٰۃ التوبہ (۸) تحیۃ الوضوء (۹) تحیۃ المسجد (۱۰) دو رکعت نماز دخول منزل اور خروج منزل کے وقت (۱۱) دو رکعت نماز ابتدا سفر اور واپسی سفر کے وقت، نوافل مطلقہ ان کی کوئی تحدید نہیں دن رات کسی وقت بھی پڑھی جاسکتی ہیں اوقات ممنوعہ کے علاوہ البتہ رات کی نوافل دن کی نوافل سے بہتر ہوں گی مستفاد التعلیق الصبیح ۱۴۲/۲ اس بات کے تحت نماز توبہ واستخارہ اور صلوٰۃ الحاجۃ سے متعلق احادیث ہیں اس لئے ان تینوں نمازوں کی قدرِ وضاحت کی جاتی ہے۔

نمازِ استخارہ استخارہ خیر سے بنا ہے اس کے معنی ہیں اللہ سے بہتری طلب کرنا یہ بات ملحوظ رہے کہ استخارہ جائز اور مباح امور میں ہے ناجائز امور میں استخارہ نہیں ہے بسا اوقات انسان کوئی کام کرنا چاہتا ہے لیکن اس کے عواقب وانجام سے بے خبری کی وجہ سے تذبذب کا شکار ہوتا ہے ایسے امور میں تجربہ کاروں سے مشورہ اور نماز مسنون ہے، اس عمل کی برکت سے اللہ تعالیٰ خیر کی جانب اس کی رہنمائی فرما دیتے ہیں پھر رہنمائی کبھی خواب کے ذریعہ ہوتی ہے اور کبھی اس کام کا شدید داعیہ اور تقاضا پیدا کر دیا جاتا ہے یا دل میں اس سے نفرت پیدا ہو جاتی ہے پس ان کیفیتوں کو منجانب اللہ اور دعا کا نتیجہ سمجھنا چاہیے اگر استخارہ کے بعد بھی تذبذب باقی رہے تو استخارہ کا عمل جاری رکھا جائے تاوقتیکہ کسی ایک طرف رجحان پیدا ہو جائے، استخارہ کرنے کی کوئی مدت متعین نہیں ہے مزید اس کی تفصیل احادیث کے تحت اگلے اوراق میں ملاحظہ کریں۔

نمازِ توبہ توبہ کے معنی رجوع اور لوٹنے کے ہیں یعنی اگر کسی بندے سے نادانی یا جہالت کے سبب کوئی گناہ سرزد ہو جائے تو وہ فوراً اللہ تعالیٰ کی جانب رجوع کرے اپنے گناہوں سے معافی مانگے اور اپنے فعل پر نادم اور شرمندہ ہو تو اللہ کی ذات سے امید ہے کہ اللہ اس کے گناہوں کو معاف فرمادے گا قرآن کریم کا ارشاد ہے **قل یاعبادی الذین اسرفوا علی انفسهم لاتقنطوا من رحمة الله ان الله یغفر الذنوب جمیعًا انه هو الغفور الرحیم** (سورہ زمر) آپ میری طرف سے فرما دیجئے اے میرے وہ بندو جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے اللہ کی رحمت سے ناامید مت ہو جاؤ بے شک اللہ تعالیٰ سب گناہوں کو معاف کر دے گا بے شک وہ غفور الرحیم ہے اس سے معلوم ہوا کہ توبہ استغفار اور یاد الٰہی سے گناہ معاف ہو جاتے ہیں اور اس کا اعلیٰ فرد یہ ہے کہ کم از کم دو رکعت نماز پڑھے پھر توبہ کرے نماز اللہ کی طرف رجوع کا بہترین ذریعہ ہے جن بندوں میں رجوع الی اللہ کی صفت ہوتی ہے بالخصوص گناہوں کے بعد رجوع الی اللہ تو اس سے انسان کے گناہ دھل جاتے ہیں اور وہ گناہوں سے پاک صاف ہو جاتا ہے اور اگر گنہگار اور عاصی بندہ توبہ نہیں کرتا ہے تو گناہوں کا رنگ اس کے دل پر جمتا رہتا ہے یہاں تک کہ اس کا دل بالکل سیاہ ہو جاتا ہے پھر خیر کی کوئی بات اثر نہیں کرتی اور توبہ کی توفیق چھن جاتی ہے اس لئے انسان کو چاہئے کہ اگر اس سے نادانی یا جہالت سے کوئی معصیت یا گناہ ہو جائے تو توبہ سے پہلے دو رکعت نماز پڑھے پھر اپنے گناہوں پر نادم وشرمندہ ہو کہ اللہ سے آہ وزاری کے ساتھ معافی مانگے۔

صلاۃ الحاجۃ مشکل اور اہم امور کے درپیش ہونے کے وقت صلاۃ الحاجۃ مسنون ہے خواہ ان امور کا تعلق اللہ سے ہو یا کسی انسان سے قرآن کریم میں فرمایا گیا ہے **استعینوا بالصبر والصلاۃ** (سورہ بقرہ)

(مشکل اور اہم امور ہمت وبرداشت اور نماز کے ذریعہ اللہ کی مدد حاصل کرو) یہ ایک حقیقت ہے جس میں کسی مومن کے لئے شک وشبہ کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں ہے کہ مخلوقات کی ساری حاجتیں اور ضرورتیں اللہ کے اور صرف اللہ ہی کے ہاتھ میں ہیں اور جو کام بظاہر بندوں کے

ہاتھوں سے ہوتے دکھائی دیتے ہیں دراصل وہ بھی اللہ کے ہاتھ میں ہے اور اسی کے حکم سے انجام پاتے ہیں، اور صلاۃ الحاجۃ کا جو طریقہ رسول اللہ ﷺ نے حدیث میں تعلیم فرمایا ہے وہ اللہ سے اپنی حاجتیں پوری کرانے کا بہترین ذریعہ اور معتمد ترین طریقہ ہے اس لئے کہ کسی سے کچھ مانگنے سے پہلے تقرب حاصل کرنا پڑتا ہے قرآن کریم میں ہے وابتغوا الیہ الوسیلۃ (سورہ مائدہ) اللہ کا قرب ڈھونڈھو اور سب سے بڑا وسیلہ نیک اعمال ہیں اللہ کی حمد وثنا، نماز وغیرہ کا اس لئے حکم دیا گیا ہے کہ اپنی حاجت کے حصول کے لئے نماز کو وسیلہ بناؤ پس جب بندہ نماز حاجت پڑھ کر جو اعلیٰ درجہ کا نیک عمل ہے۔

اور اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کر کے دعا کرے گا تو ضرور کشادگی کا دروازہ کھلے گا اور بندہ کی مراد پوری ہوگی۔

الفصل الاوّل

حدیث نمبر ۱۲۴۷ ﴿وضو کے بعد کی نماز﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۳۲۲

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لِبِلَالٍ عِنْدَ صَلٰوةِ الْفَجْرِ یَابِلَالُ حَدِّثْنِیْ بِاَرْجٰی عَمَلٍ عَمِلْتَهٗ فِی الْاِسْلَامِ فَاِنِّیْ سَمِعْتُ دَفَّ نَعْلَیْكَ بَیْنَ یَدَیَّ فِی الْجَنَّةِ قَالَ مَاعَمِلْتُ عَمَلًا اَرْجٰی عِنْدِیْ اِنِّیْ لَمْ اَتَطَهَّرْ طُهُوْرًا فِیْ سَاعَةٍ مِنَ اللَّیْلِ اَوْ نَهَارٍ اِلَّا صَلَّیْتُ بِذٰلِكَ الطُّهُوْرِ مَاكُتِبَ لِیْ اَنْ اُصَلِّیَ مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ.

حوالہ: بخاری ص نمبر ۱۵٤ ج۱، باب فضل الطهور، کتاب التهجد، حدیث نمبر ۱/۴۹، مسلم ص نمبر ۲۹۲ ج۲ باب فی فضائل بلال رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه، کتاب فضائل الصحابة: حدیث نمبر ۲٤۵۸.

حل لغات: ارجی رَجَاءٌ سے امید کرنا، رَجَا (ن) رَجْوًا توقع کرنا، امید رکھنا، دف، (ض) دفا، بجانا، الطائر، پھڑ پھڑانا۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے صبح کی نماز کے وقت حضرت بلالؓ سے فرمایا ''اے بلال! مجھے بتاؤ کہ تم نے اسلام میں کون سا زیادہ نفع دینے والا کام کیا ہے؟ کیوں کہ میں نے جنت میں تمہارے جوتوں کی آواز اپنے آگے سنی ہے۔ حضرت بلالؓ نے عرض کیا میں نے تو اپنے نزدیک اس سے زیادہ امید والا کوئی عمل نہیں کیا کہ جب میں نے رات یا دن میں کسی بھی وقت وضو کیا تو اس وضوء سے نماز پڑھتا ہوں جو میری تقدیر میں لکھی ہے۔ (بخاری ومسلم)

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ وضو کے بعد تحیۃ الوضو پڑھنا مستحب ہے، یعنی وضو کے بعد نفل نماز دو رکعت پڑھ لی جائے تو بہتر ہے، حضرت بلالؓ کا یہ معمول تھا جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کو عظیم مقام عطا کیا، اور حضرت نبی کریم ﷺ نے جب انہیں ان کے مقام ومرتبہ سے واقف کرا کر پوچھا کہ یہ عظیم مقام تمہارے کس عمل صالح کا نتیجہ ہوسکتا ہے؟ تو انہوں نے وضو کے بعد نماز پڑھنے کو اپنا سب سے بہتر عمل قرار دیا، اس نماز کو شکر الوضو بھی کہتے ہیں۔

کلمات حدیث کی تشریح فانی سمعت دف نعلیك بین یدی فی الجنة حضور ﷺ نے جنت میں حضرت بلال کے جوتوں کی آواز اپنے آگے سنی، یعنی جنت میں حضور ﷺ سے حضرت بلالؓ آگے چل رہے تھے۔

سوال: حضور ﷺ نے کسی موقع پر جنت میں حضرت بلال کو آگے چلتے ہوئے دیکھا؟

جواب: یا تو حضور ﷺ نے نیند کے دوران خواب میں دیکھا، یا پھر معراج کے موقع پر جنت کی سیر کے دوران آپ ﷺ نے یہ چیز محسوس کی۔

سوال: حضرت بلالؓ حضور ﷺ سے آگے کیسے بڑھ گئے۔

جواب: یہ آگے چلنا خادم ہونے کی حیثیت سے تھا جیسا کہ بادشاہ کے بعض خدام آگے چلتے ہیں، تاکہ راستہ صاف ہوتا رہے، اور راہ کی رکاوٹیں دور ہوجائیں، یہاں حضرت بلالؓ کا بھی آپ ﷺ سے آگے چلنا خادم ہونے کی حیثیت سے تھا، حضور نے حضرت بلالؓ سے

ذکر کر کے دریافت کیا کہ یہ عظمت کسی عمل کی بنا پر ممکن ہے؟ اور تم کو اپنے کس عمل صالح سے زیادہ امید وابستہ ہے؟ حضرت بلالؓ نے جواب دیا کہ میں رات و دن میں جب بھی وضو کرتا ہوں تو اس کی بنا پر نفل نماز پڑھتا ہوں، اس نماز کو تحیۃ الوضو کہتے ہیں، اس کو شکر الوضو بھی کہا جاتا ہے، اوقات مکروہہ کے علاوہ جب بھی وضو کیا جائے تو یہ نماز پڑھنا بہت مفید ثابت ہوگا، بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ نماز اوقات مکروہہ میں بھی جائز ہے، لیکن یہ بات درست نہیں ہے، اس لئے کہ اوقاتِ مکروہہ میں مطلقاً نماز ممنوع ہے، اور اس سے متعلق احادیث گذر چکی ہیں۔ (مرقات ص نمبر ۳۰۵ ج ۳)

حدیث نمبر ۱۲۴۸ ﴿نماز استخارہ کا بیان﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۳۲۳

عَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يُعَلِّمُنَا الْاِسْتِخَارَةَ فِي الْاُمُوْرِ كُلِّهَا، كَمَا يُعَلِّمُنَا السُّوْرَةَ مِنَ الْقُرْاٰنِ يَقُوْلُ اِذَاهَمَّ اَحَدُكُمْ بِالْاَمْرِ فَلْيَرْكَعْ رَكْعَتَيْنِ مِنْ غَيْرِ الْفَرِيْضَةِ ثُمَّ لِيَقُلِ اللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْتَخِيْرُكَ بِعِلْمِكَ وَاَسْتَقْدِرُكَ بِقُدْرَتِكَ وَاَسْئَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ الْعَظِيْمِ فَاِنَّكَ تَقْدِرُ وَلَا اَقْدِرُ وَتَعْلَمُ وَلَا اَعْلَمُ وَاَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ اَللّٰهُمَّ اِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ اَنَّ هٰذَا الْاَمْرَ خَيْرٌ لِّيْ فِيْ دِيْنِيْ وَمَعَاشِيْ وَعَاقِبَةِ اَمْرِيْ اَوْ قَالَ فِيْ عَاجِلِ اَمْرِيْ وَاٰجِلِهٖ فَاقْدُرْهُ لِيْ ثُمَّ بَارِكْ لِيْ فِيْهِ وَاِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ اَنَّ هٰذَا الْاَمْرَ شَرٌّ لِّيْ فِيْ دِيْنِيْ وَمَعَاشِيْ وَعَاقِبَةِ اَمْرِيْ اَوْقَالَ فِيْ عَاجِلِ اَمْرِيْ وَاٰجِلِهٖ فَاصْرِفْهُ عَنِّيْ وَاصْرِفْنِيْ عَنْهُ وَاقْدُرْ لِيَ الْخَيْرَ حَيْثُ كَانَ ثُمَّ اَرْضِنِيْ بِهٖ قَالَ وَيُسَمِّيْ حَاجَتَهٗ (رواہُ البُخارِیْ)

حوالہ: بخاری ص نمبر ۱۵۵ ج ۱، باب ماجاء فی التطوع مثنی، کتاب التہجد، حدیث نمبر ۱۱۶۲

حل لغات: الاستخارۃ باب استفعال سے طالب خیر ہونا، آجلہ اَجِلَ (س) اَجَلًا، دیر ہونا آجِلًا ام عَاجِلًا، دیر سویر، واصْرِفْ صَرَفَ (ض) صَرْفًا الشیئَ ہٹانا۔

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ صحابہ کو تمام کاموں میں استخارہ کی تعلیم اس طرح دیتے تھے جیسے کہ آپ ﷺ ہم کو قرآن کی سورتیں سکھاتے تھے، آپ ﷺ فرماتے تھے جب تم میں سے کوئی کسی کام کا ارادہ کرے تو اس کو چاہئے کہ فرض کے علاوہ دو رکعت نماز پڑھے، پھر یہ دعا پڑھے، اللّٰهُمَّ انی اِسْتَخِیْرُكَ الخ اے اللہ آپ کے علم کے ذریعہ سے خیر طلب کرتا ہوں اور آپ کی قدرت سے طاقت چاہتا ہوں اور آپ سے آپ کے فضل عظیم کی درخواست کرتا ہوں، اس وجہ سے کہ آپ قدرت رکھتے ہیں، اور میں نہیں رکھتا، آپ کو علم ہے اور مجھے علم نہیں ہے، اور آپ ہی تمام پوشیدہ باتوں کو جاننے والے ہیں، پس اے میرے اللہ! اگر آپ جانتے ہیں کہ یہ کام میرے دین میری دنیا اور میرے انجام کے اعتبار سے میرے حق میں بہتر ہے، یا آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس جہان اور اُس جہان کے اعتبار سے میرے حق میں بہتر ہے، تو اس کو میرے لئے مقدر فرما، اس کو میرے لئے آسان کر، اور میرے لئے اس میں برکت عطا فرما، اور اگر آپ جانتے ہیں کہ یہ کام میرے حق میں بہتر نہیں ہے، تو اس کو مجھ سے دور رکھئے، اور جہاں میرے لئے خیر و بھلائی ہو مقدر فرما، پھر مجھ کو اس سے راضی کر دیجئے، راوی کہتے ہیں کہ "هذا الامر" کی جگہ اپنی حاجت کا نام دے کر ذکر کرے۔ (بخاری)

خلاصۂ حدیث

اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ کسی جائز کام کے حوالے سے اگر تردد ہے، تو اس کے لئے نماز استخارہ پڑھنا چاہئے، نماز استخارہ دو رکعت نماز ہے، جو وقت مکروہ کے علاوہ پڑھی جا سکتی ہے، نماز کے بعد مذکورہ دعا پڑھی جائے، آپ ﷺ صحابہ کرام کو اس نماز کی تعلیم فرماتے تھے، اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جو پہلو انسان کے حق میں مفید ہوتا ہے، من جانب اللہ اس کی طرف رہنمائی ہو جاتی ہے، کبھی خواب کی شکل میں رہنمائی ہوتی ہے کبھی یوں ہی جانب خیر دل میں القا کر دیا جاتا ہے، اور اس کا مفید ہونا دل و دماغ میں راسخ ہو جاتا ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح یعلمنا الاستخارہ جناب نبی کریم ﷺ حضرات صحابہ کرام کو استخارہ کرنے کی تعلیم دیتے تھے، استخارہ کے معنی ہیں جس کام کا ارادہ ہو رہا ہے، اس میں اللہ تعالیٰ سے خیر طلب کرنا بعض نے یہ بیان کئے ہیں کہ دو امور میں سے جس میں خیر ہو اس کے لئے اللہ تعالیٰ سے طلب کرنا استخارہ ہے۔

﴿استخارہ کی حکمت﴾

پہلی حکمت زمانہ جاہلیت میں دستور تھا کہ جب کوئی اہم کام کرنا ہوتا تھا، مثلاً سفر یا نکاح، یا کوئی بڑا سودا کرنا ہوتا تھا تو وہ تیروں کے ذریعہ فال نکالا کرتے تھے، یہ تیر کعبہ شریف کے پاس رکھے رہتے تھے، ان میں کسی تیر پر لکھا تھا امرنی ربی'' اور کسی پر لکھا تھا، نہانی ربی'' اور کوئی تیر بے نشان تھا، اس پر کچھ نہیں لکھا ہوا تھا، مجاور فال طلب کرنیوالے سے کہتا کہ ہاتھ ڈال کر ایک تیر نکالو، اگر امرنی ربی والا تیر نکلتا تو وہ شخص کام کرتا، اور اگر نہانی ربی والا تیر نکلتا تو وہ کام سے رک جاتا، اور بے نشان ہاتھ میں آتا تو دوبارہ فال نکالی جاتی، سورۂ مائدہ آیت نمبر ۳ کے ذریعہ اس کی حرمت نازل ہوئی، اور حرمت کی دو وجہیں ہیں ایک یہ کہ یہ ایک بے بنیاد عمل ہے، اور محض اتفاق ہے، جب تھیلے میں ہاتھ ڈالا جائے گا تو کوئی نہ کوئی تیر ضرور ہاتھ آئے گا، دوم یہ کہ اللہ تعالیٰ پر افتراء (جھوٹا الزام) اللہ تعالیٰ نے کہاں حکم دیا ہے؟ اور افتراء حرام ہے۔

نبی کریم ﷺ نے فال کی جگہ استخارہ کی تعلیم دی، اور اس میں حکمت یہ ہے کہ جب بندہ رب علیم سے رہنمائی کرتا ہے، اور وہ اپنے معاملہ کو اپنے مولیٰ کے حوالے کرتا ہے اور وہ ان کی مرضی معلوم کرنے کا شدید خواہشمند ہوتا ہے، اور وہ اللہ تعالیٰ کے دروازہ پر جا پڑتا ہے، اور اس کا دل درخواست گذار ہوتا ہے تو ممکن نہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندہ کی رہنمائی اور مدد نہ فرمائے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے فیضان کا باب مفتوح ہوتا ہے، اور اس پر معاملہ کا دروازہ کھولا جاتا ہے، پس استخارہ محض اتفاق نہیں، بلکہ اس کی مضبوط بنیاد ہے۔

دوسری حکمت استخارہ کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ انسان فرشتہ صفت بن جاتا ہے، استخارہ کرنے والا اپنی ذاتی رائے سے نکل جاتا ہے، اور اپنی مرضی کو خدا کے تابع کر دیتا ہے، اور وہ اپنا رخ پوری طرح اللہ تعالیٰ کی طرف جھکا دیتا ہے، تو اس میں فرشتوں کی سی خوبی پیدا ہو جاتی ہے، پس وہ رفتہ رفتہ فرشتوں کے مانند ہو جاتا ہے، ملائکہ کے مانند بننے کا یہ ایک تیر بہدف مجرب نسخہ ہے جو چاہے آزما کر دیکھے۔ (منقول از تحفۃ الالمعی)

استخارہ کن امور میں کیا جائے استخارہ مباح چیزوں میں ہوتا ہے، واجبات و مستحبات میں استخارہ نہیں ہے، اس وجہ سے کہ ان کو تو کرنا ہی بہتر ہے، اسی طرح مکروہات اور حرام چیزوں میں استخارہ نہیں ہے، کیونکہ ان سے تو گریز کرنا ہی ہے، البتہ واجبات و مستحبات میں تعیین وقت کے لئے استخارہ درست ہے، یعنی یہ کام تو کرنا ہی ہے، لیکن اس سال کیا جائے یا آئندہ سال اس کے لئے استخارہ واجب اور مستحب امور میں ہوسکتا ہے۔

اذا هم احدكم بالامر: حدیث کے اس جزء سے معلوم ہوا کہ جس امر میں استخارہ کرنا ہے اس کام کا ارادہ کرتے ہی استخارہ کر لینا چاہئے، تاکہ ابتداء ہی سے اللہ تعالیٰ کی جانب سے امر خیر کی رہنمائی ہو، ورنہ ممکن ہے، دیر کرنے سے دل کا میلان کسی طرف ہو جائے، اور پھر استخارہ کا مکمل فائدہ حاصل نہ ہوسکے۔ **فليركع ركعتين** استخارہ کی دعا سے پہلے دو رکعت نماز پڑھ لے، چوں کہ استخارہ کا مقصد اللہ تعالیٰ سے امرِ خیر کی رہنمائی طلب کرنا ہے۔ اور اس مقصد کے لئے اللہ تعالیٰ کے دروازہ کو کھٹکھٹانا ہے، لہٰذا دو رکعت پہلے پڑھی جائے، تاکہ اللہ تعالیٰ کی رحمت پورے طور پر بندہ کی طرف متوجہ ہو جائے اور اس کے لئے امر خیر کی رہنمائی آسان ہو جائے۔

من غير فريضة: یہ دو رکعت نماز فرض کے علاوہ ہو، معلوم ہوا کہ دو رکعت سنت کے بعد ہی استخارہ کیا جاسکتا ہے، اور دعاء

استخارہ پڑھی جاسکتی ہے، لیکن اس سنت میں استخارہ کی بھی نیت شامل ہونا شرط ہے، البتہ بعض علماء نے لکھا ہے کہ اس کے لئے مستقل دو رکعت نماز پڑھی جائے۔

استخارہ کا فائدہ استخارہ کا نتیجہ یہ ہوگا کہ بندہ کے حق میں جو امر خیر ہوگا اس پر اس کا دل منشرح ہو جائے گا، لہٰذا جس کے اوپر دل مطمئن ہو جائے اس پر عمل کرنا چاہئے۔ کسی امر پر دل کا مطمئن ہونا یہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے رہنمائی ہے، اور کبھی رہنمائی کی شکل یہ ہوتی ہے کہ خواب میں جانب خیر سمجھا دیا جاتا ہے، علامہ شامیؒ نے لکھا ہے کہ بعض مشائخ سے منقول ہے کہ استخارہ کے بعد آدمی کو چاہئے کہ باوضو قبلہ رخ ہو کر سو جائے، پھر اگر خواب میں سفیدی یا سبزی دیکھے تو اس کام کو کر گذرے کہ اس میں خیر ہے، اور اگر سیاہی یا سرخی دیکھے تو اس سے گریز کرے، اور سمجھے کہ اسکے کرنے میں شر ہے، اگر استخارہ کرنے کے باوجود تذبذب باقی رہے، تو استخارہ کا عمل مسلسل جاری رکھے، اور جب تک کسی ایک طرف رجحان نہ ہو جائے، کسی بھی پہلو کو اختیار نہ کرے، حضرت عمرؓ نے تدوین حدیث کے معاملہ میں ایک مہینہ تک استخارہ کیا تھا، ایک مہینہ کے بعد ان کو اس بات پر اطمینان ہوا کہ تدوین حدیث نہ کرنا چاہئے۔

وعاقبة امری راوی کو شک ہے کہ **مافی دینی ومعاشی الخ** کے الفاظ فرمائے یا ان کی جگہ پر "**فی عاجل امری الخ**" فرمایا، دونوں میں سے جو بھی اختیار کیا جائے ٹھیک ہے، اور مقصد پورا ہو جاتا ہے، لیکن بہتر یہ ہے کہ دعا پڑھنے والا دونوں طرح کے کلمات پڑھے۔ استخارہ کی نماز میں پہلی رکعت میں سورۃ کافرون اور دوسری میں سورۂ اخلاص پڑھنا بہتر ہے، **ویسمی حاجتہ** مطلب یہ ہے کہ دعا میں "**ھذا الامر**" کا جو لفظ ہے اس جگہ پر اس کام کا ذکر کرے جس کے حوالے سے استخارہ مقصود ہے۔

الفصل الثانی

حدیث نمبر ۱۲۴۹ ﴿نماز توبہ کا بیان﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۳۲٤

عَنْ عَلِيٍّ قَالَ حَدَّثَنِيْ اَبُوْبَكْرٍ وَصَدَقَ اَبُوْبَكْرٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ مَامِنْ رَّجُلٍ يُّذْنِبُ ذَنْبًا ثُمَّ يَقُوْمُ فَيَتَطَهَّرُ ثُمَّ يُصَلِّيْ ثُمَّ يَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ اِلَّا غَفَرَاللّٰهُ لَهٗ ثُمَّ قَرَءَ وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْظَلَمُوْااَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوااللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوالِذُنُوْبِهِمْ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ اِلَّا اَنَّ ابْنَ مَاجَةَ لَمْ يَذْكُرِ الْآيَةَ.

حوالہ: ترمذی، ص نمبر ۱۲۹.۱۳۰ ج۲، باب ومن سورة آل عمران، کتاب تفسیر القرآن، حدیث نمبر ۳۰۰۶ ابن ماجہ ص نمبر ۱۰۰ باب ماجاء فی أن الصلاة كفارة، کتاب اقامة الصلاة، حدیث نمبر ۱۳۹۵.

حل لغات: يُذْنِبُ اَذْنَبَ، اِذْنَابًا باب افعال سے، گناہ کرنا، غلطی کرنا، اَلذَّنْبُ، گناہ، غلطی، جرم فاحشۃ، فاحشٌ کا مؤنث ہے برا اور قابل نفرت قول یا عمل، جمع فواحش۔

ترجمہ: حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ مجھ سے حضرت ابوبکرؓ نے بیان کیا اور سچ کہا ابوبکرؓ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ کسی آدمی سے کوئی گناہ سرزد ہو جاتا ہے، تو وہ وضو کر کے نماز پڑھتا ہے، اور اللہ تعالیٰ سے گناہ کی مغفرت طلب کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو معاف فرما دیتے ہیں، پھر آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی "والذین اذافعلوا الخ وہ لوگ کہ جب کر بیٹھیں کھلا گناہ یا برا کام کریں اپنے حق میں تو یاد کرلیں اللہ کو اور بخشش مانگیں اپنے گناہوں کی۔ (ترمذی۔ ابن ماجہ) ابن ماجہ میں آیت کا تذکرہ نہیں ہے۔

خلاصۂ حدیث اس حدیث میں نماز توبہ یعنی استغفار کا ذکر ہے، گناہ کے بعد مغفرت کیلئے اور اللہ تعالیٰ کی رحمت کو متوجہ کرنے کیلئے اچھی طرح وضو یا غسل کر کے دو رکعت نماز پڑھ کر گناہ سے مغفرت طلب کی جائے تو اللہ تعالیٰ ضرور معاف فرماتے ہیں۔

کلمات حدیث کی تشریح **وصدق ابوبکر** حضرت علی نے یہ روایت حضرت ابوبکرؓ سے لی ہے، اس کو "**روایۃ القران**" کہتے ہیں یعنی کسی کا اپنے ہم عمر ساتھی سے روایت کرنا، جیسے امام مالکؒ کا امام ابوحنیفہؒ سے روایت کرنا یا امام

شافعیؒ کا امام محمد بن حسنؒ سے روایت کرنا، حضرت ابوبکر کی صفتِ صداقت اتنی بلند تھی کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت ابوبکرؓ کا ''صدیق'' کا خطاب مرحمت فرمایا تھا۔ (مرقات ص نمبر ۱۰۹ ج ۳)

سوال: حضرت ابوبکرؓ کی صفت مسلّم، لیکن اس موقع پر حضرت علیؓ نے کس خاص وجہ سے ان کی یہ صفت ذکر فرمائی۔

جواب: حضرت علیؓ کا یہ معمول تھا کہ وہ کسی سے بھی حدیث قبول کرتے تو اس سے قسم کھلوا لیتے تھے کہ یہ حضور ﷺ کا ہی فرمان ہے اور اس کو میں نے سنا ہے، لیکن حضرت ابوبکرؓ سے حدیث سنتے تو اس کو فوراً قبول کر لیتے اور قسم نہ کھلواتے، اور یہ حدیث بھی انہوں نے حضرت ابوبکرؓ ہی سے لی ہے، لہٰذا ان کی صفت صداقت کا ذکر فرما رہے ہیں، کہ ان سے قسم لینے کی ذرہ برابر ضرورت نہیں ہے، بقیہ لوگوں سے قسم اپنے اطمینان کیلئے لیتے تھے ورنہ تو آپ ﷺ کے تمام صحابہ ''عدول'' ہیں، **یذنب ذنبائم یقوم** جب کسی انسان سے کوئی گناہ سرزد ہو جائے تو وہ گناہ پر جمانہ بیٹھا رہے، بلکہ خوابِ غفلت سے بیدار ہو کر اس سے معافی اور مغفرت حاصل کرنے کی فکر کرے، **فیطھر** گناہ سے بخشش طلب کرنے کے لئے سب سے مفید طریقہ یہ ہے کہ وضو کر کے نماز پڑھے، اور وضو کے بجائے غسل کر لے تو اور بہتر ہے اور غسل ٹھنڈے پانی سے کرنا مفید تر ہے، جیسا کہ نبی کی دعا ہے ''**اللّٰھم اغسل خطاھایای بالماء والثلج والبرد**'' اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ نفس امارہ کی خواہشات کی گرمی سے دل کو ٹھنڈا کر دیجئے، **ثم یستغفر** نماز پڑھ کر گناہوں سے مغفرت طلب کی جائے تو اللہ تعالیٰ ضرور معاف کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے، **ومن یعمل سوءً اویظلم نفسہ ثم یستغفر اللّٰہ، یجد اللّٰہ غفورًا رحیما** '' خلاصۂ کلام یہ ہے کہ حدیث باب میں ''صلاۃ توبہ'' کا ذکر ہے، یہ نماز گناہ سے معافی کے حصول کے لئے بہت موثر ہے، اس عمل کا کثرت سے اہتمام نہ صرف گناہوں کو مٹا دے گا، بلکہ حسنات کے لکھا جانے کا سبب بھی ہوگا۔

حدیث نمبر ۱۲۵۰ ﴿نماز سے رنج دور ھوتا ھے﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۳۲۵

وَعَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا حَزَبَهُ أَمْرٌ صَلَّى رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ.

حوالہ: ابوداؤد، ص نمبر ۱۸۷ ج ۱، باب قیام النبی ﷺ من اللیل، کتاب التطوع، حدیث نمبر ۱۳۱۹

حل لغات: حَزَبَهُ حَزَبَ (ن) حَزْبًا الامرُ سخت وسنگین ہونا، الامرُ فلانًا، در پیش ہونا اور مصیبت بن جانا، صلّٰی، تصلیۃ تفعیل سے ہے، نماز پڑھنا، بالناس لوگوں کو نماز پڑھانا۔

ترجمہ: حضرت حذیفہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ کا یہ معمول تھا کہ جوں ہی آپ ﷺ کو کوئی فکر لاحق ہوتی آپ ﷺ نماز پڑھنے لگتے۔ (ابوداؤد)

خلاصۂ حدیث نماز اور ذکر الٰہی ہر مرض کے لئے تریاق ہے، اس سے رنج و غم کافور ہو جایا کرتا ہے، لہٰذا حضرت نبی کریم کو جب بھی کوئی حادثہ رنج و غم یا کسی بھی قسم کی کوئی پریشانی لاحق ہوتی، تو آپ ﷺ نماز میں مشغول ہو جاتے، اللہ تعالیٰ نماز کی برکت سے تمام پریشانیوں کا ازالہ فرما دیتے تھے۔

کلمات حدیث کی تشریح **اذاحزبہ امر صلی** اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں حکم دیا ہے کہ ''**وأمر اھلك بالصلاۃ واصطبر علیھا**'' اپنے اہل کو نماز کا حکم کریئے، اور خود بھی اس پر جمے اس طرح ارشاد ربانی ہے کہ ''**یاایھا الذین آمنوا استعینوا بالصبر والصلاۃ**'' اے ایمان والو! صبر اور نماز کے ذریعہ سے اللہ سے مدد طلب کرو، آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کے ان احکامات پر عمل کرتے ہوئے ہر مشکل اور حادثہ کے پیش آنے پر فوراً نماز کی طرف متوجہ ہو جایا کرتے تھے، نماز سے بندہ کا رب العالمین سے رشتہ مضبوط ہو جاتا ہے، لہٰذا اس کی نگاہ میں ہر غم ہیچ ہو جاتا ہے، اور اس کا رنج و غم دور ہو جاتا ہے ''**حزبہ امر**'' کا مطلب ہے ''**اصابہ امر**'' یعنی آپ ﷺ کو جب کوئی چیز غمگین کرتی تھی تو آپ ﷺ نماز پڑھنے لگتے تھے ایک روایت میں ''حزبہ'' کے بجائے

"حزنہ" آیا ہے معانی تقریبا یکساں ہی ہیں۔

حدیث نمبر ۱۲۵۱ ﴿تحیۃ الوضو کی فضیلت﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۳۲۶

وَعَنْ بُرَيْدَةَ قَالَ اَصْبَحَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَدَعَا بِلَالًا فَقَالَ بِمَا سَبَقْتَنِي اِلَى الْجَنَّةِ مَا دَخَلْتُ الْجَنَّةَ قَطُّ اِلَّا سَمِعْتُ خَشْخَشَتَكَ اَمَامِي قَالَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ مَا اَذَّنْتُ قَطُّ اِلَّا صَلَّيْتُ رَكْعَتَيْنِ وَمَا اَصَابَنِي حَدَثٌ قَطُّ اِلَّا تَوَضَّأْتُ عِنْدَهٗ وَرَاَيْتُ اَنَّ لِلّٰهِ عَلَيَّ رَكْعَتَيْنِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بِهِمَا رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ.

حوالہ: ترمذی، ص نمبر ۲۰۹ ج۲، باب مناقبة عمر بن الخطابؓ، کتاب المناقب، حدیث نمبر ۳۶۸۹.

ترجمہ: حضرت بریدہؓ سے روایت ہے کہ ایک دن صبح کے وقت رسول اللہ ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلوایا اور ان سے فرمایا کہ کس چیز نے تم کو جنت میں مجھ سے آگے کر دیا؟ میں جب کبھی بھی جنت میں داخل ہوا میں نے تمہارے جوتوں کی آواز اپنے آگے سنی، حضرت بلالؓ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول میں جب کبھی بھی اذان دیتا ہوں تو دو رکعت (نفل) ضرور پڑھتا ہوں، اور مجھے جوں ہی حدث لاحق ہوتا ہے میں فوراً وضو کر لیتا ہوں، اور میں نے سمجھ لیا ہے کہ اللہ کیلئے دو رکعتیں پڑھنا میرے لئے لازم ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ان ہی دو کاموں کی وجہ سے تمہیں یہ عزت ملی ہے۔ (ترمذی)

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ جنت میں حضرت بلالؓ حضور ﷺ سے آگے خادمانہ انداز میں چلیں گے، حضور ﷺ کو اس پر پہلے ہی مطلع کر دیا گیا، حضور ﷺ نے حضرت بلال سے استفسار کیا کہ جنت میں میرے خادم ہونے کا شرف تمہیں کس عمل کی بنا پر میسر آیا، تو انہوں نے دو عمل بتائے، (۱) ہمیشہ باوضو رہتا ہوں، یعنی جوں ہی وضو ٹوٹتا ہے فوراً تازہ وضو کر لیتا ہوں، (۲) دو رکعت نماز تحیۃ الوضو کی وضو کے شکرانہ کے طور پر ادا کرتا ہوں، آپ ﷺ نے حضرت بلالؓ کے جواب کو سن کر فرمایا کہ یہ ایسے نیک عمل ہیں کہ ان ہی کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے تم کو یہ عزت بخشی ہے کہ جنت میں تم خادم کے طور پر میرے آگے چلو گے۔

کلمات حدیث کی تشریح فدعا بلالاً یعنی فجر کی نماز کے بعد ایک دن حضرت بلال کو آپ ﷺ نے طلب کیا، **بما سبقتنی الی الجنۃ** یعنی کون سا نیک عمل ہے جس کی بنا پر تم مجھ سے آگے آگے جنت میں چل رہے تھے، اس لئے کہ میں نے تمہارے جوتوں کی آواز پیچھے سے سنی، حضور ﷺ نے حضرت بلالؓ کو جنت میں اپنے سے آگے چلتے ہوئے یا تو خواب میں دیکھا یا پھر معراج کے موقع پر دیکھا، حضرت بلال کا یہ آگے چلنا خادم ہونے کی حیثیت سے تھا ورنہ کوئی بھی شخص نبی ﷺ سے آگے نہیں بڑھ سکتا، تحقیق کیلئے حدیث نمبر ۱۲۴۷ دیکھیں "**مااذنت قط الاصلیت رکعتین**" اذان دینے سے پہلے دو رکعت نماز پڑھ لیتا ہوں، یا پھر یہ مطلب ہے کہ اذان دیکر اقامت سے پہلے پڑھ لیتا ہوں، مغرب کی نماز اس سے مستثنیٰ ہے، یہ "**عام خص عنه البعض**" کے قبیل سے ہے، **وما اصابنی حدث** جب حقیقی یا حکمی حدث لاحق ہوتا ہے تو میں ضرور وضو کر لیتا ہوں، اس سے طہارت پر مداومت کرنے کے حوالے سے بہت زیادہ محافظت کا پتہ چلتا ہے، **ان علی رکعتین** یا تو اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ میں تحیۃ الوضو کی پابندی کرتا ہوں، یا پھر حضرت بلال نے نذر مان رکھی تھی کہ تحیۃ الوضو کی نماز ضرور پڑھوں گا، اس کی طرف اشارہ ہے، **قال رسول اللہ ﷺ بھما** یعنی حضرت بلالؓ کو جو عزت میسر آئی وہ ان دو عملوں کی بنا پر میسر آئی، (۱) وضو پر مداومت (۲) تحیۃ الوضو کی ادائیگی یہ بھی ممکن ہے کہ ان دو چیزوں سے مراد ایک تو ہر اذان پر دو رکعت نفل پڑھنا ہو، دوسرے وضو پر مداومت اور اس کے شکریہ کی غرض سے پڑھی جانے والی دو رکعت تحیۃ الوضو کا مجموعہ ہو۔ (مرقات ص نمبر ۲۱۲۔ ج ۳)

(نوٹ): مغرب کی نماز سے پہلے دو رکعت نفل نماز نہ پڑھی جائے، تحقیق کے لئے حدیث نمبر ۱۰۹۸ دیکھیں۔

حدیث نمبر ۱۲۵۲ ﴿نماز حاجت کا بیان﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۳۲۷

وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ اَبِیْ اَوْفٰی قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ کَانَتْ لَهٗ حَاجَةٌ اِلَی اللّٰهِ اَوْاِلٰی اَحَدٍ مِّنْ بَنِیْ اٰدَمَ فَلْیَتَوَضَّأْ فَلْیُحْسِنِ الْوُضُوْءَ ثُمَّ لِیُصَلِّ رَکْعَتَیْنِ ثُمَّ لِیُثْنِ عَلَی اللّٰهِ تَعَالٰی وَلْیُصَلِّ عَلَی النَّبِیِّ ﷺ ثُمَّ لِیَقُلْ لَآاِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ الْحَلِیْمُ الْکَرِیْمُ سُبْحَانَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ وَالْحَمْدُلِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ اَسْأَلُكَ مُوْجِبَاتِ رَحْمَتِكَ وَعَزَآئِمَ مَغْفِرَتِكَ وَالْغَنِیْمَةَ مِنْ کُلِّ بِرٍّ وَّالسَّلَامَةَ مِنْ کُلِّ اِثْمٍ لَاتَدَعْ لِیْ ذَنْبًا اِلَّا غَفَرْتَهٗ وَلَا هَمًّا اِلَّا فَرَّجْتَهٗ وَلَاحَاجَةً هِیَ لَكَ رِضًی اِلَّا قَضَیْتَهَا یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَقَالَ التِّرْمِذِیُّ هٰذَا حَدِیْثٌ غَرِیْبٌ.

حوالہ: ترمذی، ص نمبر ۱۰۹ ج۱، باب ماجاء فی صلاۃ الحاجۃ، کتاب الوتر، حدیث نمبر ۴۷۹، ابن ماجہ، ص نمبر ۹۸ باب ماجاء فی صلاۃ الحاجۃ، کتاب اقامۃ الصلاۃ، حدیث نمبر ۱۳۸۴۔

حل لغات: لیثن، الثناء، باب افعال سے تعریف کرنا، لاتدع، فعل نہی، ودَعَ (ف) ودعًا چھوڑنا ھم، ج ھموم غم، فرجتہ فرّجَ، تفریجًا، کھولنا، قضیتھا، قضی (ض) قضاءً پورا کرنا۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن ابی اوفی سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص کو کوئی حاجت پیش آئے خواہ اللہ تعالیٰ سے کوئی ضرورت پیش آئے یا کسی انسان سے، تو اس کو چاہئے کہ خوب اچھی طرح وضو کرے، پھر دو رکعت نفل پڑھے، پھر اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کرے، اور نبی کریم ﷺ پر درود بھیجے اس کے بعد یہ دعا پڑھے لا الٰہ الا اللّٰہ الحلیم الخ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے، وہ بردبار ہے، معزز ہے، پاک ہے، وہ اللہ جو عرش عظیم کا رب ہے اور تمام تعریفیں اللہ کیلئے ہیں جو سارے جہانوں کا پالنہار ہے، میں آپ سے آپ کی مہربانی واجب کرنے والی چیزوں اور آپ کی بخشش کے ذرائع کا سوال کرتا ہوں، اور ہر نیکی سے فائدہ اٹھانے اور ہر گناہ سے سلامتی کا سوال کرتا ہوں، آپ میرے کسی گناہ کو بخشے بغیر نہ چھوڑیے، اور میری کسی پریشانی کو دور کیے بغیر نہ چھوڑیے، اور میری کسی ضرورت کو جس سے آپ راضی ہوں پورا کیے بغیر مت چھوڑیے، اے سب مہربانوں میں سب سے بڑے مہربان (ترمذی۔ ابن ماجہ) ترمذی نے فرمایا کہ یہ حدیث غریب ہے۔

خلاصۂ حدیث: اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ جب بھی کوئی دینی یا دنیوی ضرورت پیش آئے، وہ ضرورت خدا سے متعلق ہو یا بندہ سے پہلے اچھی طرح وضو کر کے دو رکعت نفل پڑھی جائے، پھر مذکورہ دعا مذکورہ بالا طریقہ سے خوب گڑگڑا کر اللہ تعالیٰ سے کی جائے، تو اللہ تعالیٰ اس کی ضرورت کی تکمیل فرماتے ہیں، یا پھر اس چیز کے نہ ملنے پر اس کے دل کو راضی کرتے ہیں، اور اس دعا کو عبادت بنا کر اس کے نامہ اعمال میں جمع فرماتے ہیں۔

کلمات حدیث کی تشریح: من کان له حاجة، جب بھی کوئی ضرورت پیش آئے تو "صلاۃ الحاجۃ" کا اہتمام کرنا چاہئے، اس نماز کی برکت سے اللہ تعالیٰ حاجت پوری کر دیتے ہیں، اگر بندہ کے حق میں بعینہ وہی چیز مفید نہیں ہوتی، تو اللہ تعالیٰ اس کا بدل عطا فرماتے ہیں، یا پھر اس دعا کو ذخیرہ آخرت بنا دیتے ہیں، بہرحال دعا کرنا رائیگاں نہیں جاتا، اگر حاجت اللہ تعالیٰ سے متعلق ہے تو ا[illegible] سب کرنے سے پہلے نماز حاجت پڑھنے سے اللہ تعالیٰ کی رحمت متوجہ ہوگی، اور اس کا قرب میسر آئے گا اور دعا قبول ہو جائے گی ارشاد باری ہے "یاایھا الذین آمنوا اتقو اللّٰہ وابتغوا الیہ الوسیلة" اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور اس کی طرف وسیلہ [illegible] کرو، یعنی اس کا قرب طلب کرو، اور اس کا قرب نیک اعمال ہی ہیں، لہٰذا آپ ﷺ نے اپنے امتیوں [illegible] فرمائی کہ اللہ تعالیٰ کا دروازہ کھٹکھٹانے سے پہلے اس کے دل کو تمہارے حق میں نرم کر دیں، امور عادیہ میں بندوں سے مدد لینا درست ہے،

بندہ سے حاجت متعلق ہے تو نماز حاجت پڑھنے کے سلسلہ میں "تحفة الالمعی" میں دو حکمتیں لکھی ہیں۔ اگر حاجت کسی بندہ سے متعلق ہے تو اس بندہ کے پاس جانے سے پہلے نماز حاجت پڑھنے میں دو حکمتیں ہیں۔

پہلی حکمت اس صورت میں صلاۃ الحاجہ عقیدۂ توحید کی حفاظت کے لئے ہے، کیونکہ جب بندہ کسی سے کوئی حاجت طلب کرتا ہے تو اس میں یہ احتمال ہوتا ہے کہ وہ غیر اللہ سے استعانت کسی درجہ میں آہی جائز سمجھتا ہے، پس یہ حاجت طلبی اس کے عقیدۂ توحید و استعانت میں خلل انداز ہوگی، توحید استعانت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات پاک کے سوا کسی سے حقیقۃً مدد طلب نہ کرے، (ایاك نستعین) میں اسی توحید استعانت کا بیان ہے جس کو بندہ بار بار ہر نماز کی ہر رکعت میں دھراتا ہے، اس لئے شریعت نے یہ نماز مقرر کی ہے، اور اس کے بعد دعا سکھلائی، تاکہ عقیدۂ توحید میں فساد نہ پیدا ہو، کیونکہ جب حاجت مند نماز پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے دعا کرے گا کہ وہ حاجت روائی کے لئے اس بندے کا دل تیار کریں تو اس کا یہ عقیدہ اور یقین پختہ اور مستحکم ہوگا کہ کرنے والی ذات صرف اللہ کی ہے، وہی کارساز اور کام بنانے والے ہیں، بندے محض واسطہ ہیں بلکہ آلۂ کار ہیں، ان کے اختیار میں کچھ نہیں، سب کچھ اللہ کے ہاتھ میں ہے۔

دوسری حکمت حاجت کا پیش آنا اور اس کی وجہ سے کسی کے دروازے پر دستک دینا ایک دنیاوی معاملہ ہے، شریعت چاہتی ہے کہ یہ دنیا کا معاملہ نیکوکاری کا ذریعہ بن جائے، چنانچہ اس موقع پر نماز اور دعا مشروع کی، تاکہ بندے کی نیکوکاری میں اضافہ ہو۔

حدیث نمبر ۱۲۵۳ ☆☆☆ عالمی حدیث نمبر ۱۳۲۸۔۱۳۲۹

﴿صلاۃ التسبیح پڑھنے کی فضیلت کا ذکر﴾

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ قَالَ لِعَبَّاسِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ یَا عَبَّاسُ یَاعَمَّاہُ اِلَا اُعْطِیْكَ اَلَا اَمْنَحُكَ اَلَا اُخْبِرُكَ اَلَا اَفْعَلُ بِكَ عَشْرَ خِصَالٍ اِذَااَنْتَ فَعَلْتَ ذٰلِكَ غَفَرَاللّٰہُ لَكَ ذَنْبَكَ اَوَّلَہٗ وَاٰخِرَہٗ قَدِیْمَہٗ وَحَدِیْثَہٗ خَطَاءَہٗ وَعَمَدَہٗ صَغِیْرَہٗ وَکَبِیْرَہٗ سِرَّہٗ وَعَلَانِیَتَہٗ اَنْ تُصَلِّیَ اَرْبَعَ رَکَعَاتٍ تَقْرَأُ فِیْ کُلِّ رَکْعَةٍ فَاتِحَةَ الْکِتٰبِ وَسُوْرَةً فَاِذَا فَرَغْتَ مِنَ الْقِرَاءَةِ فِیْ اَوَّلِ رَکْعَةٍ وَاَنْتَ قَائِمٌ قُلْتَ سُبْحَانَ اللّٰہِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ وَلَآاِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ خَمْسَ عَشْرَةَ مَرَّةً ثُمَّ تَرْکَعُ فَتَقُوْلُھَا وَاَنْتَ رَاکِعٌ عَشْرًا ثُمَّ تَھْوِیْ سَاجِدًا فَتَقُوْلُھَا وَاَنْتَ سَاجِدٌ عَشْرًا ثُمَّ تَرْفَعُ رَاْسَكَ مِنَ السُّجُوْدِ فَتَقُوْلُھَا عَشْرًا ثُمَّ تَسْجُدُ فَتَقُوْلُھَا عَشْرًا ثُمَّ تَرْفَعُ رَاْسَكَ فَذٰلِكَ خَمْسٌ وَّسَبْعُوْنَ فِیْ کُلِّ رَکْعَةٍ تَفْعَلُ ذٰلِكَ فِیْ اَرْبَعِ رَکَعَاتٍ اِنِ اسْتَطَعْتَ اَنْ تُصَلِّیَھَا فِیْ کُلِّ یَوْمٍ مَرَّةً فَافْعَلْ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَفِیْ کُلِّ جُمُعَةٍ مَرَّةً فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَفِیْ کُلِّ شَھْرٍ مَّرَّةً فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَفِیْ کُلِّ سَنَةٍ مَرَّةً فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَفِیْ عُمْرِكَ مَرَّةً رَوَاہُ اَبُوْدَاوٗدَ وَابْنُ مَاجَةَ وَالْبَیْھَقِیُّ فِی الدَّعْوَاتِ الْکَبِیْرِ وَرَوَی التِّرْمِذِیُّ عَنْ اَبِیْ رَافِعٍ نَحْوَہٗ.

حوالہ: ابو داؤد ص نمبر ۱۸۳۔۱۸۴ ج ۱ باب صلاۃ التسبیح، کتاب التطوع، حدیث نمبر ۱۲۹۷، ابن ماجہ، ص نمبر ۹۹ باب ماجاء فی صلاۃ التسبیح، کتاب اقامۃ الصلاۃ، حدیث نمبر ۱۳۸۶۔

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب سے فرمایا کہ اے عباس! اے میرے چچا کیا میں آپؓ کو نہ دوں؟ کیا میں آپ کو عطا نہ کروں؟ کیا میں آپکو نہ بتاؤں؟ کیا میں آپکو دس خصلتوں کا مالک نہ بناؤں؟ آپ اگر انکو اختیار کریں تو اللہ تعالیٰ آپکے اگلے اور پچھلے پرانے اور نئے، ارادۃً کئے ہوئے، یا بلا ارادہ سہواً کیے ہوئے، چھوٹے اور بڑے، پوشیدہ اور ظاہر تمام گناہوں کو بخش دے، آپ چار رکعت نماز پڑھیے کہ ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ اور کوئی دوسری سورت پڑھیے، جب آپ پہلی رکعت میں قرأت سے فارغ ہو جائیں تو کھڑے کھڑے پندرہ مرتبہ یہ کلمات کہیے "سبحان اللہ و لا الہ الا اللہ و اللہ اکبر" پھر رکوع میں جائیے اور رکوع میں یہ تسبیح دس مرتبہ کہیے پھر رکوع سے سر اٹھائیے اور (قومہ میں) دس مرتبہ یہ تسبیح پڑھیے، پھر سجدہ میں جائیے اور یہ تسبیح دس

مرتبہ پڑھیے، پھر اپنا سر سجدہ سے اٹھائیے اور دس مرتبہ یہ تسبیح پڑھیے یہ کل پچھتر تسبیحات ہیں ہر رکعت میں اسی طرح چاروں رکعت میں کیجئے ، اگر آپ اس نماز کو روزانہ پڑھنے پر قدرت رکھتے ہوں تو روزانہ پڑھیے، نہ پڑھ سکیں تو ہفتہ میں ایک مرتبہ پڑھیے، اگر ہفتہ میں نہ پڑھ سکیں تو مہینہ میں ایک مرتبہ پڑھیے، اگر ایک مہینہ میں نہ پڑھیے سکیں تو سال میں ایک مرتبہ پڑھیئے اور اگر سال میں نہ پڑھ سکیں تو عمر بھر میں ایک مرتبہ پڑھ لیجئے، (ابوداؤد، ابن ماجہ، بیہقی فی الدعوات الکبیر) اور ترمذی نے اسی طرح کی حدیث حضرت ابورافع سے روایت کی ہے

خلاصۂ حدیث اس حدیث میں صلاۃ التسبیح کی فضیلت اور اس کے ادا کرنے کا طریقہ مذکور ہے، یہ بہت زیادہ ثواب کی باعث نماز ہے، اس میں کل چار رکعات ہیں، ہر رکعت میں پچھتر مرتبہ "سبحان اللہ الخ" تسبیح پڑھی جائے گی، جس کی مجموعی تعداد تین سو پہنچے گی، اس نماز کے ادا کرنے کے دو طریقہ ہیں، (۱) وہ طریقہ جو حدیث باب میں مذکور ہے (۲) دوسرا طریقہ یہ ہے کہ نیت باندھ کر ثنا کے بعد پندرہ مرتبہ تسبیح پڑھی جائے، پھر اعوذ باللہ اور قرأت کے بعد رکوع سے پہلے دس مرتبہ، پھر رکوع میں دس مرتبہ پھر رکوع سے کھڑے ہو کر قومہ میں دس مرتبہ، پھر سجدہ میں دس مرتبہ، پھر سجدہ سے اٹھ کر جلسہ میں دس مرتبہ، پھر سجدۂ ثانیہ میں دس مرتبہ پڑھ کر بغیر بیٹھے اللہ اکبر کہکر کھڑا ہو جائے، تو ایک رکعت میں ۷۵ مرتبہ تسبیح ہوئی اور اس طرح چار رکعات پوری کرے تو کل تین سو مرتبہ تسبیح کی تعداد ہوگی۔

کلماتِ حدیث کی تشریح **الا افعل بك عشر خصال** کیا میں آپ کو دس خصلتوں کا مالک نہ بنادوں؟ مطلب یہ ہے کہ میں ایسی چیز آپ کو کیا نہ سکھاؤں کہ جس کا فائدہ یہ ہے کہ اس سے دس قسم کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ (۱) اوّلہ (۲) اخرہ (۳) قدیمہ (۴) حدیثہ (۵) خطأہ (۶) عمدہ (۷) صغیرہ (۸) کبیرہ (۹) سرہ (۱۰) علانیتہ، یعنی اس نماز کی برکت سے اگلے پچھلے، پرانے نئے، عمداً خطاً، چھوٹے، بڑے، پوشیدہ اور ظاہر تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں، یا پھر عشر خصال، سے عشرۃ تسبیحات مراد ہیں، اس وجہ سے کہ قیام کے علاوہ باقی تمام ارکان میں دس مرتبہ ہی مذکورہ تسبیحات پڑھنا ہیں، اور چوں کہ کثرت سے اس نماز میں تسبیح پڑھی جاتی ہے، اس لیے اس نماز کا نام صلاۃ التسبیح ہے (مرقات ص نمبر ۲۱۴ ج ۳) ابن الجوزی نے صلاۃ التسبیح کا انکار کیا ہے، اور صلاۃ التسبیح سے متعلق احادیث کو موضوع کہا ہے، لیکن ابن الجوزی کی بات صحیح نہیں، سلف وخلف اس نماز کی مشروعیت پر متفق ہیں، ابن الجوزی سے پہلے کسی نے اس نماز کا انکار نہیں کیا، حافظ ابن حجرؒ وغیرہ نے ابن الجوزی کا شدید تعاقب کیا ہے، تفصیل کے لئے (بذل المجہود دیکھیں)

حدیث نمبر ۱۳۵۴ ﴿نوافل پڑھنے کا فائدہ﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۳۳۰۔۱۳۳۱

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ یَقُوْلُ اِنَّ اَوَّلَ مَایُحَاسَبُ بِهِ الْعَبْدُ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ مِنْ عَمَلِهٖ صَلٰوتُهٗ فَاِنْ صَلُحَتْ فَقَدْ اَفْلَحَ وَنَجَحَ وَاِنْ فَسَدَتْ فَقَدْ خَابَ وَخَسِرَ فَاِنِ انْتَقَصَ مِنْ فَرِیْضَتِهٖ شَیْءٌ قَالَ الرَّبُّ تَبَارَكَ وَتَعَالٰی انْظُرُوْا هَلْ لِعَبْدِیْ مِنْ تَطَوُّعٍ فَیُكَمَّلُ بِهَا مَاانْتَقَصَ مِنَ الْفَرِیْضَةِ ثُمَّ یَكُوْنُ سَآئِرُ عَمَلِهٖ عَلٰی ذٰلِكَ وَفِیْ رِوَایَةٍ ثُمَّ الزَّكٰوةُ مِثْلَ ذٰلِكَ ثُمَّ تُؤْخَذُ الْاَعْمَالُ عَلٰی حَسْبِ ذٰلِكَ رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ ورواه اَحْمَدُ عَنْ رَّجُلٍ.

حوالہ: ابو داؤد، ص نمبر ۱۲۶، ج ۱ باب قول النبی ﷺ کل صلاۃ الخ، کتاب للصلاۃ.

ترجمہ: حضرت ابو [illegible] روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ قیامت کے دن بندے کے اعمال میں سے سب سے پہلے اس کی [illegible]ز کے بارے میں حساب لیا جائے، چنانچہ اگر نماز درست ہوئی تو وہ کامیاب وکامران ہوگا اور اگر نماز میں کمی ہوئی تو وہ ناکام و[illegible] ہوگا، چنانچہ اگر اس کی فرض نماز میں کوئی کمی ہوگی تو اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرمائیں گے میرے بندے کے نامہ اعمال میں دیکھو[illegible] نفل نمازیں بھی ہیں؟ چنانچہ نوافل کے ذریعہ سے فرائض کی کمی پوری کردی جائے گی۔ پھر اس کے بقیہ تمام اعمال کا حساب بھی اسی طرح ہوگا، ایک روایت میں ہے کہ پھر اسی طرح زکاۃ کا حساب ہوگا، پھر بقیہ اعمال کا حساب اسی قاعدہ کے موافق ہوگا۔

(ابوداؤد، اور احمد نے اس روایت کو ایک شخص سے روایت کیا ہے)

خلاصۂ حدیث اس حدیث سے نوافل کی اہمیت سمجھ میں آرہی ہے، کہ بندہ کے ذمہ جو فرائض ہیں جب ان میں کسی جہت سے کوئی خامی رہ جائے گی، مثلاً فرض نماز خشوع وخضوع اور آداب کے اعتبار سے اس لائق نہیں کہ اس کو قبول کیا جائے لیکن اگر ساتھ میں نوافل بھی رکھی ہیں تو یہ کمی نوافل سے پوری کر کے اس نماز کو قبولیت کے لائق بنا دیا جائے، یہی معاملہ روزہ، زکاۃ اور دیگر تمام فرائض کا ہے، لہٰذا بندگانِ خدا کو اللہ تعالیٰ کی اس رحمت سے خوب فائدہ اٹھانا چاہئے اور کثرت سے نوافل کا اہتمام کرنا چاہئے نفلی نماز، نفلی روزہ، نفلی صدقات، سب کا خوب اہتمام کرنا چاہئے، یہ درحقیقت فرائض کے مکملات ہیں۔

کلماتِ حدیث تشریح اول مایحاسب به العبد یوم القیامة بندوں کے اعمال میں سب سے پہلے نماز کا حساب ہوگا، کیوں کہ نماز ام العبادات ہے۔

تعارض: اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ سب سے پہلے نماز کا حساب ہوگا، جب کہ بخاری شریف کی روایت ہے کہ ''اول ما يقضى بين الناس يوم القيامة الدماء'' یعنی قیامت کے دن سب سے پہلے خون اور قصاص کا فیصلہ ہوگا۔

دفع تعارض: یہ ظاہری تعارض ہے، اسکے کئی جواب دیے گئے ہیں، (۱) حدیث باب کا تعلق حقوق اللہ سے ہے، اور بخاری کی جو روایت یہاں ذکر کی گئی ہے اسکا تعلق حقوق العباد سے ہے، تو اب دونوں کیطرف اولیت کی نسبت صحیح ہے، اسلئے کہ دونوں الگ الگ اعتبار سے ہے، حقوق اللہ میں سے پہلے نماز کا حساب ہوگا اور حقوق العباد میں سب سے پہلے خون اور قصاص کا فیصلہ ہوگا، (۲) حدیث باب میں ''محاسبہ'' کا ذکر ہے اور بخاری کی روایت میں ''قضاء'' کا ذکر ہے اور دونوں میں فرق ہے دونوں حدیثوں میں یوں تطبیق ہوگی کہ حساب سب سے پہلے نماز کا ہوگا، لیکن فیصلہ سب سے پہلے خون اور قصاص کا ہوگا (۳) بعض وہ عبادت ہیں جن کے کرنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے اور بعض وہ اعمال ہیں جن کی اللہ تعالیٰ نے ممانعت فرمائی ہے، تو عبادات کے ترک کرنے پر سب سے پہلے نماز کے حوالے سے سوال ہوگا اور سیئات پر عمل کرنے کے حوالے سے سب سے پہلے قتل کرنے کے بابت مؤاخذہ ہوگا لہٰذا دونوں میں کوئی تعارض نہیں ہے۔

سوال: فی نفسہ حقوق اللہ کا پہلے مواخذہ ہوگا یا حقوق العباد کا، یعنی الگ الگ اعتبار سے دونوں کی طرف اولیت کی نسبت صحیح ہے، لیکن ان دونوں میں کون مقدم ہے؟

جواب: احادیث کے ظاہر سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ پہلے حقوق اللہ کا محاسبہ ہوگا، پھر حقوق العباد کا محاسبہ ہوگا، فان انتقص من فریضته اگر فرض میں کچھ نقصان ہے تو نوافل سے اس کو پورا کر دیا جائیگا، بعض لوگ کہتے ہیں کہ نقصان سے مراد خشوع وخضوع یا آداب کا نقصان ہے نفسِ صلاۃ کا نقصان مراد نہیں ہے، جبکہ بعض دوسرے لوگ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت وسیع ہے اگر مطلقاً فرض پڑھنا رہ گیا ہوگا تو بھی اللہ تعالیٰ نوافل سے اس نقصان کو پورا فرما دیں گے۔

حدیث نمبر ۱۲۵۵ ﴿نماز کی عظمت﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۳۳۲

وَعَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَاأَذِنَ اللّٰهُ لِعَبْدٍ فِیْ شَیْءٍ اَفْضَلَ مِنْ رَكْعَتَيْنِ يُصَلِّيْهِمَا وَاِنَّ الْبِرَّ لَيُذَرُّ عَلٰی رَاْسِ الْعَبْدِ مَادَامَ فِیْ صَلٰوتِهٖ وَمَا تَقَرَّبَ الْعِبَادُ اِلَی اللّٰهِ بِمِثْلِ مَاخَرَجَ مِنْهُ يَعْنِی الْقُرْاٰنَ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِیُّ.

حواله: مسند احمد، ص نمبر ۲۶۸، ج۵ ترمذی، ص نمبر ۱۱۹ ج۲ باب کتاب فضائل القرآن، حدیث نمبر ۲۹۱۱۔

ترجمه: حضرت ابوامامہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ بندہ کی کسی چیز کی طرف اتنا متوجہ نہیں ہوتا جتنا اس

کے دو رکعت پڑھنے کی طرف ہوتا ہے، بلاشبہ بندہ جب تک نماز پڑھتا رہتا ہے، اس کے سر پر نیکی چھڑکی جاتی رہتی ہے، اور بندہ کسی چیز سے اللہ کا اتنا تقرب نہیں حاصل کر پاتا جتنا وہ اس سے نکلی ہوئی چیز یعنی قرآن سے حاصل کرتا ہے۔ (مسند احمد، ترمذی)

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ نماز تمام عبادتوں میں سب سے افضل عبادت ہے، لہٰذا اللہ تعالیٰ نمازی کے اوپر خصوصی فضل فرماتے ہیں، اور چوں کہ قرآن مجید اللہ کا کلام ہے، لہذا کلام اللہ سے شغف رکھنے والے کو اللہ تعالیٰ کا خصوصی قرب میسر آتا ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح ما اذن اللہ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مہربانی، رحمت اور رضا کیساتھ خصوصی توجہ نمازی کی طرف مبذول فرماتے ہیں، نمازی کی طرف غایتِ توجہ کی وجہ نماز کا افضل عبادت ہوتا ہے، جیسا کہ روایت میں آتا ہے کہ "الصلاۃ خیر موضوع" یعنی اللہ تعالیٰ نے جتنی بھی خیر کی ایسی چیزیں بنائی ہیں جن سے اللہ کا تقرب حاصل کیا جائے ان میں سب سے بہتر نماز ہے، وما تقرب العباد مطلب یہ ہے کہ تمام اذکار جو وقت اور زمانے کے ساتھ مخصوص نہیں ہیں ان میں سب سے بہتر قرآن مجید کا پڑھنا ہے، یعنی القرآن یہ کلمات راوی کے ہیں، جو انہوں نے وضاحت کے لیے ذکر کیے ہیں۔

باب صلوۃ السفر

﴿مسافر کی نماز کا بیان﴾

سفر کے لغوی معنی آتے ہیں قطع مسافت کے لیکن اس سے مراد وہ سفر شرعی ہے جس میں قصر کی اجازت ہو اور وہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ۴۸ میل ہے، سفر کے ارادے سے جب کوئی شخص نکلے اور وہ شخص شہر کی آبادی اور فنار شہر سے باہر نکل جائے تو اب وہ رباعیہ نماز میں قصر کرے گا قصر شریعت کی جانب سے ایک سہولت ہے، جس کا تمام شریعتوں میں لحاظ کیا گیا ہے اور جس کے ذریعہ شریعت کی تکمیل ہوتی ہے تا کہ مکلف بندے حسب استطاعت عبادتیں کر سکیں جیسے مریض اور معذور کے لئے بیٹھ کر نماز پڑھنے کی اجازت، بیمار یا پانی پر قدرت نہ رکھنے والے کے لئے تیمم کی اجازت اسی طرح مسافر کے لئے قصر کا حکم ہے، سفر میں بالعموم دشواری اور پریشانی لاحق ہوتی ہے، اسی لئے کہا جاتا ہے السفر سَقَرٌ سفر تکلیف میں نمونہ دوزخ ہے اس لئے شارع نے مسافر کو چند سہولتیں دی ہیں (۱) رباعی نماز میں قصر کرنا (۲) رمضان میں افطار کرنا یعنی روزے نہ رکھنا (۳) ظہر اور عصر اور مغرب وعشاء کو جمع کرنا (۴) سنن مؤکدہ نہ پڑھنا (۵) نوافل سواری پر ادا کرنا وغیرہ۔ قرآن کریم میں فرمایا گیا ہے **واذا ضربتم فی الارض فلیس علیکم جناح ان تقصروا من الصلوۃ ان خفتم ان یفتنکم الذین کفروا** (سورۃ النساء) جب تم زمین میں سفر کرو تو تم پر کوئی گناہ نہیں کہ تم نماز کو کم کرو، اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ کافر تم کو پریشان کریں گے یہ قصر امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک واجب ہے اور ائمہ ثلاثہ قصر و اتمام دونوں کے جواز کے قائل ہیں۔

حضرت یعلی بن امیہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ آیت کریمہ میں تو قصر کرنے کے لئے خوف فتنہ کی قید ہے اور اب تو امن و امان ہو گیا ہے پھر قصر کیوں کیا جاتا ہے؟ حضرت عمرؓ نے فرمایا: مجھے بھی اس بات پر حیرت ہوئی تھی، جس پر تمہیں حیرت ہو رہی ہے اور میں نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا تھا تو آپ ﷺ نے فرمایا (قصر) ایک خیرات ہے جو اللہ تعالیٰ نے تم کو دی ہے، پس ان کی خیرات قبول کرو، (رواہ مسلم، مشکوۃ شریف) اصول فقہ کا ضابطہ ہے ایسی چیز کا صدقہ جس میں احتمال رد نہ ہو اسقاط محض ہوتا ہے یعنی جس میں مالک بنانا ممکن نہ ہو، اس چیز کو صدقہ کرنا اسقاط محض ہوتا ہے، لہٰذا قصر صلوۃ اسقاط محض ہے اور جو چیز اسقاط کے قبیل سے ہو وہ بندہ کے قبول کرنے پر موقوف نہیں ہوتی، بلکہ بندہ قبول کرے یا نہ کرے دونوں صورتوں میں وہ چیز بندے سے ساقط ہو جاتی ہے جیسے عفو عن القصاص اسقاط محض ہے جب مقتول کے اولیاء قصاص معاف کر دیں تو قاتل معاف ہو جائے گا خواہ قاتل قبول کرے یا نہ کرے

خلاصہ یہ کہ اگر مسافر قصر صلاۃ کو رد کرتے ہوئے اکمال کرے تو یہ جائز نہ ہوگا اس لئے کہ قصر اسقاط محض ہے اس میں رد کا احتمال نہیں ہے۔

الفصل الاول

حدیث نمبر ۱۲۵۶ ﴿نماز عصر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا قصر کرنا﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۳۳۳

عَنْ اَنَسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ صلی الظُّهْرَ بِالْمَدِيْنَةِ اَرْبَعًا وَّصَلَّى الْعَصْرَ بِذِى الْحُلَيْفَةِ رَكْعَتَيْنِ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حواله: بخاری، ص نمبر ۱۴۸ ج ۱ باب يقصر الصلاة اذا خرج من موضعه، كتاب تقصير الصلاة، حديث نمبر ۱۰۸۹، مسلم، ص نمبر ۲۴۲ ج ۱ باب صلاة المسافرين وقصرها، كتاب صلاة المسافرين، حديث نمبر ۶۹۰

توجمه: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ظہر کی چار رکعت نماز مدینہ میں پڑھی، اور عصر کی نماز دو رکعت ذو الحلیفہ میں پڑھی، (بخاری و مسلم)

خلاصۂ حدیث شریعت نے سفر شرعی کے درمیان نماز میں قصر کرنے کا حکم دیا ہے، یعنی چار رکعت والی نماز دو رکعت ادا کی جائے، جو شخص سفر شرعی کے ارادہ سے نکلا تو جوں ہی وہ آبادی سے باہر ہوگا، وہ نماز میں قصر کرے گا، حضرت نبی ﷺ مدینہ میں مقیم تھے لہٰذا جب آپ ﷺ نے مدینہ سے مکہ کا ارادہ سفر حج کی غرض سے کیا، تو مدینہ میں ظہر کی نماز پوری چار رکعت ادا کی، لیکن مدینہ سے نکل کر جب مقامِ ذوالحلیفہ پہنچے جو کہ مدینہ سے تقریباً ۳ میل کے فاصلہ پر ہے، وہاں آپ ﷺ نے عصر کی نماز ادا کی تو قصر فرمایا، یعنی صرف دو رکعت نماز پڑھی۔

کلمات حدیث کی تشریح صلی الظهر بالمدينة اربعًا جس دن آپ ﷺ نے حج یا عمرہ کی غرض سے مکہ جانے کا ارادہ کیا، اس دن بھی مدینہ میں آپ ﷺ نے ظہر کی نماز چار رکعت ہی ادا کی، وصلى العصر بذى الحليفة ذوالحلیفہ مدینہ والوں کے لئے میقات ہے، مدینہ سے تقریباً تین میل کے فاصلہ پر ہے، یہاں پہنچ کر آپ نے عصر کی نماز دو رکعت ادا کی، اس وجہ سے کہ یہ مقام شہر سے نکل کر ہے۔

قصر کا حکم اور اختلاف ائمہ چار رکعت والی نماز میں بحالتِ سفر جواز قصر میں کسی کا اختلاف نہیں ہے، سب اس کے جواز پر متفق ہیں، البتہ اس بارے میں اختلاف ہے کہ قصر کی حیثیت کیا ہے؟

امام ابو حنیفہؒ کا مذهب: امام صاحب کے نزدیک قصر واجب ہے، اور یہی عزیمت ہے اگر چہ مجازاً اس کو رخصت کہا جاتا ہے۔

دلیل: فصل ثالث میں حضرت عائشہؓ کی روایت ہے کہ فرضت الصلاة ركعتين ثم هاجر رسول الله ﷺ ففرضت اربعًا وتركت صلاة السفر على الفريضة الاولى حضرت عائشہؓ روایت کرتی ہیں کہ ابتداء دو رکعت نماز فرض کی گئی تھی، پھر جب رسول اللہ ﷺ نے ہجرت فرمائی تو چار رکعت نماز فرض کردی گئی اور سفر کی نماز میں پہلے فریضہ کو باقی رکھا گیا اس روایت سے یہ بات معلوم ہوئی کہ سفر میں دو رکعت نماز تخفیف کی بنا پر نہیں ہے، بلکہ فریضۂ اصلیہ دو رکعت ہی ہے، لہٰذا دورانِ سفر دو رکعت نماز پڑھنا عزیمت ہے رخصت نہیں ہے، امام صاحب کے نقطۂ نظر پر اس کے علاوہ بہت سے دلائل ہیں بعض احادیث اسی باب کے تحت ہیں یہاں سب کو جمع نہیں کیا جا رہا ہے، جو احادیث اس نقطۂ نظر کی مؤید اس باب میں ہیں ان کے ذیل میں یہ بات نقل کردی جائے گی کہ یہ امام ابوحنیفہؒ کی دلیل ہے۔

ائمہ ثلاثہ کا مذهب: امام مالکؒ امام شافعیؒ امام احمدؒ وغیرہ کے نزدیک قصر و اتمام دونوں جائز ہیں، البتہ قصر افضل ہے، امام شافعیؒ بعض مقامات پر قصر کو افضل کہتے ہیں بعض مقام پر اتمام کو افضل کہتے ہیں بہر حال ان کے یہاں قصر رخصت ہے، عزیمت نہیں ہے، اور اس پر عمل کرنا لازم نہیں ہے۔

دلیل: قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے، واذا ضربتم فی الارض فليس عليكم جناحٌ ان تقصروا من الصلاة" یہاں

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ دورانِ سفر اتمام چھوڑ کر قصر کرنے میں جناح یعنی گناہ نہیں ہے، اور گناہ کی نفی اباحت کی دلیل ہے، نہ کہ وجوب کی، لہٰذا قصر کرنا جائز ہے نہ کہ واجب۔

جواب: اوّلاً تو یہ آیت قصر فی السفر سے متعلق نہیں ہے، بلکہ صلاۃ الخوف، کے بارے میں ہے، جیسا کہ آگے ''ان خفتم ان یفتنکم الذین کفروا'' سے معلوم ہو رہا ہے، اور اگر اس سے قصر فی السفر مراد ہو تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ تعبیر اس لئے اختیار کی گئی ہے کہ مسلمان دوران سفر رکعات کم کرنے کو گناہ سمجھتے تھے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا اس میں گناہ نہیں ہے، جیسا کہ سعی بین الصفا والمروہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک واجب ہے، بعض ائمہ کے نزدیک فرض ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ **فمن حج البیت او اعتمر فلا جناح علیہ ان یطوف** یہاں گناہ کی نفی سے یہ مطلب نہیں کہ سعی بین الصفا والمروہ صرف جائز ہے، بلکہ گناہ کی نفی اس لئے کی کہ بعض مسلمان سمجھتے تھے کہ سعی بین الصفا والمروہ جائز نہیں ہے، کیوں کہ زمانۂ جاہلیت میں وہاں بت رکھے ہوئے تھے اور کفار بتوں سے تقرب کی غرض سے سعی بین الصفا والمروہ کیا کرتے تھے، ائمہ ثلاثہ اپنے نقطۂ نظر پر احادیث سے بھی استدلال کرتے ہیں چند احادیث اس باب کے تحت بھی مذکور ہیں ان کے جواب ہم احادیث کے ذیل میں نقل کریں گے۔

یہ حضرات نماز کو روزے پر قیاس کر کے کہتے ہیں کہ جس طرح دورانِ سفر روزہ رکھنا عزیمت اور ترک کرنا رخصت ہے اسی طرح نماز کا معاملہ بھی ہے کہ اتمام عزیمت اور قصر رخصت ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ نماز کو روزہ پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے کیوں کہ سفر میں روزہ نہ رکھنے کی صورت میں قضا لازم ہے، یہ اس بات کی علامت ہے کہ دورانِ سفر روزہ رکھنا ہی عزیمت ہے، جبکہ دورانِ سفر قصر کی ہوئی نماز کی بعد میں تکمیل نہیں ہے، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ دورانِ سفر شفعۂ ثانیہ سرے سے واجب ہی نہیں ہے، لہٰذا اتمام کو عزیمت نہیں کہا جا سکتا اور روزہ کو نماز پر قیاس کرنا درست نہیں ہے، رخصت و عزیمت کی تعریف کے لئے حدیث نمبر ۱۱۷۸ دیکھیں۔

حدیث نمبر ۱۲۵۷ ﴿سفر میں حالت اطمنان میں بھی قصر ہے﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۳۳۴

وَعَنْ حَارِثَةَ بْنِ وَهْبِ الخُزَاعِيِّ قَالَ صَلَّى بِنَا رَسُوْلُ اللهِ ﷺ وَنَحْنُ أَكْثَرُ مَا كُنَّا قَطُّ وَآمَنَهُ بِمِنًى رَكْعَتَيْنِ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حوالہ: بخاری، ص نمبر ۱۴۷ ج ۱، باب ماجاء فی التقصیر الخ کتاب تقصیر الصلاۃ، حدیث نمبر ۱۰۸۳، مسلم، ص نمبر ۲۴۳ ج ۱ باب صلاۃ المسافرین وقصرھا، کتاب صلاۃ المسافرین، حدیث نمبر ۶۹۰۔

ترجمہ: حضرت حارثہ بن وہب خزاعیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں منیٰ میں دو رکعت نماز پڑھائی جب کہ ہم وہاں اتنی بڑی تعداد میں تھے کہ اس قدر کبھی نہ تھے اور ہم پوری طرح مامون تھے (بخاری و مسلم)

خلاصۂ حدیث چوں کہ منیٰ میں آپ ﷺ مسافر شرعی تھے، اس وجہ سے آپ ﷺ نے قصر کیا اور چار رکعت والی نماز دو رکعت پڑھائی اس حدیث سے اس بات کی صراحت بھی ہوگئی کہ نماز میں قصر کے لئے یہ شرط نہیں کہ سفر پُر خطرہ ہو تب ہی قصر کی اجازت ہے، سفر شرعی ہو، چاہے وہ ہر طرح باعث اطمنان ہو آدمی قصر کرے گا۔

کلمات حدیث کی تشریح **وآمنہ** اصل بات یہ ہے کہ قرآن کریم کی آیت ''**ان تقصروا من الصلاۃ إن خفتم أن یفتنکم** الخ'' اس سے بظاہر یہ بات معلوم ہو رہی ہے سفر شرعی میں قصر کیلئے دشمن کا خوف ضروری ہے، اگر دشمن کا خوف نہیں ہے تو قصر کی اجازت نہیں ہے، اس حدیث سے اسی بات کی وضاحت کی جا رہی ہے یعنی نزولِ آیات کے وقت سفر پُر خطر ہوا کرتے تھے اس کا بیان ہے، یہ مقصد قطعاً نہیں کہ جب سفر میں دشمن کا خطرہ ہو تب ہی قصر کرو، حدیث باب میں راوی نے صاف طور پر یہ بات ذکر کی آپ ﷺ نے منی میں قصر فرمایا، حالانکہ وہاں مکمل طور پر اطمینان تھا، دشمن سے کسی قسم کا کوئی خدشہ و خطرہ لاحق نہیں تھا،

بخاری شریف کے اسی باب میں ایک روایت ہے جس میں اس بات کی مزید صراحت ہے کہ منی میں نہ صرف رسول اللہ ﷺ نے قصر صلاۃ کیا بلکہ حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر وغیرہ نے بھی کیا **عن عبداللہ قال صلیت مع النبی ﷺ بمنی رکعتین وابی بکر وعمر ومع عثمان صدراً من امارتہ ثم اتمھا** " (حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا کہ میں نے نبی کریم ﷺ اور حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے ساتھ منی میں (چار رکعت والی نماز) دو رکعت ہی پڑھی، پھر بعد میں انہوں نے پوری نماز پڑھی) چونکہ حضرت عثمان نے بعد میں مکہ میں شادی کر لی تھی اور وہاں گھر بنالیا تھا، لہٰذا وہ مسافرِ شرعی نہ ہونے کی بنا پر منی میں قصر نہیں کرتے تھے۔

حدیث نمبر ۱۲۵۸ ﴿قصر صلاۃ اللہ کا انعام ہے﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۳۳۵

وَعَنْ یَعْلَی ابْنِ اُمَیَّۃَ قَالَ قُلْتُ لِعُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ اِنَّمَا قَالَ اللّٰہُ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوۃِ اِنْ خِفْتُمْ اَنْ یَّفْتِنَکُمُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا فَقَدْ اَمِنَ النَّاسُ قَالَ عُمَرُ عَجِبْتُ مِمَّا عَجِبْتَ مِنْہُ فَسَاَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ فَقَالَ صَدَقَۃٌ تَصَدَّقَ اللّٰہُ بِھَا عَلَیْکُمْ فَاقْبَلُوْا صَدَقَتَہٗ رَوَاہُ مُسْلِمٌ۔

حوالہ: مسلم، ص نمبر ۲۴۱ ج ۱، باب صلاۃ المسافرین، کتاب صلاۃ المسافرین، حدیث نمبر ۶۸۶۔

ترجمہ: حضرت یعلی بن امیہ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت عمر بن خطاب سے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ "**ان تقصروا من الصلاۃ إن خفتم الخ**" نماز میں قصر کرو اگر تم کو اس بات کا خوف ہے کہ کافر لوگ تم کو فتنہ میں ڈال دیں گے، اب تو لوگ حالت اطمنان میں ہیں؟ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ مجھے بھی اس چیز پر تعجب ہوا جس پر تم کو تعجب ہو رہا ہے، چنانچہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا، آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ ایک صدقہ ہے، جو اللہ تعالیٰ نے تم لوگوں پر صدقہ کیا ہے، لہٰذا اللہ تعالیٰ کے صدقہ کو قبول کرو (مسلم)

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ قرآن مجید کی آیت "**واذا ضربتم فی الارض الخ**" سے بظاہر یہ بات معلوم ہو رہی ہے کہ "**قصر فی الصلاۃ**" اس وقت ہے جب کہ مسافر کو دشمن سے خطرہ ہو، اور اگر خطرہ نہیں ہے، تو **قصر فی الصلاۃ** کی گنجائش نہیں ہے، حالانکہ آپ ﷺ کا عمل یہ تھا کہ آپ ﷺ مسافر شرعی ہوتے تو قصر فرماتے خواہ دشمن کا خوف ہو یا نہ ہو، یہی معمول حضراتِ صحابہ کرام کا تھا، حضرت یعلی کو اس بات پر تعجب تھا، چنانچہ انہوں نے حضرت عمرؓ سے عرض کیا حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ مجھے بھی اس امر پر حیرت تھی، چنانچہ میں نے آپؐ کی خدمت میں یہ سوال پیش کیا، تو آپ ﷺ نے جواب مرحمت فرمایا کہ قصر کا حکم درحقیقت اس امت پر اللہ کا انعام ہے، یہ حکم نازل تو اس وقت ہوا تھا جب کہ دشمن کا خطرہ لاحق تھا، مگر اب خوف وخطر کے خاتمہ کے باوجود اللہ تعالیٰ نے اس احسان کو باقی رکھا، لہٰذا تم لوگ اس صدقہ کو قبول کرو یعنی مسافرِ شرعی ہونے کے وقت قصر کرو خواہ دشمن کا ڈر ہو یا نہ ہو۔

کلماتِ حدیث کی تشریح **فقدا من الناس** قصر کا حکم اس وقت تھا جب کہ کافروں کی جانب سے خدشہ تھا، اب تو جزیرۃ العرب میں اسلام کا جھنڈا بلند ہے، جزیرۃ العرب میں کوئی کافر قبیلہ نہیں ہے، ہر طرف امن وامان ہے پھر قصر کیوں کیا جاتا ہے؟ اصل بات یہ ہے کہ قصر کا حکم جس قید کے ساتھ وابستہ ہے، وہ قید اتفاقی ہے، احترازی نہیں ہے، یا پھر یہ ان اشیاء میں سے ہے جن میں کسی سبب کی بنا پر حکم مشروع تھا، لیکن سبب ختم ہونے کے بعد بھی حکم باقی رہا، اور وہ قید یا سبب دشمن کا خوف ہے، جیسے مشرکین کے سامنے شجاعت کے اظہار کے لئے طواف رمل شروع تھا، اب یہ سبب ختم ہو گیا لیکن "رمل" باقی ہے عینی میں اس آیت کے حوالے سے یہ بات بھی منقول ہے کہ آیت میں دو قسم کے قصر کا بیان ہے (۱) قصر الارکان بصورۃ التخفیف (اس کی وضاحت صلاۃ الخوف میں آئے گی) (۲) قصر العدد بنقصان رکعتین، پھر یہ قصر دو شرطوں کے ساتھ مشروط ہے (۱) سفر شرعی (۲) خوف دشمن ثواب چار صورتیں ہو گئیں گر دونوں شرطیں ہوں گی تو دونوں طرح کا قصر ہوگا اور اگر کوئی شرط نہیں ہے تو کسی قسم کا قصر نہ ہوگا اگر صرف خوف ہے تو صرف قصرِ ارکان بصورۃ التخفیف ہوگا اور اگر صرف سفر کی شرط ہے تو صرف قصر العدد بنقصان رکعتین یعنی قصر فی الصلاۃ ہوگا۔ (عینی ص نمبر

۳۴۴ ج ۳)صدقة حضرت عمرؓ نے حضرت یعلیٰ سے کہا کہ جو سوال تم کر رہے ہو وہ میں نبی ﷺ سے کر چکا ہوں آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ کافروں کا اندیشہ نہ ہو پھر بھی قصر ہے، اس وجہ سے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے صدقہ ہے اور سخی اور عظیم کی خیرات قبول کرنا ہی بہتر ہے، معلوم ہوا کہ قصر فی الصلاۃ سفر شرعی کے دوران واجب ہے، کیوں کہ قصر نہ کرنے والا گویا کہ اللہ کی خیرات کو رد کرتا ہے، یہ حدیث **قصر فی الصلاة** کے وجوب پر امام صاحب کی دلیل ہے

حدیث نمبر ۱۲۵۹ ☆☆☆ عالمی حدیث نمبر ۱۳۳۶

﴿مسافر کتنی مدت قیام کرنے پر پوری نماز پڑھے﴾

وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ خَرَجْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ مِنَ الْمَدِيْنَةِ اِلٰى مَكَّةَ فَكَانَ يُصَلِّيْ رَكْعَتَيْنِ رَكْعَتَيْنِ حَتّٰى رَجَعْنَا اِلَى الْمَدِيْنَةِ قِيْلَ لَهٗ اَقَمْتُمْ بِمَكَّةَ شَيْئًا قَالَ اَقَمْنَا بِهَا عَشْرًا مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حواله: بخاری، ص نمبر ۱۴۷ ج ۱، باب ماجاء فی تقصیر الصلاة، حدیث نمبر ۱۰۸۱، مسلم، ص نمبر ۲۴۳ ج ۱ باب صلاة المسافرین کتاب صلاة المسافرین، حدیث نمبر ۶۹۳.

ترجمه: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مدینہ سے مکہ گئے، تو رسول اللہ ﷺ دو دو رکعت پڑھتے تھے، یہاں تک کہ ہم مدینہ واپس آگئے، حضرت انسؓ سے پوچھا گیا کہ آپؓ لوگ مکہ میں کتنے دن ٹھہرے؟ حضرت انسؓ نے جواب دیا کہ مکہ میں ہم دس دن رہے۔ (بخاری و مسلم)

خلاصۂ حدیث اس حدیث سے یہ بات معلوم ہوئی کہ اگر کوئی مسافر کہیں دس دن قیام کرتا ہے، تو وہ مقیم نہیں کہلائے گا، لہٰذا وہ قصر ہی کرے گا مسافر اگر کسی جگہ پندرہ دن یا اس سے زیادہ قیام کی نسبت سے ٹھہرتا ہے تب وہ پوری نماز پڑھے گا حضرت نبی کریم ﷺ مکہ میں دس دن رہے، آپ چار ذی الحجہ کو مکہ پہنچ گئے تھے اور چودہ ذی الحجہ کی صبح مکہ سے مدینہ کے لئے روانگی ہوئی چوں کہ آپ دس دن ٹھہرے اس لئے اس دوران آپ ﷺ قصر ہی کرتے رہے۔

کلماتِ حدیث کی تشریح من المدينة إلى مكة یہ آپ ﷺ کا حجۃ الوداع کے موقعہ پر مکہ سے مدینہ کا سفر تھا، ركعتين ركعتين، چار چار رکعت والی نماز قصر کر کے آپ ﷺ دو دو رکعت پڑھتے تھے، عشراً آپ ﷺ دس دن یا دس رات ٹھہرے، یہ حدیث بظاہر شوافع کے خلاف ہے، کیوں کہ وہ حضرات اس بات کے قائل ہیں کہ اگر مسافر کسی جگہ چار دن یا اس سے زائد قیام کی نیت سے رکتا ہے تو وہ قصر نہیں کرے گا، بلکہ اتمام کرے گا۔

مدت قیام میں قصر و اتمام کے سلسلہ میں اختلاف ائمہ یہ بات گذر چکی کہ دوران سفر اگر کوئی قیام کرے تو قیام کی نیت سے ٹھہرنے سے قصر باطل ہو جاتا ہے، البتہ قصر کو ساقط کرنے والی مدت قیام میں اختلاف ائمہ ہے، اس مسئلہ میں کوئی صریح حدیث مرفوع نہیں ہے، صحابہ و تابعین کے آثار ہیں، ان ہی سے ائمہ نے استدلال کیا ہے چوں کہ احناف قصر کو اللہ تعالیٰ کا صدقہ مانتے ہیں اس وجہ سے انہوں نے جو زیادہ مدت مروی ہے وہ لیا ہے، ائمہ ثلاثہ قصر کو رخصت مانتے ہیں اور رخصت کم سے کم کی جاتی ہے اس لئے وہ اس اثر کو لیتے ہیں جس میں کم مدت مروی ہے۔

امام ابو حنیفہؒ کا مذهب: امام صاحب کے نزدیک مسافر جب کم از کم پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت کرے تب اس کو اتمام کرنا چاہئے، دلائل احناف (۱) عن عبدالله بن عمرؓ قال اذا كنت مسافرًا فوطنت نفسك على اقامة خمسة عشر يومًا فاتم الصلاة وان كنت لاتدري متى تظعن فاقصرها الصلاة، حضرت عبداللہ بن عمر سے مروی ہے اگر تم مسافر ہو اور پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت کر لی تو نماز پوری پڑھو اور اگر اس بات کا علم نہیں ہے کہ کب کوچ کرنا پڑے تو پھر قصر ہی کرتے رہو (۲) عن ابن عباس

قال إذا قدمت بلدة و انت مسافر وفي نفسك ان تقيم خمسة عشر يوما فاتمم الصلاة وإن كنت لا تدري متى تظعن فاقصرها حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ کسی شہر میں مسافر ہونے کی حالت میں ہو اور تمہارے دل میں پندرہ دن ٹھہرنے کا ارادہ ہو تو پھر نماز مکمل کرو اور اگر اس بات کا علم نہ ہو کہ کب جانا پڑ جائے تو پھر قصر کرو، حاصل یہ نکلا کہ اگر مسافر کی پندرہ دن یا اس سے زائد ٹھہرنے کی نیت ہے تو اتمام کرے، اور اگر پندرہ دن سے کم ٹھہرنے کی نیت ہے یا پتہ ہی نہیں کہ کس وقت جانا پڑ جائے تو قصر کرے۔

ائمہ ثلاثہ کا مذہب: چار دن کی اقامت کی نیت سے قصر باطل ہو جاتا ہے اور اتمام ضروری ہوتا ہے۔

دلیل: **عن سعيد بن المسيب اذا اقام أربعا صلى اربعًا** (ترمذی)

جواب: سعید بن المسیب کا دوسرا قول حنفیہ کے مطابق ہے اور وہ ہے **اذا قدمت بلدة فاقمت خمسة عشر يومًا فاتمم الصلاة** (ابن شیبہ) لہٰذا ''**اذا تعارضا تساقطا**'' حنفیہ کے مذہب پر صحابہؓ کے آثار ہیں اور صحابہ کے اقوال ان جیسے امور میں حدیث مرفوع کے حکم میں ہوتے ہیں، کیونکہ یہ مسئلہ قیاس سے متعلق نہیں ہے، غیر مدرک بالقیاس ہے، لہٰذا اس بارے میں انہوں نے جو کہا ہے وہ اپنی طرف سے نہیں کہا ہے۔

سوال: حضرت ابن عباسؓ کی ایک روایت ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ انیس دن تک قصر کرنا درست ہے، تو حنفیہ نے انیس دن قصر والی روایت کیوں نہیں لی، اس میں تو اور زیادہ اللہ کی طرف سے ہدیہ قبول کرنا ہوتا ہے، وہ روایت ہے **عن ابن عباس سافر النبي ﷺ سفرًا فاقام تسعة عشر يوماً يصلي ركعتين ركعتين** ''معلوم ہوا کہ انیس دن تک قصر کرنا درست ہے۔

جواب: آپ ﷺ کا یہ قصر کرنا یعنی انیس دن تک قصر کرنا عدم نیت اقامت کی بنا پر تھا، کیوں کہ پہلے سے پندرہ دن ٹھہرنے کا ارادہ نہیں تھا بلکہ آج یا کل جانے کا ارادہ تھا، لیکن جا نہیں سکے، ایسی صورت میں تو مطلقاً قصر ہے خواہ کتنی مدت بھی ٹھہرے، حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ ''**انّ اصحاب رسول الله ﷺ اقامو برامهر منذ تسعة اشهر يقصرون الصلاة**'' اسی طرح حضرت ابن عمرؓ نے اذربایجان میں بلا اقامتِ نیت چھ ماہ قیام کیا اور آپ اس درمیان میں قصر کرتے رہے۔

حدیث نمبر ۱۲۶۰ ﴿آپ ﷺ کا انیس دن قصر کرنا﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۳۳۷

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ سَافَرَ النَّبِيُّ ﷺ سَفَرًا فَاَقَامَ تِسْعَةَ عَشَرَ يَوْمًا يُصَلِّيْ رَكْعَتَيْنِ رَكْعَتَيْنِ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ فَنَحْنُ نُصَلِّيْ فِيْمَا بَيْنَنَا وَبَيْنَ مَكَّةَ تِسْعَةَ عَشَرَ رَكْعَتَيْنِ رَكْعَتَيْنِ فَاِذَا اَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ صَلَّيْنَا اَرْبَعًا رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ.

حواله: بخاری، ص نمبر ۱۴۷ ج ۲، باب ماجاء في التقصير، كتاب تقصير الصلاة، حديث نمبر ۱۰۸۰.

ترجمه: حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سفر کیا اور اس سفر میں ایک جگہ انیس دن تک ٹھہرے، اور دوران سفر دو رکعت نماز پڑھتے رہے، ابن عباسؓ کہتے ہیں ہم اس جگہ جو ہمارے اور مکہ کے درمیان ہے انیس دن تک دو دو رکعت نماز پڑھتے ہیں اور جب اس سے زیادہ ٹھہرتے ہیں تو چار رکعت نماز پڑھتے ہیں (بخاری)

خلاصۂ حدیث آپ ﷺ فتح مکہ کے موقعہ پر مکہ میں انیس دن تک ٹھہرے، لیکن آپ ﷺ کا یہ ٹھہرنا اقامت کی نیت سے نہیں تھا، بلکہ حالات کے تابع ہو کر تھا، آپ ﷺ کو یہ اطلاعات مل رہی تھیں کہ ہوازن کے قبائل مکہ پر چڑھائی کرنیوالے ہیں لہٰذا ایسے حالات میں آپ ﷺ نے کوچ کرنا مناسب نہیں سمجھا اور مدت اقامت کی نیت سے ٹھہرے بھی نہیں، اور جب آپ ﷺ کو یقینی اطلاعات ملیں کہ ہوازن کے قبائل کوچ کر چکے ہیں، تو آپ ﷺ بھی مکہ سے نکلے اور پھر غزوۂ حنین پیش آیا، الغرض آپ ﷺ کا مکہ میں انیس دن ٹھہرنا قیام کی نیت سے نہیں تھا، اور جب ٹھہرنے کا ارادہ نہ ہو، بلکہ آج کل میں کوچ کا ارادہ ہو، ایسے چاہے جتنی مدت گزر جائے

قصر ہی کیا جائے گا، جیسا کہ گزشتہ حدیث میں اس کی وضاحت بھی کی گئی ہے، لیکن چوں کہ آپ ﷺ انیس دن ٹھہرے اگر چہ حالات کے تابع ہو کر ٹھہرے اور دورانِ سفر آپ ﷺ قصر کرتے رہے، لہٰذا حضرت ابن عباسؓ نے اپنا مذہب یہی قرار دیا کہ انیس دن یا اس سے کم اگر کہیں ٹھہرنا ہے، تو قصر کیا جائے اور اگر اس سے زائد ٹھہرا جائے تو اتمام کیا جائے۔

کلماتِ حدیث تشریح فاذا اقمنا اکثر من ذلك صلینا اربعًا ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ اگر ہم انیس دن سے زائد کسی جگہ سفر کے دوران قیام کرتے تو چار رکعات پڑھتے یعنی اتمام کرتے، بخاری شریف میں حدیث کے کلمات یوں نقل ہوئے ہیں کہ "وان زدنا اتممنا" یہ درحقیقت حضرت ابن عباسؓ کا اپنا اجتہاد ہے، اسلئے کہ اسکی کوئی دلیل نہیں کہ حضرت محمد ﷺ اگر بذاتِ خود سفر مذکور کے موقع پر بیسویں دن رکتے تو اتمام کرتے، حدیث باب بظاہر حنفیہ کے خلاف ہے، اسلئے کہ حنفیہ کے نزدیک پندرہ دن یا اس سے زائد اگر کسی جگہ قیام کیا جائے تو قصر ساقط ہو جاتا ہے، اور اتمام لازم ہو جاتا ہے، لیکن حقیقت کے اعتبار سے یہ حدیث حنفیہ کے خلاف نہیں ہے، اس وجہ سے کہ یہاں آپ ﷺ کا قیام نیتِ اقامت سے نہیں تھا، بلکہ حالات کے تابع تھا، اور اگر اتفاقی طور پر بلا قصد نیت انیس دن نہیں بلکہ چاہے جتنی طویل مدت آدمی قیام کرے حنفیہ کے نزدیک وہ قصر ہی کرے گا (تحقیق کیلئے گزشتہ حدیث دیکھیں)

حدیث نمبر ۱۲۶۱ ﴿دورانِ سفر ترک نوافل﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۳۳۸

وَعَنْ حَفْصِ بْنِ عَاصِمٍ قَالَ صَحِبْتُ ابْنَ عُمَرَ فِيْ طَرِيْقِ مَكَّةَ فَصَلّٰى لَنَاالظُّهْرَ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ جَاءَ رَحْلَهٗ وَ جَلَسَ فَرَاٰى نَاسًا قِيَامًا فَقَالَ مَايَصْنَعُ هٰؤُلَاءِ قُلْتُ يُسَبِّحُوْنَ قَالَ لَوْكُنْتُ مُسَبِّحًا اَتْمَمْتُ صَلٰوتِيْ صَحِبْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ فَكَانَ لَايَزِيْدُ فِي السَّفَرِ عَلٰى رَكْعَتَيْنِ وَاَبَا بَكْرٍ وَعُمَرَ وَعُثْمَانَ كَذَالِكَ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حواله: بخاری، ص نمبر ۱۴۹ ج ۱، باب من لم يتطوع في السفر، كتاب تقصير الصلاة، حديث نمبر ۱۱۰۱ مسلم، ص نمبر ۲۴۳ ج ۱ باب صلاة المسافرين كتاب صلاة المسافرين، حديث نمبر ۶۸۹.

ترجمه: حضرت حفص بن عاصم سے روایت ہے کہ میں سفر مکہ کے راستہ میں حضرت ابن عمرؓ کے ساتھ تھا، تو انہوں نے ہم کو دو رکعت ظہر کی نماز پڑھائی پھر وہ اپنے کجاوے میں آ کر بیٹھ گئے، پھر انہوں نے لوگوں کو نماز کے ارادہ سے کھڑے ہوتے دیکھا، تو پوچھا کہ یہ لوگ کیا کر رہے ہیں؟ میں نے کہا نوافل پڑھ رہے ہیں حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا کہ اگر مجھے نفل پڑھنا ہوتا تو میں اپنی نماز ہی پوری کر لیتا، میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رہا ہوں، آپ ﷺ دورانِ سفر دو رکعت سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے، اور ابوبکرؓ، عمرؓ عثمانؓ کا بھی یہی معمول میں نے دیکھا ہے۔ (بخاری و مسلم)

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ دورانِ سفر سنن و نوافل نہ پڑھنا چاہئے، لیکن یہاں سنن و نوافل سے مراد وہ سنن و نوافل ہیں جو فرضوں کے ساتھ لاحق ہیں، جہاں تک نوافلِ مطلقہ یعنی تہجد یا چاشت وغیرہ کا تعلق ہے تو اس کا ادا کرنا بالاتفاق مستحب ہے، حضرت نبی کریم ﷺ کے معمول کو بیان کرتے ہوئے حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا کہ آپ ﷺ دورانِ سفر سنتیں نہیں پڑھتے تھے، حالانکہ بعض روایات سے آپ ﷺ کا دورانِ سفر سنتیں پڑھنا ثابت ہے، دونوں طرح کی روایات میں علماء نے مختلف طریقوں سے تطبیق دی ہے۔

کلماتِ حدیث کی تشریح لو کنت مسبحًا اتممت، حضرت ابن عمرؓ فرض نماز کے بعد یا اس سے پہلے سنن پڑھنے کے قائل نہیں تھے، بلکہ ان کا پڑھنا آپ ﷺ کے نزدیک مکروہ تھا، ان کا استدلال اس بات سے تھا کہ اگر نوافل مشروع ہوتے تو فرض کا اتمام ہی بہتر تھا، نوافل پڑھنے سے بہتر ہے کہ فرض کا اتمام کیا جائے، اور جب فرض کا اتمام مشروع نہیں تو نوافل کی گنجائش کہاں سے ہو سکتی ہے، حضرت ابن عمرؓ اپنے موقف کے استدلال میں حضرت نبی کریم ﷺ اور حضرات شیخین و حضرت

عثمانؓ کے معمول کو پیش کرتے ہیں کہ وہ لوگ بھی دورانِ سفر نوافل نہیں پڑھتے تھے، بخاری کی ایک روایت میں حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ "صحبت النبی ﷺ فلم اره یسبح فی السفر وقال تعالیٰ لقد کان لکم فی رسول اللّٰہ اسوة حسنة" میں نبی کریم ﷺ کے ساتھ رہا، تو میں نے آپ ﷺ کو سفر میں سنتیں پڑھتے نہیں دیکھا، اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ تمہارے لیے رسول اللہ کی ذات میں بہترین نمونہ عمل ہے۔

تعارض: حدیث باب سے یہ بات سمجھ میں آئی کہ آپ ﷺ دورانِ سفر سنن یعنی سننِ رواتب نہیں پڑھتے تھے، جب کہ مشکوۃ شریف ہی میں ترمذی کے حوالے سے آگے فصلِ ثالث میں دو حدیثیں آرہی ہیں جن میں حضرت ابن عمرؓ ہی نے بیان کیا ہے کہ آپ ﷺ نے دورانِ سفر سنن پڑھیں، حضرت ابن عمرؓ نقل کرتے ہیں "صلیت مع النبی ﷺ فی الحضر والسفر فصلیت معه فی الحضر الظهر اربعًا وبعدها رکعتین وصلیت معه فی السفر والظهر رکعتین وبعدها رکعتین" میں نے سفر و حضر میں نبی کریم ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی، چنانچہ حضر میں آپ ﷺ کے ساتھ میں نے ظہر کی چار رکعتیں پڑھی اور اس کے بعد دو رکعت سنتیں پڑھیں، اور سفر میں آپ ﷺ کے ساتھ میں نے ظہر کی دو رکعتیں پڑھیں اور اس کے بعد دو رکعت سنتیں پڑھیں (مزید تحقیق کیلئے حدیث نمبر ۱۲۶۶ دیکھیں) ترمذی کی حدیث مذکور سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ سفر میں سنن پڑھتے تھے، دونوں طرح کی احادیث میں بظاہر تعارض محسوس ہوتا ہے۔

جواب: (۱) جن روایات سے نہ پڑھنا ثابت ہے وہ اکثر احوال پر محمول ہیں اور نفئ تاکید پر محمول ہیں، اور جن سے پڑھنا ثابت ہے ان کا تعلق بعض اوقات سے ہے اور یہ اباحت پر محمول ہے، (۲) اگر آپ ﷺ دورانِ سفر کچھ وقفہ کے لئے کہیں قیام کرتے اور سکون میسر آتا ہے تو سنن و نوافل پڑھتے تھے، اگر درمیانِ سفر میں سواری سے اتر کر صرف نماز کی غرض سے ٹھہرنا ہوتا تو فرائض پر اکتفا فرماتے تھے۔

حدیث نمبر ۱۲۶۲ ﴿دورانِ سفر دو نمازوں کو جمع کرنیکا تذکرہ﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۳۳۹

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَجْمَعُ بَيْنَ صَلٰوةِ الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ اِذَا كَانَ عَلٰى ظَهْرِ سَيْرٍ وَّيَجْمَعُ بَيْنَ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَآءِ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ.

حوالہ: بخاری، ص نمبر ۱٤٩ ج ۱، باب الجمع فی السفر بین المغرب والعشاء، کتاب تقصیر الصلاۃ، حدیث نمبر ۱۱۰۷۔

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ظہر اور عصر کی نماز جمع فرمالیتے تھے، جب کہ سفر میں چلتے ہوتے تھے اور مغرب و عشاء بھی جمع کرلیتے تھے۔ (بخاری)

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ آپ ﷺ دورانِ سفر جمع بین الصلاتین فرماتے تھے، یعنی تقدیمًا اور تاخیرًا ایک نماز کے وقت میں دوسری نماز بھی پڑھ لیتے تھے، مثلاً ظہر کی نماز کے ساتھ ظہر ہی کے وقت میں عصر پڑھ لیتے تھے، یہ عصر کا ظہر کے وقت میں پڑھنا جمع بین الصلاتین تقدیمًا ہے اور اسی طرح آپ ﷺ عصر کے وقت میں ظہر کو پڑھتے تھے، یہ جمع بین الصلاتین تاخیرًا ہے اور یہ جمع بین الصلاتین حقیقی ہے، اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک یہ درست ہے، احناف صرف سفرِ حج کے موقعہ پر عرفات و مزدلفہ میں جمع بین الصلاتین حقیقی کے قائل ہیں، اور جن احادیث میں دیگر مواقع پر جمع بین الصلاتین کا ذکر ہے، اس کے بارے میں احناف کا کہنا ہے کہ یہ جمع بین الصلاتین صوری ہے، یعنی ایک نماز کو اس کے اخیر وقت میں پڑھنا اور دوسری نماز کو اس کے اولِ وقت میں پڑھنا یہ بھی جمع بین الصلاتین ہے، لیکن یہ صوری جمع بین الصلاتین ہے، احناف اسی کے قائل ہیں اور حدیث باب کو بھی اسی پر محمول کرتے ہیں۔

کلمات حدیث کی تشریح یجمع بین صلاۃ الظھر و العصر ظہر اور عصر کو آپ ﷺ دورانِ سفر جمع فرماتے تھے، کبھی ایسا کرتے کہ ظہر کو مؤخر کر کے عصر کے وقت اس کو پڑھتے، اور کبھی ایسا ہوتا کہ عصر کو مقدم کر کے ظہر کے وقت میں ظہر کے ساتھ پڑھتے، یہ حدیث بظاہر شوافع کے مطابق اور حنفیہ کے خلاف ہے۔ (مرقات ص نمبر ۲۲۲ ج ۳)

مسئلہ "جمع بین الصلاتین" اور اختلاف ائمہ سب سے پہلے یہ سمجھئے کہ "جمع بین الصلاتین" کی دو قسمیں ہیں (۱) جمع حقیقی ...... (۲) جمع صوری۔

جمع حقیقی یہ ہے کہ دو فرض نمازوں کو ایک فرض نماز کے وقت میں پڑھ لیا جائے، اور جمع صوری یہ ہے کہ دو فرض نمازوں کو اپنے اپنے وقت میں اس طرح ادا کیا جائے کہ دونوں کے درمیان قرب و اتصال ہو، اور اس کا طریقہ ہے کہ فرض اول کو اس کے وقتِ اخیر میں ادا کیا جائے اور فرضِ ثانی کو اس کے وقتِ اوّل میں ادا کیا جائے مثلاً ظہر کو مؤخر کر کے اس کے وقتِ اخیر میں پڑھا جائے اور عصر کو مقدم کر کے اس کے بالکل اولِ وقت میں پڑھا جائے، تو یہ جمع صوری ہے اس میں صورتاً دو نمازوں کا جمع کرنا ہوتا ہے، حقیقت کے اعتبار سے ہر نماز اپنے وقت میں ادا ہوتی ہے، جمع صوری، بالاتفاق جائز اور درست ہے، جب کہ حقیقی کے جواز و عدم جواز میں اختلاف ہے، آگے بڑھنے سے پہلے یہ سمجھئے کہ جمع حقیقی کی دو قسمیں ہیں (۱) جمع تقدیم (۲) جمع تاخیر، جمع حقیقی تقدیم، یہ ہے کہ فرضِ ثانی کو مقدم کر کے فرضِ اول کے وقت میں ادا کیا جائے، جیسا کہ میدانِ عرفات میں عصر کو مقدم کر کے ظہر کے وقت میں دونوں نمازیں ایک ساتھ پڑھی جاتی ہیں "جمع حقیقی تاخیر" یہ ہے کہ فرضِ اول کو مؤخر کر کے فرضِ ثانی کے وقت میں ادا کیا جائے، جیسا کہ مزدلفہ میں مغرب کو مؤخر کر کے عشاء کے وقت میں دونوں نمازیں پڑھی جاتی ہیں۔

جمع حقیقی کے بارے میں ائمہ ثلاثہ کا مذہب: ائمہ ثلاثہ کے نزدیک جمع بین الصلاتین حقیقی جائز اور درست ہے، البتہ تفصیلات میں کچھ اختلاف ہے۔

دلیل: ائمہ ثلاثہ کی ایک دلیل تو حدیث باب ہے، جس میں اس بات کی صاف صراحت ہے کہ آپ ﷺ دورانِ سفر ظہر و عصر کو جمع فرماتے تھے، اسی طرح مغرب و عشاء کو جمع فرماتے تھے، ائمہ ثلاثہ کی دوسری بہت مضبوط دلیل فصل ثانی میں حضرت معاذ کی آرہی ہے، جس میں اچھی طرح اس بات کی وضاحت ہے کہ آپ ﷺ جمع تقدیم و تاخیر دونوں غزوۂ تبوک کے سفر کے دوران فرماتے تھے۔

امام ابو حنیفہؒ کا مذہب: مزدلفہ و عرفات کے مواقع کے علاوہ کسی بھی موقع پر جمع بین الصلاتین حقیقی درست نہیں ہے۔

دلیل: اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا کہ "إن الصلاۃ کانت علی المؤمنین کتابًا موقوتاً" اس آیت سے صاف معلوم ہوا کہ نماز کے اوقات مقرر ہیں، ان ہی اوقاتِ مقررہ میں نماز پڑھنا ضروری ہے، اس کے علاوہ دیگر آیات بھی ہیں مثلاً فخلف من بعدھم خلف اضاعوا الصلاۃ، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز کو اپنے مقررہ وقت سے مقدم یا مؤخر کرنا نماز کو ضائع کرنا ہے، بہر حال نماز کے اوقات کی رعایت کا حکم قرآن مجید سے ثابت ہے، اور ظاہر بات ہے کہ قرآن مجید کی آیات قطعی الثبوت اور قطعی الدلالۃ ہیں، لہٰذا ان سے ثابت شدہ حکم اخبار آحاد سے ساقط نہیں ہوگا، اور قرآنِ مجید کی آیات کا اخبار احاد سے معارضہ درست نہ ہوگا، اور جہاں تک عرفہ و مزدلفہ میں جمع بین الصلاتین کا مسئلہ ہے تو وہ دلیل قطعی متواتر سے ثابت ہے اور یہ بالاجماع مناسک حج میں سے ہے، مؤطا امام محمدؒ میں حضرت عمرؓ کی روایت ہے "ان الجمع بین الصلاتین فی وقت واحد کبیرۃ من الکبائر"

اشکال: جمع بین الصلاتین کی ممانعت کا تعلق حضر سے ہے، سفر میں جائز ہے، آپ جو ممانعت کی روایات وغیرہ پیش کر رہے ہیں، وہ حضر سے متعلق ہیں، نہ کہ سفر سے۔

جواب: طحاوی میں حضرت قتادہؒ کی روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ''**ولیس فی النوم تفریط انماالتفریط فی الیقظة بأن تؤخر صلاة إلى وقت اخر**'' یہ حدیث مطلق ہے، لہٰذا مقیم ومسافر سب کو شامل ہے، اس لئے مسافر کے لئے بھی **جمع بین الصلاتین** کی گنجائش نہیں نکلتی، امام طحاویؒ فرماتے ہیں کہ چوں کہ آپ ﷺ نے یہ ارشاد سفر میں فرمایا، لہٰذا مقیم کے ساتھ مسافر تو ضرور شامل ہوگا۔

ائمہ ثلاثہ کی دلیل کاجواب: ائمہ ثلاثہ جن دلائل سے استدلال کرتے ہیں، ان کے بارے میں اصولی بات ہے کہ جمع سے مراد جمع صوری ہے، اور جمع صوری مراد لینے میں رخصت بھی رہے گی، اور قرآن وحدیث کے درمیان کسی قسم کا تضاد محسوس نہ ہوگا، بلکہ سب پر عمل ممکن ہوگا، جمع صوری مراد لینے پر دلیل حضرت ابن عباسؓ کا یہ ارشاد ہے ''**صلی بنارسول اللہ ﷺ الظهر والعصر جمیعًا والمغرب والعشاء جمیعًا فی غیر خوف ولامطر**'' (طحاوی) حضرت ابن عباسؓ سے پوچھا گیا کہ آپ ﷺ کے جمع بین الصلاتین کا مقصد کیا تھا، تو حضرت ابن عباسؓ نے جواب دیا ''**اراد ان لایحرج امته**'' امت کو دشواری نہ ہو، اب ظاہر بات ہے کہ جمع سے مراد جمع صوری ہی لینا پڑے گا، اس لیے کہ جمع حقیقی بلا عذر کے کسی کے نزدیک بھی درست نہیں ہے، ائمہ ثلاثہ کے مذہب کی تائید میں مشکوٰۃ شریف میں آگے جو حدیثیں آرہی ہیں ان کا جواب وہیں دیا جائے گا، حضرت معاذؓ کی جس حدیث کا اوپر ذکر ہے اس کا تفصیلی جواب بھی آگے اسی حدیث کے ذیل میں نقل کیا جائے گا۔

جمع بین الصلاتین کے بارے میں غیر مقلدین کا عمل

غیر مقلدین نے نماز کو ایک طرح سے کھلواڑ بنا رکھا ہے، لہٰذا **جمع بین الصلاتین** کے حوالے سے بھی ان کا عمل ایسا ہے، جو بالکل منفرد ہے، ہر طرح کے عذر بلکہ، خوساختہ اعذار کی بنا پر وہ **جمع بین الصلاتین** کے قائل ہیں، غیر مقلدین کے مسلک کو سمجھنے کے لئے صرف ان کے دو فتاوی نقل کر دینا کافی ہے، مولانا ثناء اللہ امرتسری سے کسی نے پوچھا ''مجھے نوکری کے باعث ظہر کے وقت ہمیشہ فرصت رہتی ہے، اور عصر میں فرصت نہیں ملتی، تو کیا ظہر کے ساتھ عصر ملا کر پڑھنے کی اجازت ہے؟ مولانا نے فرمایا ''واقعی اگر عصر کا وقت نہیں ملتا تب ظہر کے ساتھ عصر جمع کرلیا کریں، صحیح بخاری میں ملتا ہے کہ آپ ﷺ نے ظہر وعصر اور مغرب وعشاء جمع کیں تھیں، فتاوی ثنائیہ ج اص نمبر ۴۳۶۔ بخاری میں جو روایت ہے وہ سفر حج سے متعلق ہے اور **جمع بین الصلاتین** کا تعلق عرفہ ومزدلفہ سے ہے، اس کو مولانا نے اپنے اجتہاد سے عام کر دیا، اسی طرح مولانا سے سوال کیا گیا۔

سوال: **فی زماننا** کثرت سے رواج ہے کہ مسلم حصول انعام کے لئے مثلاً فٹ بال کھیلا کرتے ہیں اور کھیلنے کے باعث عصر ومغرب کی نماز ترک کر دیتے ہیں پھر قضا نماز پڑھ لیتے ہیں کیا جائز ہے؟

جواب: نماز قضا بلا وجہ اچھا نہیں ہے، کھیلنے والوں کو چاہئے کہ پہلے افسروں سے تصفیہ کرلیں کہ نماز کے وقت کھیل کو چھوڑ دیں گے اگر وہ نہ مانیں تو ظہر کے ساتھ عصر ملالیں یا عصر کے ساتھ ظہر ملا کر جمع کرلیں، فتاویٰ ثنائیہ ج اص نمبر ۶۳۱-۶۳۲ (ماخوذ از ارمغان حق) حاصل یہ نکلا کہ غیر مقلدین کے یہاں بلا وجہ حتی کہ کھیل کود کی غرض سے بھی جمع بین الصلاتین درست ہے، حالانکہ نماز کے اوقات متعین ہیں ان ہی اوقات میں نماز ادا کرنا فرض ہے، وقت سے پہلے نماز ادا کرنا جائز نہیں ہے اور وقت کے بعد نماز ادا کرنا قضا ہے ادا نہیں ہے۔

(تفصیلات کے لئے طحاوی، بذل المجہود دیکھیں)

حدیث نمبر ۱۲۶۳ ﴿سواری پر نوافل پڑھنے کا بیان﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۳۴۰

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يُصَلِّىْ فِى السَّفَرِ عَلٰى رَاحِلَتِهٖ حَيْثُ تَوَجَّهَتْ بِهٖ يُوْمِئُ اِيْمَاءً صَلٰوةَ اللَّيْلِ اِلَّا الْفَرَائِضَ وَيُوْتِرُ عَلٰى رَاحِلَتِهٖ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حوالہ: بخاری ص نمبر ۱۳۶ ج ۱، باب الوتر فی السفر، کتاب الوتر، حدیث نمبر ۱۰۰۰، مسلم، ص نمبر

۲۴۴ ج۱باب جواز الصلاۃ النافلة علی الدّابة فی السفر، کتاب صلاۃ المسافرین، الحدیث نمبر ۷۰۰.

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ سفر میں رات کی نماز اپنی سواری پر اشارے سے پڑھا کرتے تھے، سواری آپ ﷺ کا رخ جس طرف بھی کردیتی تھی (آپ ﷺ ادھر ہی نماز پڑھتے تھے) مگر فرض نمازیں، اور وتر اپنی سواری پر پڑھ لیتے تھے۔

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ دورانِ سفر نفل نمازیں سواری پر سوار رہتے ہوئے ادا کرنا درست ہے، سواری سے مراد اونٹ وغیرہ ہیں جن پر کجاوا کسا ہو، فرض نمازیں زمین پر اتر کر ادا کی جائیں گی، حدیث باب میں وتر بھی سواری پر ادا کرنا مذکور ہے، چوں کہ حنفیہ کے نزدیک وتر واجب ہے اسلئے وہ حدیث باب میں تاویل کرتے ہیں، اس حدیث سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ نماز کے دوران اگر سواری قبلہ سے پھر جائے تو نمازی اسی طرف رخ کرکے نماز پڑھتا رہے جس سمت میں سواری کا رخ ہے، البتہ تحریمہ کے وقت استقبالِ قبلہ کرلیا جائے، بقیہ نماز اسی رخ پر ادا کرے جدھر سواری متوجہ ہو، سواری پر آپ ﷺ نفل نماز اشارے سے پڑھتے تھے، یعنی بیٹھ کر قرأت کرتے تھے، اور رکوع وسجدہ اشارہ سے کرتے، سجدہ کا اشارہ رکوع کے مقابل میں زیادہ پست ہوتا تھا۔

کلمات حدیث کی تشریح کان رسول الله ﷺ یصلی فی السفر علی راحلته آپ ﷺ اپنی سواری پر نماز پڑھتے تھے، نماز سے نفل نماز مراد ہے، جیسا کہ خود حدیث باب میں ہی فرائض کا استثناء مذکور ہے، یعنی ''الا الفرائض'' فرائض آپ ﷺ زمین پر اتر کر پڑھتے تھے، حیث توجهت به یؤمی ایماءً، جس طرف سواری کا رخ ہوتا اسی طرف رخ کئے ہوئے آپ ﷺ نماز ادا کرلیتے تھے۔

سواری پر استقبالِ قبلہ شرط ہے یا نہیں؟ صلاۃ نافلہ حالتِ سفر میں ''دابہ'' پر بالاتفاق جائز ہے، اگرچہ ''دابہ'' یعنی سواری قبلہ کی طرف متوجہ ہو یا نہ ہو، تکبیر تحریمہ کے وقت استقبالِ قبلہ ضروری ہے یا نہیں ہے، اس میں ائمہ کے درمیان اختلاف ہے۔

امام شافعی کا مذھب: امام شافعیؒ کے نزدیک تحریمہ کے وقت استقبالِ قبلہ ضروری ہے، بعد میں جدھر سواری کا رخ ہو اسی سمت میں رخ کرکے نماز پڑھنا درست ہے، لیکن اگر ابتداءً تحریمہ کے وقت ہی سواری کا رخ قبلہ کی طرف نہیں ہے، تو نماز ادا کرنا درست نہیں۔

دلیل: عن انسؓ ان النبی ﷺ کان اذا اراد ان یتطوع فی السفر استقبل بناقته القبلة ثم صلی حیث توجهت رکابه (ابوداؤد) اس حدیث سے صاف معلوم ہوا کہ آپ ﷺ سواری پر نماز شروع کرنے سے پہلے سواری کا رخ قبلہ کی طرف کرلیتے تھے۔

امام ابو حنیفہ کا مذھب: امام صاحبؒ اور دیگر ائمہ کے نزدیک استقبالِ قبلہ سواری پر کسی حال میں واجب نہیں ہے نہ ابتداءً اور نہ بعد میں، البتہ ابتداء مستحب ہے۔

دلیل: ان حضرات کی دلیل حدیثِ باب ہے، اسی طرح حضرت ابن عمرؓ کی وہ روایت ہے جو کہ ابوداؤد میں منقول ہے ''عن ابن عمرؓ کان النبی ﷺ یسبح علی الراحلة إلی ای جهة توجه'' اس حدیث میں استقبالِ قبلہ کی شرط نہ ابتداء ہے نہ بعد میں ہے، بلکہ صاف معلوم ہو رہا ہے کہ آپؐ اس طرف رخ کرکے نماز پڑھتے تھے جدھر سواری کا رخ ہوتا تھا۔

امام شافعیؒ کی دلیل کا جواب: امام شافعیؒ حضرت انسؓ کی جس روایت سے استدلال کرتے ہیں وہ استحباب پر محمول ہے، یعنی مستحب یہ ہے کہ ابتداء استقبالِ قبلہ کرلیا جائے، لیکن یہ شرط نہیں ہے، یوتر علی راحلته آپ ﷺ وتر کی نماز سواری پر ادا کرتے تھے، حدیث باب بظاہر احناف کے خلاف ہے، اس لئے کہ حنفیہ سواری پر وتر کے عدم جواز کے قائل ہیں۔

وتر سواری پر جائز ہے یا نہیں؟ دورانِ سفر سواری پر وتر کے جواز اور عدمِ جواز میں اختلاف ہے، اور یہ اختلاف وتر کے وجوب اور عدمِ وجوب میں اختلاف کی وجہ سے پیدا ہوا ہے۔

ائمه ثلاثه کا مذهب: ائمہ ثلاثہ کے نزدیک دورانِ سفر سواری پر وتر کی نماز ادا کرنا جائز ہے۔

دلیل: ان حضرات کی دلیل حدیث باب ہے جس میں صاف صراحت ہے کہ ''یوتر علی الراحلة ''یعنی آپ ﷺ اپنی سواری پر وتر ادا کرتے تھے۔

امام ابو حنیفه ؒ کا مذهب: امام صاحب کے نزدیک ''وتر علی الراحلة ''یعنی سواری پر وتر ادا کرنا درست نہیں ہے۔

دلیل: امام صاحب ابن عمرؓ کی اس روایت سے استدلال کرتے ہیں جو طحاوی اور مسند احمد میں ہے، عن ابن عمر کان یصلی علی راحلته ویوتر علی الارض وزعم ان رسول اللہ ﷺ کا ن یفعل کذا ''حضرت ابن عمرؓ نفل نماز اپنی سواری پر ادا کرتے تھے، اور نمازِ وتر زمین پر پڑھتے تھے، اور کہتے کہ رسول اللہ ﷺ بھی اسی طرح کرتے تھے، یعنی آپ ﷺ بھی وتر زمین پر اتر کر ادا کرتے تھے، اور نوافل سواری پر ادا فرماتے تھے۔

ائمه ثلاثه کی دلیل کا جواب: (۱) حدیث الباب جو کہ ائمہ ثلاثہ کے مذہب کی دلیل ہے اور جس میں وتر کی نماز کا سواری پر ادا کرنا جائز معلوم ہوتا ہے اس زمانہ سے متعلق ہے جب وتر کے بارے میں زیادہ تاکید اور اہتمام کا حکم نہیں تھا (۲) حالتِ عذر پر محمول ہے (۳) حدیث باب اور مذکورہ حدیث ابن عمر میں تعارض ہے، لہٰذا دفعِ تعارض کے لئے اس کو راجح قرار دیا جائے گا جو کہ قیاس کے زیادہ مطابق ہو، اور قیاس کا تقاضہ یہی ہے کہ وتر سواری پر درست نہ ہو، اس لئے کہ نفل نماز سواری پر درست ہے اور فرض درست نہیں ہے، اور وتر فرض کے قریب ہے، کیوں کہ یہ واجب یا واجب کے مانند ہے (تفصیل کے لئے بذل المجہود ص نمبر ۲۴۱ ج ۲ فتح الملہم ص نمبر ۲۵۹ ج ۲ دیکھیں)

الفصل الثانی

حدیث نمبر ۱۲۶٤ ﴿آپ ﷺ کا سفر میں اتمام کرنا﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۳٤۱

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كُلُّ ذٰلِكَ قَدْ فَعَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ قَصَرَ الصَّلٰوةَ وَاَتَمَّ رَوَاهُ فِي شَرْحِ السُّنَّةِ.

حواله: البغوی فی شرح السنة، باب قصر الصلاة، کتاب الصلاة، حدیث نمبر ۱۰۲۳.

ترجمه: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دورانِ سفر قصر و اتمام سب کچھ کیا ہے۔ (شرح السنة)

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا ظاہر یہ ہے کہ آپ ﷺ دورانِ سفر کبھی قصر فرماتے تھے اور کبھی اتمام فرماتے تھے، یعنی کبھی تو چار رکعات والی نماز میں قصر کر کے دو رکعت پڑھتے تھے، اور کبھی اتمام کرتے ہوئے پوری چار رکعت پڑھتے تھے، اس حدیث سے یہ بات معلوم ہوئی کہ قصر واجب نہیں ہے، بلکہ صرف رخصت ہے، اس رخصت سے فائدہ اٹھانا بھی درست ہے، اور ترک رخصت بھی درست ہے، یہی شوافع کا مذہب ہے یہ حدیث بظاہر حنفیہ کے خلاف ہے، اس لئے کہ احناف کے نزدیک دورانِ سفر قصر واجب ہے اور قصر کرنا رخصت نہیں بلکہ عزیمت ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح قصر الصلاة واتم چوں کہ حدیثِ باب حنفیہ کے خلاف ہے، اس لئے احناف کے طرف سے اس کے متعدد جواب دیئے گئے ہیں (۱) حدیث باب ضعیف ہے اس کی سند میں ''ابراہیم بن یحیٰ'' ہیں جن کی وجہ سے سند میں ضعف پیدا ہو گیا دورانِ سفر آپ ﷺ کا اتمام کرنا کسی صحیح روایت سے ثابت نہیں ہے (۲) ابتدا میں آپ ﷺ اتمام کرتے تھے بعد میں قصر لازم کر دیا، لہٰذا یہ حدیث ابتدائی احوال سے متعلق ہے (۳) قصر کا تعلق چار رکعت والی نماز سے ہے، اور اتمام کا تعلق دو اور تین رکعت والی نماز سے ہے، دورانِ سفر قصر و اتمام سے متعلق تفصیل کے لئے حدیث نمبر ۱۳۵۶ دیکھیں۔

حدیث نمبر ۱۲٦۵ ﴿مسافر کا مقیم کی امامت کرنا﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۳٤۲

وَعَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ قَالَ غَزَوْتُ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ وَشَهِدْتُ مَعَهُ الْفَتْحَ فَاَقَامَ بِمَكَّةَ ثَمَانِيَ عَشْرَةَ لَيْلَةً

لَایُصَلِّیْ اِلَّا رَکْعَتَیْنِ یَقُوْلُ یَااَھْلَ الْبَلَدِ اَرْبَعًا فَاِنَّا سَفْرٌ رواہ اَبُوْدَاوُدَ.

حوالہ: ابو داوٗدَ ،ص نمبر ۱۷۳ ج ۱ ،باب حتی یتم المسافر ، کتاب صلاۃ المسافر، حدیث نمبر ۱۲۲۹.

ترجمہ: حضرت عمران بن حصینؓ سے روایت ہے کہ میں نے نبی کریم ﷺ کے ساتھ جہاد کیا،اور آپ ﷺ کے ساتھ فتح مکہ میں تھا، آپ ﷺ نے مکہ میں اٹھارہ رات قیام کیا،اس عرصہ میں آپ ﷺ دو رکعت پڑھتے رہے،اور آپ ﷺ (سلام پھیرنے کے بعد) فرماتے اے اہل شہر،تم چار رکعت پورا کرلو، بلاشبہ میں مسافر ہوں (ابوداؤد)

خلاصہ حدیث اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ نے مکہ میں اٹھارہ دن قیام کیا اور اس عرصہ میں آپ ﷺ قصر کرتے رہے، اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ ﷺ کا یہ ٹھہرنا اقامت کی نیت سے نہیں تھا، بلکہ واپسی کے حوالے سے آج یا کل کرتے کرتے اٹھارہ دن گزر گئے تھے اور آپ ﷺ اتفاقاً اتنی مدت ٹھہر گئے، ورنہ اگر شروع سے اتنا عرصہ ٹھہرنے کا آپ ﷺ ارادہ فرماتے تو قصر نہ کرتے بلکہ اتمام کرتے،اس حدیث سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ مسافر مقیم کی امامت کرسکتا ہے،لیکن مسافر اپنے اعتبار سے دو رکعت پڑھانے کے بعد سلام پھیر دے اور مقیم حضرات سے کہہ دے کہ وہ اپنی نمازیں پوری کرلیں ،اور اگر مسافر مقیم کی اقتدا کر رہا ہے تو امام کی اتباع کرتے ہوئے چار رکعت مکمل پڑھے گا۔

کلمات حدیث کی تشریح فاقام بمکۃ ثمانی عشرۃ لیلۃ ماقبل میں حدیث ابن عباسؓ گزری جس میں ہے کہ ''فاقام تسعۃ عشر یومًا'' یعنی آپ ﷺ نے فتح مکہ کے موقع پر انیس دن قیام کیا، یہاں اٹھارہ دن قیام کا تذکرہ ہے ایک روایت میں سترہ دن کا بھی ذکر ہے، یہ اختلاف روایت کیوں ہے اصل بات یہ ہے کہ زیادہ مشہور اور صحیح انیس والی روایت ہے،اور اختلاف روایت کی وجہ یہ ہے کہ جس نے یوم الدخول و یوم الخروج یعنی مکہ آنے اور مکہ سے جانے کے دنوں کو مستقل شمار کیا ہے، اس نے انیس دن بیان کیا ہے، اور جس نے ان دونوں کو ساقط کردیا اس نے سترہ دن بیان کیا، اور جس نے دونوں کو ملا کر ایک شمار کیا اس نے اٹھارہ دن ذکر کیا اب رہی یہ بات کہ اتنی طویل مدت ٹھہرنے کے باوجود آپ ﷺ نے قصر کیوں کیا؟ تو اس کا اجمالاً جواب گزشتہ سطور میں گزرا، کہ آپ ﷺ کا یہ ٹھہرنا اتفاقی تھا، اقامت کی نیت سے نہیں تھا، تفصیلی جواب کے لئے حدیث نمبر ۱۲۵۹ دیکھیں، صلوا اربعًا اگر مسافر امامت کرے اور مقیم حضرات اقتدا کریں تو مسافر امام دو رکعت پڑھا کر سلام پھیرے، اور پھر لوگوں سے کہے کہ میں مسافر ہوں آپ لوگ اپنی نماز پوری کرلیں، آپ ﷺ کا یہی طریقہ تھا، چوں کہ آپ ﷺ نبی مرسل تھے، اس لئے آپ ہی سفر و حضر میں امامت کرتے تھے، عام حالات میں لوگوں کے لئے بہتر یہ ہے کہ مسافر مقیم کے پیچھے اقتدا کرے، آپ ﷺ کا فرمان ہے کہ ''ولا یؤم الرجل فی بیتہ ولا فی سلطنتہ الخ (ابوداؤد) کسی کے گھر جا کر مہمان کو صاحب خانہ کا امام نہ بننا چاہئے ،ایسے ہی کسی کیلئے جائے سلطنت میں امامت نہ کرنا چاہئے ،مثلاً امیر محلّہ کے ہوتے ہوئے کوئی دوسرا شخص امامت کرے یہ قطعاً مناسب نہیں ہے۔

حدیث نمبر ۱۲۶۶ ﴿سفر میں سنن پڑھنے کا ذکر﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۳۴۳

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ صَلَّیْتُ مَعَ النَّبِیِّ ﷺ الظُّھْرَ فِی السَّفَرِ رَکْعَتَیْنِ وَبَعْدَھَا رَکْعَتَیْنِ وَفِیْ رِوَایَۃٍ قَالَ صَلَّیْتُ مَعَ النَّبِیِّ ﷺ فِی الْحَضَرِ وَالسَّفَرِ فَصَلَّیْتُ مَعَہٗ فی الحضر الظھر اربعًا وبعدھا رکعتین وصلیت معہ فی السَّفَرِ الظُّھْرَ رَکْعَتَیْنِ وَبَعْدَھَا رَکْعَتَیْنِ وَالْعَصْرَ رَکْعَتَیْنِ وَلَمْ یُصَلِّ بَعْدَھَا شَیْئًا وَالْمَغْرِبَ فِی الْحَضَرِ وَالسَّفَرِ سَوَآءً ثَلٰثَ رَکْعَاتٍ وَلَا یَنْقُصُ فِیْ حَضَرٍ وَلَا سَفَرٍ وَّھِیَ وِتْرُ النَّھَارِ وَبَعْدَھَا رَکْعَتَیْنِ رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ.

حوالہ: ترمذی، ص نمبر ۱۲۳ ج ۱ ، باب ماجاء فی التطوع فی السفر ، کتاب الجمعۃ، حدیث نمبر ۵۵۲

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ میں نے سفر میں نبی کریم ﷺ کے ساتھ ظہر کی دو رکعت فرض نماز پڑھی، اس کے بعد

دورکعت سنت پڑھی، اور ایک روایت میں ہے کہ میں نے نبی کریم ﷺ کے ساتھ سفر وحضر میں نماز پڑھی، تو میں نے آپ ﷺ کے ساتھ حضر میں ظہر کی چار رکعت نماز پڑھی، اور اس کے بعد دورکعت سنت پڑھی، اور میں نے سفر میں آپ ﷺ کے ساتھ ظہر کی دورکعت پڑھی، اس کے بعد دورکعت سنت پڑھی، اور عصر کی دورکعت نماز پڑھی، اور اس کے بعد کچھ بھی نماز نہیں پڑھی، اور مغرب کی نماز سفر وحضر میں یکساں طور پر تین رکعت ہیں نہ سفر میں کوئی کمی ہوتی ہے اور نہ حضر میں کمی ہوتی ہے، درحقیقت یہ دن کے وتر ہیں، اور مغرب کے بعد دورکعت سنت پڑھتے تھے۔ (ترمذی)

خلاصۂ حدیث اس حدیث سے یہ بات معلوم ہوئی کہ قصر کا تعلق چار رکعت والی نمازوں سے ہے، مغرب کی نماز چونکہ تین رکعت، لہٰذا اسمیں قصر کی گنجائش نہیں ہے اتمام لازم ہے، اس حدیث سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ سفر میں فرض نمازوں کے علاوہ سنن بھی پڑھے جائیں، البتہ اگر سفر پر مشقت ہے، یا منزل پر رکنا نہ ہو صرف سواری سے اتر کر نماز پڑھنا ہو اور پھر آگے سفر مقصود ہو، تب سنت نہ پڑھے جائیں، اس حدیث سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ وتر کی نماز تین رکعت ہیں، اسلئے کہ نماز مغرب کو دن کا وتر قرار دینے کا بھی مقصد ہے کہ جس طرح رات کے وتر میں تین رکعت ہیں اسی طرح دن کے اختتام پر پڑھی جانے والی مغرب کی نماز بھی تین رکعت ہے

کلمات حدیث کی تشریح الظهرفی السفر رکعتین وبعدها رکعتین گزشتہ اوراق میں حدیث نمبر ۱۲۶۱ گزری اسمیں حضرت ابن عمرؓ کا یہ قول گزرا کہ ''لو کنت مسبحا اتممت صلاتی'' اگر میں نفل پڑھتا تو پوری نماز نہ پڑھ لیتا، معلوم ہوا کہ حضرت ابن عمرؓ حالت سفر میں سنن کی ادائیگی کے قائل نہیں تھے، اور حدیث باب میں حضرت ابن عمرؓ ہی روایت کررہے ہیں کہ آپ ﷺ دورانِ سفر سنن موکدہ پڑھتے تھے اسکا جواب یہ ہے کہ کبھی آپ ﷺ سنت پڑھتے تھے اور کبھی نہیں پڑھتے تھے حقیقت یہ ہے کہ سنن مؤکدہ حضر کیطرح تاکیدی نہیں ہیں، مزید تحقیق کیلئے حدیث نمبر ۱۲۶۱ دیکھیں، وهی وتر النهار مغرب کی نماز دن کے وتر ہیں، یہ امام ابوحنیفہؒ کی دلیل ہے اس بات پر کہ وتر تین رکعات ہیں، تعداد رکعات وتر میں ائمہ کا اختلاف ہے (تحقیق کیلئے حدیث نمبر ۱۱۸۶ دیکھیں)

حدیث نمبر ۱۲۶۷ ﴿جمع بین الصلاتین کا جواز﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۳۴۴

وَعَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ فِي غَزْوَةِ تَبُوْكَ اِذَا زَاغَتِ الشَّمْسُ قَبْلَ اَنْ يَّرْتَحِلَ جَمَعَ بَيْنَ الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ وَاِنِ ارْتَحَلَ قَبْلَ اَنْ تَزِيْغَ الشَّمْسُ اَخَّرَ الظُّهْرَ حَتّٰى يَنْزِلَ لِلْعَصْرِ وَفِي الْمَغْرِبِ مِثْلَ ذٰلِكَ اِذَا غَابَتِ الشَّمْسُ قَبْلَ اَنْ يَّرْتَحِلَ جَمَعَ بَيْنَ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاۤءِ وَاِنِ ارْتَحَلَ قَبْلَ اَنْ تَغِيْبَ الشَّمْسُ اَخَّرَ الْمَغْرِبَ حَتّٰى يَنْزِلَ لِلْعِشَاۤءِ ثُمَّ يَجْمَعُ بَيْنَهُمَا رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ.

حواله: ابو داؤد، ص نمبر ۱۷۰ ج ۱، باب الجمع بین الصلاتین، کتاب صلاة المسافر، حدیث نمبر ۱۲۲۰، ترمذی، ص نمبر ۱۲۴ ج ۱، باب ماجاء فی الجمع بین الصلاتین ابواب السفر، حدیث نمبر ۵۵۳۔

ترجمه: حضرت معاذ بن جبلؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ غزوۂ تبوک میں جب کوچ کرنے سے پہلے دوپہر ڈھل جاتی تو آپ ﷺ ظہر وعصر کی نماز ایک ساتھ پڑھ لیتے تھے، اور جب آپ ﷺ دوپہر ڈھلنے سے پہلے ہی کوچ فرماتے تو ظہر کی نماز میں تاخیر فرماتے اور عصر کے لئے اترتے، مغرب کی نماز میں بھی آپ ﷺ اسی طرح کرتے تھے، اگر آفتاب آپ ﷺ کے کوچ کرنے سے پہلے غروب ہوجاتا تو مغرب وعشاء دونوں نمازیں ایک ساتھ پڑھتے اور اگر آفتاب غروب ہونے سے پہلے ہی کوچ کرتے تو نمازِ مغرب میں تاخیر فرماتے، یہاں تک کہ عشاء کی نماز کے لئے اترتے اور دونوں نمازوں کو ایک ساتھ پڑھتے۔ (ابوداؤد، ترمذی)

خلاصۂ حدیث یہ حدیث اس بات پر صریح ہے کہ آپ نے غزوہ تبوک کے موقع پر جمع بین الصلاتین فرمایا تھا، اور اس میں جمع تقدیم وجمع تاخیر دونوں کی صراحت ہے، یعنی آپ ﷺ نے کبھی تو ظہر کے وقت میں ظہر اور عصر دونوں کو جمع کیا ہے،

اور کبھی عصر کے وقت میں عصر اور ظہر دونوں کو جمع کیا ہے، اسی طرح مغرب وعشاء کا معاملہ ہے، یہ حدیث بظاہر احناف کے خلاف ہے اس وجہ سے کہ احناف سوائے عرفہ ومزدلفہ کے کسی موقع پر جمع بین الصلاتین حقیقی کے قائل نہیں ہیں، اور اس حدیث سے جمع حقیقی ثابت ہے۔

کلماتِ حدیث کی تشریح

جمع بین الظهر والعصر آپ ﷺ نے ظہر اور عصر کو جمع فرمایا اسی طرح مغرب وعشاء کو جمع فرمایا، یہ ائمہ ثلاثہ کی مضبوط دلیل ہے، فتح الملہم میں علامہ عثمانیؒ فرماتے ہیں کہ جہاں بھی جمع کا ذکر ہے مراد جمع صوری ہے، اور اس پر دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی طرف سے جمع بین الصلاتین کا ثبوت صرف اس صورت میں ملتا ہے، جہاں پہلی نماز کا آخری وقت اور دوسری نماز کا اول وقت میں پڑھ کر صورۃً جمع کر سکے، اور یہ چیز ظہر اور عصر، اسی طرح مغرب وعشاء کی نمازوں کو جمع کرنے میں ہے ان دونوں نمازوں کے درمیان وقت مکروہ نہیں ہوتا، فجر اور ظہر کے درمیان وقت مکروہ ہے، عصر اور مغرب کے درمیان وقتِ مکروہ ہے عشاء اور فجر کے درمیان بھی وقتِ مکروہ ہے، لہٰذا ان اوقات میں آپ ﷺ نے نمازوں کو جمع نہیں فرمایا معلوم ہوا کہ جمع سے جمع صوری مراد ہے، اب رہی یہ بات کہ حدیث باب سے تو صاف سمجھ میں آرہا ہے کہ جمع حقیقی مراد ہے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث مجمل تھی، جمع حقیقی کی وضاحت نہیں تھی، اسی وجہ سے یہ روایت متکلم فیہ ہے، حضرت معاذ سے جو روایت مشہور اور غیر متکلم فیہ وہ مجمل ہے، اور وہ یہ ہے "ان النبی ﷺ جمع فی غزوۃ تبوک بین الظهر والعصر وبین المغرب والعشاء" اس احتمال کو کسی راوی نے یوں دور کیا کہ یہ جمع حقیقی کو ثابت کرنے والی بن گئی، حدیث باب کے بارے میں ابوداؤد کہتے ہیں کہ منکر ہے اور امام ترمذی شاذ قرار دیتے ہیں، حدیث باب کی سند سے متعلق تفصیلات کے لئے معارف السنن دیکھیں۔

حدیث نمبر ۱۲۶۸ ﴿سواری پر نماز پڑھنے میں استقبال قبلہ﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۳۴۵

وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا سَافَرَ وَاَرَادَ اَنْ يَتَطَوَّعَ اسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ بِنَاقَتِهٖ فَكَبَّرَ ثُمَّ صَلّٰى حَيْثُ وَجَّهَهٗ رِكَابُهٗ رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ.

حوالہ: ابو داؤد، ص نمبر ۱۷۳ ج ۱، باب التطوع علی الراحلۃ، کتاب المسافرین، حدیث نمبر ۱۲۲۷.

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب سفر میں ہوتے اور نفل نماز پڑھنے کا ارادہ کرتے تو اپنی اونٹی کا رخ قبلہ کی طرف کر لیتے، پھر تکبیر تحریمہ کہتے، پھر آپ ﷺ نماز پڑھتے رہتے، چاہے آپ ﷺ کو سواری جس رخ پر لے جاتی۔ (ابوداؤد)

خلاصۂ حدیث

اس حدیث سے یہ بات معلوم ہوئی کہ سواری پر نفل پڑھتے وقت ابتدا میں استقبالِ قبلہ کر لینا چاہئے، یعنی تکبیر تحریمہ کے وقت سواری کا رخ قبلہ کی طرف کر لینا چاہئے، درمیانِ صلاۃ میں اگر سواری قبلہ رخ نہیں رہتی ہے، تو کوئی حرج نہیں جدھر بھی سواری کا رخ رہے، نماز پڑھتے رہنا چاہئے، یہی آپ ﷺ کا طریقہ تھا۔

کلماتِ حدیث کی تشریح

استقبل بناقته "تکبیر تحریمہ کے وقت آپ ﷺ اپنی اونٹی کا رخ قبلہ کی طرف کر لیتے تھے، حدیث کے اسی جز سے استدلال کر کے شوافع کہتے ہیں کہ تکبیر تحریمہ کے وقت استقبال قبلہ واجب ہے، حنفیہ استحباب کے قائل ہیں، مزید تحقیق کے لئے حدیث نمبر ۱۲۶۳ دیکھیں۔

حدیث نمبر ۱۲۶۹ ﴿سواری پر اشارہ سے نماز پڑھنا﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۳۴۶

وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ بَعَثَنِىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فِىْ حَاجَةٍ فَجِئْتُ وَهُوَ يُصَلِّىْ عَلٰى رَاحِلَتِهٖ نَحْوَ الْمَشْرِقِ وَيَجْعَلُ السُّجُوْدَ اَخْفَضَ مِنَ الرُّكُوْعِ رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ.

حوالہ: ابو داؤد، ص نمبر ۱۷۳ ج ۱، باب التطوع علی الراحلۃ، کتاب صلاۃ المسافر، حدیث نمبر ۱۲۲۷.

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ مجھ کو رسول اللہ ﷺ نے ایک ضرورت سے بھیجا، جب میں واپس آیا تو آپ ﷺ اپنی سواری

پر مشرق کی طرف رخ کر کے نماز پڑھ رہے تھے، اور سجدے رکوع سے زیادہ پست کرتے تھے۔ (ابوداؤد)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ نفل نماز سواری پر بیٹھ کر اشارہ کے ذریعہ پڑھنا درست ہے، اشارہ سے پڑھنے کی صورت یہ ہوگی کہ قرأت تو بیٹھ کر کی جائے، باقی رکوع سجدے وغیرہ اشارے سے کیے جائیں، سجدہ کا اشارہ رکوع کے مقابلے میں پست ہوگا، اس حدیث سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ سواری پر نفل پڑھنے کے لیے قبلہ رخ ہونا ضروری نہیں ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح نحو المشرق یعنی آپ ﷺ سواری پر بیٹھ کر مشرق کی طرف رخ کر کے نماز پڑھ رہے تھے، یہاں اس بات کا بھی احتمال ہے کہ آپ ﷺ نے ابتدا میں یعنی تکبیر تحریمہ کے وقت استقبال قبلہ کیا ہو اور یہی مستحب بھی ہے اور اس بات کا بھی امکان ہے کہ آپ ﷺ نے شروع ہی سے مشرق کی طرف رخ کر کے نماز پڑھی ہو، کیوں کہ سواری پر نفل پڑھنے کی صورت میں اس کی بھی گنجائش ہے، امام شافعیؒ کا اس میں اختلاف ہے تفصیل کے لئے حدیث نمبر ۱۲۶۳ دیکھیں۔

حدیث نمبر ۱۲۷۰ ﴿مسافر مقیم کی اقتدا میں اتمام کرے﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۳۴۷

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ صَلَّى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بِمِنًى رَكْعَتَيْنِ وَابُوْبَكْرٍ بَعْدَهُ وَعُمَرُ بَعْدَ اَبِىْ بَكْرٍ وَعُثْمَانُ صَدْرًا مِنْ خِلَافَتِهِ ثُمَّ اِنَّ عُثْمَانَ صَلّٰى بَعْدُ اَرْبَعًا فَكَانَ ابْنُ عُمَرَ اِذَا صَلّٰى مَعَ الْاِمَامِ صَلّٰى اَرْبَعًا وَّاِذَا صَلَّاهَا وَحْدَهُ صَلّٰى رَكْعَتَيْنِ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حوالہ: بخاری، ص نمبر ۱۴۷، ج ۱، باب الصلاۃ بمنی، کتاب تقصیر الصلاۃ، حدیث نمبر ۱۰۸۲، مسلم ص نمبر ۲۴۳ ج ۱، باب قصر الصلاۃ بمنی، کتاب صلاۃ المسافرین، حدیث نمبر ٦٩٤.

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے منیٰ میں دو رکعت نماز پڑھی، آپ ﷺ کے بعد حضرت ابو بکرؓ نے اور حضرت ابو بکرؓ کے بعد حضرت عمرؓ نے بھی منی میں دو رکعت نماز پڑھی، حضرت عثمانؓ نے اپنی خلافت کے ابتدائی دور میں دو ہی رکعت پڑھی، پھر حضرت عثمانؓ چار رکعت نماز پڑھنے لگے، حضرت ابن عمرؓ جب منیٰ میں امام کے ساتھ نماز پڑھتے تو چار رکعت نماز پڑھتے، اور جب تنہا نماز پڑھتے تو دو رکعت پڑھتے (بخاری و مسلم)

خلاصۂ حدیث اس حدیث سے ایک بات یہ معلوم ہوئی کہ مسافرِ شرعی قصر کرے گا، یہی وجہ ہے کہ حضرت نبی کریم ﷺ اور حضراتِ شیخین سفرِ حج کے موقع پر اور منی میں بھی قصر ہی کرتے تھے، یعنی چار رکعت والی نماز دو رکعت پڑھتے تھے، حضرت عثمانؓ بھی شروع میں دو ہی رکعت پڑھتے تھے، پھر آپؓ نے مکہ میں شادی کر لی متاہل ہو گئے، تو آپؓ نے قصر بند کر کے اتمام کرنا شروع کر دیا، حضرت عثمانؓ کے اتمام کرنے پر لوگوں کو اشکال ہوا، تو انہوں نے یہی جواب دیا کہ میں یہاں متاہل ہوں، یعنی گھر بار والا ہوں اس لیے اتمام کرتا ہوں، پھر اس اشکال و جواب سے یہ بات ثابت ہوئی کہ مسافر شرعی کے لئے قصر لازم ہے، اگر ایسا نہ ہوتا تو لوگ ترکِ قصر پر نکیر نہ کرتے، اس حدیث سے ایک دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ اگر قصر کرنے والا اتمام کرنے والے کے پیچھے نماز پڑھ رہا ہے تو یہ بھی یعنی مسافر بھی اتمام کرے، اور اگر مسافر امام ہے تو مقیم بعد میں اپنی نماز مکمل کرے جیسا کہ حدیث نمبر ۱۲۶۵ کے تحت نقل ہو چکا ہے۔

کلماتِ حدیث کی تشریح صلی رسول الله ﷺ بمنی رکعتین، آپ ﷺ نے منی میں سفرِ حج کے موقع پر چار رکعت والی نماز دو رکعت پڑھی، منیٰ میں ہر طرح کا امن تھا، کسی قسم کا کوئی بھی خوف نہیں تھا، معلوم ہوا کہ قصر کے لیے دشمن کا خطرہ شرط نہیں ہے، تفصیل کے لئے حدیث نمبر ۱۲۵۷ دیکھیں، ثم انّ عثمان صلّی بعد اربعًا حضرت عثمانؓ نے اپنی خلافت کی ابتداء میں تو قصر کیا، لیکن آخر زمانہ خلافت میں قصر کیا قصر کا حکم کیا ہے، یہ رخصت ہے یا عزیمت؟ امام ابوحنیفہؒ قصر کو عزیمت قرار دیتے ہیں اور مسافرِ شرعی کے لئے قصر لازم قرار دیتے ہیں، امام شافعیؒ قصر کو رخصت قرار دیتے ہیں اور وہ کہتے ہیں کہ مسافر کو اختیار ہے، چاہے قصر

کرے یا اتمام کرے، تفصیل کے لئے حدیث نمبر ۱۲۵۶ دیکھیں حضرات شوافعؒ جن دلائل سے استدلال کرتے ہیں ان میں سے ایک حدیث باب بھی ہے، وہ کہتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ نے شروع میں قصر کیا، بعد میں اتمام کیا، معلوم ہوا کہ قصر و اتمام دونوں کی گنجائش ہے، حدیث باب بظاہر حنفیہ کے خلاف ہے۔

حدیث باب کا جواب: حضرت عثمانؓ کا اتمام فرمانا کسی نص صریح کی بنا پر نہ تھا، بلکہ اجتہاد کی وجہ سے تھا، اور یہ تاویل پر مبنی تھا، ان کے اتمام فرمانے کی چند وجوہات ذکر کی جاتی ہے۔ (۱) حضرت عثمانؓ نے مکہ میں شادی کرلی تھی، اور وہاں گھر بنالیا تھا، اور وہ متاہل ہونے کی بنا پر اتمام کرتے تھے، (۲) سفر حج کے موقعہ پر دور دراز سے لوگ آئے تھے، ان کو دین کی زیادہ سمجھ نہیں تھی، لہذا حضرت عثمانؓ نے اپنے اجتہاد سے اتمام کیا تاکہ لوگ اس غلط فہمی کا شکار نہ ہوں کہ نماز صرف دو رکعت ہی ہے (۳) حضرت عثمانؓ نے اپنے اجتہاد سے یہ خیال کیا کہ وہ امام ہیں اور امام کا تصرف عام ہے، لہذا وہ جس جگہ بھی رہے وہ جگہ اس کے وطن کے مانند ہوگی، اسی اجتہاد کی بنا پر انہوں نے اتمام کیا، بہر حال حضرت عثمانؓ کا اتمام کرنا اور اتمام کے حوالے سے تاویل پیش کرنا یہ خود اس بات کی دلیل ہے کہ عام لوگوں کے لئے سفر شرعی میں قصر ہی لازم ہے، اتمام کی گنجائش نہیں ہے۔

حدیث نمبر ۱۲۷۱ ﴿سفر میں دو رکعت ہی عزیمت ہے﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۳۴۸

وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ فُرِضَتِ الصَّلٰوةُ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ هَاجَرَرَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَفُرِضَتْ اَرْبَعًا وَّتُرِكَتْ صَلٰوةُ السَّفَرِ عَلَى الْفَرِيْضَةِ الْاُوْلٰى قَالَ الزُّهْرِيُّ قُلْتُ لِعُرْوَةَ مَابَالُ عَائِشَةَ تُتِمُّ قَالَ تَاَوَّلَتْ كَمَا تَاَوَّلَ عُثْمَانُ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حوالہ: بخاری، ص نمبر ۵۱ ج ۱، باب کیف فرضت الصلوٰت فی الاسراء، کتاب الصلاۃ، حدیث نمبر ۳۵۰، مسلم، ص نمبر ۲۴۱ ج ۱، باب صلاۃ المسافرین وقصرھا، کتاب صلاۃ المسافرین، حدیث نمبر ۶۸۵.

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ نماز دو رکعت فرض تھی، پھر جب رسول اللہ ﷺ نے ہجرت فرمائی، تو چار رکعت فرض ہوگئی، اور سفر میں پہلا فریضہ باقی رکھا گیا، امام زہریؒ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عروہؓ سے دریافت کیا کہ حضرت عائشہ پوری نماز سفر میں کیوں پڑھتی تھی؟ حضرت عروہؓ نے جواب دیا کہ حضرت عائشہ نے تاویل کی ہے، جیسے کہ حضرت کہ عثمان نے تاویل کی۔ (بخاری ومسلم)

خلاصہ حدیث اس حدیث میں دو اہم باتیں منقول ہیں، (۱) سفر میں قصر کرنا رخصت نہیں بلکہ اصل فریضہ پر عمل ہے، اس لیے کہ مغرب کے علاوہ ہجرت سے قبل تمام نمازیں دو دو رکعت ہی تھیں، ہجرت کے بعد تین نمازوں ظہر، عصر، اور عشاء کی نماز کی رکعت میں اضافہ ہوا، اور یہ اضافہ مقیم کے حق میں ہے، مسافر کے حق میں اضافہ ہوا ہی نہیں، لہٰذا مسافر کا دو رکعت نماز پڑھنا اصل فریضہ پر عمل کرنا ہے نہ کہ رخصت پر (۲) حضرت عائشہؓ دوران سفر اتمام کرتی تھیں، اور ان کا اتمام کرنا اجتہادی عمل تھا، اس پر کوئی نص نہیں ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح فرضت الصلاۃ الرکعتین جب نماز فرض ہوئی تو ابتدا میں دو دو رکعت فرض کی گئی، پھر حضر کی نماز میں دو دو رکعت کا اضافہ کردیا گیا، معلوم ہوا کہ ظہر، عصر اور عشاء میں چار چار رکعت نماز اضافہ کے بعد ہوئی ہیں، فجر میں طول قرأت اور مغرب کی نماز کے وتر نہار ہونے کیوجہ سے اضافہ نہیں کیا گیا **ترکت صلاۃ السفر علی الفریضۃ الاولیٰ** سفر میں دو رکعت ہی برقرار رکھی گئی، لہٰذا دو رکعت نماز ہی اصل ہے، اب اگر کوئی دو کی جگہ چار رکعت ادا کررہا ہے، تو وہ مفروض پر زیادتی کررہا ہے، لہذا جان بوجھ کر ایسا کرنیوالا حنفیہ کے نزدیک نہ صرف گناہ گار ہوگا، بلکہ اسکا فریضہ بھی ادا نہ ہوگا، کیونکہ اسنے دو رکعت فرض کیساتھ نفل کو شامل کردیا، اور نتیجہ ارذل کے تابع ہوتا ہے اسلئے پوری نماز نفل ہوگی، وہ سفر میں اتمام کیوں کرتی تھیں؟ تأولت کما

تاول عثمان، یعنی جس طرح حضرت عثمانؓ کے بارے میں گزرا کہ وہ قصر نہیں کرتے تھے؛ بلکہ اتمام کرتے تھے، اور حضرت عثمانؓ کا اتمام کرنا بالتاؤل اپنے کو مقیم بتا کر ہوتا تھا، اب رہی یہ بات کہ ان کی تاویل درست تھی یا نہیں یہ ایک الگ مسئلہ ہے، بہر حال وہ اپنے اجتہاد سے اتمام کرتے تھے اور انکی تاویلات کا ذکر حدیث نمبر ۱۲۷۰ کے تحت ہو چکا ہے، اسی طرح حضرت عائشہؓ بھی تاویل کر کے اپنے کو مقیم بتاتیں، پھر اتمام کرتی تھیں، حضرت عائشہؓ دورانِ سفر اپنے اتمام پر یہ دلیل پیش کرتی تھیں کہ ان کے حق میں سفر متحقق نہیں ہوتا ہے، کیونکہ وہ تمام مسلمانوں کی ماں ہیں، لہٰذا وہ دنیا کے جس گوشہ میں بھی رہیں اپنے بیٹوں کے گھر میں ہیں، اور ماں اپنے بیٹوں کے گھر میں مسافر نہیں ہوتی، معلوم ہوا کہ حضرت عائشہؓ نے اتمام تاویل کے بعد کیا اب تاویل صحیح ہے یا نہیں اس کی جواب دہی حنفیہ پر نہیں ہے، ہم تو صرف یہ کہتے ہیں کہ سفر شرعی میں اتمام صحیح نہیں اور اتمام کسی صحابی نے نہیں کیا اگر کسی صحابی نے اتمام کیا تو اس پر تاویل پیش کی ہے۔

حدیث نمبر ۱۲۷۲ ﴿قصر کا حکم من جانب اللہ ہے﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۳۴۹

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍؓ قَالَ فَرَضَ اللّٰهُ الصَّلٰوةَ عَلٰى لِسَانِ نَبِيِّكُمْ ﷺ فِي الْحَضَرِ أَرْبَعًا وَّفِي السَّفَرِ رَكْعَتَيْنِ وَفِي الْخَوْفِ رَكْعَةً رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

حوالہ: مسلم، ص نمبر ۲۴۱ ج ۱، باب صلاة المسافرين وقصرها، كتاب صلاة المسافرين، حديث نمبر ٦٧٧.

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے نبی حضرت محمد ﷺ کی زبانی حضر میں چار رکعت، سفر میں دو رکعت اور خوف کی حالت میں ایک رکعت نماز فرض کی ہے (مسلم)

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ حضر میں ظہر عصر اور عشاء کی نماز چار رکعت ہیں، اور حالتِ سفر میں یہ نمازیں دو رکعت ہوتی ہیں اور اگر سفر اور خوف دونوں جمع ہیں، یا خوف کے عالم میں حالت حاضر میں دو رکعت والی نماز پڑھی جا رہی ہے تو اس میں ایک رکعت پڑھی جائے گی، لیکن ایک رکعت سے مراد یہ ہے کہ ایک رکعت جماعت کے ساتھ اور دوسری رکعات تنہا پڑھنا ہے، صلاۃ الخوف کی ادائیگی کا طریقہ احادیث میں مذکور ہے آگے مستقل باب آ رہا ہے اس کے تحت تفصیلی کلام ہوگا۔

کلمات حدیث کی تشریح وفی السفر رکعتین یہ حنفیہ کی مضبوط دلیل ہے، کہ سفر میں قصر رخصت نہیں، بلکہ اصل حکم اور اصل فریضہ ہے، لہذا اتمام مقدار مفروض پر زیادتی ہوگا، **وفی الخوف رکعۃ** صلاۃ الخوف رکعات تعداد میں صلاۃ الامن کی طرح ہے، یہاں ایک رکعت پڑھنے سے مراد یہ ہے کہ دو جماعتیں بن جائیں، ایک دشمن سے مقابلہ کرے اور دوسری جماعت امام کے ساتھ ایک رکعت نماز پڑھے، اور پھر دوسری جماعت آ کر امام کے ساتھ ایک رکعت نماز پڑھے، اور دونوں جماعتیں مزید ایک ایک رکعت تنہا پڑھیں، یہ صورت دو رکعت والی نماز کی ہے، اور تین اور چار رکعات والی نماز میں پہلی جماعت دو رکعت امام کے ساتھ پڑھے باقی تنہا پڑھے۔ (تلخیص مرقات ص ۲۷۰ ج ۲)

حدیث نمبر ۱۲۷۳ ﴿دورانِ سفر وتر کا حکم﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۳۵۰

وَعَنْهُ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَا سَنَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ صَلٰوةَ السَّفَرِ رَكْعَتَيْنِ وَهُمَا تَمَامٌ غَيْرُ قَصْرٍ وَالْوِتْرُ فِي السَّفَرِ سُنَّةٌ رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ.

حوالہ: ابن ماجه، ص نمبر ۸۳ باب ماجاء في الوتر في السفر، كتاب اقامة الصلاة، حديث نمبر ۱۱۹۴

ترجمہ:۔ حضرت ابن عباسؓ اور حضرت ابن عمرؓ دونوں روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے سفر کی نماز دو رکعت مقرر فرمائی اور یہ دو رکعت نماز پوری ہے، ناقص نہیں ہے، اور سفر میں وتر کی نماز سنت ہے (ابن ماجہ)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ سفر میں قصر کا حکم آپ ﷺ نے اپنی زبان سے نافذ کیا ہے، اصل حکم تو قرآن مجید میں موجود ہے، سفر میں قصر ہی اصل ہے، اس لئے دو رکعت نماز پڑھنا مکمل نماز ہے، ایسا نہیں ہے کہ اس میں کوئی کمی ہوئی ہو، وتر کی نماز سفر میں پڑھنا ثابت بالسنہ ہے، یہ مطلب نہیں ہے کہ وتر کی نماز سفر میں واجب نہیں رہتی ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح سنّ رسول اللّٰہ ﷺ مقصد یہ ہے کہ آپ ﷺ کی زبان سے قصر کا حکم نافذ ہوا ہے، ورنہ تو قصر کا حکم قرآن مجید کی آیت سے ثابت ہے، غیر قصر، سفر میں دو رکعت نماز پڑھنا ہی اصل ہے، اس میں کوئی نقصان یا کمی نہیں ہوتی ہے، اور سفر میں دو رکعت پڑھنے کو قصر کہنا مجازاً ہے یا پھر حضر کی طرف نسبت کرتے ہوئے ہے، والوتر سنة وتر کا ثبوت سنت سے ہے، یا پھر یہ مراد ہے کہ سفر میں بھی وتر کی نماز اسلامی طریقہ ہے، آپ ﷺ کا یہ فرمان وتر کے وجوب کے منافی نہیں ہے، یہ جملہ اگرچہ دو صحابہ کا قول ہے، لیکن حکم میں حدیث مرفوع کے ہے۔ (مرقات ص نمبر ۲۲۷ ج ۳)

حدیث نمبر ۱۲۷۴ ﴿حضرت ابن عباسؓ کا قصر کرنا﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۳۵۱

وَعَنْ مَّالِكٍ بَلَغَهٗ اَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ كَانَ يَقْصُرُ الصَّلٰوةَ فِيْ مِثْلِ مَايَكُوْنُ بَيْنَ مَكَّةَ وَالطَّائِفِ وَفِيْ مِثْلِ مَابَيْنَ مَكَّةَ وَعُسْفَانَ وَفِيْ مِثْلِ مَابَيْنَ مَكَّةَ وَجَدَّةَ قَالَ مَالِكٌ وَذٰلِكَ اَرْبَعَةُ بُرُدٍ رَوَاهُ فِی الْمُوَطَّا.

حواله: مؤطا امام مالك، ص نمبر ۵۲ باب مايجب فيه قصر الصلاة، حديث نمبر ۱۵.

ترجمہ: حضرت امام مالکؒ سے روایت ہے کہ ان کو حضرت ابن عباسؓ کے بارے میں یہ بات پہنچی ہے کہ حضرت ابن عباسؓ اس مسافت کے دوران جو مکہ اور طائف، مکہ اور عسفان، مکہ اور جدہ کے درمیان ہے قصر نماز پڑھتے تھے، امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ یہ مسافت چار برید ہے۔ (موطا امام مالک)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ اگر کوئی شخص چار برید کی مسافت یا اس سے زائد کا سفر کر رہا ہے تو وہ مسافر شرعی ہے اور وہ قصر کرے گا، چار برید اڑتالیس میل شرعی کہلاتا ہے، جو کہ انگریزی میل سے چون میل ٹھہرتا ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح کان يقصر الصلاة کتنی مسافت کا سفر ہو تب قصر کیا جائے؟ قرآن وحدیث میں اس کی صراحت نہیں ہے آپ ﷺ نے جن اسفار میں قصر کیا ہے وہ بھی متفاوت ہیں، صحابہ وتابعین سے مسافت قصر کے حوالے سے جو کچھ منقول ہے، اس میں کافی اختلاف ہے، ائمہ ثلاثہ سے سولہ فرسخ منقول ہے جو کہ چار برید یعنی اڑتالیس میل بنتے ہیں حنفیہ کے نزدیک معتبر مسافت درمیانی چال کیساتھ تین دن کی مسافت ہے، دن میں رات داخل نہیں ہے، اور پورا دن چلنا بھی مراد نہیں ہے، بلکہ صبح سے لے کر ظہر تک چلنا کافی ہے حنفیہ تین دن کا اعتبار اس لیے کرتے ہیں کہ تین دن کے سفر سے احکام متغیر ہوتے ہیں، مثلاً آپ ﷺ کا فرمان ہے، المسح على الخفين للمسافر ثلاثة ايام الخ، اسی طرح آپ ﷺ کا فرمان ''لاتسافر المراة ثلاثة ايام الامع محرم'' معلوم ہوا کہ تین دن کا سفر معتد بہ ہے اور اس سے شرعی حکم کا ثبوت ہوتا ہے، احناف کے یہاں اس کے علاوہ بھی اقوال ہیں اور حنفیہ کے یہاں فتویٰ اڑتالیس میل کی مسافت پر قصر کرنے کا ہے، اس کی تائید حدیث باب سے بھی ہوتا ہے، اور دیگر مذاہب کے موافق بھی ہے۔

حدیث نمبر ۱۲۷۵ ﴿دوران سفر نفل نماز پڑھنے کا بیان﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۳۵۲

وَعَنِ الْبَرَآءِ قَالَ صَحِبْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ ثَمَانِيَةَ عَشَرَ سَفَرًا فَمَارَاَيْتُهٗ تَرَكَ رَكْعَتَيْنِ اِذَا زَاغَتِ الشَّمْسُ قَبْلَ الظُّهْرِ رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ.

حواله: ابوداؤد، ص نمبر ۱۷۲ ج ۱، باب التطوع في السفر، كتاب صلاة المسافر، حديث نمبر ۱۲۲۲ ترمذی،

ص ۱۲۳ ج ۱، باب ماجاء فی التطوع فی السفر، ابواب السفر حدیث نمبر ۵۵۰.

ترجمہ: حضرت براء سے روایت ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اٹھارہ دن سفر میں رہا، میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ آپ ﷺ نے سورج ڈھلنے کے بعد ظہر سے پہلے دو رکعت پڑھنا ترک کیا ہو، (ابوداؤد، ترمذی) امام ترمذیؒ نے کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ آپ ﷺ دورانِ سفر بھی سنن کا اہتمام کرتے تھے، حدیث باب میں ظہر سے پہلے جو دو رکعت پڑھنا مذکور ہے، اس سے مراد یا تو تحیۃ الوضوء کی نماز ہے، یا پھر ظہر سے پہلے کی چار رکعت سنن کو آپ ﷺ مختصر کر کے دو رکعت پڑھتے ہوں گے۔

کلمات حدیث کی تشریح فمارایته ترك رکعتین صاحب بذل نے علامہ عینی کا قول نقل کیا ہے کہ اس سے مراد صلاۃ الزوال کی دو رکعت ہیں، جو کہ آپ ﷺ ظہر سے پہلے پڑھتے تھے، دورانِ سفر آپ ﷺ نے سنن پڑھی بھی ہیں اور ترک بھی کیا ہے، لہٰذا دونوں صورتوں پر عمل کی گنجائش ہے تحقیق کے لئے حدیث نمبر ۱۲۶۱ دیکھیں۔

حدیث نمبر ۱۲۷۶ ﴿سفر میں نوافل کی گنجائش﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۳۵۳

وَعَنْ نَافِعٍ قَالَ اِنَّ عَبْدَ اللّٰہِ بْنَ عُمَرَ کَانَ یَرَی ابْنَہٗ عُبَیْدَ اللّٰہِ یَتَنَفَّلُ فِی السَّفَرِ فَلَا یُنْکِرُ عَلَیْہِ رَوَاہُ مَالِكٌ.

حوالہ: مؤطا امام مالك ص نمبر ۵۳، باب صلاۃ النافلة فی السفر الخ، کتاب قصر الصلاۃ فی السفر، حدیث نمبر ۲۴.

ترجمہ: حضرت نافع سے روایت ہے کہ بلاشبہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ اپنے بیٹے عبیداللہ کو سفر میں نفل پڑھتے دیکھتے تھے تو منع نہیں کرتے تھے۔ (مؤطا امام مالک)

خلاصۂ حدیث اصل بات یہ ہیکہ سفر میں نفل کے ادا کرنے اور ترک کرنے دونوں کی گنجائش ہے حضرت ابن عمرؓ نے بسا اوقات نفل کی ادائیگی پر نکیر فرمائی ہے، اور بسا اوقات کوئی نکیر نہیں کی ہے، ممکن ہے کہ آپؓ نے اسوقت نکیر کی ہو جب لوگوں نے سفر میں مشقت کے باوجود التزاماً نفل کی ادائیگی کی ہو، اور جب وقت اور موقع میں گنجائش ہی رہتے ہوئے نفل ادا کی ہو تو آپؓ نے نکیر نہ کی ہو۔

کلمات حدیث کی تشریح یتنفل فی السفر فلا ینکر علیہ حدیث نمبر ۱۲۶۱ گذری اس میں حضرت ابن عمرؓ نے نفل پڑھنے والوں پر نکیر کی ہے، یہاں نکیر نہیں کی، حضرت ابن عمرؓ دورانِ سفر سنن پڑھنے کے قائل تھے، لیکن جو لوگ سفر میں حضر کی طرح سنن کا اہتمام کرتے تھے، ان پر آپؓ نکیر کرتے تھے، حضرت ابن عمرؓ کا مقصد یہ تھا کہ گنجائش ہو تب سنن سفر میں پڑھی جائیں، بلاوجہ کی مشقت برداشت کر کے سنن کا اہتمام درست نہیں، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے سفر میں فرض دو رکعت رکھی ہے، تاکہ مشقت نہ ہو۔

باب الجمعۃ

﴿جمعہ کا بیان﴾

''جمعہ'' کے معنی ہیں مجموعہ، یہاں جمعہ کا دن مراد ہے، اس کی جمع آتی ہے ''جُمَعٌ'' اس باب کے تحت مؤلف نے ۴۲ احادیث نقل کی ہیں، ان احادیث میں جمعہ کے دن کی اہمیت وفضیلت جمعہ کے دن واقع ہو چکے اور واقع ہونے والے چند اہم امور کا ذکر جمعہ کے دن ساعت مرجوہ ہوتی ہے، اس کا اور اس ساعت کی عظمت کا تذکرہ، جمعہ کے دن آپ پر کثرت سے درود بھیجنے کا حکم اور جمعہ کے دن انتقال کرنے والے کی نیک بختی نیز جمعہ کے دن کا مسلمانوں کے حق میں عید ہونے کا ذکر ہے اور ان کے علاوہ بھی جمعہ کے دن سے تعلق چند اہم امور مذکور ہیں۔

اجتماعی عبادت کے لیے دن کی تعیین اجتماعی عبادت کے لیے ہفتہ واری اجتماع کیا گیا، اور ہفتہ میں جمعہ کے دن کا انتخاب اس امت کے حق میں اللہ کی بہت بڑی نوازش ہے، سارے دنوں میں سب سے افضل دن

جمعہ کا ہے، یہ علم اللہ تعالیٰ نے اولاً بعض صحابہ کے قلوب پر القا کیا، رحمۃ اللہ الواسعۃ میں اس کی تفصیل یوں لکھی ہے کہ حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ ایک بلند پایہ صحابی ہیں، مدینہ میں اسلام کی اشاعت میں ان کی مساعی جمیلہ کا بڑا حصہ ہے، انہوں نے ایک مرتبہ مسلمانوں کو مدینہ سے باہر ایک باغ میں جمع کیا، تاکہ پتہ چلے کہ مسلمانوں کی تعداد کتنی ہے؟ اور وہ کس حال میں ہیں، جب سب حضرات جمع ہوئے تو مسلمانوں کی تعداد توقع سے زیادہ تھی، سب ایک دوسرے سے مل کر خوش ہوئے، حضرت اسعدؓ نے ایک بکرا ذبح کر کے سب کی دعوت کی، اتفاق سے یہ جمعہ کا دن تھا، کھانا کھا کر سب نے جماعت سے دوگانہ شکر ادا کیا، اور مشورہ ہوا کہ آئندہ بھی ہفتہ میں ایک بار جمع ہونا چاہئے، تاکہ ایک دوسرے کے احوال کا پتہ چلے، پھر یہ بات زیر غور آئی کہ کس دن جمع ہوا جائے، سب نے جمعہ کے دن کی رائے دی، اور وجہ یہ بیان کی کہ ہم اہل کتاب سے پیچھے کیوں رہیں؟ دین کے کاموں میں ہمیں ان سے ایک دن آگے رہنا چاہئے، اس طرح جمعہ کے دن کا انتخاب عمل میں آیا، پھر اللہ تعالیٰ نے ثانیاً یہ علم آنحضرت ﷺ کے لئے کھولا، مصنف ابن شیبہ کی روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جبرئیل میرے پاس آئے ان کے ہاتھ میں سفید آئینہ جیسی کوئی چیز تھی، اس میں ایک سیاہ نقطہ تھا، میں نے پوچھا کہ جبرئیل یہ کیا ہے؟ فرمایا یہ جمعہ ہے، میں نے پوچھا کہ جمعہ کیا ہے؟ فرمایا تمہارے لئے اس میں خیر ہے میں نے پوچھا کہ اس میں کیا خیر ہے؟ فرمایا وہ آپ ﷺ کے لیے اور آپ ﷺ کی امت کے لئے روزِ عید ہے، اور یہود و نصاریٰ تمہارے پیچھے ہیں، یعنی ان کی عبادت کے دن بعد میں آرہے ہیں، میں نے پوچھا کہ اس دن میں کیا خصوصیت ہے؟ فرمایا اس میں ایک ساعتِ مرجوہ ہے (یعنی ایسی ساعت ہے جس میں بندۂ مومن کی دعا ضرور قبول ہوتی ہے، تفصیلات احادیث کے ذیل میں دیکھیں) میں نے پوچھا کہ اس میں سیاہ نقطہ کیا ہے، فرمایا یہی وہ ساعت مرجوہ ہے، جو جمعہ کے دن ہوتی ہے، اور یہ سید الایام ہے، قیامت کے دن اس کو ہم یوم المزید کہیں گے۔ (رحمۃ اللہ الواسعۃ)

جمعہ کے دن کی فضیلت جس دن میں کوئی اہم واقعہ پیش آتا ہے اس دن کو دیگر دنوں کے مقابلہ میں فضیلت حاصل ہوتی ہے جمعہ کے دن بہت سے اہم امور پیش آچکے ہیں اور چند اہم امور جمعہ کے پیش آئیں گے مثلاً حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق جمعہ کے دن ہوئی جنت میں دخول اور جنت سے اخراج جمعہ کے دن ہوا، قیامت بھی جمعہ ہی کے دن آئے گی

الفصل الاوّل

حدیث نمبر ۱۲۷۷ ﴿جمعه مسلمانوں کا خاص دن هے﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۳۵۴۔۱۳۵۵

عَنْ ابِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰه ﷺ نحنُ الآخِرُوْنَ السَّابِقُوْنَ یَوْم القِیَامَةِ ،بَیْدَ اَنَّهُم اُوتوا الْكِتَابَ مِن قَبْلِنَا وَاُتِیْنَاهُ مِنْ بَعْدِهِمْ ،ثُمَّ هٰذَا یَوْمُهُمُ الَّذِیْ فُرِضَ عَلَیْهِمْ یَعْنِیْ یَوْمَ الْجُمُعَةِ ،فَاخْتَلَفُوْا فِیْهِ، فَهَدَانَا اللّٰه لَهُ وَالنَّاسُ لَنَا فِیْهِ تَبَعٌ، اَلیَهُوْدُ غَدًا وَالنَّصَارٰیْ بَعْدَغَدٍ ، مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ، وَفِیْ رِوَایَةٍ، لِمُسْلِمٍ قَالَ نَحْنُ الآخِرُوْنَ الاَوَّلُوْنَ یَوْمَ القِیَامَةِ وَنَحْنُ اَوَّلُ مَنْ یَدْخُلُ الجَنَّةَ بَیْدَ اَنَّهُمْ وَذَكَرَ نَحْوَهُ اِلٰی آخِرِه، وَفِیْ اُخْرٰی لَهُ عَنْهُ، وعَنْ حُذَیْفَةَ قالَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فِیْ آخِرِ الحَدِیْث ،نَحْنُ الآخِرُوْنَ مِنْ اَهْلِ الدُّنْیَا وَالاَوَّلُوْنَ یَوْم القِیَامَة لَهُمْ قَبْلَ الخَلائِقِ.

حواله: بخاری ص ۱۲۰ ج ۱، باب فرض الجمعة ،كتاب الجمعة، حديث نمبر ۸۷۶،مسلم ص نمبر ۳۸۲، باب هدية هذه الامة ليوم الجمعة كتاب الجمعة ،حديث نمبر ۸۵۶.

ترجمه: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ہم بعد میں آنے والے ہیں، قیامت میں سب سے آگے ہوں گے، علاوہ ازیں اہل کتاب کو ہم سے پہلے کتاب دی گئی ہے، اور ہمیں بعد میں کتاب ملی ہے، پھر یہ وہ دن ہے، (جمعہ) جو ان پر فرض کیا گیا تھا، لیکن انہوں نے اس میں اختلاف کیا، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس دن کے بارے میں ہمیں ہدایت فرمائی، اور لوگ ہمارے تابع

ہیں یہود نے کل (سنیچر) کو اختیار کیا، اور نصاریٰ نے پرسو (اتوار) کو اختیار کیا، اور مسلم کی ایک دوسری روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہم بعد میں آئے ہیں، اور قیامت کے دن سب سے آگے ہوں گے، اور ہم سب سے پہلے جنت میں داخل ہوں گے، علاوہ ازیں اور آخر تک اسی طرح ذکر کیا، مسلم کی ایک اور روایت میں حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت حذیفہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حدیث کے آخیر میں فرمایا کہ ہم اہلِ دنیا کے اعتبار سے پیچھے آنے والے ہیں، قیامت کے دن ہم ہی وہ سب سے آگے رہنے والے ہوں گے جن کا فیصلہ سب سے پہلے ہوگا۔

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ امتِ محمدیہ تمام امتوں میں سب سے افضل امت ہے، یہ امت دنیا میں آنے کے اعتبار سے اگرچہ مؤخر ہے لیکن قیامت کے دن فضل وکمال کے اعتبار سے یہ سب سے مقدم ہوگی، یہی امت ہے جسکے لئے سب سے پہلے دخولِ جنت کا فیصلہ ہوگا، دیگر امتیں اس امت کے تابع ہیں، اس امت کو جو کتاب عطا ہوئی وہ اگرچہ سب سے بعد میں نازل ہوئی، لیکن اسکو ام الکتاب ہونیکا شرف حاصل ہے اور دیگر کتب سماویہ کیلئے ناسخ ہے، اللہ تعالیٰ نے اس امت کو سب سے افضل دن یعنی جمعہ کی ہدایت فرمائی، اور یہی مسلمانوں کا خاص دن ہوا، اسی دن مسلمان جمع ہوکر عبادت کرتے ہیں اور رب العالمین کی بیش بہا نعمتوں سے اپنے دامن مراد کو بھرتے ہیں، یہود نے جمعہ کے دن کو نہ اختیار کرکے شنبہ کا دن اختیار کیا، اسی طرح نصاریٰ نے یکشنبہ کو اختیار کیا۔ چونکہ ایام کی تعیین میں وہ صحیح فیصلہ تک نہیں پہنچ سکے، انکو وہ انوار و برکات بھی نصیب نہ ہو سکے جو مسلمانوں کیلئے من جانب اللہ مقدر ہوئے

کلمات حدیث کی تشریح السابقون یوم القیامۃ مطلب یہ ہے کہ زمانے کے اعتبار سے اگرچہ ہم دوسری قوموں سے مؤخر ہیں، لیکن یہ مؤخر ہونا آخرت میں ہمارے مقام ومراتب کو کم کرنے والا نہیں ہے، بلکہ آخرت میں شرف وکمال کے اعتبار سے ہم ہی مقدم ہونگے، چنانچہ دخول جنت تک کے تمام مراحل میں یہ امت دیگر امتوں سے آگے رہے گی، بیدا أنهم اوتوا الکتاب ''بید انهم ''علی انهم کے معنی میں ہے، مطلب یہ ہے کہ اگرچہ ہمیں کتاب بعد میں ملی اور دیگر امتوں کو ہم سے پہلے ملی، لیکن یہ چیز بھی شرف وکمال کی بناپر ہے، کیوں کہ ہماری کتاب دیگر کتابوں کے لئے ناسخ ہے، اس لئے کہ یہی اصول ہے کہ بعد والی کتاب سے پہلے والی کتب منسوخ ہوتی ہے، مولانا رومیؒ فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ کا عجیب احسان ہے کہ امم سابقہ کو ہمارے لئے عبرت اور ان کے عذاب کو ہمارے لئے تادیب اور ان کی رسوائی کو ہمارے لئے نصیحت بنادیا اور معاملہ اس کے برعکس نہیں کیا، اور یہ سب کچھ اسی وقت ہوا جب کہ ہمیں بعد میں بھیجا، تو ہمارا بعد میں دنیا میں آنا اور ہماری کتاب کا آخری ہونا اگرچہ ظاہری اعتبار سے نقص لگتا ہے لیکن حقیقت کے اعتبار سے یہ شرف وکمال ہے (التعلیق الصبیح، فتح الملھم)

ثم یومهم الذی فرض علیهم اللہ تعالیٰ نے ان پر جمعہ کو فرض کیا پھر انہوں نے اس میں اختلاف کیا، اصل بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کو اس بات کا اختیار دیا تھا کہ وہ اپنے اجتہاد اور تدبر کے ذریعہ سے جمعہ کے دن کا انتخاب کرلیں یا کسی اور دن کو چن لیں۔ لیکن ظاہر بات ہے کہ جمعہ کا دن افضل و بہتر تھا، اہل کتاب کو اسی دن کا انتخاب کرنا چاہئے، لیکن یہود نے ہفتہ کا دن منتخب کیا، اور اس کی تعیین کی وجہ یہ قرار دی کہ اسی دن اللہ تمام مخلوقات کو پیدا کرنے سے فارغ ہوئے تھے، لہذا المخلوق خدا کو بھی چاہئے کہ اس دن اپنے آپ کو فارغ کرکے صرف خدا کی عبادت کرے، نصاریٰ نے اپنے لئے اتوار کا دن چن لیا، اور اس کی تعیین کی وجہ یہ قرار دی کہ یہی دن ہے جس دن تخلیق کائنات کی ابتداء ہوئی، لہذا شکر و تعظیم کے لئے سب سے بہتر دن یہی ہے، اہل کتاب کے دونوں فرقوں سے خطا ہوئی، اور منشاء خداوندی کو سمجھ نہ سکے، جس دن کو اللہ تعالیٰ مخصوص کرنا چاہتے تھے، وہ انہوں نے نہیں کیا، **هدانا اللہ له** اللہ تعالیٰ نے اس امت کو اس دن کی ہدایت بخشی، اور وہ دن درحقیقت جمعہ کا دن ہے، جو مسلمانوں کا خاص دن قرار پایا، یہی وہ دن ہے جس دن اللہ تعالیٰ نے حضرت

آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا، اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم اور اولاد آدم کو اپنی عبادت کے لئے پیدا فرمایا، لہٰذا اسی دن کو اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لئے خاص طور پر متعین کرنا سب سے اولیٰ ہے، لہٰذا عبادت کیلئے جمعہ کے دن کا انتخاب سب سے بہتر ہے۔ (تلخیص لمعات)

والناس فيه لنا تبع: چوں کہ امت محمدیہ کو اللہ تعالیٰ نے خصوصی طور پر وہ دن عطا کیا جو سید الایام ہے، اور اس دن میں خصوصی عبادت کی توفیق مرحمت فرمائی، لہٰذا یہ امت متبوع ہوئی اور دیگر امتیں تابع ہو گئیں، کیونکہ جو قوم متبوع دن میں خصوصی عبادت کرے گی وہ متبوع ہی ہوگی۔

سوال: اللہ تعالیٰ نے جمعہ کی ہدایت مسلمانوں کو کس طور پر عطا کی۔

جواب: اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ''يايها الذين آمنو اذانودى للصلوة من يوم الجمعة فاسعوا الى ذكر الله'' آیت مذکورہ کے ذریعہ جمعہ کے دن خصوصی عبادت کا حکم دیا، پھر اپنے فضل سے اس پر عمل کرنے کی توفیق مرحمت فرمائی۔

حدیث نمبر ۱۲۷۸ ﴿دنوں میں سب سے بھتر جمعه کا دن﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۳۵۶

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ خَیْرُ یَوْمٍ طَلَعَتْ عَلَیْهِ الشَّمْسُ یَوْمُ الْجُمُعَةِ فِیْهِ خُلِقَ اٰدَمُ وَفِیْهِ اُدْخِلَ الْجَنَّةَ وَفِیْهِ اُخْرِجَ مِنْهَا وَلَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ اِلَّا فِیْ یَوْمِ الْجُمُعَةِ رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

حواله: مسلم، ص نمبر ۲۴۲ ج ۱، باب فضل يوم الجمعة، كتاب الجمعة، حديث نمبر ۸۵۴.

ترجمه: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ان سب دنوں میں جن میں سورج طلوع ہوتا ہے، سب سے بہتر جمعہ کا دن ہے، اسی دن حضرت آدم علیہ السلام پیدا کیے گئے، اسی دن وہ جنت میں داخل کئے گئے، اسی دن ان کو جنت سے نکالا گیا، اور قیامت بھی جمعہ کے روز ہی قائم ہوگی۔ (مسلم)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ ہفتہ کے سات دنوں میں سب سے افضل دن جمعہ کا دن ہے، یہ دن سید الایام ہے، اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت بابرکت اور محترم ہے، آپ کا ارشاد ہے ''ان يوم الجمعة سيد الايام واعظمها عند الله'' یہی وہ بابرکت دن ہے جس دن سارے انسانوں کے باپ حضرت آدم کی تخلیق عمل میں آئی، اسی دن قابل شکر امر یعنی حضرت آدم کے دخول جنت کا عمل متحقق ہوا، اسی دن حضرت آدم کا جنت سے زمین کی طرف اخراج ہوا، اور ان کو خلیفۃ اللہ کی سعادت روئے زمین پر حاصل ہوئی، اسی دن قیامت قائم ہوگی جو کہ اللہ کے نیک بندوں کے جنت میں داخل اور وہاں کی نعمتوں سے فائدہ اٹھانے کا ذریعہ ہے، یہ چند عظیم واقعات ہیں جن کا وقوع جمعہ کے دن ہو چکا یا ہوگا اس سے جمعہ کے دن کی عظمت کا کچھ علم ہوتا ہے، اس کے علاوہ بہت سے امور ہیں جن سے جمعہ کے دن کی دیگر ایام پر فضیلت آشکارہ ہوتی ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح خير يوم طلعت عليه الشمس۔ یہ تعبیر دیگر ایام پر جمعہ کی فضیلت سمجھانے کے لئے آپ ﷺ نے اختیار فرمائی، ورنہ سورج تو ہر دن طلوع ہوتا ہے۔

تعارض: آپ ﷺ نے تمام دنوں میں سب سے افضل جمعہ کا دن اس حدیث میں فرمایا ہے، حالانکہ آپ ﷺ نے تمام دنوں میں سب سے افضل عرفہ کے دن بھی فرمایا ہے، آپ ﷺ کا ارشاد عالی ہے ''مامن يوم افضل عند الله تعالى من يوم عرفة'' اللہ تعالیٰ کے نزدیک عرفہ کے دن سے افضل کوئی دن نہیں ہے، بظاہر دونوں احادیث میں تعارض ہے۔

دفع تعارض: دونوں کی فضیلت کا مدار الگ الگ اعتبار سے ہے، اس لئے کوئی تعارض نہیں ہے، جمعہ کو افضل الایام سات دن کے اعتبار سے کہا گیا ہے، یعنی ہفتہ میں جو سات دن ہوتے ہیں ان سات دنوں میں سب سے بہتر جمعہ کا دن ہے، اور عرفہ کا دن پورے سال

میں سب سے بہتر دن ہے، یعنی مجموعی اعتبار سے ''عرفہ کا دن'' سب سے بہتر ہے، فصل ثانی میں حضرت اوسؓ کی روایت ہے ''ان من افضل ایاکم یوم الجمعة'' یہاں ''من تبعیضیه'' ہے جس سے یہ بات معلوم ہو رہی ہے کہ جمعہ ایام فاضلہ کی قبیل سے ہے، لہذا یہاں بھی یہ احتمال موجود ہے کہ یوم عرفہ جمعہ سے افضل ہو۔ (فتفکر)

فیه خلق آدم ، جمعہ ہی کے دن حضرت آدم کی تخلیق ہوئی اسی دن جنت میں دخول اور جنت سے اخراج متحقق ہوا، حدیث باب سے بظاہر یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ تینوں عمل ایک دن میں انجام پا گئے، چنانچہ منقول ہے حضرت آدم جمعہ کی صبح پیدا ہوئے، اورظہر کے وقت جنت میں داخل ہوئے، اور عصر کے وقت جنت سے نکالے گئے۔

اشکال: حضرت آدم کی تخلیق اوران کا جنت میں دخول تو ایسے امور ہیں جن سے جمعہ کی عظمت معلوم ہوتی ہے، لیکن حضرت آدم کے جنت سے نکالے جانے سے جمعہ کی عظمت کا کیا واسطہ ہے، جو جمعہ کی فضیلت میں آپ ﷺ نے اس کا بھی ذکر فرمایا؟

جواب: حضرت آدم کا جنت سے نکالا جانا بھی انسانیت کے حق میں سراپا خیر ہے، اس سے روئے زمین کو نورِ ہدایت عطا ہوا، یہی ''اخراج'' انبیاء ورسل اور کتب کے نزول کا ذریعہ بنا، اسی سے صلحا اور اولیا کا وجود عمل میں آیا، پھر حضرت آدم کا یہ اخراج شیطان کی طرح ذلت کے ساتھ نہیں تھا، بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کی لغزش کو معاف فرما کر اپنی حکمت بالغہ کے تحت زمین پر بھیجنے کے لئے جنت سے ان کا اخراج کیا تھا، اسی اخراج کی بدولت وہ زمین پر خلیفۃ اللہ کی حیثیت سے کافی عرصہ تک رہے، اوران کی اولاد میں نبوت ورسالت کا عظیم سلسلہ قائم ہوا، لہذا یہ عمل جس دن میں پیش آیا وہ دن بھی عظیم ہوگا، اور وہ دن جمعہ کا دن ہے۔

ولا تقوم الساعة: جمعہ ہی کے دن قیامت آئے گی، قیامت سے مراد ''نفخۂ'' اولیٰ ہے کہ جس سے سب لوگ ہلاک ہوجائیں گے، یا پھر نفخۂ ثانیہ مراد ہے، کہ اس کے پھونکے جانے کے بعد سب لوگ زندہ ہوکر میدان حشر میں جمع ہوجائیں گے۔

سوال: قیامت میں کون سی خوبی ہے کہ جمعہ کو اس کی بنا پر فضیلت حاصل ہوگی؟

جواب: قیامت اولیاء اللہ اور اللہ کے نیک بندوں کے جنت میں دخول کا ذریعہ ہے، اور یہ جمعہ ہی کے دن قائم ہوگی، لہذا جمعہ کو اس کی وجہ سے فضیلت حاصل ہے قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام کے اخراج اور قیامت کے قائم ہونے کا تذکرہ جمعہ کی فضیلت کی بنا پر نہیں ہے، بلکہ اس دن میں بڑے بڑے واقعات رونما ہونے کی طرف اشارہ ہے۔ (معارف السنن نمبر ۳۰۲ ج ۴)

حدیث نمبر ۱۲۷۹ ﴿جمعہ کے دن قبولیت کی ایک خاص ساعت﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۳۵۷

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ فِي الْجُمُعَةِ لَسَاعَةً لَّايُوَافِقُهَا عَبْدٌ مُسْلِمٌ يَّسْأَلُ اللّٰهَ فِيْهَا خَيْرًا اِلَّا اَعْطَاهُ اِيَّاهُ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَزَادَ مُسْلِمٌ قَالَ وَهِيَ سَاعَةٌ خَفِيْفَةٌ وَفِيْ رِوَايَةٍ لَّهُمَا قَالَ اِنَّ فِي الْجُمُعَةِ لَسَاعَةً لَّايُوَافِقُهَا مُسْلِمٌ قَائِمٌ يُّصَلِّيْ يَسْأَلُ اللّٰهَ خَيْرًا اِلَّا اَعْطَاهُ اِيَّاهُ.

حوالہ: بخاری ص نمبر ۱۲۸ ج ۱، باب الساعة التی فی یوم الجمعة، کتاب الجمعة، حدیث نمبر ۹۲۵، مسلم ص نمبر ۲۸۱ ج ۱، باب فی الساعة التی فی یوم الجمعة، حدیث نمبر ۸۵۲۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جمعہ کے دن میں بلاشبہ ایک ایسی ساعت ہے کہ اگر کوئی مسلمان بندہ پالے اور اس میں وہ اللہ تعالیٰ سے کوئی خیر و بھلائی مانگے تو اللہ تعالیٰ اس کو وہ ضرور عطا فرماتے ہیں (بخاری ومسلم) اور مسلم کی ایک روایت میں یہ الفاظ مزید ہیں، قال وهی ساعة خفیفة الخ، آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ ساعت بہت مختصر ہوتی ہے، اور بخاری و مسلم کی ایک روایت میں یہ الفاظ منقول ہیں ''ان فی الجمعة لساعة'' بلاشبہ جمعہ کے روز ایک ایسی ساعت آتی ہے کہ جسے اگر کوئی بندہ مؤمن جو نماز کے لئے کھڑا ہو لے اور خدا سے بھلائی کے لئے دعا کرے تو اس کو خدا وہ بھلائی ضرور عطا فرمادیتا ہے۔

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ جمعہ کے دن ایک مخصوص گھڑی ہوتی ہے جس میں اللہ تعالیٰ مانگی ہوئی مراد ضرور عطا کرتے ہیں، وہ گھڑی کون سی ہے؟ اس کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے بہت سی مصلحتوں سے پوشیدہ رکھا ہے، البتہ حدیث کے اشارات سے ظنی تحدید ہوتی ہے، چنانچہ اس تحدید کے حوالے سے علماء کے اقوال مختلف ہیں۔

کلمات حدیث کی تشریح ''ان فی الجمعة لساعة'' جمعہ کے دن ایک ایسی گھڑی ہے جس میں مسلم بندہ کی دعا ضرور قبول ہوتی ہے۔

سوال: اس گھڑی میں مانگی جانے والی دعاء کی قبولیت سے کیا مراد ہے؟

جواب: قبولیت سے مراد یہ ہے کہ اس وقت میں مانگی ہوئی دعا رائیگاں نہیں جاتی ہے، یا تو وہی چیز مل جاتی ہے جو مطلوب ہوتی ہے، یا پھر اس کا بدلہ ملتا ہے، یا پھر اللہ تعالیٰ اس کے لئے ذخیرۂ آخرت بنا دیتے ہیں۔

سوال: جمعہ کے دن کس وقت یہ ساعت آتی ہے جس میں دعا ضرور قبول ہوتی ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے مصلحتِ عباد کے پیش نظر اس وقت کی تعیین نہیں فرمائی ہے، لیکن شارحین نے ظنی تحدید بیان فرمائی ہے، اس حوالے سے متعدد اقوال ہیں (۱) جس وقت امام خطبہ کے لئے منبر پر جائے اس وقت سے لے کر نماز کے ختم ہونے تک جو وقت ہے وہ وقت ہی ساعت اجابت ہے، اس کی تائید حضرت ابو ہریرہؓ کے اس ارشاد سے ہوتی ہے ''هي مابين يجلس الامام الى ان تقضى الصلاة'' اسی قول کو حضرت امام شافعیؒ نے اختیار کیا ہے (۲) عصر بعد سے لے کر غروب آفتاب کا وقفہ ساعت اجابت ہے، اس کی تائید حضرت انسؓ کی اس روایت سے ہوتی ہے ''التمسوا الساعة التى ترجى فى يوم الجمعة بعد العصر الى غيبوبة الشمس'' حضرت امام ابوحنیفہؒ نے اسی قول کو اختیار کیا ہے۔

اشکال: عصر کے بعد سے مغرب تک کا وقفہ کیسے مراد ہو سکتا ہے، جب کہ حدیث باب میں یہ کلمات بھی ہیں، قائم يصلى الخ '' یعنی اس ساعت میں بندہ کھڑا ہو کر نماز پڑھتا ہے، ظاہر بات ہے عصر بعد سے مغرب تک نماز پڑھنا ممنوع ہے۔

جواب: يصلى کا مطلب یہ ہے کہ بندہ وضو وغیرہ کر کے اسوقت میں نماز کے انتظار میں بیٹھا رہتا ہو اور دعا وغیرہ میں مشغول رہتا ہو۔

سوال: اللہ تعالیٰ نے اس ساعت اجابت کو ظاہر کیوں نہیں فرمایا، پوشیدہ رکھنے میں کیا مصلحت ہے؟۔

جواب: ساعت اجابت کے پوشیدہ رکھنے میں فائدہ یہ ہے کہ لوگ اس کی امید اور اس کی تلاش کی وجہ سے پورے دن عبادت میں مشغول رہیں گے، اگر حتمی تحدید کر دی جاتی تو اسی وقت پر تکیہ کر کے بیٹھ جاتے، اسی مصلحت سے ''ليلة القدر'' کو بھی مبہم رکھا گیا ہے۔

اشکال: جب ساعت اجابت کے ابہام میں فائدہ ہے تو لوگ اس کی تحدید کیوں کرنا چاہتے ہیں؟

جواب: سلف صالحین کو عبادت کا شوق تھا ان کے حق میں ابہام ہی بہتر ہے، لیکن بعد والے سستی وغفلت کی وجہ سے بالکلیہ اس ساعت کی تلاش ترک ہی نہ کر دیں اس لئے ان کے حق میں نرمی کا تقاضا یہ تھا کہ ظنی ہی سہی تحدید کر دی جائے، تا کہ بالکلیہ محرومی نہ ہو، کیوں کہ اگر تحدید نہ ہوتی تو پورے دن عبادت کی مشقت سے بچنے کے لئے اس طرف معدودے چند ہی لوگ متوجہ ہوتے ورنہ اکثر لوگ تو ترک ہی کر دیتے (مستفاد معارف السنن ص نمبر ۳۰۷-۴)

حدیث نمبر ۱۲۸۰ ﴿جمعہ میں ساعت قبولیت کی تعیین﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۳۵۸

وَعَنْ اَبِیْ بُرْدَةَ بْنِ اَبِیْ مُوْسٰی قَالَ سَمِعْتُ اَبِیْ يَقُوْلُ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ فِیْ شَانِ سَاعَةِ الْجُمُعَةِ هِیَ مَابَيْنَ اَنْ يَّجْلِسَ الْاِمَامُ اِلٰی اَنْ تُقْضَی الصَّلٰوةُ رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

حواله: مسلم، ص نمبر ۲۸ ج ۱، باب فی الساعة التی فی یوم الجمعة، کتاب الجمعة، حدیث نمبر ۸۵۳.

ترجمه: حضرت ابو بردہؓ سے روایت ہے کہ میں نے اپنے والد ابوموسیٰ کو فرماتے ہوئے سنا کہ وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو جمعہ کی ساعت قبولیت کے بارے میں فرماتے ہوئے سنا کہ "جب امام منبر پر بیٹھ جائے اس وقت سے نماز ختم ہونے تک ساعت قبولیت ہے۔ (مسلم)

خلاصہ حدیث: اتنی بات تو طے ہے کہ جمعہ میں ایک ساعت ہے جسمیں دعا قبول ہوتی ہے، اس ساعت کی ظنی تحدیدات کی گئی ہیں، انہی میں سے ایک تحدید کا ذکر حدیث باب میں بھی ہے، یہ کوئی حتمی تعیین نہیں ہے، بلکہ مقصد یہ ہے کہ خطبہ اور نماز جمعہ کے اوقات اللہ تعالیٰ کیطرف بندوں کے خصوصی طور پر متوجہ ہونے کے اوقات ہیں، لہٰذا ممکن ہے کہ ساعت قبولیت" اسی وقت میں ہو

کلمات حدیث کی تشریح: هي مابين ان يجلس الامام جمعہ میں ساعت قبولیت کی تحدید میں متعدد اقوال ہیں حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں پینتالیس اقوال ذکر کئے ہیں بعض اقوال مشکوۃ شریف کی احادیث میں مذکور ہیں، ان ہی اقوال میں سے ایک کا ذکر حدیث باب میں ہے، امام کے منبر پر بیٹھنے سے لے کر نماز سے فراغت تک جو وقت ہے وہ وقت ہی "خاص ساعت" ہے امام کے منبر پر بیٹھنے سے مراد یا تو دو خطبوں کے درمیان بیٹھنا ہے، یا پھر منبر پر چڑھنے کے بعد اذان ثانی سے پہلے کا بیٹھنا ہے۔ (مرقات ص نمبر ۲۳۳ ج ۳)

اشکال: امام کے خطبہ دینے کے وقت اسی طرح نماز پڑھانے کے وقت دعا مانگنا تو ممکن ہی نہیں ہے، کیونکہ دورانِ خطبہ خاموش رہنے کا حکم ہے اسی طرح نماز کے درمیان بھی دعاء مانگنا درست نہیں ہے، ایسے میں جب ساعت آئے گی تو بغیر دعا مانگے ہی گذر جائے گی۔

جواب: دعا کے لئے تلفظ شرط نہیں ہے، صرف دل میں خیال آنا کافی ہے، اللہ تعالیٰ علیم بذات الصدور ہے وہ بندہ کے خاموش رہتے ہوئے بھی تمام حاجات پوری کردے گا۔

الفصل الثانی

حدیث نمبر ۱۲۸۱ ﴿جمعہ کے دن پیش آنے والے چند واقعات﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۳۵۹

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ خَرَجْتُ اِلَى الطُّوْرِ فَلَقِيْتُ كَعْبَ الْاَحْبَارِ فَجَلَسْتُ مَعَهٗ فَحَدَّثَنِیْ عَنِ التَّوْرٰةِ وَحَدَّثْتُهٗ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَكَانَ فِيْمَا حَدَّثْتُهٗ اَنْ قُلْتُ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ خَيْرُ يَوْمٍ طَلَعَتْ عَلَيْهِ الشَّمْسُ يَوْمُ الْجُمُعَةِ فِيْهِ خُلِقَ اٰدَمُ وَفِيْهِ اُهْبِطَ وَفِيْهِ تِيْبَ عَلَيْهِ وَفِيْهِ مَاتَ وَفِيْهِ تَقُوْمُ السَّاعَةُ وَمَا مِنْ دَابَّةٍ اِلَّا وَهِیَ مُصِيْخَةٌ يَوْمَ الْجُمُعَةِ مِنْ حِيْنَ تُصْبِحُ حَتّٰى تَطْلُعَ الشَّمْسُ شَفَقًا مِّنَ السَّاعَةِ اِلَّا الْجِنُّ وَالْاِنْسُ وَفِيْهِ سَاعَةٌ لَّا يُصَادِفُهَا عَبْدٌ مُّسْلِمٌ وَّهُوَ يُصَلِّیْ يَسْاَلُ اللّٰهَ شَيْئًا اِلَّا اَعْطَاهُ اِيَّاهُ قَالَ كَعْبٌ ذٰلِكَ فِیْ كُلِّ سَنَةٍ يَوْمٌ فَقُلْتُ بَلْ فِیْ كُلِّ جُمُعَةٍ فَقَرَاَ كَعْبُ التَّوْرٰةَ فَقَالَ صَدَقَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ قَالَ اَبُوْهُرَيْرَةَ لَقِيْتُ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ سَلَامٍ فَحَدَّثْتُهٗ بِمَجْلِسِیْ مَعَ كَعْبِ الْاَحْبَارِ وَمَا حَدَّثْتُهٗ فِیْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَقَالَ فَقُلْتُ لَهٗ قَالَ كَعْبٌ ذٰلِكَ فِیْ كُلِّ سَنَةٍ يَوْمٌ قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ سَلَامٍ كَذَبَ كَعْبٌ فَقُلْتُ لَهٗ ثُمَّ قَرَاَ كَعْبُ ن التَّوْرٰةَ فَقَالَ بَلْ هِیَ فِیْ كُلِّ جُمُعَةٍ فَقَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ سَلَا م صَدَقَ كَعْبٌ ثُمَّ قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ سَلَامٍ قَدْ عَلِمْتُ اَيَّةَ سَاعَةٍ هِیَ قَالَ اَبُوْهُرَيْرَةَ فَقُلْتُ اَخْبِرْنِیْ بِهَا وَلَا تَضِنَّ عَلَیَّ فَقَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ سَلَامٍ هِیَ اٰخِرُ سَاعَةٍ فِیْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ قَالَ اَبُوْهُرَيْرَةَ فَقُلْتُ وَكَيْفَ تَكُوْنُ اٰخِرَ سَاعَةٍ فِیْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ وَقَدْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَا يُصَادِفُهَا عَبْدٌ مُّسْلِمٌ وَّهُوَ يُصَلِّیْ فِيْهَا فَقَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ سَلَا م اَلَمْ يَقُلْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ جَلَسَ مَجْلِسًا يَّنْتَظِرُ الصَّلٰوةَ فَهُوَ فِیْ صَلٰوةٍ حَتّٰى يُصَلِّیَ قَالَ اَبُوْ هُرَيْرَةَ فَقُلْتُ بَلٰى قَالَ فَهُوَ ذٰلِكَ رَوَاهُ مَالِكٌ وَّاَبُوْدَاوٗدَ وَالتِّرْمِذِیُّ وَالنَّسَائِیُّ

وَرَوَى اَحْمَدُ اِلٰى قَوْلِهٖ صَدَقَ كَعْبٌ.

حوالہ: مؤطاامام مالك، ص نمبر ۳۸، باب ماجاء في الساعة التي في يوم الجمعة، كتاب الجمعة، حديث نمبر ۱۶ مسند امام احمدؒ، ص نمبر ۴۸۶ ج ۲، ابو داؤد ص نمبر ۱۴۹.۱۵۰ ج ۱، باب تفريع ابواب الجمعة، كتاب الصلاة، حديث نمبر ۱۰۴۶ ترمذی ص نمبر ۱۱۱ ج ۱، باب ماجاء في الساعة التي ترجى في يوم الجمعة كتاب الجمعة، حديث نمبر ۴۹۱، نسائی ص نمبر ۱۶۰ ج ۱، باب ذكر الساعة التي يستجاب فيها الدعا يوم الجمعة، كتاب الجمعة، حديث نمبر ۱۴۲۹.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ میں طور کی طرف نکلا، وہاں میں نے کعب احبارؓ سے ملاقات کی، ان کے ساتھ میں بیٹھا، انہوں نے مجھ سے تورات کی کچھ باتیں بیان کیں، میں نے ان کے سامنے رسول اللہ ﷺ کی کچھ حدیثیں بیان کیں میں نے ان کو جو حدیثیں سنائیں ان میں یہ بھی میں نے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ان تمام دنوں میں جس میں سورج نکلتا ہے سب سے بہتر جمعہ کا دن ہے، اسی دن حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق ہوئی اسی دن وہ زمین پر اتارے گئے، اسی دن ان کی توبہ قبول ہوئی، اور جمعہ ہی کے دن ان کی وفات ہوئی، اور جمعہ ہی کے دن قیامت بھی قائم ہوگی، اور کوئی چوپایہ ایسا نہیں ہے جو قیامت آنے کے ڈر سے جمعہ کو صبح ہوتے ہی سورج نکلنے تک قیامت کا منتظر نہ رہتا ہو، سوائے جنات اور انسان کے، اور جمعہ کے دن میں ایک خاص ساعت ہے، جس کو اگر کوئی مسلمان بندہ اس حال میں پالے کہ وہ نماز پڑھ رہا ہو، اور اللہ سے کچھ مانگ رہا ہو، تو اللہ تعالیٰ اس کو وہ چیز ضرور عطا کرتے ہیں، حضرت کعبؓ نے سن کر فرمایا یہ ساعت مخصوصہ سال میں ایک دن آتی ہے (حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ) میں نے کہا بلکہ ہر جمعہ میں یہ ساعت آتی ہے، حضرت کعبؓ نے تورات پڑھا اور فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے سچ فرمایا ہے، حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن سلامؓ سے ملاقات کی تو میں نے حضرت کعب احبارؓ کے ساتھ اپنی نشست کا ذکر ان سے کیا اور میں نے جمعہ کے سلسلہ کی حدیث ان سے بھی بیان کی حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن سلام سے کہا کہ حضرت کعبؓ نے کہا کہ یہ ساعت مخصوصہ ہر سال میں ایک دن آتی ہے، عبداللہ بن سلامؓ بولے کہ کعبؓ نے غلط کہا (حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ) میں نے ان سے کہا کہ حضرت کعبؓ نے پھر تورات پڑھی اور کہا کہ بلکہ یہ ساعت ہر جمعہ میں آتی ہے، حضرت عبداللہ بن سلامؓ نے کہا کہ کعبؓ نے سچ کہا، پھر عبداللہ بن سلام بولے میں جانتا ہوں کہ وہ ساعت کب آتی ہے؟ حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ میں نے کہا کہ مجھے بھی اس کے بارے میں مطلع فرمائیے، اور اس کے بتلانے میں مجھ سے بخل نہ کریئے، حضرت عبداللہ بن سلام بولے کہ وہ ساعت جمعہ کے دن آخیر حصہ میں ہے، ابو ہریرہؓ کہتے ہیں میں نے کہا کہ وہ ساعت جمعہ کے دن آخر حصہ میں کیوں کر ہوسکتی ہے، جب کہ رسول اللہ ﷺ فرمایا کہ "**لا يصاد فها عبد مسلم وهو يصلي فيها**" اس ساعت کو اگر کوئی مسلم بندہ نماز کی حالت میں پالے الخ، عبداللہ بن سلام بولے کہ کیا رسول اللہ ﷺ نے یہ نہیں فرمایا کہ "**من جلس مجلسا الخ**" جو شخص اپنی جگہ بیٹھا ہوا نماز کا انتظار کر رہا ہے وہ اس وقت تک حکماً نماز کی حالت میں ہے یہاں تک کہ وہ نماز پڑھنے لگے؟ حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ میں نے کہا کہ بیشک حضور ﷺ نے یہ فرمایا ہے حضرت عبداللہ بن سلامؓ نے کہا کہ تو اس سے مراد یہی ہے، (مؤطا امام مالک، ابوداؤد ترمذی، نسائی) اور امام احمدؒ نے اس روایت کو "صدق کعب" تک ہی نقل کیا۔

خلاصہ حدیث

اس حدیث میں چند باتیں بہت اہم ہیں (۱) آپ ﷺ نے جمعہ کے دن کو سب سے بہتر دن بتایا ہے (۲) اس دن میں پیش آمدہ یا آئندہ پیش آنیوالے چند اہم واقعات کا ذکر کیا ہے، اس سے بھی جمعہ کی فضیلت سمجھ میں آتی ہے (۳) جمعہ کے دن صبح صادق کے طلوع سے سورج نکلنے تک انسان و جنات کو چھوڑ کر تمام ذی روح جانور ڈرتے رہتے ہیں کہ کہیں یہ وہی جمعہ تو نہیں جسمیں قیامت آنا ہے، اسمیں انسان کیلئے یہ درس ہے کہ اسکو بدرجہ اولیٰ ڈرنا چاہئے، اور اس وقت میں خصوصی طور پر رضاء الٰہی والے اعمال

کیطرف متوجہ ہونا چاہئے (۴) تورات کے ماہر عالم کعبؓ احبار کو علم نہیں تھا، لیکن آپ ﷺ کو علم تھا کہ تورات میں بھی جمعہ کی اس ساعت مخصوصہ کا تذکرہ ہے (۵) عبداللہ بن سلامؓ بھی تورات کے ماہر تھے، انکو اس ساعت کا علم بھی تھا اور ظنی طور پر ہی سہی اس ساعت کے آنیکا وقت بھی معلوم تھا، حضرت ابوہریرہؓ کے پوچھنے پر انکو بتا بھی دیا حضرت ابوہریرہؓ کو اسپر اشکال ہوا تو انکا تشفی بخش جواب بھی عنایت کیا۔

کلمات حدیث کی تشریح

فیه خلق آدم آپ ﷺ نے جمعہ کے دن پیش آنے والے چند اہم واقعات کا ذکر کیوں کیا؟ اس بارے میں دو رائے ہیں، (۱) آپ ﷺ کا مقصد صرف عظیم واقعات پیش آنے کی اطلاع دینا ہے، تاکہ انسان اس میں اعمال صالحہ کی طرف متوجہ ہو جائے، (۲) تمام امور جمعہ کے دن کی فضیلت کے تذکرہ کیلئے آپ ﷺ نے ارشاد فرمائے۔

ومامن دابة الاوهي :اس سے معلوم ہوا کہ قیامت کا وقوع جمعہ کے دن صبح صادق سے طلوع شمس کے درمیان کسی وقت ہوگا، اس میں بڑی عبرت کی بات ہے کہ جانور تو وقوع قیامت سے خوف زدہ رہیں اور انسان اس سے غفلت برتتا رہے، اور پھر انسان کے حق میں اس کی موت خود قیامت کے مانند ہے، لہٰذا مرنے سے پہلے مرنے کے بعد پیش آنے والے احوال کی تیاری کر لینا چاہئے **ولا تضن علي**، ابوہریرہؓ کا مقصد یہ تھا کہ وہ ساعت جس وقت آتی ہے وہ مجھے بتائیے اور بتانے میں بخل سے کام نہ لیجئے، ضنین کے معنی بخیل کے ہیں، اس حدیث میں جو مضمون ہے وہی تقریباً حدیث نمبر ۱۰۷۹ کے تحت گذر چکا ہے، تفصیل وہاں دیکھ لی جائے۔

حدیث نمبر ۱۲۸۲ ﴿جمعه کی ساعت قبولیت کی تلاش﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۳۶۰

وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِلْتَمِسُوا السَّاعَةَ الَّتِیْ تُرْجٰی فِیْ یَوْمِ الْجُمُعَةِ بَعْدَ الْعَصْرِ اِلٰی غَیْبُوْبَةِ الشَّمْسِ رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ.

حواله:ترمذی ص نمبر ۱۱۱ ج ۱ ،باب ماجاء فی الساعة التی ترجی فی یوم الجمعة ،حدیث نمبر ۴۸۹.

ترجمه: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم اس گھڑی کو جس کی جمعہ کے دن میں امید باندھی گئی ہے، عصر کے بعد سے سورج غروب ہونے تک تلاش کرو۔ (ترمذی)

خلاصۂ حدیث

جمعہ کے دن ایک ایسی ساعت ہے جس میں دعا کی جائے، تو وہ دعا رد نہیں ہوتی، بلکہ ضرور قبول ہوتی ہے، عصر بعد سے لے کر سورج غروب کے درمیان اس ساعت کے ہونے پر کئی احادیث ہیں، اس حدیث سے بھی اس بات کی طرف اشارہ ملتا ہے کہ وہ ساعت اسی وقت میں آتی ہے لہٰذا اس وقت میں خاص طور پر ذکر و اذکار اور دعا و مناجات کا اہتمام کرنا چاہئے۔

کلمات حدیث کی تشریح

التمسوا الساعة جس طرح شب قدر کی تعیین نہیں کی گئی ہے اسی طرح جمعہ کی ساعت مرجوہ کی بھی صراحت نہیں کی گئی ہے، البتہ احادیث کے اشارات سے ظنی تحدید ہوتی ہے، یقینی صراحت نہ کرنے میں فائدہ یہ ہے کہ اس کی تلاش میں مؤمن بندہ خوب جد و جہد کرے، اور جمعہ کا پورا دن عبادت میں گزارے، اور ظنی تحدید کا فائدہ یہ ہے کہ غفلت کا شکار لوگ مکمل طور پر سستی سے بچیں اور کچھ ہی دیر سہی جمعہ کے دن تلاش میں اپنا وقت صرف کریں۔

حدیث نمبر ۱۲۸۳ ﴿جمعه کے روز کثرت سے درود پڑھنے کا حکم﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۳۶۱

وَعَنْ اَوْسِ بْنِ اَوْسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ مِنْ اَفْضَلِ اَیَّامِکُمْ یَوْمَ الْجُمُعَةِ فِیْهِ خُلِقَ اٰدَمُ وَفِیْهِ قُبِضَ وَفِیْهِ النَّفْخَةُ وَفِیْهِ الصَّعْقَةُ فَاَکْثِرُوْا عَلَیَّ مِنَ الصَّلٰوةِ فِیْهِ فَاِنَّ صَلٰوتَکُمْ مَعْرُوْضَةٌ عَلَیَّ قَالُوْا یَارَسُوْلَ اللّٰهِ وَکَیْفَ تُعْرَضُ صَلٰوتُنَا عَلَیْکَ وَقَدْ اَرِمْتَ قَالَ یَقُوْلُوْنَ بَلِیْتَ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ عَلَی الْاَرْضِ اَجْسَادَ الْاَنْبِیَاءِ رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَالنَّسَائِیُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارِمِیُّ وَالْبَیْهَقِیُّ فِی الدَّعْوَاتِ الْکَبِیْرِ.

حواله:ابو داؤد ،ص نمبر ۱۵۰ ج ۱ ،باب تفریع ابواب الجمعة، باب فضل الجمعة، کتاب الصلاة حدیث نمبر

۱۴۰۷ ،نسائی، ص نمبر ۱۵۴ ج ۱، باب کتاب الصلاۃ علی النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم ،کتاب الجمعۃ، حدیث نمبر ۱۳۷۳ ،ابن ماجہ، ص نمبر ۱۱۸ ۱باب ذکر وفاتہ ودفنہ، کتاب الجنائز، حدیث نمبر ۱۶۳۶ ۱دارمی ص نمبر ۴۴۵ ج ۱، باب ماجاء فی فضل صلاۃ الجمعۃ، کتاب الصلاۃ حدیث نمبر ۱۵۷۲

ترجمہ: حضرت اوس بن اوسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تمہارے دنوں میں سب سے افضل جمعہ کا دن ہے، اس دن آدم علیہ السلام کی تخلیق ہوئی اس دن میں ان کی روح قبض کی گئی، اسی میں دوسرا صور پھونکا جائے گا، اور اسی دن میں پہلا صور پھونکا جائے گا، لہٰذا تم لوگ جمعہ کے دن کثرت سے میرے اوپر درود بھیجو، کیونکہ تمہارا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے، لوگوں نے کہا کہ ہمارا درود آپ ﷺ پر کیسے پیش کیا جائے گا جب کہ آپ ﷺ کی ہڈیاں پرانی ہوگئیں ہوں گی، راوی کہتے ہیں کہ ''ارمت'' سے مراد ''بلیت'' یعنی آپ کا جسم اطہر توریزہ ریزہ ہو جائیگا، آپ ﷺ نے فرمایا کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام کے جسموں کو زمین پر حرام قرار دیا ہے۔

(ابوداؤد، نسائی ابن ماجہ، دارمی، بیہقی۔)

خلاصہ حدیث اس حدیث میں خاص طور پر چند باتیں قابل توجہ ہیں، (۱) جمعہ کا دن بہت افضل دن ہے، لہٰذا اس کی قدر کرنا چاہئے، (۲) اس دن میں بہت سے اہم واقعات رونما ہو چکے ہیں، اور بہت سے اہم امور اسی دن میں انجام پائیں گے، مثلاً نفخۂ ثانیہ کا وقوع اسی دن ہوگا، (۳) اس دن میں حضور ﷺ پر کثرت سے درود بھیجنا چاہئے، بندہ حضور ﷺ پر درود بھیجتا ہے، تو اس کی طرف رحمت الٰہی خصوصی طور پر متوجہ ہوتی ہے اور یہ بندہ کی جانب سے حضو ﷺ پر پیش کیا جاتا ہے، (۴) حضرات انبیاء کرام کو اللہ تعالیٰ نے قبر میں خصوصی حیات عطا فرمائی ہے، اسی حیات کا اثر ہے کہ ان کے جسم سڑنے گلنے سے محفوظ ہیں۔

کلمات حدیث کی تشریح **ان من افضل ایامکم** یہاں سے وہ اشکال دور ہوگیا کہ ایک حدیث میں ''عرفہ کے دن کو افضل قرار دیا گیا ہے'' اسلئے کہ یہاں ''**من تبعیضیہ**'' سے یہ بات معلوم ہوئی کہ عرفہ کا دن جمعہ کے برابر ہو سکتا ہے، اور جمعہ سے افضل بھی ہو سکتا ہے، **فی خلق آدم** جمعہ کے دن کی فضیلت ہے کہ اس دن تخلیق آدم کی تکمیل ہوئی تحقیق کے لئے حدیث نمبر ۱۲۸۰ دیکھیں **وفیہ النفخۃ وفیہ الصفقۃ نفخہ** سے **نفخۂ ثانیہ** مراد ہے، جس میں سب لوگ دوبارہ زندہ ہو کر قبروں سے نکلیں گے، اور میدان حشر میں جمع ہونگے ''**صعقہ**'' سے مراد ''**نفخۃ الصعق**'' یعنی نفخہ اولیٰ ہے، جس میں تمام جاندار مرجائیں گے، جیسا کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ''**ونفخ فی الصور فصعِقَ من فی السموات ومن فی الارض الامن شاء اللّٰہ ،ثم نفخ فیہ اخری فاذا ھم قیام ینظرون**''

فاکثروا علی من الصلاۃ فیہ: جمعہ کے دن حضور ﷺ پر درود بھیجنے کی ترغیب دیگر احادیث میں بھی ہے، جمعہ کے دن کثرت سے درود بھیجنا چاہئے، ایک مرتبہ درود بھیجنے پر اللہ تعالیٰ دس رحمتیں نازل فرماتے ہیں، اور جمعہ کے دن مزید خصوصی معاملہ کرتے ہیں **ان اللّٰہ حرم علی الارض اجساد الانبیاء** اللہ تعالیٰ نے حضرات انبیاء کو قبر میں خصوصی حیات عطا فرما رکھی ہے، اس کی وجہ سے ان کے جسم بھی محفوظ رہتے ہیں، اور مرور زمانہ کا ان کے جسم پر اثر بھی نہیں پڑتا، نہ تو ان کے جسم سڑتے اور گلتے ہیں، اور نہ زمین میں رل مل جاتے ہیں۔

قبر میں حیات کا مسئلہ اتنی بات تو ہر شخص جانتا ہے کہ عالم برزخ میں ہر شخص کو ایک گونہ حیات حاصل ہے، اب وہ لوگ کہ جن کے بارے میں قرآن واحادیث میں قبر میں زندہ ہونے کی بات کہی گئی ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کے اندر حیات کے اثرات زیادہ ہیں سب سے زیادہ قوی حیات کے اثرات انبیاء میں ہیں، پھر شہداء میں ہیں، پھر اولیاء اللہ میں ہیں، پھر عام مردوں میں ہیں شہدا کی حیات کے اثر کی قوت ہے، جو ان کے جسم تک پہنچتی ہے، چنانچہ عام مردوں کے برخلاف ان کا جسم خاک سے متاثر نہیں ہوتا ہے، اور انبیاء کرام شہدا سے بھی ممتاز ہیں، اس لئے ان پر ظاہر میں بھی زندوں کے احکام لگتے ہیں، چنانچہ ان کی میراث

تقسیم نہیں ہوتی، اوران کی بیویاں دوسروں سے نکاح نہیں کرسکتی ہیں۔

قبر میں حضور ﷺ کی حیات کے بارے میں غیر مقلدین کا نقطۂ نظر

غیر مقلدین کے بعض اکابر اگر چہ حضرات انبیاء کی قبر میں حیات کے قائل ہیں، مثلاً مولانا میاں نذیر حسین فتاوی نذیریہ میں فرماتے ہیں کہ ''حضرات انبیاء علیہم السلام اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہیں، خصوصاً آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ جو مجھ پر عند القبر درود بھیجتا ہے تو میں سنتا ہوں، اور جو دور دور سے بھیجا جاتا ہے وہ پہنچایا جاتا ہے (ص نمبر ۵۲ ج ۱) لیکن موجودہ دور کے غیر مقلدین کا کہنا ہے کہ حضرات انبیاء کرام کو بشمول حضرت محمد ﷺ قبر میں کسی بھی طرح کی حیات حاصل نہیں ہے، اور دلیل قرآن مجید کی آیت ''انك میت وانهم میتون'' پیش کرتے ہیں۔ (اے محمد ﷺ آپ بھی مرنے والے ہیں اور یہ کافر اور مشرکین بھی مرنے والے ہیں) غیر مقلدین اس آیت کو پیش کرتے ہیں، حالانکہ اس کا قبر میں حیات کے نہ ہونے سے کوئی تعلق نہیں ہے، اس میں تو یہ بتایا گیا ہے کہ سب کو اس دنیا سے کوچ کرنا ہے، یعنی سب کو مرنا ہے، اب رہی بات کہ مرنے کے بعد قبر میں تمام مردے ایک درجے میں رہیں گے یا کچھ فرق ہوگا؟ تو ظاہر بات ہے کہ کافر مشرک اور حضرات انبیاء سب کا ایک درجہ میں ہونا ناممکن ہے، احادیث میں آتا ہے کہ قریب سے پڑھا ہوا درود حضور ﷺ سنتے ہیں آپ ﷺ کا سننا آپ ﷺ کی قبر میں حیات پر دلیل ہے، کسی بھی حدیث یا قرآن کی آیت سے آپ ﷺ کی حیات فی القبر کا انکار ثابت نہیں ہے، غیر مقلدین ان آیات اور احادیث سے استدلال کرتے ہیں جن میں یہ بیان ہے کہ دنیا میں کسی انسان کو بقا نہیں ہے، دونوں الگ الگ مسئلے ہیں لہذا ایک کو دوسرے سے جوڑنا فریب کے سوا کچھ نہیں ہے۔

حدیث نمبر ۱۲۸۴ ﴿جمعه کے دن کی اهمیت کا ذکر﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۳۶۲

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَلْیَوْمُ الْمَوْعُوْدُ یَوْمُ الْقِیٰمَةِ ،وَالْیَوْمُ الْمَشْهُوْدُ یَوْمُ عَرَفَةَ وَالشَّاهِدُ یَوْمُ الْجُمُعَةِ وما طلعت الشمس ولا غربت عَلٰی یَوْمٍ اَفْضَلَ مِنْهُ فِیْهِ سَاعَةٌ لَا یُوَافِقُهَا عَبْدٌ مُؤْمِنٌ یَدْعُو اللّٰهَ بِخَیْرٍ اِلَّا استجاب اللّٰه له ولا یَسْتَعِیْذُ مِنْ شَیْءٍ اِلَّا اَعَاذَهُ مِنْهُ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِیُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِیْثٌ غَرِیْبٌ لَا یُعْرَفُ اِلَّا مِنْ حَدِیْثِ مُوْسَی بْنِ عُبَیْدَةَ وَهُوَ یُضَعَّفُ.

حواله: مسند احمد نمبر ۹۸، ۲۹۹ ج ۲. ترمذی ص نمبر ۱۷۱ ج ۳، باب ومن سورة البروج، کتاب تفسیر القرآن حدیث نمبر ۳۳۳۹۔

ترجمه: حضرت ابوہریرۃؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ''یوم موعود قیامت کا دن ہے'' یوم مشہود عرفہ کا دن ہے، یوم شاہد جمعہ کا دن ہے، جن دنوں میں سورج طلوع و غروب ہوتا ہے ان سب دنوں میں سب سے افضل جمعہ کا دن ہے، اس میں ایک ایسی ساعت ہے اس کو اگر کوئی بندۂ مومن پا کر اس میں اللہ تعالیٰ سے کوئی خیر طلب کرتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اس کی دعا ضرور قبول کر لیتے ہیں اور اگر کسی چیز سے پناہ طلب کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو اس چیز سے پناہ دیتے ہیں (احمد، ترمذی) اور ترمذی نے کہا کہ یہ حدیث غریب ہے، اس لئے کہ اس حدیث کا موسیٰ بن عبیدہ کے علاوہ کسی سے مروی ہونا معلوم نہیں ہے، اور موسیٰ کی تضعیف کی گئی ہے۔

خلاصۂ حدیث اللہ تعالیٰ اگر کسی چیز کی قسم کھاتے ہیں تو اس سے اس چیز کی عظمت سمجھ میں آتی ہے، اللہ تعالیٰ نے سورۃ بروج میں تین دنوں کی قسمیں کھائیں ہیں، آپ ﷺ نے ان تینوں دنوں کی حدیث باب میں تعین فرمائی ہے، اس سے ان تینوں دنوں کی عظمت سمجھ میں آرہی ہے، ان تین میں سے ایک جمعہ کا دن ہے، اس حدیث میں بھی آپ ﷺ نے جمعہ کی خاص ساعت کی فضیلت بیان کرتے ہوئے بتایا کہ اس میں مانگی ہوئی مراد ضرور پوری ہوتی ہے اور اس ساعت میں جس چیز سے پناہ طلب کی جائے پناہ ملتی ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح **الیوم الموعود یوم القیامة** مطلب یہ ہے کہ سورۃ البروج میں اللہ تعالیٰ نے ''یوم موعود'' کی قسم کھائی ہے اس سے مراد قیامت کا دن ہے، **والیوم المشهود** یوم مشہود سے عرفہ کا دن مراد ہے، اس

کو مشہود اس لئے کہا کہ دین والے بڑی تعداد میں اس دن جمع ہوتے ہیں، و الشاھد شاہد سے جمعہ کا دن مراد ہے۔

سوال: قرآن میں شاہد مقدم ہے، مشہود مؤخر ہے، پھر آپ ﷺ نے مشہود کو مقدم اور شاہد کو مؤخر کیوں کیا۔

جواب: آپ ﷺ نے یوم عرفہ کی عظمت کی زیادتی کی بنا پر شاہد یعنی جمعہ سے پہلے مشہود یعنی عرفہ کو رکھا، یا پھر مخلوق خدا کی کثرت اور ہیبت قیامت کے دن جمع ہونے کے مانند ہوتی ہے، تو یہ گویا کہ قیامت صغریٰ کا منظر ہے، اس وجہ سے قیامت کبریٰ یعنی یوم الموعود کے بعد مشہود کو ذکر کر دیا، اور جہاں تک یہ بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے شاہد کو مقدم اور مشہود کو مؤخر کیا تو اس کی وجہ یا تو فواصل کی رعایت ہے، کیونکہ موعود، مشہود، اخدود ان سب میں فواصل کی رعایت ہے یا پھر اس لئے کہ شاہد یعنی جمعہ کا دن عرفہ کے مقابلہ میں مقدم رہتا ہے بار بار آتا ہے، اس لئے اس کو مقدم کیا (مستفاد مرقات ص نمبر ۲۳۹ ج ۳) ذیلی کلمات کی تحقیق کے لئے حدیث نمبر ۱۲۷۹۔۱۲۷۸ دیکھیں۔

الفصل الثالث

حدیث نمبر ۱۲۸۵ ﴿جمعہ کا دن سید الایام ہے﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۳۶۳۔۱۳۶٤

عَنْ اَبِیْ لُبَابَةَ بْنِ عَبْدِ الْمُنْذِرِ قَالَ قَالَ النَّبِیُّ ﷺ اِنَّ یَوْمَ الْجُمُعَةِ سَیِّدُ الْاَیَّامِ وَاَعْظَمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ وَهُوَ اَعْظَمُ عِنْدَ اللّٰهِ مِنْ یَّوْمِ الْاَضْحٰی وَیَوْمِ الْفِطْرِ فِیْهِ خَمْسُ خِلَالٍ خَلَقَ اللّٰهُ فِیْهِ اٰدَمَ وَاَهْبَطَ اللّٰهُ فِیْهِ اٰدَمَ اِلَی الْاَرْضِ وَفِیْهِ تَوَفَّی اللّٰهُ اٰدَمَ وَفِیْهِ سَاعَةٌ لَّا یَسْاَلُ الْعَبْدُ فِیْهَا شَیْئًا اِلَّا اَعْطَاهُ مَالَمْ یَسْاَلْ حَرَامًا وَّفِیْهِ تَقُوْمُ السَّاعَةُ مَامِنْ مَّلَكٍ مُّقَرَّبٍ وَّلَا سَمَآءٍ وَّلَا اَرْضٍ وَّلَا رِیَاحٍ وَّلَا جِبَالٍ وَّلَا بَحْرٍ اِلَّا هُوَ مُشْفِقٌ مِّنْ یَّوْمِ الْجُمُعَةِ رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ وَرَوَی اَحْمَدُ عَنْ سَعْدِ بْنِ مُعَاذٍ اَنَّ رَجُلًا مِّنَ الْاَنْصَارِ اَتَی النَّبِیَّ ﷺ فَقَالَ اَخْبِرْنَا عَنْ یَوْمِ الْجُمُعَةِ مَاذَا فِیْهِ مِنَ الْخَیْرِ قَالَ فِیْهِ خَمْسُ خِلَالٍ وَّسَاقَ اِلٰی آخِرِ الْحَدِیْثِ۔

حوالہ: ابن ماجه ص نمبر ۷٦، باب فی فضل الجمعة، کتاب اقامة الصلاة، حدیث نمبر ۱۰۸٤، مسند احمد ص نمبر ۲۸٤ ج ٥.

ترجمہ: حضرت ابولبابن عبد المنذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ کے نزدیک جمعہ کا دن دیگر دنوں کا سردار و دیگر دنوں سے زیادہ عظمت والا ہے، اور یہ اللہ کے نزدیک بقرعید اور عید کے دنوں سے بھی زیادہ عظیم الشان ہے، اس میں پانچ خصوصی چیزیں ہیں (۱) اسی دن حضرت آدم علیہ السلام کی اللہ تعالیٰ نے تخلیق فرمائی (۲) اسی دن میں اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو زمین پر اتارا (۳) اسی دن میں اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کو وفات دی، (۴) اس دن میں ایک ایسی ساعت ہے جس میں اللہ تعالیٰ بندہ کی ہر مانگی ہوئی چیز ضرور عطا کرتے ہیں، الا یہ کہ بندہ حرام چیزوں کا سوال کرے، (۵) اور جمعہ کے دن قیامت آئے گی، مقرب فرشتوں آسمان، زمین، ہوا، پہاڑ، سمندر میں سے کوئی مخلوق ایسی نہیں ہے، جو جمعہ کے دن سے ڈرتی نہ ہو، (ابن ماجہ) امام احمدؒ نے اس حدیث کو حضرت سعد بن معاذؓ سے روایت کیا ہے، اور اس میں یوں ہے کہ انصار میں سے ایک صاحب رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ ہمیں جمعہ کے دن کے بارے میں بتائیے کہ اس میں کیا خوبی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس دن میں پانچ مخصوص باتیں ہیں، اس کے بعد اخیر تک حدیث کے الفاظ مذکورہ حدیث کے مانند ہیں۔

خلاصہ حدیث: اس حدیث کا حاصل بھی جمعہ کے دن کی عظمت بیان کرنا ہے اس حدیث میں جو مضمون ہے وہ ماقبل کی احادیث میں گذر چکا ہے، حدیث باب میں جمعہ کے حوالے سے پانچ خصوصیات کا تذکرہ ہے، ایسا نہیں ہے کہ صرف یہی پانچ خوبیاں جمعہ سے وابستہ ہیں، یہاں پانچ کے ذکر سے حصر مقصود نہیں ہے، اس حدیث میں جمعہ کو یوم الفطر اور یوم الاضحٰی سے افضل قرار دیا ہے، عرفہ کے دن کا ذکر نہ کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ عرفہ کا دن جمعہ سے بہتر ہے، اور اس کی صراحت ماقبل میں ہو چکی ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح وهو اعظم من يوم الاضحى جمعہ کا دن بقرعید اور عید کے دن سے افضل ہے۔
سوال: جمعہ کا دن عید اور بقرعید کے دنوں سے افضل کیوں ہے؟
جواب: عید اور بقرعید کے ایام خوشی اور مسرت کے ہیں، اور جمعہ کا دن عبادت کا دن ہے، اسلئے جمعہ افضل ہے (مرقات ص نمبر ۲۳۹ ج ۳)
سوال: فرشتے آسمان وزمین وغیرہ جمعہ کے دن خوف زدہ کیوں رہتے ہیں؟
جواب: چونکہ جمعہ کے دن قیامت آنا ہے اس لئے وہ ڈرتے ہیں کہ کہیں اسی جمعہ کو قیامت نہ آجائے۔
سوال: مذکورہ مخلوقات کو قیامت کے وقوع سے کیا اندیشہ ہے کہ یہ خوف زدہ رہتے ہیں؟
جواب: قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ایسی صفتِ غضب کے ساتھ تجلّی فرمائیں گے، کہ اس انداز سے نہ اس سے پہلے تجلّی فرمائی ہوگی اور نہ فرمائیں گے، اللہ کی اس صفت غضب سے وہ خوف زدہ رہتے ہیں۔ (مرقات ص نمبر ۲۴۰ ج ۳)

حدیث نمبر ۱۲۸۶ ﴿جمعه کا نام جمعه رکھنے کی وجه﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۳۶۵

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قِیْلَ لِلنَّبِیِّ ﷺ لِاَیِّ شَیْءٍ سُمِّیَ یَوْمُ الْجُمُعَةِ قَالَ لِاَنَّ فِیْهَا طُبِعَتْ طِیْنَةُ اَبِیْكَ اٰدَمَ وَفِیْهَا الصَّعْقَةُ وَالْبَعْثَةُ وَفِیْهَا الْبَطْشَةُ وَفِیْ اٰخِرِ ثَلٰثِ سَاعَاتٍ مِّنْهَا سَاعَةٌ مَّنْ دَعَا اللّٰهَ اسْتُجِیْبَ لَهٗ رَوَاهُ اَحْمَدُ.

حواله: مسند احمد، ص نمبر ۳۱۱ ج ۲.

ترجمه. حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ سے پوچھا گیا کہ جمعہ کے دن کو جمعہ کس وجہ سے کہا گیا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس وجہ سے کہ اسی دن تمہارے باپ آدم علیہ السلام کی مٹی خمیر کی گئی، اسی دن میں پہلا صور پھونکا جائے گا، اور اسی دن دوسرا صور پھونکا جائے گا، اسی دن میں قیامت کی گرفت ہوگی، اور جمعہ کی آخری تینوں ساعتوں میں سے ایک ایسی ساعت ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ سے جو دعا کی جائے اللہ تعالیٰ اس کی دعا قبول فرماتے ہیں۔ (احمد)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ جمعہ کا دن عظیم الشان امور کے وقوع کا مجموعہ ہے، اس لئے اس کا نام جمعہ ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح الصعقة اس سے مراد نفخہ اولیٰ ہے اور "البطشة" سے مراد نفخہ ثانیہ ہے، دونوں صور جمعہ کے دن ہی پھونکے جائیں گے، پہلے صور کا اثر یہ ہوگا کہ تمام لوگ مرجائیں گے، اور دوسرے صور کا اثر یہ ہوگا کہ سب کے سب میدان محشر میں جمع ہونے کیلئے دوبارہ زندہ ہوجائیں گے بقیہ کلمات حدیث کی تشریح ماقبل میں احادیث کے تحت گذر چکی ہے

حدیث نمبر ۱۲۸۷ ﴿جمعه کے دن کثرت سے درود پڑھنا چاهئے﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۳۶۶

وَعَنْ اَبِی الدَّرْدَاءِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَكْثِرُوا الصَّلٰوةَ عَلَیَّ یَوْمَ الْجُمُعَةِ فَاِنَّهٗ مَشْهُوْدٌ یَشْهَدُهُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَاِنَّ اَحَدًا لَّمْ یُصَلِّ عَلَیَّ اِلَّا عُرِضَتْ عَلَیَّ صَلٰوتُهٗ حَتّٰی یَفْرُغَ مِنْهَا قَالَ قُلْتُ وَبَعْدَ الْمَوْتِ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ عَلَی الْاَرْضِ اَنْ تَاْكُلَ اَجْسَادَ الْاَنْبِیَآءِ فَنَبِیُّ اللّٰهِ حَیٌّ یُّرْزَقُ رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ.

حواله: ابن ماجه: ص نمبر ۱۱۸ باب ذکر وفاته ودفنه ﷺ، کتاب الجنائز حدیث نمبر ۱۶۳۷.

ترجمه: حضرت ابودرداءؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ "جمعہ کے دن مجھ پر کثرت سے درود بھیجا کرو، اس وجہ سے کہ یہ حاضری کا دن ہے، اس میں فرشتے حاضر ہوتے ہیں، بلاشبہ تم میں سے جو شخص بھی مجھ پر درود بھیجتا ہے تو اس کا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے جب تک کہ وہ درود بھیجنے سے فارغ نہ ہوجائے، حضرت ابودرداءؓ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ موت کے بعد بھی؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام قرار دیا ہے کہ وہ انبیاء کے جسموں کو کھائے، اللہ کے نبی زندہ ہیں ان کو رزق دیا جاتا ہے۔

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ جمعہ سید الایام ہے، اس دن خصوصی طور پر فرشتے آتے ہیں، اور مخصوص طور پر درود بھیجنے والوں کے درود حضور ﷺ کی خدمت میں پیش کرتے ہیں، یوں تو کسی بھی دن درود بھیجا جائے وہ حضور ﷺ کو پہنچتا ہے جیسا کہ آپ ﷺ کا فرمان ہے کہ ''مَنْ صَلّٰی عَلَيَّ عِنْد قَبْرِیْ سمِعْتُهُ ومنْ صلّی علَيَّ نائِیًا اُبْلِغْتُهُ'' (جو شخص میری قبر کے پاس آکر مجھ پر درود بھیجتا ہے اس کو میں سنتا ہوں اور جو دور سے مجھ پر درود بھیجتا ہے وہ مجھ تک پہنچایا جاتا ہے) درود پہنچانے کے لئے اللہ تعالی نے فرشتوں کو مقرر فرما رکھا ہے، جیسا کہ حدیث میں آیا ہے کہ ''ان للّٰہ ملائکۃ سیاحین فی الارض یبلغو ننی من امتی السلام '' (نسائی) اللہ تعالی نے فرشتوں کی ایک جماعت اسی کام کے لئے مقرر کررکھی ہے، کہ وہ زمین پر پھرا کریں، اور جو کوئی رسول اللہ کا امتی آپ ﷺ پر درود وسلام بھیجے اس کو حضور ﷺ کی خدمت میں پہنچائے، لیکن جمعہ کے دن خاص انداز سے حضور ﷺ کے پاس درود پہنچایا جاتا ہے، اس حدیث سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ حضرات انبیاء کرام قبروں میں زندہ ہیں، ان کو رزق دیا جاتا ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح مشہود اس سے مراد جمعہ کا دن ہے۔

اشکال: حدیث نمبر ۱۲۸۴ کے تحت یہ بات گزری کہ ''شاھد '' جمعہ کا دن اور ''مشھود '' سے قیامت کا دن مراد ہے، تو پھر یہاں مشہود سے جمعہ کا دن کیوں مراد لیا ہے۔

جواب: حضرت علیؓ کے نزدیک '' شاہد سے جمعہ کا دن مراد ہے، حدیث نمبر ۱۲۸۴ ان کی مؤید ہے، اور حضرت ابن عباسؓ کے نزدیک مشہود سے مراد جمعہ کا دن ہے یہ حدیث ان کی تائید کررہی ہے، جمعہ کو شاہد کہنے کی کہ وجہ حدیث مذکور کے تحت گذر چکی اور مشہود کہنے کی وجہ حدیث باب میں مذکور ہے کہ فرشتے اس میں حاضر ہوتے ہیں، حاصل یہ کہ جمعہ کا دن شاہد ومشہود دونوں ہے۔

اکثروا الصلاۃ: عام دنوں میں بھی کثرت سے درود پڑھنا چاہئے اس لئے کہ اس میں خود درود بھیجنے والے کا ہی فائدہ ہے، آپ ﷺ کا فرمان ہے ''من صلی علیّ واحدۃ صلی اللّٰہ علیه عشرًا '' (مسلم) جو مجھ پر ایک مرتبہ درود بھیجتا ہے اللہ تعالی اس پر دس رحمتیں نازل فرماتے ہیں، اور چونکہ جمعہ کا دن عظمت والا ہے اس لئے اس میں مزید درود کا اہتمام کیا جائے، تاکہ حسنات میں خوب اضافہ ہو، ان اللّٰہ حرم علی الارض انبیاء اس دنیا سے رخصت ہونے کے بعد قبروں میں زندہ رہتے ہیں، ان کے جسم خراب ہونے سے محفوظ رہتے ہیں، غیر مقلدین قبر میں انبیاء کی حیات کے منکر ہیں (تحقیق کے لئے حدیث نمبر ۱۲۶۱ دیکھیں)

حدیث نمبر ۱۲۸۸ ﴿جمعه كے دن مرنے والے كى فضيلت﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۳۶۷

وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍ وَقَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَامِنْ مُسْلِمٍ يَمُوْتُ يَوْمَ الجُمُعَةِ اَوْلَيْلَةَ الْجُمُعَةِ اِلَّا وَقَاهُ اللّٰهُ فِتْنَةَ الْقَبْرِ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِىُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ وَلَيْسَ اِسْنَادُهُ بِمُتَّصِلٍ.

حواله: مسنداحمد ص نمبر ۱۶۹ ج۲ .ترمذی ص نمبر ۱۳٤ ج۱ ،باب ماجاء فیمن مات یوم الجمعة کتاب الجنائز، حدیث نمبر ۱۰۷٤ .

ترجمه: حضرت عبدا[illegible] عمرو سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو مسلمان جمعہ کے دن یا جمعہ کی رات میں انتقال کرتا ہے تو اللہ تعالی اس کو قبر کے فتنہ سے بچالیتے ہیں، (احمد، ترمذی) امام ترمذی نے کہا کہ یہ حدیث غریب ہے، اور اس کی سند متصل نہیں ہے۔

خلاصہ حدیث حدیث کا حاصل یہ ہے کہ جو مسلمان مرد یا عورت جمعہ کے دن یا جمعہ کی شب میں اس دنیا سے رخصت ہوتے ہیں تو یہ اللہ تعالی کی نگاہ میں ان کے سعید ہونے کی علامت ہے اللہ تعالی اس دن کی برکت سے ان کو عذاب قبر میں سوال وجواب سے محفوظ رکھتے ہیں، اور قبر چونکہ آخرت کی منازل میں سے پہلی منزل ہے، اس کا سہولت سے طے ہوجانا اس بات کی نشانی ہے

کہ پھر انشاء اللہ تمام مراحل سے وہ آسانی کے ساتھ گذریں گے۔

کلمات حدیث کی تشریح الا وقاہ اللہ فتنۃ القبر مطلب یہ ہے کہ جمعہ کے دن مرنے والا سعید ہے، اس کو عذاب قبر نہیں ہوگا، ایک موقع پر آپ ﷺ نے اس کی صراحت بھی فرمائی ہے ''من مات یوم الجمعۃ او لیلۃ الجمعۃ اجیر من عذاب القبر'' جو شخص جمعہ کے دن یا جمعہ کی شب میں انتقال کرے گا وہ قبر کے عذاب سے بچا رہے گا، اسی طرح ایک موقع پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ من مات یوم الجمعۃ کتب لہ اجر شہید ووقی فتنۃ القبر'' جمعہ کے دن انتقال کرنے والے کے لئے شہید کا اجر لکھا جاتا ہے اور اس کو عذاب قبر سے محفوظ رکھا جاتا ہے۔ (مرقات ص نمبر ۱۳۲ ج ۳)

حدیث نمبر ۱۲۸۹ ﴿جمعہ کے دن ایک عظیم خوشخبری﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۳۶۸

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّهٗ قَرَأَ الْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمُ الْاٰيَةَ وَعِنْدَهٗ يَهُوْدِيٌّ فَقَالَ لَوْنَزَلَتْ هٰذِهِ الْاٰيَةُ عَلَيْنَا لَاتَّخَذْ نَاهَاعِيْدًا فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ فَاِنَّهَا نَزَلَتْ فِيْ يَوْمِ عِيْدَيْنِ فِيْ يَوْمِ جُمُعَةٍ وَّيَوْمِ عَرَفَةَ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ غَرِيْبٌ.

حوالہ: ترمذی ص نمبر ج ۲ باب ومن سورۃ المائدۃ، کتاب تفسیر القرآن، حدیث نمبر ۳۰۴۴.

ترجمہ: حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ انہوں نے قرآن مجید کی آیت ''الیوم اکملت الخ پڑھی، اسی وقت انکے پاس ایک یہودی تھا، اسنے کہا کہ اگر یہ آیت ہمارے اوپر نازل ہوتی تو اس کے نزول کے دن کو ہم عید کا دن قرار دیتے، حضرت ابن عباسؓ نے کہا کہ یہ آیت جس دن اتری اس دن دو عیدیں تھیں، (۱) جمعہ کا دن تھا (۲) اور عرفہ کا دن تھا، (ترمذی) ترمذی نے کہا کہ یہ حدیث غریب ہے۔

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ قرآن مجید کی وہ عظیم آیت جس میں دین کی تکمیل اور نعمت الٰہیہ کے اتمام کی عظیم خوشخبری ہے، وہ آیت جمعہ اور عرفہ کے دن نازل ہوئی، عرفہ کا دن سال کے تمام دنوں میں افضل ہے، اور یہ عرفہ جمعہ کے دن تھا، جو کہ سید الایام ہے، اسی کے ساتھ یہ آیت میدان عرفات میں جبل رحمت کے قریب نازل ہوئی، پھر آیت کے نزول کا وقت بعد العصر تھا، جو عام دنوں میں بہت مبارک ہے، اور جمعہ کے دن تو بہت سی روایات کے مطابق اسی وقت میں وہ خاص ساعت آتی ہے، جس میں بندہ مؤمن کی دعا ضرور قبول ہوتی ہے، اس آیت کی عظمت کے پیش نظر ہی یہودی نے کہا کہ اگر یہ آیت ہمارے اوپر نازل ہوتی تو اس کو ہم جشن کا دن قرار دیتے تھے، حضرت ابنؓ نے فرمایا کہ جس دن آیت نازل ہوئی تو دو اعتبار سے ہمارے لئے خوشی اور مسرت کا دن تھا، یعنی جمعہ اور عرفہ دونوں بہت مبارک دن ہیں، اور یہ دونوں اس دن جمع تھے جس دن یہ آیت نازل ہوئی۔

کلمات حدیث کی تشریح الیوم اکملت الایۃ اس آیت میں تمام رسولوں میں حضور ﷺ کی امتیازی شان اور تمام امتوں میں اس امت کی سعادت کا ذکر ہے، اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے تین خصوصی انعامات کا ذکر کیا ہے۔

(۱) اکمال دین، اس کا مطلب حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی تفسیر کے مطابق یہ ہے کہ دین کے تمام احکام مکمل ہو گئے، اب اس میں کمی زیادتی کا امکان نہیں ہے، چنانچہ اس آیت کے بعد احکام سے متعلق کوئی آیت نازل نہیں ہوتی، (۲) اتمام نعمت، اس سے مراد مسلمانوں کا غلبہ اور عروج ہے، (۳) دین اسلام کا انتخاب'' دین ہر اعتبار سے کامل و مکمل ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس کو منتخب کر کے اس سے رضا کا اعلان کر دیا، لو نزلت ھذہ الایۃ آیت کی عظمت کے پیش نظر یہودی نے کہا کہ اگر یہ آیت ہمارے اوپر نازل ہوتی تو اس دن کو ہم عید کا دن مناتے، حضرت ابن عباسؓ نے اس بات کا جواب دیا کہ وہ دن تو ہمارے لئے پہلے ہی سے عید کا دن ہے، لہذا ہمیں اپنے طور پر عید کا دن ٹھہرانے کی ضرورت نہیں ہے۔

حدیث نمبر ۱۲۹۰ ﴿جمعه کا دن منور دن هے﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۳۶۹

وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا دَخَلَ رَجَبٌ قَالَ اللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِيْ رَجَبٍ وَّشَعْبَانَ وَبَلِّغْنَا رَمَضَانَ قَالَ وَكَانَ يَقُوْلُ لَيْلَةُ الْجُمُعَةِ لَيْلَةٌ اَغَرُّ وَيَوْمُ الْجُمُعَةِ يَوْمٌ اَزْهَرُ رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِي الدَّعْوَاتِ الْكَبِيْرِ.

حواله: بیهقی فی الدعوات الکبیر .

ترجمه: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ رجب کا مہینہ آتے ہی دعا فرماتے ''اللّٰهم بارك الخ اے اللہ رجب وشعبان کے مہینوں میں ہمیں برکت عطا فرمائیے اور رمضان کے مہینے تک ہمیں پہنچا دیجئے، نیز آپ ﷺ فرماتے تھے کہ جمعہ کی رات روشن رات ہے اور جمعہ کا دن منور دن ہے۔(بیهقی فی الدعوات الکبیر)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ آپ ﷺ رجب وشعبان کے مہینوں میں کثرت سے عبادت کرتے تھے اور عبادت کی مزید توفیق طلب کرتے تھے، تاکہ رمضان المبارک کے مہینہ کے لئے مکمل طور پر تیار ہو جائے، اور پھر رمضان تک حیات باقی رہنے کی بھی دعا کرتے تھے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا یہ مہینہ اپنے اندر بیش بہا سعادتیں سمیٹے ہوئے ہے، اس حدیث میں آپ ﷺ نے جمعہ کے دن اور جمعہ کی رات کی اہمیت کو اجاگر کرنے کے لئے ان کو منور و بارونق قرار دیا ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح لیلة الجمعة: جمعہ چونکہ سید الایام ہے، اللہ تعالیٰ کے نزدیک عظمت ہے، اس دن بہت سے اہم امور واقع ہوئے، اور بہت سے عظیم امور پیش آئیں گے، اس لئے ذاتی طور پر بھی ان میں نورانیت ہے، پھر ان میں مومن بندے کثرت سے عبادت کرتے ہیں، درود وسلام کا معمول بناتے ہیں، اس لیے بھی اس میں رونق پیدا ہو جاتی ہے۔

باب وجوبها

﴿جمعه کے وجوب کا بیان﴾

اس باب کے تحت مؤلف نے ۹ حدیثیں ذکر کی ہیں، ان احادیث سے جمعہ کی فرضیت کا ثبوت ملتا ہے، ترکِ جمعہ پر سخت وعیدات بیان ہوئی ہیں، جمعہ کی نماز جن پر فرض ہے اور جن پر فرض نہیں ہے، ان کا بھی اجمالی تذکرہ ہے۔

جمعہ کی فرضیت جمعہ کی فرضیت کتاب اللہ سنت رسول اللہ اور اجماع امت سے ثابت ہے، لہٰذا اسکا منکر کافر ہے، قرآن مجید کی آیت فاسعوا الی ذکر الله سے نماز جمعہ اور خطبہ دونوں ہی مراد ہیں اور اگر خطبہ مراد ہو تو بھی خطبہ کا وجوب نماز کے وجوب کو مستلزم ہے۔

جمعہ کے عدم وجوب کے اسباب جو لوگ اقامت جمعہ میں رہتے ہیں ان پر جمعہ فرض ہے، چاہے وہ اذان سنتے ہوں یا نہ سنتے ہوں البتہ جو لوگ معذور ہیں ان پر جمعہ فرض نہیں ہے، اعذار میں سے چند یہ ہیں۔

(۱) جن کے جمعہ میں آنے م ہے فتنہ کا دروازہ کھلتا ہو، جیسے عورتیں، ان پر جمعہ واجب نہیں ہے۔(۲) جمعہ کی نماز میں حاضر ہونے سے لاچار شخص'' مثلاً غلام یا قی (۳) غیر مکلف، جیسے بچے اور پاگل۔(۴) جو بیمار یا معذور ہیں خود سے جمعہ میں نہیں آسکتے ہیں ان تمام لوگوں پر جمعہ کی نماز فرض نہیں ہے۔

الفصل الاول

حدیث نمبر ۱۲۹۱ ﴿نماز جمعه کا تاکیدی حکم﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۳۷۰

عن ابن عمرو ابی هریرة انهما قالا سمعنا رسول الله ﷺ ... [illegible]

وَدْعِهِمُ الْجُمُعَاتِ اَوْ لَيَخْتِمَنَّ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ ثُمَّ لَيَكُوْنُنَّ مِنَ الْغَافِلِيْنَ رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

حواله مسلم ص نمبر ۲۸٤ ج۱، باب التغليظ فی ترك الجمعة، كتاب الجمعة، حديث نمبر ۸٦٥.

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ کو اپنے منبر کی لکڑی پر فرماتے ہوئے سنا کہ لوگوں کو جمعہ چھوڑنے سے باز رہنا چاہئے، ورنہ اللہ تعالیٰ ان کے دلوں پر مہر لگادے گا، پھر وہ لوگ غافلین میں شمار ہونے لگیں گے۔ (مسلم)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ جن لوگوں پر جمعہ کی نماز فرض ہے ان کو بلا عذر نماز جمعہ ترک نہ کرنا چاہیے اگر کوئی شخص جمعہ کی نماز بلا عذر ترک کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے دل پر مہر لگادے گا۔ جس کی وجہ سے اس کا سینہ انوار و برکات سے محروم ہو جائے گا اور اس کی قبولِ خیر کی صلاحیت ختم ہو جائے گی اور وہ اللہ کے رجسٹر میں غافل شمار ہوگا، لہٰذا جو اپنے اوپر بدبختی کی مہر لگوانا گوارہ کرے وہی نمازِ جمعہ ترک کرے، اور جو یہ ناپسند کرے تو وہ ہرگز نماز جمعہ ترک نہ کرے۔

کلمات حدیث کی تشریح علی اعواد منبرہ یعنی آپ ﷺ منبر کی لکڑی کا سہارا لیے ہوئے تھے۔

سوال: فرمانِ رسول نقل کرنے کے لیے آپ ﷺ کی اس وقت کی ہیئت بیان کرنے سے کیا فائدہ ہے۔

جواب: راوی آپ ﷺ کی ہیئت اس لیے نقل کر رہے ہیں تاکہ یہ بات سمجھ میں آجائے کہ اس کو آپ ﷺ کا فرمان بہت اچھی طرح یاد ہے۔ آپ ﷺ نے جمعہ ترک کرنے سے روکا ہے اگر کوئی ترک کرے گا تو اس کے دل پر مہر لگ جائے گی، یہ ایسی مہر ہوگی جو خیر کو اس کے دل میں آنے سے روک دے گی، قاضیؒ نقل کرتے ہیں کہ جن پر جمعہ فرض ہے تو ان کے حق میں دو باتوں میں سے ایک بات ہوگی (۱) یا تو وہ جمعہ کی نماز ترک کرنے سے باز رہیں (۲) یا پھر اپنے دلوں پر مہر لگوائیں۔ (مرقات ص نمبر ۳۳۵ ج ۳)

الفصل الثانی

حدیث نمبر ۱۲۹۲ ﴿ترک جمعہ پر وعید شدید﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۳۷۱۔۱۳۷۲۔۱۳۷۳

عَنْ اَبِي الْجَعْدِ الضُّمَيْرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ تَرَكَ ثَلٰثَ جُمَعٍ تَهَاوُنًا بِهَا طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قَلْبِهٖ رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارِمِيُّ وَرَوَاهُ مَالِكٌ عَنْ صَفْوَانَ بْنِ سُلَيْمٍ وَاَحْمَدُ عَنْ اَبِي قَتَادَةَ.

حواله: ابو داوٗد، ص نمبر ۱۵۱ ج۱، باب الشديد فی ترك الجمعة، كتاب الصلاة، حديث نمبر ۱۰۵۲ ترمذی ص نمبر ۱۱۲ ج۱ باب ما جاء فی ترك الجمعة من غير عذر، كتاب الجمعة، حديث نمبر ۵۰۰، نسائی، ص نمبر ۱۵٤ ج۱ باب التشديد فی التخلف من الجمعة، كتاب الجمعة، حديث نمبر ۱۳٦۷، ابن ماجه، ص نمبر ۷۱ باب فيمن ترك الجمعة من غير عذر، كتاب اقامة الصلاة حديث نمبر ۱۱۲۵، دارمی، ص نمبر ٤٤٤ ج۱، باب فيمن يترك الجمعة من غير عذر، كتاب الصلاة، حديث نمبر ۱۵۷۱ موطا امام مالك ص نمبر ۳۹ باب القراءة فی صلاة الجمعة والاجتهاد الخ كتاب الجمعة، حديث نمبر ۲۰، مسند امام احمد ص نمبر ۳۳۲ ج۳.

ترجمہ: حضرت ابو جعد ضمیریؒ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ "جو شخص لاپرواہی کے سبب تین جمعوں کو چھوڑے گا اللہ تعالیٰ اس کے دل پر مہر لگادیں گے۔ (ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، دارمی) امام مالکؒ نے اس روایت کو صفوان بن سلیم سے اور امام احمدؒ نے ابو قتادہؓ سے روایت کیا ہے۔

خلاصہ حدیث سابقہ حدیث میں جو مضمون ہے وہی مضمون اس حدیث میں بھی ہے، بس فرق یہ ہے کہ وہاں مطلقاً جمعہ ترک کرنے پر وعید تھی، یہاں تین جمعہ ترک کرنے پر وعید ہے، حدیث باب میں وعید اس پر ہے جو غفلت کی وجہ سے جمعہ ترک

کرے، [illegible] استخفافاً جمعہ ترک کرتا ہے، تو وہ شخص کفر کا مرتکب ہوگا۔

کلماتِ حدیث کی تشریح | من ترك ثلاث جمع جو شخص غفلت سے تین جمعہ چھوڑ دے، تو اللہ تعالیٰ اس کے دل پر مہر لگا دیتے ہیں۔

سوال: تین جمعے لگاتار چھوڑنے والا اس وعید کا مستحق ہے، یا زندگی بھر میں تین جمعہ چھوڑنے والا بھی اس وعید کا مستحق ہے؟

جواب: حدیث باب میں ''متوالیاً'' کی قید نہیں ہے، اس لئے ظاہر حدیث سے یہ تو سمجھ میں آتا ہے کہ اس وعید کا مستحق وہ بھی ہوگا جس نے عمر بھر میں متفرق طور پر تین جمعہ غفلت سے چھوڑے ہوں گے، لیکن بعض روایات میں ''متوالیات'' کی قید ہے: مثلاً ابویعلی نے ابن عباسؓ سے روایت نقل کی ہے اس میں یہ قید ہے، اسی طرح سند الفردوس کی حضرت انسؓ سے روایت ہے ''من ترك ثلاث جمع متوالیات'' لہٰذا ان احادیث کی روشنی میں یہ بات کہی جائے گی، یہاں اگرچہ ''پے بہ پے'' چھوڑنے کی قید نہیں ہے لیکن مراد یہی ہے، لہٰذا متفرق طور پر تین جمعہ چھوڑنے پر یہ وعید نہیں ہے۔

سوال: تھاوناً ''یعنی غفلت کی بنا پر جمعہ چھوڑنے پر یہ وعید آپ ﷺ نے ذکر فرمائی ہے، اس قید کا کیا فائدہ ہے

جواب: ''تھاون'' کی قید لگا کر استخفاف واہانت کو نکالنا مقصود ہے، اس وجہ سے کہ استخفاف تو ایک جمعہ کا بھی کفر ہے اور تین جمعہ تو بہت بڑی بات ہوگی۔

سوال: ترکِ جمعہ سے دل پر مہر لگ جاتی ہے؟ یہ کون سی مہر ہے؟

جواب: یہ ایسی مہر ہے جس سے انسان قساوتِ قلب میں مبتلا ہو جاتا ہے، خیر کی توفیق اس سے چھین لی جاتی ہے، یہاں کفر کی وہ مہر مراد نہیں ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے ''ختم اللّٰہ علی قلوبھم الخ'' میں ذکر فرمایا ہے۔

حدیث نمبر ۱۲۹۳ ﴿ترک جمعہ پر صدقہ کا حکم﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۳۷۴

(۳) وَعَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ تَرَكَ الْجُمُعَةَ مِنْ غَيْرِ عُذْرٍ فَلْيَتَصَدَّقْ بِدِيْنَارٍ فَاِنْ لَّمْ يَجِدْ فَبِنِصْفِ دِيْنَارٍ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَاَبُوْ دَاوٗدَ وَابْنُ مَاجَةَ.

حوالہ: مسند احمد، ص نمبر ۱۴ ج ۵ ابو داؤد، ص نمبر ۱۵۱ ج ۱ باب كفارة من تركها، كتاب الصلاة، حدیث نمبر ۱۰۵۳، ابن ماجه، ص نمبر ۷۹ ج باب فيمن ترك الجمعة من غير عذر، كتاب اقامة الصلاة، حدیث نمبر ۱۱۲۸

ترجمہ: حضرت سمرہ بن جندبؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ''جو شخص بغیر کسی عذر کے جمعہ چھوڑ دے، تو اس کو چاہئے کہ ایک دینار صدقہ دے، اور اگر ایک دینار میسر نہ ہو تو آدھا دینار دے۔ (احمد، ابوداؤد، ابن ماجہ)

خلاصہ حدیث | اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ ترکِ جمعہ بغیر عذر کے بہت بڑا گناہ اور اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا سبب ہے، پس اگر کسی نے اس جرم کا ارتکاب کیا، تو اس کو توبہ واستغفار کرنا چاہئے، آئندہ ترکِ جمعہ نہ کرنے کا عزم کرنا چاہئے، اس کے ساتھ کچھ صدقہ بھی کرنا چاہئے، کیوں کہ صدقہ سے اللہ تعالیٰ کا غصہ ٹھنڈا ہوتا ہے۔

کلماتِ حدیث کی تشریح | من ترك الجمعة من غير عذر فليتصدق، ترک جمعہ ہونے پر بطور کفارہ کے ایک دینار یا نصف دینار صدقہ کرنا چاہئے یعنی جس کی جتنی گنجائش ہو اس کے اعتبار سے صدقہ کرے، تاکہ گناہ کا اثر کسی حد تک ختم ہو

تعارض: بعض روایات میں ہے کہ ''من ترك الجمعة من غير عذر لم يكن لها كفارة دون يوم القيامة'' جس نے بلا عذر جمعہ چھوڑا قیامت تک اس کا کفارہ نہیں ہے، جب کہ حدیث باب میں ایک دینار یا نصف دینار صدقہ کرنے کو ترکِ جمعہ کا کفارہ قرار دیا گیا ہے دونوں طرح کی احادیث میں بظاہر تعارض ہے؟

جواب: جن احادیث میں اس بات کا بیان ہے کہ ترکِ جمعہ کا کفارہ نہیں ہے، ان کا مقصد یہ ہے کہ ترک جمعہ کا گناہ باقی رہے گا اور قیامت کے دن اس کا فیصلہ ہوگا، اور جن احادیث میں صدقہ کا حکم ہے، ان کا مقصد یہ ہے کہ صدقہ سے گناہ میں کچھ تخفیف ہوگی، بالکلیہ گناہ کا خاتمہ مراد نہیں ہے، اگر بالکلیہ گناہ کا خاتمہ مراد ہوتا تب تعارض ہوگا۔

اشکال: حدیث باب میں ایک دینار، یا نصف دینار صدقہ کرنے کا حکم ہے، جب کہ ابوداؤد کی ایک روایت میں "درہم اور نصف درہم کا اسی طرح ایک صاع گندم اور نصف صاع گندم کا ذکر ہے، یہ اختلاف روایت کیوں ہے؟

جواب: اصل مقصد حسبِ گنجائش صدقہ کرنے کا حکم دینا ہے، یعنی جو آسانی سے میسر ہو سکے وہ صدقہ کر دیا جائے، تاکہ اللہ کا غضب کچھ کم ہو جائے۔

سوال: کیا جمعہ کی نماز ترک کرنے کے بعد صدقہ کرنا کافی ہے، اور کیا یہ صدقہ کرنا جمعہ کا بدل ہو سکتا ہے؟

جواب: جمعہ کی نماز فرض ہے یہاں جو صدقہ کا حکم ہے وہ بطور استحباب کے ہے، یہ صدقہ صرف گناہ میں کچھ تخفیف کی غرض سے دیا جائے گا، لہٰذا یہ صدقہ نہ تو کفارہ معصیت ہے اور نہ جمعہ کی نماز کا قائم مقام ہے، جمعہ ترک ہونے کی بنا پر ظہر کی قضا لازم ہوگی اور ظہر کی نماز بطور قضا کے صدقہ دینے کے بعد بھی بدستور لازم رہے گی۔ (تلخیص بذل المجہود، ص نمبر ۱۶۳ ج ۲۔ مرقات ص نمبر ۲۴۵ ج ۳)

حدیث نمبر ۱۲۹٤ ﴿جمعہ کی فرضیت﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۳۷۵

وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ الْجُمُعَةُ عَلٰى مَنْ سَمِعَ النِّدَآءَ رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ.

حواله: ابو داؤد، ص نمبر ۱۵۱ ج ۱ ،باب من تجب علیه الجمعة ،کتاب الصلاة، حدیث نمبر ۵۰۲.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص جمعہ کی اذان سنے اس پر جمعہ کی نماز فرض ہے۔

خلاصہ حدیث اس حدیث میں یہ بات بتائی گئی ہے کہ جہاں تک جمعہ کی آواز پہنچے وہاں تک کے رہنے والوں پر جمعہ فرض ہوتا ہے، یعنی شہر و قصبہ کے علاوہ وہ گاؤں اور دیہات جو شہر و قصبہ سے متصل ہوں اور ان تک جمعہ کی آواز پہنچتی ہو، تو وہاں کے باشندوں پر بھی جمعہ فرض ہوتا ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح الجمعة علی من سمع النداء جمعہ اس پر واجب ہے جو جمعہ کی اذان سنے، حدیث کے اس جز سے دو مسئلے متعلق ہیں (۱) جمعہ کس پر واجب ہے (۲) جمعہ کی نماز کہاں قائم ہوگی، ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ جمعہ اس شخص پر واجب ہے کہ جو جمعہ والی جگہ سے اتنا دور ہو کہ جمعہ کی اذان اس تک پہنچتی ہو، حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ سننے سے مراد عام ہے حقیقۃً ہو، یا حکماً ہو، یعنی بالفعل سماع پایا جائے یا بالقوۃ، یہاں سے وہ اشکال ختم ہو گیا، جو ظاہر الفاظ سے یوں ممکن تھا کہ، کوئی شہر کا رہنا والا کہتا کہ میں نے اذانِ جمعہ سنی نہیں، اس لئے میرے اوپر جمعہ فرض نہیں ہے علامہ ابن ہمام فرماتے ہیں کہ اس حدیث کا تعلق اہل مصر سے نہیں ہے، بلکہ ان لوگوں کے حق میں ہے، جو مصر کے اطراف میں رہتے ہوں، اگر ان تک اذان کی آواز پہنچتی ہے تو وہ شہر میں آکر جمعہ کی نماز ادا کریں اور اگر نہیں پہنچتی ہے تو ان پر جمعہ کی نماز واجب نہیں ہے، شہر کے رہنے والے پر تو جمعہ ہر حال میں فرض ہے، خواہ اس تک اذان کی آواز پہنچے یا نہ پہنچے۔

گاؤں میں جمعہ کا مسئلہ **اختلاف ائمہ:** گاؤں میں جمعہ پڑھنے کے بارے میں ائمہ کے درمیان اختلاف ہے

امام ابو حنیفہؒ کا مذہب: امام صاحب کے نزدیک جمعہ کے لئے مصر شرط ہے، یعنی گاؤں میں جمعہ قائم کرنا درست نہیں ہے البتہ مصر کی تعریف میں اختلاف ہے، ایک تعریف یہ ہے کہ "بلدة كبيرة فيها سكك واسواق و كذا فيها امير و قاض" یعنی بڑا وہ

شہر ہے جس میں با قاعدہ سڑکیں ہوں، گلی کوچے اور بازار ہوں امیر وقاضی کی سکونت ہو، اس کے علاوہ بھی مختلف تعریفات منقول ہیں، لیکن ایسے موقع پر امام صاحبؒ کے یہاں مدار عرف پر ہوتا ہے، لہذا عرف عام میں جس کو شہر کہا جاتا ہے وہی شہر کہلائے گا۔

دلیل: (۱) حضرت علیؓ کا اثر ہے "لا جمعة و لا تشريق و لا صلاة فطر و لا اضحى الا فى مصر" (بیھقی)

(۲) آپ ﷺ نے سب سے پہلے جمعہ مدینہ منورہ پہنچ کر "مسجد بنو سالم" میں پڑھا، اس سے پہلے آپ ﷺ قبا میں ٹھہرے وہاں جمعہ کا دن آیا، لیکن آپ ﷺ نے تو خود وہاں جمعہ پڑھا نہ جمعہ پڑھنے کا کسی کو حکم دیا، قبا میں جمعہ نہ پڑھنا اسی وجہ سے تھا کہ وہ "قریہ" تھا۔

(۳) حجۃ الوداع کے موقعہ پر میدانِ عرفات میں آپ ﷺ نے جمعہ ادا نہیں فرمایا، بلکہ ظہر کی نماز پڑھی۔

نوٹ: قصبہ اور قریہ کبیرہ میں جمعہ ادا کیا جاسکتا ہے یعنی جس گاؤں کی آبادی تین چار ہزار ہو اور تمام ضروری اشیا ملتی ہوں وہ قریہ کبیرہ کہلاتا ہے، وہاں بھی جمعہ ادا کرنا جائز ہے، لیکن قصبے والوں پر جمعہ ادا کرنا لازم نہیں ہے، وہ ظہر بھی ادا کر سکتے ہیں،

ائمہ ثلاثہ کا مذھب: ائمہ ثلاثہ کے نزدیک ہر آبادبستی میں جمعہ قائم ہوسکتا ہے، خواہ وہ چھوٹا سا گاؤں ہی کیوں نہ ہو۔ تفصیلات میں ان کا آپس میں اختلاف ہے۔

دلیل: (۱) قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "اذا نودی للصلاة من يوم الجمعة فاسعوا إلى ذكر الله" آیت میں مطلق "سعی الی الجمعة" کا حکم ہے، گاؤں یا شہر کی قید نہیں ہے، لہٰذا ہر جگہ جمعہ کا قیام ضروری ہوگا۔

(۲) حضرت عمرؓ نے اپنے حکام کو سرکاری خط لکھا کہ "جمعوا حيث كنتم" جہاں کہیں بھی ہو جمعہ قائم کرو، اس کے علاوہ بھی دلائل ہیں سب کا احاطہ مقصود نہیں ہے۔

جواب: پہلی دلیل کا جواب یہ ہے کہ قرآن مجید کی آیت مطلق نہیں ہے، بلکہ اس سے شہر ہی مراد ہے، جہاں خرید وفروخت ہوتی ہو، یہی وجہ ہے آگے فرمان باری تعالیٰ ہے "وذروا البيع" اسی طرح آگے کی آیات سے بھی یہ بات سمجھ میں آرہی ہے کہ جمعہ وہاں پڑھا جانا چاہئے جہاں تجارت کے اسباب وذرائع ہوں، اور وہ شہر یا قریہ کبیرہ ہی ہوسکتا ہے، دوسری دلیل کا جواب یہ ہے کہ یہ خطاب حکام کو ہے جو عموماً بڑی بستیوں میں رہتے تھے، یہ روایت اپنے عموم پر نہیں ہے، کیوں کہ عموم کا مطلب تو یہ ہوگا کہ جمعہ تمام جگہوں پر درست ہو اور ہر جگہ جمعہ کے درست ہونے کا قائل کوئی بھی نہیں ہے، قیام جمعہ کے لئے تمام ائمہ کچھ نہ کچھ شرائط لگاتے ہیں، مثلاً ائمہ ثلاثہ کے یہاں جمعہ کے قیام کے لئے آبادبستی کا ہونا ضروری ہے، عارضی قیام گاہوں میں جمعہ ان کے نزدیک بھی درست نہیں ہے، اسی وجہ سے میدان عرفات میں حاجیوں کے لئے اقامتِ جمعہ کسی کے نزدیک درست نہیں ہے۔

حدیث نمبر ۱۲۹۵ ﴿وہ شخص جس پر جمعہ فرض ھے﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۳۷۶

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ الْجُمُعَةُ عَلٰی مَنْ اٰوَاهُ اللَّیْلُ اِلٰی اَهْلِهٖ رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِیْثٌ اِسْنَادُهٗ ضَعِیْفٌ.

حوالہ: ترمذی، ص نمبر ۱۱۲ ج ۱، باب ماجاء من کم یؤتی الجمعة، کتاب الجمعة، حدیث نمبر ۵۰۲

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ سے روایت کیا کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ، جمعہ اس شخص پر فرض ہے جس کو رات اس کے گھر والوں کیطرف ٹھکانا دے، ترمذیؒ نے اس روایت کو نقل کر کے کہا ہے کہ یہ ایسی حدیث ہے جس کی سند ضعیف ہے۔

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ جس شخص کی جائے قیام اور اس مقام کے درمیان جہاں جمعہ قائم ہوتا ہے، اتنی دوری ہو کہ وہ نماز جمعہ میں شرکت کر کے بسہولت اپنے گھر آکر رات گزار لے، تو اس کیلئے جمعہ میں شرکت ضروری ہے۔

اور اگر جمعہ پڑھ کر رات سے پہلے اپنے گھر پہنچنا ممکن نہ ہو، تو پھر ایسی صورت میں اس پر جمعہ فرض نہیں ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح الجمعة علی من اواه اللیل شہر جہاں جمعہ ہو رہا ہے، وہاں کے باشندوں پر جمعہ فرض ہے، لیکن اس سے کتنی دور پر رہنے والوں پر جمعہ فرض ہے، اس میں متعدد اقوال ہیں، ایک قول یہ ہے کہ جو بستی شہر سے اتنی دوری پر واقع ہو کہ شہر میں جمعہ پڑھ کر سورج غروب ہونے سے پہلے پیدل جمعہ میں شرکت کر کے اس تک پہنچنا ممکن ہو، تو اس بستی کے لوگوں پر بھی جمعہ فرض ہے، اسی قول کی تائید حدیث باب سے ہوتی ہے، اور اسی کو امام شافعیؒ نے اختیار کیا ہے امام صاحب کا مذہب جیسا کہ گذرا کہ صرف جمعہ شہر والوں پر فرض ہے، آس پاس کی بستیوں میں رہنے والے جمعہ میں شرکت کریں لیکن ان پر جمعہ فرض نہیں ہے، آپ ﷺ کے زمانہ میں قبا گاؤں سے اور مدینہ کے اطراف سے لوگ باری باری جمعہ پڑھنے آتے تھے۔

مثلاً گھر میں دو فرد ہیں، ایک جمعہ میں ایک صاحب آ گئے، دوسرے جمعہ میں دوسرے صاحب آ گئے معلوم ہوا کہ شہر کے قریب رہنے والوں پر جمعہ فرض نہیں ہے، البتہ ان کو شرکت کرنا چاہئے، حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں ''کان الناس ینتابون الجمعة من منازلهم العوالی'' (بخاری) مطلب یہ ہے کہ دیہات اور مدینہ کے اطراف کے لوگ باری باری جمعہ پڑھنے آتے تھے، حدیث باب جو کہ بظاہر حنفیہ کے خلاف لگ رہی ہے، اور اس سے محسوس ہو رہا ہے کہ شہر کے آس پاس رہنے والوں پر جمعہ فرض ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث بہت ضعیف ہے، امام ترمذیؒ نے اس کے ضعف کو بیان کیا ہے، اس کی سند میں مسلسل تین راوی ''حجاج بن نصیر'' معارک بن عباد اور عبداللہ بن سعید مغیری ضعیف ہیں، احمد بن الحسن کہتے ہیں کہ ہم لوگ امام احمدؒ کے پاس تھے، مجلس میں یہ بات چھڑی کہ جمعہ کن لوگوں پر فرض ہے؟ امام احمدؒ نے اس سلسلہ میں کوئی مرفوع روایت نہیں بیان کی، تو احمد بن الحسنؒ نے کہا کہ اس مسئلہ میں مرفوع حدیث موجود ہے، امام احمد نے یہ سن کر حیرانی سے کہا کہ مرفوع حدیث؟ احمد بن الحسن نے کہا کہ ہاں اور پھر انہوں نے سند کے ساتھ حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث (حدیث باب) بیان کی، امام احمدؒ یہ سن کر سخت غصہ ہوئے اور فرمایا کہ توبہ کرو، توبہ کرو، یعنی یہ حدیث انتہائی ضعیف ہے، مسائل میں پیش کرنے کے قابل نہیں ہے، (ترمذی) یہاں پر ایک بات اور سمجھ لی جائے کہ جمعہ کی ادائیگی کے دو درجے ہیں، (۱) فرضیت کا درجہ (۲) صحت کا درجہ، شہر والوں پر جمعہ فرض ہے، وہ اگر بلا عذر ترک کر کے ظہر پڑھیں گے تو گناہ گار ہوں گا، جب کہ قصبات اور بڑے گاؤں میں جمعہ کی ادائیگی صرف درست ہے، یعنی وہاں کے باشندے اگر جمعہ پڑھیں گے تو درست ہوگا، اور اگر ظہر پڑھیں گے تو بھی صحیح ہے، ان پر کوئی گناہ نہ ہوگا، اور جو چھوٹے چھوٹے گاؤں ہیں، جہاں ضرورت کی اشیاء میسر نہیں ہوتی ہیں، وہاں حنفی مذہب کے اعتبار سے جمعہ درست نہیں ہے، البتہ اگر پہلے سے جمعہ ہوتا چلا آ رہا ہے، تو بند نہ کرایا جائے، کیوں کہ یہ مسئلہ مجتہد فیہ ہے، اور جمعہ بند کرانے میں فتنہ کا اندیشہ ہے، لہذا ایسے گاؤں میں جمعہ قائم نہ کیا جائے، لیکن پہلے سے قائم جمعہ کو بند بھی نہ کرایا جائے۔

حدیث نمبر ۱۲۹۶ ﴿جن پر جمعہ فرض نہیں ہے، ان کا ذکر﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۳۷۷

وَعَنْ طَارِقِ بْنِ شِهَابٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَلْجُمُعَةُ حَقٌّ وَّاجِبٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ فِيْ جَمَاعَةٍ اِلَّا عَلٰى اَرْبَعَةٍ عَبْدٍ مَمْلُوْكٍ اَوِامْرَأَةٍ اَوْ صَبِيٍّ اَوْمَرِيْضٍ رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَفِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ بَلَفْظِ الْمَصَابِيْحِ عَنْ رَّجُلٍ مِّنْ بَنِيْ وَائِلٍ.

حواله: ابو داؤد، ص نمبر ۱۵۳ ج۱، باب الجمعة للملوك والمرأة كتاب الصلاة، حديث نمبر ۱۰۶۷ بغوی فی شرح السنة باب من لاتجب عليه الجمعة، كتاب الصلاة حديث نمبر ۱۰۵۶، مصابيح السنة، باب وجوبها، كتاب الصلاة حديث نمبر ۹۶۸.

ترجمه: حضرت طارق بن شہاب سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جمعہ حق ہے اور ہر مسلمان پر جمعہ کی نماز میں شرکت کرنا لازم ہے مگر چار لوگ اس سے مستثنی ہیں، (۱) وہ غلام جو کسی کی ملکیت میں ہو (۲) عورت (۳) بچہ (۴) مریض، انپر جمعہ فرض نہیں ہے

(ابوداؤد) اور شرح السنہ میں یہ روایت جو کہ مصابیح کے الفاظ سے نقل ہوئی ہے اسمیں یہ ہے کہ بنو وائل میں سے ایک شخص سے روایت ہے۔

خلاصہ حدیث جمعہ کی نماز کی فرضیت کتاب اللہ سنت رسول اللہ سے ثابت ہے، لہٰذا یہ بہت اہم فریضہ ہے، اس سے غفلت وکوتاہی ہرگز نہ کرنا چاہئے، البتہ بعض لوگ شریعت کی نظر میں معذور ہیں، انکے عذر کی بنا پر انپر جمعہ کی نماز فرض نہیں ہے، جن پر جمعہ کی نماز فرض نہیں ہے، انمیں سے چار کا تذکرہ حدیث باب میں گذرا، بعض دیگر معذورین بھی ہیں، جن کا ذکر دیگر احادیث میں ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح علی کل مسلم جمعہ ہر مسلمان پر فرض ہے، اس سے ان لوگوں کی تردید ہوگئی، جو جمعہ کو فرض کفایہ کہتے ہیں، حدیث باب میں چار طرح کے لوگوں کا استثنا ہے، حنفیہ کے نزدیک مسلمان پر وجوب جمعہ کے لئے چھے شرطیں ہیں، (۱) عقل، یعنی مجنون پر جمعہ فرض نہیں ہے (۲) بلوغ، نابالغ پر جمعہ فرض نہیں ہے، (۳) حریت، غلام پر جمعہ فرض نہیں ہے، (۴) ذکورت، عورت پر جمعہ فرض نہیں ہے، (۵) اقامت، مسافر پر جمعہ فرض نہیں ہے (۶) صحت بدن، چنانچہ مریض پر جمعہ فرض نہیں ہے، مریض سے مراد وہ مریض ہے جس کے لئے جمعہ میں شرکت بہت دشوار ہو، (بذل المجہود)

فی جماعۃ: اقامت جمعہ کے لئے جماعت ضروری ہے، جماعت کے بغیر جمعہ کی وائیگی درست نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ جس کی جمعہ کی جماعت چھوٹ جائے تو اس کیلئے حکم یہ ہے کہ وہ ظہر کی نماز ادا کرے، یعنی دو رکعت جمعہ نہ ادا کرے، بلکہ چار رکعت ظہر ادا کرے۔

سوال: جماعت جمعہ کے لئے کتنے افراد کی شرکت ضروری ہے؟

جواب: شوافع وحنابلہ کے نزدیک جمعہ کی جماعت کیلئے چالیس افراد کی شرکت ضروری ہے، امام مالکؒ کے نزدیک بارہ افراد کا حاضر ہونا ضروری ہے، امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک امام کے علاوہ تین افراد کا ہونا ضروری ہے، اور صاحبین کے نزدیک امام کے علاوہ دو افراد کی شرکت کافی ہے، رواہ ابوداؤد حدیث باب مرسل ہے، طارق بن شہاب جو کہ اس حدیث کے راوی ہیں، وہ اگرچہ صحابی ہیں، لیکن صغیر السن ہیں، ان کا حضور ﷺ سے سماع ثابت نہیں ہے، لیکن اس سے حدیث کی صحت پر اثر نہیں پڑے گا (ملخص مرقات ص نمبر ۲۴۷ ج ۳)

الفصل الثالث

حدیث نمبر ۱۲۹۷ ﴿جمعہ چھوڑنے والوں پر آپ ﷺ کا غصہ﴾ عالمی حدیث نمبر ۳۷۸

عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ لِقَوْمٍ يَّتَخَلَّفُوْنَ عَنِ الْجُمُعَةِ لَقَدْ هَمَمْتُ اَنْ اٰمُرَ رَجُلًا يُّصَلِّيْ بِالنَّاسِ ثُمَّ اُحْرِقَ عَلٰى رِجَالٍ يَّتَخَلَّفُوْنَ عَنِ الْجُمُعَةِ بُيُوْتَهُمْ رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

حوالہ: مسلم، ص نمبر ۲۳۲، باب فضل صلاۃ الجماعۃ، وبیان التشدید الخ، کتاب المساجد، حدیث نمبر ۶۵۲

ترجمہ: حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ حضرت نبی کریم ﷺ نے ان لوگوں کے بارے میں جو جمعہ سے پیچھے رہ جاتے ہیں، یوں فرمایا کہ میں نے ارادہ کیا کہ کسی شخص کو حکم کروں کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائے، پھر ان مردوں کے گھروں کو آگ لگادوں جو جمعہ میں نہیں آتے ہیں۔ (مسلم)

خلاصہ حدیث اس حدیث میں ان لوگوں کے حق میں سخت وعید ہے، جو بلا عذر ترک جمعہ کرتے ہیں، آپ ﷺ نے ان کے گھر کو نذر آتش کرنے کا ارادہ کرلیا تھا، لیکن پھر کسی خارجی سبب سے اپنے ارادہ سے باز رہے، لیکن اتنی بات تو سمجھ میں آہی گئی کہ جو لوگ بغیر عذر کے جمعہ چھوڑ کر گھر بیٹھے رہتے ہیں، وہ اس بات کے مستحق ہیں کہ ان کے گھر بار کو آگ کے حوالہ کردیا جائے۔

کلمات حدیث کی تشریح ان امر رجلا یصلی بالناس مطلب یہ ہے کہ میں نے ارادہ کرلیا تھا جو لوگ سرکشی کی بنا پر جمعہ میں نہ آئیں تو میں کسی شخص کو حکم کروں کہ وہ نماز پڑھائے اور میں ان لوگوں کے پاس پہنچوں جو جمعہ میں حاضر

نہیں ہوئے، اور پھر ان کو ان کے گھر بار سمیت جلا ڈالوں۔

سوال: آپ ﷺ فریضہ صلاۃ چھوڑ کر ان کو سزا دینے کی طرف کیوں کر متوجہ ہو سکتے تھے۔

جواب: مقصد جمعہ کے ترک کرنے کے گناہ کی شدت بیان کرنا ہے، حقیقت میں سزا دینا مقصود نہیں ہے، علاوہ ازیں ضروری مصلحت کی غرض سے جمعہ ترک کر کے اس کا بدل یعنی ظہر پڑھنا آپ ﷺ کے لئے درست بھی تھا، لیکن ''احراق'' کا تصور اسی وقت ممکن ہے جب جمعہ ترک کرنا انکار کی غرض سے ہو۔ (مرقات ص نمبر ۲۴۷ ج ۳)

حدیث نمبر ۱۲۹۸ ﴿جمعه کا تارک منافق لکھا جاتاھے﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۳۷۹

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ مَنْ تَرَكَ الْجُمُعَةَ مِنْ غَيْرِ ضَرُوْرَةٍ كُتِبَ مُنَافِقًا فِيْ كِتَابٍ لَايُمْحٰى وَلَا يُبَدَّلُ وَفِيْ بَعْضِ الرِّوَايَاتِ ثَلٰثًا رَوَاهُ الشَّافِعِيُّ.

حواله: مسند الامام الشافعیؒ ص نمبر ۱۲۹ ج ۱ فی صلاة الجمعة، كتاب الصلاة حديث نمبر ۳۸۱.

ترجمه: حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس نے بغیر ضرورت کے جمعہ ترک کیا تو وہ اس کتاب میں منافق لکھا جاتا ہے، جو کتاب نہ مٹائی جا سکتی ہے اور نہ اس میں تبدیلی کی جا سکتی ہے، بعض روایات میں ''ثلاثا'' کا لفظ منقول ہے۔ (شافعیؒ)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ بغیر کسی شرعی عذر کے جمعہ کو ترک کرنے والا نامۂ اعمال میں منافق لکھا جاتا ہے اور پھر قیامت تک یہی لکھا رہے گا، پھر میدان محشر میں حساب کے دن چاہے اللہ تعالیٰ معاف فرمائے، چاہے اس کا انجام منافقوں کے ساتھ کر دیں، اس حدیث میں ترک جمعہ پر سخت وعید ہے، لہذا بلا عذر جمعہ ہرگز نہ ترک کرنا چاہئے۔

کلمات حدیث کی تشریح غیر ضرورۃ اگر کسی ضرورت یعنی عذر کی بنا پر جمعہ چھوڑا ہے تو پھر اس وعید کا مستحق نہیں ہے، ضرورت سے مراد ظالم کا خوف، یا راستہ میں بہت زیادہ کیچڑ وغیرہ ہو، یا سخت بارش ہو رہی ہو تو ایسی صورت میں ترک جمعہ کی گنجائش ہے، لا یمحی نامہ اعمال میں جو کچھ لکھ دیا گیا اس میں تغیر و تبدل ممکن نہیں ہے، البتہ اگر توبہ کرتا ہے اور صدقہ وغیرہ دیتا ہے تب معافی مل جائے گی، اور منافق ہونے سے اس کو نکال دیا جائے گا، وفی بعض الروایات ثلاث، یعنی بعض روایات میں اس وعید کا مستحق اس شخص کو قرار دیا گیا ہے جو تین جمعہ ترک کرے، اور تین جمعوں سے مراد لگاتار تین جمعہ ترک کرنا ہے۔

حدیث نمبر ۱۲۹۹ ﴿تارک جمعه رحمت خداوندی کا مستحق نهیں﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۳۸۰

وَعَنْ جَابِرٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَعَلَيْهِ الْجُمُعَةُ اِلَّا مَرِيْضٌ اَوْمُسَافِرٌ اَوِامْرَاَةٌ اَوْصَبِيٌّ اَوْمَمْلُوْكٌ فَمَنِ اسْتَغْنٰى بِلَهْوٍ اَوْ تِجَارَةٍ اسْتَغْنَى اللّٰهُ عَنْهُ وَاللّٰهُ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ رَوَاهُ الدَّارَ قُطْنِيُّ.

حواله: دار قطنی ص نمبر ۳ ج ۲ ،باب من تجب علیه الجمعة ،کتاب الجمعة ،حدیث نمبر ۱.

ترجمه: حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ بلاشبہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص اللہ پر اور قیامت کے دن پر یقین رکھتا ہے، اس پر جمعہ فرض ہے، البتہ مریض، مسافر، عورت، بچہ، اور غلام پر جمعہ فرض نہیں ہے، جو شخص کھیل کود یا تجارت کی بنا پر جمعہ کی نماز سے لاپرواہی برتے گا تو اللہ تعالیٰ بھی اس سے بے پرواہ ہو جائیں گے، بے شک اللہ کی ذات بے پرواہ اور لائق تعریف ہے۔ (دارقطنی)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ جو شخص بغیر عذر کے صرف کھیل کود کی بنا پر اور مال کمانے کی بنا پر جمعہ کی نماز سے غفلت ولاپرواہی برتے گا، تو اللہ تعالیٰ کی ذات تو بے نیاز ہے ہی، اللہ تعالیٰ بھی ایسے شخص سے توجہ ہٹا لیتے ہیں، اور اس پر نظر کرم نہیں فرماتے ہیں۔

کلمات حدیث کی تشریح من کان یؤمن یعنی جمعہ مسلمان پر فرض ہے، اس سے ہمارے مذہب کی تائید ہوتی ہے کہ کفار فروعات کے مکلف نہیں ہیں، مو یض مریض پر جمعہ فرض نہیں ہے، لیکن وہ مرض مراد ہے، جس کی بنا پر جمعہ پڑھنا دشوار ہو، شیخ کبیر بھی مریض کے حکم میں ہے، اسی طرح نابینا پر بھی جمعہ فرض نہیں ہے۔ (مرقات ص نمبر ۲۴۶ ج ۳)

مسافر پر بھی جمعہ فرض نہیں، سفر سے مطلقا سفر مراد ہے، خواہ سفر مباح ہو یا غیر مباح، بعض لوگ سفر کے ساتھ مباح کی قید لگاتے ہیں، استغنی اللّٰہ عنه اللہ تعالیٰ بندوں اوران کی عبادت کے محتاج نہیں ہیں، اللہ تعالیٰ عبادت کا حکم اس غرض سے دیتا ہے تاکہ عبادت کرنے والے کا مقام ومرتبہ بلند ہو جائے، وہ تو بالذات ''حمید'' ہے کوئی تعریف کرے یا نہ کرے، لہٰذا جمعہ ترک کرنے والوں کو اس بات سے ڈرنا چاہئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی نظر کرم کے مستحق نہ رہیں۔

باب التنظیف والتبکیر

﴿جمعہ کے لئے پاک صاف ہونے اور جلدی جانے کا بیان﴾

"التنظیف" باب تفعیل کا مصدر ہے، پاک صاف کرنا'' الملابس، کپڑے دھونا، یہاں مراد یہ ہے کہ جمعہ کے دن غسل کے ذریعہ صاف ستھرا کرنا، مونچھوں کا کترانا، ناخن کٹوانا، زیر ناف کے بال اور بغل کے بال صاف کرنا، نیز پاک صاف کپڑے پہن کر خوشبو اور تیل کا استعمال کرنا ہے'' التبکیر'' باب تفعیل کا مصدر ہے، بہت سویرے نکلنا، بہت جلدی آنا، یہاں مراد یہ ہے کہ جمعہ کی نماز کے لئے اول وقت میں مسجد جانا، اس باب کے تحت مؤلف نے ۱۹ حدیثیں نقل کی ہیں، ان احادیث میں جمعہ کی نماز کے لئے نہا دھوکر اہتمام سے اول وقت میں مسجد پہنچنے کی فضیلت، خاموشی کے ساتھ بیٹھ کر خطبہ سننے کی تاکید، مسجد میں دوسرے کی جگہ پر بیٹھنے اور لوگوں کی گردنیں پھلانگ کر آگے بڑھنے کی ممانعت، امام کے قریب بیٹھنے کی اہمیت، دوران خطبہ بات کرنے اور لغو عمل کرنے کی قباحت بیان ہوتی ہے، اور اس قسم کے چند دیگر اہم امور سے متعلق احادیث بھی ہیں۔

تنظیف کی حکمت جمعہ کے دن تنظیف کے حکم میں تین حکمتیں ہیں ایک نماز کے تعلق سے دوسری انسانی زندگی کے تعلق سے، تیسری اجتماعی شرکت کے تعلق سے، تفصیل رحمۃ اللہ الواسعہ میں دیکھی جاسکتی ہے۔

" تبکیر" یعنی اول وقت کی تعیین: جمعہ کی نماز کیلئے اول وقت جانا مستحب ہے، اول وقت سے کیا مراد ہے بعض لوگ کہتے ہیں کہ زوال کے مغا بعد جمعہ کی نماز کیلئے مسجد جانا اول وقت ہے، اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ ارتفاع النہار سے ہی اول وقت شروع ہو جاتا ہے۔

الفصل الاوّل

حدیث نمبر ۱۳۰۰ ﴿جمعہ کی نماز کے لئے اہتمام کا بیان﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۳۸۱

(۱) عَنْ سَلْمَانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَايَغْتَسِلُ رَجُلٌ يَّوْمَ الْجُمُعَةِ وَيَتَطَهَّرُ مَااسْتَطَاعَ مِنْ طُهْرٍ وَيَدَّهِنُ مِنْ دُهْنِهٖ اَوْيَمَسُّ مِنْ طِيْبِ بَيْتِهٖ ثُمَّ يَخْرُجُ فَلَا يُفَرِّقُ بَيْنَ اثْنَيْنِ ثُمَّ يُصَلِّيْ مَاكُتِبَ لَهٗ ثُمَّ يُنْصِتُ اِذَاتَكَلَّمَ الْاِمَامُ اِلَّا غُفِرَلَهٗ مَابَيْنَهٗ وَبَيْنَ الْجُمُعَةِ الْاُخْرٰى رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ.

حواله: بخاری، ص نمبر ۱۲۱، ج ۱ باب الدهن للجمعة، کتاب الجمعة، حدیث نمبر ۸۸۳.

ترجمہ: حضرت سلمان فارسیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص جمعہ کے دن غسل کرے، اور جہاں تک صفائی کر سکتا ہے کرے، اور اپنے تیل میں سے تیل لگائے، یا اپنے گھر میں موجود خوشبو لگائے، پھر نماز کے لئے نکلے اور دو آدمیوں کے درمیان نہ گھسے، پھر جو نماز اس کے مقدر میں ہے پڑھے پھر جب امام خطبہ پڑھے تو خاموش رہے، تو اس جمعہ سے لے کر دوسرے جمعہ تک کے گناہ اس کے بخش دیئے جائیں گے۔ (بخاری)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ جمعہ کی نماز کیلئے خوب اہتمام کرنا چاہئے، نہادھو کر، صاف ستھرے لباس زیب تن کر کے اور خوشبو وغیرہ لگا کر مسجد جانا چاہئے، تاکہ بھیڑ بھاڑ میں ہر ایک کو دوسرے سے راحت ہی نصیب ہو اذیت نہ ہو، مسجد میں اول وقت میں پہنچنے کی کوشش کرنا چاہئے، تاکہ آگے صف میں جانے کے لئے کسی کے اوپر پھلانگنا نہ پڑے، دو لوگ مل کر بیٹھے ہوں تو ان کے درمیان گھسنا نہ چاہئے، مسجد پہنچ کر سنن وغیرہ سے امام کے خطبہ دینے سے پہلے فارغ ہو جانا چاہئے، اور خطبہ کو بغور سننا چاہئے، اگر کوئی شخص اس اہتمام سے جمعہ ادا کرے گا تو اس کے ہفتہ بھر کے گناہ معاف ہو جائیں گے۔

کلمات حدیث کی تشریح رجل جمعہ کے دن مرد غسل کرے، مرد کے حکم میں عورت بھی داخل ہے، جیسا کہ حدیث صحیح سے مستفاد ہے، من آتی الجمعة من الرجال والنساء فليغتسل ومن لم يأتها فليس عليه غسل من الرجال والنساء (مردوں اور عورتوں میں سے جو بھی جمعہ کی ادائیگی کے لئے آئے وہ غسل کرے، اور جو نہ آئے اس کے ذمہ غسل بھی نہیں ہے، خواہ مرد ہو یا عورت) صاحب مرقات اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ عورتوں کا حکم ہمارے زمانے میں تبدیل ہو گیا ہے، اس لئے کہ ان کے حق میں جمعہ کے لئے نکلنا مستحب نہیں ہے، ویتطهر صفائی ستھرائی سے مراد مونچھیں کترنا، ناخون کاٹنا، ناف کے نیچے اور بغل کے بالوں کو صاف کرنا، نہا کر صاف ستھرے کپڑے پہننا ہے، ویدھن جمعہ کے دن تیل لگانا مستحب ہے، تیل میسر نہیں ہے تو گھر میں خوشبو موجود ہو تو وہ لگائے، اور اگر ایک موجود ہے تو اسی کو استعمال کرے، فلا یفرق دو آپس میں تعلق ومحبت کرنے والے لوگ مل کر بیٹھے ہیں، اور ان کے درمیان کشادگی نہیں ہے تو تیسرے آدمی کو ان کے درمیان میں گھسنا ممنوع ہے کیوں کہ اس سے ان لوگوں کو تکلیف ہوگی، ثم يصلى ماكتب له پھر جمعہ سے پہلے کی چار سنتیں، یا قضا نماز یا نوافل وغیرہ جو بھی مقدر ہو پڑھے، لیکن یہ نماز خطیب کے خطبہ شروع کرنے سے پہلے پڑھ لے، ثم ينصت جب امام خطبہ شروع کرے تو خاموشی سے امام کے خطبہ کو سنے، دوران خطبہ بات کرنا حرام ہے، اگر چہ بھلائی کا حکم ہی کیوں نہ ہو، کھانا پینا، لکھنا سب حرام ہے، چھینک کا جواب دینا اور سلام کا جواب دینا مکروہ ہے۔ (مرقات ص نمبر ۲۴۹۔۲۵۰ ج ۳)

سوال: کیا چھینک آنے پر "الحمدللہ" کہا جا سکتا ہے؟

جواب: دل میں الحمدللہ کہا جائے، زبان سے تلفظ نہ کیا جائے، دوران خطبہ کوئی غلط بات ہوتے دیکھ کر آنکھ کے اشارے سے یا ہاتھ کے اشارے سے روکنا مکروہ نہیں ہے، زبان کا استعمال درست نہیں ہے، الاغفر له ایک جمعہ سے دوسرے جمعہ تک کے صغیرہ گناہ معاف ہو جاتے ہیں، ماضی کا جمعہ مراد ہے، یا مستقبل کا یعنی اگلے ہفتہ تک کے گناہ معاف ہوتے ہیں یا پچھلے کے، احتمال دونوں کا ہے، لیکن ماضی مراد لینا بہتر ہے، اس لیے کہ مغفرت کا تعلق سابق سے زیادہ مناسب ہوتا ہے، اگر صغیر گناہ ہوتے ہیں، تو معاف ہو جاتے ہیں، اگر نہیں ہوتے تو درجات بلند ہوتے ہیں۔

حدیث نمبر ۱۳۰۱ ﴿جمعہ کی نماز سے گناہوں کی بخشش﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۳۸۲

وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ قَالَ مَنِ اغْتَسَلَ ثُمَّ اَتَی الْجُمُعَةَ فَصَلّٰی مَاقُدِّرَ لَهٗ ثُمَّ اَنْصَتَ حَتّٰی يَفْرُغَ مِنْ خُطْبَتِهٖ ثُمَّ يُصَلِّیْ مَعَهٗ غُفِرَلَهٗ مَابَيْنَهٗ وَبَيْنَ الْجُمُعَةِ الْاُخْرٰی وَفَضْلُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

حوالہ: مسلم، ص نمبر ۲۸۳ ج ۱، باب فضله من استمع وانصت فی الخطبة، كتاب الجمعة، حدیث نمبر ۸۵۷.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے روایت کیا کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جس نے غسل کیا پھر جمعہ میں آیا پھر جو اس کے مقدر میں تھی وہ نماز پڑھی، پھر وہ خاموش بیٹھا رہا، یہاں تک کہ خطیب خطبہ پڑھ کر فارغ ہو گیا، پھر امام کے

ساتھ اس نے جمعہ کی نماز پڑھی تو اس شخص کے اس جمعہ اور دوسرے جمعہ کے درمیان ہونے والے گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں اور تین دن کے مزید گناہ معاف ہوتے ہیں۔ (مسلم)

خلاصہ حدیث اس حدیث میں تقریباً گذشتہ حدیث کا مضمون ہے، لیکن اس حدیث میں اہتمام سے جمعہ ادا کرنے والے کے لئے یہ خوشخبری ہے، کہ اس کے گذشتہ حدیث میں ایک ہفتہ کا تذکرہ تھا اس حدیث میں تین دن مزید شامل کر کے دس دن کے گناہوں کی بخشش کی خوشخبری ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح **غفر له مابينه وبين الجمعة الاخرى وفضل ثلاثة ايام** مطلب یہ ہے کہ جمعہ کی نماز اس اہتمام سے ادا کی جائے جس کا ذکر احادیث میں ہے، تو دس دن کے گناہ معاف ہو جائیں گے، چوں کہ ہر نیکی کا ثواب دس گنا زیادہ ملتا ہے، اور ایک جمعہ سے دوسرے جمعہ تک سات ہی دن ہوتے ہیں، اس لیے تین کا اضافہ کر کے ایک جمعہ پڑھنے سے دس دن کے گناہوں کی بخشش کا پروانہ آپ ﷺ نے دیا۔

تعارض: گذشتہ حدیث میں سات دن گناہوں کی بخشش آپ ﷺ نے فرمائی تھی، اس حدیث میں دس دنوں کی بخشش آپ ﷺ نے فرمائی، دونوں احادیث میں بظاہر تعارض ہے۔

دفع تعارض: دونوں احادیث میں کوئی تعارض نہیں ہے، اس لئے کہ پہلے آپ ﷺ کو سات دن کی بخشش کی اطلاع دی گئی، چنانچہ آپ ﷺ نے وہی بیان کیا، پھر تین دن مزید بخشش کے اللہ تعالیٰ کیطرف سے بڑھائے گئے، تو آپ ﷺ نے اس کی اطلاع دے دی۔
(مرقات ص نمبر ۲۵۰ ج ۳)

حدیث نمبر ۱۳۰۲ ﴿دورانِ خطبہ عمل کی ممانعت﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۳۸۳

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ تَوَضَّأَ فَاَحْسَنَ الْوُضُوْءَ ثُمَّ اَتَى الْجُمُعَةَ فَاسْتَمَعَ وَاَنْصَتَ غُفِرَلَهُ مَابَيْنَهُ وَبَيْنَ الْجُمُعَةِ وَزِيَادَةُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ وَّمَنْ مَّسَّ الْحَصَا فَقَدْ لَغَا رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

حواله: مسلم، ص نمبر ۲۸۳، باب فضل من استمع وانصت فى الخطبة، كتاب الجمعة، حديث نمبر ۸۵۷

ترجمه: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ "جس نے اچھی طرح وضو کیا، پھر جمعہ کے لئے آیا، خطبہ سنا اور خاموش رہا تو اس کے گناہ بخش دیے جاتے ہیں، جو اس نے اس جمعہ اور دوسرے جمعہ کے درمیان کیے ہوئے ہیں، اور تین دن کے مزید گناہ معاف ہوتے ہیں، اور جس نے کنکریوں کو ہاتھ لگایا اس نے بیہودہ کام کیا۔ (مسلم)

خلاصہ حدیث اس حدیث میں بھی سابق حدیث کا ہی مضمون ہے کہ اہتمام سے جمعہ ادا کرنے اور خطبہ سننے سے دس دن کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں، اس حدیث سے یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ خطبہ کے دوران کسی بھی دوسرے کام کی طرف ہرگز توجہ نہ دینا چاہئے، کیوں کہ آپ ﷺ نے دورانِ خطبہ کنکریوں کے چھونے کو بھی لغو عمل قرار دیا ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح **فاحسن الوضوء** اچھی طرح وضو کرنے کا مطلب یہ ہے کہ سنن و مستحبات کی رعایت کرتے ہوئے وضو کیا، **فاستمع**، یہ قریب بیٹھنے والے کیلئے ہے کہ خطبہ کو بغور سنے، **وانصت** یہ دور بیٹھنے والے کیلئے ہے کہ اگر خطیب کی آواز کان میں نہیں جا رہی ہے تو خاموش رہے، **ومن مس الحصى** یا تو مطلب یہ کہ سجدہ کی جگہ کو صاف کرنے کیلئے نماز کے دوران ایک بار سے زیادہ حرکت دینا لغو عمل ہے، یا پھر یہ مراد ہے کہ خطبہ کے دوران کنکریوں سے کھیلنا لغو کام ہے۔
(مرقات ص نمبر ۲۵۱ ج ۳)

حدیث نمبر ۱۳۰۳ ﴿جمعہ کے لئے اول وقت مسجد آنے کا ثواب﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۳۸۴

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا كَانَ يَوْمُ الْجُمُعَةِ وَقَفَتِ الْمَلٰئِكَةُ عَلٰى بَابِ الْمَسْجِدِ يَكْتُبُوْنَ الْاَوَّلَ فَالْاَوَّلَ وَمَثَلُ الْمُهَجِّرِ كَمَثَلِ الَّذِىْ يُهْدِىْ بَدَنَةً ثُمَّ كَالَّذِىْ يُهْدِىْ بَقَرَةً ثُمَّ كَبْشًا ثُمَّ دَجَاجَةً ثُمَّ بَيْضَةً فَاِذَا خَرَجَ الْاِمَامُ طَوَوْا صُحُفَهُمْ وَيَسْتَمِعُوْنَ الذِّكْرَ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حوالہ: بخاری، ص نمبر ۱۲۱، ج ۱، باب الاستماع إلى الخطبة، كتاب الجمعة، حديث نمبر ۹۲۹، مسلم، ص نمبر ۲۸۱ ج ۱، باب فضل التهجير يوم الجمعة، كتاب الجمعة، حديث نمبر ۸۵۰.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ''جب جمعہ کا دن آتا ہے'' تو فرشتے مسجد کے دروازے پر کھڑے ہوجاتے ہیں، چنانچہ جو شخص مسجد میں اول وقت میں آتا ہے، پہلے وہ اس کا نام لکھتے ہیں، پھر اس کے بعد پہلے آنے والے کا نام لکھتے ہیں، مسجد میں اول وقت میں جمعہ کے لئے آنے والے کی مثال ایسے ہی ہے جیسے کوئی مکہ میں قربانی کے لئے اونٹ بھیجتا ہے، اور پھر اس کے بعد جو شخص جمعہ کے لئے آتا ہے اس کی مثال ایسے ہی ہے جیسے کہ کوئی شخص مکہ میں قربانی کے لیے گائے بھیجتا ہے، اور پھر اس کے بعد جو شخص جمعہ کے لیے آتا ہے اس کی مثال ایسے ہی ہے جیسے کوئی شخص دنبہ بھیجتا ہے پھر اس کے بعد آنے والی کی مثال ایسے ہی ہے جیسے کوئی شخص مرغی صدقہ کرتا ہے، پھر اس کے بعد آنے والے کی مثال ایسی ہی ہے جیسے کوئی شخص انڈا صدقہ میں دیتا ہے، پھر جب امام آتا ہے تو فرشتے اپنے صحیفے لپیٹ لیتے ہیں، اور خطبہ سننے لگتے ہیں۔ (بخاری ومسلم)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ ''سعی الی الجمعۃ'' میں سبقت کرنا چاہئے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کچھ فرشتے مقرر کیے جاتے ہیں جو مسجد آنے میں سبقت کرنے والوں کے نام درجہ بدرجہ لکھتے ہیں، جو جتنی جلدی آتا ہے اس کا نام رجسٹر میں اتنا ہی اوپر لکھا جاتا ہے، اور اس کو بہت زیادہ ثواب سے نوازا جاتا ہے حدیث باب میں مثالوں کے ذریعہ سے سبقت کرنے والوں کے ثواب کو محسوس طریقے پر آپ ﷺ نے سمجھا دیا ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح یکتبون الاول فالاول نماز جمعہ میں سبقت کرنے والوں کے درجات اور ثواب ان کی پیش قدمی سے لکھا جاتا ہے۔

سوال: ملائکہ کس وقت سے رجسٹر میں نام لکھنا شروع کرتے ہیں؟ اور جمعہ کیلئے کس وقت جانے میں سب سے پہلے درجہ کا ثواب ملتا ہے۔

جواب: اس سلسلہ میں دو رائیں زیادہ اہم ہیں، (۱) یہ عمل زوال کے بعد شروع ہوتا ہے، اور جمعہ کا وقت بھی زوال کے بعد ہی شروع ہوتا ہے، لہٰذا زوال کے معاً بعد پہنچنے والے سب سے مقدم شمار کیے جاتے ہیں اور ان کو مکہ میں اونٹ ذبح کرنے والے کے مثل قرار دیا جائے گا، (۲) طلوع آفتاب کے وقت سے ہی یہ عمل شروع ہوجاتا ہے، چوں کہ حدیث میں جمعہ میں آنے والوں کے مختلف درجات بیان ہوئے ہیں، زوال کے بعد سے جمعہ قائم ہونے تک بہت مختصر وقت ہوتا ہے اس مختصر وقت میں ان درجات کا ترتب مشکل ہوگا، لہٰذ اگر چہ جمعہ کا وقت بعد از زوال شروع ہوتا ہے، لیکن یہاں تو سعا سعی الی الجمعہ'' اسی وقت سے معتبر ہوگی جب سے ارتفاع شمس ہوجائے، اس کی حدیث سے تائید بھی ہوتی ہے اس لئے کہ حدیث میں ''اذا کان یوم الجمعۃ'' آپ ﷺ نے فرمایا ہے ''وقت الجمعۃ'' نہیں فرمایا لہٰذا زوال کے بعد کا وقت مراد لینا ضروری نہیں ہے، بعض لوگ کہتے ہیں کہ صبح صادق ہی سے فرشتے متعین ہوجاتے ہیں، اور وہ اپنا کام شروع کردیتے ہیں۔ (مستفاد مرقات ص نمبر ۲۵۱ ج ۳)

حدیث نمبر ۱۳۰۴ ﴿خطبہ کے وقت بات کرنے کی ممانعت﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۳۸۵

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا قُلْتَ لِصَاحِبِكَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ اَنْصِتْ وَالْاِمَامُ يَخْطُبُ فَقَدْ لَغَوْتَ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حوالہ: بخاری ص نمبر ۱۲۷.۱۲۸ باب الانصات یوم الجمعة والامام یخطب، کتاب الجمعة، حدیث نمبر ۹۳۴، مسلم، ص نمبر ۲۸۱ ج ۱، باب الانصات یوم الجمعة فی الخطبة، کتاب الجمعة، حدیث نمبر ۸۵۱

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ''جب امام جمعہ کے دن خطبہ دے رہا ہو اور تم نے اپنے ساتھی سے کہا کہ چپ رہو، تو تم نے لغو کام کیا۔ (بخاری و مسلم)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ دورانِ خطبہ میں ہر قسم کی بات کرنا ممنوع ہے، خواہ امر خیر ہی کیوں نہ ہو، خطبہ کے دوران خاموش رہ کر غور سے سننے کا حکم ہے، اس دوران جس طرح خود بات کرنا ممنوع ہے، اسی طرح بات کرنے والے کو زبان سے خاموش رہنے کا حکم کرنا بھی ممنوع ہے، البتہ ہاتھ یا آنکھ کے اشارے سے منع کرنے کی اجازت ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح **اذا قلت لصاحبك** دوران خطبہ خاموش رہنا اور خطبہ سننا واجب ہے اس دوران کسی کو حکم کرنا لغو کام ہے۔

سوال: دورانِ خطبہ اس شدت کے ساتھ بات کرنے کی ممانعت کیوں ہے؟

جواب: دراصل خطبہ دو رکعت نماز کے قائم مقام ہے، تو جس طرح اصل یعنی نماز میں بات کرنا منع ہے، اسی طرح دورانِ خطبہ بات کرنا منع ہے دورانِ خطبہ ''امر خیر'' کی ممانعت سے یہ بات بھی اچھی طرح سمجھ میں آگئی کہ اس دوران نفلی نماز تحیۃ المسجد یا کوئی اور نماز پڑھنا بھی ممنوع ہے، کیوں کہ امرِ خیر کا درجہ ان سے بلند ہے، جب اس کو لغو عمل قرار دیا گیا، تو ان کی گنجائش بھی نہیں ہو سکتی۔ احناف رکعتین کا بدل قرار نہیں دیتے ہیں، لیکن اس کی عظمت کی بنا پر دوران خطبہ سکوت اختیار کرنے کے قائل ہیں۔

اشکال: ایک صاحب دورانِ خطبہ مسجد آئے، تو آپ ﷺ نے ان کو دو رکعت نماز پڑھنے کا حکم دیا، اس سے تو معلوم ہوا کہ دوران خطبہ نماز پڑھی جا سکتی ہے، صاحب مرقات نے اس حدیث کو نقل کیا ہے ''ان رجلاً جاء والنبی ﷺ **یخطب فقال أصليت یا فلان قال لاقال صل رکعتین** ''ایک شخص مسجد میں اس وقت آئے جب کہ نبی کریم ﷺ خطبہ دے رہے تھے، آپ ﷺ نے ان سے پوچھا کیا تم نے نماز پڑھ لی؟ انہوں نے کہا کہ نہیں، آپ ﷺ نے فرمایا دو رکعت نماز پڑھ لو۔

جواب: آپ ﷺ نے خطبہ کا انقطاع فرما کر یہ بات نہیں کہی تھی، بلکہ اصل بات یہ ہے کہ یہاں ''**یخطب**'' کا مطلب ''یرید ان **یخطب**'' ہے، یعنی آپ ﷺ خطبہ دینے جا رہے تھے کہ وہ صاحب آگئے اور ان سے یہ بات چیت ہوئی، پھر آپ ﷺ نے ان کو دو رکعت نماز پڑھنے کا حکم کیا، تو حاصل یہ نکلا کہ ان صاحب کی نماز دورانِ خطبہ نہیں تھی، جیسا کہ حضرت انسؓ کی روایت سے اس کی تائید ہوتی ہے عن انسؓ **دخل رجل المسجد ورسول اللہ ﷺ یخطب فقال له النبی ﷺ قم فارکع رکعتین وأمسك عن الخطبة حتی فرغ من صلاته** ''حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ خطبہ دینے جا رہے تھے کہ ایک شخص مسجد میں حاضر ہوا، آپ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ کھڑے ہو کر دو رکعت نماز پڑھو، آپ ﷺ اس وقت تک خطبہ دینے سے رکے رہے، جب تک کہ وہ نماز سے فارغ نہ ہو گئے، اس حدیث میں بھی ''**یخطب**'' سے خطبہ کا ارادہ ہی مراد ہے، کیوں کہ خود خطیب کا خطبہ کے دوران بولنا منع ہے۔

سوال: آپ ﷺ نے ایک شخص کے نماز سے فارغ ہونے تک انتظار کیوں کیا، اور آنے والے صاحب کو نماز پڑھنے کا حکم کیوں کیا۔

جواب: ممکن ہے کہ آپ ﷺ کو علم ہو گیا ہو کہ آنے والے صاحب کی فجر کی نماز فوت ہو گئی ہے، اور وہ صاحب ترتیب بھی ہے، لہٰذا ان کی ترتیب واجب کی رعایت میں آپ ﷺ نے ان کو نمازِ فجر پڑھنے کا بھی حکم کیا، اور ان کے نماز سے فارغ ہونے تک خطبہ بھی شروع نہیں فرمایا۔ (مستفاد مرقات ص نمبر ۲۵۳)

حدیث نمبر ۱۳۰۵ ☆☆☆ عالمی حدیث نمبر ۱۳۸۶

﴿جمعہ کے دن نمازی کو اس کی جگہ سے ہٹانے کی ممانعت﴾

وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُقِيْمَنَّ اَحَدُكُمْ اَخَاهُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ ثُمَّ يُخَالِفُ اِلٰى مَقْعَدِهٖ فَيَقْعُدَ فِيْهِ وَلٰكِنْ يَقُوْلُ افْسَحُوْا رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

حوالہ: مسلم، ص نمبر ۲۱۷، باب تحریم اقامۃ الانسان من موضعہ المباح، کتاب السلام، حدیث نمبر ۲۱۷۸.

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص جمعہ کے دن یہ نہ کرے کہ اپنے بھائی کو اس کی جگہ سے اٹھا دے پھر یہ ارادہ کرے کہ اس جگہ میں خود بیٹھ جائے، لیکن یہ کہہ سکتا ہے کہ تھوڑی سی جگہ دے دو۔ (مسلم)

خلاصہ حدیث: اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ مسجد کسی شخص کی ملکیت نہیں ہے، لہٰذا پہلے سے بیٹھے ہوئے شخص کو اس کی جگہ سے زبردستی اٹھانا اور پھر اس کی جگہ پر بیٹھنا حرام ہے، ایسا کرنیوالا سخت گنہگار ہوگا، البتہ بیٹھنے والے سے یہ درخواست کی جاسکتی ہے تھوڑا بہت ادھر ادھر کھسک کر کچھ گنجائش کرلو، تاکہ میں بھی بیٹھ جاؤں، اس حدیث اور گذشتہ حدیث کی باب سے مناسبت یہ ہے کہ جمعہ کی نماز کے لئے اہتمام سے آنے والے خاص طور پر ان امور سے بچیں، جو ممنوع ہے، تاکہ ان کا اضافی ثواب ختم نہ ہو۔

کلمات حدیث کی تشریح: لایقیمن مسجد میں کسی کو اس کی جگہ سے زبردستی اٹھانا حرام ہے، اسی طرح اگر کوئی شخص اپنی جگہ دوسرے کو ڈر اور خوف سے دے رہا ہے تو بھی ظالم کے لئے بیٹھنا حرام ہوگا، اگر کسی شخص نے دوسرے کو اس لیے متعین کیا کہ وہ مسجد میں جگہ لے لے، تو جگہ لینے والا سب سے پہلے اس جگہ کا حق دار ہوگا، بھیجنے کا کوئی اعتبار نہیں ہے، البتہ اگر وہ خود دے رہا ہے تو ٹھیک ہے، لیکن عبادات میں ایثار درست نہیں ہے، اپنی خواہشات میں ایثار کی ترغیب ہے، لہٰذا صف اول میں شامل شخص کا دوسرے کے لیے پیچھے ہٹنا ٹھیک نہیں ہے، البتہ اگر اس سے افضل شخصیت ہے تو گنجائش ہے۔ (تلخیص مرقات ص نمبر ۲۵۴ ج ۳)

الفصل الثانی

حدیث نمبر ۱۳۰۶ ﴿رعایت آداب کے ساتھ جمعہ پڑھنے کی فضیلت﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۳۸۷

عَنْ اَبِیْ سَعِيْدٍ وَّاَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنِ اغْتَسَلَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَلَبِسَ مِنْ اَحْسَنِ ثِيَابِهٖ وَمَسَّ مِنْ طِيْبٍ اِنْ كَانَ عِنْدَهٗ ثُمَّ اَتَى الْجُمُعَةَ فَلَمْ يَتَخَطَّ اَعْنَاقَ النَّاسِ ثُمَّ صَلّٰى مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَهٗ ثُمَّ اَنْصَتَ اِذَا خَرَجَ اِمَامُهٗ حَتّٰى يَفْرُغَ مِنْ صَلٰوتِهٖ كَانَتْ كَفَّارَةً لِّمَا بَيْنَهَا وَبَيْنَ الْجُمُعَةِ الَّتِیْ قَبْلَهَا رَوَاهُ اَبُوْدَاؤْدَ.

حوالہ: ابو داؤد، ص نمبر ۵۰ ج ۱، باب فی الغسل یوم الجمعۃ، کتاب الطہارۃ، حدیث نمبر ۳۴۳.

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدریؓ اور حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ دونوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص نے جمعہ کے دن غسل کیا، اور اپنے کپڑوں میں سے اچھے کپڑے پہنے، اور اگر اس کے پاس خوشبو تھی تو اس کو لگایا، پھر نماز جمعہ کے لئے آیا، پھر لوگوں کی گردنیں پھلانگ کر آگے نہیں گیا، پھر جتنی نماز اس کے لئے مقدر تھی وہ پڑھی، پھر جب امام خطبہ پڑھنے کے لئے نکلا تو وہ خاموش رہا، یہاں تک وہ نماز پڑھ کر فارغ ہوگیا، تو یہ نماز اس کے ان گناہوں کے لیے کفارہ ہو جائے گی، جو اس جمعہ اور اس سے پہلے جمعہ کے درمیان اس سے سرزد ہوئے ہوں گے۔ (ابوداؤد)

خلاصہ حدیث: اس باب کے شروع میں چند احادیث میں یہ مضمون گزر چکا ہے، ان احادیث کا حاصل یہ ہے کہ جمعہ کی نماز کے لیے اہتمام کرنا چاہئے، صفائی ستھرائی کا خوب خیال رکھنا چاہئے، جمعہ کی نماز کے لئے اول وقت میں آنے کی کوشش ہو، تاکہ کسی کی گردن پھلانگنے کی نوبت نہ آئے، خطبہ جمعہ خاموش رہ کر بغور سنے، جو شخص اس اہتمام سے جمعہ ادا کرے گا اس کے ہفتہ بھر کے

اور بعض روایت کے اعتبار سے دس دن کے گناہ معاف ہو جائیں گے۔

کلمات حدیث کی تشریح

ولبس من احسن ثیابه اپنے پاس موجود لباسوں میں سے اچھے لباس کو زیب تن کر کے مسجد جانا بھی جمعہ کے آداب میں سے ہے، علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ سفید لباس بہتر لباس ہوتا ہے، ایک روایت میں ہے آپ ﷺ نے سفید رنگ کے لباس کو "اطهر واطيب" قرار دیا ہے، ومس من طيب ان كان عنده خوشبو اگر میسر ہے، تو اس کا استعمال بھی آداب جمعہ میں سے ہے اگر بیوی کے پاس ہے تو اس سے مانگ لے، اس کے علاوہ سے نہ مانگے جب کہ طلب کرنے میں ذلت ہو۔ (مرقات ص نمبر ۲۵ ج ۳)

حدیث نمبر ۱۳۰۷ ﴿جمعہ کے دن کے آداب کا بیان﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۳۸۸

وَعَنْ اَوْسِ بْنِ اَوْسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ غَسَّلَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَاغْتَسَلَ وَبَكَّرَ وَابْتَكَرَ وَمَشٰى وَلَمْ يَرْكَبْ وَدَنٰى مِنَ الْاِمَامِ وَاسْتَمَعَ وَلَمْ يَلْغُ كَانَ لَهٗ بِكُلِّ خَطْوَةٍ عَمَلُ سَنَةٍ اَجْرُ صِيَامِهَا وَقِيَامِهَا رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاوٗدَ وَالنَّسَائِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ.

حواله: ابو داؤد، ص نمبر ۵۰ ج ۱، باب في الغسل للجمعة، كتاب الطهارة، حديث نمبر ۳۴۵، ترمذی، ص نمبر ۱۱۱، ج ۱، باب ماجاء فی فضل الغسل یوم الجمعة، كتاب الجمعة، حديث نمبر ۴۹۶، نسائی، ص نمبر ۱۵۵.۱۵۶ ج ۱، فضل المشی الی الجمعة كتاب الجمعة، حديث نمبر ۱۳۸۳، ابن ماجه ص نمبر ۷۶، باب ماجاء فی الغسل یوم الجمعة، كتاب اقامة الصلاة، حديث نمبر ۱۰۸۷.

ترجمه: حضرت اوس بن اوسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ "جو شخص جمعہ کے دن غسل کرائے اور غسل کرے، اور سویرے مسجد جائے اور خوب سویرے جائے، اور پیدل مسجد جائے اور سوار نہ ہوئے، اور امام کے قریب رہے، اور غور سے خطبہ سنے اور کوئی لغو حرکت نہ کرے، تو اس کیلئے ہر قدم کے بدلے ایک سال کے روزوں اور ایک سال کی رات کی نفلوں کا ثواب ہے۔

(ترمذی، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ)

خلاصہ حدیث

اس حدیث میں جمعہ کی نماز کی ادائیگی خوب اہتمام سے کرنے والے کے ہر قدم پر ایک سال کے نفلی روزوں اور ایک سال کی رات کی نفلوں کے ثواب کا ملنا بیان ہوا ہے، لیکن یہ ثواب جب حاصل ہوگا جب کہ جمعہ ادا کرنے والا درجہ ذیل امور اختیار کرے۔

(۱) جمعہ کی نماز پر مواظبت اختیار کرے، چند جمعے پڑھنے اور چند ترک کرنے سے یہ ثواب نہیں ملے گا۔

(۲) یہ جمعہ کو خوب اچھی طرح نہا دھو کر، اور اچھے لباس کو زیب تن کرے، میسر خوشبو استعمال کر کے مسجد جائے۔

(۳) صبح سویرے مسجد جائے، (پیدل جائے تو بہتر ہے) (۴) امام کے قریب بیٹھ کر خاموشی سے بغور خطبہ سنے۔

کلمات حدیث کی تشریح

من غسّل يوم الجمعة واغتسل یہاں "غسل" اور "اغتسل" دو لفظ ہیں، بعض نے ایک کو دوسرے کی تاکید کے لیے قرار دیا ہے، اور مطلب یہ بیان کیا ہے کہ جمعہ کے دن خوب اچھی طرح نہانا مقصود ہے، اس میں سر دھونا [illegible] سے دھونا سب شامل ہے، جب کہ بعض نے اغتسل کے معنی خود نہانا ذکر کیا ہے اور غسّلَ "کے معنی بیوی کو نہلانا [illegible] بیوی سے جمعہ کی نماز کے لئے جانے سے قبل صحبت کرے تاکہ وہ نہالے، اور یہ شخص خواہش پوری ہونے کی وجہ سے جمعہ [illegible] وقت بدنظری وغیرہ سے محفوظ رہے، بکر وابتکر یہاں بھی بعض علماء نے [illegible] کلمات کو تا[illegible] پر محمول کیا ہے، اس صورت میں مطلب یہ ہوتا کہ جمعہ کی نماز کے لئے بہت سویرے [illegible] شہر میں صرف ایک جگہ جمعہ ہوتا تھا.

ں کی بنا پر زمانہ میں وہی شخص جگہ پاتا تھا جو صبح سویرے آتا تھا، آج کل کی صورت حال قطعی اس سے مختلف ہے، ہر مسجد میں جمعہ کے قیام کی وجہ سے جمعہ کی اہمیت دلوں سے رخصت ہوتی جارہی ہے، اس صورتِ حال پر قابو پانا وقت کی اہم ضرورت ہے، بعض علماء نے دکھو' کا مطلب بیان کیا ہے کہ صبح سویرے جائے، اور ابتکر کا مطلب نقل کیا ہے شروع ہی سے خطبہ کو بغور سنے۔

ومشی ولم یرکب: یہیں سے یہ بات معلوم ہوئی کہ جمعہ کے لیے پیدل جانا افضل اور بہتر ہے، امام بخاریؒ نے مستقل ترجمہ قائم کیا ہے: باب المشی إلی الجمعة'' یہاں پر مشی کے بعد''ولم یرکب'' کی قید سے یہ بات معلوم ہوئی کہ پورا راستہ پیدل جانا افضل ہے، ''کہ درمیان میں کہیں بھی سوار نہ ہوئے'' ودنی من الامام بعض لوگ شروع وقت میں مسجد پہنچ جاتے ہیں، لیکن ادھر ادھر ٹیک لگا کر یا پھر جہاں آرام ملتا ہے وہاں بیٹھ جاتے ہیں، اس حدیث میں اس بات کی صراحت ہوگئی کہ امام کے قریب بیٹھنا چاہئے، اور خاص طور پر خطبہ کے وقت تو جتنا امام کا قرب ہوا تنا ہی بہتر ہے، ولم یلغ اس کا مطلب مطلقا تکلم کی نفی ہے، یعنی کوئی بات ہرگز دورانِ خطبہ نہ کی جائے، اسی طرح کوئی عبث کام نہ کیا جائے، کان له بکل خطوة حدیث میں مذکور اہتمام کے ساتھ جمعہ ادا کرنے کی غرض سے چلنے پر ہر ہر قدم پر ایک سال کے روزے اور ایک سال کی تہجد کا ثواب ملتا ہے، صاحبِ مرقات لکھتے ہیں کہ بعض ائمہ سے منقول ہے کہ فضائل اعمال میں کوئی صحیح حدیث اس سے زیادہ فضیلت کی ہم نے نہیں سنی، (مرقات ص نمبر ۳۵۶ ج ۳) ظاہر بات ہے کہ اگر ہر قدم پر ایک روزے اور ایک رات کی تہجد کا ثواب ملتا تب بھی بہت تھا یہاں تو ہر قدم پر ایک سال کے روزے اور ایک سال کے تہجد کا ثواب ملنا مذکور ہے، اللہ تعالی ہم لوگوں کو اس ثواب کا مستحق بنائے (آمین)

حدیث نمبر ۱۳۰۸ ﴿جمعہ کے لئے اچھے کپڑے کا انتظام﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۳۸۹۔۱۳۹۰

وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ سَلَامٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَاعَلٰى اَحَدِكُمْ اِنْ وَّجَدَانْ يَتَّخِذَ ثَوْبَيْنِ لِيَوْمِ الْجُمُعَةِ سِوٰى ثَوْبَىْ مِهْنَتِهٖ رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ وَرَوَاهُ مَالِكٌ عَنْ يَّحْيَى بْنِ سَعِيْدٍ.

حوالہ: ابن ماجہ ص نمبر ۷۷، باب ماجاء فی الزینة یوم الجمعة، حدیث نمبر ۱۰۹۵، مؤطامالك، ص نمبر ۳۹ باب الهيئة وتخطى الخ كتاب الجمعة، حديث نمبر ۱۷.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن سلامؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم میں سے کسی کے لئے اس میں کوئی قباحت نہیں ہے کہ اگر وہ گنجائش رکھتا ہو تو اپنے استعمالی دو کپڑوں کے علاوہ جمعہ کے دن کے لئے دو کپڑے بنائے (ابن ماجہ) امام مالک نے اس روایت کو یحیی بن سعید سے نقل کیا ہے۔

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ انسان اپنے روز مرہ کے کپڑوں کے علاوہ اگر حسب گنجائش جمعہ کے دن کیلئے کپڑے سلواتا ہے، تو یہ زہد وتقویٰ کے خلاف نہیں ہے، بلکہ حدیث میں جمعہ کے دن عمدہ کپڑے پہننے کا جو حکم ہے اس کی تعمیل یہی ہے

کلمات حدیث کی تشریح ماعلی احدکم جمعہ کے دن کیلئے کپڑے سلوانے میں گناہ نہیں ہے، لیکن آپ ﷺ کے فرمان سے یہ بات واضح ہوگئی کہ جمعہ کی تعظیم اور شعائر اسلام کی رعایت کی بنا پر نئے کپڑے سلوا کر رکھنے کی اجازت ہے، ورنہ متقیوں کی یہ عادت نہیں کہ وہ کپڑے سلوا کر رکھیں۔

حدیث نمبر ۱۳۰۹ ﴿خطبۂ جمعہ میں موجود رہنے کا حکم﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۳۹۱

وَعَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُحْضُرُوا الذِّكْرَ وَادْنُوا مِنَ الْاِمَامِ فَاِنَّ الرَّجُلَ لَايَزَالُ يَتَبَاعَدُ حَتّٰى يُؤَخَّرَ فِى الْجَنَّةِ وَاِنْ دَخَلَهَا رَوَاهُ اَبُوْدَاؤُدَ.

حوالہ: ابو داؤد ،ص نمبر ۱۵۸ ج۱ ، باب الدنو من الامام عند الموعظة، کتاب الصلاة، حدیث نمبر ۱۱۰۸.

ترجمہ: حضرت سمرہ بن جندبؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ" خطبہ میں موجود رہو، اور امام کے قریب رہو بے شک آدمی برابر پیچھے ہوتا رہتا ہے یہاں تک کہ وہ جنت میں بھی پیچھے رہ جائے گا، اگر چہ جنت میں اس کا داخلہ ہو جائے۔ (ابوداؤد)

خلاصہ حدیث اس حدیث میں اس بات کی ترغیب ہے کہ اول وقت میں مسجد پہنچ کر بالکل آگے امام کے قریب جگہ حاصل کرلو، اور غور سے خطبہ سنو، یہ عمل جنت میں بھی دخولِ اولین کا مستحق بنادے گا، اور اگر آدمی اس نیک عمل میں اپنے کو مؤخر کریگا تو وہ دخولِ جنت میں بھی مؤخر ہو جائے گا۔

کلمات حدیث کی تشریح الذکر: اس سے مراد خطبہ ہے

سوال: خطبہ کو ذکر" کیوں کہا ہے؟

جواب: خطبہ ذکر اللہ پر مشتمل ہے، اس لئے تسمیة الکل باسم الجز کی بنا پر خطبہ کا نام ذکر رکھ دیا ہے، وادنوا جتنا ممکن ہو امام کا قرب اختیار کیا جائے، لیکن حصول قرب کے لئے گردنیں پھلانگنا، یا کسی دوسرے شخص کو زبردستی اٹھا کر اس کی جگہ بیٹھنا قطعاً درست نہیں ہے، اور ایسا کرنے سے بجائے ثواب کے گناہ حصہ میں آئے گا۔ فان الرجل لایزال یتباعد خیر کے مواضع سے بغیر عذر کے پیچھے ہٹنے والا مراد ہے، ایسا شخص جنت کے درجات میں نچلے درجوں کا مستحق ہوگا۔

حدیث نمبر ۱۳۱۰ ☆☆☆ عالمی حدیث نمبر ۱۳۹۲

﴿جمعہ کے دن گردنیں پھلانگ کر آگے آنے پر وعید﴾

وَعَنْ مُعَاذِبْنِ اَنَسِ نِالجُهَنِيِّ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَخَطّٰى رِقَابَ النَّاسِ يَوْمَ الجُمُعَةِ اتُّخِذَ جِسْرًا اِلٰى جَهَنَّمَ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ.

حوالہ: ترمذی، ص نمبر ۱۱٤ ج۱ باب ماجاء فی کراهیة التخطی یوم الجمعة، حدیث نمبر ۵۱۳.

ترجمہ: حضرت معاذ بن انس جہنیؓ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ" جو شخص جمعہ کے دن لوگوں کی گردنیں پھاندتا ہے وہ جہنم کی طرف پل بنایا جائے گا، امام ترمذیؒ نے اس روایت کو نقل کر کے کہا ہے یہ حدیث غریب ہے۔

خلاصہ حدیث اس حدیث میں ان لوگوں کے حق میں سخت وعید ہے جو دوسروں کی گردنیں پھلانگ کر صف میں آگے جاتے ہیں" آپ ﷺ نے اس عمل سے سختی سے روکا ہے، اگر کوئی شخص اس قبیح عمل سے باز نہ آیا تو جس طرح وہ لوگوں کی گردنوں کو گذرگاہ بنا رہا ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کو جہنمیوں کی گذرگاہ بنادیں گے، یعنی اس کو ایسا پل بنادیں گے، جس پر سے گذر کر جہنمی جہنم میں جائیں گے۔

کلمات حدیث کی تشریح من تخطی رقاب الناس یوم الجمعة لوگوں کی گردنیں پھاند کر آگے بڑھنا درست نہیں ہے، ایک موقع پر آپ ﷺ خطبہ دے رہے تھے ایک شخص اسی طرح آگے بڑھے آپ ﷺ نے فرمایا" اجلس فقد اذیت و آنیت" بیٹھ جاؤ تم نے لوگوں کو تکلیف پہنچائی اور تم نے تاخیر کی، آپ ﷺ کی خصوصیت ہے، یہاں سے یہ بات معلوم ہوئی کہ آگے اگر تھوڑی بہت جگہ ہے تب بھی خطبہ شروع ہونے کے بعد لوگوں کو اذیت دیتے ہوئے آگے نہ بڑھنا چاہئے، البتہ آگے بیٹھنے والوں کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ جگہ کو پر کریں، خطبہ شروع ہونے سے پہلے اگر آگے جگہ خالی ہے تو اس کو بھرنے کی اجازت ہے، حدیث باب میں" یوم الجمعة" کی قید اتفاقی ہے، چوں کہ جامع مسجد میں بڑا مجمع ہوتا ہے، اس لیے یہ قید لگائی، ورنہ یہ حکم عام ہے، ہر مجمع میں

لوگوں کو اس کا خیال رکھنا چاہئے۔

اشکال: ایک روایت ہے کہ "**ان عثمان رضی اللّٰہ عنہ تخطی رقاب الناس وعمر رضی اللّٰہ عنہ یخطب فلم ینکر علیہ احد**" حضرت عثمانؓ لوگوں کی گردنیں پھلانگ کر آگے بڑھے، حضرت عمرؓ خطبہ دے رہے، کسی نے حضرت عثمانؓ کے اس عمل پر نکیر نہیں کی، اشکال یہ ہے کہ حضرت عثمانؓ نے وہ عمل کیوں کیا جس کی آپ ﷺ نے ممانعت فرمائی۔

جواب: یا تو اگلی صفوں میں بہت کشادگی ہوگی، یا پھر جن کی گردنیں پھلانگ کر حضرت عثمان آگے بڑھے تھے، وہ سب ان کے اس عمل سے راضی اور خوش ہوں گے، انہیں کوئی تکلیف نہ ہوئی ہوگی۔ (مستفاد مرقات ص نمبر ۲۵۸ ج ۳)

اتخذ جسرًا: مجہول پڑھیں تو مطلب یہ ہے کہ وہ جہنم کا پل بنے گا اور جہنمی اس پر سے گذریں گے، اور اگر معروف پڑھیں تو مطلب یہ ہے کہ وہ جہنم کی طرف پل بنائے گا، یعنی جہنم میں جائے گا، **ھذا حدیث غریب** یہ حدیث ضعیف ہے اس میں مسلسل تین راوی رشدین بن سعد زبان بن فائد اور سہل بن معاذ ضعیف ہیں، مگر اس حدیث کے ضعف سے مسئلہ باب پر کوئی اثر نہیں پڑتا، اس لیے کہ اس مسئلہ سے متعلق بہت سی صحیح احادیث موجود ہیں، صاحب مرقات سید جمال الدین کے حوالے سے نقل کرتے ہیں کہ اس روایت کی سند میں سہو ہو گیا ہے، کیوں کہ معاذ کے والد صحابی نہیں ہیں، لہٰذا ان کو روایت کا شرف حاصل ہونا ممکن نہیں ہے، لہٰذا یہاں اصل سند یوں ہے "**عن سھل بن معاذ عن ابیہ**" (مرقات حوالۂ بالا)

حدیث نمبر ۱۳۱۱ ﴿دوران خطبہ گوٹ مارنے کی ممانعت﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۳۹۳

وَعَنْ مُعَاذِبْنِ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ نَھٰی عَنِ الحَبْوَۃِ یَوْمَ الْجُمُعَۃِ وَالْاِمَامُ یَخْطُبُ رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَاَبُوْدَاوٗدَ.

حوالہ: ابوداؤد، ص نمبر ۱۵۸ ج ۱، باب الاحتباء والامام یخطب، کتاب الصلاۃ، حدیث نمبر ۱۱۱۰ ترمذی، ص نمبر ۱۱۷ باب ماجاء فی کراھیۃ الاحتباء کتاب الجمعۃ، حدیث نمبر ۵۱۴۔

ترجمہ: حضرت معاذ بن انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جمعہ کے دن جبکہ امام خطبہ دے رہا ہو گوٹ مار کر بیٹھنے سے منع فرمایا۔ (ابوداؤد)

خلاصہ حدیث "حبوۃ" ایک خاص کیفیت سے بیٹھنے کا نام ہے، یہ درحقیقت آرام کرسی اور نیند آور ہیئت ہے اسلئے آپ ﷺ نے خطبہ سنتے وقت اس طرح بیٹھنے سے منع کیا، کیوں کہ اس طرح بیٹھنے والا بہت جلد خطبہ سے غافل ہو جائے گا، اس حدیث سے یہ بات سمجھ میں آئی کہ ہر وہ بیٹھنے کی ہیئت جو کہ نیند لانے والی ہو، مثلاً ٹیک لگا کر بیٹھنا یا آنکھ بند کر کے بیٹھنا سب ممنوع ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح **نھی عن الحبوۃ** سرین کے بل بیٹھ کر، گھٹنے کھڑے کر کے ان کے گرد سہارا لینے کے لئے دونوں ہاتھ باندھ لینا یا کمر اور گھٹنوں کے گرد کپڑا باندھ لینا، احتباء "یعنی گوٹ مار کر بیٹھنا کہلاتا ہے، اسکو آپ ﷺ نے منع فرمایا ہے، پہلے زمانہ میں لوگوں کو دیوار کا سہارا نصیب نہ ہوتا تو ٹیک لگانے کے لئے اس کیفیت پر بیٹھا کرتے تھے۔

اشکال: آپ ﷺ نے "حبوۃ" سے منع فرمایا، جبکہ بہت سے صحابہ کا عمل اس کے خلاف نقل ہوا ہے، جیسا کہ ابوداؤد میں، اسی باب کے تحت دوسری روایت ہے "**عن یعلی بن شداد بن اوس قال شھدت مع معاویۃ بیت المقدس فجمع بنا فنظرت فاذا رجل من فی المسجد أصحاب رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فرأیتھم والامام یخطب** راوی کہتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ حضرت معاویہ کے ساتھ بیت المقدس حاضر ہوا۔ انہوں نے ہمیں جمعہ کی نماز پڑھائی تو جب میں وہاں پہنچا تو میں نے دیکھا کہ اکثر صحابۂ کرام جو مسجد میں موجود تھے، وہ امام کے خطبہ کے وقت احتباء کی ہیئت پر بیٹھے ہوئے تھے، اشکال یہ ہے کہ آپ ﷺ کے فرمان اور

صحابہ کے عمل میں تضاد کیوں ہے؟

جواب: ممانعت کی روایت کا تعلق عین خطبہ کے دوران سابقہ نشست بدل کر حبوہ کی کیفیت پر بیٹھنے سے ہے، کیوں کہ جب خطبہ کے دوران کنکری چھونے کے ممانعت ہے تو اس نشست پر بیٹھنے کیلئے جو امور انجام دیے جاتے ہیں ان کی ممانعت بدرجہ اولیٰ ہوگی اور صحابہ کرام کا جو عمل ہے جس سے اس کیفیت کا جواز معلوم ہوتا ہے وہ خطبہ شروع ہونے سے پہلے ''حبوہ'' بنا کر بیٹھنے پر محمول ہے، (۲) ممانعت کا تعلق مکروہ تحریمی سے نہیں ہے، بلکہ مکروہ تنزیہی سے ہے، لہٰذا اس کیفیت پر بیٹھنا اگر چہ خلافِ اولیٰ ہے، لیکن جائز ضرور ہے۔

حدیث نمبر ۱۳۱۲ ﴿مسجد میں اونگھ آنے پر جگہ بدلنے کا حکم﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۳۹۴

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا نَعَسَ اَحَدُكُمْ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فَلْيَتَحَوَّلْ مِنْ مَّجْلِسِهٖ ذٰلِكَ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ.

حوالہ: ترمذی، ص نمبر ۱۱۸ ج ۱، باب ماجاء فیمن ینعس یوم الجمعة، کتاب الجمعة، حدیث نمبر ۵۲۶.

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ''جب تم میں سے کوئی شخص جمعہ کے دن اونگھنے لگے، تو اس کو چاہئے کہ وہ اپنی جگہ بدل دے، (ترمذی)

خلاصہ حدیث جمعہ کے دن مسجد میں نیند آنے لگے یا کسی بھی مجلس میں اونگھ طاری ہونے لگے، تو اس کا حل یہ ہے کہ اپنی نشست بدل دے، یعنی اپنی جگہ سے اٹھ جائے، کیوں کہ اٹھنے سے حرکت پیدا ہوگی، اور حرکت سے نیند دور ہوتی ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح فلیتحول اونگھ طاری ہونے پر جگہ کی تبدیلی کا مقصد حرکت کرنا ہے، تھوڑی حرکت کے بعد چاہے دوسری جگہ بیٹھے چاہے اپنی سابقہ جگہ پر ہی آکر بیٹھ جائے، دونوں کی گنجائش ہے، اور ان دونوں صورتوں میں اونگھ سے نجات مل جائے گی۔

حدیث نمبر ۱۳۱۳ ﴿کسی کو اٹھا کر اس کی جگہ بیٹھنے کی ممانعت﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۳۹۵

عَنْ نَّافِعٍ قَالَ سَمِعْتُ ابْنَ عُمَرَ يَقُوْلُ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَنْ يُّقِيْمَ الرَّجُلُ الرَّجُلَ مِنْ مَّقْعَدِهٖ وَيَجْلِسَ فِيْهِ قِيْلَ لِنَافِعٍ فِي الْجُمُعَةِ قَالَ فِي الْجُمُعَةِ وَغَيْرِهَا مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حوالہ: بخاری، ص نمبر ۹۲۸ ج ۲، باب اذاقیل لکم تفسحوا فی المجالس، کتاب الاستئذان، حدیث نمبر ۶۲۷۰، مسلم، ص نمبر ۲۱۷ ج ۲ باب تحریم اقامة الانسان من موضعه، کتاب السلام، حدیث نمبر ۲۱۷۷

ترجمہ: حضرت نافعؒ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس بات سے منع فرمایا ہے کہ کوئی شخص دوسرے شخص کو اس کی جگہ سے اٹھادے اور پھر خود اس جگہ بیٹھ جائے حضرت نافعؒ سے دریافت کیا گیا کہ یہ ممانعت جمعہ کے لئے ہے؟ حضرت نافعؒ نے جواب دیا کہ جمعہ کے لیے بھی ہے اور اس کے علاوہ کے لیے بھی ہے۔ (بخاری ومسلم)

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ دوسرے کو اٹھا کر اس کی جگہ بیٹھنا درست نہیں ہے، اس سے پہلے سے بیٹھے ہوئے شخص کی دل آزاری ہوتی ہے جو کہ شرعاً اخلاقاً ہر طرح سے مذموم حرکت ہے، جو شخص یہ کام کرے گا، اس کو جمعہ کی نماز کی بنا پر جو اضافی ثواب ملتا ہے، اس سے بھی محروی ہوگی، گناہ گار الگ ہوگا، اور یہ حرکت جمعہ کے علاوہ تمام دنوں میں اور عام محفلوں میں بھی قطعاً درست نہیں ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح ان یقیم الرجل الرجل من مقعدہ اصل میں کسی کو اٹھانے میں اس کو ایذا پہنچانا ہے اس لیے یہ عمل حرام ہے، اور ایذا کا دارومدار اٹھانے میں ہے، اس کے برخلاف اگر پہلے سے بیٹھا ہوا شخص خود سے اٹھ کر

دوسری جگہ چلا گیا تو اب اس کی جگہ پر بیٹھنے میں کوئی حرج نہیں ہے، اگر کسی کو شرعی ضرورت کے تحت اٹھایا گیا تو بھی کوئی حرج نہیں ہے۔
(مرقات ص نمبر ۲۵۸ ج ۳)

حدیث نمبر ۱۳۱۴ ﴿آداب جمعہ کی رعایت کرنیوالے کا اجر﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۳۹۶

وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَحْضُرُ الْجُمُعَةَ ثَلٰثَةُ نَفَرٍ فَرَجُلٌ حَضَرَهَا بِلَغْوٍ فَذٰلِكَ حَظُّهٗ مِنْهَا وَرَجُلٌ حَضَرَهَا بِدُعَاءٍ فَهُوَ رَجُلٌ دَعَا اللّٰهَ اِنْ شَآءَ اَعْطَاهُ وَاِنْ شَآءَ مَنَعَهٗ وَرَجُلٌ حَضَرَهَا بِاِنْصَاتٍ وَّسُكُوْتٍ وَّلَمْ يَتَخَطَّ رَقَبَةَ مُسْلِمٍ وَّلَمْ يُؤْذِ اَحَدًا فَهِيَ كَفَّارَةٌ اِلَى الْجُمُعَةِ الَّتِيْ تَلِيْهَا وَزِيَادَةِ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ وَّذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ يَقُوْلُ مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ.

حوالہ: ابو داوٗد، ص نمبر ۱۵۸ ج ۱، باب الکلام والامام یخطب، کتاب الصلاۃ، حدیث نمبر ۱۱۱۳۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جمعہ میں شرکت کرنے والے تین طرح کے ہوتے ہیں، ایک تو وہ شخص جو لغو حرکت کے ساتھ جمعہ میں شرکت کرتا ہے، تو ایسے شخص کا حصہ یہی لغو حرکت ہے، دوسرا وہ شخص جو دعاء کے ساتھ جمعہ میں شرکت کرتا ہے، تو یہ ایسا شخص ہے جس نے اللہ سے دعا مانگی تو اگر اللہ چاہے تو اس کو عطا کردے اور اگر چاہے نہ دے، اور تیسرا آدمی وہ ہے جو خاموشی اور سکوت کے ساتھ جمعہ میں شرکت کرتا ہے، اور کسی مسلمان کی نہ گردن پھلانگتا ہے اور نہ کسی کو تکلیف پہنچاتا ہے تو یہ جمعہ اپنے سے ملے ہوئے جمعہ تک کے لئے کفارہ ہو جاتا ہے، اور مزید تین دنوں کے لیے کفارہ ہو جاتا ہے، اور یہ اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ ''من جاء بالحسنة الخ جو شخص ایک نیکی کرتا ہے تو اس کو اس کا دس گنا ثواب ملتا ہے۔ (ابوداؤد)

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ جمعہ اس کے حق کے ساتھ یعنی پورے آداب کی رعایت کرتے ہوئے ادا کرنا چاہئے، جمعہ کے آداب میں سے یہ بھی ہے کہ خطبہ بغور سنا جائے، خطبہ کے وقت لغو حرکت کرنا حرام ہے دعا مانگنا بھی خلاف اولیٰ عمل ہے، لہٰذا مکمل طور سے اس وقت خطیب کی طرف متوجہ ہونا چاہئے، اس وقت میں دعا مانگنے سے بھی گریز کرنا چاہئے، جمعہ کے لئے شروع میں آنا چاہئے کسی کی گردن پھلانگ کر آگے نہ بڑھا جائے کسی کو تکلیف نہ پہچائی جائے، مثلاً کسی کو اس کی جگہ سے اٹھا کر خود نہ بیٹھا جائے جو شخص اس اہتمام کے ساتھ جمعہ کا حق ادا کرتے ہوئے جمعہ ادا کرے گا، اس کے دس دن کے گناہِ صغیرہ معاف ہونگے گناہ نہ ہوں گے تو درجات بلند ہوں گے۔

کلمات حدیث کی تشریح فرجل حضرها بلغو لغو کہتے ہیں اس کام کو جو بلا فائدہ ہو، جو شخص جمعہ میں حاضر ہو کر لغو حرکت کرتا ہے اس کو جمعہ کی فضیلت اور جمعہ کا ثواب نہیں ملتا ہے، بلکہ اس کے حصہ میں تو وہی لغو حرکت آتی ہے، ورجل حضرها بدعاء خطبہ کے وقت حکم یہ ہے کہ خاموش رہ کر بغور خطبہ سنا جائے، ایسی صورت میں جو شخص اس حکم پر عمل نہ کرکے دعا میں مشغول ہوگا، اس کے حق میں بھی فائدہ یقینی نہیں ہے، اللہ تعالیٰ کی مشیت پر موقوف ہے'' ورجل حضرها بانصات جو شخص بغیر تخطی رقاب اور بغیر کسی کو ایذاء پہنچائے خاموشی کے ساتھ بیٹھ کر بغور خطبہ سنے گا، جمعہ اس کے حق میں باعثِ اجر و ثواب ہوگا، اور اس کے حق میں دس دن تک کفارۂ سیئات کا سبب ہوگا۔

حدیث نمبر ۱۳۱۵ ﴿دوران خطبہ امر خیر کا تکلم بھی ممنوع ہے﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۳۹۷

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ تَكَلَّمَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَالْاِمَامُ يَخْطُبُ فَهُوَ كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا وَالَّذِيْ يَقُوْلُ لَهٗ اَنْصِتْ لَيْسَ لَهٗ جُمُعَةٌ رَوَاهُ اَحْمَدُ.

حوالہ: مسند احمد، ص نمبر ۲۳۰ ج ۱۔

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص امام کے خطبہ دینے کے درمیان بات کرے وہ اس گدھے کے مثل ہے، جس پر کتابیں لادی ہوئی ہوں، اور جو شخص اس بات کرنے والے سے کہے کہ "چپ رہو" اس کے لئے جمعہ کا ثواب نہیں ہے۔ (احمد)

خلاصۂ حدیث خطبہ کے وقت بات کرنے کی سخت ممانعت ہے، اس بات کو جاننے کے باوجود بات کرنے والا اس گدھے کے مانند ہے، جس پر کتابوں کا بوجھ لدا ہوا ہو، یعنی جس طرح گدھا علم پر عمل کر کے فائدہ اٹھانے سے لاچار ہے، جبکہ علم اس کی پیٹھ پر کتابوں کی شکل میں لدا ہوا ہے، اسی طرح وہ شخص بھی ہے جو علم پر عمل نہ کرتا ہو، اور جو شخص بات کرنے والے کو بات کرنے سے روکے وہ بھی جمعہ کے کامل ثواب سے محروم ہے، اس لیے کہ خطبہ کے دوران ہر طرح کی بات کرنے کی ممانعت ہے خواہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے ہی قبیل سے کیوں نہ ہو۔

کلمات حدیث کی تشریح والذی یقول له انصت لیس له جمعة جمعہ کے دن دورانِ خطبہ بات کرنے والے کو تکلم کے ذریعے سے روکنا بھی ممنوع ہے، اور یہ بھی لغو حرکت ہے، حدیث گزر چکی ہے "اذا قلت لصاحبك یوم الجمعة انصت والامام یخطب فقد لغوت. (بخاری ومسلم) جمعہ کے دن دورانِ خطبہ اگر تم اپنے بات کرنے والے ساتھی سے یہ کہو کہ تم چپ رہو تو تم نے لغو کام کیا، اور لغو کام کرنے والا جمعہ کی کامل فضیلت سے محروم ہوتا ہے۔

سوال: دورانِ خطبہ تکلم کی ممانعت ہے، جب کہ آپ ﷺ نے تکلم کیا ہے، جیسا کہ حدیث کے تحت گزر چکا ہے، تو آپ ﷺ نے ممانعت کے باوجود خود کلام کیوں کیا؟

جواب: آپ ﷺ کا تکلم فرمانا ممانعت سے قبل تھا، یا پھر آپ ﷺ کے خصائص میں سے ہے۔

حدیث نمبر ۱۳۱۶ ﴿جمعہ کے دن زینت اختیار کرنیکا حکم﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۳۹۸۔۱۳۹۹

وَعَنْ عُبَيْدِ بْنِ السَّبَّاقِ مُرْسَلًا قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فِيْ جُمُعَةٍ مِّنَ الْجُمَعِ يَامَعْشَرَ الْمُسْلِمِيْنَ اِنَّ هٰذَايَوْمٌ جَعَلَهُ اللّٰهُ عِيْدًا فَاغْتَسِلُوْا وَمَنْ كَانَ عِنْدَهٗ طِيْبٌ فَلَا يَضُرُّهٗ اَنْ يَّمَسَّ مِنْهُ وَعَلَيْكُمْ بِالسِّوَاكِ رَوَاهُ مَالِكٌ وَرَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ عَنْهُ وَهُوَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ مُتَّصِلًا.

حوالہ: مؤطا امام مالك، ص نمبر ۲۳ باب ماجاء فی السواك، کتاب الطهارة، حدیث نمبر ۱۱۳، ابن ماجه. ص نمبر ۷۷ باب ماجاء فی الزینة یوم الجمعة، کتاب اقامة الصلاة، حدیث نمبر ۱۰۹۸.

ترجمہ: حضرت عبید بن سباق سے بطریقِ ارسال روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جمعوں میں سے ایک جمعہ میں فرمایا کہ اے مسلمانوں کی جماعت! بے شک یہ وہ دن ہے جس کو اللہ نے عید قرار دیا ہے، لہٰذا تم لوگ اس دن غسل کرو، اور جس کے پاس خوشبو ہو تو اس کو لگانے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، اور مسواک کا استعمال کرنا تم پر لازم ہے (امام مالک) ابن ماجہ نے اس روایت کو بطریق اتصال ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے۔

خلاصۂ حدیث جمعہ کا دن اللہ تعالیٰ کی طرف سے مسلمانوں کے لئے انعام وعطیہ ہے، اس دن اللہ تبارک وتعالیٰ کی رحمت کی بارش ہوتی ہے، اس لیے اس دن میں جو لوگ زیب وزینت سے دور رہتے ہیں وہ بھی اچھا لباس زیب تن کریں، خوب اچھی طرح سے نہا دھو کر خوشبو کا استعمال کر کے مسجد آکر نماز ادا کریں، عام طور پر بھی مسواک کا استعمال کرنا چاہئے، لیکن اس دن میں خصوصی طور پر مسواک کا استعمال کرنا چاہئے۔

کلمات حدیث کی تشریح ومن کان عنده طیب فلا یضره جمعہ کے دن خوشبو کا استعمال مسنون ہے، لیکن ایسی خوشبو استعمال کی جائے، جس میں رنگ نہ ہو حافظ ابن حجرؒ کہتے ہیں کہ زیادہ بہتر یہ ہے کہ عرق گلاب ملا ہوا مشک بطور خوشبو کے استعمال کیا جائے، آپ ﷺ عام طور پر یہی خوشبو استعمال کرتے تھے اور یہی آپ ﷺ کو پسند تھی۔

اشکال: حدیث باب میں ہے کہ خوشبو کے استعمال میں کوئی حرج نہیں ہے، یہ تو ان جگہوں پر کہا جاتا ہے جہاں گناہ کا امکان ہو، خوشبو لگانا وہ بھی جمعہ کے دن یہ تو سنت ہے، پھر اس کے بارے میں یہ کہنا کہ گناہ نہیں ہے، سمجھ سے بالاتر ہے۔

جواب: بعض لوگوں کا خیال تھا کہ خوشبو لگانا عورتوں کے حق میں جائز اور مردوں کے حق میں ممنوع ہے، ان کے خیال کی تردید کے لئے آپ ﷺ نے فرمایا کہ خوشبو کے استعمال میں کوئی حرج نہیں ہے، جیسا کہ صفا مروہ کے درمیان سعی احناف کے نزدیک واجب ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''فلاجناح علیه ان یطوف بهما'' یہاں بھی گناہ کی نفی اسی وجہ سے ہے کہ بعض لوگ سعی بین الصفا والمروہ درست نہیں سمجھتے تھے، ان کے خیال میں یہ گناہ کا کام تھا، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے یہ اسلوب اختیار کیا۔

حدیث نمبر ۱۳۱۷ ﴿جمعہ کے دن غسل کی اہمیت﴾ عالمی حدیث نمبر ۱٤۰۰

وَعَنِ الْبَرَآءِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ حَقًّا عَلَى الْمُسْلِمِيْنَ اَنْ يَّغْتَسِلُوْا يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَلْيَمَسَّ اَحَدُهُمْ مِّنْ طِيْبِ اَهْلِهٖ فَاِنْ لَّمْ يَجِدْ فَالْمَآءُ لَهٗ طِيْبٌ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ.

حواله: مسند احمد، ص نمبر ۲۸۲ ج ٤. ترمذی، ص نمبر ۱۱۸ ج ۱، باب ماجاء فی السواك والطیب، کتاب الجمعة، حدیث نمبر ۵۲۸.

ترجمہ: حضرت براء سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مسلمانوں پر جمعہ کے دن نہانا واجب ہے، نیز مسلمانوں کو چاہئے کہ ان میں سے ہر ایک اپنے گھر کی خوشبو استعمال کرے، اور اگر کسی کو خوشبو میسر نہ ہو تو اس کے لئے پانی ہی خوشبو ہے۔ (احمد، ترمذی)

خلاصۂ حدیث کسی بھی بڑے مجمع میں جانے سے پہلے نہا دھو لینا چاہئے، اور خوشبو کا استعمال کرنا چاہئے، جمعہ کے دن بھی بڑا مجمع ہوتا ہے، اس لیے یہ امور جمعہ کے دن بھی مستحب ہیں۔

کلماتِ حدیث کی تشریح حقا علی المسلمین ان یغتسلوا مسلمانوں پر لازم ہے کہ جمعہ کے دن غسل کریں، جمعہ کے دن غسل کے اہتمام پر تاکید کے لئے یہ اسلوب اختیار کیا۔

سوال: غسل جمعہ کے دن کے لیے ہے یا جمعہ کی نماز کے لئے ہے؟

جواب: اس میں اختلاف ہے، اور یہ اختلاف روایت کی بنا پر ہے، بعض روایات سے جمعہ کی نماز کے لئے غسل معلوم ہوتا ہے، جبکہ بعض روایات سے جمعہ کے دن کے لیے غسل معلوم ہوتا ہے، اس کے علاوہ بعض روایات میں نہ تو جمعہ کی نماز کی قید ہے، نہ جمعہ کے دن کی قید ہے، بلکہ سات دن میں ایک مرتبہ غسل کی تاکید ہے چنانچہ حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت میں ہے ''**حق الله علی کل مسلم ان یغتسل فی کل سبعة ایام**'' (بخاری) روایات میں تطبیق کے لئے یہ بات کہی گئی ہے کہ اصلاً تین غسل ہیں، (۱) ہفتہ میں ایک بار غسل یہ نظافت کے قبیل سے ہے، یہ ہر مسلمان کے حق میں ہے مرد ہو یا عورت ہو، جمعہ کی نماز اس پر واجب ہو یا نہ ہو، (۲) جمعہ کے دن غسل، اس کا تعلق جمعہ کے دن سے ہے نماز جمعہ سے پہلے ہو یا بعد میں اس سلسلہ میں ابو قتادہ کی روایت ہے ''**من اغتسل یوم الجمعة کان فی طهارة إلی الجمعة الاخری**'' (صحیح ابن خزیمہ) جمعہ کی دن کی فضیلت کا تقاضہ بھی یہ ہے کہ اس کے لئے مستقل غسل ہو (۳) جمعہ کی نماز کا غسل، اس کا تعلق صرف اس شخص سے ہے جو جمعہ کی نماز کے لئے حاضر ہو، لیکن اگر کوئی شخص جمعہ کی نماز سے پہلے غسل کر کے

جمعہ میں آتا ہے تو یہ ایک غسل تینوں کے لیے کافی ہوگا۔ (تفصیل کے لیے اوجز المسالک دیکھیے)

سوال: غسل جمعہ واجب ہے یا مسنون؟

جواب: جمہور کے نزدیک جمعہ کا غسل مسنون ہے اور ان کی دلیل حضرت سمرہ بن جندبؓ کی حدیث ہے "**من تو ضأ یوم الجمعة فبھا ونعمت ومن اغتسل فالغسل افضل**" (ترمذی) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جمعہ کے دن غسل کرنا افضل ہے، اور ترکِ غسل جائز ہے، اہل ظواہر غسلِ جمعہ کو واجب قرار دیتے ہیں، اور ان کا استدلال حدیث باب سے ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا "حقا علی المسلمین الخ" وہ روایات جن سے وجوب سمجھ میں آتا ہے ان کا جواب یہ ہے کہ آپ ﷺ نے جن روایات میں غسل کا حکم دیا ہے وہ حکم وجوب کے لیے نہیں ہے بلکہ استحباب کو مؤکد انداز میں بیان کرنے کے لیے ہے یا پھر ابتدائے اسلام میں غسل واجب تھا، جو کہ اب منسوخ ہوگیا ہے، یا اس کا حکم اس وقت تک کے لئے اٹھ گیا ہے جب تک کہ ابتدائے اسلام جیسے حالات نہ ہوں، ابتدائے اسلام میں لوگ سخت محنت ومشقت کے کام کرتے تھے، ان کے لباس پسینہ سے تر ہو جایا کرتے تھے، لباس بھی موٹا ہوتا تھا، کئی کئی دن ایک ہی لباس پہنے رہا کرتے تھے، اسی طور پر وہ جمعہ میں مسجد آتے تو لوگوں کو سخت ایذاء ہوتی تھی، اس لیے غسلِ جمعہ واجب تھا، اب وہ کیفیت نہیں رہی، اس لیے وجوب کا حکم بھی باقی نہیں ہے۔

باب الخطبة و الصلاة

﴿خطبہ اور نماز کا بیان﴾

خطبہ کے معنی ہیں وعظ وتقریر، اس باب کے تحت مصنف نے ۱۹ حدیثیں نقل کی ہیں، ان احادیث میں نماز جمعہ کا وقت خطبہ دینے سے پہلے امام کا منبر پر بیٹھنا، خطبہ کا مختصر ہونا، آپ ﷺ کا خطبہ دینے کا انداز، خطبہ میں قرآنِ مجید کی آیت پڑھنا، دورانِ خطبہ کسی سے بات نہ کرنا اور دو خطبوں کے درمیان کچھ وقفہ کے لیے بیٹھنا، خطبہ کھڑے ہو کر دینا، بیٹھ کر خطبہ دینے کی مذمت، خطبہ دیتے وقت بہت زیادہ ہاتھوں کو حرکت دینے کی ممانعت، مذکور ہے، اور اس قسم کے چند دیگر اہم امور سے متعلق احادیث ہیں۔

نماز جمعہ سے پہلے خطبہ کی حکمت

نماز جمعہ سے پہلے خطبہ واجب ہے، خطبہ اس لیے رکھا گیا، تاکہ ناخواندہ لوگ مسائل سے واقف ہوں اور خواندہ لوگ یاد تازہ کریں، جمعہ میں لوگوں کا بڑا اجتماع ہوتا ہے، اس موقع پر تقریر سے لوگوں کو بڑا نفع پہنچتا ہے۔

دو خطبوں کی حکمت

دو خطبوں میں دو حکمتیں ہیں (۱) مسلسل بات کرنے میں کچھ باتیں رہ جاتی ہیں، جب مقرر وقفہ کریگا تو اس وقفہ میں ضروری باتیں یاد آجائیں گی، جنکو وہ دوسرے خطبہ میں بیان کردیگا، (۲) مسلسل بولنے سے بولنے والا بھی تھک جاتا ہے اور سننے والے بھی اکتا جاتے ہیں، اسلئے وقفہ سے خطیب کی تھکاوٹ بھی دور ہوگی، اور سننے والوں میں نشاط بھی رہیگا۔

خطبہ عربی زبان میں دینا ضروری ہے

جمعہ کا خطبہ صرف تقریر نہیں ہے، بلکہ وہ ایک شعار بھی ہے، اور شعار میں تبدیلی ممکن نہیں، ورنہ شعار باقی نہیں رہے گا، جیسے قرآن واذان، جہاں ہدایت کی کتاب اور نماز کی دعوت ہیں، وہیں اسلام کے شعائر بھی ہیں، لہٰذا جس طرح ان کی زبان نہیں بدلی جاسکتی، اسی طرح خطبہ بھی غیر عربی میں دینا درست نہیں ہے، یہ بات تعامل امت کے خلاف ہے، صحابہ کرام نے جو پڑوسی ممالک فتح کیے تھے وہاں عربی نہیں بولی جاتی تھی اس کے باوجود انہوں نے خطبہ وہاں عربی ہی زبان میں دیا، عربی کے علاوہ کسی زبان میں خطبہ دینا مکروہ تحریمی ہے، خطبہ سے متعلق دیگر اہم مباحث احادیث کے ذیل میں دیکھیں۔

نماز جمعہ کے دوگانہ ہونے کی حکمت جس نماز میں قریب وبعید کے لوگ شریک ہوں وہ نماز دو ہی رکعت ہے اسکی دو مصلحتیں ہیں، (۱) نماز لوگوں پر بھاری نہ ہو، (۲) جمعہ میں ہر طرح کے لوگ ہوتے ہیں، کمزور، بیمار، حاجت مند، لہٰذا ان سب کی رعایت کی بنا پر نماز دو رکعت ہی ہے، نماز جمعہ سے متعلق دیگر اہم مباحث احادیث کے ذیل میں دیکھیں۔

الفصل الاول

حدیث نمبر ۱۳۱۸ ﴿نماز جمعہ کا وقت﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۴۰۱

عَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يُصَلِّي الْجُمُعَةَ حِيْنَ تَمِيْلُ الشَّمْسُ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ.

حوالہ: بخاری، ص نمبر ۱۲۳ ج ۱، باب وقت الجمعة اذازالت الشمس، کتاب الجمعة، حدیث نمبر ۹۰۴

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جمعہ کی نماز اس وقت پڑھتے تھے، جب کہ آفتاب ڈھل جاتا تھا۔ (بخاری)

خلاصۂ حدیث جمعہ کی نماز کا وقت وہی ہے جو ظہر کا وقت ہے، یعنی زوال کے بعد شروع ہوتا ہے، آپ ﷺ سردی کے موسم میں زوال کے فوراً بعد جمعہ کی نماز ادا کرتے تھے، اور گرمی کے موسم میں کبھی کبھی ظہر کیطرح جمعہ بھی مؤخر کر کے پڑھتے تھے، جیسا کہ حضرت انسؓ کی آگے روایت آرہی ہیکہ "کان النبی ﷺ اذااشتد البرد بکر بالصلاة واذااشتدالحرا بردبالصلاة یعنی الجمعة" (نبی کریم ﷺ جب سردی شدید ہوتی تو جلدی نماز پڑھ لیتے اور جب گرمی شدید ہوتی تو نماز دیر سے پڑھتے تھے۔ یعنی جمعہ کی نماز۔

کلمات حدیث کی تشریح یصلی الجمعة حین تمیل الشمس آپ ﷺ جمعہ کی نماز زوال کے بعد پڑھتے تھے، یہی عند الجمہور جمعہ کا اول وقت ہے۔

زوال سے پہلے جمعہ پڑھنا **اختلاف ائمہ:** قبل الزوال جمعہ پڑھنے کے سلسلہ میں ائمہ کے درمیان اختلاف ہے۔

جمہور کا مذہب: جمہور کے نزدیک قبل الزوال جمعہ پڑھنا درست نہیں ہے، آپ ﷺ نے ہمیشہ زوال کے بعد ہی نمازِ جمعہ ادا کی ہے۔

دلیل: (۱) حدیث باب ہے جس میں صاف صراحت ہے کہ آپ ﷺ کا معمول یہ تھا کہ آپ ﷺ زوالِ شمس کے وقت یعنی سورج ڈھل جاتا تب نماز پڑھتے تھے، (۲) حضرت سلمہ بن الاکوع کی روایت ہے "کنا نجمع مع رسول اللہ ﷺ اذازالت الشمس" امت کا یہی تعامل رہا ہے کہ زوال شمس کے بعد ہی جمعہ کی نماز ادا کی جائے۔

امام احمدؒ کا مذہب: امام احمدؒ اور بعض اصحابِ ظاہریہ کہ نزدیک قبل الزوال جمعہ کی نماز پڑھنا جائز ہے، اور نماز کی ادائیگی ہوجاتی ہے۔

دلیل: ان حضرات کی ایک دلیل تو اگلی حدیث ہے، جسکا جواب اسی حدیث کے تحت دیا جائیگا، دوسرا استدلال دارقطنی میں عبداللہ بن سیدان کی روایت ہے جسمیں انہوں نے خلفائے ثلاثہ کا عمل نقل کیا ہے کہ وہ حضرات جمعہ زوال سے پہلے یا زوال کیوقت ادا کرتے تھے۔

جواب: پہلی دلیل کا جواب اگلی حدیث کے تحت نقل ہوگا اور دوسری دلیل کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے "عبداللہ بن سیدان بالاتفاق ضعیف راوی ہیں، لہٰذا ان کی روایت سے استدلال درست نہیں ہے۔

حدیث نمبر ۱۳۱۹ ﴿دن کے کھانے سے پہلے جمعہ ادا کرنا﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۴۰۲

وَعَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ مَاكُنَّا نَقِيْلُ وَلَا نَتَغَدّٰى اِلَّا بَعْدَ الْجُمُعَةِ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حوالہ: بخاری، ص نمبر ۱۲۷ ج ۱، قول اللہ تعالیٰ فاذا قضیت الصلاة الخ، کتاب الجمعة، حدیث نمبر ۹۳۹، مسلم، ص نمبر ۲۸۳ ج ۱ باب صلاة الجمعة حین تزول الشمس، کتاب الجمعة حدیث نمبر ۸۵۹

ترجمہ: حضرت سہل بن سعد سے روایت ہے کہ ہم لوگ جمعہ کی نماز کے بعد قیلولہ کرتے تھے اور دن کا کھانا کھاتے تھے۔ (بخاری ومسلم)

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ صحابہ کرام جمعہ کی نماز کے لئے بہت جلد چلے جایا کرتے تھے، اور جمعہ کی نماز پڑھنے کے بعد کھانا کھاتے تھے اور قیلولہ کرتے تھے۔

کلمات حدیث کی تشریح ما كنا نقيل و لا نتغدى. ولوگ قبل الزوال جمعہ کی نماز درست ہونے کے قائل ہیں، وہ اس حدیث سے بھی استدلال کرتے ہیں، اور ان کا کہنا ہے کہ "قیلولہ" نام ہے نصف النہار کے وقت آرام کرنے کا، اور "غدا" دوپہر کے کھانے کو کہتے ہیں جو زوال سے پہلے کھایا جاتا ہے، اور حدیث باب میں ان دونوں امور کے بارے میں ہے کہ یہ جمعہ کے بعد ہوتے تھے اور جمعہ ان سے پہلے ادا ہوتا تھا تو اس کا لازمی نتیجہ نکلا کہ جمعہ قبل الزوال ہوتا تھا۔

جواب: حدیث باب کا مقصد یہ ہے کہ صحابہ کرام جمعہ کی نماز کیلئے بہت جلد چلے جایا کرتے تھے، دوپہر کے کھانے اور آرام میں اس لیے مشغول نہ ہوتے کہ جمعہ فوت نہ ہوجائے جمعہ کا کامل ثواب نہ فوت ہوجائے، اور حدیث باب میں قیلولہ اور غدا کا استعمال مابعد الزوال پر توسعاً کیا گیا ہے، جیسے کہ سحری کو بھی آپ ﷺ نے "غدا" توسعاً کہا ہے، آپ ﷺ نے ایک موقع پر فرمایا کہ "هلموا الى الغداء المبارك اب اگر کوئی یہ کہنے لگے کہ "غدا" اس کھانے کو کہتے ہیں، جو فجر بعد سے لیکر زوال سے پہلے تک کھایا جائے، لہٰذا فجر بعد سحری کھانا درست ہے، تو اسکے استدلال کو غلط کہا جائے گا، ایسا ہی لفظ "غدا" سے صلاة الجمعه قبل الزوال پر استدلال بھی درست نہیں ہے۔

حدیث نمبر ۱۳۲۰ ﴿گرمی میں جمعہ تاخیر فرمانا﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۴۰۳

وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ اِذَا اشْتَدَّ الْبَرْدُ بَكَّرَ بِالصَّلٰوةِ وَاِذَا اشْتَدَّ الْحَرُّ اَبْرَدَ بِالصَّلٰوةِ يَعْنِي الْجُمُعَةَ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ.

حواله: بخارى ص نمبر ١٢٤ ج ١، باب اذااشتد الحر يوم الجمعة، كتاب الجمعة، حديث نمبر ٩٠٦.

ترجمه: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ جب سردی سخت ہوتی تو حضرت نبی کریم ﷺ نماز جلدی پڑھ لیا کرتے تھے، اور جب گرمی سخت ہوتی تھی تو آپ ﷺ دیر میں نماز پڑھتے تھے، یعنی جمعہ کی نماز۔ (بخاری)

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ آپ ﷺ نے ظہر کی طرح جمعہ بھی گرمی و سردی میں الگ الگ وقتوں میں پڑھا ہے گرمی میں دیر کر کے پڑھا ہے، تاکہ سورج کی تمازت میں قدرے کمی آجائے اور جاڑے میں اول وقت میں پڑھ لیا کرتے تھے۔

کلمات حدیث کی تشریح اذا اشتد البرد بكر بالصلاة مطلب یہ ہے کہ جاڑے میں جمعہ اول وقت میں پڑھتے تھے۔ و اذا اشتد الحر ابرد بالصلاة حدیث کے ظاہر سے معلوم ہوتا کہ آپ ﷺ گرمی میں جمعہ تاخیر سے پڑھتے تھے، امام شافعیؒ اس کے خلاف ہیں، وہ کہتے ہیں کہ گرمی میں بھی آپ ﷺ جمعہ اول وقت میں پڑھتے تھے، اور حدیث باب کو وہ بیانِ جواز پر محمول کرتے ہیں، اور اس کو اس شخص کے حق میں مانتے ہیں جس کا گھر مسجد سے دور ہو، حقیقت یہی ہے کہ آپ ﷺ عام طور پر گرمی و جاڑے ہر موسم میں جمعہ زوال کے فوراً بعد پڑھا کرتے تھے، کبھی کبھی آپ ﷺ کا وہ عمل رہا ہے جو حدیث باب میں نقل ہوا ہے۔

حدیث نمبر ۱۳۲۱ ﴿اذان جمعہ کا اضافہ﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۴۰۴

وَعَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيْدَ قَالَ كَانَ النِّدَآءُ يَوْمَ الجمعة اوله اذا جلس الإمام على المنبر على عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَاَبِيْ بَكْرٍ وَّ عُمَرَ فَلَمَّا كَانَ عُثْمَانُ وَكَثُرَ النَّاسُ زَادَ النِّدَآءَ الثَّالِثَ عَلَى الزَّوْرَآءِ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ.

حواله: بخارى، ص نمبر ١٢٤ ج ١، باب الاذان يوم الجمعة، كتاب الجمعة، حديث نمبر ٩١٢.

ترجمه: حضرت سائب بن یزیدؓ سے روایت ہے کہ عہد رسالت اور حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمرؓ کی خلافت کے زمانے میں جمعہ کے دن

پہلی اذان اس وقت ہوا کرتی تھی، جب امام منبر پر بیٹھ جاتا جب حضرت عثمانؓ خلیفہ ہوئے اور لوگ زیادہ ہو گئے تو انہوں نے تیسری اذان ''زوراء'' پر بڑھادی۔ (بخاری)

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ حضور ﷺ اور حضراتِ شیخین کے دور میں جمعہ میں نماز کے لیے صرف ایک اذان اور اقامت تھی، ان ہی دونوں کو ملا کر دو اذانیں کہا جاتا ہے، اذان امام کے خطبہ دینے سے پہلے ہوتی تھی، اور اقامت تکبیر تحریمہ سے پہلے، حضرت عثمانؓ کے دور میں جب آبادی بڑھی اور اطراف سے لوگ جمعہ میں شرکت کے لیے کثرت سے آنے لگے، تو حضرت عثمانؓ نے مناسب جانا کہ جمعہ کا وقت ہونے پر ایک اذان ہو جائے، تا کہ جو لوگ کاروبار وغیرہ میں مشغول ہوں یا جو دور رہتے ہوں جان جائیں کہ نماز کا وقت ہو گیا ہے اور خطبہ شروع ہونے سے پہلے مسجد میں حاضر ہو جائیں، اور دوسری اذان حسب سابق باقی رکھی، چوں کہ یہ خلیفہ راشد کا اجتہادی حکم ہے، اور اس پر صحابہ کرام کا اجماع رہا، لہٰذا یہ بھی سنت کی طرح واجب الاتباع ہے، اور اسی وجہ سے اس کو تلقی بالقبول حاصل بھی ہوا۔

کلمات حدیث کی تشریح زاد النداء الثالث تیسری اذان اقامت کو ملا کر ہے، حضرت نبی کریم ﷺ اور شیخین کے زمانہ میں صرف ایک اذان ہوتی تھی، اور اس اذان کے دو مقصد تھے، (۱) غائبین کو نماز کی اطلاع دینا۔ (۲) حاضرین کو خطیب کی آمد کی اطلاع دینا، یہ اذان حضور اکرم ﷺ کے سامنے مسجد کے دروازہ پر (چھت پر) دی جاتی تھی، (ابوداؤد) پھر جب حضرت عثمانؓ کا زمانہ آیا اور مدینہ طیبہ کی آبادی پھیل گئی، اور یہ اذان اطلاع عام کیلئے ناکافی ہوگئی تو حضرتِ عثمانؓ نے خطبہ سے پہلے ایک اور اذان کا اضافہ کیا اور وہ اذان ''زوراء'' مقام پر دی جانے لگی، یہ مسجد نبوی سے متصل بازار میں کوئی بلند جگہ تھی، اسکا مقصد یہ تھا کہ اذان سنکر دور دراز کے لوگ بھی آجائیں، پھر کچھ وقفہ کے بعد حضرت عثمانؓ تشریف لاتے، تو دوسری اذان مسجد میں منبر کیسامنے دی جاتی تھی، کیونکہ اب اس اذان کا مقصد صرف حاضرین کو آگاہ کرنا تھا، لہٰذا مسجد کی چھت سے اذان دینے کی ضرورت نہیں تھی، اس وقت سے آج تک اسی پر تعامل چلا آرہا ہے، صرف وہ لوگ جو اجماعِ امت کی حجیت تسلیم نہیں کرتے اس اذان کا انکار کرتے ہیں۔ (تحفۃ الالمعی)

سوال: اذا نودی للصلاۃ من یوم الجمعۃ الخ کا مصداق کون سی اذان ہے یعنی سعی الی الجمعۃ اذان اول پر واجب ہے یا اذان ثانی پر اور خرید و فروخت کی حرمت کب سے ہے۔

جواب: اذان اول پر سعی الی الجمعۃ واجب ہو جاتی ہے، اور خرید و فروخت اسی وقت سے حرام ہے، اور آیت کا مصداق اذانِ اول ہی ہے۔

اشکال: آیت کے نزول کے وقت اذان اول کا وجود بھی نہیں تھا، پھر یہ کیسے آیت کا مصداق ہوگئی؟

جواب: اصول تفسیر کا قاعدہ ''العبرۃ لعموم اللفظ لا لخصوص المورد'' نص کے الفاظ اگر عام ہوں تو حکم عام ہوتا ہے، شانِ نزول کے ساتھ خاص نہیں ہوتا ہے، یہاں بھی، اذا نودی للصلاۃ'' عام ہے، اذانِ اول یا اذان ثانی کی قید نہیں ہے، لہٰذا حکم بھی عام ہوگا، لہٰذا اس آیت کا مصداق وہ اذان ہوگی جو غائبین کو بلانے کے لئے دی جاتی ہو، اور وہ پہلی اذان ہی ہے، دوسری اذان تو حاضرین کو متوجہ کرنے کیلئے ہے۔ (حوالہ بالا)

«اذانِ ثانی کو بدعتِ عثمانی کہنا»

غیر مقلدین حضرات حضرت عثمان کی جانب سے اضافہ کردہ اذان کو بدعت عثمانی کہہ کر اس سے گریز کرتے ہیں، یہ درحقیقت غیر مقلدین کی گمراہی اور شیعوں کی اتباع اور ان کی خوشنودی حاصل کرنے کی کوشش ہے، جب کہ نبی کریم ﷺ نے خلفائے راشدین کی سنت کو واجب الاتباع قرار دیدیا تو اب اس کو بدعت کہنا اور اس سے گریز کرنا جہالت و گمراہی نہیں تو کیا ہے، اور سنت کے نام پر در

حقیقت نبی کے فرمان سے انکار ہے، تمام محدثین فقہاء، اور ائمہ اس اذان کے قائل ہیں اور عرب وعجم میں اس پر توارث رہا ہے، اگر کسی نے اس کو بدعت کہا ہے تو اس سے بدعتِ لغوی مراد ہے، جیسا کہ حضرت عمرؓ کی جانب سے جماعتِ تراویح کی نظام کو بدعت کہا گیا ہے، لیکن وہاں بھی لغوی بدعت مراد ہے، غیر مقلدین تراویح تو جماعت سے پڑھتے ہیں، لیکن اذان ثانی سے گریز کرتے ہیں غیر مقلدین کے لیے علامہ ابن تیمیہؒ کا یہ قول نقل کردینا کافی ہوگا "و کلهم متفقون علی اتباع عمر و عثمان فیما سناهٗ" ساری امت حضرت عمرؓ اور حضرت عثمان کے مسنون جاری کردہ عمل کو بالاتفاق قابل اتباع سمجھتی ہے۔ (منہاج السنۃ)

حدیث نمبر ۱۳۲۲ ﴿جمعہ کے خطبوں کے درمیان بیٹھنے کا تذکرہ﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۴۰۵

وَعَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ كَانَتْ لِلنَّبِيِّ ﷺ خُطْبَتَانِ يَجْلِسُ بَيْنَهُمَا يَقْرَءُ الْقُرْاٰنَ وَيُذَكِّرُ النَّاسَ فَكَانَتْ صَلٰوتُهٗ قَصْدًا وَخُطْبَتُهٗ قَصْدًا رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

حواله: مسلم، ص نمبر ۲۸۴ ج ۱، باب ذکر الخطبتین، کتاب الجمعة، حدیث نمبر ۸۶۲.

ترجمه: حضرت جابرؓ بن سمرہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ دو خطبہ ارشاد فرماتے تھے، ان دونوں کے درمیان آپ ﷺ بیٹھتے تھے، آپ ﷺ خطبوں میں قرآن کریم کی تلاوت فرماتے، اور لوگوں کو نصیحت کرتے، آپ ﷺ کی نماز بھی اوسط درجہ کی ہوتی، اور خطبہ اوسط درجہ کا ہوتا۔

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ آپ ﷺ کا معمول تھا کہ نماز جمعہ سے قبل دو خطبے ارشاد فرماتے تھے، درمیان میں مختصر وقت کے لیے بیٹھتے تھے، خطبہ اور نماز میں توازن رکھتے تھے، اختصار اور طوالت سے گریز فرماتے تھے۔

کلمات حدیث کی تشریح کانت للنبی ﷺ خطبتان نبی کریم ﷺ کا معمول تھا کہ آپ ﷺ دو خطبے دیتے تھے۔

سوال: خطبہ کا کیا حکم ہے۔

جواب: جمہور علماء وائمہ کے نزدیک خطبۂ جمعہ واجب ہے، اور یہ نماز جمعہ کے لئے شرط ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "فاسعوا الی ذکر اللّٰہ" اس آیت میں "ذکر" خطبہ کو بھی شامل ہے، لہٰذا خطبہ واجب ہے۔

سوال: دونوں خطبے واجب ہیں یا ایک خطبہ واجب ہے۔

جواب: امام صاحب کے نزدیک ایک خطبہ واجب اور دوسرا مسنون ہے، اس لیے کہ خطبوں کا مقصد تذکیر ہے، اور وہ ایک خطبہ سے حاصل ہوجاتا ہے، اور چوں کہ آپ ﷺ نے دوسرا خطبہ بھی دیا ہے، اس لیے دوسرا سنت ہے، امام شافعیؒ کے نزدیک دونوں خطبے واجب ہیں، اس لیے کہ آپ ﷺ نے ہمیشہ دونوں خطبے دیے اور آپ ﷺ کا ارشاد ہے "صلوا کما رأیتمونی اصلی" اس طرح نماز پڑھو جیسے مجھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھو، حنفیہ کہتے ہیں کہ محض آپ ﷺ کے عمل سے وجوب ثابت نہیں ہوتا یجلس بینهما آپ ﷺ دونوں خطبوں کے درمیان بیٹھتے تھے، اس سے معلوم ہوا کہ خطبے آپ ﷺ کھڑے ہوکر ارشاد فرماتے تھے۔

سوال: کھڑے ہوکر خطبہ پڑھنا واجب ہے یا سنت؟

جواب: جمہور کے نزدیک کھڑے ہوکر خطبہ دینا واجب ہے، امام صاحبؒ کے نزدیک مسنون ہے، کیوں کہ نص میں عموم ہے، حضرت عثمانؓ بڑھاپے میں بیٹھ کر خطبہ دیتے تھے اور کسی صحابی سے انکار ثابت نہیں ہے، اس لیے کھڑے ہوکر خطبہ دینا واجب تو نہیں ہے، لیکن مسنون ضرور ہے کیوں کہ آپ ﷺ سے ایسے ہی ثابت ہے، بلا عذر بیٹھ کر خطبہ دینا مکروہ ہے۔

سوال: دونوں خطبوں کے درمیان بیٹھنا واجب ہے یا سنت؟

جواب: امام صاحب کے نزدیک دونوں خطبوں کے درمیان بیٹھنا سنت ہے، چونکہ امام صاحب کے نزدیک صرف ایک خطبہ واجب ہے، دوسرا مسنون ہے، لہٰذا دونوں خطبوں کے درمیان بیٹھنا بھی آپ کے نزدیک مسنون ہے، اصل بات یہ ہے کہ خطبے کا وجوب اللہ تعالیٰ کا ارشاد "فاسعوا اِلٰی ذِکْرِ اللّٰهِ" سے ہے اس آیت میں دو خطبوں کا ذکر نہیں ہے، لہٰذا نفس خطبہ یعنی ایک واجب ہوگا، خبر آحاد سے قرآن مجید پر زیادتی درست نہ ہوگی، لہٰذا وہ احادیث جن میں دو خطبوں کے درمیان بیٹھنے کا ذکر ہے ان سے وجوب تو ثابت نہ ہوگا، البتہ خبر واحد پر فی نفسہ عمل ضروری ہے، لہٰذا دونوں خطبے اور ان کے درمیان بیٹھنا مسنون ہے، امام شافعیؒ کے نزدیک چونکہ اعلیٰ درجہ کی خبر واحد سے قرآن پر زیادتی درست ہے، اس لئے ان کے نزدیک خبر واحد سے دوسرے خطبے کا وجوب بھی ثابت ہے اور ان کے درمیان بیٹھنا بھی واجب ہے **یقرأ القرآن** آپ ﷺ خطبے میں قرآن مجید کی چند آیات تلاوت فرماتے تھے۔

سوال: کیا خطبے میں قرآن مجید کی تلاوت شرائط خطبہ میں سے ہے؟

جواب: امام شافعیؒ کے نزدیک خطبہ میں کم از کم ایک آیت پڑھنا ضروری ہے، اگر ایک آیت بھی نہ پڑھی گئی، تو خطبہ صحیح نہ ہوگا، بقیہ ائمہ کے نزدیک کم از کم ایک آیت تلاوت کرنا سنت ہے، خطبہ اس کے بغیر بھی صحیح ہوجاتا ہے۔

سوال: خطبہ میں کتنی چیزیں ضروری ہیں، یعنی خطبہ کے ارکان کتنے ہیں؟

جواب: امام شافعیؒ کے نزدیک خطبہ کے پانچ ارکان ہیں، (۱) اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء (۲) رسول اللہ ﷺ پر درود بھیجنا، (۳) لوگوں کو نصیحت کرنا، (۴) کم از کم ایک آیت کی تلاوت (۵) مؤمنین ومؤمنات کے لیے دعا، ان پانچوں میں سے اگر ایک جز بھی فوت ہوگیا تو امام شافعیؒ کے نزدیک خطبہ کا فرض ادا نہیں ہوا، امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک صرف ذکر اللہ خطبہ کا رکن ہے، باقی سب چیزیں مسنون ہیں؟

فکانت صلاته قصدا آپ ﷺ نماز وخطبہ میں افراط وتفریط اور اختصار وتطویل سے گریز کرتے تھے، دونوں چیزوں میں توسط کو اختیار فرماتے تھے۔

حدیث نمبر ۱۳۲۳ ﴿خطبہ میں اختصار کرنے کی ہدایت﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۴۰۶

وَعَنْ عَمَّارٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ اِنَّ طُوْلَ صَلٰوةِ الرَّجُلِ وَقِصَرَ خُطْبَتِهٖ مَئِنَّةٌ مِّنْ فِقْهِهٖ فَاَطِيْلُوا الصَّلٰوةَ وَاقْصُرُوْا الْخُطْبَةَ وَاِنَّ مِنَ الْبَيَانِ لَسِحْرًا رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

حواله: مسلم، ص نمبر ۲۸۶ ج ۱، باب تخفیف الصلاۃ والخطبۃ، کتاب الجمعۃ، حدیث نمبر ۸۶۹.

ترجمه: حضرت عمار بن یاسرؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ "آدمی کا لمبی نماز پڑھنا اور خطبہ مختصر کرنا، اس کی دانائی کی علامت ہے، لہٰذا نماز کو لمبی کرو، اور خطبہ کو مختصر کرو، بلاشبہ بعض بیان میں جادو ہوتا ہے۔ (مسلم)

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ خطبہ میں اقتصاد سے کام لیا جائے اور نماز اسکے مقابلے میں کچھ لمبی ہو، مختصر خطبہ دینے والے کو آپ ﷺ نے سمجھدار قرار دیا ہے، اس لیے کہ کم وقت میں موضوع کا حق سمجھدار شخص ہی ادا کرسکتا ہے۔ کیوں کہ مختصر الفاظ میں مافی الضمیر کا ادا کرنا دشوار کام ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح اطیلوا الصلاۃ واقصروا الخطبۃ، خطبہ میں توجہ اور ہم کلامی مخلوق سے ہے، جبکہ نماز میں خالق کی طرف توجہ ہوتی ہے، اس لیے نماز کو لمبا کرنے اور خطبہ کو مختصر کرنے کا حکم دیا، فی نفسہ نماز کی طوالت مراد نہیں ہے، بلکہ خطبہ کے مقابل طوالت مراد ہے۔

سوال: گذشتہ حدیث میں یہ بات گزری کہ آپ ﷺ کا خطبہ اور نماز دونوں چیزیں درمیانی ہوتی تھیں، پھر آپ ﷺ نے اس حدیث

میں خطبہ مختصر کرنے کا اور نماز کو لمبا کرنے کا حکم کیوں دیا، اس سے تو بظاہر لگتا ہے کہ آپ ﷺ کا قول عمل کے خلاف ہے۔

جواب: نماز اور خطبہ کے درمیانی یعنی معتدل ہونے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ دونوں بالکل برابر ہوں، بلکہ مطلب یہ ہے کہ نماز خطبہ سے طویل ہونی چاہئے اور خطبہ نماز سے مختصر ہونا چاہئے، لیکن فی نفسہ دونوں ہی حد درجہ اختصار اور بہت زیادہ طوالت سے پاک ہو، اور آپ ﷺ کا عمل یہی تھا، یہاں بھی نماز کو لمبی پڑھنے اور خطبہ کو مختصر کرنے کا مطلب یہی ہے کہ دونوں کو سنت کے مطابق رکھا جائے طول واختصار نہ درجۂ سنت سے زائد ہو نہ کم، ان من البیان لسحرا مطلب یہ ہے کہ بعض بیان ایسے ہوتے ہیں جن کے ذریعہ سے قلوب ایسے ہی مائل ہوجاتے ہیں، جیسے جادو کے ذریعہ سے مائل ہوتے ہیں، سب سے بہتر کلام وہی ہے جس میں الفاظ کم معانی بہت ہوں اور لوگوں پر جادو کی طرح اثر کرنے والا ہو۔

حدیث نمبر ۱۳۲۴ ﴿آپ ﷺ کے خطبہ دینے کا ذکر﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۴۰۷

وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ إِذَا خَطَبَ احْمَرَّتْ عَيْنَاهُ وَعَلَا صَوْتُهٗ وَاشْتَدَّ غَضَبُهٗ حَتّٰى كَاَنَّهٗ مُنْذِرُ جَيْشٍ يَقُوْلُ صَبَّحَكُمْ وَمَسَّاكُمْ وَيَقُوْلُ بُعِثْتُ اَنَا وَالسَّاعَةُ كَهَاتَيْنِ وَيَقْرُنُ بَيْنَ اِصْبَعَيْهِ السَّبَّابَةِ وَالْوُسْطٰى رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

حوالہ: مسلم، ص نمبر ۲۸۴ ج ۱، باب تخفیف الصلاۃ و الخطبۃ، کتاب الجمعۃ، حدیث نمبر ۸۶۷.

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب خطبہ دیتے تھے، تو آپ ﷺ کی آنکھیں سرخ ہوجاتی تھیں، آواز بلند ہوجاتی تھی، اور غصہ سخت ہوجاتا تھا گویا کہ آپ ﷺ لشکر سے ڈرانے والے ہیں، آپ ﷺ فرماتے کہ وہ لشکر صبح تم پر حملہ آور ہوگا شام کو تم پر حملہ آور ہوگا، اور آپ ﷺ فرماتے کہ میں اور قیامت دونوں ساتھ ساتھ اس طرح بھیجے گئے ہیں اپنی دونوں انگلیاں ملاتے تھے یعنی شہادت اور وسطی کو۔ (مسلم)

خلاصۂ حدیث خطبہ دیتے وقت آپ ﷺ کے چہرے پر غم وغصہ کے اثرات نمایاں ہوجاتے تھے، اور آپ ﷺ پر جلال طاری ہوجاتا تھا، حدیث باب میں آپ ﷺ کی اسی کیفیت کو ذکر کیا گیا ہے، اور دوران خطبہ آپ ﷺ جو باتیں بیان کرتے تھے، ان میں سے چند مذکور ہیں۔

کلمات حدیث کی تشریح اذا خطب احمرت عیناہ جمعہ کا خطبہ دیتے وقت آپ ﷺ کی آنکھیں سرخ ہوجاتی تھیں۔

سوال: آپ ﷺ کی آنکھیں خطبہ دیتے وقت سرخ کیوں ہوجاتی تھیں؟

جواب: اللہ تعالیٰ کے انوار جلال کے نزول اور امت کے احوال پر مطلع ہونے اور اکثر معاملات میں امت کی کوتاہی کو مشاہدہ کرنے کی بناء پر آپ ﷺ کی آنکھیں سرخ ہوجاتی تھیں۔

سوال: خطبہ دیتے وقت آپ ﷺ کو غصہ کیوں آتا تھا؟

جواب: آنے والے وقت میں امت کی نافرمانی اور اعمال وعقائد کے اعتبار سے انحطاط کو محسوس کر کے آپ ﷺ کو غصہ آجاتا تھا، صبحکم ومسّٰکم مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ کی حالت اس شخص کی طرح ہوجاتی تھی جو اپنی قوم کو ایک ایسے عظیم لشکر سے ڈراتا ہے جو قریب پہنچ چکا ہوتا ہے، اور وہ صبح وشام میں حملہ کر کے قوم کو تباہ وبرباد کرنا چاہتا ہے، بعثت انا والساعۃ مقصد یہ ہے کہ قیامت بالکل قریب ہے، سب سے آخری نبی کی حیثیت سے میری بعثت ہوچکی، اب کوئی نیا نبی، نئی شریعت اور نیا دین نہیں آنا ہے اب لوگوں کی گمراہی بالکل عام ہوگی تو قیامت ہی آئے گی۔

حدیث نمبر ۱۳۲۵ ﴿آپ ﷺ کا منبر پر خطبہ دینا﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۴۰۸

وَعَنْ يَعْلَى بْنِ أُمَيَّةَ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقْرَأُ عَلَى الْمِنْبَرِ وَنَادَوْا يَامَالِكُ لِيَقْضِ عَلَيْنَا رَبُّكَ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حوالہ: بخاری، ص نمبر ۷۱۳ ج ۲، باب "ونادوا یا مالك، کتاب التفسیر، حدیث نمبر ۴۸۱۹ مسلم، ص نمبر ۲۸۴ ج ۱، باب تخفیف الصلاۃ، کتاب الجمعۃ، حدیث نمبر ۸۷۱.

ترجمہ: حضرت یعلیٰ ابن امیہؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو منبر پر (خطبہ میں) یہ آیت "ونادوا یا مالك الخ" پڑھتے ہوئے سنا۔ (بخاری ومسلم)

خلاصۂ حدیث اس حدیث میں دو باتیں توجہ طلب ہیں، (۱) آپ ﷺ نے منبر پر کھڑے ہو کے خطبہ دیا، معلوم ہوا کہ اونچی جگہ پر کھڑے ہو کے خطبہ دینا مسنون ہے، اس کا مقصد یہ ہے کہ حاضرین خطیب کو اچھی طرح دیکھیں تا کہ خطبہ کے کلمات ان کے دل پر اثر انداز ہو، (۲) آپ ﷺ نے خطبہ میں قرآن مجید کی آیت مذکورہ پڑھی، معلوم ہوا کہ خطبہ میں کم از کم ایک آیت کا پڑھنا مسنون ہے، لیکن وہ آیت کا مفہوم یہ ہے کہ دوزخی جب دوزخ میں نجات سے بالکلیہ مایوس ہو جائیں گے، تو وہ موت کی آرزو کریں گے لیکن وہ آئے گی نہیں، تو جہنم کے داروغہ مالک کو پکار کر کہیں گے اے مالک تم ہی اپنے رب سے دعا کردو، کہ وہ ہمارا کام تمام کردے تا کہ ہم اس عذاب سے چھٹکارا پا جائیں، جہنم کا دراوغہ یعنی مالک نامی فرشتہ جواب میں کہے گا، انکم ماکثون" تم ہمیشہ اسی حال میں یہاں رہو گے، یہاں سے تم کو نہ تو رہائی نصیب ہوگی اور نہ تم کو موت ہی آئے گی۔

کلمات حدیث کی تشریح علی المنبر ائمہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ منبر پر کھڑے ہو کر خطبہ دینا مسنون ہے، اگر منبر نہ ہو تو زمین پر کھڑے ہو کر خطبہ دینا جائز ہے، منبر کا مقصد سامعین تک آواز پہنچانا ہے، اور سامعین کا خطیب کو دیکھ سکنا ہے، لہٰذا جو بھی اونچی چیز میسر ہو اس پر کھڑے ہو کر خطیب خطبہ دے، مسجد نبوی میں جب منبر نہیں تھا، تو آپ ﷺ زمین پر کھڑے ہو کر خطبہ دیتے تھے، جیسا کہ ترمذی کی حدیث ہے، ان النبی ﷺ کان یخطب إلی جذع فلما اتخذ المنبر حن الجذع حتی اتاہ فالتزمہ فسکن "رسول اللہ ﷺ ایک تنے کا سہارا لیکر خطبہ دیا کرتے تھے، پھر جب منبر رکھا گیا تو وہ ستون رونے لگا، یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ اسکے پاس آئے اور اس کو اپنے سے چمٹا دیا، تو اس کا رونا بند ہو گیا، ونادوا یا مالك آپ ﷺ نے خطبہ میں قرآن مجید کی آیت تلاوت کی، خطبہ میں قرآن مجید کی تلاوت احناف کے نزدیک مسنون اور شوافع کے نزدیک واجب ہے۔

حدیث نمبر ۱۳۲۶ ﴿خطبہ میں قرآن مجید پڑھنے کا ذکر﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۴۰۹

وَعَنْ أُمِّ هِشَامٍ بِنْتِ حَارِثَةَ بْنِ النُّعْمَانِ قَالَتْ مَاأَخَذْتُ ق وَالْقُرْآنِ الْمَجِيدِ إِلَّا عَنْ لِسَانِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ يَقْرَءُ هَا كُلَّ جُمُعَةٍ عَلَى الْمِنْبَرِ إِذَا خَطَبَ النَّاسَ رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

حوالہ: مسلم، ص نمبر ۲۸۶ ج ۱، باب تخفیف الصلاۃ، کتاب الجمعۃ، حدیث نمبر ۸۷۳.

ترجمہ: حضرت ام ہشام بنت حارثہ بن نعمان سے روایت ہے کہ میں نے "سورۂ ق والقرآن المجید" رسول اللہ ﷺ کی زبان سے سن کر سیکھی ہے، آپ ﷺ اس سورت کو ہر جمعہ میں منبر کے اوپر لوگوں کے سامنے خطبہ ارشاد فرمانے کے دوران پڑھتے تھے۔ (مسلم)

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ آپ ﷺ دورانِ خطبہ سورۂ ق کی متفرق آیات تلاوت کرتے تھے، کسی جمعہ کو کہیں سے چند آیات پڑھتے اور کسی جمعہ کو کسی دوسری مقام سے چند آیات تلاوت کرتے تھے، حضرت ام ہشام نے آپ ﷺ سے خطبہ کے دوران سورۂ ق کے اجزا سن سن کر پوری سورت یاد کر لی، اس حدیث سے اشارۃً یہ بات بھی سمجھ میں آرہی ہے کہ دور نبوت میں عورتیں مسجد میں آتی تھیں، اس سلسلہ میں یہ بات گزر چکی ہے کہ دور نبوت میں چند شرائط کے ساتھ عورتوں کو مسجد آنے کی اجازت تھی،

بعد میں بہت سی مصالح کے پیش نظر عورتوں کے مسجد آنے پر پابندی عائد کردی گئی، تفصیل کے لئے حدیث نمبر ۸۸۸ دیکھیں۔

کلمات حدیث کی تشریح ق و القرآن المجید پوری سورت پڑھنا مراد نہیں ہے، اس لیے کہ ہر جمعہ کو پوری سورت تلاوت کرنا امر مستبعد ہے، شروع کا حصہ مراد ہے، اور آپ ﷺ نے اس پر مواظبت بھی نہیں فرمائی، ورنہ تو اس کا پڑھنا واجب یا سنت مؤکدہ ہوتا۔

حدیث نمبر ۱۳۲۷ ﴿نبی کریم ﷺ کے ایک خطبہ ذکر﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۴۱۰

وَعَنْ عَمْرِ وبْنِ حُرَيْثٍ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ خَطَبَ وَعَلَيْهِ عِمَامَةٌ سَوْدَآءُ قَدْ اَرْخٰى طَرَفَيْهَا بَيْنَ كَتِفَيْهِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

حواله: مسلم، ص نمبر ۴۳۹، ج ۱، باب جواز دخول مكة بغير احرام، كتاب الحج، حديث نمبر ۱۳۵۹.

ترجمه: حضرت عمرو بن حریث سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے خطبہ ارشاد فرمایا، تو اس وقت آپ ﷺ کے سر مبارک پر سیاہ عمامہ تھا، اس کے دونوں کنارہ آپ ﷺ نے اپنے دونوں مونڈھوں کے درمیان چھوڑ رکھے تھے۔ (مسلم)

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ جمعہ کے دن عمدہ لباس پہننا، عمامہ باندھنا عمامہ کے دونوں سروں کو مونڈھوں پر لٹکانا سنت ہے، خطیب کو خطبہ دیتے وقت اس کا اہتمام کرنا چاہئے، اس سے نماز جمعہ کے ثواب میں اضافہ ہوگا۔

کلمات حدیث کی تشریح خطب وعليه عمامة سوداء آپ ﷺ نے یہ خطبہ مرض الوفات میں دیا، آپ ﷺ کا عمامہ باندھتے تھے معلوم ہوا کہ سیاہ کپڑا پہننا بھی سنت ہے، لیکن افضل سفید کپڑا پہننا ہے، ارخی طرفیها آپ ﷺ کے عمامہ کا شملہ مونڈھوں پر لٹک رہا تھا، عمامہ دونوں طرح باندھنا جائز ہے، شملہ چھوڑنے کے ساتھ بھی اور بغیر شملہ چھوڑے بھی دونوں میں کسی صورت میں کوئی کراہت نہیں ہے۔ (تلخیص مرقات ص نمبر ۲۶۸ ج ۳)

حدیث نمبر ۱۳۲۸ ﴿خطبہ کے دوران تحیۃ المسجد پڑھنا﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۴۱۱

وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَهُوَ يَخْطُبُ اِذَا جَآءَ اَحَدُكُمْ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَالْاِمَامُ يَخْطُبُ فَلْيَرْكَعْ رَكْعَتَيْنِ وَلْيَتَجَوَّزْ فِيْهِمَا رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

حواله: مسلم، ص نمبر ۲۸۷ ج ۱، باب التحية والامام يخطب، كتاب الجمعة، حديث نمبر ۸۷۵.

ترجمه: حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی شخص جمعہ کے روز مسجد آئے اور امام خطبہ پڑھ رہا ہو، تو اس کو چاہئے کہ وہ دو رکعت پڑھ لے، مگر دونوں رکعتیں مختصر پڑھے۔ (مسلم)

خلاصۂ حدیث اس حدیث سے بظاہر یہ بات سمجھ میں آرہی ہے کہ دورانِ خطبہ مسجد آنے والا شخص پہلے تحیۃ المسجد پڑھے، پھر خطبہ سننے کے لئے بیٹھے، البتہ تحیۃ المسجد ہلکی پڑھے، یہ حدیث بظاہر حنفیہ کے خلاف ہے، کیوں کہ حنفیہ کے نزدیک دورانِ خطبہ نماز پڑھنا جائز نہیں ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح ولیتجوز یعنی خطبہ سننے سے پہلے تحیۃ المسجد کی دو رکعت نماز پڑھ لے، اور اس کو ہلکی یعنی مختصر پڑھے، صاحب مرقات لکھتے ہیں کہ مناسب ہے کہ وہ جمعہ کی سنت کی نیت کرلے، اس سے تحیۃ المسجد کا ثواب بھی حاصل ہوجائے گا، اور صاحب مرقات یہاں "یخطب" سے مراد "یرید ان یخطب" لیتے ہیں، یعنی حدیث کا مطلب ہے کہ آنے والا شخص اس وقت آیا جب کہ خطبہ شروع ہونے والا تھا، خطبہ شروع نہیں ہوا تھا، کیوں کہ خطبہ شروع ہونے کے بعد ان کے نزدیک بھی نماز شروع کرنا درست نہیں ہے۔

دورانِ خطبہ تحیۃ المسجد ادا کرنے میں اختلاف ائمہ

امام ابو حنیفہ کا مذہب: حضرت امام صاحب، حضرت امام مالکؒ اور جمہور صحابہ وتابعین کے نزدیک دورانِ خطبہ کسی قسم کی نماز جائز نہیں ہے۔

دلائل: (۱) "واذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا" یہ آیت قرأت خلف الامام اور خطبہ دونوں کے متعلق نازل ہوئی، لہٰذا دونوں مواقع پر استماع اور سکوت لازم ہے، اور ظاہر بات ہے کہ نماز پڑھنے کے ساتھ خطبہ بغور سننا ممکن نہیں ہے۔ (۲) "اذا قلت لصاحبك يوم الجمعة انصت والامام يخطب فقد لغوت" حدیث مذکور سے معلوم ہوا کہ دوران خطبہ امر خیر بھی لغو کام ہے، تو جب امر بالمعروف جو کہ عام حالات میں واجب ہے دورانِ خطبہ اس کی اجازت نہیں تو تحیۃ المسجد جو کہ مستحب ہے، اس کی اجازت کیوں کر مل سکتی ہے (حدیث مذکور کا ترجمہ ومطلب حدیث نمبر ۱۳۰۴ کے تحت دیکھا جا سکتا ہے)

شوافع کا مذہب: امام شافعیؒ واحمدؒ کے نزدیک خطبہ کے دوران آنے والے کے لیے جائز ہے، کہ تحیۃ المسجد پڑھے۔

دلائل: (۱) ان حضرات کی پہلی دلیل تو حدیث باب ہے، جس میں صاف صراحت ہے کہ دورانِ خطبہ آنے والا مختصر طور پر دو رکعت نماز پڑھ لے، (۲) نسائی شریف میں ایک روایت ہے کہ دورانِ خطبہ ایک صاحب مسجد میں تشریف لائے تو آپ ﷺ نے ان سے سوال کیا "صليت" "قال لا" قال قم فاركع" اس حدیث میں بھی آپ ﷺ نے حضرت سلیک کو دورانِ خطبہ نماز پڑھنے کا حکم کیا۔

جواب: پہلی دلیل کا جواب یہ ہے کہ چونکہ یہ حدیث آیت قرآن اور احادیث صحیحہ کے معارض ہے اسلئے یا تو یہ مؤول ہوگی، یا پھر مرجوح ہوگی، تاویل کی صورت تو یہ ہے کہ "یخطب" کے معنی میں ہو، یعنی خطبہ شروع ہونے سے کچھ پہلے آنیوالا بھی مختصر طور پر سہی لیکن تحیۃ المسجد ادا کرے، اور مرجوح ہونے کی شکل یہ ہے کہ تعارضِ ادلہ کیوقت محرم کو ترجیح ہوتی ہے اس حدیث سے چونکہ جواز معلوم ہو رہا ہے اسلئے یہ حدیث مرجوح ہوگی، اور دوسری دلیل کا جواب یہ ہے کہ یہ ایک جزوی واقعہ ہے جو انہی صحابی کیساتھ مخصوص ہے، اصل بات یہ تھی کہ یہ صاحب حضرت سلیک غطفانی تھے، جو بہت خستہ حال غریب شخص تھے، اپنے حد درجہ بوسیدہ لباس کے ساتھ مسجد تشریف لائے، تو آپ ﷺ نے ان کو حکم دیا کہ وہ کھڑے ہو کر دو رکعت نماز پڑھیں جب تک وہ نماز پڑھتے رہے، آپ ﷺ خاموش رہے، اور آپ ﷺ نے خطبہ نہیں دیا، آپ ﷺ کا مقصد یہ تھا کہ لوگ ان کے فقر کو دیکھ لیں اور ان کی اعانت کریں، چنانچہ مسند احمد کی روایت ہے "ان هذا الرجل دخل المسجد فى هيئة بذة فأمرته ان يصلي وانا ارجوان يفطن له رجل" (یہ آدمی بوسیدہ حالت میں مسجد میں داخل ہوئے، میں نے ان کو نماز پڑھنے کے لئے کہا، مجھے امید تھی کہ لوگ اس کی حالت کو سمجھ لیں گے، آپ ﷺ کا حکم عام نہ تھا، صحیح ابن حبان کے روایت میں یہ الفاظ مزید ہیں "ولاتعوذن لمثل هذا" معلوم ہوا کہ یہ نماز ایک خاص ضرورت کے تحت آپ ﷺ نے پڑھنے کا حکم دیا، عام ضابطہ نہیں ہے، ممکن ہے کہ حدیث باب کا تعلق بھی اسی جزئی واقعہ سے ہو جس کو راوی نے قاعدہ کلیہ کے طور پر بیان کر دیا ہو دلیل ثانی سے شوافع کا استدلال یوں بھی درست نہیں ہے، کہ وہ صاحب مسجد میں آکر بیٹھ گئے تھے اور آپ ﷺ نے انہیں حکم دیا کہ "قم فاركع" کھڑے ہو کر نماز پڑھو، شوافع کے نزدیک نمازی کے مسجد میں بیٹھ جانے سے تحیۃ المسجد کی نماز ساقط ہو جاتی ہے۔

حدیث نمبر ۱۳۲۹ ﴿نماز جمعہ کے بارے میں مسبوق کا حکم﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۴۱۲

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ اَدْرَكَ رَكْعَةً مِّنَ الصَّلٰوةِ مَعَ الاِمَامِ فَقَدْ اَدْرَكَ الصَّلٰوةَ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

حوالہ: بخاری ص نمبر ۸۳ ج ۱، باب من ادرك من الصلاة ركعة، كتاب مواقيت الصلاة حديث نمبر ۵۸۰، مسلم، ص نمبر ۲۲۱ ج ۱ باب من ادرك ركعة من الصلاة، كتاب المساجد ومواضع الصلاة، حديث نمبر ۶۰۷

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس نے امام کے ساتھ ایک رکعت پائی، اس نے پوری نماز پالی۔ (بخاری ومسلم)

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ اگر کوئی شخص جماعت شروع ہونے کے بعد نماز میں شامل ہوا اور اس کو ایک رکعت مل گئی تو اس کو مکمل جماعت کی فضیلت حاصل ہوگئی، یہ عام ضابطہ ہے، جمعہ کی نماز کا اس سلسلہ میں کوئی اختصاص نہیں ہے، لیکن حضرات شوافع یہ جمعہ کی خصوصیت بتاتے ہیں۔

کلمات حدیث کی تشریح من ادرك ركعة من الامام مطلب یہ ہے کہ جسکو جمعہ کی ایک رکعت مل گئی اس کو مکمل جماعت مل گئی، شوافع کہتے ہیں کہ اگر ایک رکعت ملی تو جمعہ ملا اور اگر دونوں رکعت فوت ہوگئیں تو گویا کہ جمعہ فوت ہوگیا

نماز جمعہ کے مسبوق کے سلسلہ میں اختلاف ائمہ

ائمہ ثلاثہ کا مذہب: ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اگر جمعہ کی ایک رکعت امام کے ساتھ ملے تو جمعہ پڑھے اور اگر ایک رکعت بھی نہ ملے تو وہ ظہر کی چار رکعت پڑھے، مطلب یہ نکلا کہ دوسری رکعت بھی فوت ہوگئی، تو امام کے ساتھ جمعہ میں شریک نہ ہو بلکہ ظہر پڑھے۔

دلیل: (۱) ائمہ ثلاثہ کی دلیل حدیث باب ہے کیوں کہ اس حدیث سے بطریق مفہوم مخالف یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ جس کو ایک رکعت بھی نہیں ملی تو اس کو نماز جمعہ نہیں ملی، بعض روایات میں جمعہ کی تصریح بھی ہے "قال علیه السلام" من ادرك من صلاة الجمعة ركعة فقد ادرك" (نسائی) (۲) اسی طرح اس باب کی آخری روایت میں بھی خوب وضاحت ہے قال علیه السلام "من ادرك من الجمعة ركعة فليصل اليها اخرى ومن فاتته الركعتان فليصل اربعًا" ان روایات سے معلوم ہوا کہ دوسری رکعت فوت ہونے پر جمعہ میں شامل نہ ہو کر ظہر کی چار رکعت پڑھنا چاہئے۔

امام ابو حنیفہؒ کا مذہب: امام کے نزدیک اگر سلام سے پہلے تشہد میں بھی کوئی شریک ہوگیا تو وہ جمعہ کی دو رکعت ہی ادا کریگا، ظہر کی چار رکعت نہیں پڑھے گا۔

دلیل: (۱) عن معاذ بن جبل قال اذا دخل فی صلاة جمعة قبل التسليم وهو جالس فقد ادرك الجمعة مصنف ابن ابی شیبه" (۲) عن ابی هريرةؓ قال قال رسول الله ﷺ "ما ادركتم فصلوا ومافاتكم فاتموا" (بخاری) یہاں جمعہ کی نماز فوت ہوئی ہے، لہٰذا جمعہ کی نماز اخیر میں شرکت کرنے والا بھی جمعہ ہی کو پورا کرے گا۔

ائمہ ثلاثہ کی دلیل کا جواب: حدیث باب کا جواب یہ ہے کہ یہاں آپ ﷺ کے فرمان کا مقصد یہ ہے کہ مسبوق کو جماعت پانے والا اس وقت قرار دیں گے جب وہ امام کے ساتھ کم از کم ایک رکعت پالے اور جو قعدہ اخیر میں یا اس سے کچھ پہلے سجدہ میں شریک ہوا تو وہ جماعت کی فضیلت، پانے والا تو ہے مگر جماعت پانے والا نہیں ہے، اور یہ عام ضابطہ ہے کہ قعدہ اخیرہ میں شامل ہونے والے کو جماعت میں شریک ہونے والا قرار دیا جاتا ہے لہٰذا جمعہ کی نماز میں بھی قعدہ اخیرہ پانے والے کو جمعہ پانے والا قرار دیا جائے گا، اور دوسری دلیل کا جواب یہ ہے کہ جس نے مکمل طور پر دونوں رکعتیں فوت کردیں، یعنی دوسری رکعت کا کوئی جز بھی جس کو نہ ملا حتیٰ کہ قعدہ اخیرہ بھی نہیں ملا وہ ظہر کی چار رکعت پڑھے۔

الفصل الثانی

حدیث نمبر ۱۳۳۰ ☆☆☆ عالمی حدیث نمبر ۱۴۱۳

﴿خطبہ دینے سے پہلے آپ ﷺ کا منبر پر بیٹھنا﴾

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَخْطُبُ خُطْبَتَيْنِ كَانَ يَجْلِسُ اِذَا صَعِدَ الْمِنْبَرَ حَتّٰى يَفْرُغَ اُرَاهُ الْمُؤَذِّنُ

ثُمَّ يَقُوْمُ فَيَخْطُبُ ثُمَّ يَجْلِسُ وَلَا يَتَكَلَّمُ ثُمَّ يَقُوْمُ فَيَخْطُبُ رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ.

حوالہ: ابو داؤد، ص نمبر ۱۵۶ ج ۱، باب الجلوس اذا صعد المنبر، کتاب الصلاۃ، حدیث نمبر ۱۰۹۲.

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ دو خطبے ارشاد فرماتے تھے، جب آپ ﷺ منبر پر چڑھتے تو اس وقت تک بیٹھتے جب تک وہ فارغ ہو جاتا راوی کہتے ہیں کہ میرا گمان ہے کہ ابن عمرؓ نے یہاں ''المؤذن'' کا لفظ کہا تھا (یعنی آپ ﷺ مؤذن کے اذان سے فارغ ہونے تک منبر پر بیٹھتے تھے) پھر کھڑے ہو کر خطبہ دیتے، پھر آپ ﷺ بیٹھ جاتے، اور بات نہ کرتے، پھر کھڑے ہوتے اور خطبہ دیتے۔ (ابوداؤد)

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ جمعہ کے دن دو خطبہ دینا چاہئے، خطبہ منبر پر کھڑے ہو کر دینا چاہئے، خطبہ دینے سے پہلے منبر پر بیٹھنا چاہئے، اور مؤذن کے اذان سے فارغ ہونے کے بعد خطبہ شروع کرنا چاہئے، دونوں خطبوں کے درمیان مختصر وقت کے لئے بیٹھنا چاہئے، اور بیٹھنے کے درمیان بات نہ کرنا چاہئے، یہی آپ ﷺ کا طریقہ تھا اسی طریقہ کے مطابق عمل کرنے میں بڑا ثواب ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح يخطب خطبتين حنفیہ کے نزدیک پہلا خطبہ واجب اور دوسرا مسنون ہے، كان يجلس اذا صعد المنبر خطیب کا منبر پر پہنچ کر اذان مکمل ہونے کے انتظار میں بیٹھنا جمہور علماء کے نزدیک مستحب ہے منبر پر خطبہ دینا سنت ہے، منبر نہ ہو تو زمین پر کھڑے ہو کر خطبہ دینا بھی جائز ہے، ثم يقوم فيخطب خطبہ کھڑے ہو کر دینا چاہئے، لیکن حنفیہ کے نزدیک قیام خطبہ کے شرائط میں سے نہیں ہے، بیٹھ کر خطبہ دینا بھی جائز ہے، روی عن عثمان انه كان يخطب قاعدًا حين كبر واسن، حضرت عثمانؓ بوڑھاپے میں بیٹھ کر خطبہ دیتے تھے، لیکن بلا عذر بیٹھ کر خطبہ دینا مکروہ ہے، ثم يجلس دونوں خطبوں کے درمیان بیٹھنا امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک سنت ہے، واجب نہیں ہے، اور یہ بیٹھنا اتنی مقدار میں ہو جتنی مقدار میں سورہ اخلاص پڑھی جا سکے، اس دوران بات چیت ممنوع ہے، البتہ دعا کی جا سکتی ہے، ملا علی قاریؒ نے لکھا ہے کہ اس دوران قرآن کریم کی تلاوت کی جائے، حدیث باب کے تحت جو مضمون اختصار سے نقل ہوئے، وہ گذشتہ احادیث کے تحت تفصیل کیساتھ مع دلائل و اختلاف ائمہ نقل ہو چکے ہیں، دیکھ لیا جائے۔

حدیث نمبر ۱۳۳۱ ﴿دوران خطبہ خطیب کی طرف رخ کرنا﴾ عالمی حدیث نمبر ۱٤۱٤

وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ اِذَا اسْتَوٰى عَلَى الْمِنْبَرِ اسْتَقْبَلْنَاهُ بِوُجُوْهِنَا رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ لَا نَعْرِفُهُ اِلَّا مِنْ حَدِيْثِ مُحَمَّدِ بْنِ الْفَضْلِ وَهُوَ ضَعِيْفٌ ذَاهِبُ الْحَدِيْثِ.

حوالہ: ترمذی، ص نمبر ۱۱٤، باب ماجاء في استقبال الامام، کتاب الجمعة، حدیث نمبر ۵۰۹.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب منبر پر تشریف فرما ہوتے تھے، تو ہم آپ ﷺ کی طرف اپنے اپنے چہروں سے متوجہ ہو جاتے تھے، امام ترمذیؒ نے یہ حدیث نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ ایسی حدیث ہے جس کو ہم صرف محمد بن فضل کی سند سے جانتے ہیں، اور ''محمد بن الفضل'' ضعیف راوی ہیں، ان کو اپنی حدیثیں یاد نہیں تھیں۔

خلاصۂ حدیث اگر خطیب کی طرف رخ کیا جائے اور خطیب کے چہرے کی طرف نگاہ رکھی جائے تو خطیب کی بات بھی سمجھ میں آتی ہے، اور بات دل پر اثر بھی کرتی ہے کہ چہرے کے اتار چڑھاؤ اور ہاتھ کے اشارات بات سمجھنے میں معین و مددگار ہوتے ہیں، حضرات صحابہ حضرت نبی کریم ﷺ کی طرف آپ ﷺ کے خطبہ دیتے وقت مکمل طور پر متوجہ رہتے تھے۔

کلمات حدیث کی تشریح اذا استوى على المنبر آپ ﷺ جوں ہی منبر پر چڑھتے، صحابہ آپ ﷺ کی طرف اپنے چہروں سے متوجہ ہو جاتے، اس وقت صحابہ کا آپ ﷺ کو دیکھنا برکت کے لیے تھا، اور ایمان میں زیادتی کا

سبب تھا، اور خطبہ شروع ہونے کے بعد آپ ﷺ کو دیکھنا برکت کے لئے بھی تھا، اور خطبہ اچھی طرح سمجھ میں آئے اس مقصد سے بھی تھا، صاحب مرقات لکھتے ہیں کہ سنت یہ ہے کہ خطیب قوم کی طرف متوجہ رہے اور قوم خطیب کی طرف متوجہ رہے۔ (مرقات ص نمبر ۲۷۰ ج ۳)

الفصل الثالث

حدیث نمبر ۱۳۳۲ ﴿آپ ﷺ کا کھڑے ہوکر خطبہ ارشاد فرمانا﴾ عالمی حدیث نمبر ۱٤۱۵

عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَخْطُبُ قَائِمًا ثُمَّ يَجْلِسُ ثُمَّ يَقُوْمُ فَيَخْطُبُ قَائِمًا فَمَنْ نَبَّاكَ اَنَّهُ كَانَ يَخْطُبُ جَالِسًا فَقَدْ كَذَبَ فَقَدْ وَاللهِ صَلَّيْتُ مَعَهُ اَكْثَرَ مِنَ اَلْفَيْ صَلوٰةٍ رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

حوالہ: مسلم، ص نمبر ۲۸۳ ج ۱، باب ذکر الخطبتین قبل الصلاۃ، کتاب الجمعۃ، حدیث نمبر ۸٦۲.

ترجمہ: حضرت جابرؓ بن سمرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کھڑے ہوکر خطبہ ارشاد فرماتے تھے، پھر بیٹھ جاتے پھر کھڑے ہوتے اور کھڑے ہوکر خطبہ ارشاد فرماتے، حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ جو شخص تم کو یہ اطلاع دے کہ آپ ﷺ بیٹھ کر خطبہ ارشاد فرماتے تھے وہ جھوٹا ہے، اللہ کی قسم میں نے حضور ﷺ کے ساتھ دو ہزار سے زیادہ نمازیں پڑھی ہیں۔ (مسلم)

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ آپ ﷺ جمعہ میں دو خطبے دیتے تھے، اور دونوں خطبے کھڑے ہوکر دیتے تھے حضرت جابرؓ نے آپ کے کھڑے ہوکر خطبہ دینے کو بہت تاکید کے ساتھ بیان کیا ہے اور ضمناً آقا ﷺ کے ساتھ اپنی طویل رفاقت اور کثرت سے آپ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھنے کو بھی بیان کیا ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح فیخطب قائما دوسرا خطبہ مراد ہے، دوسرے خطبہ میں پہلے خطبہ سے آواز کچھ پست ہونا چاہئے، صلیت معه اکثر من الفی صلاۃ جمعہ کی نماز آپ ﷺ نے مدینہ ہجرت کرنے کے بعد پڑھی اور مدینہ کی دس سالہ زندگی میں تقریباً پانچ سو جمعہ کی نماز ہوئیں، لہٰذا، یہاں دو ہزار نمازوں سے جمعہ کی نماز مراد نہیں ہے بلکہ وہ تمام نمازیں مراد ہیں جو حضرت جابرؓ نے آپ ﷺ کے ساتھ پڑھی ہیں۔ (مرقات ص نمبر ۲۷۱ ج ۳)

خطبہ کھڑے ہوکر ہی پڑھنا چاہئے، البتہ بیٹھ کر پڑھنا عذر کے وقت درست ہے، کھڑے ہوکر خطبہ پڑھنا واجب ہے کہ نہیں اس کے لئے حدیث نمبر ۱۳۲۲ دیکھیں۔

حدیث نمبر ۱۳۳۳ ﴿بیٹھ کر خطبہ دینے پر نکیر﴾ عالمی حدیث نمبر ۱٤۱٦

وَعَنْ كَعْبِ بْنِ عُجْرَةَ اَنَّهُ دَخَلَ الْمَسْجِدَ وَعَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ اُمِّ الْحَكَمِ يَخْطُبُ قَاعِدًا فَقَالَ انْظُرُوْا اِلٰى هٰذَا الْخَبِيْثِ يَخْطُبُ قَاعِدًا وَّقَالَ اللهُ تَعَالٰى وَاِذَا رَاَوْا تِجَارَةً اَوْلَهْوَا انْفَضُّوْا اِلَيْهَا وَتَرَكُوْكَ قَائِمًا رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

حوالہ: مسلم ص : ۲۸٤، ج : ۱ باب قوله تعالىٰ واذا رأو تجارة أو لهو کتاب الجمعة حدیث ۸٦٤.

ترجمہ: حضرت کعب بن عجرہؓ سے روایت ہے کہ وہ مسجد میں داخل ہوئے، عبدالرحمٰن بن ام الحکم بیٹھ کر خطبہ دے رہا تھا، تو آپ نے فرمایا کہ اس خبیث کو دیکھ بیٹھ کر خطبہ دے رہا ہے، جبکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ "واذا رأو الخ" جب سامان بکتا ہوا یا کھیل تماشہ ہوتے ہوئے دیکھتے ہیں تو منتشر ہوکر اس کی طرف چلے جاتے ہیں اور تم کو کھڑا چھوڑ جاتے ہیں۔ (مسلم)

خلاصۂ حدیث ایک موقع پر مدینہ میں سخت قحط پڑا، اشیاء کی قلت اور سخت گرانی سے لوگ پریشان تھے، اسی موقع پر ایک روز جمعہ کی نماز کے بعد آپ ﷺ خطبہ دے رہے تھے، (پہلے آپ ﷺ نماز کے بعد ہی خطبہ دیتے تھے) کہ اچانک شام سے تجارتی قافلہ آگیا اور اس نے ڈھول تاشے سے اس کا اعلان شروع کر دیا، بہت سے صحابہ اس خیال سے کہ نماز ہوچکی ہے، بازار کی طرف متوجہ ہوگئے، اور خطبہ کی اہمیت کو عدم علم کی بنا پر نظر انداز کر گئے، قرآن مجید کی مذکورہ آیت میں ان لوگوں کے اس لغزش کا ذکر اور اس کی

مذمت ہے، اس آیت سے ضمناً یہ بھی معلوم ہوا کہ آپ ﷺ خطبہ کھڑے ہوکر دے رہے تھے، حضرت کعب بن عجرہؓ نے آیت کے اسی جز کو ذکر کرنے کے لئے آیت پڑھی اور بتایا کہ جو شخص بیٹھ کر بلا عذر کے خطبہ دے وہ آپ ﷺ کے معمول سے ثابت شدہ امر کے خلاف ورزی کررہا ہے، جو کہ اس کے خبث باطن کی دلیل ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح انظروا الٰی ھذا الخبیث حافظ ابن حجرؒ کہتے ہیں کہ اس سے معلوم ہوا کہ جو شخص حرام کا ارتکاب کرے اس پر غصہ کرنا جائز ہے، حضرت نبی کریم ﷺ نے کھڑے ہوکر خطبہ دینے کی مواظبت فرمائی ہے، جو شخص بلا عذر کے اس سے اجتناب کرے وہ اس غضب کا مستحق ہے، وترکوك قائمًا بعض صحابہؓ آپ ﷺ کو چھوڑ کر سامان تجارت کی طرف متوجہ ہوگئے، اس کی وجہ ان کی سخت پریشانی، اور خطبہ کی اہمیت سے ناواقفی تھی، لیکن چوں کہ یہ چیز شانِ صحابیت کے خلاف تھی، لہذا اللہ تعالیٰ نے اس کی مذمت فرمائی، اس صورت حال کے پیش آنے سے پہلے آپ ﷺ نماز جمعہ کے بعد خطبہ دیتے تھے، جیسا کہ عیدین میں ہے، لیکن اس واقعہ کے بعد آپ ﷺ نے نماز سے قبل ہی خطبہ دینا شروع کیا۔

حدیث نمبر ۱۳۳۴ ﴿دورانِ خطبہ ہاتھوں کو حرکت دینے کی ممانعت﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۴۱۷

وَعَنْ عُمَارَةَ بْنِ رُوَيْبَةَ اَنَّهُ رَاٰى بِشْرَبْنَ مَرْوَانَ عَلَى الْمِنْبَرِ رَافِعًا يَدَيْهِ فَقَالَ قَبَّحَ اللّٰهُ هَاتَيْنِ الْيَدَيْنِ لَقَدْ رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ مَايَزِيْدُ عَلٰى اَنْ يَّقُوْلَ بِيَدِهٖ هٰكَذَا وَاَشَارَ بِاِصْبَعِهِ الْمُسَبِّحَةِ رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

حوالہ: مسلم، ص نمبر ۲۸۷ ج ۱، باب تخفیف الصلاۃ، والخطبۃ، کتاب الجمعۃ، حدیث نمبر ۸۷۴

ترجمہ: حضرت عمارہ بن رویبہ سے روایت ہے کہ انہوں نے بشر بن مروان کو منبر پر دیکھا کہ وہ اپنے دونوں ہاتھوں کو بلند کررہا ہے، حضرت عمارہؓ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ ان دونوں ہاتھوں کا برا کرے میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ ﷺ اپنے ہاتھ سے بس اس طرح اشارہ فرمایا کرتے تھے، اس سے زیادہ نہیں، یہ کہہ کر حضرت عمارہؓ نے اپنی شہادت کی انگلی سے اشارہ کیا۔ (مسلم)

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ دورانِ خطبہ ہاتھوں کو اوپر نیچے اٹھانا گرانا دائیں کرنا درست نہیں ہے، اور نہ آپ ﷺ اس طرح کرتے تھے، کبھی کبھی افہام و تفہیم کی غرض سے شہادت کی انگلی سے اشارہ فرمایا کرتے تھے اور اس مقدار اشارہ کرنا چاہئے، اور یہی اشارہ بات کو سمجھانے میں معین و مددگار ہوتا ہے، بہت زیادہ ہاتھ جھٹکنے سے مسخرہ پن ظاہر ہوتا ہے، اس کے سوا کچھ نہیں حاصل ہوتا، لہذا اس سے گریز لازم ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح رافعًا یدیہ دورانِ خطبہ ہاتھوں کو بلند کررہا تھا، جیسا کہ واعظوں کی عادت ہوتی ہے، واشارہ باصبعیہ آپ ﷺ خطبہ دیتے وقت کبھی کبھی اپنی انگلی سے اشارہ فرماتے تھے، مقصد لوگوں کو غور سے سننے پر تنبیہ کرنا اور ان کو مخاطب کرنا ہوتا تھا، آپ ﷺ جس طرح اشارہ کرتے تھے اسی طرح اشارہ کرکے حضرت عمارہؓ نے لوگوں کو بتایا۔

حدیث نمبر ۱۳۳۵ ﴿منبر پر بیٹھنے کے وقت آپ ﷺ کا کلام فرمانا﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۴۱۸

وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ لَمَّا اسْتَوٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَوْمَ الْجُمُعَةِ عَلَى الْمِنْبَرِ، قَالَ اجْلِسُوْا فَسَمِعَ ذٰلِكَ ابْنُ مَسْعُوْدٍ فَجَلَسَ عَلٰى بَابِ الْمَسْجِدِ فَرَاٰهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ تَعَالَ يَاعَبْدَ اللّٰهِ بْنَ مَسْعُوْدٍ رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ.

حوالہ: ابو داؤد، ص نمبر ۱۵۶ ج ۱، باب الامام یکلم الرجل فی خطبتہ، کتاب الصلاۃ، حدیث نمبر ۱۰۹۱

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ جمعہ کے دن جب رسول اللہ ﷺ منبر پر تشریف فرما ہوئے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ بیٹھ جاؤ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کا فرمان سنا تو مسجد کے دروازے پر بیٹھ گئے رسول اللہ نے ان کو دیکھا تو فرمایا کہ ''اے عبداللہ بن مسعودؓ آگے آجاؤ۔ (ابوداؤد)

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ خطیب منبر پر پہنچ کر بلکہ دورانِ خطبہ کلام کرسکتا ہے، لیکن اگر وہ کلام امر بالمعروف کے قبیل سے ہے تو بلا کراہت جائز ہے، اور اگر امر بالمعروف کے قبیل سے نہیں ہے، تو مکروہ ہے، آپ ﷺ کا منبر پر پہنچ کر کلام فرمانا امر بالمعروف کے قبیل سے تھا۔

کلمات حدیث کی تشریح اجلسوا آپ ﷺ منبر پر آئے تو آپ ﷺ نے بعض لوگوں کو دیکھا کہ وہ نماز کے لیے نیت باندھتے جارہے ہیں آپ ﷺ نے ان کو مخاطب کر کے کہا کہ بیٹھ جاؤ دورانِ خطبہ تحیۃ المسجد کے جواز وعدم جواز سے متعلق تفصیل کے لئے حدیث نمبر ۱۳۲۸ دیکھیں، فجلس علی باب المسجد آپ ﷺ کے مخاطب وہ لوگ تھے جو مسجد کے اندر کھڑے تھے، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ مسجد کے باہر تھے، آپ ﷺ کے اس امر کے مخاطب نہیں تھے، لیکن آپ ﷺ کے حکم کی اطاعت گزاری میں ان کو یہ گوارا نہ ہوا کہ آپ ﷺ کا حکم کانوں میں آنے کے بعد لمحہ بھر کے لئے بھی کھڑے رہیں، چنانچہ جہاں تھے وہیں بیٹھ گئے، یعنی دروازہ ہی پر بیٹھ گئے، تعال یا عبداللہ بن مسعودؓ آپ ﷺ نے مخصوص خطاب کے ذریعہ سے حضرت عبداللہ بن مسعود کو مسجد کے اندر آنے کے لئے کہا، یہ اندازِ خطاب فضل وکمال کو ظاہر کرتا ہے۔ حضرت نبی کریم ﷺ کو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے خصوصی تعلق تھا، ایک موقع پر فرمایا "رضیت لامتی مارضی لها ابن ام عبد" ابن ام عبد، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی کنیت ہے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی اسی خصوصیت کی بنا پر ہمارے امام اعظمؒ حضرات خلفائے راشدین کے علاوہ دیگر صحابہ کے اقوال پر حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے قول کو ترجیح دیتے تھے۔ (مرقات ص نمبر ۲۷۳ ج ۳)

حدیث نمبر ۱۳۳۶ ﴿نماز جمعہ فوت ہونے پر ظہر پڑھنے کا حکم﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۴۱۹

وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ اَدْرَكَ مِنَ الْجُمُعَةِ رَكْعَةً فَلْيَصِلْ اِلَيْهَا اُخْرىٰ وَمَنْ فَاتَتْهُ الرَّكْعَتَانِ فَلْيُصَلِّ اَرْبَعًا اَوْقَالَ الظُّهْرَ رَوَاهُ الدَّارَ قُطْنِيُّ.

حواله: سننِ دارقطنی، ص نمبر ۱۱ ج ۲. باب فیمن یدرك فی الجمعة رکعة اولم یدرکها، کتاب الجمعة، حدیث نمبر ۷.

ترجمه: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص نمازِ جمعہ کی ایک رکعت پائے تو اس کو چاہئے کہ اس کے ساتھ دوسری رکعت ملالے اور جس شخص کی دونوں رکعتیں فوت ہوگئیں وہ چار رکعت نماز پڑھے، یا آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ ظہر کی نماز پڑھے۔ (دارقطنی)

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ جمعہ کا خلیفہ ظہر ہے جمعہ کی نماز فوت ہونے کی صورت میں ظہر کی نماز ادا کی جائے۔

کلمات حدیث کی تشریح ومن فاتته الرکعتان فلیصل اربعًا مطلب یہ ہے کہ جس کی بالکلیہ جمعہ کی نماز چھوٹ جائے یعنی اس کو نماز کا کوئی جز نہ ملے تو وہ جمعہ کی قضا کے طور پر ظہر کی چار رکعت پڑھے۔ دوسری رکعت میں رکوع کے بعد پہنچنے والا نماز جمعہ میں شامل ہو یا ظہر کی چار رکعت پڑھے، اس میں ائمہ کا اختلاف ہے امام صاحب کے نزدیک سلام پھیرنے سے قبل بھی اگر کوئی پہنچ جائے تو وہ جمعہ کی نماز میں شریک ہو، حدیث باب کی وضاحت امام صاحب کے مذہب کے اعتبار سے کی گئی ہے، بقیہ ائمہ کے نزدیک رکعتِ ثانیہ فوت ہوگئی تو ظہر پڑھنے کا حکم ہے، تفصیل کے لئے حدیث نمبر ۱۳۲۹ دیکھیں۔

باب صلوٰۃ الخوف

﴿خوف کی نماز کا بیان﴾

باب صلوٰۃ الخوف کے تحت چھ روایتیں درج کی گئی ہیں جن کا تعلق صلوٰۃ الخوف اوران کے طریقوں سے ہے، یہ نماز دشمن یا کسی درندہ کے خوف کے وقت مشروع ومسنون ہے، قرآن کریم میں ہے فَاِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالاً اَوْ رُکْبَانًا فَاِذَا اَمِنْتُمْ فَاذْکُرُوْا اللّٰہَ کَمَا عَلَّمَکُمْ مَالَمْ تَکُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ. (سورہ بقرہ)

پھر اگر تمہیں خوف ہوتو پیادہ یا سوار ہی (پڑھ لیا کرو) پھر جب امن پاؤ تو اللہ کو یاد کرو جیسا کہ اس نے تمہیں سکھایا ہے جو تم نہیں جانتے تھے۔ آپ ﷺ نے صلوٰۃ الخوف سب سے پہلے غزوہ ذات الرقاع ہیں یا عسفان میں یا غزوہ بنونضیر میں پڑھی ہے علماء کی رائیں مختلف ہیں صلوٰۃ الخوف آپ ﷺ نے کتنی مرتبہ پڑھی ہے اس میں بھی اختلاف ہے، شامی میں ہے کہ آپ ﷺ نے یہ نماز چوبیس مرتبہ پڑھی ہے، (شامی ۱:۶۲۷) امام ابوداؤد اور ابن المنذر نے آٹھ، ابن حبان نے اپنی صحیح میں نو، ابن حزم نے ایک مستقل رسالہ میں چودہ اور ابوالفضل عراقی نے سترہ صورتیں بیان کی ہیں معارف السنن، (رحمۃ اللہ الواسعہ ۳/۵۶۳) صلوٰۃ الخوف کی ادائیگی کی مختلف صورتیں حدیث سے ثابت ہیں جہاں تک جواز کی بات ہے تو حدیث صحیح سے منقول سب طریقوں پر صلوٰۃ الخوف صحیح ہے، البتہ ائمہ ثلاثہ نے سہل بن ابی حثمہ رضی اللہ عنہ سے منقول روایت پر عمل کو ترجیح دیا ہے، جو بخاری کی روایت ہے، اور امام ابوحنیفہؒ نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت پر عمل کو ترجیح دی ہے صلوٰۃ الخوف منقول طریقوں پر نماز اس وقت ہے جب کہ سب لوگ ایک ہی امام کے پیچھے نماز پڑھنے کے خواہاں ہوں، ورنہ ہر جماعت کو مستقل امام پوری نماز پڑھائے گا، صلوٰۃ الخوف کا حکم آپ ﷺ کی وفات کے بعد باقی ہے بعض ائمہ آپ ﷺ کی وفات کے بعد اس حکم کے منسوخ ہونے کے قائل ہیں لیکن ائمہ اربعہ متفق ہیں کہ آپ ﷺ کی وفات کے بعد بھی یہ حکم باقی ہے صلوٰۃ الخوف منسوخ نہیں ہے، بدائع الصنائع۔

الفصل الاول

حدیث نمبر ۱۳۳۷ ﴿صلاۃ الخوف کا طریقہ﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۴۲۰

عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ غَزَوْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ قِبَلَ نَجْدٍ فَوَازَيْنَا الْعَدُوَّ فَصَافَفْنَا لَهُمْ فَقَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يُصَلِّيْ لَنَا فَقَامَتْ طَائِفَةٌ مَعَهٗ وَاَقْبَلَتْ طَائِفَةٌ عَلَى الْعَدُوِّ وَرَكَعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بِمَنْ مَعَهٗ وَسَجَدَ سَجْدَتَيْنِ ثُمَّ انْصَرَفُوْا مَكَانَ الطَّائِفَةِ الَّتِيْ لَمْ تُصَلِّ فَجَآءُوْا فَرَكَعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بِهِمْ رَكْعَةً وَّسَجَدَ سَجْدَتَيْنِ ثُمَّ سَلَّمَ فَقَامَ كُلُّ وَاحِدٍ مِّنْهُمْ فَرَكَعَ لِنَفْسِهٖ رَكْعَةً وَّسَجَدَ سَجْدَتَيْنِ وَرَوٰى نَافِعٌ نَّحْوَهٗ وَزَادَ فَاِنْ كَانَ خَوْفٌ هُوَ اَشَدُّ مِنْ ذٰلِكَ صَلُّوْا رِجَالًا قِيَامًا عَلٰى اَقْدَامِهِمْ اَوْرُكْبَانًا مُّسْتَقْبِلِي الْقِبْلَةِ

نماز میں شریک تھے، ایک رکوع اور دو سجدے کئے، پھر یہ جماعت اس جماعت کی جگہ پر واپس آگئی، جس نے ابھی نماز نہیں پڑھی تھی، تو وہ لوگ آگئے، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے ان کے ساتھ ایک رکوع اور دو سجدے کئے پھر آپ ﷺ نے سلام پھیر دیا، پھر ان میں سے ہر ایک کھڑا ہوا، اور علاحدہ علاحدہ اپنا ایک رکوع اور دو سجدے کئے، اور نافعؒ نے اسی کے مانند روایت نقل کی ہے، اور مزید بیان کیا "اگر خوف زیادہ ہو تو نماز پڑھو پیادہ اپنے پیروں پر کھڑے ہو کر یا سوار رہ کر قبلہ کی طرف رخ کئے ہو، یا نہ کیے ہو نافعؒ نے کہا کہ میں گمان کرتا ہوں کہ اس روایت کو حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے رسول اللہ ﷺ ہی سے روایت کیا ہے۔ (بخاری)

خلاصۂ حدیث اس حدیث میں "صلاۃ الخوف" کی ادائیگی کا طریقہ مذکور ہے، احادیث میں صلاۃ الخوف کی ادائیگی کے بہت سے طریقے ثابت ہیں لیکن حدیث باب میں حضرت ابن عمرؓ کی سند سے جو طریقہ مذکور ہے وہی سب سے بہتر ہے، کیوں کہ یہ قرآن کے بیان کردہ طریقے کے سب سے قریب ہے، اور یہ حدیث بھی سند و متن کے اعتبار سے بہت قوی ہے، حضرت امام ابوحنیفہؒ نے اس طریقے کو اختیار کیا ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح **غزوت مع رسول اللّٰہ ﷺ** حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ نجد کی طرف ایک غزوہ میں آپ ﷺ کے ساتھ میں شریک ہوا، اس موقع پر آپ ﷺ نے صلاۃ الخوف ادا فرمائی۔

سوال: سب سے پہلے آپ ﷺ نے صلاۃ الخوف کب ادا کی؟

جواب: صلاۃ الخوف کس سن اور کس موقع پر ہوئی اس میں اختلاف ہے ابوداؤد کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی مشروعیت غزوہ عسفان" کے موقع پر ہوئی جو کہ ٦ھ میں ہوا ہے، اس قول کو زاد المعاد" میں علامہ ابن القیمؒ نے اختیار کیا ہے، ابوداؤد کی روایت یوں ہے، **كنا مع رسول الله ﷺ بعسفان وعلى المشركين خالدبن وليد، فصلينا الظهرفقال المشركون، لقداصبحنا غرة أصبحنا غفلة لوكنا حملنا عليهم وهم فى الصلاة، فنزلت آية القصر بين الظهر والعصرفلماحضرت العصر قام رسول الله ﷺ** اس روایت کا حاصل یہ ہے کہ ابوعیاشؓ کہتے ہیں کہ ہم صحابہ نے حضورؐ کے ساتھ مقام عسفان میں نماز پڑھی، اس موقع پر مشرکین کے لشکر کے امیر خالد بن ولید تھے، جب صحابہ نماز پڑھ کر فارغ ہو گئے تو مشرکین کہنے لگے ہم سے بڑی غلطی ہو گئی، ہم نے موقع گنوا دیا، کیا اچھا ہوتا کہ ہم اس موقع پر ان پر حملہ کر دیتے، اللہ تبارک وتعالیٰ نے ظہر اور عصر کے درمیان آیت قصر نازل فرمادی، چنانچہ آپ ﷺ نے عصر کی نماز قصر ہی پڑھی، اور مشرکین اپنے ارادہ میں خائب وخاسر ہوئے، ہم نے یہ بات کہ مشرکین اپنے ارادہ میں خائب وخاسر ہوئے اس لئے لکھی کہ اس موقع پر مشرکین نے یہ ارادہ کر لیا تھا کہ عصر کی نماز میں حملہ کر دیں گے جیسا کہ دیگر روایت سے ثابت ہے، تفصیل کے لئے (بذل ص نمبر ۲۵۴ ج ۲) ابوداؤد کی ایک دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ صلاۃ الخوف کی ابتداء غزوہ ذات الرقاع سے ہوئی، ابوداؤد کی وہ روایت یوں ہے، **عن مروان بن الحكم انه سال ابا هريرة هل صليت مع رسول الله ﷺ صلاة الخوف قال أبوهريرة نعم قال مروان متى قال أبوهريرة عام غزوة نجد** امام بخاریؒ کی تحقیق کے مطابق یہ غزوہ ٧ھ میں پیش آیا اس حدیث سے معلوم ہوا کہ صلاۃ الخوف کی مشروعیت غزوۂ ذات الرقاع میں ہوئی۔ **فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم يصلى لنا** آپ ﷺ نے صحابہ کو" صلاۃ الخوف" پڑھائی خوف کے موقع پر "صلاۃ الخوف" کے لیے دو جماعتیں الگ الگ کرلی جائیں لیکن اگر تمام لوگ ایک امام کے پیچھے نماز پڑھنا چاہتے ہوں تو پھر وہ طریقہ اختیار کیا جائے جو حدیث میں مذکور ہے۔

صلاۃ الخوف ادائیگی کا طریقہ اور اختلاف ائمہ

حنفیہ کا طریقہ: فوج کے دو حصے کر لئے جائیں، ایک حصہ دشمن کے مقابلہ پر رہے، اور دوسرے حصہ کو امام اگر مسافر ہے تو ایک رکعت اور مقیم ہے تو دو رکعتیں پڑھائے پھر یہ جماعت دشمن کے مقابلہ پر چلی جائے، اور دوسری جماعت جو دشمن کے مقابل ہے، آکر صف بنائے، اور

نماز شروع کرے پھر امام اس کو مسافر ہونے کی حالت میں ایک رکعت اور مقیم ہونے کی حالت دو رکعت پڑھائے، پھر امام سلام پھیر دے، امام کے سلام پھیرنے کے بعد یہ جماعت بغیر سلام پھیرے دشمن کی طرف چلی جائے، اور پہلی جماعت واپس آئے، اور صف بنا کر لاحق کی طرح یعنی قرأت کے بغیر ایک یا دو رکعت نماز پڑھ کر پوری کرے، پھر وہ دشمن کے مقابلہ میں چلی جائے، اور پھر دوسری جماعت آئے اور وہ بھی صف بنا کر مسبوق کی طرح یعنی قرأت کے ساتھ نماز پوری کرے اور سلام پھیرے، یہی طریقہ حدیث سے ثابت ہے۔

ائمہ ثلاثہ کا طریقہ امام پہلی جماعت کو ایک یا دو رکعت پڑھائے، پھر وہ جماعت باقی نماز اسی وقت لاحق کی طرح پوری کر کے دشمن کے مقابلہ میں جائے، اور امام اس درمیان دوسری جماعت کا انتظار کرتا ہے، جب دوسری جماعت آکر صف بنالے تو امام ایک رکعت یا دو رکعت پڑھا کر سلام پھیرے اور یہ جماعت مسبوق کی طرح اپنی نماز پوری کرلے، ائمہ ثلاثہ نے جو طریقہ اختیار کیا ہے، وہ سہل بن ابی حثمہ کی روایت سے ثابت ہے، یہ روایت ترمذی میں ہے، ائمہ ثلاثہ نے یہ طریقہ اس لئے اختیار کیا ہے کہ اس میں نقل و حرکت نہیں ہوتی ہے۔ (مستفاد تحفۃ الالمعی)

طریقہ حنفیہ کی وجہ ترجیح (۱) امام ابو حنیفہؒ نے جو طریقہ اختیار کیا ہے وہ قرآن مجید کی آیت "فاذ اسجد وافلیکونوا من ورائکم الخ" کے مطابق ہے، کیوں کہ اس سے معلوم ہوا کہ جماعت اولیٰ سجدہ کرتے ہی واپس چلی جائے، (۲) شوافع نے جو طریقہ اختیار کیا ہے اس میں قلب موضوع لازم آتا ہے، کیوں کہ اس میں امام کو مقتدی کے تابع ہو کر ان کا انتظار کرنا پڑتا ہے، (۳) ابن عمرؓ کی روایت اعلیٰ درجہ کی ہے، اس میں سند و متن کے اعتبار سے کوئی اختلاف نہیں ہے، جب کہ سہل بن ابی حثمہ کی روایت میں سند و متن کے اعتبار سے اختلاف ہے، فان کان خوف اشد اس میں اس بات کا بیان ہے کہ اگر دشمن کی جانب سے خطرہ شدید ہو اور جماعت سے نماز پڑھنے میں ضرر کا اندیشہ ہو تو تنہا تنہا نماز پڑھی جائے، رکوع وسجدے کا موقع نہ ہو تو کھڑے کھڑے یا سوار رہ کر بغیر رکوع وسجدہ کیے اشارہ سے نماز پڑھ لی جائے۔

حدیث نمبر ۱۳۳۸ ﴿صلاۃ الخوف کا دوسرا طریقہ﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۴۲۱

وَعَنْ يَزِيْدَ بْنِ رُوْمَانَ عَنْ صَالِحِ بْنِ خَوَّاتٍ عَمَّنْ صَلّٰى مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ يَوْمَ ذَاتِ الرِّقَاعِ صَلٰوةَ الْخَوْفِ اِنَّ طَآئِفَةً صَفَّتْ مَعَهٗ وَطَآئِفَةٌ وِّجَاهَ الْعَدُوِّ فَصَلّٰى بِالَّتِيْ مَعَهٗ رَكْعَةً ثُمَّ ثَبَتَ قَآئِمًا وَّاَتَمُّوْا لِاَنْفُسِهِمْ ثُمَّ انْصَرَفُوْا فَصَفُّوْا وِجَاهَ الْعَدُوِّ وَجَاءَتِ الطَّآئِفَةُ الْاُخْرٰى فَصَلّٰى بِهِمُ الرَّكْعَةَ الَّتِيْ بَقِيَتْ مِنْ صَلٰوتِهٖ ثُمَّ ثَبَتَ جَالِسًا وَّاَتَمُّوْا لِاَنْفُسِهِمْ ثُمَّ سَلَّمَ بِهِمْ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَاَخْرَجَ الْبُخَارِيُّ بِطَرِيْقٍ اٰخَرَ عَنِ الْقَاسِمِ عَنْ صَالِحِ بْنِ خَوَّاتٍ عَنْ سَهْلِ بْنِ اَبِيْ حَثْمَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ .

حوالہ: بخاری ص نمبر ۲۹۲ ج۲، باب غزوۃ ذات الرقاع، کتاب المغازی، حدیث نمبر ۱۴۲۹، مسلم ص نمبر ۲۷۹ ج۱، باب صلاۃ الخوف، کتاب صلاۃ المسافرین، حدیث نمبر ۸۴۲.

ترجمہ: حضرت یزید بن رومانؒ حضرت صالح بن خواتؒ سے روایت کرتے ہیں اور وہ ان صحابی سے روایت کرتے ہیں جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ غزوہ ذات الرقاع" میں حضور ﷺ کے ساتھ "صلاۃ الخوف" پڑھی، ایک جماعت نے حضور ﷺ کے ساتھ صف باندھی اور دوسری جماعت دشمن کے مقابلے میں رہی آپ ﷺ نے اس جماعت کے ساتھ جو آپ ﷺ کے پیچھے تھی ایک رکعت نماز پڑھی اور آپ ﷺ کھڑے رہے اس دوران آپ ﷺ کے پیچھے ایک رکعت ادا کرنے والی جماعت نے اپنی نماز خود پوری کی" پھر یہ جماعت وہاں سے ہٹ کر دشمن کے سامنے صف بستہ ہوگئی، اور دوسری جماعت آگئی پھر آپ ﷺ نے ان کے ساتھ اپنی دوسری رکعت جو باقی رہ گئی تھی، پڑھی، پھر آپ ﷺ بیٹھے رہے، اور دوسری جماعت نے اپنی نماز پوری کی، پھر آپ ﷺ نے اس جماعت کے

ساتھ سلام پھیرا، (بخاری ومسلم) بخاری نے اس روایت کو ایک دوسری سند سے بھی روایت کیا ہے جو کہ یوں ہے"عن القاسم عن صالح بن خوات، عن سهل بن ابی حثمة عن النبی ﷺ"

خلاصہ حدیث جیسا کہ میں نے پہلے عرض کیا کہ"صلاة الخوف" کی ادائیگی کے بہت سے طریقے ہیں، ایک طریقہ اس حدیث میں بھی نقل ہوا ہے، اسی طریقہ کو ائمہ ثلاثہ نے اختیار کیا ہے، اس طریقہ کی وضاحت میں نے گذشتہ حدیث میں کردی ہے، اس طریقہ کو ائمہ ثلاثہ اس لئے اختیار کرتے ہیں کہ اس میں دوران صلاۃ نقل وحرکت نہیں ہے لیکن امام ابوحنیفہ اس طریقہ کو اس لیے اختیار نہیں کیا کہ اس میں امام سے پہلے ہی نماز سے ایک جماعت فارغ ہوجاتی ہے، اور دوسری جماعت کا امام کو انتظار کرنا پڑتا ہے، اور یہ دونوں قلب موضوع کے قبیل سے ہیں، اور جہاں نقل وحرکت کا معاملہ ہے، تو اس موقع پر شریعت نے اجازت دی ہے، لہٰذا اس میں کوئی قباحت نہیں رہی، جیسا کہ حدث لاحق ہونے کے وقت نقل وحرکت کی شریعت نے اجازت دی ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح ذات الرقاع اس غزوہ کو ذات الرقاع اس وجہ سے کہا جاتا ہے کہ صحابہ کرام سواری کی کمی کی وجہ سے بہت زیادہ پیدل چلے، چلتے چلتے، لوگوں کے پیر پھٹ گئے، انہوں نے چیتھڑے لپیٹ لیے، اس لئے اس غزوہ کا نام ذات الرقاع پڑا۔

سوال: غزوہ ذات الرقاع کب پیش آیا؟

جواب: اس کی تاریخ وقوع میں بہت اختلاف ہے لیکن امام بخاری کے قول کے مطابق ۷ھ میں خیبر کے بعد پیش آیا۔

سوال: اس غزوہ کا کیا نتیجہ برآمد ہوا؟

جواب: آپ ﷺ چار سو صحابہ کو لے کر نجد کی طرف روانہ ہوئے، جب آپ ﷺ نجد پہنچے تو کچھ لوگ غطفان سے ملے، مگر لڑائی کی نوبت نہیں آئی، رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو صلاۃ الخوف پڑھائی، ایک قول کے مطابق صلاۃ الخوف اسی موقع پر شروع ہوئی، صلاۃ الخوف کا طریقہ ادا کے حوالے سے تفصیلات کے لئے گذشتہ حدیث دیکھیں۔

حدیث نمبر ۳۳۹ ☆☆☆ عالمی حدیث نمبر ۱۴۲۲

﴿ذات الرقاع میں صلاۃ الخوف کی ادائیگی اورایک اہم واقعہ﴾

وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ اَقْبَلْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ حَتّٰی اِذَا كُنَّا بِذَاتِ الرِّقَاعِ قَالَ كُنَّا اِذَا اَتَيْنَا عَلٰی شَجَرَةٍ ظَلِيْلَةٍ تَرَكْنٰهَا لِرَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَجَاءَ رَجُلٌ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ وَسَيْفُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُعَلَّقٌ بِشَجَرَةٍ فَاَخَذَ سَيْفَ نَبِيِّ اللّٰهِ ﷺ فَاخْتَرَطَهٗ فَقَالَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ اَتَخَافُنِيْ قَالَ لَا قَالَ فَمَنْ يَّمْنَعُكَ مِنِّيْ قَالَ اللّٰهُ يَمْنَعُنِيْ مِنْكَ قَالَ فَتَهَدَّدَهٗ اَصْحَابُ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَغَمَدَ السَّيْفَ وَعَلَّقَهٗ قَالَ فَنُوْدِيَ بِالصَّلٰوةِ فَصَلّٰی بِطَآئِفَةٍ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ تَاَخَّرُوْا وَصَلّٰی بِالطَّآئِفَةِ الْاُخْرٰی رَكْعَتَيْنِ قَالَ فَكَانَتْ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ اَرْبَعُ رَكَعَاتٍ وَّلِلْقَوْمِ رَكْعَتَانِ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حوالہ: بخاری ص نمبر ۵۹۳ ج۲، باب غزوۃ ذات الرقاع، کتاب المغازی، حدیث نمبر ۴۱۳۶، مسلم، ص نمبر ۲۷۹ ج۱۔

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ روانہ ہوئے، یہاں تک کہ ہم ذات الرقاع میں پہنچے، حضرت جابر کہتے ہیں کہ ہم ایک سایہ دار درخت کے پاس آئے، تو ہم نے اس کو رسول اللہ ﷺ کیلئے چھوڑ دیا، حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ ایک مشرک اس عالم میں آیا کہ آپ ﷺ کی تلوار درخت سے لٹک رہی تھی، چنانچہ اس نے نبی کریم ﷺ کی تلوار لی، اس کو میان سے کھینچا، اور رسول

اللہ ﷺ سے کہنے لگا، کہ کیا مجھ سے ڈرتے ہو، آپ ﷺ نے فرمایا کہ نہیں، اس نے پوچھا کہ تمہیں مجھ سے کون بچائے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ مجھ کو تم سے اللہ بچائیں گے، حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ صحابہؓ نے اس کو ڈرایا، چنانچہ اس نے تلوار میان میں ڈال دی اور اس کو لٹکا دیا حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ پھر نماز کے لئے اذان دی گئی، تو آپ ﷺ نے ایک جماعت کو دو رکعت نماز پڑھائی پھر یہ جماعت پیچھے ہوگئی اور آپ ﷺ نے دوسری جماعت کو دو رکعت نماز پڑھائی راوی کہتے ہیں کہ چنانچہ رسول اللہ ﷺ کی چار رکعت ہوگئیں، اور لوگوں کی دو رکعتیں ہوئیں۔ (بخاری و مسلم)

خلاصۂ حدیث اس حدیث میں دو باتیں اہم ہیں، (۱) غزوہ ذات الرقاع کے موقع پر آپ ﷺ آرام فرمارہے تھے، کہ ایک مشرک نے جسکا نام غورث بن حارث تھا، آپ ﷺ پر تلوار کھینچ لی، اور آپ ﷺ کو قتل کرنا چاہا، لیکن آپکی دلیری و ثابت قدمی دیکھکر وہ گھبرا گیا، اور اسنے تلوار رکھدی، ایک روایت میں ہے کہ حضرت جبرئیل نے اس کے سینے پر مارا تو خوف کی وجہ سے تلوار اس کے ہاتھ سے گرگئی، آپ ﷺ نے تلوار اٹھائی اور فرمایا بتاؤ تم کو مجھ سے کون بچائے گا، اس نے کہا کہ کوئی نہیں، آپ ﷺ نے اس کو چھوڑ دیا، پھر صحابہ کرام جمع ہوگئے، بعد میں غورث مسلمان ہوکر اپنی قوم میں گئے اور بہت سے لوگ ان کی دعوت پر مشرف باسلام ہوئے، (۲) اس حدیث میں صلاۃ الخوف کی ادائیگی کا بھی ذکر ہے، آپ ﷺ نے چار رکعت نماز پڑھی، اور بقیہ لوگوں نے باری باری دو رکعت جماعت سے ادا کی ممکن ہے کہ سب لوگ مقیم ہوں اور قوم کے لوگوں نے دو دو رکعت علاحدہ ادا کی ہوں اگرچہ راوی نے اس کا ذکر نہیں کیا ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح فکانت لرسول اللہ ﷺ اربع رکعات وللقوم رکعتان آپ ﷺ نے چار رکعت پڑھی اور قوم نے دو دو رکعت ادا کی۔

اشکال: گزشتہ حدیث بھی غزوۂ ذات الرقاع سے متعلق تھی، اس میں قوم کے ایک ایک رکعت پڑھنے کا ذکر تھا، اسی غزوہ کے بارے میں یہاں دو رکعت پڑھنے کا ذکر ہے، یہ اختلاف کیوں ہوا۔

جواب: غزوۂ ذات الرقاع کے نام سے دو غزوہ ہیں، دونوں میں آپ ﷺ کا عمل الگ رہا، اسلئے یہ اختلاف ہوا، ایک موقع پر آپ ﷺ مقیم تھے اور دوسرے موقع پر آپ ﷺ مسافر تھے، اسلئے ایک جگہ آپ ﷺ نے دو رکعت نماز پڑھائی، اور قوم نے ایک رکعت آپ ﷺ کے پیچھے اور ایک تنہا ادا کی، اور ایک موقع پر آپ ﷺ نے چار رکعت ادا کی اور قوم نے دو رکعت آپ ﷺ پیچھے اور دو تنہا ادا کی اور یہ ممکن ہے کہ دونوں موقعوں پر آپ ﷺ مسافر رہے ہوں لیکن ایک موقع آیت قصر کے نزول سے پہلے کا ہو، اور دوسرا موقع آیت نزول کے بعد کا ہو۔

حدیث نمبر ۱۳۴۰ ﴿صلاۃ الخوف کی ادائیگی کا ایک اور طریقہ﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۴۲۳

وَعَنْهُ قَالَ صَلّٰى بِنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ صَلٰوةَ الْخَوْفِ فَصَفَفْنَا خَلْفَهُ صَفَّيْنِ وَالْعَدُوُّ بَيْنَنَا وَبَيْنَ الْقِبْلَةِ فَكَبَّرَ النَّبِيُّ ﷺ وَكَبَّرْنَا جَمِيْعًا ثُمَّ رَكَعَ وَرَكَعْنَا جَمِيْعًا ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوْعِ وَرَفَعْنَا جَمِيْعًا ثُمَّ انْحَدَرَ بِالسُّجُوْدِ وَالصَّفُّ الَّذِيْ يَلِيْهِ وَقَامَ الصَّفُّ الْمُؤَخَّرُ فِيْ نَحْرِ الْعَدُوِّ فَلَمَّا قَضَى النَّبِيُّ ﷺ السُّجُوْدَ وَقَامَ الصَّفُّ الَّذِيْ يَلِيْهِ انْحَدَرَ الصَّفُّ الْمُؤَخَّرُ بِالسُّجُوْدِ ثُمَّ قَامُوْا ثُمَّ تَقَدَّمَ الصَّفُّ الْمُؤَخَّرُ وَتَأَخَّرَ الْمُقَدَّمُ ثُمَّ رَكَعَ النَّبِيُّ ﷺ وَرَكَعْنَا جَمِيْعًا ثُمَّ رَفَعَ رَاْسَهُ مِنَ الرُّكُوْعِ وَرَفَعْنَا جَمِيْعًا ثُمَّ انْحَدَرَ بِالسُّجُوْدِ وَالصَّفُّ الَّذِيْ يَلِيْهِ الَّذِيْ كَانَ مُؤَخَّرًا فِي الرَّكْعَةِ الْاُوْلٰى وَقَامَ الصَّفُّ الْمُؤَخَّرُ فِيْ نَحْرِ الْعَدُوِّ فَلَمَّا قَضَى النَّبِيُّ ﷺ السُّجُوْدَ وَالصَّفُّ الَّذِيْ يَلِيْهِ انْحَدَرَ الصَّفُّ الْمُؤَخَّرُ بِالسُّجُوْدِ فَسَجَدُوْا ثُمَّ سَلَّمَ النَّبِيُّ ﷺ وَسَلَّمْنَا جَمِيْعًا رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

حوالہ: مسلم ص نمبر ۲۷۸ ج ۱ باب صلاۃ الخوف، کتاب صلاۃ المسافرین، حدیث نمبر ۸۴۰۔

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں صلاۃ الخوف اس طور پر پڑھائی کہ ہم نے آپ ﷺ کے پیچھے دو صفیں بنالیں، اور دشمن ہمارے اور قبلہ کے درمیان تھا، پھر نبی کریم ﷺ نے تکبیر تحریمہ کہی، اور ہم سب نے بھی تکبیر تحریمہ کہی، پھر آپ ﷺ نے رکوع فرمایا اور ہم سب نے رکوع کیا، پھر آپ ﷺ نے رکوع سے سر مبارک اٹھایا، پھر آپ ﷺ سجدہ کیلئے جھکے، اور وہ صف سجدہ میں گئی جو آپ ﷺ کے قریب تھی، اور پچھلی صف دشمن کے مقابلہ میں رہی، جب نبی کریم ﷺ سجدے سے فارغ ہوگئے، اور آپ کے قریب والی بھی صف کھڑی ہوگئی، تو پچھلی صف سجدے کیلئے جھکی، پھر وہ کھڑے ہوئے، اسکے بعد پچھلی صف والے آگے آگئے، اور اگلی صف والے پیچھے ہونے لگے، پھر نبی کریم ﷺ نے رکوع کیا اور ہم سب نے رکوع کیا، پھر آپ ﷺ نے رکوع سے سر اٹھایا اور ہم سب نے بھی رکوع سے سر اٹھایا، پھر آپ ﷺ سجدے کیلئے جھکے اور وہ صف بھی سجدہ میں گئی جو کہ آپ ﷺ کے قریب تھی، جو کہ پہلی رکعت میں پیچھے تھی، اور پچھلی صف دشمن کے مقابلہ میں رہی، پھر جب نبی کریم ﷺ سجدہ سے فارغ ہوگئے، اور وہ صف بھی سجدہ کر چکی جو کہ آپ ﷺ کے قریب تھی، تو پچھلی صف سجدہ کے لئے جھکی تو انہوں نے بھی سجدہ مکمل کرلیے، پھر نبی کریم ﷺ نے سلام پھیرا اور ہم سب نے بھی سلام پھیرا۔ (مسلم)

خلاصۂ حدیث آپ ﷺ نے متعدد مرتبہ صلاۃ الخوف ادا کی ہے، اور مختلف طریقوں سے ادا کی ہے، جب جیسے حالات ہوئے اس کے مطابق آپ ﷺ نے صلاۃ الخوف ادا کی، اس روایت میں جو طریقہ ہے اس میں تمام لوگوں نے نماز ایک ساتھ ادا کی، صرف سجدہ کے وقت ایک جماعت سجدہ میں گئی، اور دوسری دشمن کے مقابلہ میں رہی، اس طور پر جماعت ادا کرنے کی وجہ یہ تھی کہ دشمن قبلہ کی طرف ہی تھا، لہٰذا عین نماز کے عالم میں بھی وہ سامنے تھا، لہٰذا جماعت الگ الگ کرنے کی ضرورت نہ تھی، البتہ سجدے کے عالم میں حملہ کا اندیشہ تھا، لہٰذا سجدہ کے وقت ایک جماعت سجدے میں جاتی اور دوسری دشمن پر نظر رکھتی۔

کلمات حدیث کی تشریح صلی بنا رسول اللہ ﷺ صلاۃ الخوف رسول اللہ ﷺ نے ہمیں صلاۃ الخوف پڑھائی، آپ ﷺ نے چار مواقع پر صلاۃ الخوف پڑھی ہے، (۱) ذات الرقاع (۲) بطن نخل (۳) ذی قرد، (۴) عسفان، اور ایک ایک جگہ پر کئی کئی نمازیں مختلف طریقوں سے پڑھائی ہیں اسی وجہ سے بعض لوگوں نے نقل کیا ہے کہ آپ ﷺ سے ۲۴ طریقوں پر صلاۃ الخوف پڑھنا ثابت ہے، اس موقع پر آپ ﷺ نے جو صلاۃ الخوف پڑھی وہ عسفان کے مقام پر پڑھی ہے، طریقہ نماز ترجمہ سے واضح ہے۔

الفصل الثانی

حدیث نمبر ۱۳۴۱ ﴿ظہر کے وقت صلاۃ الخوف پڑھنے کا ذکر﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۴۲۴

عَنْ جَابِرٍ، انَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يُصَلِّي بِالنَّاسِ صَلٰوةَ الظُّهْرِ فِي الْخَوْفِ بِبَطْنِ نَخْلٍ فَصَلّٰى بِطَآئِفَةٍ رَّكْعَتَيْنِ ثُمَّ سَلَّمَ ثُمَّ جَآءَ طَآئِفَةٌ أُخْرٰى فَصَلّٰى بِهِمْ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ سَلَّمَ رَوَاهُ فِي شَرْحِ السُّنَّةِ.

حوالہ: البغوی فی شرح السنة، باب من قال تقوم الطائفة الاولیٰ الخ کتاب الصلاة، حدیث نمبر ۱۰۹۴.

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے بطن نخل" میں خوف کی بنا پر ظہر کی نماز اس طرح پڑھائی کہ ایک جماعت کو دو رکعت پڑھائی پھر سلام پھیرا، پھر دوسری جماعت آئی اس کو دو رکعت پڑھائی اور سلام پھیرا۔

(اس کو صاحب مصابیح نے شرح السنۃ میں نقل کیا ہے)

خلاصۂ حدیث اس حدیث میں صلاۃ الخوف کی ادائیگی کا ایک اور طریقہ مذکور ہے، اس میں آپ ﷺ نے دو جماعتوں کو دو دو رکعت پڑھائی اور دو مرتبہ سلام پھیرا اس حدیث سے بظاہر شوافع کے مذہب کی تائید ہوتی ہے کہ اقتداء المفترض خلف المتنفل جائز ہے، کہ پہلی جماعت کو جب آپ ﷺ نے دو رکعت پڑھائی تو آپ ﷺ کا فریضہ بھی ادا ہوگیا، اور آپ ﷺ نے نفل کی نیت سے نماز پڑھائی، معلوم ہوا کہ اقتداء المفترض خلف المتنفل جائز ہے، حنفیہ اس کے خلاف ہیں، اس مسئلہ کی مزید تحقیق کے لئے

حدیث نمبر ۱۳۱۲ دیکھیں۔

کلمات حدیث کی تشریح ثم سلم ،آپ ﷺ نے دورکعت پڑھا کر سلام پھیر دیا، یہ حدیث بظاہر حنفیہ کے خلاف ہے، جیسا کہ گزشتہ سطور میں اس کی وضاحت کی گئی، حنفیہ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ کا یہ عمل اس وقت کا ہے، جب ایک فریضہ کو دوبارہ ادا کرنا جائز تھا، لہٰذا آپ ﷺ نے دونوں جماعتوں کو فرض کی نیت سے پڑھائی ہے بعد میں یہ عمل منسوخ ہو گیا،

الفصل الثالث

حدیث نمبر ۱۳۴۲ ﴿صلاۃ الخوف کی مشروعیت﴾ عالمی حدیث نمبر ۱٤۲۵

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ نَزَلَ بَیْنَ ضَجْنَانَ وَعُسْفَانَ فَقَالَ الْمُشْرِكُوْنَ لِهٰؤُلَاءِ صَلٰوةٌ هِیَ اَحَبُّ اِلَیْهِمْ مِنْ اٰبَائِهِمْ وَاَبْنَائِهِمْ وَهِیَ الْعَصْرُ فَاَجْمِعُوْا اَمْرَكُمْ فَتَمِیْلُوْا عَلَیْهِمْ مَیْلَةً وَّاحِدَةً وَّاِنَّ جِبْرِیْلَ اَتَی النَّبِیَّ ﷺ فَاَمَرَهٗ اَنْ یَّقْسِمَ اَصْحَابَهٗ شَطْرَیْنِ فَیُصَلِّیْ بِهِمْ وَتَقُوْمُ طَآئِفَةٌ اُخْرٰی وَرَآئَهُمْ وَلْیَاْخُذُوْا حِذْرَهُمْ وَاَسْلِحَتَهُمْ فَتَكُوْنُ لَهُمْ رَكْعَةٌ وَّلِرَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ رَكْعَتَانِ رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَالنَّسَائِیُّ۔

حوالہ: ترمذی، ص نمبر ۱۳۳ ج ۲، باب ومن سورۃ النساء کتاب تفسیر القرآن حدیث نمبر ۳۰۳۵، نسائی ص نمبر ۱۷۵ ج ۱، کتاب صلاۃ الخوف، حدیث نمبر ۱۵٤۳۔

ترجمه: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ "ضَجْنَانَ" اور "عسفان" کے درمیان اترے تو مشرکین نے آپس میں کہا کہ ان مسلمانوں کی ایک نماز ہے جو ان کو اپنے باپوں اور بیٹوں سے بھی زیادہ محبوب ہے، تو تم اپنے مقصد کے لئے تیار رہو، چنانچہ ان پر ایک دم سے ٹوٹ پڑو، حضرت جبرئیل امین رسول اللہ ﷺ کے پاس تشریف لائے اور انہوں نے یہ حکم دیا کہ آپ ﷺ اپنے اصحاب کو دو جماعتوں میں تقسیم کردیں، چنانچہ آپ ﷺ ان میں ایک جماعت کو نماز پڑھائیں، اور دوسری جماعت ان کے پیچھے کھڑی رہے، اور یہ اپنے بچاؤ کا سامان اور اپنے ہتھیار لیے رہیں، تو ان کیلئے ایک ایک رکعت ہوگی اور رسول اللہ ﷺ کی دو رکعت ہوں گی۔ (ترمذی، نسائی)

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ جب آپ ﷺ مذکورہ مقام پر اترے اور آپ نے ظہر کی نماز جماعت کے ساتھ ادا کی تو مشرکین کو بہت افسوس ہوا کہ اگر اسی وقت نماز کی حالت میں حملہ کر دیتے تو مسلمانوں کی غفلت سے ہمیں فائدہ پہنچتا، ہم نے اس اہم موقع کو گنوادیا، تو کچھ لوگوں نے کہا کہ ابھی عصر کی نماز میں ہم یہ کارروائی کریں گے، حضرت جبرئیل امین نے آپ ﷺ کو ان کی سازش کی اطلاع دی، اور صلاۃ الخوف پڑھنے کی تلقین کی، صلاۃ الخوف کا مقصد ہی یہ ہوتا ہے کہ ایک جماعت نماز پڑھے، اور دوسری جماعت حفاظت پر مامور رہے، اور دشمن کے حملہ کا دفاع کرے، چنانچہ دشمنان دین اپنے منصوبوں میں ناکام ہوئے، آپ ﷺ نے ایک ایک رکعت دونوں جماعتوں کو پڑھائی اور ایک ایک رکعت انہوں نے تنہا تنہا ادا لیں۔

کلمات حدیث کی تشریح فامرہ ان یقسم حدیث کے اس جزء سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ، صلاۃ الخوف کی مشروعیت اسی غزوہ سے ہوئی، اور حدیث نمبر ۱۳۳۷ کے تحت یہ بات گذری کہ ابوداؤد کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ صلاۃ الخوف کی مشروعیت غزوہ ذات الرقاع سے ہوئی، حدیث کے اختلاف کی بنا پر علماء کی آرا بھی مختلف ہیں۔

(مزید تحقیق کے لئے مذکورہ بالا حدیث دیکھیں)

باب صلاۃ العیدین ﴿عید الفطر اور عید الاضحی کی نماز کا بیان﴾

"عیدین، عید کا تثنیہ ہے، دو عیدیں، اس سے مراد عید الفطر اور عید الاضحیٰ ہیں "عید" کے معنی ہیں لوٹ کر آنے والی، دیگر ایام کی طرح یہ خوشی کے دن بھی بار بار لوٹ کر آتے ہیں، لیکن چوں کہ ان میں مسرت اور شادمانی ہوتی ہے، اس لیے ان ایام کو خاص طور پر

"عید" کا لقب عطا کیا گیا، بعض لوگ کہتے ہیں کہ نیک شگون لینے کی غرض سے ان ایام کو "عید" کہا جاتا ہے، تاکہ بار بار یہ ایام سرور و خوشی لانے کا سبب بنیں۔ (تقریر بخاری)

اس باب کے تحت ۲۷/۲۷ احادیث ہیں جن میں آپ ﷺ کے عیدگاہ جانے واپس آنے، نماز سے پہلے خطبہ دینے، خطبہ میں لوگوں کو نصیحت کرنے نماز عیدین بغیر اذان و اقامت کے ادا کرنے، عیدگاہ میں عورتوں کے آنے اور ان کے دور ہونے کی وجہ سے ان کے پاس جا کر ان کو نصیحت کرنے، نماز عیدین سے پہلے اور بعد میں سنن نہ پڑھنے، عید کے دن جائز حدود میں رہ کر اظہار مسرت کرنے، دف بجانے عید الفطر میں عیدگاہ جانے سے پہلے افطار کرنے اور عید الاضحیٰ میں نماز کے بعد قربانی کے گوشت سے افطار کرنے، عیدین کی نماز کے لئے آتے جاتے وقت راستوں کے مختلف ہونے، قربانی کا جانور نماز عید کے بعد ذبح کرنے اور نماز سے قبل جانور ذبح کرنے کی ممانعت کا تذکرہ ہے، اسی طرح عیدین کی نمازوں میں زائد تکبیرات اور بارش کی بنا پر عیدین کی نماز مسجد میں پڑھنے کا بیان ہے، نیز اسی قسم کے بعض دیگر مضامین بھی احادیث باب کے تحت مذکور ہیں

عیدین کی مشروعیت ہر قوم اور ہر فرقہ چند دنوں کا انتخاب کر کے ان میں خوشی و مسرت کا اظہار کرتے ہیں، اور ان میں وہ عمدہ لباس زیب تن کرتے ہیں، لذیذ کھانے کھاتے ہیں، گویا کہ خوشی و مسرت کے اظہار کے لئے دن کی تعیین یہ انسانی فطرت کا تقاضہ ہے، لیکن خوشی کے دن میں اظہار مسرت کے ساتھ ہر قوم کا تہوار اپنی تاریخ و روایات اور اپنے عقائد و تصورات کا آئینہ دار بھی ہوتا ہے، اسلام سے پہلے زمانۂ جاہلیت میں اہل مدینہ بھی دو عید مناتے تھے، اس میں ہر طرح کی جاہلی رسوم شامل تھیں، ان میں ایک نیروز اور دوسرے مہرجان کا تہوار تھا، (التعلیق الصبیح) آپ ﷺ نے مسلمانوں کی خوشی و مسرت کے اظہار کے لئے اللہ تعالیٰ کے حکم سے دو دن تجویز فرمائے اور آپ ﷺ نے فرمایا یہ دو دن تمہارے لئے ان سے بہتر ہیں اور یہ عید الفطر اور عید الاضحیٰ ہیں (مشکوٰۃ) یہ دو دن صرف تہوار نہیں بلکہ عبادت کے ایام بھی ہیں اور ان سے ملت ابراہیمی کے شعائر کی تشہیر بھی ہوتی ہے ان دونوں میں زیبائش کے ساتھ دوگانہ عید ادا کرنے کا حکم کیا، اور دیگر عبادتیں شامل کیں تاکہ مسلمانوں کا اجتماع محض تفریحی اجتماعی ہو کر نہ رہ جائے، بلکہ اس کے ذریعہ اللہ کے نام کا بول بالا ہو اور دین اسلام کا فروغ ہو۔ (رحمۃ اللہ الواسعۃ)

دنوں کی تعین میں حکمت عید الفطر کے لئے یکم شوال کی تعیین دو وجہوں سے ہے (۱) اسی دن رمضان کے روزے چھوڑے جائیں (۲) اسی دن صدقۂ فطر ادا کیا جائے، یہ دونوں باتیں ہی خوشی و مسرت کی ہیں، طبعی خوشی بھی ہے اور عقلی خوشی بھی ہوتی ہے، طبعی خوشی تو یہ ہے کہ روزے جیسے اہم کام سے فراغت نصیب ہوگئی، اور عقلی خوشی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی عبادت کی توفیق بخشی، اہل و عیال کو سلامت رکھا، اسی کی خوشی میں اپنا اور اپنے اہل و عیال کا صدقہ ادا کیا جاتا ہے۔

عید الاضحیٰ وہ دن ہے جس سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عظیم قربانی کی یاد وابستہ ہے، اسی دن حضرت ابراہیمؑ نے اپنے لخت جگر کو اللہ کی راہ میں قربان کرنے کا عزم مصمم کر لیا تھا اس عید سے ملتِ حقیقی کے دونوں پیشواؤں کی یاد تازہ ہوتی ہے، اور ان کی زندگی سے یہ سبق ملتا ہے کہ اطاعت و رضامندی کے لئے جان و مال قربان کرنے سے ذرا بھی پیچھے نہ ہٹنا چاہئے۔ (مستفاد رحمۃ اللہ الواسعہ)

نماز عیدین کا حکم امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک عیدین کی نماز واجب ہے، اس لیے کہ تواتر سے یہ بات ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے عیدین کی نماز بغیر ترک کے مواظبت فرائی ہے، نیز قرآنِ مجید کی آیت "ولتکبروا اللہ علی ماھداکم" کا مصداق صلاۃ العید ہی قرار دیا گیا ہے، اور یہاں امر وجوب کے لیے ہے اسی طرح "فصل لربك وانحر" میں بھی صلاۃ العید ہی مراد ہے، اور یہاں بھی امر وجوب کے لئے ہے معلوم ہوا کہ عیدین کی نماز واجب ہے امام شافعیؒ کے نزدیک عیدین کی نماز سنتِ مؤکدہ ہے، اور امام احمدؒ کے نزدیک فرض کفایہ ہے۔

الفصل الاول

حدیث نمبر ۱۳۴۳ ﴿آپ ﷺ کی نماز عیدین کا تذکرہ﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۴۲۶

عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ نِالْخُدْرِیِّ قَالَ کَانَ النَّبِیُّ ﷺ یَخْرُجُ یَوْمَ الْفِطْرِ وَالْاَضْحٰی اِلَی الْمُصَلّٰی فَاَوَّلُ شَیْءٍ یَبْدَأُ بِهِ الصَّلٰوۃُ ثُمَّ یَنْصَرِفُ فَیَقُوْمُ مُقَابِلَ النَّاسِ وَالنَّاسُ جُلُوْسٌ عَلٰی صُفُوْفِهِمْ فَیَعِظُهُمْ وَیُوْصِیْهِمْ وَیَاْمُرُهُمْ وَاِنْ کَانَ یُرِیْدُ اَنْ یَّقْطَعَ بَعْثًا قَطَعَهٗ اَوْ یَاْمُرُ بِشَیْءٍ اَمَرَ بِهٖ ثُمَّ یَنْصَرِفُ (مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

حوالہ: بخاری ص نمبر ۱۳۱ ج ۱، باب الخروج الی المصلی، کتاب العیدین، حدیث نمبر ۹۵۶، مسلم، ص نمبر ۲۹۰ ج ۱، کتاب صلاۃ العیدین، حدیث نمبر ۸۸۹.

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ عیدالفطر اور عیدالاضحیٰ کے دن عیدگاہ تشریف لے جاتے تھے، آپ ﷺ سب سے پہلے نماز پڑھاتے، پھر نماز سے فارغ ہوکر لوگوں کے سامنے کھڑے ہوتے، اور لوگ اپنی اپنی صفوں میں بیٹھے رہتے، آپ ﷺ انہیں وعظ ونصیحت کرتے، اچھی باتوں کا حکم دیتے، پھر اگر کوئی لشکر بھیجنے کا ارادہ ہوتا تو اس کو الگ کردیتے، یا اگر کسی بات کا حکم دینا چاہتے تو اس کا حکم دیتے، پھر آپ ﷺ واپس تشریف لاتے۔ (بخاری ومسلم)

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ آپ ﷺ عیدین کی نماز کی ادائیگی کے لئے مدینہ سے باہر عیدگاہ جایا کرتے تھے، پہلے نماز پڑھاتے تھے، اس کے بعد خطبہ دیتے تھے، خطبہ میں اہم امور کی طرف متوجہ کرتے تھے، اور اس موقع پر اہم فیصلہ بھی آپ ﷺ لیتے تھے۔

کلمات حدیث کی تشریح کان النبی ﷺ یخروج، آپ ﷺ عیدین کی نماز کے لئے نکلتے تھے۔

سوال: عیدین کی نماز کے لئے کس وقت نکلا جائے؟

جواب: عیدین کی نماز کا وقت بالاتفاق ارتفاع شمس سے زوال تک ہے۔

سوال: آپ ﷺ عیدین کی نماز کس وقت ادا کرتے تھے؟

جواب: آپ ﷺ عیدالفطر کی نماز اس وقت ادا فرماتے تھے، جب کہ سورج دو نیزہ کی بلندی پر ہوتا اور عیدالاضحیٰ کی نماز اس وقت پڑھتے جب کہ سورج ایک نیزہ پر ہوتا "کان النبی ﷺ یصلی بنا یوم الفطر والشمس علی قید رمحین والاضحی علی قید رمح" اس سے معلوم ہوا کہ عیدالفطر کی نماز عیدالاضحیٰ کے مقابلہ میں قدرتاخیر سے پڑھنا مسنون ہے۔

سوال: عیدالفطر کو تاخیر سے اور عیدالاضحیٰ کو جلدی پڑھنے میں کیا مصلحت ہے؟

جواب: عیدالاضحیٰ کی نماز سے فراغت کے بعد قربانی اور اس سے متعلق امور کو انجام دینے کی ذمہ داری ہوتی ہے، جب کہ عیدالفطر میں ایسی کوئی ذمہ داری نہیں ہے، نیز عیدالاضحیٰ میں مسنون یہ ہے کہ نماز کے بعد قربانی کے گوشت سے کھائے، اس سے پہلے رکا رہے، جب کہ عید میں ایسا نہیں ہے، ان ہی مصلحتوں کی وجہ سے عیدالاضحیٰ کو مقدم کیا گیا ہے۔

سوال: عیدگاہ پیدل جایا جائے، یا سوار ہوکر؟

جواب: عیدین کی نماز کے لئے عیدگاہ پیدل اور سوار ہوکر دونوں طرح جانا جائز ہے، البتہ افضل پیدل جانا ہے، ترمذی میں حدیث ہے کہ "من السنة ان تخرج الی العید ماشیا، اس کا مطلب یہی ہے کہ افضل پیدل جانا ہے، لیکن ضرورت کے وقت سوار ہوکر جانے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے، فاول شیٔ یبدأ به الصلاۃ، آپ ﷺ پہلے نماز عید پڑھاتے پھر خطبہ دیتے تھے، بخاری شریف کی ایک

روایت میں اس کی صراحت یوں بھی ہے "ان رسول اللہ ﷺ کان یصلی فی الارض والفطر ثم تخطب بعد الصلاۃ، اور یہی طریقہ خلفاء راشدین کا بھی تھا چنانچہ آگے روایت آرہی ہے جس میں شیخین کے بارے میں اسی طریق پر عمل کی صراحت ہے، اور بخاری شریف کی روایت میں تو یوں بھی ہے کہ "عن ابن عباس قال شھدت العید مع رسول اللہ ﷺ وابو بکر وعمر وعثمان فکلھم کانوا یصلون قبل الخطبۃ"

یہیں سے یہ بات معلوم ہوئی کہ بعض لوگ جو حضرت عثمان کی طرف اس بات کی نسبت کرتے ہیں کہ آپ نے نماز عید سے پہلے خطبہ دیا وہ نسبت غلط ہے، سب سے پہلے مروان نے یہ طریقہ ایجاد کیا کہ نماز سے پہلے خطبہ دیا، مروان کے عمل کی مذمت کی گئی، چنانچہ ترمذی میں روایت ہے کہ "اول من خطب قبل العید مروان" اور ابوداؤد کی روایت میں ہے کہ ایک شخص نے مروان پر اعتراض کرتے ہوئے کہا کہ "یامروان خالفت السنۃ" اے مروان تم نے سنت کی خلاف ورزی کی، فیعظھم، آپ ﷺ اپنے خطبہ میں لوگوں کو نصیحت کرتے تھے۔

سوال: آپ ﷺ کس چیز کی نصیحت کرتے تھے، اور کیوں کرتے تھے؟

جواب: آپ اپنے خطبہ میں دنیا سے کنارہ کشی اختیار کرنے، آخرت کی طرف توجہ دینے کی ترغیب دیتے تھے، اور اچھے کاموں پر جو ثواب ہے اور برے کاموں پر جو عذاب ہے، اس کا ذکر کرتے تھے، ان چیزوں کے ذکر کا مقصد یہ تھا کہ آدمی اس دن کی خوشی کی مستی میں اطاعت سے غافل نہ ہو اور معصیت میں مبتلا نہ ہو، جیسا کہ آج کے زمانہ میں اکثر لوگوں کا یہی حال ہے۔

ویوصیھم آپ ﷺ لوگوں کو وصیت کرتے خاص طور پر تقویٰ اختیار کرنے کی وصیت کرتے تھے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ "ولقد وصینا الذین اوتوا الکتاب من قبلکم وایاکم ان اتقوا اللہ" یہ بہت ہی جامع کلمہ ہے، تقویٰ کا ادنیٰ درجہ اللہ تعالیٰ کیساتھ شرک کرنے سے بچنا ہے، اور اسکا متوسط درجہ اوامر پر عمل کرنا اور نواہی سے بچنا ہے، اور اسکا اعلیٰ درجہ اللہ کے علاوہ سب کو فراموش کر کے اللہ ہی کو یاد رکھنا ہے، ویامر ھم عید الفطر اور عید الاضحیٰ سے متعلق خاص احکام بیان کرتے تھے، وان کان یرید لشکر بھیجنے کا ارادہ ہوتا تو آپ ﷺ نکالتے کہ فلان لوگ فلاں جگہ جائیں گے، اور فلاں لوگ فلاں جگہ جائیں گے، اویامر او پر والے امر سے تکرار نہیں ہے، اس لئے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ لشکر بھیجنے کے حوالے سے اگر کوئی حکم کرنا ہوتا آپ ﷺ حکم کرتے تھے۔ (تلخیص مرقات ص نمبر ۲۸۴ ج ۳)

حدیث نمبر ۱۳۴۴ ﴿عیدین کی نماز کے لئے اذان واقامت نہیں ہے﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۴۲۷

وَعَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ صَلَّيْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ الْعِيْدَيْنِ غَيْرَ مَرَّةٍ وَّلَا مَرَّ تَيْنِ بِغَيْرِ اَذَانٍ وَّلَا اِقَامَةٍ رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

حوالہ: مسلم، ص نمبر ۲۹۰ ج ۱، کتاب صلاۃ العیدین، حدیث نمبر ۸۸۷.

ترجمہ: حضرت جابر بن سمرہؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے پیچھے بغیر اذان واقامت ایک دو مرتبہ عیدین کی نماز نہیں پڑھی ہے۔ (مسلم)

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ حضرت جابرؓ نے آپ ﷺ کے پیچھے کثرت سے عیدین کی نماز ادا کی ہے، اور آپ ﷺ نے ہمیشہ اذان واقامت کے بغیر ہی عیدین کی نماز ادا کی ہے، معلوم ہوا کہ عیدین کی نماز کے لیے نہ تو اذان دی جائے گی، اور نہ تکبیر کہی جائے گی۔

کلمات حدیث کی تشریح بغیر اذان واقامۃ اذان واقامت صرف فرض نماز کیلئے ہیں، فرض کے علاوہ خواہ سنت ہو یا واجب یا نفل کی نماز ان کیلئے اذان واقامت نہیں ہے، اور عیدین کی نماز واجب ہیں، لہٰذا ان میں بھی اذان واقامت نہیں ہے۔

حدیث نمبر ۱۳۴۵ ﴿عیدین کا خطبہ نماز کے بعد ہو﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۴۲۸

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَاَبُوْبَكْرٍ وَعُمَرُ يُصَلُّوْنَ الْعِيْدَيْنِ قَبْلَ الْخُطْبَةِ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حوالہ: بخاری ص نمبر ۱۳۱ ج ۱، باب الخطبة بعد العيد، كتاب العيدين، حديث نمبر ۹۵۶ مسلم، ص نمبر ۲۹۰ ج ۱، كتاب العيدين، حديث نمبر ۸۸۹.

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ عیدین کی نماز خطبہ سے پہلے پڑھتے تھے (بخاری و مسلم)

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ خطبۂ عیدین بعد میں ہے، اور نماز عیدین پہلے ہے، اس پر تعامل ہے، اگر کسی نے اس کے خلاف کرنے کی کوشش کی تو لوگوں نے اس کو برا جانا ہے، اور ایسا کرنے والا گنہگار ہوگا۔

کلمات حدیث کی تشریح **يصلون العيدين قبل الخطبة**، حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کا بھی عیدین کی نماز کے بعد خطبہ دینا یہ اس بات کی دلیل ہے کہ آپ ﷺ نے اپنی اخیر حیات تک نماز کو مقدم رکھنے اور خطبہ کو مؤخر رکھنے کا معمول بنایا۔ **سوال:** عیدین کا خطبہ نماز سے مؤخر اور جمعہ کا خطبہ نماز سے مقدم کیوں کیا ہے؟

جواب: عیدین کا خطبہ اپنی اصل وضع پر ہے، لوگ اصلاً نماز کے لئے شوق وذوق سے آتے ہیں، اس لئے نماز مقدم ہے، جمعہ میں بھی پہلے مؤخر تھا، لیکن ایک خاص واقعہ پیش آیا جس کی وجہ سے خطبہ کو مقدم کر دیا گیا (واقعہ کی تفصیل کے لئے حدیث نمبر ۱۳۴۳ دیکھیں)

سوال: اگر کوئی شخص خطبہ پہلے پڑھے اور عیدین کی نماز بعد میں پڑھائے تو کیا حکم ہے؟

جواب: امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ایسا کرنا مکروہ تحریمی ہے، کیونکہ یہ تعامل اور سنت متوارثہ کے خلاف ہے، اور ایسا کرنیوالا گنہگار ہوگا، لیکن وہ خطبہ شمار ہو جائے گا۔

حدیث نمبر ۱۳۴۶ ☆☆☆ عالمی حدیث نمبر ۱۴۲۹

﴿عیدگاہ میں آپ ﷺ کا عورتوں کو نصیحت کرنا﴾

وَسُئِلَ ابْنُ عَبَّاسٍ اَشَهِدْتَ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ الْعِيْدَ قَالَ نَعَمْ خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَصَلّٰى ثُمَّ خَطَبَ وَلَمْ يَذْكُرْ اَذَانًا وَّلَا اِقَامَةً ثُمَّ اَتَى النِّسَآءَ فَوَعَظَهُنَّ وَذَكَّرَهُنَّ وَاَمَرَهُنَّ بِالصَّدَقَةِ فَرَاَيْتُهُنَّ يُهْوِيْنَ اِلٰى اٰذَانِهِنَّ وَحُلُوْقِهِنَّ يَدْفَعْنَ اِلٰى بِلَالٍ ثُمَّ ارْتَفَعَ هُوَ وَبِلَالٌ اِلٰى بَيْتِهٖ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حوالہ: بخاری ص نمبر ۷۸۹ ج ۲، باب والذين لم يبلغوا الحلم منكم، كتاب النكاح، حديث نمبر ۵۲۴۹، مسلم، ص نمبر ۲۸۹ ج ۱، كتاب صلاة العيدين، حديث نمبر ۸۸٤ :

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ سے دریافت کیا گیا کہ آپ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ عید کی نماز میں حاضر ہوئے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہاں رسول اللہ ﷺ نکلے، آپ ﷺ نے نماز پڑھی، خطبہ دیا، آپ ﷺ نے نہ اذان کا تذکرہ کیا اور نہ اقامت کا تذکرہ کیا، پھر آپ ﷺ عورتوں میں تشریف لائے، آپ ﷺ نے ان کو نصیحت کی، اور انہیں دینی امور یاد دلائے، اور ان کو صدقہ کرنے کا حکم کیا، میں نے دیکھا کہ وہ اپنے کانوں اور اپنے گلوں کی طرف ہاتھ بڑھا رہی تھیں اور اپنے زیورات حضرت بلالؓ کو دے رہی تھیں، پھر آپ ﷺ اور حضرت بلالؓ تیز قدموں سے آپ ﷺ کے گھر کی طرف چل دئے۔ (بخاری و مسلم)

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ حضرت ابن عباسؓ بھی عید کی نماز میں آپ ﷺ کیساتھ شریک ہوئے ہیں، آپ ﷺ نے عید کی نماز پہلے پڑھائی اور خطبہ بعد میں دیا، عید کی نماز چونکہ واجب ہے، اس لئے اس میں اذان و اقامت نہیں ہے، آپ ﷺ کے دور مبارک میں فتنہ نہیں تھا، اس لئے بعض شرائط کے ساتھ عورتوں کو بھی عید کے دن آنے کی اجازت تھی،

اور چونکہ عورتیں آپ ﷺ سے دور ہوا کرتی تھی، خطبہ کی آواز ان تک پہنچ نہ پاتی تھی، اس لئے آپ ﷺ ان کے پاس جا کر ان کو بھی نصیحت کرتے تھے، ایک موقع پر آپ ﷺ نے ان کو نصیحت کرتے ہوئے صدقہ کرنے کا حکم کیا تو اس کا اثر ان پر یہ ہوا کہ انہوں نے فوری طور پر اپنے پہنے ہوئے زیورات صدقہ کر دیئے۔

کلمات حدیث کی تشریح ثم اتی النساء آپ ﷺ خطبہ سے فارغ ہو کر عورتوں کے پاس آئے اور ان کو نصیحت کی معلوم ہوا کہ آپ ﷺ کے دور میں عورتیں عیدگاہ آیا کرتی تھی، عورتوں کا مسجد آنا فی نفسہ جائز ہے، لیکن ممنوع لغیرہ ہے یعنی فتنہ کی وجہ سے ممانعت ہوگئی اس مسئلہ کی تحقیق کیلئے حدیث نمبر ۸۸۸ دیکھیں یدفعن الی بلال اس سے معلوم ہوا کہ عورت شوہر کی اجازت کے بغیر صدقہ کر سکتی ہے، لیکن شرط یہ ہے کہ اس کا اپنا مال ہو، شوہر کا مال شوہر کی اجازت کے بغیر صدقہ کرنا جائز نہیں ہے۔

حدیث نمبر ۱۳۴۷ ☆☆☆ عالمی حدیث نمبر ۱۴۳۰

﴿نماز عید سے پہلے اور بعد میں نوافل پڑھنے کا ذکر﴾

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ صلی یَوْمَ الفِطْرِ رَکْعَتَیْنِ لَمْ یُصَلِّ قَبْلَهُمَا وَلَا بَعْدَ هُمَا مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ.

حوالہ: بخاری ص نمبر ۱۳۱ ج ۱، باب الخطبة بعد العید، کتاب العیدین، حدیث نمبر ۹٦٤، مسلم ص نمبر ۲۹۱ باب ترك الصلاة قبل العید کتاب صلاة العیدین، حدیث نمبر ۸۸٤

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عید الفطر کے دن دو رکعتیں پڑھیں، آپ ﷺ نے نہ تو ان سے پہلے نماز پڑھی اور نہ بعد میں۔ (بخاری و مسلم)

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ نماز عید سے متعلق کوئی سنن نہیں ہیں، نہ تو نماز عید سے پہلے ہی ہیں اور نہ بعد میں، چنانچہ آپ ﷺ نے اس کا اہتمام بھی کیا ہے، البتہ عید کی نماز سے پہلے یا بعد میں مطلقاً نفل پڑھنے کا حکم کیا ہے، اس سلسلہ میں ائمہ کا اختلاف ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح لم یصل قبلها ولا بعدها آپ ﷺ عید کی نماز سے پہلے اور اس کے بعد نماز نہیں پڑھتے تھے، اکثر ائمہ کے نزدیک عیدگاہ کے اندر نہ تو عیدین کی نماز سے پہلے نفل نماز کی گنجائش ہے، نہ بعد میں ایک شخص حضرت علی کے زمانہ میں عیدگاہ میں نفل نماز پڑھ رہے تھے، کسی نے حضرت علیؓ سے کہا کہ آپ اس کو روکتے کیوں نہیں ہیں، حضرت علیؓ نے فرمایا کہ مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں سورہ علق کی آیت "ارأیت الذی ینهٰی عبدا اذا صلی، کا مصداق نہ بن جاؤں معلوم ہوا کہ عیدگاہ میں نفل پڑھنا ممنوع ہے، امام شافعیؒ کے نزدیک کراہت کا تعلق امام کے ساتھ ہے، مقتدی نفل پڑھ سکتا ہے گھر میں بھی پڑھ سکتا ہے عیدگاہ میں بھی عید کی نماز سے پہلے بھی پڑھ سکتا ہے بعد میں بھی پڑھ سکتا ہے یہ اپنے مذہب پر بعض صحابہ کا عمل پیش کرتے ہیں لیکن روایات مرفوعہ، اور اکثر صحابہ کرام کا عمل ان کے قول کے خلاف ہے، اور کراہت کو امام کے ساتھ خاص کرنا بلا دلیل ہے، اس لئے حضرت عمر بن شعیب عن ابی کی روایت سے عام ضابطہ معلوم ہوتا ہے روایت ہے "لا صلاة قبلها ولا بعدها. (بیہقی)

سوال: عید کی نماز سے پہلے یا بعد میں گھر میں نفل نماز پڑھنا کیسا ہے؟

جواب: امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک عید کی نماز سے پہلے نفل گھر میں پڑھنا بھی مکروہ ہے، اور استدلال حدیث باب کے عموم سے ہے، البتہ نفل نماز عید کے بعد گھر میں پڑھنے کی گنجائش ہے کیونکہ عید کے بعد نفل پڑھنے کی نفی کا ایک دوسری حدیث کی وجہ سے عیدگاہ کے ساتھ خاص ہونا سمجھ میں آتا ہے، ابو سعید خدری کی روایت ہے کہ "کان رسول الله ﷺ لا یصلی قبل العید شیأ فاذا جمع الی منزله صلی رکعتین (ابن ماجه) اس روایت سے معلوم ہوا کہ نماز عید کے بعد گھر میں نفل پڑھنا جائز ہے۔

سوال: عیدین سے پہلے اور بعد میں سنن ونوافل نہ رکھنے کی کیا حکمت؟

جواب: سنن ونوافل فرائض کے آگے پیچھے مشروع ہیں، اور عیدین کی نماز بالاجماع فرض عین نہیں ہیں، علاوہ ازیں سنتیں مصلحتاً تجویز کی گئی ہیں جن نمازوں سے پہلے سنتیں ہوتی ہیں جیسے ظہر فجر کے وقت، سوکر اٹھنے کی وجہ سے وہاں سنن قبلیہ رکھی گئی ہیں، تاکہ سنت پڑھنے سے سستی دور ہو، اور فرض نماز نشاط کے ساتھ ادا ہو، اور ظہر اور مغرب اور عشا کے بعد چونکہ مشاغل ہیں، ظہر اور مغرب کے بعد تو کاروبار ہے اور عشا کے بعد سونا ہے، اس لئے سنن بعدیہ رکھی گئی ہیں، تاکہ فرض کی آخری رکعت میں کاروبار شروع نہ ہوجائے، اور فجر اور عصر کے بعد بھی اگرچہ مشغلہ ہے مگر ان کے بعد مکروہ اوقات آتے ہیں، اس لئے وہاں سنن تجویز نہیں ہوئیں، کیونکہ جو شخص دیر سے فجر اور عصر پڑھے گا ممکن ہے کہ وہ مکروہ وقت میں سنتیں پڑھے، اور عیدین سے پہلے سنتیں نہیں ہوتی، کیونکہ یہ ۹/۱۰ بجے پڑھی جاتی ہیں، پھر ان نمازوں کے لئے صبح ہی سے تیاری ہوتی ہے، اور اس کے بعد کوئی مشغلہ بھی نہیں ہے، وہ چھٹی کے دن ہیں، اس لیے عیدین کے آگے پیچھے سنتیں تجویز نہیں ہوئیں، واللہ اعلم (منقول از تحفۃ الالمعی)

حدیث نمبر ۱۳۴۸ ﴿عورتوں کا عیدگاہ آنا﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۴۳۱

وَعَنْ اُمِّ عَطِيَّةَ قَالَتْ اُمِرْنَا اَنْ نُخْرِجَ الْحُيَّضَ يَوْمَ الْعِيْدَيْنِ وَذَوَاتِ الْخُدُوْرِ فَيَشْهَدْنَ جَمَاعَةَ الْمُسْلِمِيْنَ وَدَعْوَتَهُمْ وَتَعْتَزِلُ الْحُيَّضُ عَنْ مُصَلَّاهُنَّ قَالَتِ امْرَاَةٌ يَّارَسُوْلَ اللّٰهِ اِحْدَانَا لَيْسَ لَهَا جِلْبَابٌ قَالَ لِتُلْبِسْهَا صَاحِبَتُهَا مِنْ جِلْبَابِهَا مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حوالہ: بخاری ص نمبر ۵۱ ج ۱، باب وجوب الصلاۃ فی الثیاب، کتاب الصلاۃ، حدیث نمبر ۳۵۱، مسلم، ص نمبر ۲۹۱ ج ۱ باب ذکر اباحۃ الخروج والنساء فی العیدین کتاب صلاۃ العیدین، حدیث نمبر ۸۹۰.

ترجمہ: حضرت ام عطیہ سے روایت ہے کہ ہم کو حکم دیا گیا کہ ہم ماہواری والی عورتوں کو عید کے دن نکالیں، اور پردہ والیوں کو وہ مسلمانوں کی جماعت میں اور ان کی دعاؤں میں شریک ہوں، اور ماہواری عورتیں اپنے مصلی سے علاحدہ رہیں، ایک عورت نے کہا کہ اے اللہ کے رسول! ہم میں سے کسی کے پاس چادر نہ ہو، تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس کے ساتھ والی اپنی چادر اس کو اوڑھادے۔ (بخاری ومسلم)

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ آپ ﷺ نے عورتوں کو عیدگاہ جانے کی تاکید کی ہے لیکن اس کے ساتھ اس بات کی بھی تاکید کی ہے کہ وہ پردہ کے ساتھ جائیں، اپنے پاس چادر وغیرہ نہ ہو تو دوسری عورت سے چادر لے کر اوڑھ کر جائے، حائضہ عورت ہے، تو وہ بھی عیدگاہ جائے لیکن وہ عیدگاہ کے اندر نہ جائے، اگر عیدگاہ مسجد کے حکم میں ہے تب نہ جانے کی مصلحت واضح ہے، لیکن اگر مسجد کے حکم میں نہیں ہے تب بھی حائضہ عیدگاہ سے الگ رہے، کیوں کہ اس کو نماز تو پڑھنا نہیں ہے، صرف وعظ ونصیحت سننا ہے، لہٰذا نمازیوں کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے کی بھی اس کو ضرورت نہیں ہے، آپ ﷺ کے عہد مبارک میں فتنہ کا اندیشہ بھی نہ تھا، آپ ﷺ سے دین سیکھنے کی سب کو ضرورت تھی، اور اسلام کی شان وشوکت کا اظہار بھی مقصود تھا، ان اغراض سے عورتوں کو مسجد میں آنے کا حکم تھا، اب فتنہ کا دور ہے، اس لئے عورتوں کو مسجد میں آنے سے روکا جاتا ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح امرنا ان نخرج الحیض، اس حدیث سے استدلال کر کے غیر مقلدین شور مچاتے ہیں کہ عورتوں کو مسجد میں ضرور آنا چاہئے، اور مسجد آکر نماز پڑھنا چاہئے، حالانکہ اس حدیث سے تو صاف یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ عورتوں کے مسجد آنے کا مقصد اصل نماز نہیں بلکہ مقصود اصلی تعلیم وتعلم اور وعظ ونصیحت ہے، کیوں کہ آپ ﷺ نے حائضہ عورتوں کو بھی عیدگاہ کے قریب آنے کا حکم دیا ہے ظاہر بات ہے کہ وہ نماز تو پڑھیں گی نہیں ایسی تاکید کیساتھ ان کو بلانے کا مقصد سوائے تعلیم کے اور کیا ہوسکتا ہے! اب دین مکمل ہو چکا ہے، عورتوں کو مسجد آکر دین سیکھنے کی ضرورت نہیں رہی، لہٰذا فتنہ کے اندیشہ سے مساجد آنے سے

عورتوں کو روک دیا گیا ہے۔

سوال: حج کے موقع پر مسجد نبوی اور مسجد حرام میں عورتوں کو نماز پڑھنے کی اجازت کیوں دی جاتی ہے؟

جواب: حضور ﷺ کے زمانہ میں مدینہ کے اندر عورتیں صرف مسجد نبوی میں آتی تھیں، دیگر مساجد میں شاید باید کوئی عورت جاتی ہو تو جاتی ہو، اور مسجد نبوی میں آ کر نماز ادا کرنا تین وجہ سے تھا، (۱) شریعت سیکھنے کیلئے (۲) آپ ﷺ کی زیارت کیلئے (۳) جگہ کی برکت کی وجہ سے اور مسجد حرام میں عورتیں دو مقصد سے آتی تھی، (۱) بیت اللہ کا طواف کرنے کی غرض سے، (۲) جگہ کی برکت کی وجہ سے، مسجد حرام میں دونوں باتیں آج بھی موجود ہیں، مسجد نبوی میں آنے کی پہلی وجہ تو باقی نہیں رہی، اس لئے دین مکمل ہو کر کتابوں میں موجود ہے، البتہ آپ ﷺ کی زیارت قبر اطہر کی زیارت اور جگہ کی برکت آج بھی ہے، لہٰذا یہ دونوں مقصد آج بھی موجود ہیں، اب چونکہ ان جگہوں پر فتنہ بھی نہیں ہے، اور مذکورہ عظیم مقاصد موجود ہیں، اس لئے ان مساجد میں عورتوں کو نماز پڑھنے سے روکا نہیں جاتا ہے، بلکہ ترغیب دی جاتی ہے، کیونکہ یہ حسین موقع زندگی میں بہت کم لوگوں کو بار بار نصیب ہوتا ہے، اس لئے اس موقع سے فائدہ اٹھانا چاہئے۔ (مستفاد تحفۃ الالمعی)

حدیث نمبر ۱۳۴۹ ﴿عید کے دن دف بجانا﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۴۳۲

وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ اِنَّ اَبَابَكْرٍ دَخَلَ عَلَيْهَا وَعِنْدَهَا جَارِيَتَانِ فِيْ اَيَّامِ مِنًى تُدَفِّفَانِ وَتَضْرِبَانِ وَفِيْ رِوَايَةٍ تُغَنِّيَانِ بِمَا تَقَاوَلَتِ الْاَنْصَارُ يَوْمَ بُعَاثٍ وَّالنَّبِيُّ ﷺ مُتَغَشٍّ بِثَوْبِهٖ فَانْتَهَرَهُمَا اَبُوْبَكْرٍ فَكَشَفَ النَّبِيُّ ﷺ عَنْ وَجْهِهٖ فَقَالَ دَعْهُمَا يَااَبَا بَكْرٍ فَاِنَّهَا اَيَّامُ عِيْدٍ وَّفِيْ رِوَايَةٍ يَااَبَابَكْرٍ اِنَّ لِكُلِّ قَوْمٍ عِيْدًا وَّهٰذَا عِيْدُنَا مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حواله: بخاری ص نمبر ۱۳۰ ج ۱، باب سنة العيد لاهل الاسلام، كتاب العيدين، حديث نمبر ۹۵۲، مسلم، ص نمبر ۲۹۱ ج ۱، باب اذافاته العيد يصلى ركعتين، كتاب العيدين، حديث نمبر ۹۸۷ (مسلم باب الرخصة في اللعب، كتاب العيدين) حديث نمبر ۸۹۲

ترجمه: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ انکے پاس حضرت ابوبکرؓ تشریف لائے، اسوقت انکے پاس دو لڑکیاں تھی، جو منی کے ایام میں دف بجایا کرتی تھیں، ایک روایت میں ہیکہ وہ اشعار گایا کرتی تھیں جو انصار نے بعاث کے دن کہے تھے اور نبی کریم ﷺ اپنا کپڑا اوڑھے ہوئے تھے حضرت ابوبکر نے ان دونوں لڑکیوں کو ڈانٹا حضرت نبی کریم ﷺ نے اپنے چہرے سے کپڑا ہٹایا اور فرمایا کہ اے ابوبکر اسکو چھوڑ دو کیوں کہ یہ عید کا دن ہے اور ایک روایت میں ہے کہ اے ابوبکرؓ بے شک ہر قوم کی عید ہوتی ہے اور یہ ہماری عید ہے (بخاری ومسلم)

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ عید کا دن فرحت و سرور کا ہے اس میں جائز حدود کے اندر رہ کر اظہار مسرت کرنا چاہئے، عید کے دن اور بعض دیگر خوشی کے مواقع جیسے کہ نکاح کے وقت دف بجانے کی اجازت ہے اور ایسے اشعار پڑھنے کی اجازت ہے، جس میں شجاعت و بہادری کا اظہار ہو، لیکن وہ گانے بجانے اور آلات موسیقی جس کے اندر خالص لہو ولعب ہوتا ہے اور نفسانی خواہشات میں ابال آتا ہے مطلقاً حرام ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح تدففان و تضربان تضربان یا تو تدففان کی تاکید کے لئے ہے، ایسے میں صرف ترجمہ ہوگا کہ وہ دف بجا رہی تھیں اور اگر تاکید کے لئے نہیں بلکہ مستقل لفظ ہے تب معنی ہوگا کہ وہ دف بجا رہی تھی اور اچھل کود رہی تھیں۔

یوم بعاث اوس وخزرج کے درمیان قبول اسلام سے پہلے بہت زبردست جنگ ہوئی تھی، اور جنگ مدینہ سے کچھ دور ایک جگہ بعاث ہے وہیں پر ہوئی تھی، اس جنگ کے موقع پر ہر قبیلہ نے اپنی بہادری اور اپنے جوانوں میں عزم وہمت پیدا کرنے کیلئے اشعار کہے تھے، حضرت عائشہؓ کے پاس موجود لڑکیاں دف بجا رہی تھیں اور جنگ بعاث کے موقع پر کہے گئے اشعار میں سے کچھ اشعار گا بھی رہی تھیں،

والنبی ﷺ متغش بثوبہ حدیث کے اس جز سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ نے عید کے دن اگر چہ دف بجانے اور گانے کی اجازت دی لیکن خود اس سے تغافل برتا، اور حضرت ابو بکر کو اس طرف رغبت نہیں دلائی، لہٰذا اس سے اعراض بہتر ہے، فانتھر ھما، حضرت ابو بکر جب حضرت عائشہؓ کے یہاں داخل ہوئے تو انہوں نے یہ منظر دیکھا تو آپ سمجھے کہ یہ چیز درست نہیں ہے، اسلئے کہ حضور ﷺ نے صراحتاً کئی مواقع پر گانے بجانے کی ممانعت فرمائی ہے، اور اسوقت حضور ﷺ آرام فرما رہے ہیں، اسلئے آپ ﷺ کی توجہ نہیں ہے، چنانچہ صدیق اکبرؓ نے خود ہی ان لڑکیوں کو انکے عمل سے روک دیا، فقال دعھما یا ابابکر آپ ﷺ نے حضرت ابو بکرؓ کو روکنے سے منع فرمادیا، اور فرمایا ان لڑکیوں کو دف بجانے اور گانا گانے دو، فانھا ایام عید یعنی یہ خوشی و مسرت کا دن ہے، اس دن اظہار مسرت کر لینے دو۔

سوال: سماع جائز ہے کہ نہیں؟

جواب: سماع فی نفسہ جائز ہے، مگر ان عوارض کی بنا پر جو غیر شرعی ہیں، سماع اور اس سے متعلق موسیقی وغیرہ سب ممنوع ہیں اور مباح سماع پر بھی مداومت درست نہیں ہے۔

حدیث نمبر ۱۳۵۰ ☆☆☆ عالمی حدیث نمبر ۱۴۳۳

﴿عید الفطر کی نماز سے پہلے کچھ کھا لینا چاہئے﴾

وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَا يَغْدُوْ يَوْمَ الفِطْرِ حَتّٰى يَاْكُلَ تَمَرٰتٍ وَّيَاْكُلُهُنَّ وِتْرًا رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ.

حوالہ: بخاری ص نمبر ۱۳۰ ج ۱، باب الاکل یوم الفطر قبل الخروج: کتاب العیدین، حدیث نمبر ۹۵۳.

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ عید الفطر کے دن عید گاہ اس وقت تک نہیں جاتے تھے جب تک آپ ﷺ چند کھجوریں نہ کھا لیتے، اور آپ ﷺ کھجور طاق عدد کھاتے تھے۔ (بخاری)

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ عید الفطر کی نماز کے لئے جانے سے پہلے چند کھجوریں طاق عدد کا خیال رکھ کر کھالی جائیں، اگر کھجوریں میسر نہ ہوں تو کوئی بھی میٹھی چیز کھالی جائے، تاکہ افطار متحقق ہو جائے، اور عملی طور پر یہ بات واضح ہو جائے کہ آج روزہ نہیں ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح لایغدو یوم الفطر حتی یاکل آپ ﷺ عید گاہ صبح جلدی روانہ ہوتے تھے، لیکن اس کے باوجود جانے سے پہلے کھجور کھا لیتے، تاکہ اس بات کا اظہار ہو جائے کہ رمضان کا مہینہ گذر چکا ہے، اور عید الفطر کے دن روزہ رکھنا حرام ہے۔

سوال: آپ ﷺ کھجور ہی کیوں کھاتے تھے؟

جواب: صبح کے وقت آپ ﷺ کو آسانی سے کھجور میسر آتی تھی، اسی لئے کھجور کھاتے تھے، یا پھر کھجور کے شیریں، مفید اور قوت بخش ہونے کی بنا پر اس کا استعمال کرتے تھے۔

سوال: آپ ﷺ طاق عدد کھجور کیوں تناول فرماتے تھے؟

جواب: ہر کام میں عدد کا خیال رکھنا بہتر ہے، کیوں کہ "ان اللہ وتر یحب الوتر" اللہ طاق ہے، اور طاق عدد کو پسند کرتا ہے۔

سوال: کیا بقر عید کے موقع پر کھجور کھا کر نماز کے لئے جایا جائے؟

جواب: عید الاضحیٰ یعنی بقر عید کے دن نماز سے پہلے کوئی چیز نہ کھانا بہتر ہے، نماز کے بعد اپنی قربانی کا گوشت کھایا جائے، آپ ﷺ کا عمل حدیث میں آتا ہے "لایطعم یوم الاضحی حتی یصلی" (ترمذی) عید الاضحیٰ کے دن نہیں کھاتے تھے یہاں تک کہ نماز پڑھ لیتے تھے، مقصد یہ ہے کہ آدمی جب بھوکا رہے گا تو قربانی کا گوشت رغبت سے کھائے گا، لیکن اگر گوشت تیار ہونے میں زیادہ تاخیر ہو تو

ہلکی پھلکی غذا لے لی جائے۔

حدیث نمبر ۱۳۵۱ ☆☆☆ عالمی حدیث نمبر ۱۴۳۴

﴿ایک راستہ سے عیدگاہ جانا اور دوسرے سے واپس آنا﴾

وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ اِذَا كَانَ يَوْمُ عِيْدٍ خَالَفَ الطَّرِيْقَ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ.

حوالہ: بخاری ص نمبر ۱۳۴ باب من خالف الطریق اذا رجع یوم العید، کتاب العیدین، حدیث نمبر ۹۸۶

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ عید کی نماز کے لئے جس راستہ سے تشریف لے جاتے تھے۔ واپسی میں اس کو چھوڑ کر دوسرے راستہ سے واپس آتے تھے۔ (بخاری)

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا خاصل یہ ہے کہ عیدگاہ جانے اور آنے کے راستے آپ ﷺ کے مختلف تھے، ایک سے جاتے تھے اور دوسرے سے واپس آتے تھے، فقہ کی کتابوں میں اس کو سنت لکھا ہے، حضرت مفتی سعید احمد پالنپوری فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کے صحابہ کا زمانہ سو سال تک ہے مگر تلاش بسیار کے باوجود مجھے کوئی ایسی روایت نہیں ملی جس سے معلوم ہوتا ہو کہ صحابہ عیدگاہ ایک راستہ سے جاتے تھے اور دوسرے سے لوٹتے تھے، اس لئے میرا ایسا خیال ہے کہ یہ حکم امراء کے ساتھ خاص ہے، رسول اللہ ﷺ امیر المؤمنین تھے، پس ہر زمانہ کے امرا کو اس سنت پر عمل کرنا چاہئے، اور اس میں دو مصلحتیں ہیں (۱) امیر کی جان کی حفاظت، جب یہ معلوم نہ ہوگا کہ وہ کس راستہ سے لوٹے گا تو دشمن گھات کہاں سے لگائے گا، (۲) بھیڑ سے بچنا، جب الگ الگ راستے سے آئیں گے جائیں گے تو ازدحام کم ہوگا۔ (تحفۃ الالمعی)

کلمات حدیث کی تشریح اذا کان یوم عید خالف الطریق عیدگاہ آنے جانے کیلئے الگ الگ راستوں کا انتخاب امیر کیساتھ خاص ہے، جیسا کہ اوپر مذکور ہوا، لیکن عام طور پر شراح حدیث اسکو عموم پر محمول کرتے ہیں، اور ہر نمازی کے حق میں اسکو مستحب قرار دیتے ہیں، اور یہی جمہور ائمہ کا مذہب بھی ہے، چنانچہ امام شافعیؒ کا فرمان ہیکہ "انه يستحب للامام والمأموم

سوال: اگر یہ عمل امیر کے لئے ہے تو اس کی دو حکمتیں گذشتہ سطور میں گزریں، اور عام ہونے کی صورت میں درجہ ذیل حکمتیں خاص طور پر نقل کی جاتی ہیں (۱) تاکہ دونوں راستہ گواہ بن جائیں، (۲) شعار اسلام کی شوکت کے اظہار کے لئے۔

حدیث نمبر ۱۳۵۲ ☆☆☆ عالمی حدیث نمبر ۱۴۳۵

﴿عید الاضحیٰ کی نماز کے بعد قربانی کی جائے﴾

وَعَنِ الْبَرَاءِ قَالَ خَطَبَنَا النَّبِيُّ ﷺ يَوْمَ النَّحْرِ فَقَالَ اِنَّ اَوَّلَ مَا نَبْدَأُ بِهٖ فِيْ يَوْمِنَا هٰذَا اَنْ نُصَلِّيَ ثُمَّ نَرْجِعَ فَنَنْحَرَ فَمَنْ فَعَلَ ذٰلِكَ فَقَدْ اَصَابَ سُنَّتَنَا وَمَنْ ذَبَحَ قَبْلَ اَنْ نُصَلِّيَ فَاِنَّمَا هُوَ شَاةُ لَحْمٍ عَجَّلَهٗ لِاَهْلِهٖ لَيْسَ مِنَ النُّسُكِ فِيْ شَيْءٍ.

حوالہ: بخاری ص نمبر ۱۳۲ ج ۱، باب التبکیر الی العید، کتاب العیدین، حدیث نمبر ۹۶۸، مسلم، ص نمبر ۱۵۴ ج ۱، باب وقتھا، کتاب الاضاحی حدیث نمبر ۱۹۶۰

ترجمہ: حضرت براءؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے بقرعید کے دن ہمارے سامنے خطبہ ارشاد فرمایا، چنانچہ آپ ﷺ نے بتایا کہ اس دن سب سے پہلا جو کام ہمیں کرنا چاہئے، وہ یہ ہے کہ ہم عید کی نماز پڑھیں، پھر گھر جا کر ہم قربانی کریں، لہٰذا جس شخص نے اس طرح عمل کیا اس نے ہماری سنت کو اختیار کیا اور جس نے نماز سے پہلے قربانی کر لی وہ قربانی نہیں ہے، بلکہ وہ گوشت والی بکری ہے، جسے اس نے اپنے گھر والوں کے لئے ذبح کیا ہے۔ (بخاری ومسلم)

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ عید الاضحیٰ کے دن سب سے پہلے نماز پڑھی جائے نماز کے بعد خطبہ ہوگا، اگر چہ خطبہ کا ذکر یہاں صراحتاً نہیں ہے پھر قربانی کی جائے، عید الاضحیٰ کی نماز سے پہلے قربانی جائز نہیں ہے، چونکہ اہل قریہ پر عید کی نماز واجب نہیں ہے، لہٰذا وہ طلوع فجر یا نماز فجر کے بعد قربانی کر سکتے ہیں۔

کلمات حدیث کی تشریح ان نصلی اس سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے عید الاضحیٰ کی نماز سے پہلے خطبہ دیا، اور خطبہ میں یہ بات فرمائی کہ عید الاضحیٰ کے دن پہلے نماز پڑھو، پھر قربانی کرو، حقیقت یہ ہے کہ آپ ﷺ نے نماز پڑھ کر خطبہ دیا تھا، اور دوران خطبہ آپ ﷺ نے مذکورہ بات فرمائی۔

قربانی کا وقت اور اختلاف ائمہ **امام ابو حنیفہؒ کا مذہب:** امام صاحب کے نزدیک شہر والوں کے لئے قربانی کا وقت نماز کے بعد شروع ہوتا ہے، اور گاؤں والوں کے لئے طلوع فجر کے بعد سے ہی شروع ہو جاتا ہے۔

دلیل: امام صاحب کی دلیل حدیث باب ہے، اس میں نماز کے بعد قربانی کا حکم ہے، اور نماز سے پہلے قربانی کی ممانعت ہے، اور چونکہ اہل قریہ پر نماز عید واجب نہیں لہٰذا وہ نماز سے پہلے دن شروع ہوتے ہی قربانی کر سکتے ہیں۔

امام شافعیؒ کا مذہب امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ طلوع شمس کے بعد عید کی نماز اور خطبہ کے بقدر وقت گذرنے کے بعد قربانی کا وقت شروع ہو جاتا ہے وہ کہتے ہیں کہ چونکہ قربانی کے مخاطب دیہات والے بھی ہیں اور ان پر عید ہے نہیں لہٰذا نماز کو وقت پر محمول کیا جائے گا، اور جتنی دیر میں نماز و خطبہ ہو سکتا ہے اتنا وقت گذر گیا تو قربانی کا وقت ہو گیا۔

جواب: احادیث میں نفس صلاۃ کا تذکرہ ہے وقت کا نہیں ہے، لہٰذا نماز کے بعد ہی قربانی شروع ہوگی، البتہ اس حکم کے مخاطب شہر کے لوگ ہیں، دیہات کے لوگ طلوع فجر کے بعد قربانی کر سکتے ہیں۔

(نوٹ): قربانی میں شہری اور دیہاتی ہونے کا اعتبار نہیں، بلکہ جگہ کا اعتبار ہے، اگر قربانی شہر میں ہو رہی ہے تو شہر کا حکم ہے اور اگر دیہات میں ہو رہی ہے تو دیہات کا حکم ہے۔

حدیث نمبر ۱۳۵۳ ☆☆☆ عالمی حدیث نمبر ۱۴۳۶

﴿عید الاضحی کی نماز سے پہلے قربانی درست نہیں﴾

وَعَنْ جُنْدُبِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ الْبَجَلِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ ذَبَحَ قَبْلَ الصَّلٰوةِ فَلْيَذْبَحْ مَكَانَهَا اُخْرٰى وَمَنْ لَّمْ يَذْبَحْ حَتّٰى صَلَّيْنَا فَلْيَذْبَحْ عَلٰى اسْمِ اللّٰهِ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حواله: بخاری ص نمبر ۸۲۷ ج ۲، باب قول النبی ﷺ فلیذبح علی اسم اللّٰه، کتاب الذبائح والعید حدیث نمبر ۵۵۰۰، مسلم ص نمبر ۱۵۴ ج ۲ باب وقتها، کتاب الاضاحی حدیث نمبر ۱۹۶۰۔

ترجمه: حضرت جندب بن عبداللہ بجلی سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص نے نماز سے پہلے ذبح کر لیا وہ اس کی جگہ دوسری قربانی کرے، اور جس نے ذبح نہیں کیا یہاں تک کہ ہم نماز سے فارغ ہو گئے تو اس کو چاہئے کہ وہ اللہ کے نام پر ذبح کرے۔ (بخاری و مسلم)

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ قربانی کا وقت آنے سے پہلے قربانی نہ کرنا چاہئے، اگر کوئی وقت سے پہلے کر دے گا تو اس کا فریضہ اس کے ذمہ باقی رہے گا، لہٰذا ایسے کرنے والے پر لازم ہوگا کہ وہ اپنے فریضہ کی ادائیگی کے لئے دوسرا جانور ذبح کرے، قربانی کا وقت شہر والوں کے لئے نماز عید الاضحیٰ کے بعد ہوتا ہے اور دیہات کے لوگوں کے لئے طلوع فجر ثانی کے بعد

سے قربانی کا وقت شروع ہو جاتا ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح ومن ذبح قبل الصلوٰۃ نماز سے پہلے قربانی درست نہیں ہے، یہ حدیث جمہور کے مذہب کے موافق ہے، امام شافعیؒ کے خلاف ہے، کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ نماز اور دو خطبے کی ادیگی کے بقدر وقت گذرنے کے بعد قربانی شروع ہے، خواہ نماز ہوتی ہو یا نہ ہوتی ہو حافظ ابن حجر شافعیؒ المذہب ہیں اس لئے اس حدیث کی تاویل کرتے ہیں، کہ نماز سے پہلے قربانی کرنے سے مراد یہ ہے کہ نماز اور خطبہ کے بقدر وقت گذرنے سے پہلے قربانی کرنا ہے، لہٰذا ایسے شخص کی قربانی درست نہیں ہوگی، صاحب مرقات کہتے ہیں کہ یہ بہت دور کی تاویل ہے۔ (مرقات ص نمبر ۲۹۲ ج ۳)

حدیث نمبر ۱۳۵۴ ☆☆☆ عالمی حدیث نمبر ۱۴۳۷

﴿نماز عید الاضحی کے بعد قربانی کرنیوالا صحیح طریقہ پرھے﴾

وَعَنِ الْبَرَآءِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ ذَبَحَ قَبْلَ الصَّلٰوةِ فَإِنَّمَا يَذْبَحُ لِنَفْسِهٖ وَمَنْ ذَبَحَ بَعْدَ الصَّلٰوةِ فَقَدْ تَمَّ نُسُكُهٗ وَاَصَابَ سُنَّةَ الْمُسْلِمِيْنَ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حوالہ: بخاری ص نمبر ۸۳۲ ج ۲ باب سنة الاضحية كتاب الاضاحی حدیث نمبر ۵۵۴۶ مسلم، ص نمبر ۱۵۴ ج ۲، باب وقتها كتاب الاضاحی، حدیث نمبر ۱۹۶۱.

ترجمہ: حضرت براء سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس نے نماز عید الاضحیٰ سے پہلے قربانی کی تو بے شک اس نے اپنی ذات کے لئے ذبح کیا، اور جس نے نماز کے بعد ذبح کیا، اس کی قربانی پوری ہوگی، اور اس نے مسلمانوں کے طریقہ کے مطابق درست طریقہ اختیار کیا۔ (بخاری و مسلم)

خلاصہ حدیث اس حدیث میں یہی بات بیان ہوئی ہے کہ، قربانی کا وقت عید الاضحیٰ کے نماز کے بعد ہے، جو اس وقت کا خیال رکھ کر قربانی کرتا ہے وہ مسلمانوں کے درست طریقہ کے مطابق عمل کرتا ہے اور جو اس کے خلاف ورزی کرتے ہوئے نماز سے پہلے ہی قربانی کرتا ہے تو وہ ثواب سے محروم ہوا، اس کا فریضہ ادا نہیں ہوا، لہٰذا یہ ایسے ہی ہوا جیسے کہ اس نے اپنی ذات کی خاطر گوشت کے استعمال کے لئے ذبح کیا اس سے تقرب الی اللہ مقصود ہی نہیں ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح من ذبح قبل الصلاۃ یہ حدیث بھی اس بات پر صریح ہے کہ قربانی کا وقت نماز کے بعد ہے، دیہات کے رہنے والوں پر چوں کہ نماز عید الاضحیٰ واجب نہیں ہے، اس لئے ان کے حق میں نماز قائم مقام وقت کو مجازاً کہا گیا، صاحب مرقات حیرت کے ساتھ لکھتے ہیں، کہ ان صریح روایات کے ہوئے امام شافعیؒ نے جمہور کے خلاف نہ جانے کیسے بات کہی کہ شہر والے بھی نماز سے قبل قربانی کر سکتے ہیں، قربانی کے وقت اور اختلاف ائمہ کی تفصیل کے لئے حدیث نمبر ۱۳۵۲ دیکھیں۔

حدیث نمبر ۱۳۵۵ ﴿آپ ﷺ عیدگاہ میں قربانی کرتے تھے﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۴۳۸

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَذْبَحُ وَيَنْحَرُ بِالْمُصَلّٰى رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ.

حوالہ: بخاری ص نمبر ۱۳۴ ج ۱، باب الخروج والذبح يوم النحر بالمصلى، كتاب العيدين حديث نمبر ۹۸۲

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ عیدگاہ میں ذبح کرتے تھے اور نحر کرتے تھے۔ (بخاری)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ آپ ﷺ نماز عید کے بعد عیدگاہ ہی میں قربانی کا فریضہ ادا فرماتے تھے، آپ ﷺ بسا اوقات اونٹ کی قربانی کرتے تھے، اور بسا اوقات دیگر جانور ذبح فرماتے تھے، اونٹ کے حلال کرنے کو نحر کہتے ہیں اور دیگر جانوروں کے حلال کرنے کو ذبح کرنا کہتے ہیں۔

سوال: عیدگاہ میں قربانی کرنے کی کیا مصلحت ہے؟

جواب: قربانی درحقیقت شعائرِ اسلام میں سے ہے اس کا اظہار افضل ہے، اور اظہار بڑے مجمع میں زیادہ ہوگا، اور عیدگاہ میں مجمع کثیر ہوتا ہے اس لئے آپ ﷺ عیدگاہ میں قربانی کرتے تھے، (۲) اس میں فقرا کا نفع بھی ہے کہ وہ عیدگاہ سے گوشت لے کر اپنے گھروں کو چلے جائیں گے، لیکن حضرت شیخ الحدیثؒ فرماتے ہیں کہ اس دور میں خاص کر ہندوستان میں بعض مجبوریوں کی بنا پر گھروں پر ذبح کرنا زیادہ بہتر ہے۔ (تقریر بخاری)

سوال: نحر کرنے کا کیا طریقہ ہے؟

جواب: نحر اونٹ میں ہوتا ہے اس کا طریقہ یہ ہے کہ اونٹ کو کھڑا کر کے اس کے سینہ کے اوپر اور گردن کے نیچے نیزہ مارتے ہیں، جس سے وہ زمین پر گر پڑتا ہے، اونٹ کو بھی ذبح کرنا جائز ہے، لیکن افضل نحر ہے۔

الفصل الثانی

حدیث نمبر ۱۳۵۶ ﴿عیدین کی مشروعیت﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۴۳۹

عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَدِمَ النَّبِیُّ ﷺ الْمَدِیْنَةَ وَلَهُمْ یَوْمَانِ یَلْعَبُوْنَ فِیْهِمَا فَقَالَ مَاهٰذَانِ الْیَوْمَانِ قَالُوْا کُنَّا نَلْعَبُ فِیْهِمَا فِی الْجَاهِلِیَّةِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ قَدْ اَبْدَلَکُمُ اللّٰهُ بِهِمَا خَیْرًا مِّنْهُمَا یَوْمَ الْاَضْحٰی وَیَوْمَ الْفِطْرِ رَوَاهُ اَبُوْدَاؤُدَ.

حوالہ: ابو داؤد ص نمبر ۱۶۱ باب صلاۃ العیدین، کتاب الصلاۃ، حدیث نمبر ۱۱۳۴

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ مدینہ منورہ تشریف لائے اور مدینہ والوں نے دو دن مقرر کر رکھے تھے، جن میں وہ کھیل کود کرتے تھے، آپ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ یہ دونوں دن کیسے ہیں؟ صحابہ کرام نے عرض کیا کہ ہم ان دونوں میں زمانہ جاہلیت میں کھیل تماشہ کرتے تھے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے ان دونوں کے بدلہ میں ان سے بہتر دو دن مقرر کردئے ہیں، ایک عیدالاضحیٰ کا دن، اور دوسرے عیدالفطر کا دن۔ (ابوداؤد)

خلاصۂ حدیث مدینہ کے لوگ ''نوروز'' اور ''مہرجان'' ان دونوں میں جشن مناتے تھے اور کھیل تماشہ کرتے تھے جب آپ ﷺ مدینہ ہجرت کر کے گئے تو آپ ﷺ نے ان دنوں میں کھیل تماشہ کرنے اور جشن منانے سے روک دیا اور بتایا کہ ان سے کوئی اسلامی تاریخ وابستہ نہیں ہے، لہٰذا ان دنوں کی کوئی اہمیت نہیں ہے، البتہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو تہوار کے طور پر دو دن یعنی عیدالاضحیٰ اور عیدالفطر ادا کئے ہیں، ان میں جائز حدود کے اندر رہ کر اظہار خوشی و مسرت کرنا چاہئے۔

کلمات حدیث کی تشریح ماھذا ن الیومان، آپ ﷺ نے صحابہ سے ان دونوں کی حقیقت کے بارے میں پوچھا تھا، یہ دونوں دن حرارت و برودت کے اعتبار سے بہت معتدل ہوتے ہیں، اور اس میں رات و دن برابر ہوتے ہیں، ان ہی خصوصیات کی بنا پر زمانہ جاہلیت کے حکمائے ان دنوں کو جشن منانے کے لیے خاص کیا تھا، ان اللّٰہ قد ابدلکم، اللہ تعالیٰ نے دونوں کے بدلہ میں جو دو دن مسلمانوں کو عطا کیے ہیں ان کا بہتر ہونا ظاہر ہے، اس وجہ سے کہ ''نوروز'' اور مہرجان'' کے دنوں کی تعیین حکما کی طرف سے تھی، اور عیدالاضحیٰ اور عیدالفطر کی تعیین من جانب اللہ ہے، اس حدیث کے ذیل میں محدثین لکھتے ہیں کہ غیر مسلموں کے تہوار میں شرکت حرام ہے اور ان کے تہواروں کی دنوں کی تعظیم کفر ہے۔

حدیث نمبر ۱۳۵۷ ﴿بقرعید کے دن نماز کے بعد کھانا چاھئیے﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۴۴۰

وَعَنْ بُرَیْدَۃَ قَالَ کَانَ النَّبِیُّ ﷺ لَایَخْرُجُ یَوْمَ الْفِطْرِ حَتّٰی یَطْعَمَ وَلَا یَطْعَمُ یَوْمَ الْاَضْحٰی حَتّٰی یُصَلِّیَ رَوَاهُ

التِّرْمِذِی وَابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارِمِیُّ.

حوالہ: ترمذی ص نمبر ۱۲۰ ج ۱ باب ماجاء فی الاکل یوم الفطر، کتاب العیدین حدیث نمبر ۵۴۳ ابن ماجه ص نمبر ۱۲۶، ۱۲۵ باب فی الاکل یوم الفطر، کتاب الصیام، حدیث نمبر ۱۷۵۶، دارمی، ص نمبر ۴۵۵ ج ۱ باب الاکل قبل الخروج یوم العید، کتاب الصلاۃ حدیث نمبر ۱۶۰۰۔

ترجمہ: حضرت بریدہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ عیدالفطر کے دن نکلنے سے پہلے کچھ کھا لیتے تھے، اور عیدالاضحیٰ کے دن نماز پڑھ کر کھاتے تھے، (ترمذی، ابن ماجہ، دارمی)

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ عیدالفطر کا دن رمضان کے مابعد ہے، اسلئے آپ ﷺ اس بات کو ظاہر کرنے کیلئے کہ آج روزہ نہیں ہے، صبح ہی سے افطار فرما کر عیدگاہ جاتے تھے، اور بقرعید میں یہ صورت ہے نہیں، اسلئے بقرعید کے دن نماز کے بعد قربانی کر کے قربانی کا گوشت میں سے کھاتے تھے، تاکہ بھوک کے عالم میں قربانی کا گوشت رغبت سے کھایا جائے۔

کلمات حدیث کی تشریح لایخرج یوم الفطر حتی یطعم آپ ﷺ عیدگاہ جانے سے پہلے چند کھجوریں تناول فرماتے تھے، اور یہ کھجور طاق عدد میں ہوتی تھیں، یہ مضمون حدیث نمبر ۱۳۵۰ کے تحت گذر چکا ہے، وہاں دیکھ لیا جائے۔

حدیث نمبر ۱۳۵۸ ﴿عیدین میں زائد تکبیرات﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۴۴۱

وَعَنْ كَثِيرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ عَنْ اَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَبَّرَ فِي الْعِيدَيْنِ فِي الْاُوْلٰى سَبْعًا قَبْلَ الْقِرَآءَةِ وَفِي الْاٰخِرَةِ خَمْسًا قَبْلَ الْقِرَآءَةِ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارِمِيُّ.

حوالہ: ترمذی، ص نمبر ۱۱۹ ج ۱، باب ماجاء فی التکبیر فی العیدین، کتاب العیدین حدیث نمبر ۵۳۶ ابن ماجه ص نمبر ۹۱ باب ماجاء فی کم یکبر الامام فی صلاۃ العیدین، کتاب اقامۃ الصلاۃ، حدیث نمبر ۱۲۷۹ دارمی ص نمبر ۲۲۰ ج ۱، باب التکبیر فی العیدین، کتاب الصلاۃ حدیث نمبر ۱۶۰۶۔

ترجمہ: حضرت کثیر بن عبداللہ اپنے والد سے اور انہوں نے اپنے دادا سے روایت نقل کی کہ نبی کریم ﷺ نے عیدین کی پہلی رکعت میں سات تکبیرات قرأت سے پہلے اور دوسری رکعت میں پانچ تکبیرات قرأت سے پہلے کہیں۔

خلاصۂ حدیث اس حدیث میں عیدین کی زائد تکبیرات کا تذکرہ ہے، حدیث باب سے سمجھ میں آتا ہے کہ زائد تکبیرات کی تعداد بارہ ہے، اس کے علاوہ بھی روایات میں جن میں دوسرا عدد مذکور ہے، حنفیہ کا خیال ہے کہ تکبیرات زائد چونکہ اضافی چیز ہے، اس لئے انہوں نے کم سے کم والی روایات لی ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح کبر فی العیدین سبعا: پہلی رکعت میں سات تکبیریں کہیں، یہ بھی ممکن ہے کہ سات زائد تکبیریں مراد ہوں جیسا کہ امام شافعیؒ کا مذہب ہے، اور اس بات کا بھی امکان ہے چھ زائد ہوں اور ایک تکبیر تحریمہ ہو، کل ملا کر سات تکبیریں ہوں جیسا کہ امام مالکؒ اور محمدؒ کا مذہب ہے۔

عیدین کی تکبیرات زوائد میں اختلاف ائمہ اس بات پر ائمہ کا اتفاق ہے کہ عیدین میں تکبیرات زائد ہیں، لیکن زائد تکبیر کے حوالے سے حدیث میں عدد مختلف نقل ہوئے ہیں اس لئے ائمہ کے درمیان بھی اس حوالے سے اختلاف ہے۔

امام ابوحنیفہؒ کا مذہب امام صاحبؒ کے نزدیک تکبیرات زائد صرف چھ ہیں، تین پہلی رکعت میں اور تین دوسری رکعت میں۔

دلیل: عن القاسم قال حدثنی اصحاب النبی ﷺ قال صلی بنا النبی ﷺ یوم عید فکبر اربعًا اربعًا ثم اقبل علینا بوجهه حین انصرف ،فقال له تنسوا کتکبیرۃ الجنازۃ واشار باصبعه وقبض ابهامه" (طحاوی)

یہ حدیث مسلک حنفی کی مضبوط دلیل ہے، اس سے آپ ﷺ کا عمل قول اور اشارہ سب اس تعداد کی وضاحت کررہے ہیں جس کے حنفیہ قائل ہیں، اشارہ میں آپ ﷺ نے انگوٹھا مبارک بند کر کے ہاتھ کی انگلیوں سے اشارہ کیا، اور مقصد یہ تھا کہ پہلی رکعت میں تکبیر تحریمہ کو ملا کر چار تکبیریں ہیں، اور دوسری رکعت میں رکوع کی تکبیر ملا کر چار تکبیریں ہیں۔

ائمہ ثلاثہ کا مذہب امام احمد، امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ پہلی رکعت میں تحریمہ ملا کر سات تکبیریں اور دوسری رکعت میں پانچ تکبیریں ہیں اور کل تعداد گیارہ ہے، اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں پہلی رکعت میں تکبیر تحریمہ کے علاوہ سات ہیں، اور دوسری رکعت میں پانچ ہیں بکل بارہ تکبیریں زائد ہیں۔

دلیل: ان حضرات کی دلیل حدیث باب ہے،

جواب: اس روایت کا دارومدار کثیر بن عبداللہ پر ہے، جو کہ انتہائی ضعیف راوی ہیں، امام ترمذی نے اس حدیث کی تحسین کی ہے، لیکن اس پر محدثین نے سخت اعتراض کیا ہے۔

وجوہ ترجیح مذہب حنفیہ (۱) حنفیہ کے دلائل قوی ہیں، (۲) نماز میں اصل طمانینت ہے جس کا تقاضہ ہے کہ تکبیرات کم سے کم ہوں، یہ اختلاف افضل اور غیر افضل کا ہے، جواز اور عدم جواز کا نہیں ہے، اور وجہ اختلاف وہی ہے جس کا خلاصہ حدیث میں تذکرہ ہوا، وفی الآخرۃ خمسا قبل القرآۃ حدیث کے اس جز سے معلوم ہوتا ہے کہ دوسری رکعت میں بھی زائد تکبیرات قرآت سے پہلے ہیں، اور یہی ائمہ ثلاثہ کا مذہب ہے، جب کہ حنفیہ کے نزدیک دوسری رکعت میں زائد تکبیرات قرآت کے بعد اور رکوع سے پہلے ہیں، حنفیہ کا استدلال اس روایت سے ہے جو مصنف عبدالرزاق وغیرہ میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ تشریف فرما تھے ان کے پاس حضرت حذیفہؓ حضرت موسیٰ اشعری وغیرہ موجود تھے، حاضرین میں سے سعید بن العاص نے تکبیرات عیدین کے بارے میں سوال کیا، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے سوال کے جواب میں فرمایا کہ "یقوم فیکبر ثم یکبر، ثم یکبر، ویرکع، ویقوم فیقرأ ثم یکبر، ثم یکبر، ثم یکبر، ثم یکبر الرابعة، ثم یرکع، اس حدیث میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے عدد تکبیرات اور ان کا محل وہی بیان کیا ہے جس کے حنفیہ قائل ہیں، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا یہ قول مرفوع حدیث کے درجہ میں ہے، اس لئے کہ مقدار رکعات کی طرح تعدادِ تکبیرات بھی غیر مدرک بالقیاس مسئلہ ہے۔

حدیث نمبر ۱۳۵۹ ﴿عیدین میں قرأت کا تذکرہ﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۴۴۲

وَعَنْ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ مُرْسَلًا اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ وَاَبَابَکْرٍ وَّعُمَرَ کَبَّرُوْا فِي الْعِيْدَيْنِ وَالْاِسْتِسْقَاءِ سَبْعًا وَّخَمْسًا وَّصَلَّوْا قَبْلَ الْخُطْبَةِ وَجَهَرُوْا بِالْقِرَآءَةِ رَوَاهُ الشَّافِعِيُّ.

حوالہ: مسند شافعیؒ باب صلاۃ العیدین ،حدیث نمبر ۴۵۷.

ترجمہ: حضرت جعفر بن محمد مرسلا روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ نماز عیدین اور نماز استسقاء میں سات اور پانچ تکبیریں کہتے تھے، اور خطبہ سے پہلے نماز پڑھتے تھے، اور قرأت بلند آواز سے کرتے تھے۔ (شافعیؒ)

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ تکبیرات عیدین جو کہ زائد ہیں ان کی تعداد بارہ ہے، سات زائد تکبیرات پہلی رکعت میں ہیں، اور پانچ زائد تکبیرات دوسری رکعت میں ہیں، یہی امام شافعیؒ کا مذہب بھی ہے، مزید تحقیق کے لئے گذشتہ حدیث دیکھیں۔

کلمات حدیث کی تشریح سبعاو خمسًا حدیث کے الفاظ بظاہر امام ابوحنیفہ کے خلاف ہیں کیونکہ انکے نزدیک ہر دو رکعت میں زائد تکبیرات کی تعداد تین تین ہیں، اولاً تو یہ حدیث منقطع ہے، ثانیاً گذشتہ حدیث کے تحت یہ بات کہی گئی تھی کہ احادیث میں تکبیرات عیدین سے متعلق کئی عددوں کا ذکر ہے، امام صاحبؒ نے اقل کو لیا ہے، اور امام شافعیؒ نے اکثر کو لیا ہے، امام صاحب کے پیش نظر یہ بات ہے کہ تکبیرات عیدین ایک اضافی امر ہے، لہٰذا کم سے کم لیا جائے، اور امام شافعیؒ کے نزدیک یہ بات ہے کہ تکبیرات عیدین عیدین کا امتیاز ہے، لہٰذا اکثر کو لیا جائے، وصلوا قبل الخطبة، عیدین کا خطبہ نماز کے بعد ہے، اسپر حضرت نبی کریم ﷺ نے مواظبت فرمائی ہے، اور اسی پر تعامل اور توارث چلا آیا ہے، وجهر وابالقرآة عیدین کی نماز میں قرات جہرا ہے، آپ ﷺ کا عیدین کی نماز میں لمبی قرأت کا ارادہ ہوتا تو سورہ ق اور سورۃ قمر پڑھتے تھے، اور اگر ہلکی قرأت مقصود ہوتی تو سورۃ اعلیٰ اور سورۃ غاشیہ پڑھتے تھے۔

حدیث نمبر ۱۳۶۰ ☆☆☆ عالمی حدیث نمبر ۱۴۴۳

﴿عیدین کی تکبیرات کے بارے میں آپ ﷺ کا عمل﴾

وَعَنْ سَعِيْدِ بْنِ الْعَاصِ قَالَ سَاَلْتُ اَبَا مُوْسٰى وَحُذَيْفَةَ كَيْفَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يُكَبِّرُ فِي الْاَضْحٰى وَالْفِطْرِ فَقَالَ اَبُوْمُوْسٰى كَانَ يُكَبِّرُ اَرْبَعًا تَكْبِيْرَهٗ عَلَى الْجَنَآئِزِ فَقَالَ حُذَيْفَةُ صَدَقَ رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ.

حوالہ: ابو داؤد ص نمبر ۱۶۳ ج ۱، باب التکبیر فی العیدین، کتاب الصلاۃ، حدیث نمبر ۱۱۰۳۔

ترجمہ: حضرت سعید بن عاصؓ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت ابوموسیٰ اور حضرت حذیفہ سے دریافت کیا کہ رسول اللہ ﷺ عید الاضحیٰ اور عید الفطر میں تکبیر کیسے کہتے تھے، حضرت ابوموسیٰ نے جواب دیا کہ آپ ﷺ چار تکبیریں کہتے تھے جیسے کہ جنازہ کی چار تکبیریں ہیں حضرت حذیفہؓ نے فرمایا کہ سچ کہا۔ (ابوداؤد)

خلاصہ حدیث یہ حدیث مذہب ابوحنیفہ کی موید ہے، اس لئے کہ احناف تکبیرات عیدین کے حوالے سے چھ زائد تکبیروں کے قائل ہیں، تین پہلی رکعت میں اور تین دوسری رکعت میں یہاں حضرت حذیفہؓ نے فرمایا کہ جنازہ کی طرح چار تکبیریں کہتے تھے اس میں پہلی رکعت کے اندر تکبیر تحریمہ شامل ہے، یعنی تکبیر تحریمہ کو ملا کر چار تکبیریں تھی، جو ایک تحریمہ کی تکبیر ہوگی باقی تین زائد ہوگئیں، اسی طرح دوسری رکعت میں رکوع کی تکبیر کو ملا کر چار تکبیریں تھی تو تین تکبیریں زائد ہوئیں اور ایک ایک رکوع کی تکبیر ہوئی۔

کلمات حدیث کی تشریح صدق حضرت ابوموسیٰؓ نے جب یہ بتایا کہ عید الاضحیٰ اور عید الفطر میں ایک رکعت میں چار تکبیریں آپ ﷺ فرماتے تھے، (تین تکبیرات زوائد اور ایک تکبیر تحریمہ) تو حضرت حذیفہؓ نے حضرت ابوموسیٰؓ کی بات کی تصدیق فرمائی، اس بنا پر یہ حدیث دو حدیثوں کے قائم مقام ہے، حضرت حذیفہؓ کی حدیث مستقل حدیث کی حیثیت رکھتی ہے، حدیث باب کو بعض لوگوں نے ضعیف قرار دیا ہے، کیونکہ اس حدیث کا مدار عبدالرحمٰن بن ثوبان پر ہے جو کہ ضعیف ہیں، لیکن بہت سے لوگوں نے عبدالرحمٰن بن ثوبان کی توثیق کی ہے اس لئے حدیث کو ضعیف قرار نہیں دیا ہے، تفصیل کے لئے بذل دیکھیں۔

حدیث نمبر ۱۳۶۱ ﴿کمان کا سہارا لیکر خطبہ دینا﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۴۴۴

وَعَنِ الْبَرَآءِ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ نُوْوِلَ يَوْمَ الْعِيْدِ قَوْسًا فَخَطَبَ عَلَيْهِ رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ.

حوالہ: ابو داؤد، ص نمبر ۱۶۲ ج ۱، باب یخطب علی قوس، کتاب الصلاۃ، حدیث نمبر ۱۱۴۵۔

ترجمہ: [حضر]ت براء سے روایت ہے کہ عید کے دن جناب نبی کریم ﷺ کو کمان پیش کی گئی تو آپ ﷺ نے اس کا سہارا لے کر خطبہ دیا۔ (ابوداؤد)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ خطیب کو خطبہ دیتے وقت کسی چیز پر ٹیک لگا لینا جائز ہے، آپ ﷺ کو کمان پیش کی گئی تو آپ ﷺ نے اس کی ٹیک لگالی اور ٹیک لگا کر خطبہ دیا۔

کلمات حدیث کی تشریح نوول یوم العید قوسًا: آپ ﷺ کو ایک صاحب نے کمان پیش کی تو آپ ﷺ نے اس کا سہارا لیکر خطبہ دیا، یوں بھی آپ ﷺ کسی نہ کسی چیز کا سہارا لیکر خطبہ دیتے تھے، جیسا کہ اگلی روایت سے واضح ہے، ابوداؤد میں ایک روایت یوں ہے کہ فقام متو کنا علی عصا او قوسٍ فحمد اللّٰہ الخ۔

سوال: دوران خطبہ خطیب کے لاٹھی یا کمان وغیرہ کا سہارا لینے میں کیا حکمت ہے؟

جواب: سہارا لینے میں حکمت یہ ہے کہ ہاتھوں کو فعل عبث اور حرکت سے روکنا ہے، اور سکون سے کھڑا ہونا ہے، جیسا کہ نماز میں حالت قیام میں، وضع الیدین کی بھی ایک حکمت یہ بیان کی جاتی ہے۔

حدیث نمبر ۱۳۶۲ ﴿خطبہ میں برچھی کا سہارا لینا﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۴۴۵

وَعَنْ عَطَاءٍ مُرْسَلًا اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ کَانَ اِذَاخَطَبَ یَعْتَمِدُ عَلٰی عَنَزَتِہٖ اِعْتَمَادًا رَوَاہُ الشَّافِعِیُّ۔

حوالہ: مسند شافعیؒ ص نمبر ۱۴۵ باب صلاۃ الجمعة، حدیث نمبر ۴۲۲۔

ترجمہ: حضرت عطاء بن یسارؒ سے مرسلًا روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ جب خطبہ ارشاد فرماتے تو اپنی برچھی کا پورا سہارا لیتے تھے۔ (شافعی)

خلاصہ حدیث اس حدیث میں اس بات کا تذکرہ ہے کہ آپ ﷺ برچھی کا سہارا لیکر خطبہ دیتے تھے، اصل میں آپ ﷺ نے مختلف اوقات میں مختلف چیزوں کا سہارا لیا ہے، کبھی کمان کا کبھی تلوار کا کبھی برچھی کا، اور کبھی حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا سہارا لے کر بھی کھڑے ہوئے ہیں، جیسا کہ اس کی صراحت اگلی حدیث میں ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح یعتمد علی عنزته آپ ﷺ برچھی کا سہارا لے کر خطبہ دیتے تھے، حنفیہ کے نزدیک خطیب کو چاہیے کہ اس ملک میں جس کو مسلمانوں نے قتال کے ذریعہ فتح کیا ہو، تلوار کا سہارا لیکر خطبہ دے، اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ اگر خدانخواستہ کوئی اسلام سے پھرے گا تو اس کے لئے یہ تلوار ابھی باقی ہے، اور جو ملک ایسا نہ ہو اس میں لاٹھی کمان وغیرہ پر ٹیک لگا کر خطبہ دیا جائے۔ (تفصیل کے لئے مراقی الفلاح دیکھئے)

حدیث نمبر ۱۳۶۳ ﴿خطبہ میں حضرت بلالؓ کا سہارا لینا﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۴۴۶

وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ شَهِدْتُ الصَّلٰوۃَ مَعَ النَّبِیِّ ﷺ فِیْ یَوْمِ عِیْدٍ فَبَدَأَ بِالصَّلٰوۃِ قَبْلَ الْخُطْبَۃِ بِغَیْرِ اَذَانٍ وَّلَااِقَامَۃٍ فَلَمَّا قَضَی الصَّلٰوۃَ قَامَ مُتَّکِئًا عَلٰی بِلَالٍ فَحَمِدَ اللّٰہَ وَاَثْنٰی عَلَیْہِ وَوَعَظَ النَّاسَ وَذَکَّرَ ھُمْ وَحَثَّھُمْ عَلٰی طَاعَتِہٖ وَمَضٰی اِلَی النِّسَآءِ وَمَعَہٗ بِلَالٌ فَاَمَرَ ھُنَّ بِتَقْوَی اللّٰہِ وَوَعَظَھُنَّ وَذَکَّرَھُنَّ رَوَاہُ النَّسَائِیُّ۔

حوالہ: نسائی، ص نمبر ۱۷۸ ج ۱، باب قیام الامام فی الخطبة متو کأ، کتاب صلاۃ العیدین، حدیث نمبر ۱۵۷۴

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ میں عید کے دن نماز عید میں حضور ﷺ کے ساتھ شریک جماعت تھا، تو آپ ﷺ نے بغیر اذان واقامت کے خطبہ سے پہلے نماز شروع کی، نماز سے فارغ ہو کر حضرت بلالؓ کا سہارا لے کر کھڑے ہوئے تو آپ ﷺ نے خطبہ میں اللہ کی حمد وثنا بیان کی لوگوں کو نصیحت کی، ان کو آخرت کی یاد دلائی ان کو اللہ کی اطاعت پر ابھارا، پھر آپ ﷺ عورتوں کی طرف گئے، آپ ﷺ کے ساتھ حضرت بلالؓ بھی تھے، پھر آپ ﷺ نے عورتوں کو اللہ سے ڈرنے کا حکم دیا اور ان کو نصیحت کی، اور ان کو آخرت کی یاد دلائی۔ (نسائی)

خلاصۂ حدیث اس حدیث سے یہ بات معلوم ہوئی کہ خطیب کو دوران خطبہ کسی انسان کا سہارا لیکر بھی خطبہ دے سکتا ہے، آپ ﷺ نے حضرت بلالؓ کا سہارا لے کر خطبہ دیا اسی کا ذکر اس حدیث میں ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح فبدأ بالصلاة قبل الخطبة. نماز عیدین میں پہلے نماز ہے، پھر خطبہ ہے، اس کی وضاحت کے لئے حدیث نمبر ۱۳۴۵ دیکھیں بغیر اذان و اقامة، اذان واقامت فرض نماز کے لئے ہے، اور عیدین کی نماز فرض نہیں ہے، لہذا اس میں اذان اقامت نہیں ہے، مزید تحقیق کے لئے حدیث نمبر ۱۳۴۴ دیکھیں، قام متکا آپ ﷺ نے سہارا لے کر خطبہ دیا، سہارا لے کر خطبہ دینے کی حکمت حدیث نمبر ۱۳۶۱ کے تحت دیکھیں، فحمد الله آپ ﷺ نے خطبہ میں اللہ کی حمد وثنا اور مذکورہ امور بیان کئے، خطبہ میں کتنی چیزیں بیان کرنا چاہئے، تحقیق کے لئے حدیث نمبر ۱۳۲۲ دیکھیں، ومضى الى النساء حدیث کے اس جز سے معلوم ہوا کہ عورتیں عیدگاہ آتی تھیں، عورتوں کے عیدگاہ اور مسجد آنے سے متعلق تفصیل کے لئے حدیث نمبر ۸۸۸ دیکھیں۔

حدیث نمبر ۱۳۶٤ ﴿عیدگاہ جانے اور آنے کے راستے﴾ عالمی حدیث نمبر ۱٤٤۷

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ كَانَ النَّبِیُّ ﷺ اِذَا خَرَجَ یَوْمَ الْعِیْدِ فِیْ طَرِیْقٍ رَجَعَ فِیْ غَیْرِهٖ رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَالدَّارِمِیُّ.

حواله: ترمذی ص نمبر ۱۲۰ ج ۱، باب ماجاء فی خروج النبی ﷺ الی العید، کتاب صلاة العیدین، حدیث نمبر ٥٤١ دارمی، ص نمبر ٤٦٠ ج ۱، باب الرجوع من المصلی الخ، کتاب الصلاة حدیث نمبر ۱٦۱۳.

ترجمه: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ عید کے دن جب نکلتے تو ایک راستے سے جاتے تھے، اور دوسرے راستے سے واپس آتے تھے۔ (ترمذی، دارمی)

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ عیدگاہ جانے اور واپس ہونے کے راستے آپ ﷺ کے مختلف تھے، عام فقہاء کے نزدیک یہی سنت ہے، لہذا اتمام لوگوں کو اس پر عمل کرنا چاہئے اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ امیر کیساتھ خاص ہے، یعنی امیر المؤمنین ایک راستے سے جاتے، اور دوسرے راستے سے واپس آتے، یوم العید فی الطریق، ایک راستے سے جانے اور دوسرے سے واپس ہونے کی بہت سی حکمتیں ہیں، ان میں سے ایک یہ ہے کہ دونوں راستے گواہ ہو جائیں گے، مزید تحقیق کیلئے حدیث نمبر ۱۳۵۱ دیکھیں۔

حدیث نمبر ۱۳٦٥ ☆☆☆ عالمی حدیث نمبر ۱٤٤۸

﴿بارش کی وجہ سے آپ ﷺ نے عید کی نماز مسجد میں پڑھی﴾

وَعَنْهُ اَنَّهٗ اَصَابَهُمْ مَطَرٌ فِیْ یَوْمِ عِیْدٍ فَصَلّٰی بِهِمُ النَّبِیُّ ﷺ صَلٰوةَ الْعِیْدِ فِی الْمَسْجِدِ رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَابْنُ مَاجَةَ.

حواله: ابوداؤد ص نمبر ١٦٤ ج ۱، باب من یصلی بالناس العید فی المسجد اذاکان یوم مطر، کتاب الصلاة، حدیث نمبر ۱۱٦۰ ابن ماجه ص نمبر ۹۳ باب ماجاء فی صلاة العید اذاکان مطر، کتاب اقامة الصلاة حدیث نمبر ۱۳۱۳.

ترجمه: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ عید کے روز بارش ہو رہی تھی، تو نبی ﷺ نے لوگوں کو عید کی نماز مسجد میں پڑھائی (ابوداؤد وابن ماجہ)

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ آپ ﷺ کا معمول تو یہی تھا کہ آپ ﷺ عیدین کی نماز مدینہ سے باہر عیدگاہ میں ادا کرتے تھے لیکن اگر عذر پیش آتا تو مسجد نبوی میں ادا فرماتے تھے جیسا کہ حدیث باب میں مذکور ہے کہ آپ ﷺ نے موقع پر بارش کی عذر کی بنا پر مسجد نبوی میں نماز عید ادا کی اس سے معلوم ہوا کہ عیدگاہ میں عید کی نماز ادا کرنا افضل ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح فصلی بهم النبی صلاة العید فی المسجد [illegible] عیدین کی نماز مدینہ منورہ سے باہر نکل صحرا میں ادا فرماتے تھے چنانچہ عیدین کی نماز تمام [illegible] گاہ میں پڑھنا افضل ہے، لیکن مکہ مکرمہ

کے اندر مسجد حرام اس سے مستثنیٰ ہے، آپ ﷺ کے دورِ مبارک سے مسجد حرام میں عیدین کی نماز ہوتی چلی آرہی ہے، اسی پر تعامل ہے، اور اس کی عظمت کی بنا پر اس کو یہ خصوصیت حاصل ہے، اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ عیدین میں بھی اصل یہی ہے کہ اس کو مسجد میں ادا کیا جائے، آپ ﷺ کا عیدگاہ کے لئے جانا اس وجہ سے تھا کہ مسجد کی تنگی کی بنا پر لوگ اس میں سما نہیں سکتے تھے۔

حدیث نمبر ۱۳۶۶ ☆☆☆ عالمی حدیث نمبر ۱۴۴۹

﴿عیدکی نماز بقرعید کے مقابلہ میں قدرے تاخیر سے پڑھنے کا حکم﴾

وَعَنْ اَبِی الْحُوَیْرِثِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ کَتَبَ اِلٰی عَمْرِو بْنِ حَزْمٍ وَّھُوَ بِنَجْرَانَ عَجِّلِ الْاَضْحٰی وَاَخِّرِ الْفِطْرَ وَذَکِّرِ النَّاسَ رَوَاہُ الشَّافِعِیُّ۔

حوالہ: ترتیب مسند الامام الشافعیؒ ص نمبر ۱۵۲ ج ۱، باب صلاۃ العیدین، کتاب الصلاۃ، حدیث نمبر ۴۴۲

ترجمہ: حضرت ابوالحویرث سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمرو بن حزم کی طرف جو نجران میں مامور تھے، لکھا کہ بقرعید کی نماز جلدی پڑھو، اور عیدی کی نماز تاخیر سے ادا کرو اور لوگوں کو وعظ و نصیحت کرو۔ (شافعیؒ)

خلاصۂ حدیث عیدین کی نماز کا وقت ارتفاع شمس سے زوال تک ہے، اور ان نمازوں کو اول وقت میں ادا کرنا بہتر ہے، لیکن عید کی نماز بقرعید کی نماز سے قدرے تاخیر سے پڑھی جائے، آپ ﷺ کا یہی معمول بھی تھا، اور آپ ﷺ نے یہی فرمان بھی جاری کیا تھا۔

کلمات حدیث کی تشریح عجل الاضحی واخر الفطر آپ ﷺ نے نماز عیدالاضحیٰ میں جلدی کرنے اور نماز عیدالفطر میں قدرے تاخیر کا حکم دیا، آپ ﷺ کا عمل بھی اسی پر تھا، حدیث ہے کان النبی ﷺ یصلی بنا یوم الفطر والشمس علی قید رمحین والاضحی علی قید رمح. آپ ﷺ عیدالفطر کی نماز اس وقت ادا فرماتے تھے، جب کہ سورج دو نیزہ کی بلندی پر ہوتا، اور عیدالاضحیٰ کی نماز اس وقت پڑھتے تھے، جب کہ سورج ایک نیزہ پر ہوتا تھا۔

سوال: عیدالفطر کی نماز عیدالاضحیٰ کے مقابلہ میں مؤخر کرنے میں کیا حکمت ہے؟

جواب: عیدالاضحیٰ کی نماز کے بعد ایک اہم کام قربانی اور اس کے متعلقات کو انجام دینا ہے، جب کہ عیدالفطر کے بعد بظاہر کوئی ایسا کام نہیں ہے، اس لئے عیدالفطر میں قدرے تاخیر کا حکم ہے اور عیدالاضحیٰ میں جلدی کا حکم ہے۔

حدیث نمبر ۱۳۶۷ ﴿عید کی نماز اگلے دن پڑھنے کا تذکرہ﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۴۵۰

وَعَنْ اَبِیْ عُمَیْرِ بْنِ اَنَسٍ عَنْ عُمُوْمَۃٍ لَّہٗ مِنْ اَصْحَابِ النَّبِیِّ ﷺ اَنَّ رَکْبًا جَاؤُا اِلَی النَّبِیِّ ﷺ یَشْھَدُوْنَ اَنَّھُمْ رَاَوُا الْھِلَالَ بِالْاَمْسِ فَاَمَرَھُمْ اَنْ یُّفْطِرُوْا وَاِذَا اَصْبَحُوْا اَنْ یَّغْدُوْا اِلٰی مُصَلَّاھُمْ رَوَاہُ اَبُوْدَاوٗدَ وَالنَّسَائِیُّ۔

حوالہ: ابو داوٗد، ص نمبر ۱۶۴ ج ۱، باب اذالم یخرج الامام للعیدین یومہ یخرج الغد، کتاب الصلاۃ، حدیث نمبر ۱۱۵۷، نسائی ص نمبر ۱۷۷ ج ۱، باب الخروج الی العیدین من الغد، کتاب صلاۃ العیدین، حدیث نمبر ۱۵۵۶

ترجمہ: حضرت ابوعمیر بن انسؓ اپنے چچاؤں سے جو کہ نبی کریم ﷺ کے صحابہ میں سے ہیں، روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں ایک قافلہ آیا، اور انہوں نے گواہی دی کہ ان لوگوں نے کل گذشتہ عید کا چاند دیکھا ہے، آپ ﷺ نے لوگوں کو حکم دیا کہ روزہ کو توڑ دیں، اور اگلی صبح کو اپنی عیدگاہ پہنچیں۔ (ابوداوٗد، نسائی)

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ مدینہ میں ۲۹ رمضان المبارک کا دن گزار کر شب میں چاند نظر نہ آیا، تو ۳۰ رمضان المبارک کا روزہ بھی سب نے رکھا، ۳۰ تاریخ کو ایک قافلہ نے آکر گذشتہ شب رویت ہلال کی شہادت دی تو آپ ﷺ

نے روزہ افطار کروا کر اگلے دن عید الفطر کی نماز ادا کی، معلوم ہوا کہ اگر کسی وجہ سے عید کے دن عید الفطر کی نماز زوال شمس تک ادا نہ کی جاسکتی ہو، تو اگلے دن زوال شمس تک پڑھنے کی گنجائش ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح واذا اصبحوا ان یغدوا الی مصلاھم چونکہ عید کی نماز ادا نہیں کی جاسکی، اس لئے آپ ﷺ نے اگلے دن عید کی نماز کے لئے عید گاہ پہنچنے کا حکم دیا، عید الفطر کی نماز کی قضا صرف اگلے دن زوال شمس تک ہے، اور عید الاضحیٰ کی نماز کی یوم النحر کے آخری دن تک ہے، اگر کسی شخص کی نماز عید چھوٹ گئی، تو حنفیہ کے نزدیک تنہا اس کے ذمہ عید کی نماز کی قضا نہیں ہے، شوافع کے نزدیک ایسا شخص انفرادی طور پر دو رکعت پڑھ لے۔

الفصل الثالث

حدیث نمبر ۱۳۶۸ ☆☆☆ عالمی حدیث نمبر ۱۴۵۱

﴿عیدین کی نماز کے لئے اذان واقامت نہ کہی جائے﴾

عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ قَالَ اَخْبَرَنِیْ عَطَآءٌ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَجَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَا لَمْ يَكُنْ يُؤَذَّنُ يَوْمَ الْفِطْرِ وَلَا يَوْمَ الْاَضْحٰى ثُمَّ سَاَلْتُهٗ يَعْنِیْ عَطَآءً بَعْدَ حِيْنٍ عَنْ ذٰلِكَ فَاَخْبَرَنِیْ قَالَ اَخْبَرَنِیْ جَابِرُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ اَنْ لَّا اَذَانَ لِلصَّلٰوةِ يَوْمَ الْفِطْرِ حِيْنَ يَخْرُجُ الْاِمَامُ وَلَا بَعْدَ مَا يَخْرُجُ وَلَا اِقَامَةَ وَلَا نِدَآءَ وَلَا شَیْءَ لَا نِدَآءَ يَوْمَئِذٍ وَّلَا اِقَامَةَ رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

حوالہ: مسلم، ص نمبر ۲۹۰ ج ۱ کتاب صلاۃ العیدین حدیث نمبر ۸۸۶.

ترجمہ: حضرت ابن جریج سے روایت ہے کہ مجھے حضرت عطاءؒ نے حضرت ابن عباسؓ و حضرت جابرؓ سے روایت کرتے ہوئے بتایا کہ ان دونوں حضرات نے فرمایا کہ عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے دن ان نمازوں کے لیے اذان نہیں دی جاتی تھی پھر میں نے حضرت عطاء سے ایک مدت کے بعد اس بارے میں پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ مجھے جابر بن عبد اللہؓ نے بتایا کہ عید الفطر کے دن نماز عید کے لئے اذان نہیں ہے، نہ امام کے عید گاہ نکلنے کے وقت اور نہ نکلنے کے بعد ہے، اور نہ تکبیر ہے، اور نہ نداء ہے، اور نہ کچھ اور ہے، اس دن نہ نداء ہے اور نہ اقامت ہے۔ (مسلم)

خلاصۂ حدیث اس حدیث میں بہت زور دے کر اور تاکید کے ساتھ اس بات کو بیان کیا گیا ہے، کہ عیدین کی نماز کے لیے اذان و اقامت یا کسی اور قسم کا اعلان مشروع نہیں ہے رسول اللہ ﷺ کے دور سے اس پر عمل چلا آ رہا ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح النداء نداء سے بعض لوگوں نے اعلان مراد لیا ہے۔ عید کے دن کسی اعلان کے ذریعہ بھی عید گاہ میں جمع نہ کیا، لیکن ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ "وینبغی ان یفسر النداء بالاذان لانه یستحب ان ینادی لها الصلاۃ جامعة بالاتفاق مطلب یہ ہے کہ یہاں نداء کے معنی اذان ہیں، کیونکہ عید کے دن عید کی نماز کے لئے اعلان مثلاً الصلاۃ جامعة، پکارنا بالاتفاق مستحب ہے، دونوں طرح کے اقوال جمع کرنے کے لئے یہ کہا جائے گا کہ اعلان کی ممانعت کا تعلق عید گاہ کے اندر اعلان کرنے اور بالالتزام اعلان کرنے سے ہے، اور استحباب کا تعلق اس اعلان سے ہے جو مسجد کے باہر ہو۔

حدیث نمبر ۱۳۷۰ ☆☆☆ عالمی حدیث نمبر ۱۴۵۲

﴿عیدین کی نماز سے پہلے خطبہ ہونے پر اظہار ناگواری﴾

وَعَنْ اَبِیْ سَعِيْدِ نِ الْخُدْرِیِّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ يَخْرُجُ يَوْمَ الْاَضْحٰى وَيَوْمَ الْفِطْرِ فَيَبْدَاُ بِالصَّلٰوةِ فَاِذَا صَلّٰى صَلٰوتَهٗ قَامَ فَاَقْبَلَ عَلَى النَّاسِ وَهُمْ جُلُوْسٌ فِیْ مُصَلَّاهُمْ فَاِنْ كَانَتْ لَهٗ حَاجَةٌ بِبَعْثٍ ذَكَرَهٗ لِلنَّاسِ

اَوْكَانَتْ لَهٗ حَاجَةٌ بِغَيْرِ ذٰلِكَ اَمَرَهُمْ بِهَا وَكَانَ يَقُوْلُ تَصَدَّقُوْا تَصَدَّقُوْا تصدقوا وَكَانَ اَكْثَرُ مَنْ يَّتَصَدَّقُ النِّسَآءُ ثُمَّ يَنْصَرِفُ فَلَمْ يَزَلْ كَذٰلِكَ حَتّٰى كَانَ مَرْوَانُ بْنُ الْحَكَمِ فَخَرَجْتُ مُخَاصِرًا مَّرْوَانَ حَتّٰى اَتَيْنَا الْمُصَلّٰى فَاِذَا كَثِيْرُ بْنُ الصَّلْتِ قَدْ بَنٰى مِنْبَرًا مِّنْ طِيْنٍ وَّلَبِنٍ فَاِذَا مَرْوَانُ يُنَازِعُنِىْ يَدَهٗ كَاَنَّهٗ يَجُرُّنِىْ نَحْوَ الْمِنْبَرِ وَاَنَا اَجُرُّهٗ نَحْوَ الصَّلٰوةِ فَلَمَّا رَاَيْتُ ذٰلِكَ مِنْهُ قُلْتُ اَيْنَ الْاِبْتِدَآءُ بِالصَّلٰوةِ فَقَالَ لَا يَا اَبَا سَعِيْدٍ قَدْ تُرِكَ مَا تَعْلَمُ قُلْتُ كَلَّا وَالَّذِىْ نَفْسِىْ بِيَدِهٖ لَا تَاْتُوْنَ بِخَيْرٍ مِّمَّا اَعْلَمُ ثَلٰثَ مِرَارٍ ثُمَّ انْصَرَفَ رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

حوالہ: مسلم، ص نمبر ۲۹۰ ج۱، کتاب صلاۃ العیدین، حدیث نمبر ۸۸۹.

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ عید الاضحیٰ اور عید الفطر کے دن نکلتے تو ابتداء نماز سے کرتے، پھر جب نماز سے فارغ ہوجاتے تو کھڑے ہوتے اور لوگوں کی طرف متوجہ ہوتے جب کہ لوگ اپنی نماز کی جگہ بیٹھے رہتے، پھر آپ ﷺ کو لشکر کو روانہ کرنے کی ضرورت ہوتی تو آپ ﷺ لوگوں کے سامنے اس کا تذکرہ فرماتے، اس کے علاوہ کوئی ضرورت ہوتی تو لوگوں کو اس کا حکم کرتے، اور آپ ﷺ فرماتے صدقہ کرو صدقہ کرو اور صدقہ کرنے والوں میں عورتوں کی کثرت ہوتی تھی، اس کے بعد آپ ﷺ تشریف لے آتے، پھر یہی سلسلہ جاری رہا، یہاں تک کہ مروان بن الحکم مدینہ کا گورنر مقرر ہوا، چنانچہ میں مروان کے ہاتھ میں ہاتھ ڈالے نکلا، یہاں تک ہم دونوں عید گاہ پہنچ گئے، تو اچانک میری نگاہ اس منبر پر پڑی جس کو کثیر بن صلت نے مٹی اور کچی اینٹ سے بنایا تھا، پھر اچانک مروان مجھے اپنے ہاتھ سے گھسیٹنے لگا، گویا کہ وہ مجھے منبر کی طرف کھینچ کر لے جانا چاہتا ہو، اور میں اس کو نماز کی طرف کھینچ رہا تھا، جب میں اس کی جانب سے یہ صورت حال دیکھی تو میں نے کہا کہ نماز سے ابتدا کرنے کا دستور کہاں چلا گیا، مروان بولا اے ابوسعید جھگڑا نہ کرو، جو چیز تمہارے علم میں ہے وہ چھوڑ دی گئی ہے، میں نے کہا کہ ہرگز نہیں، اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے، جو چیز میرے علم میں ہے تم اس سے بہتر پیش نہیں کرسکتے ہو، یہ کلمات تین بار فرمائے، پھر واپس چلے آئے۔ (مسلم)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ آپ ﷺ کا یہ معمول تھا کہ آپ ﷺ عید الفطر اور عید الاضحیٰ کا خطبہ نماز کے بعد دیتے تھے، کیونکہ لوگ اصلاً نماز پڑھنے آتے ہیں، اس لئے آپ ﷺ پہلے نماز پڑھاتے پھر خطبہ دیتے، جمعہ میں بھی یہی معمول تھا، لیکن مدینہ میں ایک واقع پیش آگیا، جسکا ذکر حدیث نمبر ۱۳۴۳ کے تحت ہوا ہے، اس واقعہ کے بعد سے آپ ﷺ نے جمعہ میں خطبہ نماز سے مقدم کردیا لیکن عیدین کا خطبہ آپ ﷺ کے دورِ مبارک میں اپنی اصل پر رہا، پھر خلفاء راشدین کے دور میں بھی یہی صورتِ حال برقرار رہی حضرت معاویہ کے دورِ خلافت میں انکے گورنر مروان بن حکم نے خطبہ کو مقدم کردیا لوگوں نے اس صورت حال پر ناگواری کا اظہار کیا، کیونکہ یہ چیز آپ ﷺ کی اور خلفاء راشدین کی سنت کے خلاف تھی، حدیث باب میں حضرت ابوسعید خدری کی ناگواری کا ذکر ہے، انہوں نے صاف طور پر یہ سمجھا دیا کہ جو چیز آپ ﷺ کے دور اور خلفاء راشدین کے دور میں تھی اسکو تبدیل کرنا اور اسکو بہتر نہ سمجھنا قطعاً غلط ہے، چنانچہ انہی اولیاء اللہ کی کوشش کا نتیجہ ہے کہ آپ ﷺ کی سنت اپنی اصل شکل پر باقی ہے، اور امت کا اسپر تعامل چلا آرہا ہے

کلمات حدیث کی تشریح این الابتداء بالصلاۃ یعنی آپ ﷺ کے دورِ مبارک سے یہ سنت چلی آرہی ہے کہ نماز عیدین خطبہ سے مقدم ہوتی ہے، پھر اس کی ابتدائیت کہاں چلی گئی۔

سوال: مروان نے خطبہ کو عیدین کی نماز پر کیوں مقدم کیا؟

جواب: مروان اپنے خطبہ میں حضرت علیؓ کے اصحاب کو برا بھلا کہتا تھا اور ان کی مذمت کرتا تھا، اس بناپر بہت سے لوگ خطبہ سنے بغیر چلے جایا کرتے تھے، اس کا حل یہ نکالا کہ خطبہ کو مقدم کردیا، کیونکہ بغیر نماز پڑھے لوگ واپس ہو ہی نہیں سکتے، لہٰذا مجبوراً خطبہ سننا پڑتا تھا، مروان ہی وہ شخص ہے جس نے خطبہ عید کو سب سے پہلے مقدم کیا، امام ترمذی فرماتے ہیں کہ "اول من خطب قبل العید مروان"

(ترمذی ص نمبر ۷۰، ج ۱) یہیں سے یہ بات معلوم ہوئی کہ بعض لوگ حضرت معاویہؓ یا حضرت عثمانؓ کی طرف اس بات کی نسبت کرتے ہیں کہ انہوں نے عیدین کی نماز پر خطبہ کو مقدم کیا وہ نسبت کرنا غلط ہے، نیز حضرت ابن عباسؓ کی روایت گذر چکی ہے، کہ شهدت العيد مع رسو الله ﷺ وابى بكر وعمر وعثمان فكلهم يصلون قبل الخطبة.

باب الأضحية

«قربانی کا بیان»

اس باب کے تحت جو احادیث ہیں ان میں قربانی کی اہمیت قربانی کرنے والوں کو ملنے والا ثواب اور قربانی نہ کرنے پر جو وعید ہے، اس کا ذکر ہے قرآن مجید میں ایک موقع پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "والذين جاهدوا فينا لنهدينهم سبلنا" (سورہ عنکبوت) اور جو لوگ ہماری راہ میں مشقتیں برداشت کرتے ہیں ہم ان کو اپنے راستے ضرور دکھادیں گے، اسلام میں بندے سے قربانی کا جو مطالبہ کیا گیا ہے اس میں بھی مقصود چھوٹی چیز جانور کی قربانی کر کے بڑی چیز اللہ کی رضامندی اور خوشنودی حاصل کرنا ہے فرمانِ باری ہے "ورضوان من الله اكبر" (سورۂ توبہ) اور اللہ کی رضامندی بڑی چیز ہے، لیکن اس رضامندی کے حصول کے لئے ایک بنیادی شرط خلوص نیت ہے۔

قربانی کی بنیادی شرط خلوص: قربانی سے اصل مقصود تقرب بارگاہ خداوندی ہے، گوشت وخون مقصود نہیں ہے، اسی لئے فرمایا گیا "لن ينال الله لحومها" کہ اللہ تعالیٰ کے پاس نہ اس (قربانی کے جانوروں) کا گوشت پہنچتا ہے اور نہ ان کا خون لیکن اس کے پاس تمہارا تقویٰ پہنچتا ہے، حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ آیت کے ذیل میں فرماتے ہیں "اس آیت میں یہ بتلانا مقصود ہے کہ قربانی جو ایک عظیم عبادت ہے اللہ کے پاس اس کا گوشت اور خون نہیں پہنچتا اور نہ ہی وہ مقصود ہے، بلکہ مقصود اصلی اس پر اللہ کا نام لینا اور حکم ربانی کی بجا آوری دلی اخلاص کے ساتھ ہے، یہی حکم دوسری تمام عبادات کا ہے کہ نماز کی نشست وبرخاست روزے میں بھوکا پیاسا رہنا اصل مقصود نہیں، بلکہ اصل مقصود دلی اخلاص ومحبت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل ہے، اگر یہ عبادات اس اخلاص ومحبت سے خالی ہیں تو صرف صورت اور ڈھانچہ ہے روح غائب ہے۔ (معارف القرآن ۶/۱۰۳) قرآن کریم میں ہے "انما يتقبل الله من المتقين" (سورۂ مائدہ) اللہ تعالیٰ تو تقویٰ والوں ہی سے قبول فرماتا ہے۔

حضرت ابراهیم کی قربانی کی حقیقت: سیدنا ابراہیم علیہ الصلاۃ والتسلیم کی قربانی جن کی پیروی میں امت محمد یہ پر قربانی واجب ہوئی اس کی حقیقت پر سیرۃ النبی کے مصنف رقم طراز ہیں، لیکن یہ قربانی کیا تھی؟ یہ محض خون اور گوشت کی قربانی نہ تھی، بلکہ روح اور دل کی قربانی تھی، یہ ماسوی اللہ اور غیر کی محبت کی قربانی خدا کی راہ میں تھی، یہ اپنے عزیز ترین متاع کو خدا کے سامنے پیش کردینے کی نذر تھی، یہ خدا کی اطاعت، عبودیت اور کامل بندگی کا بے مثال منظر تھا، یہ تسلیم ورضا اور صبر وشکر کا وہ امتحان تھا جس کو پورا کئے بغیر دنیا کی "پیشوائی" اور آخرت کی نیکی نہیں مل سکتی یہ باپ کا اکلوتے بیٹے کے خون سے زمین کو رنگین کردینا تھا، بلکہ خدا کے سامنے اپنے تمام جذبات اور خواہشوں، تمناؤں اور آرزوؤں کی قربانی تھی، اور خدا کے حکم کے سامنے اپنے ہر قسم کے ارادے اور مرضی کو معدوم کردینا تھا، اور جانور کی ظاہری قربانی اس اندرونی نقش کا ظاہری عکس اور اس خورشید حقیقت کا ظلِ مجاز تھا۔ (۵/۱۷۶)

قربانی کی تاریخ: خدا کی بارگاہ میں حلال جانور ذبح کر کے تقرب حاصل کرنے کا دستور بہت دیرینہ اور قدیم ہے، حضرت آدم علیہ السلام کے دو بیٹے ہابیل وقابیل کی قربانی پیش کرنے کا ذکر خود قرآن میں آیا ہے، "اذقربا قربانا فتقبل من احدهما" جب نیاز (قربانی) کی دونوں نے کچھ نیاز اور مقبول ہوئی ایک کی "ولم يتقبل من الأخر" (سورۂ مائدہ) اور دوسرے کی مقبول نہ ہوئی۔

ابن کثیرؒ نے بروایت ابن عباسؓ اس آیت کی تفسیر میں نقل فرمایا کہ ہابیل نے ایک مینڈھے کی قربانی پیش کی اور قابیل نے ایک

کھیت کی پیدوار سے کچھ غلہ وغیرہ صدقہ کر کے قربانی پیش کی، حسب دستور آسمان سے آگ نازل ہوئی اور ہابیل کے مینڈھے کو کھالیا اور قابیل کی قربانی کو چھوڑ دیا، اس لئے قربانی کے قبول ہونے یا نہ ہونے کی پہچان انبیاء وسابقین کے عہد میں یہ تھی کہ جس کی قربانی کو اللہ تعالیٰ قبول فرمالیتے تو ایک آگ آسمان سے آتی اور اس کو جلا کر خاک کر دیتی تھی، سورۂ آل عمران میں اس کا ذکر صراحتاً آیا ہے،"بقربان تاکله النار"(آل عمران) دوسری جگہ ہے،"ولکل امة جعلنا منسکا لیذکروا اسم الله علی ما رزقهم من بهیمة الانعام"(سورۂ حج) اور ہر امت کے واسطے ہم نے مقرر کردی ہے قربانی کہ کریں اللہ کے نام چوپایوں کے ذبح پر جو اللہ نے ان کو دیئے ہیں۔ اس سے پتہ چلا کہ خدا کی بارگاہ میں قربانی پیش کر کے تقرب حاصل کرنے کا طریقہ بہت قدیم ہے۔

حضرت ابراهیم کی آزمائش اوربچیے کی قربانی: حضرت ابراہیم کو خواب دکھلایا گیا کہ اپنے بیٹے اسماعیل کو اپنے ہاتھوں ذبح کر رہے ہیں، عجیب وغریب خواب سے حیرانی بھی ہوئی، خیال کیا کہ شاید اللہ کو کچھ قربانی مقصود ہے، صبح کو بہت سے اونٹ ذبح کیے، لیکن اگلی رات پھر یہی خواب نظر آیا پھر اس سے اگلی رات بھی یہی منظر نگاہوں کے سامنے رہا، اب دل کو پختہ یقین ہو گیا کہ کچھ اور نہیں صرف اور صرف اسماعیل کی قربانی خدا کو منظور ہے، پھر کیا تھا باپ بیٹے اس کے لئے بھی جان ودل سے تیار ہو گئے، چھری درسی لے کر دونوں منٰی کی جانب نکل پڑے، پورے عالم پر ایک سکتہ ہے، سب کی زبان پر ہے اے اللہ یہ ماجرا کیا ہے؟ کیا آج باپ ابراہیم کے ہاتھوں بیٹے اسماعیل کو ذبح کرا کے بارگاہ خداوندی میں نذرانے کی نئی طرح بنیاد ڈالی جائے گی؟ ادھر شیطان یعنی خالق اور مخلوق کے بیچ کا روڑا شدید پیچ وتاب میں تھا وسوسے سے کام نہ چلا تا سینہ تان کر یکے بعد دیگرے منٰی کے تین مقام پر مزاحم بنا، لیکن حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیلؑ دونوں نے اپنی ایمانی قوت سے اس کو مار بھگایا، یہی وہ جگہ ہے جہاں حجاج کرام، شیطان کو کنکریاں مارتے ہیں، باپ بیٹے دونوں فدائیت وجانثاری کے جذبہ سے سرشار آگے بڑھے بیٹے نے باپ کے کہنے پر سر اور پیشانی زمین پر ڈال دی اور باپ نے چھری لے کر اپنے مولیٰ کی رضا کی خاطر بیٹے کے حلقوم پر چھری پھیری، لیکن وہاں بیٹے کی قربانی مقصود تھی ہی نہیں، مقصود تو خدا کے حکم پر مر مٹنے کا جذبہ دیکھنا تھا، اس میں دونوں باپ بیٹے سو فیصد کامیاب نکلے، اللہ نے حضرت جبرائیلؑ کی وساطت سے ایک دنبہ جنت سے بھیجا، جو حضرت اسماعیل کی جگہ لٹایا گیا اور اسی کو خدا کی راہ میں قربان کیا گیا، قرآن نے باپ بیٹوں کی جانثاری فدائیت اور جذبۂ قربانی کو بڑے دلکش اور خوش اسلوب انداز میں سورۂ صافات کے اندر ذکر کیا ہے۔

يٰبُنَيَّ اِنِّيْۤ اَرٰى فِي الْمَنَامِ اَنِّيْۤ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰى قَالَ يٰۤاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِيْۤ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ فَلَمَّاۤ اَسْلَمَا وَتَلَّهٗ لِلْجَبِيْنِ وَ نَادَيْنٰهُ اَنْ يّٰۤاِبْرٰهِيْمُ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْيَا اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْبَلٰٓؤُا الْمُبِيْنُ وَفَدَيْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِيْمٍ

برخوردار میں دیکھتا ہوں کہ میں تم کو (بامر الٰہی ذبح کر رہا ہوں، سوتم بھی سوچ لو تمہاری کیا رائے ہے، کہا (اسماعیل) اے ابا جان آپ کے پاس جو حکم آیا ہے اسکو کر گذریئے اور جہاں تک میرا معاملہ ہے تو آپ انشاء اللہ مجھے صبر کرنیوالوں میں سے پائیں گے غرض جب دونوں نے خدا کے حکم کو تسلیم کرلیا اور باپ نے بیٹے کو (ذبح کرنے کیلئے) کروٹ پر لٹایا اور ہم نے پکارا اے ابراہیم تم نے خواب سچ کر دکھایا ہم مخلصین کو ایسا ہی صلہ دیا کرتے ہیں، درحقیقت یہ کھلا امتحان تھا اور ہم نے اسکے عوض ایک عظیم ذبیحہ مینڈھا دے دیا۔

قربانی کی فضیلت: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ذی الحجہ کی دسویں تاریخ یعنی عیدالاضحیٰ کے دن فرزند آدم کا کوئی عمل اللہ کو قربانی سے زیادہ محبوب نہیں اور قربانی کا جانور قیامت کے دن اپنے سینگوں اور بالوں اور کھروں کے ساتھ (زندہ ہو کر) آئے گا اور قربانی کا خون زمین پر گرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کی رضا اور مقبولیت کے مقام پر پہنچ جاتا ہے، اے خدا کے بندوں

دل کی پوری خوشی سے قربانیاں کیا کرو۔ (جامع ترمذی ۱/۲۷۵) حضرت زید بن ارقمؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے بعض اصحاب نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ان قربانیوں کی کیا حقیقت اور کیا تاریخ ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا یہ تمہارے جد امجد حضرت ابراہیم کی سنت ہے، ان صحابہ نے عرض کیا پھر ہمارے لئے یا رسول اللہ ﷺ ان قربانیوں میں کیا اجر ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا قربانی کے جانور کے ہر ہر بال کے عوض ایک نیکی، انہوں نے عرض کیا تو کیا اون کا بھی یا رسول اللہ ﷺ یہ حساب ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں اون یعنی اون والے جانور کی قربانی کا اجر بھی اسی شرح اور اسی حساب سے ملے گا کہ اس کے بھی ہر بال کے عوض ایک نیکی ملے گی۔ (ابن ماجہ) حنش بن عبداللہ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کو دو مینڈھوں کی قربانی کرتے دیکھا تو میں نے ان سے عرض کیا کہ یہ کیا ہے انھوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے وصیت فرمائی کہ میں آپ کی طرف سے بھی قربانی کیا کروں تو ایک قربانی میں آپ کی طرف سے کرتا ہوں۔ (سنن ابی داؤد ۲/۳۸۵)

حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے فاطمہ اپنی قربانی کے ذبح کے وقت اٹھ اور پاس موجود رہ، کیوں کہ پہلا قطرہ جو قربانی کا زمین پر گرتا ہے اس کے ساتھ ہی تیرے تمام گناہوں کی مغفرت ہو جائے گی، اور یاد رکھ کہ قیامت کے دن اس قربانی کا خون اور گوشت لایا جائے گا، اور تیری میزان عمل میں ستر حصہ بڑھا کر رکھ دیا جائے گا اور ان سب کے بدلے نیکیاں دی جائیں گی، ابو سعیدؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! یہ مذکورہ ثواب کیا خاص آل محمد کے لئے ہے، کیوں کہ وہ اس کے لائق بھی ہیں کہ کسی چیز کے ساتھ خاص کئے جائیں یا آل محمد کے لئے اور سب مسلمانوں کے لئے عام ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ آل محمد کے لئے ایک طرح سے خاص بھی ہے اور سب مسلمانوں کے لئے عام بھی (اصبہانی) حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص قربانی کرنے کی گنجائش رکھے اور پھر قربانی نہ کرے سو وہ ہماری عیدگاہ میں نہ آئے۔ (حاکم) اللہ تعالیٰ ہم سب کو خلوص نیت سے قربانی کی توفیق مرحمت فرمائے۔ (آمین)

حدیث نمبر ۱۳۷۱ ﴿آپؐ کا قربانی فرمانا﴾ عالمی نمبر حدیث ۱۴۵۳

عَنْ اَنَسٍ قَالَ ضَحّٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ بِكَبْشَيْنِ اَمْلَحَيْنِ اَقْرَنَيْنِ ذَبَحَهُمَا بِيَدِهٖ وَسَمّٰى وَكَبَّرَ قَالَ رَاَيْتُهٗ وَاضِعًا قَدَمَهٗ عَلٰى صِفَاحِهِمَا وَيَقُوْلُ بِسْمِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حوالہ: بخاری ص/۸۳۴ ج.۲. باب وضع القدم علی صفح الذبیحة. کتاب الاضاحی، حدیث. مسلم ص: ۱۵۵. ج، ۲. باب استحباب الاضحیة، کتاب الاضاحی، حدیث/۱۹۶۶.

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دو چت کبرے سینگ دار مینڈھے اپنے ہاتھوں سے ذبح کئے۔ آپؐ نے ذبح کرتے وقت بسم اللہ اور اللہ اکبر پڑھا، حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ آپ قربانی کرتے وقت اپنا پاؤں جانوروں کے پہلوؤں پر رکھے ہوئے ہیں، اور بسم اللہ اللہ اکبر پڑھ رہے ہیں۔ (بخاری و مسلم)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ قربانی کا جانور اپنے ہاتھ سے ذبح کرنا مستحب ہے۔ لیکن یہ جب ہے جب ذبح کرنے کا طریقہ معلوم ہو اور بسہولت ذبح کرنے پر قدرت ہو۔

کلمات حدیث کی تشریح کبشین "کبش" یعنی دنبہ کی قربانی کرنا افضل ہے ترمذی میں روایت ہے کہ "خیر الاضحیة الکبش" سب سے بہتر دنبہ کی قربانی ہے۔ املحین املح کہتے ہیں چت کبرے کو، یعنی جس میں سفیدی اور سیاہی دونوں رنگوں کی شمولیت ہو، عمدۃ القاری میں ہے "الاملح الذی فیه البیاض والسواد ویکون البیاض اکثر"

(عمدہ ص/ج۲۱/۱۵۱) اقرنین قربانی کا جانور بے عیب ہونا چاہئے۔سینگوں دار ہوتو بہت بہتر ہے۔ابوداؤد کی روایت میں ہے"ان رسول اللہ صلی اللہ وسلم امر بکبش اقرن الخ" آپ ﷺ نے ایسے مینڈھے کی قربانی کا حکم فرمایا جوسینگ دار ہو۔آپ ﷺ نے خودسینگ دار مینڈھے کی قربانی فرمائی ہے۔ذبحھمابیدہ قربانی کا جانور آپ ﷺ نے اپنے ہاتھوں ذبح فرمایا ہے۔اپنے ہاتھ سے جانور ذبح کرنا مندوب ہے،لیکن قربانی کی صحت کے لئے شرط نہیں۔کوئی دوسرا شخص بھی ذبح کرسکتا ہے۔بخاری میں ہے"اعان رجل ابن عمر فی بدنة" ایک شخص نے عبداللہ بن عمرؓ کی قربانی کرنے میں مدد کی،جب قربانی کرنے میں تعاون کرنا اور تعاون لینا درست ہے تو اپنا نائب بنانا یعنی دوسرے سے قربانی کا جانور اپنی طرف سے ذبح کرانا بھی درست ہے۔البتہ ایسی صورت میں قربانی کرنے والے کا بوقت قربانی موقع پر موجود رہنا مستحب ہے۔آپ ﷺ نے حضرت فاطمہؓ کو حکم دیا تھا کہ "قومی الی اضحیتك، فاشھدیھافانه یغفرلك عنداول قطرةِ تقطرمن دمھا کل ذنب عملته "ذبح کرتے وقت بسم اللہ کہنا حنفیہ کے نزدیک شرط ہے،اور تکبیر کہنا مستحب ہے۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے"ولاتاکلوا ممالم یذکر اسم اللّٰہ علیه"واضعا قدمه علی صفاحھما قربانی کے جانور کو ذبح کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اس کو بائیں کروٹ پر لٹایا جائے،تاکہ اس کا سر ذبح کرنے والے کے بائیں طرف ہوجائے۔اور ذبح کرنے والا اس کے سر کو بائیں ہاتھ سے دبا کر دائیں ہاتھ سے بسہولت ذبح کرے۔اور ذبح کرنے والا جانور کے ایک جانب پر قدم بھی رکھ لے،تاکہ جانور کی موت جلد واقع ہوجائے۔

سوال: حدیث باب میں لفظ"صفاح آیا ہے،جو کہ "صفح" کی جمع ہے،ذبح کرنے والا جانور کے ایک جانب قدم رکھتا ہے تو پھر واحد کو چھوڑ کر جمع لانے کی کیا ضرورت پیش آگئی۔

جواب: یہاں جمع کا صیغہ دو کے لئے استعمال ہوا ہے بعض لوگوں کے نزدیک اقل جمع دو ہے،جیسا کہ قرآن مجید کی آیت "فقد صغت قلوبکما" میں ہے،یہاں "قلوب" جمع ہے حالانکہ دو قلب مراد ہیں،اصل میں تثنیہ کی اضافت جب تثنیہ کی طرف ہوتی ہے تو تقسیم کا فائدہ حاصل ہوتا ہے،یعنی دو چیزوں کو جب دو کی طرف منسوب کیا جاتا ہے تو ہر ایک کے حصہ میں ایک ایک شئی آتی ہے،یہاں "صفاح" جو کہ صفحتین" کے معنی میں ہے،"کبشین" کی طرف منسوب ہے،تو ایک "کبشه" کے حصہ میں ایک "صفحہ" آیا اور معنی یہ ہوئے آپ ﷺ نے دونوں کبشہ کے ایک ایک صفحہ پر قدم رکھا (عمدۃ القاری ص:۱۵۴/ج۲۱)

حدیث نمبر ۱۳۷۲ ﴿آپ کا امت کوقربانی کے ثواب میں شریک فرمانا﴾ عالمی حدیث نمبر ۱٤٥٤

وَ عَنْ عَآئِشَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَمَرَ بِكَبْشٍ اَقْرَنَ يَطَأُ فِيْ سَوَادٍ وَّ يَبْرُكُ فِيْ سَوَادٍ وَّيَنْظُرُ فِيْ سَوَادٍ فَاُتِيَ بِهٖ لِيُضَحِّيَ بِهٖ قَالَ يَا عَآئِشَةُ هَلُمِّي الْمُدْيَةَ ثُمَّ قَالَ اشْحَذِيْهَا بِحَجَرٍ فَفَعَلْتُ ثُمَّ اَخَذَهَا وَاَخَذَ الْكَبْشَ فَاَضْجَعَهٗ ثُمَّ ذَبَحَهٗ ثُمَّ قَالَ بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُمَّ.

حوالہ: مسلم،ص/۱٥٤ ج۲/باب استحباب الاضحیة ،کتاب الاضاحی،حدیث/۱۹٦۷۔

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دنبہ لانے کا حکم کیا جو سینگ دار ہو،جو سیاہی میں چلتا ہو،سیاہی میں بیٹھتا ہو،اور سیاہی میں دیکھتا ہو،چنانچہ ایسا ہی دنبہ لایا گیا،تاکہ آپ ﷺ اس کی قربانی کریں،آپ ﷺ نے فرمایا کہ عائشہ چھری لے کر آؤ،پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ چھری کو پتھر پر تیز کرو،میں نے چھری تیز کی،پھر آپ ﷺ نے چھری لی اور دنبہ کو پکڑا پھر اس کو لٹایا اور ذبح کرنے کا ارادہ کیا،تو یہ پڑھا"بسم اللہ الخ" اللہ کے نام سے ذبح کرتا ہوں اے اللہ اس قربانی کو محمد ﷺ کی طرف سے،آل محمد کی طرف سے اور امت محمد کی طرف سے قبول فرمائیے۔پھر آپ ﷺ نے اس دنبہ کی قربانی کی (مسلم)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ آپ ﷺ نے ایسا دنبہ لانے کا حکم کیا جو سینگ دار ہونے کے ساتھ سیاہ ٹانگوں، سیاہ، پیٹ، اور سیاہ، پہلو والا ہو، اس کی آنکھیں خوبصورت اور سرگیں ہوں چنانچہ آپ ﷺ کی منشا کے مطابق خوبصورت دنبہ آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کیا گیا، آپ ﷺ نے اس جانور کی قربانی تو اپنی طرف سے کی۔ لیکن ثواب میں اپنی تمام آل اور تمام امت کو بھی شامل کیا۔

کلمات حدیث کی تشریح **بکبش اقرن یطافی سواد** حدیث باب میں مینڈھے کے جن اوصاف کا ذکر ہے۔ ایسا مینڈھا مل جائے تو بہت اچھا ہے، لیکن قربانی کے لئے ایسے ہی مینڈھے کی قید نہیں ہے۔ آپ ﷺ کے پاس اتفاق سے یہ مینڈھا آ گیا تھا آ چنانچہ آپ ﷺ نے اس کو حاضر کرنے کا حکم دیا: البتہ خوبصورت اور فربہ بکرے کی قربانی مستحب ہے، بعض فقہانے یہ بھی ذکر کیا ہے جس جانور کا گوشت عمدہ ہو اور وہ فربہ بھی ہو، ایسے جانور کی قربانی درست ہے۔ **اللھم تقبل من محمد و ال محمد** اس حدیث سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے ایک جانور کی ہی قربانی فرمائی، اور اس جانور میں اپنی آل اور تمام امت کو شریک کیا۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ روایت مختصر ہے، دراصل آپ ﷺ نے دو دنبے قربان کئے تھے۔ ایک اپنی طرف سے واجب قربانی کی تھی۔ اور دوسری قربانی کا ثواب امت اور اپنی آل کو پہنچایا تھا۔

سوال: کیا ایک دنبہ یا ایک بکری کی قربانی کئی افراد کی طرف سے کافی ہو سکتی ہے؟

جواب: حنفیہ کے نزدیک دنبہ اور بکرے کی قربانی میں کئی افراد کی شرکت نہیں ہو سکتی ہے ایک دنبہ اور ایک بکرا ایک شخص ہی کی طرف سے کافی ہوگا۔ جہاں تک حدیث باب کا تعلق ہے جو اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں تمام لوگوں کی طرف سے قربانی کرنا مقصود نہیں ہے، بلکہ ثواب پہنچانا مقصود ہے۔ یا پھر یہ کہا جائے کہ آپ کی خصوصیات میں سے ہے۔

حدیث نمبر ۱۳۷۳ ﴿قربانی کے جانور کی عمر﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۴۵۵

وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَاتَذْبَحُوْا اِلَّامُسِنَّةً اِلَّااَنْ يَّعْسُرَعَلَيْكُمْ فَتَذْبَحُوْا جَذَعَةً مِّنَ الضَّاْنِ رَوَاهُ مُسْلِمٌ

حوالہ: مسلم، ص/۱۵۵، ج/۲۔ باب سن الاضحیۃ، کتاب الاضاحی حدیث/۱۹۶۳۔

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قربانی میں تم صرف "مسنہ" جانور ذبح کرو۔ البتہ اگر "مسنہ" نہ پاؤ تو پھر دنبہ یا بھیڑ کا جذعہ ذبح کرلو۔ (مسلم)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا مطلب سمجھنے کیلئے پہلے فقہا کی ایک اصطلاح سمجھنا ہوگا، اور وہ یہ ہے کہ اصطلاح فقہا میں "مسنہ" سے بکرے اور دنبہ میں وہ جانور مراد ہوتا ہے جو ایک سال کا ہو گیا ہو۔ گائے اور بھینس وغیرہ میں وہ جانور مراد ہوتا ہے جس کے دو سال پورے ہو گئے ہوں۔ اونٹ میں وہ جانور مراد ہوتا ہے جس کے پانچ سال پورے ہو گئے ہوں۔ اور "جذعہ" دنبہ یا بھیڑ کا وہ بچہ کہلاتا ہے جس کی عمر چھ مہینے پوری ہو گئی ہو۔ اس بات کو سمجھنے کے بعد اب حدیث کا مطلب سمجھیے۔ حدیث کا حاصل یہ ہے کہ مذکورہ بالا جانوروں میں مسنہ کی قربانی ضروری ہے، البتہ بھیڑ اور دنبہ میں "جذعہ" یعنی چھ مہینہ کے بچہ کی بھی قربانی کی جا سکتی ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح **لاتذبحوا الامسنة** "آپ ﷺ نے اس حدیث میں فرمایا ہے کہ مسنہ جانور ہی کی قربانی کرو، یعنی اس جانور کی قربانی کرو، جو عمر دار ہو، اور عمر دار جانور اس وقت کہہ لاتا ہے، جب اس کے دودھ کے دانت ٹوٹنے کی عمر ہو جاتی ہے، عربی میں اس کو "ثنی" کہتے ہیں، یعنی وہ جانور جس کے آگے کے دانت گر گئے ہوں، کس جانور کو کب مسنہ کہا جائے گا، اس کی وضاحت گذشتہ سطور میں ہو چکی ہے۔ جزعۃ من الضأن حدیث کے اس جزء کا حاصل یہ ہے کہ دنبہ اگرچہ ایک سال

کا ہونے پر مسنہ ہوتا ہے، لیکن اس کے مسنہ ہونے سے پہلے جبکہ وہ ''جزعۃ'' یعنی چھ ماہ یا اس سے کچھ زائد ہو، اس کی قربانی کی جاسکتی ہے، لیکن اس کے لئے قید یہ ہے کہ وہ بھیڑ موٹا تازہ ہو، اگر سال بھر کی بھیڑوں میں چھوڑ دیا جائے تو دور سے چھوٹا محسوس نہ ہو، یہاں پر یہ بات بھی سمجھ لینا چاہئے کہ بکری کے چھ مہینے یا اس سے کچھ زائد مدت کے بچہ کی قربانی درست نہیں ہے، بکری کے لئے تو ایک سال کا ہونا ضروری ہے، عربی میں لفظ ''غنم'' جنس ہے، اس کے تحت دو قسمیں ہیں، (۱) معز، بکری، (۲) ضأن، بھیڑ، جن احادیث میں، غنما جزعا'' کا تذکرہ آیا ہے اور اس کی قربانی کو درست بتایا گیا ہے، وہاں بھیڑ ہی مراد ہے، ترمذی شریف میں حدیث ہے ''عن ابی کباش قال جلبت غنما جزعاً الی المدینة فکسدت علی فلیقت اباهریرة فسالته فقال سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول نعم او نعمت الاضحیة الجذع من الضان ،فقال فانتهبه الناس ،ابو کباش کہتے ہیں کہ میں چھ ماہ کے دنبے بیچنے کی غرض سے مدینہ منورہ لے کر آیا، لوگوں نے ان کو خریدنے میں کوئی دلچسپی نہیں لی، میں نے حضرت ابوھریرہؓ سے ملاقات کر کے ایک سال سے کم عمر کے دنبوں کی قربانی کے جواز کی بابت دریافت کیا تو حضرت ابوھریرہؓ نے جواب دیا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ چھ ماہ کا بھیڑ بہترین قربانی ہے، یہ حدیث سن کر لوگ میرے جانور کو خریدنے کے لئے ٹوٹ پڑے۔

حدیث نمبر ۱۳۷۴ ﴿بکری کے بچہ کی قربانی کا تذکرہ﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۴۵۶

وَعَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَعْطَاهُ غَنَمًا یَقْسِمُهَا عَلٰی صَحَابَتِهٖ ضَحَایَا فَبَقِیَ عَتُوْدٌ فَذَکَرَهُ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ ضَحِّ بِهٖ اَنْتَ وَفِیْ رِوَایَةٍ قُلْتُ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ اَصَابَنِیْ جَذَعٌ قَالَ ضَحِّ بِهٖ مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ.

حوالہ: بخاری ص/۸۳۳ ج/۲ باب ضحیة النبی صلی الله علیه وسلم کتاب الاضاحی حدیث مسلم ص ج/۲. باب فی الاضحیة کتاب الاضاحی .حدیث/۱۹۶۵.

ترجمه: حضرت عقبہ بن عامرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کو قربانی کی بکریاں صحابہ میں تقسیم کرنے کے لئے دیں۔ چھ ماہ کا ایک بکری کا بچہ رہ گیا۔ حضرت عقبہ نے اس کا ذکر نبی کریم ﷺ سے کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس کی قربانی تم کرلو۔ ایک روایت کے الفاظ یوں ہیں ''قلت یارسول الله الخ'' میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! میرے حصہ میں تو ''جذعہ'' چھ ماہ کا بچہ آیا ہے'' آپ ﷺ نے فرمایا تم اس کی قربانی کرلو۔ (بخاری ومسلم)

خلاصہ حدیث اس حدیث سے قربانی کی اہمیت سمجھ میں آرہی ہے کہ آپ ﷺ نے قربانی کے جانور تقسیم کرا کر قربانی کروائی، قربانی کے جانور کے حوالہ سے گذشتہ حدیث کے تحت یہ بات گذر چکی ہے کہ قربانی کا جانور اگر بچہ ہے تو اس کی قربانی درست نہیں ہے، البتہ دنبہ میں رخصت ہے، حدیث باب سے بکری کے بچہ کی بھی قربانی کا جواز سمجھ میں آرہا ہے، چنانچہ اس کی محدثین نے مختلف توجیہات ذکر کی ہیں، جن میں بعض کا تذکرہ کلمات حدیث کے تحت کیا جائے گا۔

کلمات حدیث کی تشریح فبقی عتود باقی بچہ رہ گیا، گذشتہ حدیث کے تحت یہ بات میں نے نقل کی ہے کہ ''غنم'' جنس ہے، جس کی ایک صنف ''معز'' یعنی بکری ہے اور دوسری صنف ''ضان'' یعنی دنبہ ہے، اب اگر یہاں دنبہ کا ''عتود'' یعنی بچہ مراد لیا جائے تب تو کوئی مسئلہ رہا ہی نہیں، اس لئے کہ اگر دنبہ کا بچہ موٹا تازہ ہے اور دو سال بھر سے کم ہے تو بھی قربانی درست ہے، لیکن اگر یہاں ''غنم'' سے بکری اور ''عتود'' سے بکری کا بچہ مراد ہو، تب یہ کہا جائے گا کہ آپ ﷺ نے جو رخصت عطا کی ہے وہ ان صحابی کے ساتھ خاص ہے، عام لوگوں کے لئے تو آپ ﷺ کا فرمان یہی ہے کہ ''لاتذ بحوا الا مسنة'' آپ ﷺ نے حضرت براء کے

ماموں کو بھی بکری کے بچہ کی قربانی کی اجازت دی تھی، اور صراحت کردی تھی کہ دوسرے کے لئے بکری کے بچہ کی قربانی جائز نہیں ہے، ترمذی شریف میں وہ روایت ہے جس کا ایک ٹکڑا یوں ہے، فقال یارسول الله عندی عناق لبنٍ هی خیرمن شاتی لحم افاذبحها قال نعم وهو خیرنسیکتك ولاتجزئ جذعة بعدك ،حضرت براء کے ماموں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول ! میرے پاس بکری کا ایک بچہ ہے جو گھر کے دودھ سے پلا ہے، وہ گوشت کی دو بکریوں سے بہتر ہے۔ کیا میں اس کی قربانی کرسکتا ہوں ،آپ ﷺ نے فرمایا کر سکتے ہو، اور یہ تمہاری دونوں قربانیوں میں سے بہتر ہے، اور تمہارے بعد کسی کے لئے ''جزعۃ (یعنی ایک سال سے کم عمر کی بکری) کی قربانی جائز نہیں ہے۔

حدیث نمبر ۱۳۷۵ ﴿عیدگاہ میں قربانی کرنے کا تذکرہ﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۴۵۷

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَذْبَحُ وَيَنْحَرُ بِالْمُصَلّٰى رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ.

حوالہ: بخاری ص/۱۳٤ ج/۱، باب النحر والذبح یوم النحر بالمصلی، کتاب العیدین حدیث/۹۸۲.

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ عیدگاہ میں نحر یا ذبح کیا کرتے تھے۔ (بخاری)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ قربانی کا جانور عیدگاہ میں ذبح کرنا یا نحر کرنا زیادہ بہتر ہے، آپ ﷺ کا یہی معمول تھا، اس میں بہت سی مصلحتیں اور بہت سے فوائد ہیں۔ اب گھر میں قربانی کا رواج ہے یہ آپ ﷺ کے معمول کے خلاف ہے، اسی وجہ سے حضرت شاہ ولی اللہؒ نے فرمایا ہے کہ بعد کے زمانہ میں جو گھروں میں قربانی کا رواج ہوا ہے وہ امر محدث ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح یذبح وینحر بالمصلی آپ ﷺ عیدگاہ ہی میں قربانی کا جانور ذبح بھی کرتے تھے۔ اور نحر بھی فرماتے تھے، جیسا کہ ترمذی کی روایت میں اس کی یوں صراحت ہے کہ ''ان النبی صلی الله علیه وسلم خطب، ثم نزل فدعابکبشین فذبحهما'' حضرت نبی کریم ﷺ نے خطبہ دیا۔ پھر ممبر سے نیچے اتر کر دونوں مینڈھوں کو منگوایا اور عیدگاہ ہی میں ان کو ذبح فرمایا۔

سوال: ذبح اور نحر میں کیا فرق ہے۔

جواب: اونٹ کی قربانی میں نحر ہوتا ہے۔ اس کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ اونٹ کے پاؤں باندھ کر اس کے حلقوم میں نیزہ یا چھری مار کر خون بہادیا جائے گا، گائے بیل وغیرہ کو لٹا کر حلقوم میں چھری پھیرنا ذبح ہے۔

سوال: عیدگاہ میں قربانی کرنے کا کیا فائدہ ہے؟

جواب: عیدگاہ میں قربانی کرنے کا ایک بڑا فائدہ یہ ہے کہ فقراء آسانی کے ساتھ اپنا حصہ حاصل کریں گے، گھروں میں ہونے والی قربانی تک رسائی ان کے لئے مشکل ہوتی ہے۔

سوال: آپ ﷺ نے عیدگاہ میں قربانی کا معمول کیوں بنایا؟

جواب: آپ ﷺ نے دو اہم وجوہات کی بناپر عیدگاہ میں قربانی کا معمول بنایا (۱) لوگ ذبح کرنے کا طریقہ اور مسائل سکھیں، (۲) لوگوں کو ترغیب ہو، اور وہ بھی قربانی کریں، آج جبکہ گھروں میں قربانی کا رواج ہے، عیدگاہ کے ائمہ کو کم از کم عیدگاہ میں قربانی کرنی چاہئے، تاکہ لوگوں کو ترغیب بھی ہو اور قربانی کے طریقہ سے واقف بھی ہوسکیں۔

حدیث نمبر ۱۳۷٦ ﴿قربانی کے جانور میں شرکت کا تذکرہ﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۴۵۸

وَعَنْ جَابِرٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْبَقَرَةُ عَنْ سَبْعَةٍ وَالْجَزُوْرُ عَنْ سَبْعَةٍ رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَاَبُوْدَاوٗدَ وَاللَّفْظُ لَهٗ.

حوالہ: مسلم ص/٤٢٤، ج/١، باب الاشتراك فی الهدی، کتاب الحج، حدیث، ابو داؤد، ص/٣٨٨ ج/١، باب البقرۃ والجذور، کتاب الضحایا، حدیث/٢٨٠٨.

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا، ایک گائے سات آدمیوں کی طرف سے کافی ہے، اور ایک اونٹ سات آدمیوں کی طرف سے کافی ہے (مسلم ابوداؤد) الفاظ ابوداؤد کے ہیں۔

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ بڑے جانور مثلاً اونٹ گائے بھینس وغیرہ میں سات افراد کی شرکت ہو سکتی ہے، یعنی سات لوگ مل کر ایک جانور کو قربانی کریں تو سب کی طرف سے قربانی کا فریضہ ادا ہو جائے گا۔

کلمات حدیث کی تشریح البقرۃ عن سبعة اس روایت سے جو بات ثابت ہوتی ہے وہی جمہور کا مذہب بھی ہے کہ گائے اور اونٹ میں سات آدمی شریک ہو سکتے ہیں، ترمذی شریف میں حضرت جابرؓ کی روایت میں بھی یوں ہے کہ نحرنا مع رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم بالحديبية البدنة عن سبعة والبقرة عن سبعة "حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ حدیبیہ کے سال گائے کی سات آدمیوں کی طرف سے اور اونٹ کی سات آدمیوں کی طرف سے قربانی کی ہے۔

جمہور کے خلاف امام اسحاق اونٹ میں دس افراد کی شرکت کا موقف اختیار کرتے ہیں، اور اپنے مسلک پر ترمذی کی اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں "عن ابن عباس كنا مع رسول الله صلى الله عليه وسلم فی سفر فحضر الاضحى فاشتركنا فی البقرة سبعة وفی البعير عشرة" حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ ہم ایک سفر میں نبی کریم ﷺ کے ساتھ تھے، اس سفر میں عیدالاضحیٰ کا دن آ گیا تو گائے میں ہم سات شریک ہوئے اور اونٹ میں دس آدمی شریک ہوئے۔

اس حدیث کا جمہور کی طرف سے ایک جواب تو یہ ہے کہ یہ حدیث صریح نہیں ہے۔ اس لئے کہ مسافر پر قربانی واجب نہیں ہے، "علامہ مظہر" نے اس حدیث کو باب والی حدیث سے منسوخ قرار دیا ہے۔ اس کے علاوہ حضرت ابن عباسؓ کی یہ روایت موقوف ہے۔ لہٰذا یہ روایت جمہور کی روایات صحیحہ کے معارض نہیں ہو سکتی، (تلخیص مرقات ص/۳۱۲ ج/۳)

حدیث نمبر ۱۳۷۷ ☆☆☆ عالمی حدیث نمبر ۱۴۵۹

﴿عشرۃ ذی الحجہ میں قربانی کرنیوالے کیلئے ناخن تراشنے کی ممانعت﴾

وَعَنْ أُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا دَخَلَ الْعَشْرُ وَأَرَادَ بَعْضُكُمْ أَنْ يُّضَحِّيَ فَلَا يَمَسَّ مِنْ شَعْرِهٖ وَبَشَرِهٖ شَيْئًا وَّ فِيْ رِوَايَةٍ فَلَا يَأْخُذَنَّ شَعْرًا وَّ لَا يَقْلِمَنَّ ظُفْرًا وَّفِيْ رِوَايَةٍ مَّنْ رَّأَى هِلَالَ ذِي الْحِجَّةِ وَأَرَادَ أَنْ يُّضَحِّيَ فَلَا يَأْخُذْ مِنْ شَعْرِهٖ وَلَا مِنْ أَظْفَارِهٖ رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

حوالہ: مسلم، ص/١٦٠ ج/٢، باب نهی من دخل عليه عشر ذی الحجة وهو يريد التضحية ان ياخذ من شعره، کتاب الاضاحی حدیث، ١٩٧٧.

ترجمہ: ام سلمہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس وقت ذی الحجہ کا پہلا عشرہ داخل ہو، اور تم میں سے کسی نے قربانی کا ارادہ کر لیا ہے تو اس کو چاہئے کہ وہ اپنے بال اور ناخن کو ذرا بھی ہاتھ نہ لگائے، ایک روایت میں ہے کہ نہ بال کٹوائے اور نہ ناخن ترشوائے، اور ایک روایت میں ہے کہ جو ذی الحجہ کا چاند دیکھ لے اور قربانی کا ارادہ کرے تو وہ نہ اپنے بال کٹوائے اور نہ اپنے ناخن ترشوائے، (مسلم)

خلاصہ حدیث اصل بات یہ ہے کہ حجاج کرام کی اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں بڑی قدر و منزلت ہے، حاجی کو یہ حکم ہے کہ وہ قربانی کرنے سے پہلے بال اور ناخن نہ ترشوائے، اور نہ خط بنوائے، حجاج کرام سے کچھ مشابہت پیدا ہو جائے، اور اللہ تعالیٰ کی رحمت کی خصوصی طور پر متوجہ ہو جائے، اس لئے آپ ﷺ نے حجاج کے علاوہ دیگر لوگوں کو جو کہ اپنے وطن میں ہیں اور ان کو قربانی

کرنا ہے، یہ حکم دیا کہ یہ بھی ذی الحجہ کا چاند دیکھ کر قربانی کے فریضہ سے فارغ ہونے تک خط نہ بنوائیں، بال اور ناخن نہ ترشوائیں۔

کلمات حدیث کی تشریح اذا دخل العشر واراد بعضکم حدیث باب میں قربانی کرنے کو ارادہ پر معلق کیا گیا ہے، اس سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ قربانی واجب نہیں ہے، جس کا جی چاہے وہ قربانی کرے اور جس کا ارادہ نہ ہو وہ قربانی نہ کرے۔

﴿قربانی واجب ہے یانہیں﴾

قربانی کے وجوب اور عدم وجوب میں ائمہ کا اختلاف ہے بعض وجوب کے قائل ہیں اور بعض عدم وجوب کے قائل ہیں۔

امام ابوحنیفہؒ کا مذہب: امام صاحبؒ کے نزدیک ہر مقیم صاحب نصاب پر قربانی واجب ہے!

دلائل: (۱) عن ابن عمرؓ قال أقام رسول الله صلى الله عليه وسلم بالمدينة عشر سنين يضحي "(ترمذی) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قیام مدینہ کے دس سالہ عرصہ میں آپ ﷺ نے کبھی بھی قربانی ترک نہیں فرمائی، اور آپ ﷺ کا مواظبت فرمانا وجوب کی دلیل ہے۔ (۲) عن ابی هريرة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم "من كان له سعة ولم يضح فلايقربن مصلانا" (حاکم) آپ ﷺ نے فرمایا کہ استطاعت کے باوجود جو شخص قربانی نہ کرے وہ ہماری عیدگاہ کے قریب بھی نہ آئے، اس حدیث میں آپ ﷺ نے قربانی نہ کرنے والے پر وعید فرمائی ہے، اور وعید ترکِ واجب پر ہوتی ہے، معلوم ہوا کہ قربانی واجب ہے،

شوافع کا مذہب: شوافع وغیرہ کے نزدیک قربانی سنت مؤکدہ ہے، واجب نہیں ہے۔

دلیل: ان حضرات کی دلیل حدیث باب ہے، حدیث باب میں قربانی کو ارادہ سے معلق کیا گیا ہے، اور تعلیق بالارادہ وجوب کے منافی ہے۔ اسی طرح یہ حضرات ان احادیث سے استدلال کرتے ہیں جس میں "اضحیۃ" کے ساتھ سنت کا لفظ آیا ہے۔

جواب: ارادہ کا تعلق سنت اور وجوب دونوں سے ہوسکتا ہے، جیسے کہ فرمان نبوی ہے "من اراد الجمعة فليغتسل" ایسا نہیں ہے کہ جمعہ جس کا جی چاہے پڑھے اور جس کا جی نہ چاہے نہ پڑھے بلکہ جمعہ تو فرض ہے۔ لیکن ارادہ کا لفظ استعمال ہوا ہے، اس طرح "سنت" کا لفظ بعض اوقات واجب کے لئے استعمال ہوا ہے، جیسے کہ ختنہ کرنے کو آپ ﷺ نے سنت فرمایا ہے، حالانکہ ختنہ کروانا واجب ہے، اسی طرح آپ ﷺ نے بعض اوقات "اضحیۃ" کے لئے سنت کا لفظ استعمال کیا ہے، لیکن قربانی واجب ہے۔

سوال: جب قربانی واجب ہے تو حدیث باب میں لفظ "ارادہ" استعمال کرنے میں کیا حکمت ہے؟

جواب: بعض اوقات آدمی پر قربانی واجب نہیں ہوتی، لیکن وہ قربانی کا ارادہ کر لیتا ہے، اِن افراد کو بھی اگلے حکم کے تحت داخل کر کے آپ ﷺ نے ارادہ کا لفظ استعمال فرمایا، اس لفظ کے استعمال کرنے سے صاحب حیثیت لوگوں پر قربانی کے وجوب کی نفی نہیں ہوتی ہے۔ **فلايمس من شعره وبشره شيئا** اس جز میں قربانی کرنے والے کے لئے بال وغیرہ کٹوانے کی ممانعت ہے ذی الحجہ کا چاند نظر آجانے کے بعد جس شخص کا قربانی کا ارادہ ہو وہ اپنے بال وغیرہ نہ کٹوائے تاکہ حاجیوں کے ساتھ مشابہت پیدا ہوجائے۔ حجاج ان دنوں میں بال ناخن وغیرہ نہیں ترشواتے ہیں۔

سوال: بال وغیرہ نہ ترشوانے کا کیسا حکم ہے؟

جواب: امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک یہ حکم استحبابی ہے، لہٰذا اگر کسی کو زیر ناف اور ناخن وغیرہ تراشتے ہوئے چالیس دن گذر گئے ہوں تو عشرہ ذی الحجہ میں اس کے لئے ان کو کاٹنا ضروری ہے۔ کیونکہ چالیس دن سے زیادہ زیر ناف کے بال اور ناخن نہ کاٹنا مکروہ تحریمی ہے، ایسی صورت میں ایک مستحب کام کے لئے مکروہ تحریمی کا ارتکاب درست نہیں ہے۔

سوال: حدیث باب میں "بشرہ" کا لفظ آیا ہے، "بشرہ" کے معنی کھال کے آتے ہیں، بال ترشوانا تو سمجھ میں آتا ہے، لیکن کھال کے

ترشوانے اور ان ایام میں اس کے نہ ترشوانے کا حکم دینا اس کا مطلب سمجھ میں نہیں آتا ہے، ایسی صورت میں آپ ﷺ نے ممانعت کیوں فرمائی ہے۔

جواب: یہاں ''بشرہ'' سے کھال اور چمڑا مراد نہیں ہے، بلکہ اس سے ناخن مراد ہے، جیسا کہ اس حدیث کے تحت دوسری روایت میں اس کی صراحت بھی ہے کہ ''لایقلمن ظفرا'' عشرۃ ذی الحجہ میں ناخن نہ ترشوائے جائیں۔ اس کے آگے کلمات ہیں ''لایاخلمن شعرہ و لامن اظفارہ'' قربانی کا ارادہ کرنے والے اپنے بال اور ناخن نا کٹوائیں۔

حدیث نمبر ۱۳۷۸ ﴿عشرہ ذی الحجہ کی اہمیت﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۴۶۰

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ اَيَّامٍ الْعَمَلُ الصَّالِحُ فِيْهِنَّ اَحَبُّ اِلَى اللّٰهِ مِنْ هٰذِهِ الْاَيَّامِ الْعَشْرِ قَالُوْا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ وَلَاالْجِهَادُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ قَالَ وَلَا الْجِهَادُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اِلَّارَجُلٌ خَرَجَ بِنَفْسِهٖ وَمَالِهٖ فَلَمْ يَرْجِعْ مِنْ ذٰلِكَ بِشَيْئٍ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ.

حوالہ: بخاری ص/۱۳۲ ج/۱، باب فضل العمل فی ایام التشریق، کتاب العیدین. حدیث/۹۶۹.

توجمہ: حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کو ان ایام یعنی عشرۂ ذی الحجہ میں عملِ صالح جتنا زیادہ محبوب ہے دیگر ایام میں اتنا نہیں ہے، صحابہؓ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول اللہ کے راستہ میں جہاد بھی نہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا جہاد بھی نہیں، مگر وہ شخص جو اپنی جان و مال کو لے کر جہاد کے لئے نکلا اور ان میں سے کچھ بھی واپس لے کر نہیں لوٹا۔ (بخاری)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ عشرۂ ذی الحجہ میں کئے گئے اعمال خیر دیگر ایام میں کئے گئے اس طرح کے اعمال خیر سے ثواب میں بڑھے ہوئے ہیں۔ مثال کے طور پر ان ایام میں پڑھی جانے والی نمازوں کا ثواب دیگر دنوں میں پڑھی گئی نمازوں سے زیادہ ہوگا، اس طرح ان ایام کے روزے دیگر ایام کے روزوں سے افضل ہیں۔

کلمات حدیث کی تشریح الایام العشر تمام ایام میں سب سے افضل عشرۂ ذی الحجہ کے دس دن ہیں۔ ان میں نماز، روزہ، قربانی، حج اللہ کی راہ میں خرچ کرنا اور اس جیسی دیگر تمام بنیادی عبادتیں سب کی سب پائی جاتی ہیں۔

سوال: کیا عشرۂ ذالحجہ رمضان المبارک کے ایام سے بھی بہتر ہے؟

جواب: رمضان المبارک کے ایام کی فضیلت بہت بڑھی ہوئی ہے۔ اس میں نفل کا ثواب فرض کے ثواب کے برابر اور فرض کا ثواب ستر گنا ہوجاتا ہے۔ اس لئے رمضان کے دنوں کا دیگر دنوں سے کوئی مقابلہ نہیں ہے۔ یہاں عشرۂ ذی الحجہ کے ایام کی فضیلت درحقیقت ''ایام رمضان'' کے استثناء کے ساتھ ہے۔

ولاالجهاد فی سبیل اللّٰہ صحابہؓ نے اس موقع پر جہاد کے بارے میں اس لئے سوال کیا کہ ''عشرہ ذی الحجہ'' میں حج کی ادائیگی بھی ہوتی ہے۔ اب جو شخص حج میں مشغول ہوگا۔ وہ جہاد تو نہیں کر رہا ہوگا۔ لہٰذا صحابہ نے سوال کیا کہ ان ایام کے اعمال سے جہاد افضل ہے یا نہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ان ایام کے اعمال جہاد سے افضل ہیں۔ البتہ جہاد کی ایک صورت ہے جو ان ایام کے اعمال سے بھی افضل ہے۔ اور وہ صورت یہ ہے کہ مجاہد اپنے مال اور جان کی قربانی پیش کر کے درجۂ شہادت پر فائز ہوجائے۔

بعض لوگ نقل کرتے ہیں کہ ان ایام کی دیگر ایام سے فضیلت ان اعمال سے وابستہ ہے جو اعمال ان ایام کے ساتھ مخصوص ہیں اور وہ دو عمل ہیں۔ (۱) تکبیر (۲) نفلی روزے، تکبیر کے دو درجے ہیں۔ (۱) وجوب یہ تو ۹ ذی الحجہ کی فجر سے ۱۳ ذی الحجہ کی عصر تک ہے۔ (۲) مندوب، ایام عشرۂ میں کثرت سے اٹھتے بیٹھتے چلتے پھرتے تکبیر پڑھنا بہت مستحسن عمل ہے۔ عشرۂ ذالحجہ میں روزے ۹/ تاریخ تک ہیں۔ عشر کہنا مجاز اور تغلیب کے طور پر ہے۔ ان ایام میں روزہ کی بڑی فضیلت ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک دن کا روزہ

ایک سال کے روزوں کے برابر ہے۔اور ایک رات کا قیام لیلۃ القدر کے قیام کے برابر ہے۔تو اب حدیث کا حاصل یہ ہو گیا کہ ان ایام کے خصوصی اعمال یعنی تکبیرات اور روزہ دیگر ایام کے تمام نفلی اعمال سے افضل ہیں۔ایسی صورت میں صحابہ کے سوال کا حاصل یہ ہوگا کہ کیا یہ اعمال جہاد سے بھی افضل ہیں؟اور آپ ﷺ کے جواب کا حاصل یہ ہے ہاں یہ اعمال جہاد سے بھی افضل ہیں۔مگر جس شخص نے شہادت کا درجہ پالیا،اس کا جہاد ان اعمال سے افضل ہے۔

الفصل الثانی

حدیث نمبر۱۳۷۹ ﴿قربانی کرنے کے طریقہ کاتذکرہ﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۴۶۱

عَنْ جَابِرٍ قَالَ ذَبَحَ النَّبِیُّ ﷺ یَوْمَ الذَّبْحِ کَبْشَیْنِ اَقْرَنَیْنِ اَمْلَحَیْنِ مَوْجُوْئَیْنِ فَلَمَّا وَجَّهَهُمَا قَالَ اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ عَلٰی مِلَّةِ اِبْرَاهِیْمَ حَنِیْفًا وَّمَااَنَامِنَ الْمُشْرِکِیْنَ اِنَّ صَلٰوتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ لَاشَرِیْکَ لَهٗ وَ بِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَامِنَ الْمُسْلِمِیْنَ اَللّٰهُمَّ مِنْكَ وَلَكَ عَنْ مُحَمَّدٍ وَّ اُمَّتِهٖ بِسْمِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ اَکْبَرُ ثُمَّ ذَبَحَ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَاَبُوْدَاوٗدَ وَابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارِمِیُّ وَفِیْ رِوَایَةٍ لِاَحْمَدَ وَاَبِیْ دَاوٗدَ وَالتِّرْمِذِیِّ ذَبَحَ بِیَدِهٖ وَقَالَ بِسْمِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ اَکْبَرُ اَللّٰهُمَّ هٰذَا عَنِّیْ وَ عَمَّنْ لَّمْ یُضَحِّ مِنْ اُمَّتِیْ۔

حوالہ: مسند احمد،ص/۴۷۵ ج/۲. ابو داؤد،ص/۳۸۸/ج/۲. باب مایستحب من الضحایا، کتاب الضحایا، حدیث/۲۷۹۵،ابن ماجه،ص/۲۲۵ باب اضاحی رسول الله صلی الله علیه وسلم ،کتاب الاضاحی، حدیث/۳۱۲۱،دار،ص/۱۵۳ ج/۲ باب السنة فی الأضحیة ،کتاب الاضحیة ،ترمذی ،ص/۲۷۸ ج/۲. باب، کتاب الاضاحی،حدیث/۱۵۲۱.

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بقرعید کے دن دوسینگوں دار، چتکبرے، خصی، دنبے ذبح کئے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے ان کا منہ قبلہ کی طرف کیا۔اور یہ دعا پڑھی،انی وجهت وجهی الخ میں اپنا رخ اس ذات کی طرف کرتا ہوں جس نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا، دراں حالیکہ میں ابراہیم کی ملت پر ہوں جو یکسو تھے۔اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں، بے شک میری نماز اور میری قربانی اور میرا جینا اور میرا مرنا خالص اللہ کے لئے ہے۔جو سارے جہاں کا مالک و پروردگار ہے۔اے اللہ یہ قربانی آپ ہی کے فضل سے ہے۔اور آپ ﷺ ہی کی رضا کے لئے ہے۔محمد ﷺ کی طرف سے اور اس کی امت کی طرف سے قبول فرمائیے، پھر بسم الله الله اکبر فرما کر آپ ﷺ ذبح کرتے (احمد، ابوداؤد، ابن ماجہ، دارمی،) ایک روایت احمد، ابوداؤد، اور ترمذی نے نقل کی ہے، جس میں یہ ہے کہ آپ ﷺ نے اپنے ہاتھوں سے ذبح کیا، اور فرمایا "بسم الله الله اکبر" اے اللہ یہ قربانی میری طرف سے ہے، اور میرے اس امتی کی طرف سے جو قربانی نہ کرسکا ہو۔

خلاصہ حدیث اس حدیث میں قربانی کرنے کا طریقہ مذکور ہے، مستحب یہ ہے کہ قربانی کے جانور کو قبلہ رخ لٹا دیا جائے پھر مذکورہ دعا پڑھ کر قربانی کی جائے، قربانی اپنے ہاتھ سے کرنا بہتر ہے۔اگر اپنے ہاتھ سے قربانی نہ کرسکے تو بوقت قربانی موجود رہنا چاہئے۔آپ ﷺ نے ایک قربانی کا جانور اپنی طرف سے ذبح کیا تھا، ایک اپنی امت کی طرف سے۔

کلمات حدیث کی تشریح ولك عن محمد وامته حدیث کے اس جز کا یا تو یہ مطلب ہے کہ آپ ﷺ نے قربانی کے ثواب میں امت کو شریک کیا، یا پھر پوری امت کی طرف سے ایک قربانی کی، ایسی صورت میں یہ آپ ﷺ کے خصائص میں شمار ہوگا، مزید تحقیق کے لئے حدیث/۱۳۷۲، دیکھیں۔

حدیث نمبر ۱۳۸۰ ﴿میت کی طرف سے قربانی کا تذکرہ﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۴۶۲

وَ عَنْ حَنَشٍ قَالَ رَأَيْتُ عَلِيًّا يُضَحِّيْ بِكَبْشَيْنِ فَقُلْتُ لَهٗ مَا هٰذَا فَقَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَوْصَانِيْ اَنْ اُضَحِّيَ عَنْهُ فَاَنَا اُضَحِّيْ عَنْهُ رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَ رَوَى التِّرْمِذِيُّ نَحْوَهٗ.

حوالہ: ابوداؤد، ص/۳۸۵ ج/۲، باب الاضحیۃ عن المیت، کتاب الضحایا، حدیث/۲۷۹۰ ترمذی، ص/ ۲۷۸ ج/۲. باب ماجاء فی الاضحیۃ عن المیت، کتاب الاضاحی، حدیث/۱۴۹۵.

ترجمہ: حضرت حنش سے روایت ہے کہ میں نے حضرت علیؓ کو دو دنبے ذبح کرتے دیکھا۔ میں نے ان سے کہا کہ یہ کیا ہے؟ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے وصیت کی تھی کہ میں آپ ﷺ کی طرف سے قربانی کروں، لہٰذا میں آپ ﷺ کی طرف سے قربانی کرتا ہوں، (ابوداؤد) ترمذی نے بھی اس طرح کی روایت نقل کی ہے۔

خلاصہ حدیث اس حدیث سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ جو شخص اس دنیا سے رخصت ہو چکا ہے اس کی طرف سے قربانی کی جاسکتی ہے قربانی کا ثواب میت کو پہنچے گا، آپ ﷺ نے حضرت علیؓ کو اپنی طرف سے قربانی کی وصیت کی تھی۔ چنانچہ حضرت علیؓ کا یہ معمول رہا کہ وہ ہر سال آپ ﷺ کی طرف سے بھی قربانی کرتے تھے، ہم لوگوں کو بھی آپ ﷺ نے اگر چہ اپنی طرف سے قربانی کا حکم نہیں دیا ہے؟ لیکن آپ ﷺ کی مرضی کا علم ہو گیا۔ لہٰذا ہمیں بھی حتی الوسع قربانی کرکے آپ ﷺ کو ثواب پہنچانے کی کوشش کرنا چاہئے۔

کلمات حدیث کی تشریح **یضحی بکبشین** آپ ﷺ کا معمول اپنی حیات طیبہ میں یہ رہا کہ آپ ﷺ دو دنبہ ذبح کرتے تھے۔ حدیث باب میں حضرت علیؓ کے دو دنبے ذبح کرنے کا ذکر ہے۔ اس سے مراد یا تو یہ ہے کہ حضور ﷺ کی طرف سے دو دنبے ذبح کیے، کیونکہ آپ ﷺ کا اپنی حیات میں یہی معمول تھا، یا پھر یہ مطلب ہے کہ ایک دنبہ حضرت علیؓ نے اپنی طرف سے ذبح کیا اور ایک آپ کی طرف سے ذبح کیا۔

فانا اضحی عنه حضرت علیؓ حضور ﷺ کی طرف سے آپ ﷺ کی وفات کے بعد قربانی کرتے تھے۔ میت کی طرف سے قربانی کا مطلب یہ ہے کہ میت کو ثواب پہنچے۔ حضرت عبداللہ بن مبارک کا قول ہے کہ میت کی ایصال ثواب کے لئے جو قربانی کی گئی ہو اس کا تمام گوشت صدقہ کرنا چاہئے جبکہ ائمہ اربعہ کے نزدیک عام قربانی کے گوشت کی طرح اس میں سے بھی اپنے استعمال میں لیا جاسکتا ہے، غیر مقلدین میت کی طرف سے قربانی کو جائز نہیں سمجھتے۔ حالانکہ یہ ان کی جہالت ہے، حضرت علیؓ ہمیشہ حضور ﷺ کی طرف سے قربانی کرتے رہے، اور یہاں تک کہہ دیا کہ "فلا ادعه ابداً" میں اس کو کبھی نہیں چھوڑوں گا، اور نبی کریم ﷺ بھی اپنی حیات میں اپنی امت کی طرف سے قربانی کرتے رہے، اور امت میں زندہ و مردہ سب ہی کو شامل رکھا۔

حدیث نمبر ۱۳۸۱ ﴿قربانی کے جانور کا ذکر﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۴۶۳

وَ عَنْ عَلِيٍّ قَالَ اَمَرَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ اَنْ نَّسْتَشْرِفَ الْعَيْنَ وَالْاُذُنَ وَ اَنْ لَّا نُضَحِّيَ بِمُقَابَلَةٍ وَّ لَا مُدَابَرَةٍ وَّ لَا شَرْقَاءَ وَلَا خَرْقَاءَ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاوٗدَ وَالنَّسَائِيُّ وَ الدَّارِمِيُّ وَ ابْنُ مَاجَةَ وَ انْتَهَتْ رِوَايَتُهٗ اِلٰى قَوْلِهٖ وَ الْاُذُنَ.

حوالہ: ابوداؤد، ص/۳۸۸ ج/۲. باب مایکرہ من الضحایا، کتاب الضحایا، حدیث/۲۸۰۴. ترمذی، ص/۲۷۵، ج/۲. باب مایکرہ من الاضاحی، کتاب الاضاحی، حدیث/۱۴۹۸، نسائی، ص/۱۸۰ ج/۱ باب المقابلة، کتاب الضحایا، حدیث/۴۳۸۴، دارمی، ص/۱۰۶ ج/۲. باب مالایجوز فی الاضاحی، کتاب الاضاحی حدیث/ ۱۹۵۲،

ابن ماجه، ص/ ۲۲۷. باب مایکره ان یضحی به، کتاب الاضاحی، حدیث/۳۱۴۳۔

ترجمه: حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم قربانی کے جانور کی آنکھوں اور کان خوب اچھی طرح دیکھ لیں۔ اور ایسے جانور کی قربانی نہ کریں جس کا کان اگلی جانب سے یا پچھلی جانب سے کٹا ہوا ہو۔ اور نہ اس جانور کی قربانی کریں جس کے کان لمبائی میں چیرے ہوئے ہوں اور گولائی میں پھٹے ہوئے ہوں (ترمذی، ابوداؤد، نسائی، دارمی، ابن ماجہ) ابن ماجہ نے یہ روایت ''الاذن'' تک ذکر کی ہے۔

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ قربانی کا جانور اچھا خوبصورت، موٹا تازہ ہونا چاہئے، عیب دار جانور کی قربانی نہ کرنا چاہئے۔ اگر کسی جانور کا کان نصف سے زائد کٹا ہے، یا اس قسم کا کوئی دوسرا عیب ہے تو اس جانور کی قربانی جائز نہیں ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح نستشرف العین مطلب یہ ہے کہ قربانی کے جانور میں آنکھ اور کان کو اچھی طرح دیکھ لیا جائے کہ اس میں عیب کثیر تو نہیں ہے، جو جانور اندھا یا کانا ہے، اس کی قربانی درست نہیں ہے، اسی طرح جس جانور کے پیدائشی کان نہیں ہیں، یا اس کا نصف سے زائد کان کٹا ہوا ہے، تو اس کی قربانی بھی درست نہیں ہے۔

لا نضحی بمقابلة ''مقابلة'' اس سے مراد وہ جانور ہے جس کے کان کا کچھ حصہ اگلی طرف سے کٹا ہوا ہو۔ ولا مدابرۃ اس سے مراد وہ جانور ہے جس کے کان کا کچھ حصہ پچھلی طرف سے کٹا ہوا ہو۔ ولا شرقاء اس سے مراد وہ جانور ہے جس کے کان لمبائی میں چرے ہوئے ہوں۔ ولا خرقاء وہ جانور جس کے کان کو چوڑائی میں کاٹا گیا ہو۔ یا جس کے کان میں گول سوراخ کیا گیا ہو، یہ تمام جانور عیب دار ہیں ان کی قربانی درست نہیں ہے۔

عیب یسیر اور اختلاف ائمہ

اگر جانور میں معمولی عیب ہے، مثلاً کان کٹا ہے۔ لیکن تھوڑا سا کٹا ہے، تو کیا ایسے جانور کی قربانی کی جاسکتی ہے، اس مسئلہ میں ائمہ کا اختلاف ہے۔

امام ابو حنیفہؒ کامذهب: امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک عیب یسیر معاف ہے۔ عیب کثیر معاف نہیں ہے۔ عیب کثیر کے بارے میں روایت مختلف ہیں، البتہ اصح یہ ہے کہ نصف سے کم اگر کان کٹا ہے تو اس جانور کی قربانی جائز ہے۔

دلیل: امام ابوحنیفہؒ کی دلیل حدیث قتادہ ہے۔ عن قتادة قال سمعت ابن کلیب قال سمعت علیاً یقول نهی النبی صلی الله علیه وسلم عن عضباء القرن والاذن قال قتادة فقلت لسعید بن المسیب وماعضباء الاذن قال اذا کان النصف او اکثر من ذالك مقطوعاً'' اس حدیث میں صاف طور پر ''عضباء الاذن'' جانور کی قربانی کی ممانعت ہے، اور اس بات کی بھی خوب صراحت ہے کہ ''عضباء الا ذن'' اس جانور کو کہا جاتا ہے جس کا کان نصف یا اس سے زائد کٹا ہوا ہو۔

امام شافعیؒ کامذهب: (۱) امام شافعیؒ کے نزدیک جانور کا اگر تھوڑا سا بھی کان کٹا ہے تو اس کی قربانی جائز نہیں ہے۔

دلیل: امام شافعیؒ حدیث باب سے استدلال کرتے ہیں، حدیث باب میں کان کٹے جانور کی قربانی سے مطلقاً منع کیا گیا ہے۔ لہٰذا اگر تھوڑا سا بھی کان کٹا ہے، تو اس جانور کی قربانی درست نہ ہوگی۔

حدیث باب کا جواب جب حضرت قتادہؓ کی حدیث سے صراحت ہوگئی کہ نصف یا اس سے زائد کان کٹے جانور کی قربانی جائز نہیں ہے۔ تو اس سے حدیث باب کا بھی مفہوم متعین ہوگیا کہ یہاں بھی مقابلہ ومدابرہ'' سے مراد وہ جانور ہے جس کا آدھا یا اس سے زائد کان اگلی یا پچھلی جانب سے کٹا ہو۔ یہ معنی مراد لیے جائیں گے، تب دونوں احادیث میں تعارض بھی نہیں رہے گا، یا پھر یہ کہا جائے کہ حدیث باب میں نہی تنزیہی مراد ہے۔ (تلخیص مرقات ص/۳۱۰ ج/۳)

حدیث نمبر ۱۳۸۲ ﴿کان کٹے جانور کی قربانی کی ممانعت﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۴٦٤

وَ عَنْهُ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ اَنْ نُضَحِّيَ بِاَعْضَبِ الْقَرْنِ وَ الْاُذُنِ رَوَاهُ اِبْنُ مَاجَةَ.

حواله: ابن ماجه ص/۲۲۷ باب مایکره ان یضحی به، کتاب الاضاحی، حدیث/۳۱٤٥.

ترجمه: حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں سینگ ٹوٹے اور کان کٹے جانور کی قربانی کرنے سے منع فرمایا ہے۔

(ابن ماجہ)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ جس جانور میں عیب کثیر ہے، مثلاً کان نصف سے زائد کٹا ہے، یا جس کے سینگ جڑ سے ٹوٹے ہوں، تو اس کی قربانی درست نہیں ہے۔ اعضب القرن والاذن "اعضب الاذن" سے مراد وہ جانور جس کے کان کا نصف یا اس سے زائد حصہ کٹا ہو۔ اور اعضب قرن" سے مراد وہ جانور جس کے سینگ اس طرح جڑ سے ٹوٹ گئے ہوں کہ اس کا گودا نظر آتا ہو۔ مزید تحقیق کے لئے گذشتہ حدیث دیکھیں۔

حدیث نمبر ۱۳۸۳ ﴿وہ جانور جس کی قربانی درست نہیں﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۴٦٥

وَعَنِ الْبَرَآءِ بْنِ عَازِبٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ سُئِلَ مَاذَا يُتَّقٰى مِنَ الضَّحَايَا فَاَشَارَ بِيَدِهٖ فَقَالَ اَرْبَعًا اَلْعَرْجَآءُ الْبَيِّنُ ظَلْعُهَا وَالْعَوْرَآءُ الْبَيِّنُ عَوَرُهَا وَالْمَرِيْضَةُ الْبَيِّنُ مَرَضُهَا وَ الْعَجْفَآءُ الَّتِيْ لَاتُنْقِيْ رَوَاهُ مَالِكٌ وَّ اَحْمَدُ وَ التِّرْمِذِيُّ وَ اَبُوْدَاوٗدَ وَ النَّسَائِيُّ وَ ابْنُ مَاجَةَ وَ الدَّارِمِيُّ.

حواله: موطا مالك، ص/۱۸۷ باب ماینهی عنه من الضحایا. کتاب الضحایا، حدیث/۱. مسند احمد، ص/۲۸۹ ج/٤. ابوداؤد، ص/۳۸۷ ج/۲، باب مایکره من الضحایا، کتاب الضحایا، حدیث/۲۸۰۲. ترمذی، ص/ ۲۷۵ ج/۲. باب مانهی عنه من الاضاحی، کتاب الضحایا، حدیث/٤۳۸۱، ابن ماجه، ص/۲۲۷ باب مایکره ان یضحی به، کتاب الاضاحی، حدیث/۳۱٤٤، دارمی/ص/۱۰۵، ج/۲. باب مالایجوزفی الاضاحی، کتاب الاضاحی، حدیث/۱۹٤۹.

ترجمه: حضرت براء ابن عازبؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ کون سا جانور قربانی کے لائق نہیں ہے تو آپ ﷺ نے اپنے ہاتھ کے ذریعہ اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ چار طرح کے جانور۔ (۱) وہ لنگڑا جانور جس کا لنگڑا پن ظاہر ہو۔ (۲) وہ کانا جانور جس کا کانا پن خوب واضح ہو۔ (۳) وہ بیمار جانور جس کی بیماری نمایاں ہو۔ (۴) ایسا دبلا جانور کہ جس کی نلیوں میں گودا نہ ہو۔

(مالک، احمد، ترمذی، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، دارمی)

خلاصہ حدیث اس حدیث میں چار طرح کے عیب والے جانور کی قربانی کی ممانعت کا تذکرہ ہے۔ (۱) ایسا لنگڑا جانور جو تین پیروں سے چلتا ہو۔ چوتھا زمین پر رکھتا ہی نہ ہو۔ یا پاؤں زمین پر رکھتا ہو مگر اس سے چل نہ پاتا ہو۔ تو یہ واضح لنگڑا جانور ہے (۲) وہ جانور اندھا یا کانا ہو۔ یعنی ایک آنکھ کی تہائی یا اس سے زائد روشنی چلی گئی ہو۔ تو اس کی قربانی درست نہیں ہے یہ واضح کانا جانور ہے (۳) بہت بیمار جانور، بیماری کے سبب گھاس وغیرہ نہ کھاتا ہو۔ تو اس کی قربانی درست نہیں ہے۔ یہ نمایاں طور پر بیمار ہے۔ (۴) ایسا لاغر جانور کہ جس کی ہڈیوں میں گودا نہ ہو اور اس کی بنا پر کھڑا نہ ہو پاتا ہو۔ اس جانور کی بھی قربانی جائز نہیں ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح فاشار بیدہٖ آپ ﷺ نے جن جانوروں کی قربانی ممنوع کی ہے ان کی تعداد کے ذکر کے لئے ہاتھ کی انگلی سے بھی اشارہ فرمایا ہے۔ لہٰذا حضرت براء جو راوی حدیث ہیں انھوں نے بھی ہاتھ کا اشارہ کیا لیکن آگے فرمایا کہ میری انگلیاں بہت کوتاہ ہیں آپ ﷺ کی انگلیوں سے، اور میرے پوروے کوتاہ ہیں آپ ﷺ کے پوروں سے،

(ابوداؤد) العرجاء ایسا جانور جو مذبح تک چل کر جانہ سکے "عرجاء" کے مصداق میں ائمہ کا قدرے اختلاف ہے، العوراء جس کی آنکھ خراب ہو اگر دونوں آنکھوں سے اندھا ہے تب تو اس کی قربانی بدرجہ اولیٰ درست نہیں ہے۔ والعجفاء اتنا بوڑھا جانور ہو گیا ہو کہ ہڈی کا گودا ختم ہو گیا۔ اس قسم کے جانوروں کی قربانی درست نہیں ہے۔

حدیث نمبر ۱۳۸۴ ﴿قربانی کا پسندیدہ جانور﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۴۶۶

وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یُضَحِّیْ بِکَبْشٍ اَقْرَنَ فَحِیْلٍ یَنْظُرُ فِیْ سَوَادٍ وَّ یَاْکُلُ فِیْ سَوَادٍ وَّ یَمْشِیْ فِیْ سَوَادٍ رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَ اَبُوْدَاوٗدَ وَالنَّسَائِیُّ وَابْنُ مَاجَةَ.

حوالہ: ص/۳۸۶ ج/۲. باب مایستحب من الضحایا، کتاب الضحایا حدیث/۲۷۹۶ ترمذی، ص/۲۷۵ ج/۲ باب ماجاء یستحب من الاضاحی، کتاب الاضاحی، حدیث/۱۴۹۶، نسائی، ص/۱۸۱، ج/۲. باب الکبش، کتاب الضحایا، حدیث/۴۴۰۲، ابن ماجه ص/۲۲۶. باب مایستحب من الاضاحی. حدیث/۳۱۲۸.

ترجمہ: حضرت ابوسعیدؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قربانی میں ایسا دنبہ ذبح کیا جو سینگھ دار تھا، آنکھوں کے اردگرد سیاہی تھی، "منہ" بھی کالا تھا، اور پیر بھی کالے تھے۔ (ترمذی، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ)

خلاصہ حدیث اس حدیث میں ایک پسندیدہ اور عمدہ دنبہ کا تذکرہ ہے۔ جو آپ کی خدمت میں کہیں سے آیا تھا، آپ ﷺ نے اس کی قربانی فرمائی تھی اس دنبہ کا منھ، پیر، اور آنکھوں کے اردگرد کا حلقہ سیاہ تھا، باقی بدن سفید تھا، یہ موٹا اور خصی جانور تھا ایسا جانور اگر کسی کو مل جائے اور اس کی قربانی کرے تو بہت اچھی بات ہے۔ لیکن چونکہ یہ اتفاقی امر ہے، اس لئے ایسے مینڈھے کی قید نہیں لگائی جا سکتی، بس خوبصورت، بے عیب فربہ جانور کی قربانی مستحب ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح فحیل، نر جانور، یعنی خصی نہ کیا ہو۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے بغیر خصی کیا ہوا دنبہ ذبح کیا۔ جبکہ دیگر احادیث میں مُوْجُوْئَیْنِ کا لفظ کثرت سے آیا ہے یعنی آپ ﷺ نے ایسے دو دنبہ ذبح فرمائے جو خصی کئے ہوئے تھے، اصل بات یہ ہے کہ مواقع متعدد ہیں، کبھی آپ ﷺ نے خصی کئے ہوئے جانور کی قربانی فرمائی ہے اور کبھی بغیر خصی کئے ہوئے جانور کی قربانی کی ہے، دونوں صورتیں درست ہیں البتہ خصی کر دینے سے گوشت عمدہ ہو جاتا ہے، اور رائحہ کریہہ زائل ہو جاتی ہے اس لیے اکثر علماء اس کو بہتر قرار دیتے ہیں۔ ینظر فی سواد سیاہی میں دیکھنے سے مراد یہ ہے کہ جانور کی آنکھوں کے اردگرد سیاہی تھی۔ یاکل فی سواد سیاہی میں کھانے سے مراد یہ ہے کہ منھ کا رنگ بھی سیاہ تھا، یمشی فی سواد سیاہی میں چلنے سے مراد یہ ہے کہ جانور کے پیر بھی سیاہ تھے۔

حدیث نمبر ۱۳۸۵ ﴿تذکرہ جذع کی قربانی کا﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۳۶۷

وَعَنْ مُجَاشِعٍ مِّنْ بَنِیْ سُلَیْمٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ کَانَ یَقُوْلُ اِنَّ الْجَذَعَ یُوَفِّیْ مِمَّا یُوَفِّیْ مِنْهُ الثَّنِیُّ رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَالنَّسَائِیُّ وَابْنُ مَاجَةَ.

حوالہ: ابوداؤد، ص/۳۸۷ ج/۲. باب مایجوز من السن فی الضحایا، کتاب الضحایا. حدیث/ ۲۷۹۹، نسائی ص/۱۸۱ ج/۲. باب المسنة والجذعة، کتاب الضحایا، حدیث/۴۳۹۵. ابن ماجه/۲۲۷. باب ماتجزئی من الاضاحی، کتاب الاضاحی، حدیث/۳۱۳۱.

ترجمہ: حضرت مجاشع جو کہ قبیلہ بنو سلیم سے ہیں روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے تھے کہ جذع اس میں کفایت کرتا ہے جس میں ثنی کافی ہو۔ (ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ بھیڑ دنبہ اگر چہ چھ ماہ کے ہوں لیکن وہ اتنے موٹے تازے ہوں کہ سال بھر کے لگتے ہوں تو ان کی قربانی درست ہے، اور یہ حکم میں اس بکرے بکری کے ہیں جو ایک سال کے ہو کر دوسرے سال میں لگ گئے ہوں۔

کلمات حدیث کی تشریح ان الجذع یوفی ممایوفی حدیث/۱۳۷۳ کے تحت یہ بات گذر چکی کہ "مسنہ" سے مراد بکرے اور دنبہ میں وہ جانور ہے جو ایک سال کا ہو چکا ہو، اور بھینس میں مسنہ سے مراد وہ جانور ہوتا ہے جو دو سال کا ہو چکا ہو، اور اونٹ میں مسنہ سے وہ جانور مراد ہوتا ہے جو پانچ سال کے ہو چکا ہو، جو جانور "مسنہ" نہ ہو اس کی قربانی جائز نہیں ہے۔ لیکن "دنبہ" "مسنہ" ہونے سے پہلے جبکہ جذعہ ہو اس کی قربانی جائز ہے۔ البتہ اس کے لئے شرط ہے کہ وہ موٹا ہو، اس حدیث میں بھی یہی حدیث منقول ہے۔ البتہ یہاں "مسنہ" کے بجائے "ثنی" کی اصطلاح ہے، نر جانور کے لئے ثنی اور مادہ کے لئے "ثنیہ" کا لفظ استعمال ہوتا ہے، معنی اس کے وہی ہیں جو "مسنہ" کے ہیں اور حاصل حدیث یہی ہے کہ دنبہ اگر چہ ایک سال پورے ہونے پر "ثنی" ہوتا ہے لیکن اس کے ثنی ہونے سے پہلے جبکہ "جذعہ" یعنی چھ ماہ یا اس سے کچھ زائد عمر کا ہو اس کی قربانی جائز ہے۔

حدیث نمبر ۱۳۸۶ ﴿بھیڑ کے بچہ کی قربانی کا تذکرہ﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۳۶۸

وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ يَقُوْلُ نِعْمَتِ الْأُضْحِيَةُ الْجَذَعُ مِنَ الضَّأْنِ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ.

حوالہ: ترمذی، ص/۲۷۶ ج/۲. باب ماجاء فی الجذع من الضأن، کتاب الاضاحی، حدیث/۱۴۹۹.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرۃؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ بھیڑ کا جذعہ یعنی چھ ماہ یا اس سے کچھ زائد کا بچہ، بہترین قربانی ہے۔ (ترمذی)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ دنبہ اگر چہ ایک سال سے کم عمر کا ہو، لیکن اگر وہ موٹا تازہ ہے، اور ایک سال کے دنبوں میں چھوڑ دیا جائے تو ان میں کھپ جائے تو ایسے دنبہ کی قربانی کی جاسکتی ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح الجذع من الضأن قربانی کے جانور کا جوان اور مسن ہونا ضروری ہے، لیکن دنبہ اگر چہ چھ ماہ یا اس سے کچھ زائد ہے اور ایک سال کے دنبوں کے جتنا نظر آتا ہے تو اس کی قربانی جائز ہے، آپ ﷺ نے من الضان کی قید لگائی ہے، اس سے معلوم ہوا کہ بکری کے چھ ماہ کے بچہ کی قربانی درست نہیں ہے، آپ ﷺ نے جن لوگوں کو بکری کے چھ ماہ یا اس سے کچھ زائد عمر کے بچہ کی قربانی کی اجازت عطا کی تھی، یہ ان کی خصوصیت تھی، اس حدیث میں جو مضمون ہے اس کی تفصیل ترمذی کی حدیث میں یوں ہے کہ "ابو کباش" کہتے ہیں کہ میں چھ ماہ کے دنبے فروخت کرنے مدینہ منورہ آیا، لوگوں نے انھیں خریدنے میں رغبت نہیں دکھائی، میں نے حضرت ابوھریرہؓ سے ملاقات کی اور ان سے مسئلہ پوچھا، کیا ایک سال سے کم عمر کے دنبوں کی قربانی جائز ہے، حضرت ابوھریرہؓ نے حدیث باب سنائی کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ بھیڑ کا جذعہ بہترین قربانی ہے،" جب لوگوں نے یہ حدیث سنی تو لوگ میرے جانوروں پر ٹوٹ پڑے، مطلب یہ ہے کہ ان کے جانور فوراً فروخت ہو گئے۔

حدیث نمبر ۱۳۸۷ ﴿قربانی کے جانور میں شرکاء کی تعداد﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۴۶۹

وَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كُنَّا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ وَ سَلَّمَ فِيْ سَفَرٍ فَحَضَرَ الْأَضْحٰى فَاشْتَرَكْنَا فِي الْبَقَرَةِ سَبْعَةً وَّ فِي الْبَعِيْرِ عَشَرَةً رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَ النَّسَائِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَ قَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ غَرِيْبٌ.

حوالہ: ترمذی ص/۲۷۶ ج/۲. باب ماجاء فی الاشتراك فی الاضحیة کتاب الاضاحی، حدیث/۱۵۱، نسائی

ص/۱۸۱ ج/۲. باب ماتجزی عنه البدنة فی الضحایا، کتاب الضحایا، حدیث/۴۴۰۴. ابن ماجه ص/۲۲۶. باب عن کم تجزی، کتاب الاضاحی، حدیث/۳۱۳۱.

ترجمه: حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ ہم لوگ ایک سفر میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے۔ دوران سفر قربانی کا دن آ گیا، تو گائے کی قربانی میں ہم سات آدمی شریک ہوئے، اور اونٹ کی قربانی میں دس آدمیوں نے شرکت کی (ترمذی) نسائی، ابن ماجہ، ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث حسن غریب ہے۔

خلاصہ حدیث اس حدیث میں خاص بات یہ مذکور ہے کہ اونٹ کی قربانی میں دس لوگوں نے شرکت کی، یہ حدیث صریح نہیں ہے۔ اس وجہ سے کہ یہ واقعہ حالت سفر کا ہے، اور مسافر پر قربانی فرض نہیں ہے، لہٰذا اس حدیث سے یہ طے کرنا کہ اونٹ کی قربانی میں دس لوگ شریک ہوں گے درست نہیں ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح وفی البعیر عشرة اونٹ کی قربانی میں دس لوگوں نے شرکت کی، یہ حدیث جمہور کیخلاف ہے، اسوجہ سے کہ جمہور کے نزدیک گائے اونٹ جیسے بڑے جانوروں میں سات لوگ شریک ہوسکتے ہیں، اس سے زائد کی شرکت ممکن نہیں ہے، امام ترمذی نے حدیث باب نقل کرنے کے بعد یہ حدیث بھی نقل کی ہے، عن جابرٍ قال نحرنا مع رسول الله ﷺ بالحدیبیة البدنة من سبعة و البقرة عن سبعة" معلوم ہوا کہ اونٹ میں بھی سات لوگوں کی شرکت ہوگی، امام ترمذی حدیث نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ "والعمل علی هذا عند اهل العلم من اصحاب انبی صلی الله علیه وسلم وغیرهم۔

حدیث باب کا جواب حدیث باب جو کہ جمہور کے خلاف ہے اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث حضرت جابرؓ کی حدیث سے منسوخ ہے حضرت جابرؓ کی حدیث گذر چکی ہے "عن جابرٍؓ ان النبی صلی الله علیه وسلم قال البقرة عن سبعة والجزور عن سبعة" آپ ﷺ نے فرمایا کہ ایک گائے سات آدمیوں کی طرف سے کافی ہے، اور ایک اونٹ سات آدمیوں کی طرف سے کافی ہے، ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عباسؓ کی روایت باب موقوف بھی ہے۔ اور متروک بھی، لہٰذا اس سے روایات صحیحہ کا معارضہ درست نہیں ہے۔ (مرقات ص/۳۱۲/ ج/۳)

حدیث نمبر ۱۳۸۸ ﴿تذکرہ قربانی کے ثواب کا﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۴۷۰

وَ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ مَاعَمِلَ ابْنُ اٰدَمَ مِنْ عَمَلٍ يَوْمَ النَّحْرِ اَحَبَّ اِلَى اللّٰهِ مِنْ اِهْرَاقِ الدَّمِ وَاِنَّهٗ لَيَاْتِىْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ بِقُرُوْنِهَا وَ اَشْعَارِهَا وَ اَظْلَافِهَا وَ اِنَّ الدَّمَ لَيَقَعُ مِنَ اللّٰهِ بِمَكَانٍ قَبْلَ اَنْ يَّقَعَ بِالْاَرْضِ فَطِيْبُوْا بِهَا نَفْسًا رَوَاهُ التِّرْمِذِىُّ وَ ابْنُ مَاجَةَ.

حواله: ترمذی، ص/۲۷۵ ج/۲. باب ماجاء فی فضل الاضحیة، کتاب الاضاحی، حدیث/۱۴۳۹، ابن ماجه ص/۲۲۶. باب ثواب الاضحیة، کتاب الاضاحی، حدیث/۱۳۲۶.

ترجمه: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کوئی بھی بندہ قربانی کے دن کوئی بھی ایسا عمل نہیں کرتا جو اللہ تعالیٰ کو خون بہانے سے زیادہ محبوب ہو، بلاشبہ قربانی قیامت کے دن اپنے سینگوں بالوں اور کھروں کے ساتھ آئے گی، اور بالاشبہ قربانی کا خون زمین پر گرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کے یہاں قبول ہو جاتا ہے، لہٰذا تم لوگ خوش دلی سے قربانی کرو (ترمذی، ابن ماجہ)

خلاصہ حدیث اس حدیث میں قربانی کی تین فضیلتیں مذکور ہیں۔ (۱) قربانی کے دنوں میں اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں سب سے پسندیدہ عمل قربانی کرنا ہے، (۲) قربانی کا جانور جیسا قربان کیا جائے گا ویسا ہی جانور قیامت کے دن درجات بلند کرانے کے لئے قربانی کرنے والے کو مل جائے گا، قربانی کے جانور کا کوئی بھی عضو ضائع نہ ہوگا، حتی کہ دنیا کے اندر سینگ وغیرہ کو بیکار سمجھا جاتا

ہے قیامت کے دن قربانی کا جانوران سب چیزوں کے ساتھ آئے گا اور یہ سب چیزیں قربانی کرنے والے کے لئے نافع ثابت ہوں گی، (۳) قربانی کا جانور قربان ہوتے ہی اللہ تعالیٰ قبول فرمالیتے ہیں۔ یعنی اس پر ثواب عنایت فرماتے ہیں۔ آپ ﷺ نے اس حدیث میں قربانی کرنے والوں کو اس بات کی تاکید بھی فرمائی ہے کہ قربانی خوش دلی سے کرو یعنی اس کو بوجھ مت سمجھو، کیوں کہ قربانی ضائع نہیں ہوتی، بلکہ اس کا کثیر اجر وثواب ملنا ملے ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح ماعمل ابن آدم بقرعید کے دنوں کی تمام عبادات میں سب سے افضل عبادت قربانی کا جانور ذبح کرنا ہے، ترمذی شریف کی اس باب کے تحت دوسری حدیث ہے، جس میں صحابہؓ نے آپ ﷺ سے دریافت کیا کہ قربانی کیا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ تمھارے باپ حضرت ابراہیم کی سنت ہے، پھر صحابہ نے دریافت کیا کہ اس میں ہمارے لئے کیا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہر بال کے بدلے ایک نیکی ہے۔ صحابہؓ نے پوچھا اور اون، آپ ﷺ نے فرمایا کہ اون کے ہر بال کے بدلہ میں بھی ایک نیکی ہے۔ وانہ لیاتی یوم القیامۃ جیسی قربانی دنیا میں انسان کی ہوگی، ویسی ہی اس کو قیامت کے دن ملے گی، اسی وجہ سے آپ ﷺ نے فرمایا کہ قربانی کا جانور موٹا تازہ اور خوبصورت ذبح کرو، اس وجہ سے کہ یہ تمہارے لئے پل صراط کی سواریاں ہیں بقرونہا سینگیں، کھر، بال، کچھ بھی ضائع نہ جائیگا، سب کا وزن ہوگا۔ اور انکے ذریعہ سے نیک اعمال کا وزن بھاری ہوگا۔

حدیث نمبر ۱۳۸۹ ﴿تذکرہ عشرہ ذی الحجہ کی عبادت کے ثواب کا﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۴۷۱

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ اَیَّامٍ اَحَبُّ اِلَی اللّٰهِ اَنْ یُّتَعَبَّدَ لَهٗ فِیْهَا مِنْ عَشْرِ ذِی الْحِجَّةِ یَعْدِلُ صِیَامُ کُلِّ یَوْمٍ مِنْهَا بِصِیَامِ سَنَةٍ وَقِیَامُ کُلِّ لَیْلَةٍ مِّنْهَا بِقِیَامِ لَیْلَةِ الْقَدْرِ رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَ ابْنُ مَاجَةَ وَ قَالَ التِّرْمِذِیُّ اِسْنَادُهٗ ضَعِیْفٌ.

حوالہ: ترمذی، ص/۱۵۸، باب ماجاء فی العمل، کتاب الصوم، حدیث/۷۰۸۔ ابن ماجہ، ص/۱۲۷، باب صیام الشهر، کتاب الصیام حدیث/۱۲۲۸۔

ترجمہ: حضرت ابوھریرۃؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کو تمام دنوں میں عشرۂ ذالحجہ کے دنوں سے زیادہ کسی دن کی عبادت محبوب نہیں ہے۔ اس عشرہ کے ایک دن کا روزہ سال بھر کے روزوں کے برابر قرار دیا جاتا ہے، اور اس کی ہر ایک رات کی عبادت کا ثواب شب قدر کی عبادت کے ثواب کے برابر ہے، (ترمذی، ابن ماجہ) ترمذی نے کہا ہے کہ اس حدیث کی سند ضعیف ہے،

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں عشرۂ ذی الحجہ کی بڑی اہمیت ہے اس لئے ان دنوں میں کی جانے والی عبادات کا ثواب بھی، بہت زیادہ ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح یعدل صیام کل یوم منها بصیام سنة، یکم ذی الحجہ سے لے کر نوذی الحجہ عرفہ کے دن تک ہر دن کا روزہ سال بھر کے نفل روزوں کے ثواب کے برابر ہے، رمضان کے روزوں کا ثواب عشرۂ ذی الحجہ کے روزوں سے بہت بڑھا ہوا ہے۔ اس طرح رمضان کے ایام کے عبادت بھی عشرۂ ذی الحجہ کے عبادت سے افضل ہے۔ حدیث باب میں عشرۂ ذی الحجہ کی افضلیت مذکور ہے وہ ماہ رمضان کے استثناء کے ساتھ ہے، مزید تحقیق کے لئے حدیث/۱۳۷۸، دیکھیں

الفصل الثالث

حدیث نمبر ۱۳۹۰ ☆☆☆ عالمی حدیث نمبر ۱۴۷۲

﴿تذکرہ بقرعید کی نماز سے پہلے قربانی کی ممانعت کا﴾

عَنْ جُنْدُبِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ شَهِدْتُ الْاَضْحٰی یَوْمَ النَّحْرِ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهِ وَ سَلَّمَ فَلَمْ یَعْدُ اَنْ

صَلّٰی وَ فَرَغَ مِنْ صَلٰوتِہٖ وَسَلَّمَ فَاِذَا ھُوَ یَرٰی لَحْمَ اَضَاحِیَّ قَدْ ذُبِحَتْ قَبْلَ اَنْ یَّفْرُغَ مِنْ صَلٰوتِہٖ فَقَالَ مَنْ کَانَ ذَبَحَ قَبْلَ اَنْ یُّصَلِّیَ اَوْ نُصَلِّیَ فَلْیَذْبَحْ مَکَانَھَا اُخْرٰی وَ فِیْ رِوَایَۃٍ قَالَ صَلَّی النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ سَلَّمَ یَوْمَ النَّحْرِ ثُمَّ خَطَبَ ثُمَّ ذَبَحَ وَقَالَ مَنْ کَانَ ذَبَحَ قَبْلَ اَنْ یُّصَلِّیَ اَوْ نُصَلِّیَ فَلْیَذْبَحْ اُخْرٰی مَکَانَھَا وَ مَنْ لَّمْ یَذْبَحْ فَلْیَذْبَحْ بِاسْمِ اللّٰہِ مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ.

حوالہ: بخاری، ص/۱۳ ج/۲. باب کلام الامام والناس فی خطبۃ العید، کتاب العیدین، حدیث/۹۸۰، مسلم ص/۱۵۳ ج/۲. باب وقتھا، کتاب الاضاحی، حدیث/۱۹۶۰.

ترجمہ: حضرت جندب بن عبداللہ سے روایت ہے کہ میں قربانی کے دن عیدالاضحیٰ کی نماز کے لیے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ موجود تھا، آپ ﷺ نماز ادا کرنے سے فارغ ہونے اور سلام پھیرنے کے بعد خطبہ کے لئے بڑھے بھی نہیں تھے کہ آپ ﷺ نے اچانک ان قربانیوں کا گوشت دیکھا جو کہ آپ ﷺ کے نماز سے فارغ ہونے سے پہلے ذبح کی جاچکی تھی، آپ ﷺ نے فرمایا کہ جس نے نماز پڑھنے سے پہلے یا آپ ﷺ نے فرمایا کہ جس نے ہمارے نماز پڑھنے سے پہلے قربانی کی ہے تو اس کو چاہئے کہ وہ اس کی جگہ دوسرا جانور ذبح کرے، ایک دوسری روایت میں ہے نبی کریم ﷺ نے قربانی کے دن نماز پڑھی پھر خطبہ دیا قربانی فرمائی، اور فرمایا کہ جس شخص نے نماز سے پہلے قربانی کی ہے وہ اس کی جگہ دوسری قربانی کرے، اور جس نے ابھی قربانی نہیں کی ہے، اس کو چاہئے کہ وہ اللہ کے نام کے ساتھ جانور ذبح کرلے (بخاری، ومسلم)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ قربانی کا جانور عیدالاضحیٰ کی نماز ادا کرنے سے پہلے ذبح کرنا درست نہیں ہے، اگر کوئی شخص نماز سے پہلے ذبح کرتا ہے تو قربانی کی ادائیگی نہ ہوگی، اس لئے کہ قربانی وقت سے پہلے ہوگئی، اب اس کو چاہیے کہ وہ دوسرا جانور ذبح کرے، آپ ﷺ کے دورِ مبارک میں کچھ لوگوں نے نماز عیدالاضحیٰ سے پہلے قربانی کردی تو آپ ﷺ نے ان کو دوسرا جانور ذبح کرنے کا حکم دیا تھا۔

کلمات حدیث کی تشریح من کان ذبح قبل ان یصلی تمام ائمہ اس بات پر متفق ہیں کہ جس جگہ نماز عیدالاضحیٰ ہوتی ہے وہاں عید کی نماز کے قبل قربانی کرنا جائز نہیں ہے، خواہ قربانی کرنے والے نے نماز پڑھی ہو یا نہ پڑھی ہو۔ اور وہ چھوٹے گاؤں دیہات جہاں عید کی نماز نہیں ہوتی ہے وہاں صبح صادق کے بعد قربانی درست ہے، اگر کسی شخص نے نماز عیدالاضحیٰ سے قبل قربانی کردی تو اس کو دوسری قربانی کرنا پڑے گی۔ بخاری شریف میں روایت ہے کہ حضرت براء بن عازبؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے قربانی کے دن نماز کے بعد ہمارے سامنے خطبہ دیا، اور فرمایا کہ جس نے ہماری نماز کی طرح نماز پڑھی اور ہماری قربانی کی طرح قربانی کی، تو بیشک اس کی قربانی درست ہوگی۔ اور جس نے نماز سے پہلے قربانی کردی تو گوشت کی بکری ہوگی، یہ سن کر حضرت ابوبردہ بن نیار کھڑے ہوئے اور انھوں نے عرض کیا یا رسول اللہ میں نے تو نماز کے لئے نکلنے سے پہلے ہی قربانی کردی اور میں نے یہ سمجھا کہ آج کا دن تو کھانے اور پینے کا ہے اس لئے میں نے جلدی کی اور خود بھی کھایا اور اپنے اہل وعیال اور اپنے پڑوسیوں کو بھی کھلایا، اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ یہ تو گوشت کھانے کی بکری ہوگئی، اس حدیث سے یہ بات اچھی طرح معلوم ہوگئی کہ قربانی نماز عید کے بعد ہی ہے، عید کی نماز سے پہلے ذبح کیا گیا جانور قربانی شمار نہ ہوگا۔

حدیث نمبر ۱۳۹۱ ﴿تذکرہ قربانی کے ایام کا﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۳۷۳۔۱۴۷۴

وَعَنْ نَافِعٍ اَنَّ ابْنَ عُمَرَ قَالَ الْاَضْحٰی یَوْمَانِ بَعْدَ یَوْمِ الْاَضْحٰی رَوَاہُ مَالِکٌ وَ قَالَ بَلَغَنِیْ عَنْ عَلِیِّ بْنِ اَبِیْ طَالِبٍ مِثْلُہٗ.

حواله: موطامالك ،ص/۲۸۸ .باب الاضحية عمافي بطن المرأة ،كتاب الضحايه حديث/ ۱۲۰ .

ترجمہ: حضرت نافعؒ سے روایت ہے کہ بے شک حضرت عمرؓ نے کہاہے کہ عیدالاضحیٰ کے دن کے بعد قربانی کے دودن ہیں (موطاامام مالک) امام مالک نے کہاکہ حضرت علی بن ابوطالب سے اسی طرح کی روایت مجھے پہونچی ہے۔

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ قربانی کے صرف تین دن ہیں ایک بقرعید کا دن یعنی دسویں ذی الحجہ اور دودن بقرعید کے دن کے بعدوالے یعنی گیارہ بارہ ذی الحجہ کے دن بارہویں ذی الحجہ کوسورج غروب ہونے کے بعد قربانی کاوقت ختم ہوجاتاہے، لہٰذااس کے بعد قربانی درست نہیں ہے، بعض لوگ قربانی کے چاردن مانتے ہیں اوروہ تیرہویں ذی الحجہ کوبھی ایام قربانی میں شمار کرتے ہیں۔ یہ حدیث ان کے مذہب کے خلاف ہے۔

کلماتِ حدیث کی تشریح الاضحى يومان بعد يوم الاضحى قربانی کے ایام تین دن ہیں لیکن پہلے دن یعنی دسویں ذی الحجہ کوقربانی کرناافضل ہے جیساکہ وہ ابن عمرؓ کی روایت میں ہے، النحر ثلا ثة ايام اولها افضل قربانی کے تین دن ہیں لیکن پہلے دن قربانی کرنازیادہ بہتر ہے۔

﴿ایام قربانی اوراختلاف ائمہ﴾

جیساکہ خلاصہ حدیث میں عرض کیاگیاکہ ایام قربانی میں اختلاف ہے بعض کے نزدیک قربانی کے تین دن ہیں اوربعض کے نزدیک قربانی کے چاردن ہیں۔

جمہور کامذہب: جمہورکے نزدیک قربانی کے ایام تین دن ہیں اوروہ دسویں گیارہویں بارہویں ذی الحجہ کے ایام ہیں۔

دلیل: جمہورکی دلیل حدیث باب ہے اس کے علاوہ حضرت علیؓ کی روایت ہے "ايام النحر ثلا ثة ايام اولهن افضلهن"

شوافع کا مذہب: شوافع کے نزدیک قربانی کے ایام چاردن ہیں، وہ تیرہویں ذی الحجہ کوبھی ایام قربانی میں شمار کرتے ہیں۔

دلیل: آپ ﷺ کافرمان جبیرابن مطعم نقل کرتے ہیں" ايام التشريق ذبح "ایام تشریق سب کے سب قربانی کے دن ہیں ایام تشریق تیرہویں ذی الحجہ تک ہیں۔ لہٰذا تیرہویں ذی الحجہ کوبھی قربانی درست ہوگی۔

جواب: حدیث منقطع ہے حافظ ابن القیم نقل کرتے ہیں" الحديث منقطع لم يثبت وصله "زادالمعادص/۳۱۹ج/۲۔اس حدیث کاتقاضہ تویہ ہے کہ نویں ذی الحجہ کوبھی قربانی کی جائے اورقربانی کے دن بجائے چار کے پانچ ہوجائیں اس لئے کہ ایام تشریق پانچ دن ہیں، نویں ذی الحجہ میں تو قربانی کاکوئی بھی قائل نہیں ہے معلوم ہواکہ حدیث کے ظاہر پرخودشوافع کابھی عمل نہیں ہے لہذااس حدیث سے استدلال درست نہیں ہے۔

حدیث نمبر ۱۳۹۲ ﴿آپ کاقربانی پرمواظبت فرمانا﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۴۷۵

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ اَقَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ بِالْمَدِيْنَةِ عَشْرَسِنِيْنَ يُضَحِّىْ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ .

حواله: ترمذی ص/ ج/۲ .باب الدليل على ان الاضحية سنة كتاب الاضاحى حديث/۱۵۰۷ .

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ دس سال مدینہ منورہ میں مقیم رہے اور ہرسال آپ نے قربانی کی (ترمذی)

خلاصۂ حدیث اس حدیث کاحاصل یہ ہے کہ قربانی واجب ہے صاحب نصاب شخص کواس فریضہ کواداکرناچاہئے آپ ﷺ کاکسی عمل پرمواظبت فرماناوجوب کی دلیل ہوتاہے۔

کلماتِ حدیث کی تشریح یضحی آپ ﷺ نے قیام مدینہ کی دس سالہ طویل مدت میں کبھی بھی قربانی ترک نہیں کی یہ دلیل ہے اس بات کی کہ قربانی واجب ہے، اس لئے اکثر ائمہ قربانی کے وجوب کے قائل ہیں قربانی کاوجوب اس

بات سے بھی سمجھ میں آتا ہے کہ آپ ﷺ نے ایک موقع پر فرمایا "من کانت له سعة ولم یضح فلایقربن مصلانا" جو شخص گنجائش کے باوجود قربانی نہ کرے وہ ہماری عیدگاہ میں نہ آئے۔

حدیث نمبر ۱۳۹۳ ﴿قربانی کیا ھے﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۴۷۶

وَ عَنْ زَيْدِ بْنِ اَرْقَمَ قَالَ قَالَ اَصْحَابُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا هٰذِهِ الْاَضَاحِيُّ قَالَ سُنَّةُ اَبِيْكُمْ اِبْرَاهِيْمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَالُوْا فَمَالَنَا فِيْهَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ بِكُلِّ شَعْرَةٍ حَسَنَةٌ قَالُوْا فَالصُّوْفُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ بِكُلِّ شَعْرَةٍ مِّنَ الصُّوْفِ حَسَنَةٌ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَ ابْنُ مَاجَةَ.

حوالہ: مسنداحمد ص/۳۶۸ ج/۴ . ابن ماجه ص/۲۲۶ باب ثواب الاضحية كتاب الاضاحي حديث/۳۱۲۷

ترجمہ: حضرت زید بن ارقمؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے صحابہ نے دریافت کیا کہ اے اللہ کے رسول قربانی کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہر بال کے بدلہ ایک نیکی ہے صحابہ نے دریافت کیا کہ اے اللہ کے رسول اور اون میں؟ آپ ﷺ نے فرمایا اون والے جانور میں بھی، ہر بال کے بدلہ ایک نیکی ملتی ہے۔ (احمد، ابن ماجہ)

خلاصہ حدیث اس حدیث سے قربانی کا ثبوت اور اللہ کی نگاہ میں قربانی کی اہمیت خوب اچھی طرح معلوم ہورہی ہے۔ قربانی کرنے والے کو قربانی کے جانور کے ہر ایک بال کے بدلہ ایک نیکی ملے گی۔ ذالك فضل الله يوتيه من يشاء۔

کلمات حدیث کی تشریح ماھی الاضاحی صحابہ کرامؓ کے قربانی کے حوالہ سے سوال کرنے کا مقصد یہ تھا کہ یہ عبادت ہماری شریعت کے خصائص میں سے ہے، یا یہ سابقہ شریعتوں میں بھی یہ عبادت رائج تھی۔ سنة ابيكم آپ ﷺ نے بتایا کہ قربانی حضرت ابراہیم کا طریقہ تھا، جس کے طریقہ کی اتباع کا ہمیں بھی حکم ہے، "اتبع ملة ابراهيم حنيفا" یہ عبادت سابقہ شریعتوں میں بھی تھی، ہماری شریعتوں میں بھی برقرار رکھا گیا ہے، مالنا مطلب یہ ہے کہ ہمیں قربانی کرنے سے کیا ثواب ملے گا، فالصوف مقصد یہ ہے کہ بال والے جانور مثلاً بکری کی قربانی کا ثواب تو سمجھ میں آ گیا۔ لیکن اون والے جانور مثلاً بھیڑ کی قربانی کا ثواب کیا ہے؟ اس میں بکری کی قربانی کے اتنا ثواب ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں اس میں بھی اسی طرح ثواب ملے گا۔

﴿عتیرہ کا بیان﴾

اس باب کے تحت تین احادیث ہیں، اس باب کے تحت احادیث میں اس بات کی وضاحت ہے کہ اسلام میں عتیرہ کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ اشہر حرم، یعنی رجب، ذی قعدہ، ذی الحجہ اور محرم کے مہینے، ان میں سے رجب کے مہینے کی زمانہ جاہلیت میں بہت زیادہ قدر تھی، اہل جاہلیت اس ماہ کی تعظیم کی غرض سے ایک جانور ذبح کرتے تھے، اس کو عتیرہ کہا جاتا تھا۔ بعض نے کہا ہے کہ عتیرہ اس جانور کا نام ہے جس کو زمانہ جاہلیت میں مشرکین اپنے بتوں کے نام پر ذبح کرکے خون کو اس کے سر پر ڈالتے تھے، مزید تحقیق کے لئے احادیث باب دیکھیں۔

الفصل الاول

حدیث نمبر ۱۳۹۴ ﴿عتیرہ کی اسلام میں کوئی حقیقت نہیں﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۴۷۷

عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ قَالَ لَا فَرَعَ وَ لَا عَتِيْرَةَ قَالَ وَ الْفَرَعُ اَوَّلُ نِتَاجٍ كَانَ يُنْتَجُ لَهُمْ كَانُوْا يَذْبَحُوْنَهُ لِطَوَاغِيْتِهِمْ وَ الْعَتِيْرَةُ فِيْ رَجَبٍ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حوالہ: بخاری ص/۸۲۲ ج/۲ . باب الفرع' كتاب العقيقة' حديث/۵۴۷۳' مسلم' ص/۱۵۶ ج/۲' باب الفرع والعتيرة' كتاب الاضاحي' حديث/۱۹۷۶.

ترجمہ: حضرت ابوھریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ "فرع اور عتیرہ کی اسلام میں کوئی حقیقت نہیں ہے،" حضرت ابوھریرہؓ فرماتے ہیں کہ فرع جانور کا وہ پہلا بچہ ہے جو کافروں کے یہاں پیدا ہوتا ہے اور وہ اس کو بتوں کے نام پر ذبح کرتے تھے، اور عتیرہ وہ جانور ہے جو رجب میں ذبح کیا جاتا تھا۔

خلاصہ حدیث زمانۂ جاہلیت میں یہ دستور تھا کہ لوگ جانور کے پہلے بچہ کو حصولِ برکت غرض سے بتوں کے نام پر ذبح کرتے تھے، اس مذبوحہ بچہ کو وہ لوگ "فرع" کہتے تھے، اسی طرح ماہِ رجب کے پہلے عشرہ میں بتوں کا نام پر جانور ذبح کرتے تھے اس کو "عتیرہ" کہتے تھے، جب لوگ حلقہ بگوش اسلام ہوئے، تو حالتِ اسلام میں بھی اس عمل کو جاری رکھا، بس فرق یہ کر دیا کہ حالت کفر میں بتوں کے نام پر ذبح کرتے تھے، حالتِ اسلام میں اللہ کے نام پر ذبح کرنے لگے، لیکن اسلام نے مشرکوں کی مشابہت کی بنا پر اس عمل سے روکدیا اور آپ ﷺ نے صاف فرمادیا کہ اس عمل کی اسلام میں کوئی حقیقت نہیں ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح لافرع ولاعتیرۃ آپ ﷺ نے فرع اور عتیرہ کی نفی فرمائی ہے، اس حدیث سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اسلام میں فرع اور عتیرہ کی گنجائش نہیں ہے۔

﴿فرع وعتیرہ کے جواز میں اختلاف ائمہ﴾

اتنی بات تو مسلم ہے کہ غیر اللہ کے نام پر جانور ذبح کرنا حرام ہے، لیکن فرع اور عتیرہ اللہ کے نام پر کرنا جائز ہے یا نہیں، اس میں اختلافِ ائمہ ہے۔

امام شافعیؒ کا مذہب: امام شافعیؒ کے نزدیک نہ صرف جائز بلکہ مستحب ہے۔

دلیل: کئی احادیث سے فرع اور عتیرہ کا جواز معلوم ہوتا ہے ان میں سے چند یہ ہیں۔ (۱) ایک شخص نے آپ ﷺ سے فرع اور عتیرہ کے بارے میں دریافت کیا، آپ ﷺ نے فرمایا کہ "من شاء عترومن شاء لم یعتر ومن شاء فرع ومن شاء لم یفرع، (نسائی)
حضرت ابوذر بن لقیط نے آپ ﷺ سے عرض کیا، یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انا کنا نذبح الذبائح فی الجاھلیۃ فی رجب فناکل، ونطعم من جاء نا: فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لاباس بہ" (نسائی)

امام ابوحنیفہؒ کا مذہب: امام صاحبؒ کے نزدیک اور جمہور علماء کے نزدیک فرع اور عتیرہ کی اسلام میں گنجائش نہیں ہے، یہ عمل حرام ہے۔

دلیل: ایک دلیل تو حدیث باب ہے جس میں ممانعت کی صراحت ہے، اس کے علاوہ بعض احادیث میں تو یہ بھی وضاحت ہے کہ "لاعتیرۃ فی الاسلام ولافرع"

جواب: امام شافعیؒ وغیرہ نے جن احادیث سے فرع اور عتیرہ کے جواز پر استدلال کیا ہے، وہ احادیث ممانعت سے پہلے کی ہیں چنانچہ وہ ممانعت والی احادیث سے منسوخ ہیں۔ ابن منذرؒ نے یہ بات نقل کی ہے کہ عرب میں فرع اور عتیرہ کا رواج تھا، لہٰذا ابتدائے اسلام میں مسلمانوں کے لیے بھی اس کی گنجائش رکھی گئی، لہذا اللہ کے نام پر جانور کا پہلا بچہ اور رجب کے پہلے عشرہ میں مسلمان قربانی کرتے تھے، پھر اس عمل کی ممانعت ہوگئی، چنانچہ آپ ﷺ نے صحابہؓ کو اس سے منع فرمایا، اور یہ بات تو معلوم ہی ہے کہ ممانعت کا تعلق اسی عمل سے ہوتا ہے جو پہلے انجام دیا جارہا ہو، اور چوں کہ کوئی بھی اس کا دعویدار نہیں ہے کہ ممانعت پہلے ہوئی اور اجازت بعد میں دی گئی، لہذا یہ بات نکھر کر سامنے آگئی کہ ان دونوں کی جو اجازت پہلے تھی اس کو ختم کرنے کے لیے ممانعت کا حکم نافذ ہوا۔ (بذل المجہود)

الفصل الثانی

حدیث نمبر۱۳۹۸ ﴿عتیرہ کی اباحت ختم ہوچکی ہے﴾ عالمی حدیث نمبر۱۴۷۸

عَنْ مُخْنَفِ بْنِ سُلَيْمٍ قَالَ كُنَّا وُقُوْفًا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِعَرَفَةَ فَسَمِعْتُهُ يَقُوْلُ يَاأَيُّهَاالنَّاسُ إِنَّ عَلٰى كُلِّ اَهْلِ بَيْتٍ فِيْ كُلِّ عَامٍ اُضْحِيَّةً وَّ عَتِيْرَةً هَلْ تَدْرُوْنَ مَاالْعَتِيْرَةُ هِيَ الَّتِيْ تُسَمُّوْنَهَاالرَّجَبِيَّةُ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ وَ ابْنُ مَا جَةَ وَ قَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ ضَعِيْفُ الْإِسْنَادِ وَقَالَ اَبُوْدَاوُدَ وَالْعَتِيْرَةُ مَنْسُوْخَةٌ.

حوالہ: ابوداؤد،ص/۱۸۵ ج/۲ ،باب ماجاء فی ایجاب الاضاحی، کتاب الضحایا،حدیث ۲۸۸ ، ترمذی، ص/۲۷۸ ج/۲ ،باب کتاب الاضاحی .حدیث /۱۵۱۸ ،نسائی ،ص/۱۶۷ ج/۲ ،باب ،کتاب الفرع والعتیرۃ، حدیث/۴۲۳۵ ،ابن ماجه ص/۲۲۶ ،باب الاضاحی واجبة هی ام لا، کتاب الاضاحی ،حدیث/۳۱۲۵.

ترجمہ: حضرت مخنفؓ سے روایت ہے کہ ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ وقوف عرفات کیے ہوئے تھے، میں نے آپ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ اے لوگو! ہر گھر والے پر ہر سال قربانی کرنا لازم ہے اور عتیرہ بھی، تم لوگ جانتے ہو عتیرہ کیا ہے؟ عتیرہ وہی ہے جس کو تم لوگ "رجبیة" کہتے ہو۔ (ترمذی، ابوداؤد، نسائی ،ابن ماجہ) ترمذی نے کہا کہ یہ حدیث غریب ہے، اس کی سند ضعیف ہے، ابوداؤد نے کہا کہ عتیرہ منسوخ ہو چکا ہے۔

خلاصہ حدیث اس حدیث میں آپ ﷺ نے عتیرہ کا عمل انجام دینے کی بات فرمائی ہے، اور عتیرہ کی وضاحت بھی فرمادی ہے کہ جو قربانی رجب کے مہینے میں خاص طور پر کی جاتی ہے، اس کو "رجبیة" بھی کہتے ہیں اور وہی عتیرہ بھی کہلاتی ہے یہ حدیث آپ ﷺ کے ان فرامین سے قبل کی ہے، جن میں عتیرہ اور فرع کی آپ ﷺ نے ممانعت فرمائی ہے، اسی وجہ سے ابوداؤد نے یہ بات فرمائی ہے کہ عتیرہ کی قربانی کا حکم منسوخ ہو چکا ہے۔ تفصیل کے لیے گذشتہ حدیث دیکھیں۔

کلمات حدیث کی تشریح **الرجبیة** عتیرہ کا ایک نام "رجبیة" بھی ہے، زمانۂ جاہلیت میں لوگ رجب کے مہینے میں اس ماہ کے احترام کی بنا پر بتوں کے نام سے قربانی کرتے تھے، زمانۂ اسلام کے ابتداء میں اسی ماہ میں قربانی اللہ کے نام پر لوگ کرنے لگے، لیکن جب ذی الحجہ میں قربانی مشروع ہوگئی، تو آپ ﷺ نے اس کی ممانعت بعد میں فرمادی۔

الفصل الثالث

حدیث نمبر۱۳۹۹ ﴿نادار پر قربانی نہیں﴾ عالمی حدیث نمبر۱۴۷۹

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُمِرْتُ بِيَوْمِ الْاَضْحٰى عِيْدًا جَعَلَهُ اللّٰهُ لِهٰذِهِ الْاُمَّةِ قَالَ لَهُ رَجُلٌ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَ رَاَيْتَ اِنْ لَّمْ اَجِدْ مَنِيْحَةً اُنْثٰى اَفَاُضَحِّيْ بِهَا قَالَ لَا وَلٰكِنْ خُذْ مِنْ شَعْرِكَ وَ اَظْفَارِكَ وَ تَقُصُّ شَارِبَكَ وَ تَحْلِقُ عَانَتَكَ فَذٰلِكَ تَمَامُ اُضْحِيَتِكَ عِنْدَ اللّٰهِ رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ.

حوالہ: ابوداؤد،ص/۳۸۵ ج/۲ باب ماجاء فی ایجاب الاضاحی، کتاب الضحایا،حدیث/۲۷۸۹ ،نسائی ، ص/۱۷۹ ج/۲ ،باب من لم یجد الاضحیة، کتاب الضحایا، حدیث/۴۳۷۷

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ "مجھ کو اس بات کا حکم دیا گیا ہے کہ میں یوم الاضحیٰ کو عید کا دن مناؤں، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اس دن کو میری امت کے لیے عید کا دن قرار دیا ہے۔" ایک صاحب نے آپ ﷺ سے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! اگر میرے پاس "منیحہ" کے علاوہ کچھ نہ ہو تو کیا میں اس کی قربانی کرلوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ نہیں بلکہ تم

ایسا کرو اُس دن میں اپنے بال اور ناخن تراش لو، اپنی مونچھیں کتر لو، اور اپنے زیر ناف بالوں کو مونڈ لو، بس تمھاری پوری قربانی اللہ تعالی کے نزدیک یہی ہے۔ (ابوداود، نسائی)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ غریب اور نادار شخص پر قربانی نہیں ہے، حدیث باب میں ایک مفلس شخص کا ذکر ہے، جن کے پاس صرف عطیہ کا ایک جانور تھا اور کچھ نہیں تھا، انھوں نے آپ ﷺ سے دریافت کیا کہ کیا میرے لیے اس جانور کی قربانی کرانا ضروری ہے، آپ ﷺ نے نفی میں جواب دیا، معلوم ہوا کہ تنگ دست پر قربانی واجب نہیں ہے، البتہ اگر غریب شخص قربانی کرتا ہے تو اس کا یہ عمل پسندیدہ کہلائے گا۔

کلماتِ حدیث کی تشریح قال لا آپ ﷺ نے "منیحہ" کی قربانی سے سائل کو رد کر دیا، "منیحہ" اس دودھ دینے والی بکری یا اونٹنی کو کہتے ہیں جس کو اس کا مالک کسی دوسرے محتاج شخص کو کچھ مدت کے لیے دیدیتا ہے، تا کہ وہ اس کے دودھ وغیرہ سے اُس مدت میں نفع اندوز ہوتا رہے، اور مدت گذرنے کے بعد مالک کو لوٹا دے۔ حضور اکرم ﷺ نے سائل صحابی کو اس "منیحہ" کی قربانی سے منع فرمایا اس کی دو وجہیں ہوسکتی ہیں۔ (۱) یہ جانور ان کی ضرورت کا تھا، اس کے علاوہ اُن کے پاس کوئی دوسرا دودھ کا جانور نہیں تھا، اگر اس کی بھی قربانی کر دیتے تو سخت پریشان ہو جاتے۔ (۲) منیحہ کے وہ خود مالک تو تھے نہیں، کیونکہ یہ تو دوسرے کا جانور ہوتا ہے، جو کچھ مدت کے لیے مالک محتاج شخص کو نفع اٹھانے کی غرض سے دیتا ہے، ایسے میں اس کی قربانی سائل کے لیے درست نہیں تھی اس لیے آپ ﷺ نے منع فرمادیا۔

فذلك تمام اضحيتك عند الله مطلب یہ ہے کہ محتاج شخص ان امور کو انجام دے لے قربانی نہ کرے، اللہ تعالی اس کو اپنے فضل وکرم سے قربانی کا ثواب عطا کریں گے۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک صاحب نصاب شخص پر قربانی واجب ہے۔ تنگ دست پر نہیں ہے۔

باب صلوٰۃ الخسوف

﴿خسوف کی نماز کا بیان﴾

سورج گرہن کے وقت جو نماز پڑھائی جاتی ہے، اس کو صلوۃ الکسوف کہتے ہیں، یہ نماز بالاجماع مشروع ہے، کتاب وسنت سے اس کی مشروعیت ثابت ہے، سورج وچاند کا گرہن اس وقت ہوتا ہے، جب بندوں کے معاصی بڑھتے ہیں۔ اللہ تعالی ان کو خوف زدہ کرتا ہے، تا کہ وہ گناہوں کو چھوڑ دیں، لہٰذا ایسے وقت میں نماز اور ذکر واذکار کا اہتمام کر کے رب کو راضی کرنے کی فکر کرنا چاہئے۔ چوں کہ اس نماز کا سبب سورج گرہن ہے، اس لئے جب جب سورج گرہن ہوگا نماز پڑھی جائے گی، اس نماز کے بھی وہی شرائط ہیں جو بقیہ نمازوں کے ہیں، اوقات مکروہ میں یہ نماز جائز نہیں ہے، فقہاء کرام کی اصطلاح میں مشہور ہے کہ لفظ کسوف کا استعمال شمش کے ساتھ مخصوص ہے، اور خسوف قمر کے ساتھ مخصوص ہے، اور بعض نے فرمایا ہے کہ کسوف وخسوف کے دونوں لفظ شمش وقمر کے لئے مستعمل ہیں۔ (تنظیم الاشتات)

الفصل الاول

حدیث نمبر ۱۴۰۰ ﴿تذکرہ سورج گرہن کی نماز کا﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۴۸۰

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ اِنَّ الشَّمْسَ خَسَفَتْ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ فَبَعَثَ مُنَادِيًا اَلصَّلٰوةُ جَامِعَةٌ فَتَقَدَّمَ فَصَلّٰى اَرْبَعَ رَكَعَاتٍ فِيْ رَكْعَتَيْنِ وَ اَرْبَعَ سَجَدَاتٍ قَالَتْ عَائِشَةُ مَا رَكَعْتُ رُكُوْعًا قَطُّ وَ لَاسَجَدْتُ سُجُوْدًا قَطُّ كَانَ اَطْوَلَ مِنْهُ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حوالہ: بخاری، ص/۱۴۵ ج ۱، باب الجهر بالقرآة فى الكسوف، كتاب الكسوف، حديث/۱۰۶۶، مسلم،

ص/۲۹۵ ج/۱، باب صلاۃ الکسوف، کتاب الکسوف، حدیث/۱۰۹۰.

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں سورج گرہن ہوا، تو آپ ﷺ نے ایک اعلان کرنے والے کو بھیجا کہ "الصلاۃ جامعۃ" (نماز کے لیے جمع ہو جائیں) کا اعلان کردے، پھر آپ ﷺ آگے بڑھے اور آپ ﷺ نے دو رکعتیں چار رکوع اور چار سجدوں سے پڑھائیں۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے اس سے لمبا رکوع کبھی نہیں کیا اور نہ اس سے لمبا سجدہ کبھی کیا۔ (بخاری و مسلم)

خلاصہ حدیث اس حدیث میں سورج گرہن کے وقت نماز پڑھنے کا ذکر ہے، یہ نماز سنت ہے، اس نماز کے لیے چوں کہ اذان واقامت نہیں ہے لہٰذا قیام جماعت کی اطلاع کے لیے منادی کا تقرر کرنا اور منادی کا "الصلاۃ جامعۃ" پکارنا بھی سنت ہے۔ حدیث باب کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ نے سورج گرہن کی نماز دو رکعت پڑھی، اور ہر رکعت میں دو دو رکوع وسجدے کیے، حنفیہ کے نزدیک سورج گرہن کی نماز بھی عام نماز کی طرح ہے، یعنی ہر رکعت میں صرف ایک رکوع اور دو سجدے ہیں، اس نماز میں قیام، قرات، رکوع سجدے سب طویل تر کرنا چاہئے۔ تا آں کہ سورج روشن ہو جائے۔

کلماتِ حدیث کی تشریح فصلی اربع رکعات فی رکعتین صلاۃ الکسوف کی ادائیگی کے طریقے احادیث میں مختلف منقول ہیں، لہٰذا ائمہ کے درمیان بھی اس نماز کی ادائیگی کے حوالے سے اختلاف موجود ہے، اُن اختلاف کی نشاندھی اگلی احادیث کے ذیل میں ہوتی رہے گی، یہاں سب سے اہم مسئلہ یہ ہے کہ "صلاۃ الکسوف" میں ایک رکعت میں ایک رکوع ہے یا متعدد رکوع ہیں، امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک عام نمازوں کی طرح صرف ایک رکوع ہے، امام شافعیؒ کے نزدیک دو رکوع ہیں، دونوں مذاہب پر فعلی روایات موجود ہیں، شوافع کے مسلک کی تائید تو حدیث باب سے ہی ہوتی ہے اور حنفیہ کے مسلک کی تائید بخاری کی اس روایت سے ہوتی ہے، حضرت ابوبکرہؓ روایت کرتے ہیں کہ "کنا عند النبی صلی اللہ علیہ وسلم فانکسفت الشمس فقام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یجرُّ ردائہ حتی دخل المسجد فدخلنا فصلی بنا رکعتین" نسائی میں یہ بھی صراحت ہے کہ "کما تصلون" اور صحیح ابن حبان میں ہے "رکعتین مثل صلاتکم" یہ تو فعلی روایات ہیں، جہاں تک قولی روایات کا تعلق ہے، تو اس سے صرف حنفیہ کے مذہب کی تائید ہوتی ہے، حضرت نعمان بن بشیرؓ کی روایت ہے "اذا خسفت الشمس فصلوا کأحدث صلاۃ صلیتموھا" اس کے علاوہ بہت سی روایات ہیں جن میں اس بات کی تاکید ہے کہ "صلاۃ الکسوف" احدث صلاۃ کی طرح ادا کرو، "احدث صلاۃ" سے مراد وہ نماز ہے جو صلاۃ الخسوف کے قریب پڑھی گئی ہو، اور صلاۃ الخسوف کے قریب فجر کی نماز پڑھی گئی تھی، اور فجر کی ایک رکعت میں ایک ہی رکوع ہے لہٰذا سورج گرہن کی نماز میں بھی ایک رکعت میں ایک ہی رکوع ہوگا۔ اب یہ بات کہ صلاۃ الکسوف سے پہلے فجر کی نماز ادا کی گئی اس کی کیا دلیل ہے؟ تو اس کے لیے عرض ہے کہ بخاری شریف میں حضرت عائشہؓ کی روایت ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے "صلاۃ الکسوف" چاشت کے وقت ادا فرمائی تھی، چنانچہ فرماتی ہیں کہ "ثم رکب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ذات غداۃ مرکبًا فخسفت الشمس فرجع ضحی فمرَّ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بین ظَھرَ انی ثم قام یصلی وقام الناس وراءہ" (ایک دن آپ ﷺ سواری پر سوار ہوئے اور سورج گرہن ہوا، آپ ﷺ چاشت کے وقت واپس تشریف لائے، اور ازواج مطہرات کے کمروں کے درمیان سے گذرے، پھر نماز پڑھنے لگے، اور لوگ آپ ﷺ کے پیچھے کھڑے تھے) اب جب یہ بات معلوم ہوگئی کہ آپ ﷺ نے "صلاۃ الکسوف" چاشت کے وقت پڑھی تو اس سے یہ بات بھی ثابت ہوگئی کہ "احدث صلاۃ" سے فجر کی نماز ہی مراد ہے، اور آپ ﷺ نے چونکہ "صلاۃ الکسوف" کو فجر کی نماز کی طرح ادا کرنے کا حکم کیا ہے، لہٰذا اس میں ایک رکعت میں ایک ہی رکوع کیا جائے گا۔ اب رہی یہ بات کے

''صلاۃ الخسوف'' کی ادائیگی میں آپ ﷺ سے چند رکوع کرنا ثابت ہے، اس کا کیا جواب ہے؟ تو اس کے لیے عرض ہے کہ ''صلاۃ الکسوف'' میں آپ ﷺ کے سامنے غیر معمولی واقعات پیش آئے، مثلاً جنت و جہنم کا آپ ﷺ کو نظارہ کرایا گیا، اس بنا پر اس نماز کی ادائیگی کے وقت آپ ﷺ پر ایک خاص کیفیت طاری تھی، اسی کیفیت کا اثر تھا کہ آپ ﷺ کبھی آگے بڑھتے اور کوئی چیز پکڑنا چاہتے اور کبھی پیچھے ہٹتے، اور اسی کیفیت کی بنا پر آپ ﷺ نے ایک سے زائد رکوع بھی کیے، جس میں سے ایک تو نماز ہی کا رکوع تھا، باقی ''رکوعات تخشع'' تھے اور یہ سب کچھ آپ ﷺ کی خصوصیات میں سے ہے، عام لوگوں کو متعدد رکوع نہیں کرنا ہے، اسی بنا پر آپ ﷺ نے ''صلاۃ الکسوف'' کی ادائیگی کے حوالے سے امت کے لیے یہ ضابطہ مقرر کر دیا کہ ''فاذا رأیتم من ذلك شیئًا فصلوا کاحدث صلاۃ مکتوبۃ صلیتموھا'' یعنی صلاۃ الکسوف فجر کی نماز کی طرح ادا کرو، اگر صلاۃ الکسوف میں متعدد رکوع امت کے لیے بھی ہوتے تو آپ ﷺ فرماتے ''صلوا کما رأیتمونی اصلی''

حدیث نمبر ۱۴۰۱ ﴿چاند گرہن کی نماز میں جہری قرآت کا ذکر﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۴۸۱

وَعَنْهَا قَالَتْ جَهَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي صَلٰوةِ الْخُسُوْفِ بِقِرَاءَتِهٖ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حوالہ: بخاری ص/۱۴۵ ج/۱، باب الجھر بالقرآۃ فی الکسوف، کتاب الکسوف، حدیث/۱۰۶۵، مسلم، ص/۲۹۶ ج/۱، باب صلاۃ الکسوف، کتاب الکسوف، حدیث/۹۰۱۔

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے چاند گرہن کی نماز میں با آواز بلند قرات فرمائی۔ (بخاری و مسلم)

خلاصہ حدیث اس حدیث میں نمازِ خسوف یعنی چاند گرہن کی نماز کا ذکر ہے، اور اس میں اس بات کی بھی صراحت ہے کہ آپ ﷺ نے اس نماز میں جہری قرات کی عام فقہاء کرام سورج گرہن اور چاند گرہن کی نماز میں یہی فرق کرتے ہیں کہ سورج گرہن کی نماز میں سری قرات ہے اور چاند گرہن کی نماز میں جہری قرات ہے، لیکن اس میں بعض لوگوں کا اختلاف ہے، کچھ فقہا کے نزدیک دونوں نمازوں میں جہری قرأت ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح جھر النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم فی صلاۃ الخسوف بقراءتہ ''صلاۃ الخسوف'' سے چاند گرہن کی نماز مراد ہوتی ہے، اور ''صلاۃ الکسوف'' سے سورج گرہن کی نماز مراد ہوتی ہے، چاند گرہن میں آپ ﷺ نے جہری قرأت کی اور سورج گرہن کی نماز میں آپ ﷺ نے سری قرأت فرمائی۔

﴿صلاۃ الکسوف میں جہری قرآت یا سری؟ اختلاف ائمہ﴾

جمہور کا مذہب: ائمہ ثلاثہ، اور جمہور فقہاء کے نزدیک صلاۃ الکسوف میں سرّاً قرأت پڑھنا مسنون ہے۔

دلیل: حضرت ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ ''صلیت الی جنب رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ و سلم یوم کسفت الشمس فلم اسمع لہ قرأۃ'' اسی طرح ترمذی میں حضرت سمرہ ابن جندب کی روایت ہے ''صلی بنا رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فی کسوف لانسمع لہ صوتاً''

امام احمدؒ کا مذہب: حضرت امام احمدؒ اور بعض دیگر فقہا ''صلاۃ الخسوف'' میں بھی جہری قرأت مسنون قرار دیتے ہیں۔

دلیل: حضرت عائشہؓ کی ترمذی میں روایت ہے '' إن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم صلی صلاۃ الکسوف وجھر بالقرأۃ فیھا''

جواب: اصل بات یہ ہے کہ حضرت عائشہؓ نے یہ فرمایا تھا کہ ''فحزرت قرأتہ فریت أنہ قرأ سورۃ البقرۃ '' یعنی حضرت عائشہؓ نے صلاۃ الکسوف میں آپ ﷺ کی قرأت کا اندازہ لگایا تھا، قرأت سنی نہیں تھی، البتہ راوی نے انکی تعبیر سے جہری قرأت کا استنباط کر کے صراحت کیساتھ جہری قرأت کا تذکرہ کر دیا، حضرت ابن عباسؓ کی بھی اسی طرح روایت ہے ''فقام قیامًا طویلاً نحوًا من قرأۃ

سورۃ البقرۃ "یعنی حضرت ابن عباسؓ نے بھی صلاۃ الکسوف میں آپ ﷺ کی قرأت کا اندازہ بیان کیا ہے کہ آپ ﷺ نے سورۂ بقرہ پڑھنے کے بقدر قیام فرمایا، یہ بھی ممکن ہو سکتا ہے کہ آپ ﷺ نے اس نماز میں بعض آیات جہراً پڑھی ہوں، جنکو حضرت عائشہؓ نے سنکر نقل کیا ہو، جیسا کہ آپ ﷺ کبھی کبھی سری نمازوں میں ایک آدھ آیات جہراً تلاوت فرمایا کرتے تھے روایت ہے "ویسمعنا الآیۃ احیانًا"

حدیث نمبر ۱۴۰۲ ﴿تذکرہ صلاۃ الکسوف مع الجماعت کا﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۴۸۲

وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ قَالَ انْخَسَفَتِ الشَّمْسُ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَصَلّٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالنَّاسُ مَعَهُ فَقَامَ قِيَامًا طَوِيْلًا نَحْوًا مِّنْ قِرَآءَةِ سُوْرَةِ الْبَقَرَةِ ثُمَّ رَكَعَ رُكُوْعًا طَوِيْلًا ثُمَّ رَفَعَ فَقَامَ قِيَامًا طَوِيْلًا وَّهُوَ دُوْنَ الْقِيَامِ الْاَوَّلِ ثُمَّ رَكَعَ رُكُوْعًا طَوِيْلًا وَهُوَ دُوْنَ الرُّكُوْعِ الْاَوَّلِ ثُمَّ رَفَعَ ثُمَّ سَجَدَ ثُمَّ قَامَ فَقَامَ قِيَامًا طَوِيْلًا وَّهُوَ دُوْنَ الْقِيَامِ الْاَوَّلِ ثُمَّ رَكَعَ رُكُوْعًا طَوِيْلًا وَّهُوَ دُوْنَ الرُّكُوْعِ الْاَوَّلِ ثُمَّ رَفَعَ ثُمَّ سَجَدَ ثُمَّ قَامَ فَقَامَ قِيَامًا طَوِيْلًا وَّهُوَ دُوْنَ الْقِيَامِ الْاَوَّلِ ثُمَّ رَكَعَ رُكُوْعًا طَوِيْلًا وَهُوَ دُوْنَ الرُّكُوْعِ الْاَوَّلِ ثُمَّ رَفَعَ فَقَامَ قِيَامًا طَوِيْلًا وَّهُوَ دُوْنَ الْقِيَامِ الْاَوَّلِ ثُمَّ رَكَعَ رُكُوْعًا طَوِيْلًا وَ هُوَ دُوْنَ الرُّكُوْعِ الْاَوَّلِ ثُمَّ رَفَعَ ثُمَّ سَجَدَ ثُمَّ انْصَرَفَ وَ قَدْ تَجَلَّتِ الشَّمْسُ فَقَالَ اِنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ اٰيَتَانِ مِنْ اٰيَاتِ اللّٰهِ لَا يَخْسِفَانِ لِمَوْتِ اَحَدٍ وَ لَا لِحَيٰوتِهٖ فَاِذَا رَاَيْتُمْ ذٰلِكَ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ رَاَيْنَاكَ تَنَاوَلْتَ شَيْئًا فِيْ مَقَامِكَ هٰذَا ثُمَّ رَاَيْنَاكَ تَكَعْكَعْتَ فَقَالَ اِنِّيْ رَاَيْتُ الْجَنَّةَ فَتَنَاوَلْتُ مِنْهَا عُنْقُوْدًا وَلَوْ اَخَذْتُهٗ لَاَكَلْتُمْ مِنْهُ مَابَقِيَتِ الدُّنْيَا وَرَاَيْتُ النَّارَ فَلَمْ اَرَ كَالْيَوْمِ مَنْظَرًا قَطُّ اَفْظَعَ مِنْهُ وَرَاَيْتُ اَكْثَرَ اَهْلِهَا النِّسَآءَ فَقَالُوْا بِمَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ بِكُفْرِهِنَّ قِيْلَ يَكْفُرْنَ بِاللّٰهِ قَالَ يَكْفُرْنَ الْعَشِيْرَ وَ يَكْفُرْنَ الْاِحْسَانَ لَوْ اَحْسَنْتَ اِلٰى اِحْدٰهُنَّ الدَّهْرَ ثُمَّ رَاَتْ مِنْكَ شَيْئًا قَالَتْ مَا رَاَيْتُ مِنْكَ خَيْرًا قَطُّ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حوالہ: بخاری، ص/۱۴۳ ج/۱، باب صلاۃ الکسوف جماعۃ، کتاب الکسوف، حدیث/۱۰۵۲ مسلم، ص/۲۹۶ ج/۱، باب ماعرض علی النبی ﷺ فی صلاۃ الکسوف، کتاب الکسوف، حدیث/۹۰۷.

ترجمہ: حضرت عبداللہ عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں سورج گرہن ہوا، تو رسول اللہ ﷺ نے نماز پڑھی، آپ ﷺ کیساتھ حضرات صحابہؓ نے بھی نماز ادا کی، چنانچہ آپ ﷺ نے تقریبًا سورۂ بقرہ کی قرأت کے بقدر طویل قیام فرمایا، پھر آپ ﷺ نے طویل رکوع کیا، پھر رکوع سے سر اٹھایا اور طویل قیام کیا، اور یہ پہلے قیام سے کم تھا، پھر ایک طویل رکوع کیا، اور یہ پہلے رکوع سے کم تھا، پھر آپ نے سجدہ کیا، پھر آپ ﷺ نے طویل قیام کیا اور یہ پہلے قیام سے کم تھا، پھر طویل رکوع کیا اور یہ پہلے رکوع سے کم تھا۔ پھر رکوع سے سر اٹھایا، پھر طویل قیام کیا، اور یہ پہلے قیام سے کم تھا، پھر طویل رکوع کیا اور یہ پہلے رکوع سے کم تھا، پھر سجدہ کیا، پھر آپ ﷺ نماز سے فارغ ہوئے تو سورج روشن ہو چکا تھا۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ سورج اور چاند اللہ کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں، انکو کسی کے مرنے اور پیدا ہونے سے گرہن نہیں لگتا ہے، لہٰذا جب تم لوگ یہ گرہن دیکھو تو اللہ کو یاد کرو، صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! ہم نے دیکھا کہ آپ ﷺ نماز کی جگہ کھڑے ہوئے ہاتھ بڑھا کر کوئی چیز لینا چاہتے ہیں، پھر ہم نے دیکھا کہ آپ ﷺ پیچھے ہٹ گئے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ حقیقت یہ ہے کہ میں نے جنت دیکھی اور اس میں سے انگور کا خوشہ لینا چاہا تھا، اگر میں وہ خوشہ لیے لیتا، تم رہتی دنیا تک اس میں سے کھاتے رہتے اور مجھ کو جہنم بھی دکھائی گئی، تو میں نے کبھی آج سے زیادہ گھبراہٹ میں مبتلا کرنے والا منظر نہیں دیکھا، اور میں نے جہنم میں اکثر عورتوں کو دیکھا، صحابہؓ نے عرض کیا اور یہ کس بنیاد پر اے اللہ کے رسول! تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ اُن کے کفر کی بنیاد پر، عرض کیا گیا کہ وہ اللہ کے ساتھ کفر کرتی ہیں؟ فرمایا یہ شوہر کی ناشکری کرتی ہیں، اور احسان کا اقرار نہیں کرتی ہیں۔ اگر تم اُن میں سے کسی کے

ساتھ زندگی بھر حسنِ سلوک کرتے رہو، پھر وہ تمہاری طرف سے کوئی ناگوار بات دیکھ لیے تو وہ یہ کہے گی کہ میں نے تمہاری طرف سے کبھی خیر کی کوئی بات نہیں دیکھی۔

خلاصہ حدیث اس حدیث میں ''صلاۃ الکسوف،، مع الجماعت کا ذکر ہے، آپ ﷺ نے یہ نماز بہت طویل ادا کی اور ایک رکعت میں ایک سے زائد مرتبہ رکوع فرمایا، نماز سے فراغت کے بعد آپ ﷺ نے چند اہم باتیں ارشاد فرمائیں، اُن میں ایک اہم بات یہ فرمائی کہ سورج اور چاند کے گرہن کا تعلق کسی کی موت وحیات سے نہیں ہے، یہ اللہ تعالیٰ کا نظام ہے، جس کی وجہ سے ایسا ہوتا ہے، نماز میں پیش آنے والے چند اہم امور کا ذکر ہے، عورتوں کی ناشکری پر سخت وعید بھی حدیث میں موجود ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح ثم رکع رکوعا طویلا صلاۃ الکسوف میں تعدد رکوع کے حوالے سے تفصیل کے لیے حدیث۔ دیکھیں لایخسفان لموت احد رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں سورج گرہن اس دن ہوا، جس دن کہ آپ ﷺ کے چہیتے صاحبزادہ حضرت ابراہیم اس دنیا سے رخصت ہوئے، بعض لوگوں نے یہ بات کہنا شروع کیا کہ ''خسفت الشمس لموت ابراھیم،، حضرت ابراہیم کی وفات کی وجہ سے سورج گرہن ہوا ہے، آپ ﷺ نے اس نظریہ کی تردید کی بنا پر فرمایا کہ سورج گرہن کا تعلق کسی کی موت وحیات سے نہیں ہے۔ فاذکروا اللّٰہ سورج گرہن ہونا بہت بڑی آزمائش وابتلا ہے، لہٰذا ایسے موقع پر نماز، دعاء اور صدقہ وغیرہ کا اہتمام کرنا چاہئے۔ یکفرن العشیر عورتوں کے اندر یہ بڑا عیب ہے کہ وہ شوہروں کی ناشکری کرتی ہیں اس سبب سے ان کی تعداد جہنم میں بہت ہوگی۔

حدیث نمبر۱۴۰۳ ﴿سورج گرہن کی نماز میں خطبہ کا تذکرہ﴾ عالمی حدیث نمبر۱۴۸۳

وَعَنْ عَائِشَةَ نَحْوَ حَدِيْثِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَّ قَالَتْ ثُمَّ سَجَدَ فَاَطَالَ السُّجُوْدَ ثُمَّ انْصَرَفَ وَ قَدِ انْجَلَتِ الشَّمْسُ فَخَطَبَ النَّاسَ فَحَمِدَ اللّٰهَ وَ اَثْنٰى عَلَيْهِ ثُمَّ قَالَ اِنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ اٰيَتَانِ مِنْ اٰيَاتِ اللّٰهِ لَايَخْسِفَانِ لِمَوْتِ اَحَدٍ وَّلَا لِحَيٰوتِهٖ فَاِذَا رَاَيْتُمْ ذٰلِكَ فَادْعُوا اللّٰهَ وَ كَبِّرُوْا وَ صَلُّوْا وَتَصَدَّقُوْا ثُمَّ قَالَ يَا اُمَّةَ مُحَمَّدٍ وَّ اللّٰهِ مَا مِنْ اَحَدٍ اَغْيَرُ مِنَ اللّٰهِ اَنْ يَّزْنِىَ عَبْدُهٗ اَوْ تَزْنِىَ اَمَتُهٗ يَا اُمَّةَ مُحَمَّدٍ وَّ اللّٰهِ لَوْ تَعْلَمُوْنَ مَا اَعْلَمُ لَضَحِكْتُمْ قَلِيْلًا وَّ لَبَكَيْتُمْ كَثِيْرًا مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حوالہ: بخاری، ص/۱۴۲ ج/۱، باب الصدقۃ فی الکسوف، کتاب الکسوف، حدیث/۱۰۴۴، مسلم، ص/۲۹۵ ج/۱، باب صلاۃ الکسوف، کتاب الکسوف، حدیث/۹۰۱.

ترجمہ: حضرت عائشہؓ کی روایت بھی حضرت ابن عباسؓ کی روایت کے مثل ہے، حضرت عائشہ روایت کرتی ہیں کہ پھر آپ ﷺ نے سجدہ کیا اور لمبا سجدہ کیا، پھر آپ ﷺ نماز سے فارغ ہوئے تو سورج روشن ہو چکا تھا، پھر آپ ﷺ نے لوگوں کے سامنے خطبہ دیا، تو اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کی، پھر فرمایا کہ سورج اور چاند اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے دو بڑی نشانیاں ہیں، اور یہ کسی کے مرنے اور پیدا ہونے سے گرہن میں نہیں آتے، لہٰذا جب سورج گرہن دیکھو تو اللہ تعالیٰ سے دعاء کرو، اس کی بڑائی بیان کرو، نماز پڑھو اور صدقہ خیرات کرو، پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ اے محمد ﷺ کی امت! میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ سے زیادہ کوئی غیرت والا نہیں ہے اس بات میں کہ اس کا بندہ یا اس کی بندی زنا کرے، اور محمد ﷺ کی امت! اللہ تعالیٰ کی قسم اگر تم لوگ وہ جان لو جو میں جانتا ہوں تمہارا ہنسنا کم ہو جائے اور رونا زیادہ ہو جائے۔ (بخاری ومسلم)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ چاند اور سورج میں گرہن لگنا اللہ تعالیٰ کے غضب کی علامت ہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ کے غضب کو اپنے سے دور کرنے کے لیے ایسے موقع پر نماز اور ذکر ودعا کا اہتمام کثرت سے کرنا چاہئے، اور چوں کہ صدقہ

کے بارے میں آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ **الصدقة تطفی غضب الرب**،، لہٰذا کثرت سے صدقہ بھی کرنا چاہئے، تا کہ اللہ تعالیٰ کا غضب دور ہو جائے اور اس کی رحمت متوجہ ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ کو یہ بات سخت ناگوار ہوتی ہے کہ اس کا بندہ یا بندی زنا کرے، اس لیے اس قبیح عمل کے قریب جانے سے بھی گریز کرنا چاہئے۔

کلمات حدیث کی تشریح

لایخسفان لموت احد آپ ﷺ نے سورج گرہن کی نماز پڑھانے کے بعد خطبہ ارشاد فرمایا، اس میں زمانہ جاہلیت کے اس نظریہ کی تردید کی کہ سورج گرہن کا تعلق کسی عظیم شخصیت کی ولادت یا وفات سے ہے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ تو اس کائنات میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کی نشانی ہے لہٰذا جب اس کا ظہور ہو تو نماز وغیرہ کا اہتمام کرو۔ حقیقت یہ ہے کہ سورج گرہن کا شرعی نظریہ ہے کہ اللہ کے غضب کا ایک اثر ہے، جب بندوں کی نافرمانی بڑھ جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ بندوں کو تنبیہ کرنے کی غرض سے سورج کو بے نور کر دیتا ہے، تا کہ انسان یہ سمجھ لیے کہ اس کی نافرمانی کا اثر صرف اس کی ذات تک محدود نہیں بلکہ عالم بالا پر بھی اس کے اثرات پڑتے ہیں، علماء فلکیات ظاہری اسباب کے تحت یہ بات نقل کرتے ہیں کہ اگر زمین سورج اور چاند کے درمیان حائل ہوتی ہے تو چاند گہن ہوتا ہے اور اگر چاند زمین اور سورج کے درمیان حائل ہوتا ہے تو سورج گرہن ہوتا ہے۔

مامن احد اغیر من اللہ ان یزنی: اللہ تعالیٰ نے زنا سے سختی کے ساتھ روکا ہے، اب اگر کوئی زنا کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کو بندہ کے اس جرم پر بہت غیرت آتی ہے اور غیرت کی بناء پر غصہ اور غصہ کے سبب انتقام کا تقاضہ پیدا ہوتا ہے، لہٰذا اللہ تعالیٰ کے غضب کے آثار کے مواقع پر بندوں کو خصوصی طور پر اُن نیک کاموں میں لگنا چاہئے، جو اللہ کے غصہ کو ٹھنڈا کرنے والے ہیں۔

حدیث نمبر ۱۴۰۴ ﴿سورج گرہن کیلئے دعاء استغفار کی تاکید﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۴۸۴

وَعَنْ اَبِیْ مُوْسٰی قَالَ خَسَفَتِ الشَّمْسُ فَقَامَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ سَلَّمَ فَزِعًا یَّخْشٰی اَنْ تَکُوْنَ السَّاعَۃُ فَاَتَی الْمَسْجِدَ فَصَلّٰی بِاَطْوَلِ قِیَامٍ وَّ رُکُوْعٍ وَّسُجُوْدٍ مَّا رَاَیْتُہٗ قَطُّ یَفْعَلُہٗ وَ قَالَ ھٰذِہِ الْاٰیَاتُ الَّتِیْ یُرْسِلُ اللّٰہُ لَاتَکُوْنُ لِمَوْتِ اَحَدٍ وَّلَالِحَیٰوتِہٖ وَلٰکِنْ یُّخَوِّفُ اللّٰہُ بِھَا عِبَادَہٗ فَاِذَا رَاَیْتُمْ شَیْئًا مِّنْ ذٰلِکَ فَافْزَعُوْا اِلٰی ذِکْرِہٖ وَدُعَائِہٖ وَ اسْتِغْفَارِہٖ مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ۔

حوالہ: بخاری، ص/۱۴۵، باب ذکر فی الکسوف، کتاب الکسوف، حدیث/۱۰۵۹، مسلم، ص/۲۹۹ ج/۱، باب الذکر والنداء بصلاۃ الکسوف، کتاب الکسوف، حدیث/۹۱۲۔

ترجمہ: حضرت ابوموسیٰ سے روایت ہے کہ سورج گرہن ہوا، تو رسول اللہ ﷺ گھبرا کر کھڑے ہو گئے، آپ ﷺ کو ڈر تھا کہ قیامت نہ آگئی ہو، پھر آپ ﷺ مسجد تشریف لائے، اور ایسے طویل قیام، رکوع اور سجدوں کے ساتھ نماز پڑھی کہ میں نے کبھی اتنی طویل نماز پڑھتے نہیں دیکھا، پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ نشانیاں ہیں جن کو اللہ تبارک وتعالیٰ بھیجتے ہیں، اِن نشانیوں کا ظہور کسی کی موت وحیات کی بناء پر نہیں ہوتا ہے، لیکن اللہ تعالیٰ اِن کے ذریعہ سے اپنے بندوں میں خوف وخشیت پیدا کرنا چاہتے ہیں، لہٰذا تم لوگ جب ان نشانیوں کو دیکھو تو اللہ کے ذکر، اس سے دعا اور اس سے اپنے گناہوں کی بخشش طلب کرنے کی جلدی کرو۔ (بخاری، مسلم)

خلاصہ حدیث

اس حدیث کا حاصل بھی یہی ہے کہ گرہن لگنا یہ اللہ تعالیٰ کے آثار غضب میں سے ہے۔ لہٰذا ایسے وقت میں اللہ تعالیٰ کے رضا والے اعمال انجام دینے کی کوشش کرنا چاہئے، آپ ﷺ کی حیات مبارکہ میں جب سورج گرہن ہوا تو آپ ﷺ بعجلت تمام مسجد پہنچے اور آپ ﷺ نے باجماعت نماز ادا کی اور ذکر واذکار میں لگے رہے۔ آپ ﷺ نے خطبہ دیا اور اس میں اس بات کی صراحت فرمائی کہ،، سورج گرہن وغیرہ کا لگنا اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ہے،، اس سے اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ سمجھ میں آتی ہے، وہ جب چاہے سورج کو بے نور کر دے اور جب چاہے ساری کائنات کو فنا کر دے۔

کلمات حدیث کی تشریح **فزعًا یخشی ان تکون** سورج گرہن کے موقع پر آپ ﷺ کو اتنی گھبراہٹ ہوئی کہ جیسے قیامت آگئی ہو۔

اشکال: سورج گرہن تو آپ ﷺ کی حیاتِ مبارکہ کے آخری زمانہ میں ہوا، اس سے پہلے آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ وقوعِ قیامت سے قبل نزولِ عیسیٰ خروجِ دجال اور اس جیسے واقعات پیش آئیں گے، تو ان واقعات کے پیش آنے سے قبل صرف سورج گرہن کی وجہ سے آپ ﷺ کو وقوعِ قیامت کا خدشہ کیسے ہوگیا؟

جواب: (۱) یہاں یہ مطلب نہیں ہے کہ آپ ﷺ کو قیامت کے وقوع کا خطرہ لاحق ہوا، بلکہ مطلب یہ ہے کہ سورج گرھن کے وقت آپ ﷺ کو ایسی بے چینی لاحق ہوئی جیسا کہ قیامت آگئی، یعنی سورج گرھن کے وقوع کے وقت لاحق ہونے والے خوف کو قیامت کے خوف سے تشبیہ دینا مقصود ہے۔

(۲) حضرت ابوموسیٰ اپنے طور پر یہ سمجھ رہے تھے کہ حضور ﷺ کی یہ گھبراہٹ اندیشہ قیامت کی بنا پر ہے، اسی کو انھوں نے نقل کیا ہے، لیکن حضور ﷺ کے دل میں واقعی کیا تھا اس کا جاننا تو ابوموسیٰ کے بس میں تھا نہیں، لہٰذا انھوں نے جو سمجھا اس کو روایت کردیا۔

سوال: اس دوسرے جواب سے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ابوموسیٰ بھی تو علاماتِ قیامت جانتے تھے، پھر انھوں نے علامت قیامت کے وقوع سے قبل یہ کیوں نقل کیا کہ سورج گرھن کے وقت حضور ﷺ کو یہ خطرہ لاحق ہوا کہ کہیں قیامت تو نہیں آگئی۔

جواب: بسااوقات شدید خوف کے وقت حقائق کی طرف توجہ نہیں ہو پاتی اور انسان کے خیالات خوف کے مطابق ہوجاتے ہیں، اسی وجہ سے علاماتِ قیامت کے وقوع نہ ہونے کے باوجود محض سورج گرہن کی بنا پر حضرت ابوموسیٰ کو وقوعِ قیامت کا اندیشہ پیدا ہوگیا۔

حدیث نمبر ۱۴۰۵ ﴿تذکرہ نماز کسوف میں تعداد رکوع کا﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۴۸۵

وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ انْكَسَفَتِ الشَّمْسُ فِیْ عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ مَاتَ اِبْرَاهِيْمُ ابْنُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ فَصَلّٰى بِالنَّاسِ سِتَّ رَكَعَاتٍ بِاَرْبَعِ سَجَدَاتٍ رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

حوالہ: مسلم، ص/۲۹۷ ج/۱، باب ماعرض علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی صلاۃ الکسوف، کتاب الکسوف، حدیث/۹۰۴.

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانۂ مبارک میں حضرت ابراہیم بن محمد ﷺ کی وفات کے دن سورج گرہن ہوا، چنانچہ آپ ﷺ نے لوگوں کو چھ رکوع اور چار سجدوں کے ساتھ نماز پڑھائی۔ (مسلم)

خلاصہ حدیث **صلوٰۃ الخسوف** کی ادائیگی کے موقع پر آپ ﷺ کو جنت وجہنم کا نظارہ کرایا گیا، اس وجہ سے اس نماز کی کیفیت ادا دیگر نمازوں سے کچھ الگ ہے، اس نماز میں ایک غیر معمولی بات یہ بھی ہوئی کہ آپ ﷺ نے ایک سے زائد بار رکوع ایک رکعت میں کیا، لیکن یہ آپ ﷺ کی خصوصیت تھی امت کو اسی بات کی تعلیم ہے کہ وہ عام نمازوں کی طرح ایک رکعت میں ایک بار ہی رکوع کرے۔

کلماتِ حدیث کی تشریح **ست رکعات** حدیث باب کے اس جز سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے دو رکعت میں چھ بار رکوع کیا، امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ایک رکعت میں ایک ہی رکوع ہے، چاہے وہ صلاۃ الخسوف ہو یا کوئی دوسری نماز، آپ ﷺ کے عمل ضرور مختلف ہیں، لیکن قولی روایت سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ رکوع کے حوالہ سے صلاۃ الخسوف عام نمازوں کی طرح ہی ہے۔ تفصیل کے لیے حدیث/۱۴۰۰ دیکھیں۔

حدیث نمبر ۱۴۰۶ ﴿تذکرہ صلاۃ الخسوف میں آٹھ مرتبہ رکوع کرنے کا﴾

عالمی حدیث نمبر ۱۴۸۶، ۱۴۸۷

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ صَلّٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ سَلَّمَ حِیْنَ كَسَفَتِ الشَّمْسُ ثَمَانَ رَكَعَاتٍ فِیْ اَرْبَعِ سَجَدَاتٍ وَعَلِیٍّ مِّثْلُ ذٰلِكَ رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

حوالہ: مسلم، ص/۲۹۹ ج/۲ باب ذکر من قال انہ رکع ثمان رکعات، کتاب الکسوف، حدیث/۹۰۸.

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سورج گرہن کے موقع پر نماز پڑھائی، جس میں آٹھ رکوع اور چار سجدہ کیے حضرت علیؓ سے بھی اسی کے مثل روایات نقل ہوئی ہے۔ (مسلم)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ آپ ﷺ نے صلاۃ الخسوف کی دو رکعت ادا کیں، ہر رکعت میں چار مرتبہ رکوع اور دو مرتبہ سجدہ کیا، یعنی سجدوں کی تعداد تو عام نمازوں کی طرح رہی لیکن رکوع کی تعداد ایک سے بڑھ کر چار ہوگئی۔

کلمات حدیث کی تشریح ثمان رکعات یہ بات پہلے بھی نقل ہو چکی ہے کہ "صلاۃ الخسوف" میں آپ ﷺ نے کتنے رکوع کیے اس حوالے سے روایات مختلف ہیں لیکن آپ ﷺ کا فرمان جو ضابطہ کی حیثیت رکھتا ہے وہ یہ ہے کہ "صلوا کاحدث صلاۃ مکتوبۃ صلیتموھا" صلاۃ خسوف کو فجر کی طرح ادا کرنے کا یہ مطلب بھی ہے کہ اس میں بھی ایک رکعت میں ایک رکوع کرو، مزید تحقیق کے لیے حدیث۔ دیکھیں

حدیث نمبر ۱۴۰۷ ﴿نماز خسوف میں شرکت کی کوشش﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۴۸۸

وَعَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ كُنْتُ اَرْتَمِیْ بِاَسْهُمٍ لِّیْ بِالْمَدِیْنَةِ فِیْ حَیَاةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ سَلَّمَ اِذْ كَسَفَتِ الشَّمْسُ فَنَبَذْتُهَا فَقُلْتُ وَاللّٰهِ لَاَنْظُرَنَّ اِلٰی مَاحَدَثَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ سَلَّمَ فِیْ كُسُوْفِ الشَّمْسِ قَالَ فَاَتَیْتُهٗ وَ هُوَ قَائِمٌ فِی الصَّلٰوةِ رَافِعٌ یَّدَیْهِ فَجَعَلَ یُسَبِّحُ وَ یُهَلِّلُ وَ یُكَبِّرُ وَ یَحْمَدُ وَ یَدْعُوْ حَتّٰی حُسِرَ عَنْهَا فَلَمَّا حُسِرَ عَنْهَاقَرَأَ سُوْرَتَیْنِ وَصَلّٰی رَكْعَتَیْنِ رَوَاهُ مُسْلِمٌ فِیْ صَحِیْحِهٖ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ سَمُرَةَ وَكَذَا فِیْ شَرْحِ السُّنَّةِ عَنْهُ وَ فِیْ نُسَخِ الْمَصَابِیْحِ عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ.

حوالہ: مسلم، ص/۲۹۹ ج/۱ باب ذکر النداء بصلاۃ الکسوف، کتاب الکسوف، حدیث/۹۱۳.

ترجمہ: حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی حیات مبارکہ میں مدینہ میں تیر اندازی کر رہا تھا کہ اچانک سورج گرہن ہوگیا، میں نے تیروں کو پھینک دیا اور کہا کہ اللہ کی قسم میں رسول اللہ ﷺ کے عمل کو سورج گرہن کے موقع پر ضرور دیکھوں گا، حضرت سمرہ کہتے ہیں کہ میں آپ ﷺ کی خدمت میں اس وقت حاضر ہوا جبکہ آپ ﷺ نماز کی حالت میں دونوں ہاتھ اٹھائے کھڑے تھے، پھر آپ ﷺ نے سبحان اللہ، لاالہ الااللہ واللہ اکبر کہنا شروع کیا، اور دعاء مانگتے رہے، یہاں تک کہ سورج نکل آیا، پھر جب سورج روشن ہوگیا تو آپ ﷺ نے دو سورتیں پڑھیں اور دو رکعت نماز ادا کی، اس روایت کو امام مسلم نے اپنی صحیح میں حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہ کی سے روایت کیا ہے، اسی طرح شرح السنہ میں عبدالرحمٰن بن سمرہؓ سے یہ روایت نقل ہوئی ہے جبکہ مصابیح کے نسخوں میں حضرت جابر بن سمرہ سے روایت نقل ہوئی ہے۔

خلاصہ حدیث حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہؓ سورج گرہن کے موقع پر تیر اندازی چھوڑ کر خصوصی طور پر آپ ﷺ کی خدمت اس لیے آئے تا کہ آپ ﷺ کے اعمال کا بغور جائزہ لیں کہ آپ ﷺ اس موقع پر کیا عمل کرتے ہیں، خود بھی اس عمل کو انجام دیں اور بعد والوں کو بھی اس سے واقف کرائیں، حضرت سمرہؓ نے اس روایت میں تعدد رکوع کا کوئی تذکرہ نہیں، کیا ہے۔

کلماتِ حدیث کی تشریح وهو قائم يصلي حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہؓ جب آپ ﷺ کی خدمت میں پہنچے، تو آپ ﷺ قبلہ رخ تھے، اور نماز کی ہیئت پر کھڑے تھے، صحابہ بھی آپ ﷺ کے پیچھے صف بستہ کھڑے تھے، حضرت عبدالرحمٰن نے تعدد رکوع کا ذکر نہیں کیا ہے۔ جبکہ وہ بہت اہتمام سے آپ کا اعمال دیکھنے ہی کی غرض سے آئے تھے، اگر وہ تعدد دیکھتے اس کو ضرور بیان کرتے کیونکہ یہ ایک انوکھی بات تھی، اس لیے یہ بات کہی جاتی ہے کہ صلاۃِ خسوف میں رکوع کے حوالے سے جو اختلاف ہے، اس میں تطبیق کی کوئی صورت ممکن نہیں ہے، اسی کو اصطلاحِ حدیث میں ''اضطراب'' کہتے ہیں، حضرت امام ابوحنیفہؒ نے عملی احادیث کو چھوڑ کر قولی روایت لی ہے، جس سے ایک رکعت میں ایک ہی رکوع ثابت ہوتا ہے۔ تحقیق کے لیے حدیث/۱۴۰۰ دیکھیں۔

حدیث نمبر ۱۴۰۸ ﴿سورج گرہن کے وقت غلام آزادکرنے کاتذکرہ﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۴۸۹

وَعَنْ اَسْمَاءَ بِنْتِ اَبِيْ بَكْرٍ قَالَتْ لَقَدْ اَمَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ بِالْعِتَاقَةِ فِيْ كُسُوْفِ الشَّمْسِ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ.

حواله: بخاری، ص/۱۴۴ ج/۱، باب من أحب العتاقة فی كسوف الشمس، كتاب الكسوف، حديث/۱۰۵۴.

ترجمه: حضرت اسماء بنت ابوبکرؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے سورج گرہن کے موقع پر غلام ازاد کرنے کا حکم فرمایا۔ (بخاری)

خلاصہ حدیث سورج گرہن کا ہونا اللہ کی ناراضگی کا سبب ہے، اس لیے اس وقت اللہ تعالیٰ کی رضا والے اعمال انجام دینا چاہئے، جن اعمال سے اللہ تعالیٰ راضی ہوتے ہیں، ان ہی میں سے ایک عمل غلام کو آزاد کرنا ہے، اسی بنا پر آپ ﷺ نے اس موقع پر غلام آزاد کرنے کی تاکید فرمائی ہے۔

کلماتِ حدیث کی تشریح لقد امر النبی صلی اللّٰه علیه وسلم بالعتاقة سورج گرہن کا ہونا غضب خداوندی کی علامت ہے، اور اللہ تعالیٰ کے غضب کا سب سے بڑا مظہر جہنم ہے، جہنم سے رہائی کا بہت اہم ذریعہ غلام کو آزاد کرنا ہے، آپ ﷺ کا فرمان ہے ''من اعتق رقبة مؤمنة اعتق اللّٰه بكل عضو منها عضوا منه من النار'' یعنی جو مؤمن کسی غلام کو آزاد کرے تو اللہ تعالیٰ اس غلام کے ہر عضو کے بدلے میں آزاد کرنے والے کے ہر عضو کو جہنم سے نجات دیں گے، لہٰذا سورج گرہن کے موقع پر غلام آزاد کرنا چاہیے۔

الفصل الثانی

حدیث نمبر ۱۴۰۹ ﴿سورج گرہن کی نماز میں آہستہ قرأت کاذکر﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۴۹۰

عَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ قَالَ صَلَّى بِنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ فِيْ كُسُوْفٍ لَا نَسْمَعُ لَهٗ صَوْتًا رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْ دَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ وَ ابْنُ مَاجَةَ.

حواله: ابو داؤد، ص/۱۶۸ ج/۱ باب من قال اربع ركعات، كتاب الكسوف، حديث/۱۱۸۴، ترمذی، ص/ج/۱، باب ماجاء في صفة القراءة، كتاب الجمعة، حديث/۵۶۲، نسائی/۱۶۸، باب نوع آخر من صلاة الكسوف، كتاب الكسوف، حديث/۱۴۸۴، ابن ماجه، ص/۹۰ باب ماجاء في صلاة الكسوف، حديث/۱۲۶۴.

ترجمه: حضرت سمرہ بن جندبؓ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے ہمیں سورج گرہن کی نماز اس طرح پڑھائی کہ ہم آپ کی آواز نہیں سنتے تھے۔ (ترمذی، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ سورج گرہن کی نماز میں سری قرأت کی جائے، آپ ﷺ نے اپنے زمانہ مبارک میں جب سورج گرہن ہوا تو صحابہ کے ساتھ نماز پڑھی، تو اس میں آپ ﷺ نے سری قرأت ہی فرمائی تھی۔

کلمات حدیث کی تشریح لاتسمع له صوتا پیچھے حدیث گذری ہے کہ حضرت سمرہؓ تیراندازی چھوڑ کر صرف اعمال کسوف دیکھنے اور سیکھنے کے لیے آئے تھے، لہٰذا انھوں نے اہتمام سے تمام اعمال کو دیکھا ہوگا، پھر وہ مردوں کی صف میں تھے، اب ایسی صورت وہ نقل کریں کہ ہم نے آپ ﷺ کی قرأت نہیں سنی تھی تو اس کا صاف مطلب ہے کہ آپ ﷺ نے جہری قرأت نہیں فرمائی اور جن احادیث کے ظاہر سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے جہری قرأت فرمائی، وہاں تاویل کی جائے گی، مثلاً یہ کہا جائے کہ آپ ﷺ نے ایک آدھ آیت کی قرأت جہراً فرمائی ہوگی، اسی کو راوی نے جہراً قرأت فرمانے سے تعبیر کیا ہوگا، مزید تحقیق کے لیے حدیث/۱۴۰۱ دیکھیں۔

حدیث نمبر ۱۴۱۰ ﴿سانحه کے وقت سجده کرنے کا ذکر﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۴۹۱

وَ عَنْ عِكْرِمَةَ قَالَ قِيْلَ لِابْنِ عَبَّاسٍ مَاتَتْ فُلَا نَةُ بَعْضُ اَزْوَاجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ فَخَرَّسَاجِدًا فَقِيْلَ لَهُ تَسْجُدُ فِيْ هٰذِهِ السَّاعَةِ فَقَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ اِذَا رَاَيْتُمْ اٰيَةً فَاسْجُدُوْا وَاَيُّ اٰيَةٍ اَعْظَمُ مِنْ ذَهَابِ اَزْوَاجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ.

حواله: ابو داؤد، ص/۱۶۹ ج/۱، باب السجود عند الآيات، كتاب الكسوف، حديث/۱۱۹۷، ترمذی، ص/۲۲۶ ج/۱، باب فضل ازواج النبی صلى الله عليه وسلم، كتاب المناقب، حديث/۲۸۹۱.

ترجمه: حضرت عکرمہؓ سے روایت ہے کہ جب حضرت ابن عباسؓ کو رسول اللہ ﷺ کی ایک بیوی کی وفات کی اطلاع دی گئی، تو وہ سجدہ میں چلے گئے، اُن سے دریافت کیا گیا کہ آپ نے اس موقع پر کیوں سجدہ فرمایا، تو انھوں نے جواب دیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب تم لوگ اللہ تعالیٰ کی نشانی دیکھو تو سجدہ کرو، اور حضرت نبی کریم ﷺ کی بیویوں کے اس دنیا سے رخصت ہو جانے سے بڑی کون سی نشانی ہوگی۔ (ابوداؤد، ترمذی)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جب بھی ابتلا یا آزمائش محسوس ہو، تو رضاء الٰہی کی خاطر نماز کا اہتمام کرنا چاہئے نماز میں سجدہ کی روایتیں بھی ہوگی، جس کا حدیث باب میں خصوصیت سے ذکر ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح فلا نة بعض ازواج حضرت صفیہؓ، یا حضرت حفصہ مراد ہیں (عمدۃ القاری) فخر ساجدا حضرات حنفیہ کے نزدیک سجدہ سے مراد سجدۂ صلاۃ ہے، یعنی ابن عباسؓ نے اس موقع پر نماز ادا کی، حضرات شوافع کے نزدیک سجدۂ منفرد ہی مراد ہے، اس اختلاف کی بنیاد یہ ہے کہ حنفیہ کے نزدیک تعبد بالسجدة المنفردة معتبر نہیں ہے اور شوافع کے یہاں معتبر ہے، اذا رائیتم اية فاسجدوا حضرات شوافع حدیث باب کے ظاہر پر عمل کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ آفتِ سماویہ یا ارضیہ کے وقوع کے وقت سجدہ کرنا چاہئے، حضرات حنفیہ نماز مراد لیتے ہیں، ایک روایت میں اس کی صراحت بھی ہے کہ "كان رسول الله صلى الله عليه وسلم "اذاحزبه امر بادر الى الصلاة"

الفصل الثالث

حدیث نمبر ۱۴۱۱ ﴿تذکره طویل قرأت کا نماز کسوف میں﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۴۹۲

عَنْ اُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ قَالَ انْكَسَفَتِ الشَّمْسُ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ فَصَلّٰى بِهِمْ فَقَرَاَ سُوْرَةً مِّنَ الطُّوَلِ وَ رَكَعَ خَمْسَ رَكَعَاتٍ وَّسَجَدَ سَجْدَتَيْنِ ثُمَّ قَامَ الثَّانِيَةَ فَقَرَاَ بِسُوْرَةٍ مِّنَ الطُّوَلِ ثُمَّ رَكَعَ [illegible] سَجْدَتَيْنِ ثُمَّ جَلَسَ كَمَا هُوَ مُسْتَقْبِلَ الْقِبْلَةِ يَدْعُوْ حَتّٰى انْجَلٰى كُسُوْفُهَا رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ.

ترجمہ: حضرت ابی بن کعبؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں سورج گرہن لگا، تو آپ نے حضرات صحابہ کرام کو نماز پڑھائی آپ ﷺ نے ایک لمبی سورت کی قرأت فرمائی، اور پانچ رکوع اور دو سجدہ کیے، پھر دوسری رکعت کے لیے کھڑے ہوئے، اور ایک لمبی سورت پڑھی، پھر پانچ رکوع اور دو سجدے کیے پھر اس طرح کہ جس طرح تھے قبلہ رو بیٹھ کر دعائیں مانگتے رہے، یہاں تک کہ سورج روشن ہوگیا (ابوداؤد)

خلاصہ حدیث اس حدیث میں صلاۃ الخسوف پڑھنے کا تذکرہ ہے، آپ ﷺ نے صلوٰۃ الخسوف میں لمبی قراءت فرمائی یہ بات مسلم ہے اور اس حدیث باب میں بھی ذکر ہے لیکن رکوع کے حوالے سے احادیث میں کافی اضطراب ہے، حدیث باب میں دو رکعت کے اندر دس مرتبہ رکوع کا ذکر ہے، جب کہ کسی میں چار کا، کسی میں چھ کا بھی تذکرہ ہے۔ سورج کے روشن ہونے تک آپ ﷺ نماز اور ذکر و اذکار میں ہی لگے رہے۔

کلمات حدیث کی تشریح ورکع خمس رکعات ماقبل میں تعدد رکوع کے حوالے میں چند باتیں نقل کی جا چکی ہیں، احادیث میں تعداد رکوع کے حوالے سے بہت اختلاف ہے، علمائے احناف رکوع واحد والی روایات کو ترجیح دیتے ہیں، کیونکہ صلاۃ الکسوف کے حوالے سے دو طرح کی روایات ہیں (۱) قولیہ، (۲) فعلیہ، فعلیہ روایات میں تو اختلاف ہے، لیکن قولی روایات میں کوئی اختلاف نہیں ہے، ان سے رکوع واحد ہی ثابت ہوتا ہے۔

بعض مشائخ نے تعدد رکوع والی روایات میں یوں توجیہ کی ہے کہ آپ ﷺ نے اس نماز میں بہت سی عجیب و غریب چیزوں کا مشاہدہ کیا اس لئے کبھی آپ ﷺ دعا مانگتے اور کبھی پناہ چاہتے اور کبھی نماز ہی کی حالت میں آگے کی طرف قدم بڑھاتے، ان تمام باتوں کے باوجود قرأت و قیام معمول کے خلاف بہت طویل تھا، اسی بنا پر بعض صحابہ کو کبھی کبھی آپ ﷺ کے دعا مانگنے یا پناہ چاہنے کی بنا پر یہ شبہ ہوتا کہ شاید آپ ﷺ رکوع میں جا رہے ہیں، پھر پتہ چلتا کہ رکوع میں نہیں گئے لہٰذا کھڑے ہو جاتے اور قیام کے مقدار کی لمبائی کی بنا پر مختلف لوگوں کو کئی بار اس کی نوبت آئی، اسی بنا پر مختلف صحابہ سے صلوۃ خسوف میں رکوع کی مقدار کا مختلف عدد بیان ہوا ہے۔ (مستفاد الدر المنضود)

حدیث نمبر ۱۴۱۲ ﴿نماز کسوف کی ادائیگی کا طریقہ﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۴۹۳

وَعَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيْرٍ قَالَ كَسَفَتِ الشَّمْسُ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ فَجَعَلَ يُصَلِّيْ رَكْعَتَيْنِ رَكْعَتَيْنِ وَ يَسْأَلُ عَنْهَا حَتّٰى انْجَلَتِ الشَّمْسُ رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَ فِيْ رِوَايَةِ النَّسَائِيْ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ صَلّٰى حِيْنَ اِنْكَسَفَتِ الشَّمْسُ مِثْلَ صَلٰوتِنَا يَرْكَعُ وَ يَسْجُدُ وَلَهٗ فِيْ اُخْرٰى اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ يَوْمًا مُسْتَعْجِلًا اِلَى الْمَسْجِدِ وَ قَدِ انْكَسَفَتِ الشَّمْسُ فَصَلّٰى حَتّٰى انْجَلَتْ ثُمَّ قَالَ اِنَّ اَهْلَ الْجَاهِلِيَّةِ كَانُوْا يَقُوْلُوْنَ اِنَّ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ لَايَنْخَسِفَانِ اِلَّا لِمَوْتِ عَظِيْمٍ مِّنْ عُظَمَاءِ اَهْلِ الْاَرْضِ وَ اِنَّ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ لَايَنْخَسِفَانِ لِمَوْتِ اَحَدٍ وَ لَالِحَيٰوتِهٖ وَلٰكِنَّهُمَا خَلِيْقَتَانِ مِنْ خَلْقِهٖ يُحْدِثُ اللّٰهُ فِيْ خَلْقِهٖ مَاشَاءَ فَاَيُّهُمَا انْخَسَفَ فَصَلُّوْا حَتّٰى يَنْجَلِيَ اَوْ يُحْدِثَ اللّٰهُ اَمْرً رَوَاهُ النَّسَائِيُّ.

حوالہ: ابو داؤد، ص/۱۶۹ ج/۱، باب من قال یرکع رکعتین، کتاب الکسوف، حدیث/۱۱۸۳، نسائی، ص ۱۶۷ ج/۱ .باب نوع آخر، کتاب صلاۃ الکسوف، حدیث/۱۴۲۴.

ترجمہ: حضرت نعمان بن بشیرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں سورج گرہن ہوا تو آپ ﷺ نے دو، دو، رکعت نماز پڑھنا شروع کی اور اس کے بارے میں سوال کرتے رہے یہاں تک کہ جب سورج روشن ہو گیا۔ (ابوداؤد) نسائی کی روایت میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے جس وقت سورج گرہن ہوا ہماری نماز کی طرح نماز پڑھی، رکوع اور سجدہ عام نمازوں کی طرح کیا، اور نسائی کی ایک دوسری

روایت میں یوں ہے کہ جس دن سورج گرہن ہوا نبی کریم ﷺ جلدی سے مسجد تشریف لے گئے اور نماز پڑھی یہاں تک کہ سورج روشن ہوگیا، پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ زمانہ جاہلیت کے لوگ یہ کہتے تھے کہ سورج اور چاند کو گرہن اسی وقت لگتا ہے جب اہل زمین میں سے کسی عظیم شخصیت کا انتقال ہوتا ہے، بلاشبہ سورج اور چاند کو گرہن کسی کے مرنے اور کسی کے پیدا ہونے سے نہیں لگتا ہے، یہ دونوں اللہ کی مخلوقات میں سے دو مخلوقیں ہیں، اللہ تعالی اپنی مخلوق میں جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے، لہذا جب ان میں سے کسی کو گرہن لگے تو نماز پڑھو یہاں تک کہ وہ روشن ہو جائے اور اللہ تعالی اپنا حکم ظاہر کر دے۔ (نسائی)

خلاصہ حدیث اس حدیث میں دو اہم باتیں منقول ہیں (۱) نماز کسوف کی ادائیگی عام نمازوں کی طرح کرنا چاہئے جس کی تائید آپ ﷺ کی قولی حدیث سے بھی ہوتی ہے جس کو ما قبل میں نقل کیا جاچکا ہے۔ (۲) سورج و چاند کے گرہن لگنے کا تعلق اللہ تعالی کی مشیت سے ہے، کسی کی موت وحیات سے اس کا کوئی واسطہ نہیں ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح فجعل يصلى ركعتين ركعتين ،مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ دو رکعت پڑھ کر سورج کے بارے میں دریافت فرماتے مطلع صاف ہوا کے نہیں، اور پھر دو رکعت پڑھتے ،معلوم ہوا کہ صلوۃ الکسوف میں دو رکعت سے زائد بھی پڑھی جاسکتی ہیں حضرت گنگوہی نے حدیث میں رکعتین سے رکوعین مرادلیا ہے "يسئل عنها" کا یہ مطلب لیا ہے کہ نماز میں اللہ تعالی سے سوال و دعاء کرتے تھے کہ اے اللہ سورج کو روشن فرما دے۔

باب فی سجود الشکر

﴿سجدہ شکر کا بیان﴾

وهذا الباب خال عن الفصل الأول والثالث ﴿یہ باب فصل اوّل اور فصل ثالث سے خالی ہے﴾

خارج صلوۃ سجدہ کئی طرح ہوتا ہے۔ ایک سجدۂ سہو یہ نماز ہی کے حکم میں ہے اس میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔ دوسرا سجدۂ تلاوت ہے اس میں بھی کسی کا اختلاف نہیں ہے۔ تیسرا سجدۂ مناجات ہے جو خارج از نماز ہے اکثر علماء اس کی کراہت کے قائل ہیں۔

چوتھا سجدہ شکر ہے جو حصول نعمت اور خاتمہ مصیبت و بلاء پر کیا جاتا ہے، جب کوئی خوش کن خبر پہنچے یا فرحت افزا معاملہ پیش آئے یا کوئی آفت و مصیبت ٹلے تو اللہ کا شکر بجالانا مسنون ہے اور شکر بجالانے کے دو طریقے ہیں: کامل اور ناقص، کامل شکر بجالانا یہ ہے کہ کم از کم دو نفلیں پڑھے اور زیادہ پڑھے تو اور بھی بہتر ہے۔ اور ناقص شکر بجالانا یہ ہے کہ سجدۂ تلاوت کی طرح سجدۂ شکر کرلے فتح مکہ کے موقع پر آپ ﷺ نے جو آٹھ نفلیں پڑھی تھیں ان کے بارے میں امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہوسکتا ہے وہ نفلیں فتح مکہ کے شکر یہ کی پڑھی ہوں۔ سجدۂ شکر کی حکمت یہ ہے کہ آدمی کبھی نعمتوں پر اتنا خوش ہوتا ہے کہ اترانے لگتا ہے۔ یہ ایک بری کیفیت ہے اس کا علاج یہ ہے کہ منعم حقیقی کے سامنے عاجزی کرے تاکہ وہ بری حالت اچھی حالت سے بدل جائے۔

الفصل الثانی

حدیث نمبر۱۴۱۳ ﴿آپ کے سجدۂ شکر کا تذکرہ﴾ عالمی حدیث نمبر۱۴۹۴

عَنْ اَبِي بَكْرَةَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا جَاءَهٗ اَمْرٌ سُرُوْرًا اَوْ يُسَرُّبِهٖ خَرَّ سَاجِدًا شَاكِرًا لِلّٰهِ تَعَالٰى رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ غَرِيْبٌ .

حواله: أبوداؤد ۲/۳۸۳ باب في سجود الشكر كتاب الجهاد حديث نمبر ۲۷۷۴ ترمذی ۲/۲۷۸ باب ما جاء في سجدة الشكر كتاب السير حديث نمبر ۱۵۷۸۔

ترجمه: حضرت ابوبکرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے جب کوئی خاص خوشی کی بات پیش آتی تو شکر ادا کرنے کی خاطر اللہ

تعالیٰ کے آگے سجدہ میں گرجاتے تھے (ابوداؤد، ترمذی) ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث حسن غریب ہے۔

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ آپ ﷺ کسی مصیبت سے بچنے یا نعمت کے حصول کے موقع پر سجدۂ شکر ادا کرتے تھے، حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک سجدۂ شکر سے مراد صلاۃ شکر ہے، اور شریعت مطہرہ میں نماز پر سجدہ کا اطلاق متعارف ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح إذا جاء ه أمرسرورًا أو يسربه راوی حدیث نے یا تو "سرورا" نقل کیا ہے یا یسرہ مضارع مجہول کا صیغہ نقل کیا ہے۔ دونوں کا مطلب ایک ہے کہ آپ ﷺ خوشی کے موقع پر سجدۂ شکر ادا کرتے تھے

﴿سجدۂ شکر اور اختلاف ائمہ﴾

نماز کے باہر شکر نعمت کے طور پر صرف سجدہ کرنے کے بارے میں ائمہ کے درمیان اختلاف ہے۔

امام شافعی کا مذہب شوافع وغیرہ کے نزدیک سجدۂ شکر ادا کرنا مستحب ہے۔

دلیل: حدیث باب ہے۔ اس میں صاف صراحت ہے کہ آپ ﷺ سجدۂ شکر فرماتے تھے۔ اسی طرح صدیق اکبرؓ کے پاس جب مسیلمہ کذاب کے ہلاک ہونے کی خبر پہنچی تھی، تو اس وقت انھوں نے بھی سجدۂ شکر ادا کیا تھا۔

امام ابوحنیفہ کا مذہب امام صاحبؒ سجدۂ شکر کی ادائیگی کا انکار فرماتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ اداءِ شکر کے لیے صرف سجدہ کافی نہیں بلکہ صلاۃ شکر دو رکعت شکر یہ کی نیت سے بھی پڑھی جائیں۔

دلیل: امام صاحبؒ کہتے ہیں کہ جن روایات میں سجدۂ شکر وارد ہے، ان میں سجدۂ شکر سے صلاۃ شکر مراد ہے۔ اور احادیث میں سجدہ سے نماز کا مراد ہونا متعارف ہے۔ مسلم شریف میں حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے عليك بكثرة السجود یہاں سجود سے بالاتفاق نماز مراد ہے۔ اور جب آپ ﷺ کے اقوال میں سجدہ سے نماز مراد ہوسکتی ہے۔ تو آپ ﷺ کے افعال میں تو بطریق اولی یہ بات ممکن ہے۔ آپ ﷺ کا ابوجہل کے قتل کی خبر پاکر دو رکعت نماز شکر ادا کرنا ثابت ہے۔

سوال: سجدۂ شکر کی نفی سے امام صاحب کی کیا مراد ہے؟

جواب: اس بارے میں تین اقوال ہیں۔ (۱) عدم وجوب کی نفی ہے۔ (۲) مشروعیت کی نفی ہے۔ (۳) صرف سجدۂ شکر کافی نہیں۔ بلکہ دو رکعت نماز ادا کی جائے۔ اس میں سجدۂ شکر ادا کیا جائے۔

حدیث نمبر ۱۴۱۴ ﴿مصیبت سے حفاظت پر سجدۂ شکر﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۴۹۵

وَعَنْ أَبِي جَعْفَرٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَاٰی رَجُلًا مِنَ النُّغَاشِيِّنَ فَخَرَّ سَاجِدًا رَوَاهُ الدَّارَ قُطْنِيُّ مُرْسَلًا وَفِي شَرْحِ السُّنَّةِ لَفْظُ الْمَصَابِيْحِ.

حوالہ: دار قطنی ۱/۴۱۰ باب السنة في سجود الشكر كتاب الصلاة حدیث نمبر ۱۔

ترجمہ: حضرت ابوجعفر سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے بونوں میں سے ایک شخص کو دیکھا تو سجدہ میں گر گئے۔ اس روایت کو دار قطنی نے بطریق ارسال نقل کیا ہے۔ اور شرح السنہ میں یہ حدیث مصابیح کے الفاظ کے موافق نقل ہوئی ہے۔

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ آپ نے ایک پستہ قد ناقص الخلقت شخص کو دیکھ کر اس لیے سجدۂ شکر ادا کیا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ پر یہ فضل فرمایا کہ آپ ﷺ کو اس مصیبت سے محفوظ رکھا، معلوم ہوا کہ جس طرح نعمت کے حاصل ہونے پر شکر بجالانا امر مسنون ہے اسی طرح مصیبت سے حفاظت کے موقع پر بھی شکر بجالانا امر مسنون ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح رَاٰی رَجُلاً مِنَ النُّغَاشِیِّیْنَ فَخَرَّ سَاجِدًا اس سے مراد وہ شخص ہے جو حد درجہ پستہ قد بے حد کمزور اور ناقص الخلقت ہو۔ سجدہ سے مراد امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک نماز شکر ہے۔ یہ بات منقول ہے کہ حضرت شبلی رحمہ اللہ نے ایک دنیادار شخص کو دیکھا تو یہ دعا پڑھی۔ الحمد للّٰه الذي عافاني مما ابتلاك به معلوم ہوا کہ دنیا کی محبت میں پورے طور پر گر کر جانا بھی ایک مصیبت ہے۔ اور جو شخص اس مصیبت سے محفوظ ہے اس کو شکر ادا کرنے چاہیے۔

حدیث نمبر ۱٤۱۵ ﴿سجدہ میں گر کر دعا مانگنے کا تذکرہ﴾ عالمی حدیث نمبر ۱٤۹٦

وَعَنْ سَعْدِ بْنِ اَبِيْ وَقَّاصٍ قَالَ خَرَجْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ مَكَّةَ نُرِيْدُ الْمَدِيْنَةَ، فَلَمَّا كُنَّا قَرِيْبًا مِنْ عَزْوَزَاءَ نَزَلَ ثُمَّ رَفَعَ يَدَيْهِ فَدَعَا اللّٰهَ سَاعَةً ، ثُمَّ خَرَّ سَاجِدًا فَمَكَثَ طَوِيْلاً ثُمَّ قَامَ فَرَفَعَ يَدَيْهِ سَاعَةً ثُمَّ خَرَّ سَاجِدًا قَالَ: اِنِّيْ سَاَلْتُ رَبِّيْ وَشَفَعْتُ لِاُمَّتِيْ فَاَعْطَانِيْ ثُلُثَ اُمَّتِيْ فَخَرَرْتُ سَاجِدًا لِاُمَّتِيْ فَاَعْطَانِيْ ثُلُثَ اُمَّتِيْ فَخَرَرْتُ سَاجِدًا لِرَبِّيْ شُكْرًا ثُمَّ رَفَعْتُ رَاْسِيْ فَسَاَلْتُ رَبِّيْ لِاُمَّتِيْ فَاَعْطَانِيْ ثُلُثَ اُمَّتِيْ فَخَرَرْتُ سَاجِدًا لِرَبِّيْ شُكْرًا ثُمَّ رَفَعْتُ رَاْسِيْ فَسَاَلْتُ رَبِّيْ لِاُمَّتِيْ فَاَعْطَانِيْ الثُّلُثَ الْآخِرَ فَخَرَرْتُ سَاجِدًا لِرَبِّيْ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَاَبُوْدَاوُدَ .

حوالہ: أبو داوٗد، ۳۸۳/۲ باب في رفع اليدين في الدعاء كتاب الجهاد، حديث نمبر ۲۷۷۵۔

ترجمہ: حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مدینہ منورہ کے ارادہ سے مکہ مکرمہ سے روانہ ہوئے جب ہم لوگ مقام "عزوزاء" کے قریب پہنچے تو آپ ﷺ سواری سے اتر پڑے۔ پھر آپ نے اپنے ہاتھ بلند کر کے کچھ دیر تک اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی۔ پھر آپ ﷺ سجدہ میں گر گئے پھر آپ ﷺ بہت دیر تک سجدہ میں پڑے رہے، پھر آپ ﷺ کھڑے ہوئے۔ اور کچھ دیر تک اپنے ہاتھوں کو بلند رکھا۔ پھر سجدہ میں گر پڑے۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے اپنے رب سے مانگا، اور اپنی امت کی شفاعت کی۔ تو اللہ تعالیٰ مجھے میری تہائی امت عطا کر دی۔ تو میں نے اپنے رب کی شکر یہ کی خاطر سجدہ کیا۔ پھر میں نے اپنا سر اٹھایا۔ اور اپنے رب سے اپنی امت کو مانگا، تو اللہ تعالیٰ نے مجھ کو ایک تہائی اور میری امت عطا کر دی۔ چنانچہ میں اپنے رب کی شکر گذاری کے لیے سجدہ میں گر پڑا۔ پھر میں نے سر اٹھایا اور اپنے رب سے اپنی امت کو مانگا تو میرے رب نے مجھ کو آخری تہائی امت بھی عطا کر دی۔ لہٰذا میں اپنے رب کی شکر گذاری میں سجدہ میں گر پڑا۔

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت نبی کریم ﷺ کی دعاء وسفارش کی وجہ سے اس امت کے تمام لوگوں کی مغفرت فرمائیں گے۔ پہلی مرتبہ میں ان لوگوں کی بخشش ہوگی جو نیک ہوں گے۔ پھر درمیانی لوگوں کی معاف ہوگی۔ پھر گنہ گاروں کی مغفرت ہوگی۔ امت کے اوپر اللہ تعالیٰ کے اس خصوصی اہم وکرم کی بنا پر آپ ﷺ بار بار سجدہ شکر بجالائیں گے۔

کلمات حدیث کی تشریح نزل آپ ﷺ جب عزوزا کے قریب پہنچے تو اپنی اونٹنی سے اتر پڑے۔ یہ جگہ مکہ اور مدینہ کے درمیان میں ہے۔

سوال: آپ ﷺ مقام عزوزاء کے قریب کیوں اترے؟

جواب: (۱) آپ ﷺ کے اوپر اس جگہ میں کوئی وحی نازل ہوئی ہوگی۔ اس بناء پر آپ ﷺ اس جگہ پر اترے پڑے ہوں گے۔ (۲) اس مقام کی خصوصیت کی وجہ سے آپ ﷺ وہاں اترے ہوں گے۔ اور وہاں پر آپ ﷺ نے اپنی امت کی شفاعت کی دعا کی ہوگی۔

فرفع يديه ساعة ثم خر ساجدا اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ آہستہ دعاء مانگنا افضل ہے تیز دعاء کرتے وقت ہاتھوں کا بلند کرنا بھی مستحب ہے۔

سالت ربی لامتی اپنی تمام امت کی مغفرت کی دعا کی فاعطانی ثلث امتی پہلی بار میں ثلث امت کی مغفرت کی بشارت ملی یہ وہ طبقہ ہے جس کو سابقین کہا گیا ہے یعنی اعمال صالحہ کی طرف سبقت کرنے والا طبقہ دوسری بار میں جن کی مغفرت کا پروانہ ملا یہ وہ لوگ ہیں جن کو ''مقتصدین'' سے تعبیر کیا جاتا ہے یعنی متوسط درجہ کے لوگ اور تیسری بار میں ان لوگوں کو بخشش کی نوید ملی یہ وہ لوگ ہیں جو ''عاصی'' کہلاتے ہیں۔

تعارض: حدیث باب سے معلوم ہوتا ہے کہ پوری امت کی مغفرت ہوگی جب کہ بہت سی قرآن مجید کی آیات اور احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اس امت کے گنہگار لوگ بھی جہنم میں جائیں گے۔

دفع تعارض: حدیث باب میں جو مغفرت ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت نبی کریم ﷺ کی دعاء سے اس امت کے لوگوں کو ہمیشہ ہمیش کا عذاب جھیلنا نہیں پڑے گا۔ یعنی یہاں مغفرت سے مراد دائمی عذاب سے نجات ہے۔ اور جن جگہوں پر عذاب کا تذکرہ ہے۔ ان سے مراد وقتی عذاب ہے۔ اور دونوں باتوں میں کوئی تعارض نہیں ہے۔

باب صلوٰۃ الاستسقاء

﴿نماز استسقاء کا بیان﴾

استسقاء کے لغوی معنی ہیں پانی طلب کرنا اور اصطلاحی معنی ہیں جب کسی علاقہ میں قحط سالی اور سوکھا پڑ جائے تو اللہ سے پانی طلب کرنا اس باب کے تحت چودہ ۱۴ روایتیں بیان کی گئی ہیں جس میں پانی کی کمی اور قحط سالی کے موقع پر آپ ﷺ کا پانی کے لئے نماز دعا اور دیگر اعمال کا کرنا ذکر کیا گیا ہے۔ بارش انسانوں ہی کی نہیں بلکہ حیوانات ونباتات کی بھی بنیادی ضرورت ہے سب کی زندگی کا پانی پر انحصار ہے رسول اللہ ﷺ کے بابرکت زمانہ میں قحط سالی ہوئی ہے اور آپ ﷺ نے اپنی امت کے لئے مختلف انداز سے بارش طلب کی ہے کبھی جمعہ کے خطبہ میں دعا فرمائی تو نماز کے ختم ہونے سے پہلے بدلی آئی اور بارش شروع ہوگئی۔ کبھی آپ ﷺ لوگوں کو لے کر شہر سے باہر احجار الزیت نامی مقام پر تشریف لے گئے اور نماز کے بغیر بارش کی دعا فرمائی اور ایک مرتبہ عیدگاہ میں تشریف لے جا کر نماز پڑھکر بارش طلب کی اسی لئے ائمہ کا اس مسئلہ میں قدرے اختلاف ہے۔ ائمہ ثلاثہ اور صاحبینؒ یعنی جمہور کے نزدیک استسقاء کے لئے نماز باجماعت مسنون ہے۔ امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ استسقاء کی حقیقت دعا واستغفار ہے اور نماز بھی جائز بلکہ مندوب ومستحب ہے چونکہ نبی کریم ﷺ سے مختلف مواقع میں استسقاء ثابت ہے جن میں سے بعض مقامات پر نماز نہیں ہے بلکہ صرف دعا اور استغفار وغیرہ پر ہی اکتفا کیا گیا ہے اس لئے حقیقت استسقاء کی ادائیگی نماز باجماعت پر موقوف نہیں ہے بلکہ محض دعا اور استغفار سے بھی استسقاء کی سنت ادا ہو جاتی ہے ۔ جو لوگ یہ سمجھتے اور خیال کرتے ہیں کہ امام ابوحنیفہؒ استسقاء کی نماز کی مشروعیت کے قائل نہیں یعنی ان کے نزدیک یہ نماز جائز نہیں ہے تو یہ خیال صحیح نہیں ہے۔

نماز استسقاء کی حکمت یہ ہے کہ جب بہت سارے لوگ اکٹھا ہو کر نیک عمل، اور توبہ واستغفار کریں گے اور پوری توجہ اور الحاح وزاری سے دعا کریں گے تو دعاء کی قبولیت کا زیادہ امکان ہوگا بالخصوص جب نماز پڑھکر دعا کریں گے اس لئے کہ بندہ نماز میں اللہ سے بہت زیادہ قریب ہوتا ہے

صلوٰۃ استسقاء میں دیگر مواقع سے آپ ﷺ زیادہ ہاتھ اٹھا کر دعا مانگتے تھے تو اس کی حکمت یہ ہے کہ دونوں ہاتھوں کو اٹھانا تضرع تام اور ابتہال عظیم کا پیکر محسوس ہے جو نفس کو عاجزی کرنے کے لئے چوکنا کرتا ہے جیسے سائل ہاتھ پھیلا کر بھیک مانگتا ہے تو اس کے لہجہ میں بیچارگی آجاتی ہے۔

الفصل الاوّل

حدیث نمبر ۱٤۱٦ ﴿حضور ﷺ کی نماز استسقاء کا تذکرہ﴾ عالمی حدیث نمبر ۱٤۹۷

عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ زَیْدٍ قَالَ خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ بِالنَّاسِ إِلَى الْمُصَلّٰى يَسْتَقِیْ فَصَلّٰى بِهِمْ رَكْعَتَيْنِ جَهَرَ فِيْهِمَا بِالْقِرَآءَةِ وَاسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ يَدْعُوْ وَرَفَعَ يَدَيْهِ وَحَوَّلَ رِدَآءَهٗ حِيْنَ اسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حوالہ: بخاری ۱/۱۳۹ باب الجهر بالقراۃ کتاب الاستسقاء، حدیث ۱۰۲٤ مسلم ص ۲۹۲۔۲۹۳ کتاب صلاۃ الاستسقاء حدیث ۸۹٤۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن زیدؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ صحابہ کے ہمراہ طلب بارش کیلئے عیدگاہ تشریف لے گئے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے وہاں دو رکعت نماز پڑھائی جس میں بلند آواز سے آپ ﷺ نے قرأت فرمائی اور قبلہ رخ ہوکر دعا مانگی دراں حالیکہ آپ دونوں ہاتھ اٹھائے ہوئے تھے۔ اور قبلہ رخ ہوتے وقت آپ ﷺ نے اپنی چادر پھیر دی۔ (بخاری ومسلم)

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا تذکرہ ہے کہ قحط سالی کے موقع پر آپ ﷺ نے بارش کی طلب کی خاطر "صلاۃ استسقاء" کا اہتمام کیا، جب بھی قحط سالی کے آثار نمایاں ہوں تو اس کو دور کرنے کیلئے آپ ﷺ نے استسقاء کی تعلیم دی، اس کے لئے بہتر یہ ہے کہ تمام لوگ آبادی سے باہر نکل کر امام کے ساتھ دعاء استسقاء استغفار توبہ وگریہ زاری نماز اور جو بھی صورت رضاء الٰہی کی ممکن ہو کریں تا کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت متوجہ ہو اور قحط دور ہو، آپ ﷺ نے قحط سے نجات کیلئے کبھی نماز پڑھی ہے اور کبھی دعاء پر اکتفاء کیا ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح خرج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بالناس إلی المصلی، آپ ﷺ نے جس طرح انفرادی حاجتوں کی تکمیل اور مصائب سے نجات کے لئے "صلاۃ الحاجۃ" کا حکم فرمایا ہے اسی طرح عمومی پریشانی یعنی قحط سالی سے نجات کے لئے بھی عمومی اجتماعی نماز اور اجتماعی دعاء کی تعلیم فرمائی ہے، طلب بارش کے لئے جو نماز پڑھی جاتی ہے اسی کو "صلاۃ الاستسقاء" کہتے ہیں۔

سوال: استسقاء کی نماز سنت ہے یا نہیں؟

جواب: ائمہ ثلاثہ جمہور اور صاحبین کے نزدیک "صلاۃ استسقاء" مسنون ہے۔ امام ابوحنیفہؒ صلاۃ الاستسقاء کی مشروعیت کے تو قائل ہیں لیکن طلب بارش کے لئے نماز کو سنت مؤکدہ یا مسنون نہیں مانتے ہیں ان کا کہنا ہے کہ استسقاء کی اصل دعا ہے۔ چنانچہ نماز پڑھ کر بھی طلب بارش کے لئے دعا کی جاسکتی ہے۔ اور بغیر نماز پڑھے بھی دعا کی جاسکتی ہے۔ اور آپ سے دونوں طرح کی دعا کرنا ثابت ہے، قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ "فقلت استغفروا ربکم انه کان غفارًا یرسل السماء علیکم مدرارًا" (تم اپنے پروردگار سے گناہ بخشواؤ۔ وہ بڑا بخشنے والا ہے۔ وہ تم پر کثرت سے بارش بھیجے گا) اس آیت میں بارش بھیجنے کو استغفار پر مرتب فرمایا ہے، نماز پر نہیں، معلوم ہوا کہ طلب بارش بغیر نماز کے صرف دعا کے ذریعہ بھی مشروع ہے۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک نماز پڑھنا یا صرف دعا پر اکتفا کرنا دونوں طریقے مستحب ہیں۔ البتہ حنفیہ کے نزدیک نماز ادا کرنا زیادہ بہتر ہے۔

فصلی بھم رکعتین جھر فیھا بالقراءۃ آپ ﷺ نے صلاۃ استسقاء کی دو رکعت نماز پڑھائی اور اس میں جہری قرأت کی آپ ﷺ نے پہلی رکعت میں سورۂ "ق" یا "سبح اسم ربك الاعلیٰ" تلاوت فرمائی اور دوسری رکعت میں "اقترب" یا "سورۃ الغاشیۃ" تلاوت فرمائی چاروں مذاہب میں صلاۃ الاستسقاء کی دونوں رکعتوں میں جہر قرأت کرنے کی تاکید آئی ہے۔

وحول ردائه آپ ﷺ نے قبلہ رخ ہوتے ہوئے اپنی چادر پھیر دی۔

سوال: آپ ﷺ نے چادر کیوں پھیری، کیا آپ کا یہ عمل بطور عبادت کے تھا؟

جواب: آپ کا یہ چادر پھیرنا عبادت کے طور پر نہیں تھا، بلکہ آپ ﷺ کا عمل تفاؤل یعنی نیک فالی کے طور پر تھا، حضرت جابرؓ کی روایت میں صراحت ہے کہ "حول ردائه ليتحول القحط" یعنی آپ ﷺ نے چادر اس مقصد سے پلٹی تاکہ قحط سالی ختم ہو جائے۔

سوال: کیا آپ کا چادر پلٹنا سنت ہے؟

جواب: جب یہ بات معلوم ہوگئی کہ آپ کا یہ عمل تفاؤل کے طور پر تھا تو اس سے عمل کی مشروعیت تو ثابت ہوگی لیکن اس عمل کو مسنون نہیں کہا جائے گا۔

سوال: کیا امام کے ساتھ مقتدی بھی "تحویل رداء" کا عمل کا انجام دیں گے؟

جواب: حنفیہ کے نزدیک "تحویل" رداء کی مشروعیت صرف امام کے لئے ہے، مقتدیوں کا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے، دیگر ائمہ نے اس عمل کو مقتدیوں کے حق میں مستحب قرار دیا ہے۔

سوال: امام صاحب نے مقتدیوں کے لئے اس کو کیوں مشروع نہیں قرار دیا ہے، اور دیگر ائمہ نے اس عمل کو مقتدیوں کے لئے کیوں مستحب قرار دیا ہے؟

جواب: جہاں تک دیگر ائمہ کی بات ہے تو انہوں نے مسند احمد کی حدیث کے ان کلمات سے استدلال کر کے "وتحول الناس معه" مقتدیوں کے لئے تحویل رداء کو مستحب قرار دیا ہے، اور رہی بات حنفیہ کی تو احناف کہتے ہیں کہ حدیث کے کلمات کا یہ مطلب نہیں ہے کہ مقتدیوں نے اپنی چادریں پلٹ لیں، بلکہ مطلب یہ ہے کہ لوگوں نے اپنے چہروں کو قبلہ کی طرف کیا، اور مقتدیوں نے قلب رداء کیا بھی تو اس کو مستحب اس وقت کہا جائیگا جبکہ حضور ﷺ کو مقتدیوں کے اس عمل کا علم ہوا اور آپ ﷺ خاموش رہے ہوں لیکن اس بات کا کوئی ثبوت نہیں ہے اور چونکہ مقتدیوں کی طرف آپ ﷺ کی پیٹھ تھی اور آپ ان کے عمل سے واقف نہیں ہوئے، لہٰذا مقتدیوں کے عمل سے استدلال درست نہیں ہے۔

سوال: تحویل رداء کا کیا مطلب ہے؟

جواب: داہنے ہاتھ سے چادر کے نیچے کا بایاں گوشہ اور بائیں ہاتھ سے چادر کا دایاں گوشہ پکڑ لیا جائے پھر دونوں ہاتھوں کو کاندھے سے اوپر اٹھایا جائے، پھر داہنے ہاتھ کو داہنی طرف اور بائیں ہاتھ کو بائیں طرف لایا جائے اور چادر کاندھے پر ڈالی جائے اس طرح چادر بالکل پلٹ جائے، اندرونی حصہ بیرون اور بیرونی حصہ اندرون آجائے گا، نیز اعلیٰ و اسفل بھی بدل جائیں گے، نچلا حصہ اوپر آجائے گا اور اوپر کا حصہ نیچے چلا جائے گا، اسی طرح دایاں و بایاں بھی پلٹ جائے گا۔ (ایضاح البخاری ص ۳۳۶ ج ۵)

حدیث نمبر ۱۴۱۷ ﴿دعاء استسقاء کے وقت ہاتھوں کو بلند کرنا﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۴۹۸

وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَرْفَعُ يَدَيْهِ فِيْ شَيْءٍ مِنْ دُعَائِهِ إِلَّا فِي الْإِسْتِسْقَاءِ فَإِنَّهُ يَرْفَعُ حَتّٰى يُرٰى بَيَاضُ إِبِطَيْهِ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

حوالہ: بخاری ۱/۱۴۰ باب رفع الامام یده فی الاستسقاء حدیث ۱۰۳۱ مسلم ۱/۲۹۳۔

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ استسقاء کے علاوہ اپنی کسی دعا میں اپنے ہاتھوں کو نہیں اٹھایا کرتے تھے، اور یہ کہ آپ ﷺ استسقاء میں اتنے ہاتھ بلند کرتے تھے کہ آپ ﷺ کے بغلوں کی سفیدی نظر آجاتی تھی۔ (بخاری و مسلم)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ استسقاء کے موقع پر آپ ہاتھوں کو بہت زیادہ بلند فرما کر دعاء کرتے تھے، اگر آپ ﷺ کپڑا جسم پر نہ ڈالے تو جسم کی سفیدی نظر آجاتی تھی، دیگر مواقع پر بھی دعا میں آپ ﷺ کا ہاتھ بلند کرنا ثابت ہے۔ لیکن استسقاء کے موقع پر آپ ﷺ نے جتنا ہاتھ کو بلند کیا ہے کسی دوسرے موقع پر دعاء میں اتنا زیادہ ہاتھوں کو بلند نہیں کیا۔

کلمات حدیث کی تشریح "لا یرفع یدیه فی شئی" بخاری شریف اور احادیث کی دیگر کتابوں میں بہت سی احادیث ہیں جن سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ استسقاء کے علاوہ دیگر دعاء کے مواقع پر بھی آپ ﷺ نے رفع یدین فرمایا ہے امام بخاریؒ نے "کتاب الدعوات" میں "باب رفع الیدین فی الدعاء" کے تحت کئی احادیث اس موضوع سے متعلق ذکر کی ہیں، حدیث باب کے کلمات کا صرف یہ مقصد ہے کہ آپ ﷺ استسقاء کے موقع پر جو رفع طویل کرتے تھے وہ آپ ﷺ دوسری دعاؤں میں نہیں کرتے تھے۔

حدیث نمبر ۱۴۱۸ ☆☆ عالمی حدیث نمبر ۱۴۹۹

﴿دعاء استسقاء میں ہاتھوں کی پشت کو آسمان کی طرف کرنا﴾

وَعَنْهُ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اسْتَسْقٰی فَاَشَارَ بِظَهْرِ کَفَّیْهِ اِلَی السَّمَآءِ رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

حواله: مسلم: ج: ا "باب رفع الیدین فی الدعاء" "کتاب صلاة الاستسقاء" حدیث ۸۹۶۔

ترجمه: حضرت انسؓ روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بارش کی دعاء مانگی تو آپ نے اپنے دونوں ہاتھ کی پشت سے آسمان کی طرف اشارہ کیا۔ (مسلم)

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ آپ ﷺ نے دعاء استسقاء کرتے ہوئے ہاتھوں کو پلٹ لیا...... ہتھیلیوں کو زمین کی طرف اور ہتھیلیوں کی پشت کو آسمان کی طرف کرلیا، مقصد یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ اس قحط سالی کو خوش حالی سے پلٹ دے۔

کلمات حدیث کی تشریح "فاشار بظهر کفیه إلی السماء" بعض علماء کہتے ہیں کہ تحویل رداء کی طرح دعا کے وقت ہاتھوں کو پلٹنا بھی تفاول ہی کے طور پر ہے اور اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ جس طرح ہتھیلی کو پلٹ دیا گیا ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ بادل کو بھی زمین کی طرف پلٹ دیں اور بارش ہوجائے۔ بعض علماء نے نقل کیا ہے خشک سالی وغیرہ کے دور ہونے کی دعا کی جائے، تو ہاتھوں کو الٹا کر کے اٹھایا جائے یعنی ہتھیلیوں کی پشت آسمان کی طرف رکھی جائے۔ اور کسی نعمت کو طلب کرنا ہو تو ہتھیلیوں کی پشت زمین کی طرف رکھی جائے۔ (تلخیص مرقات، ص ۳۳۲، ج ۳)

حدیث نمبر ۱۴۱۹ ﴿نافع بارش کی دعا کرنے کا ذکر﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۵۰۰

وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ کَانَ اِذَا رَاَی الْمَطَرَ قَالَ اللّٰهُمَّ صَیِّبًا نَافِعًا رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ۔

حواله: بخاری ۱/۱۴۰ باب ما یقول إذا أمطرت، کتا ب الاستسقاء، حدیث ۱۰۳۲۔

ترجمه: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب بارش کو دیکھتے تو یوں دعا فرماتے "اللّٰهم صیّبا الخ اے اللہ نفع بخش بارش خوب نازل فرمایئے۔ (بخاری)

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ بارش کے وقت دعا کی ضرورت ہے، کون سی دعا کی جائے اس کو نبی کریم ﷺ نے اللہ سے مانگ کر امت کو تعلیم دے دی کہ یوں دعا کرنا چاہئے کہ اے اللہ اس بارش کو ہمارے لئے نافع بنا دیجئے۔ ہمارے لئے نقصان کا سبب مت بنایئے۔

کلمات حدیث کی تشریح صَیِّبًا نَافِعًا "صیب" کے اصل معنی بارش کے ہیں۔ یہ حکم خداوندی سے نفع کا سبب بھی بن سکتی ہے۔ اور نقصان دہ بھی ہوسکتی ہے آپ ﷺ نے تعلیم دی کہ نفع بخش ہونے کی دعا کرنا چاہئے، آگے احادیث آرہی ہیں جن سے معلوم ہوگا کہ بارش سے پہلے جب ہوا چلتی تو آپ ﷺ فکرمند ہوجاتے۔ کیوں کہ ہوا کے ذریعہ سے ہی اللہ تعالیٰ نے

قوم عاد کو ھلاک کیا تھا، آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع فرماتے اور بارش وہوا کو رحمت کا ذریعہ بنانے کی دعا فرماتے۔

حدیث نمبر ۱۴۲۰ ﴿بارش کا پانی متبرک ھے﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۵۰۱

وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ اَصَابَنَا وَنَحْنُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ مَطَرٌ قَالَ فَحَسَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَوْبَهٗ حَتّٰى اَصَابَهٗ مِنَ الْمَطَرِ فَقُلْنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ لِمَ صَنَعْتَ هٰذَا قَالَ لِاَنَّهٗ حَدِيْثُ عَهْدٍ بِرَبِّهٖ رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

حوالہ: مسلم ۱/۲۹۴ "باب الدعاء فی الاستسقاء" کتاب صلاۃ الاستسقاء. حدیث ۸۹۸۔

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے کہ بارش شروع ہوگئی، راوی کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنا کپڑا ہٹادیا۔ یہاں تک کہ بارش کا پانی آپ ﷺ کے جسم مبارک پر پہنچا، ہم نے عرض کیا اے اللہ کے رسول ﷺ آپ نے ایسا کیوں کیا؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ تازہ پانی اپنے رب کے پاس سے آیا ہے۔ (مسلم)

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ آسمان سے برسنے والا پانی نہ صرف طاہر ومطہر ہوتا ہے، بلکہ بہت بابرکت بھی ہوتا ہے اس وجہ سے کہ جس وقت آسمان سے پانی برس رہا ہوتا ہے اس وقت نہ تو وہ گنہگار ہاتھوں سے آلودہ ہوتا ہے اور نہ ہی ابھی اس زمین تک پہنچ پاتا ہے کہ جس پر گناہ کئے جاتے ہیں لہٰذا اس پانی کو جسم پر ملنا چاہئے۔ اور نزول باراں کے وقت دعا بھی کرنی چاہئے اس وقت مانگی ہوئی دعا بہت جلد بارگاہ رب العزت میں شرف قبولیت پاتی ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح فحسر آپ ﷺ نے اپنے بدن سے کپڑا ہٹالیا علامہ طیبیؒ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے اپنے سر مبارک کو کھول لیا لیکن حاکم کی روایت میں ہے کہ "فحسر ثوبه من ظهره" اپنی پیٹھ سے آپ ﷺ نے کپڑا ہٹالیا۔ حدیث عهد بربه بارش چھوٹے بچے کی طرح ہے کسی بھی گنہگار سے ابھی نہیں ملی ہے نیز یہ بادشاہ کی طرف سے قاصد کے منزلہ میں ہے۔ لہٰذا اس کی تعظیم وتکریم واجب ہے۔ اس بنا پر آپ ﷺ نے اس بارش سے اپنے جسم کو تر کیا۔

الفصل الثانی

حدیث نمبر ۱۴۲۱ ﴿استسقاء میں چادر پلٹنے کا تذکرہ﴾ عالمی حدیث ۱۵۰۲

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ زَيْدٍ قَالَ خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلَى الْمُصَلّٰى فَاسْتَسْقٰى وَحَوَّلَ رِدَآءَهٗ حِيْنَ اسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ فَجَعَلَ عِطَافَهُ الْاَيْمَنَ عَلٰى عَاتِقِهِ الْاَيْسَرِ وَجَعَلَ عِطَافَهُ الْاَيْسَرَ عَلٰى عَاتِقِهِ الْاَيْمَنِ ثُمَّ دَعَا اللّٰهَ رَوَاهُ اَبُوْ دَاوُدَ.

حوالہ: ابوداود ۱/۱۶۵. أبواب صلاۃ الاستسقاء. حدیث ۱۱۶۳۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن زیدؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ عیدگاہ تشریف لائے۔ اور آپ ﷺ نے بارش طلب کی۔ جب آپ ﷺ قبلہ رخ ہونے لگے تو آپ ﷺ نے اپنی چادر کا دایاں کونا گھما کر اپنے بائیں مونڈھے پر ڈال لیا، اور چادر کا بایاں کونا گھما کر اپنے دائیں مونڈھے پر ڈال لیا، پھر اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی۔ (ابوداؤد)

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ آپ ﷺ نے طلب باراں کے موقع پر تحویل رداء کا عمل انجام دیا۔ یہ انجام بطور تفاؤل کا تھا۔ مقصد یہ تھا کہ جس طرح میں نے چادر پلٹی ہے اللہ تعالیٰ اسی طرح بارش نازل فرما کر قحط سالی کو خوش حالی سے تبدیل فرمادیں۔

کلمات حدیث کی تشریح وحول رداء ہ جمہور کے نزدیک تحویل رداء کا عمل مستحب ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک صرف مشروع ہے کیونکہ یہ عمل آپ ﷺ نے عبادت کے طور پر انجام نہیں دیا تھا۔ اس حدیث میں بارش طلب کرنے کا

ذکر ہے، لیکن نماز کا ذکر نہیں ہے، معلوم ہوا کہ طلب بارش کیلئے دعا پر اکتفا کرنا بھی درست ہے۔ (مزید تحقیق کے لئے حدیث ۱۴۱۶ دیکھیں۔)

حدیث نمبر ۱۴۲۲ ﴿استسقاء میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چادر پلٹنا﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۵۰۳

وَعَنْهُ اَنَّهُ قَالَ اسْتَسْقٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَلَيْهِ خَمِيْصَةٌ لَهُ سَوْدَآءُ فَاَرَادَ اَنْ يَّاْخُذَ اَسْفَلَهَا فَيَجْعَلَهُ اَعْلَاهَا فَلَمَّا ثَقُلَتْ قَلَبَهَا عَلٰى عَاتِقِهٖ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَاَبُوْدَاوٗدَ.

حوالہ: مسند احمد ص ۴/۴۲، ابو داؤد ص ۱/۱۶۴ ابواب صلاۃ الاستسقاء. کتاب صلاۃ الاستسقاء، حدیث ۱۱۶۴۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن زید سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بارش طلب کی، اس وقت آپ کے جسم پر کالی چادر تھی، جب آپ نے اس چادر کے نیچے حصے کو پکڑنا چاہا تا کہ اس کو اوپر کردیں تو آپ ﷺ کو دشواری ہوئی، چنانچہ آپ ﷺ نے اس چادر کو اپنے دونوں مونڈھوں پر ہی پلٹ لیا۔ (مسند احمد، ابوداؤد، بس)

خلاصۂ حدیث آپ ﷺ تحویل رداء اس طور پر فرماتے تھے کہ چادر کے نیچے کا حصہ اوپر ہو جاتا تھا، دایاں حصہ بائیں جانب اور بایاں حصہ دائیں جانب ہو جاتا تھا، لیکن جس موقع کی حدیث باب میں ذکر ہے اس موقع پر آپ ﷺ کو نیچے کا حصہ اوپر کرنے میں دشواری ہو، تو آپ ﷺ نے اس کو اپنی حالت پر چھوڑ دیا، صرف دائیں حصہ کو بائیں طرف اور بائیں کو داہنی طرف کرنے پر اکتفا فرمالیا۔

کلمات حدیث کی تشریح فاراد ان یاخذ اسفلها. جیسا کہ گذشتہ احادیث کے تحت نقل ہوا ہے، آپ ﷺ چادر کو پورے طور پر پلٹ لیتے تھے، تا کہ قحط پورے طور پر ختم ہو جائے، چادر کو پلٹنے کا عمل صرف مشروع ہے اور یہ عمل صرف امام انجام دیگا مقتدی اس معاملہ میں امام کی اتباع نہ کریں گے (مزید تحقیق کے لئے حدیث ۱۴۱۶ دیکھیں)

حدیث نمبر ۱۴۲۳ ☆☆ عالمی حدیث نمبر ۱۵۰۴

﴿دعاء استسقاء کرتے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھوں کو اٹھانا﴾

وَعَنْ عُمَيْرٍ مَّوْلٰى اٰبِي اللَّحْمِ اَنَّهُ رَاَى النَّبِيَّ ﷺ يَسْتَسْقِيْ عِنْدَ اَحْجَارِ الزَّيْتِ قَرِيْبًا مِّنَ الزَّوْرَاءِ قَائِمًا يَدْعُوْا يَسْتَسْقِيْ رَافِعًا يَّدَيْهِ قِبَلَ وَجْهِهٖ لَا يُجَاوِزُ بِهِمَا رَاْسَهٗ رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَرَوَى التِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ نَحْوَهٗ.

حوالہ: أبو داؤد ۱/۱۶۵، باب رفع الدين في الاستسقاء، کتاب صلاۃ الاستسقاء، حدیث ۱۱۶۸، ترمذی، ص ۱۲۴ رج ۱، باب ماجاء في صلاۃ الاستسقاء، ابواب السفر حدیث ۵۵۷، نسائی، ۱/۱۷۱، باب کیف یرفع، کتاب الاستسقاء حدیث ۱۵۱۳۔

ترجمہ: حضرت عمیر مولیٰ ابی اللحم سے روایت ہے کہ انھوں نے نبی کریم ﷺ کو زوراء کے قریب مقام احجار الزیت پر کھڑے ہو کر استسقاء کی دعا کرتے ہوئے اس عالم میں دیکھا کہ آپ ﷺ اپنے دونوں ہاتھوں کو اپنے منہ کی طرف اٹھائے ہوئے تھے، ان کو سر سے اونچا نہیں کر رہے تھے (ابوداؤد) ترمذی اور نسائی نے بھی اس طرح کی روایت نقل کی ہے۔

خلاصۂ حدیث اس حدیث [illegible] ل یہ ہے کہ آپ ﷺ استسقاء کی دعا ہاتھ اٹھا کر مانگتے تھے۔ اور اس دعا میں ہاتھوں کو جتنا زیادہ بلند کرتے [illegible] ے کسی بھی دوسری دعا کے موقع پر اتنا بلند نہیں کرتے تھے۔

کلمات حدیث کی تشریح احجار الزیت مدینہ میں ایک مقام کا نام ہے، اور اس مقام کا نام اس وجہ سے ہے کہ وہاں پتھروں پر ایسی چمک دمک ہے کہ لگتا ہے کہ پتھروں پر تیل ملا گیا ہو۔ رافعا یدیه قبل وجهه آپ ﷺ نے دعاء استسقاء کرتے وقت ہاتھوں کو اپنے چہرۂ انور کی طرف کر رکھا تھا۔

اشکال: گذشتہ اوراق میں ہے استسقى فاشار بظهر كفيه إلى السماء. یعنی آپ ﷺ نے بارش کی دعا مانگی تو اپنے دونوں ہاتھوں کی پشت سے آسمان کی طرف اشارہ کیا. مطلب یہ کہ آپ ﷺ نے ہتھیلیوں کو زمین کی طرف اور ہتھیلیوں کی پشت کو آسمان کی طرف کیا. حدیث باب سے معلوم ہوتا ہے کہ ہتھیلیوں کی پشت کو زمین کی طرف کیا، دونوں احادیث میں بظاہر تعارض ہے۔

جواب: آپ ﷺ سے دونوں طرح کا عمل کرنا ثابت ہے. کبھی آپ ﷺ نے وہ عمل انجام دیا جس کا گذشتہ احادیث میں ذکر ہوا اور کبھی آپ ﷺ نے یہ صورت اختیار کی جس کا حدیث میں ذکر ہوا ہے۔

لايجاوز بها راسه: حدیث کے اس جزء سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ دعاء استسقاء کے وقت ہاتھ بلند کرتے. لیکن اتنے زیادہ بلند نہیں ہوتے تھے کہ سر کے اوپر اٹھ جائیں۔

اشکال: پیچھے حدیث گذری ہے. جس میں ہے کہ فانه يرفع حتى يرى بياض أبطيه آپ ﷺ اپنے ہاتھوں کو اتنا بلند فرماتے کہ آپ ﷺ کی دونوں بغلوں کی سفیدی نظر آنے لگتی تھی. اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کے ہاتھ سر کے اوپر لگ جاتے تھے تب ہی تو بغل دکھتی تھی. جبکہ حدیث باب میں صراحتاً ہاتھوں کا سر سے اوپر نہ اٹھنا مذکور ہے۔ دونوں احادیث میں تعارض ہے۔

جواب: اصل بات یہ ہے کہ آپ ﷺ کے دو طرح کے عمل الگ الگ اوقات کے ہیں۔ کبھی آپ ﷺ نے اپنے ہاتھوں کو اتنا بلند کیا کہ سر سے اوپر اٹھ گئے ہیں اور بغل نظر آگئی ہے۔ اور کبھی آپ ﷺ نے ہاتھوں کو اتنا کم بلند کیا ہے کہ وہ سر سے اوپر نہیں اٹھے، جس نے جو دیکھا وہ نقل کیا ہے. (مستفاد مرقات ص ۳۳۵ رج ۳)

حدیث نمبر ۱۴۲۴ ﴿استسقاء کے وقت معمولی لباس پہننا﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۵۰۵

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ خَرَجَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعْنِي فِي الْاِسْتِسْقَاءِ مُتَبَذِّلًا مُتَوَاضِعًا مُتَخَشِّعًا مُتَضَرِّعًا رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَأَبُوْدَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ.

حواله: أبو داؤد ۱/ ۱۶۵، أبواب صلاة الاستسقاء. كتاب صلاة الاستسقاء حديث ۱۱۶۵. ترمذی ص ۱۲۴ رج ۱، باب ماجاء في صلاة الاستسقاء، أبواب السفر حديث ۵۵۹. نسائی ص ۱۷۰ رج ۱، باب جلوس الإمام على المنبر للاستسقاء، كتاب الاستسقاء، حديث ۱۵۰۷. ابن ماجه ص ۹۰ باب ماجاء في صلاة الاستسقاء، كتاب إقامة الصلاة. حديث ۱۲۶۶۔

ترجمه: حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ بارش طلب کرنے کے لئے نکلے تو اس وقت آپ ﷺ بہت معمولی لباس میں تھے، نہایت تواضع، عاجزی، اور خاکساری کے پیکر نظر آرہے تھے. (ترمذی، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ)

خلاصۂ حدیث: اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ طلب بارش کے وقت نہایت عاجزی اور مسکنت کا اظہار کرنا چاہئے. اللہ تعالیٰ کے حضور گڑگڑا کر اپنے گناہوں کے اقرار اور اپنی خطاؤں پر ندامت کے اظہار کے ساتھ طلب باراں کی دعا کی جانی چاہیے تا کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت جوش میں آجائے. اور اللہ تعالیٰ قحط سالی کو دور فرمادیں۔

کلمات حدیث کی تشریح: **مبتذلا** آپ ﷺ کام کاج کے کپڑے پہنے ہوئے عیدگاہ تشریف لے گئے، یعنی صلاۃ الاستسقاء پڑھنے کیلئے جب آپ ﷺ عیدگاہ تشریف لے گئے تو تواضع وانکساری کے اظہار کی بنا پر زینت کو ترک کردیا، زیادہ بہتر ہے کہ یہ کہا جائے کہ فقر ومسکنت کے اظہار کی خاطر آپ ﷺ نے ایسا کیا **متواضعا** اپنا ظاہر ایسا بنایا کہ تواضع جھلک رہی تھی. **متخشعا** باطنی طور پر فروتنی موجود تھی. **متضرعا** ذکر واذکار اور تضرع سے زبان تر تھی. حاصل یہ کہ آپ ﷺ کا ظاہر وباطن عجز وانکسار کا پیکر تھا. اور زبان عجز ونیاز کے ساتھ ذکر الہی میں مشغول تھی۔

حدیث نمبر ۱۴۲۵ ﴿استسقاء کے موقع پر آپ ﷺ کی دعاء﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۵۰۶

وَعَنْ عَمْرِوبْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اسْتَسْقٰى قَالَ اَللّٰهُمَّ اسْقِ عِبَادَكَ وَبَهِيْمَتَكَ وَانْشُرْ رَحْمَتَكَ.

حواله: مؤطا مالک ص ۶۷، باب ماجاء في الاستسقاء. كتاب الاستسقاء حدیث ۲، ابوداؤد، ۱/۱۶۶، باب رفع اليدين في الاستسقاء. كتاب الاستسقاء حديث ۱۱۷۶۔

ترجمه: حضرت عمرو بن شعیبؒ اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے بیان کیا ہے کہ حضرت نبی کریم ﷺ جب بارش کرتے تو یوں دعا کرتے۔"اللّٰهم اسق عبادك الخ" اے اللہ اپنے بندوں کو اور اپنے جانوروں کو پانی سے سیراب کر دے. اور اپنی رحمت کو پھیلا دیجئے. اور اپنی مردہ زمینوں کو زندہ کر دیجئے۔ (امام مالک. ابوداؤد)

خلاصۂ حدیث اس حدیث میں موجود دعا کا حاصل اللہ تعالیٰ سے یہ مانگنا ہے کہ اے اللہ پانی برسا کر زمین کو لہلہا دیجئے. اور جانور اور انسانوں کو روزی عطا فرما دیجئے. قحط سالی کو خوشحالی سے تبدیل فرما دیجئے۔

کلمات حدیث کی تشریح عبادك اس میں مرد و عورت غلام یا ذمی سب داخل ہیں۔ بَهِيْمَتَكَ اس میں زمین کے تمام جانور اور کیڑے مکوڑے داخل ہیں. مطلب یہ کہ یا اللہ اپنی زمین پر بسنے والی تمام مخلوق کو سیراب فرمائیے. وانشر. اپنی رحمت کو عام فرما دیجئے۔ وأحي بلدك الميت یعنی پانی نہ ہونے کی وجہ سے زمین خشک ہو کر بنجر ہو گئیں ہیں، آپ پانی برسا کر اور سبزہ اگا کر انھیں دوبارہ زندگی عطا کر دیجئے (مرقات ص ۱۳۳۵ ج ۳)

حدیث نمبر ۱۴۲۶ ﴿بارش کی دعا کرتے ہی بارش ہونا﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۵۰۷

وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُوَاكِيْ فَقَالَ اَللّٰهُمَّ اسْقِنَا غَيْثًا مُغِيْثًا مَرِيْئًا مَرِيْعًا نَافِعًا غَيْرَ ضَارٍّ عَاجِلًا غَيْرَ اٰجِلٍ قَالَ فَاَطْبَقَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَآءُ رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ.

حواله: ابوداؤد ص ۱۶۵ ج ۱، باب رفع اليدين في الاستسقاء. كتاب صلاة الاستسقاء. حديث ۱۱۶۹.

حل لغات: يُوَاكِي وَاكأ على يده مواكاةً و وِكاءً. دعا کے لئے دونوں ہاتھ زور دے کر اٹھانا. غيث ج غيوث بارش مغيثا فریادرس. أغاث إغاثة. فریاد سننا مدد کرنا. مريئا. مرؤة الارض مراءةً، زمین کا اچھی آب و ہوا والی ہونا. مَرِيْعًا میم کے فتحہ اور ضمہ دونوں کے ساتھ پڑھا گیا ہے. سبزہ اگانے والی. (ابوداؤد)

ترجمه: حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ وہ ہاتھ اٹھائے ہوئے دعا مانگ رہے ہیں۔ اللّٰهم اسقنا غيثا مغيثا اے اللہ ہمیں ایسی بارش سے سیراب فرمائیے جو فریادرس ہو. سبزہ لانے والی ہو. نفع بخش ہو. نقصان دہ نہ ہو، جلد آنے والی ہو. دیر کرنے والی نہ ہو. حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ لوگوں پر ابر چھا گیا۔

خلاصۂ حدیث اس [illegible] کا حاصل یہ کہ نبی کریم ﷺ نے ہاتھ اٹھا کر دو طرح سے نفع رساں بارش طلب کی. اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی دعا قبول فرمائی. اور فوراً بارش ہونے لگی۔

کلمات حدیث [illegible]تشریح يواكي یعنی آپ ﷺ نے ہاتھ اٹھا کر دعا کی، ابوداؤد میں یوا کی [illegible] پریشان حال روتے ہوئے آپ ﷺ کی خدمت میں آئے اور [illegible] قحط سالی کی شکایت [illegible] اللہ سے دعا کی چنانچہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے آپ ﷺ کی دعا پر بارش نازل فرمائی. اور قحط سالی کو دور کر دیا۔

الفصل الثالث

حدیث نمبر ۱۴۲۷ ﴿استسقاء میں خطبہ کا تذکرہ﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۵۰۸

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ شَكَا النَّاسُ إِلَى رَسُوْلِ اللهِ ﷺ قُحُوْطَ الْمَطَرِ فَأَمَرَ بِمِنْبَرٍ فَوُضِعَ لَهُ فِي الْمُصَلّٰى وَوَعَدَ النَّاسَ يَوْمًا يَّخْرُجُوْنَ فِيْهِ ، قَالَتْ عَائِشَةُ فَخَرَجَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ حِيْنَ بَدَا حَاجِبُ الشَّمْسِ فَقَعَدَ عَلَى الْمِنْبَرِ فَكَبَّرَ وَحَمِدَ اللهَ ثُمَّ قَالَ إِنَّكُمْ شَكَوْتُمْ جَدْبَ دِيَارِكُمْ وَاسْتِيْخَارَ الْمَطَرِ عَنْ إِبَّانِ زَمَانِهِ عَنْكُمْ وَقَدْ اَمَرَكُمُ اللهُ اَنْ تَدْعُوْهُ وَوَعَدَكُمْ اَنْ يَّسْتَجِيْبَ لَكُمْ، ثُمَّ قَالَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللهُ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ اَللّٰهُمَّ اَنْتَ اللهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنْتَ الْغَنِيُّ وَنَحْنُ الْفُقَرَآءُ اَنْزِلْ عَلَيْنَا الْغَيْثَ وَاجْعَلْ مَا اَنْزَلْتَ لَنَا قُوَّةً وَّبَلَاغًا اِلٰى حِيْنٍ، ثُمَّ رَفَعَ يَدَيْهِ فَلَمْ يَتْرُكِ الرَّفْعَ حَتّٰى بَدَا بَيَاضُ اِبْطَيْهِ ثُمَّ حَوَّلَ اِلَى النَّاسِ ظَهْرَهُ وَقَلَّبَ اَوْ حَوَّلَ رِدَاءَهُ وَهُوَ رَافِعٌ يَّدَيْهِ ثُمَّ اَقْبَلَ عَلَى النَّاسِ وَنَزَلَ فَصَلّٰى ، فَاَنْشَاَ اللهُ سَحَابَةً فَرَعَدَتْ وَبَرَقَتْ ثُمَّ اَمْطَرَتْ بِاِذْنِ اللهِ فَلَمْ يَاْتِ مَسْجِدَهُ حَتّٰى سَالَتِ السُّيُوْلُ، فَلَمَّا رَاٰى سُرْعَتَهُمْ اِلَى الْكِنِّ ضَحِكَ حَتّٰى بَدَتْ نَوَاجِذُهُ فَقَالَ اَشْهَدُ اَنَّ اللهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ وَاَنِّيْ عَبْدُ اللهِ وَرَسُوْلُهُ رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ.

حوالہ: أبو داؤد: ۱/۱۶۵ باب رفع اليدين في الاستسقاء ، كتاب صلاة الاستسقاء ، حديث ۱۱۷۳۔

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہا کہ لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کی طرف مینہ کے رک جانے کی شکایت کی۔ آپ ﷺ نے منبر کا حکم دیا۔ چنانچہ آپ کے واسطے عیدگاہ میں رکھا گیا۔ اور لوگوں سے ایک دن کا وعدہ کیا کہ اس میں نکلیں گے۔ حضرت عائشہؓ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نکلے جس وقت سورج کا کنارہ ظاہر ہوا۔ پس منبر پر بیٹھے تکبیر کہی اور اللہ کی حمد کی۔ پھر فرمایا کہ تم نے اپنے شہروں میں قحط کی شکایت کی ہے۔ اور مینہ کے وقت مقررہ سے دیر کرنے کی۔ اللہ تعالیٰ نے تم کو حکم دیا کہ تم اس کو پکارو اور تم سے وعدہ کیا ہے کہ تمہاری دعا قبول کریگا۔ پھر فرمایا سب تعریف اللہ کے لیے ہے جو عالموں کا پروردگار ہے۔ بخشنے والا مہربان ہے۔ جزاء کے دن کا مالک ہے نہیں ہے کوئی معبود مگر وہی، کرتا ہے جو چاہتا ہے۔ اے اللہ تو اللہ ہے تیرے سوا کوئی معبود نہیں تو بے پرواہ ہے اور ہم فقیر ہیں، ہم پر مینہ برسا اور اس چیز کو جو تو اتارے قوت اور ایک مدت تک فائدہ پہنچنے کا سبب بنا پھر اپنے ہاتھ بلند کئے۔ اور نہ چھوڑے ہاتھ اٹھانا یہاں تک کے بغلوں کی سفیدی ظاہر ہوئی۔ پھر لوگوں کی طرف پیٹھ پھیری اور اپنی چادر کو پلٹا اس حال میں کہ ہاتھ اٹھائے ہوئے تھے پھر لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے اور اترے دو رکعت پڑھیں۔ اللہ تعالیٰ نے ایک ابر ظاہر کیا۔ پھر گرجا اور چمکا۔ پھر اللہ کے حکم سے مینہ برسا آپ ﷺ اپنی مسجد تک نہ پہنچے تھے کہ نالے بہے۔ جب لوگوں کو سائے کی طرف جلدی کرتے ہوئے دیکھا تو ہنسے۔ یہاں تک کہ آپ ﷺ کے دانت ظاہر ہوئے۔ پس فرمایا میں گواہی دیتا ہوں بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اور بے شک میں اللہ کا بندہ اور اسکا رسول ہوں۔ (ابوداؤد)

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ کہ قحط کی وجہ سے خشک سالی کی شکایت کی گئی تو آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی اور اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی دعا قبول فرما کر فوراً بارش نازل فرمائی۔ آپ ﷺ نے دعا میں اللہ کی حمد بیان کی ہے۔ اور اس کی قدرت کا تذکرہ کیا ہے۔ اور اپنے ہاتھ بلند کر کے چادر پلٹ کر اپنی عاجزی اور بے بسی کے اظہار کے ساتھ خشک سالی کے خوش حالی سے بدلنے کی التجا کی ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح فامر بمنبر بعض لوگوں کے نزدیک صلاۃ الاستسقاء میں خطبہ سنت ہے۔ جیسا کہ بعض روایات سے مزید صراحت ہوتی ہے عبداللہ بن زید کی روایت ہے خرج ابي صلى الله عليه وسلم يستسقي فبدأ بالصلاة قبل الخطبة (رواہ احمد) امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک خطبہ نہیں ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ استسقاء میں جماعت ہی مسنون نہیں تو خطبہ جماعت کے تابع ہے وہ کیسے مسنون ہوسکتا ہے۔ امام صاحبؒ کے قول کی تائید ابوداؤد کی حدیث ہے فلم يخطب خطبكم

ھذہ یعنی آپ نے خطبہ نہیں دیا۔

حدیث نمبر ۱۴۲۸ ﴿حضرت عمرؓ کا بارش طلب کرنے میں توسل کرنا﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۵۰۹

وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ كَانَ إِذَا قُحِطُوْا اسْتَسْقٰى بِالْعَبَّاسِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ فَقَالَ اللّٰهُمَّ إِنَّا كُنَّا نَتَوَسَّلُ إِلَيْكَ بِنَبِيِّنَا فَتَسْقِيْنَا وَإِنَّا نَتَوَسَّلُ إِلَيْكَ بِعَمِّ نَبِيِّنَا فَاسْقِنَا قَالَ فَيُسْقَوْنَ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ .

حوالہ: بخاری، ۱/۱۳۷ باب سوال الناس والإمام الاستسقاء إذا قحطوا، کتاب الاستسقاء، حدیث ۱۰۱۰۔

ترجمه: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن خطابؓ کے زمانے میں جب قحط پڑ اتھا تو وہ حضرت عباسؓ بن مطلب کے وسیلے سے دعاء کرتے تھے، اور یہ کہتے تھے، کہ اے اللہ ہم تیری بارگاہ میں اپنے پیغمبر ﷺ کو دعاؤں میں وسیلہ بنایا کرتے تھے، اور تو بارش عطا کرتا تھا، اب ہم تیری بارگاہ میں پیغمبر ﷺ کے چچا کو دعاؤں میں وسیلہ بنا رہے ہیں، تو ہمیں بارش عطا فرمادے چنانچہ بارش برستی تھی۔ (بخاری)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے حضرت عباسؓ کے وسیلہ سے بارش طلب کی تو اللہ تعالی نے بارش نازل فرمائی، چونکہ حضرت عباسؓ نبی کے چچا تھے، جو کہ مرتبہ میں باپ کے مانند ہوتا ہے، اس وجہ سے نبی اکرم ﷺ اپنے چچا جان کا بڑی عزت فرماتے تھے، حضرت عمرؓ نے بھی اسی خصوصی رشتہ کے حوالہ سے اللہ تعالیٰ سے دعاء کی، اور حضرت عباسؓ سے دعاء کی درخواست کی۔

کلمات حدیث کی تشریح اللّٰھم انا کنا نتوسل اس حدیث میں وسیلہ کا ذکر ہے، غیر مقلدین توسل کا انکار کرتے ہیں، جبکہ انکے اکابر کی عبارتیں اس بات کی گواہ ہیں کہ غیر اللہ سے توسل جائز ہے، توسل کے اوپر بہت تفصیلی بحث حضرت مولانا ریاست علی صاحب دامت برکاتہم نے ایضاح البخاری میں کی ہے، وہیں سے بعض مباحث یہاں نقل کئے جاتے ہیں۔

وسیلے کے معنی اردو زبان میں ذریعہ کے معنی میں استعمال ہوتا ہے، لیکن عربی زبان میں اس کے معنی کچھ مختلف ہیں، اور یہ وسل ض، فعیلۃ کے وزن پر مشتق ہے، وسل کے معنی التوسل الی شئ بر غبۃ کسی چیز کی طرف رغبت کے ساتھ پہونچنا

وسیلے کی مختلف صورتیں دعاء میں توسل اختیار کرنے والوں کا ذہن مختلف ہوتا ہے، اوران کے احکام الگ الگ ہیں، مثلا (۱) اگر توسل کیساتھ دعاء مانگنے والوں کا ذہن یہ ہے کہ اگر چہ حقیقۃ عطا کرنے والا تو خدا ہی ہے لیکن جن کو وہ وسیلہ اور واسطہ بنا رہا ہے اس کو خدا نے مستقل طور پر یا عارضی طور پر خصوصی اختیارات تفویض کردئے ہیں، اوران اختیارات کی وجہ سے متوسل بہ مانگنے والوں کو عطا کرتا ہے، تو اس ذہن کا انسان دعا میں خدا کا نام محض تبرک کیلئے ذکر کرتا ہے، اصل مقصود اسی وسیلہ اور واسطہ سے مانگنا ہوتا ہے، چنانچہ ایسا انسان ان واسطوں سے ان چیزوں کو بھی مانگتا ہے جن کا دینا کا صرف باری تعالی کیساتھ خاص ہے، اگر ایسا ہے تو شرک ہے، اور اس کی کسی کے یہاں گنجائش نہیں۔

(۲) اور اگر سائل کا ذہن یہ ہے کہ وہ واسطہ اور وسیلہ کو صاحب اختیار نہیں سمجھتا، اور نہ ان سے کچھ مانگ رہا ہے اور نہ مانگنے کو جائز سمجھتا ہے، بلکہ وسیلہ کے بارے میں اس کا تصور یہ ہے کہ یہ خدا کے برگزیدہ بندہ ہے اور اپنے اعمال صالحہ اپنی بہتر دینی خدمات کے سبب بارگاہ خداوندی میں ان کو مقبولیت ہونی چاہئے، اس لئے ان کے وسیلہ سے دعاء کے مقبول ہونے کی زیادہ امید کی جاسکتی ہے، اس کی دو صورتیں ہیں (الف) پہلی صورت یہ ہے کہ سائل کسی زندہ مسلمان یا بزرگ سے اپنے لئے دعاء کی درخواست کرے، یہ صورت بالا جماع درست ہے، حضور ﷺ نے حضرت عمرؓ سے لا تنسانا یا اخی فی دعائک فرمایا تھا (ب) دوسری صورت یہ ہے کہ کسی مرحوم مسلمان یا بزرگ سے دعا کی درخواست کرے، یعنی قبر کے قریب جا کر یہ کہے کہ اے فلاں! خدا سے میرے لئے دعا کیجئے، کہ وہ میری فلاں ضرورت پوری

کردے، تو اس مسئلہ کا تعلق سماع موتی سے ہے، جو سماع موتی کے قائل ہیں وہ اس کو جائز کہتے ہیں اور جو سماع موتی کے منکر ہیں وہ ان کی اجازت نہیں دیتے ہیں، لیکن چونکہ خیر القرون میں مرحومین سے دعا کی درخواست کا معمول نہیں رہا، اس لئے اس سے اجتناب ہی کرنا چاہئے، (۳) اور اگر دعا کے لئے کسی زندہ یا مرحوم سے دعا کی درخواست نہیں کرتا، بلکہ خود دعا کرتا ہے اور دعا کی قبولیت کے لئے بارگاہ خداوندی میں کسی چیز کو ذکر کرتا ہے، تو اس کی بھی دو صورت ہے، (الف) پہلی صورت یہ کہ وہ اپنے نیک اعمال کے وسیلہ سے دعا کی درخواست کرے، جیسا کہ صحیح روایات میں امم سابقہ کے تین افراد کا واقعہ ہے کہ غار کا منہ بند ہو جانے کے بعد انہوں نے اپنے اپنے اعمال صالحہ کے وسیلہ سے دعا کی، ایک نے والدین کی خدمت اور دوسرے نے قدرت کے باجود زنا سے اجتناب اور تیسرے نے اداء امانت کے وسیلہ سے دعا کی، اور اللہ نے ان کی دعا کو قبول فرمایا حضور ﷺ نے امم سابقہ کے اس واقعہ کو استحسان کی طور پر ذکر فرمایا، اس لیے دعا میں نیک اعمال صالحہ کو وسیلہ بنانا سب کے نزدیک جائز ہے، اس طریقہ کو توسل بالاعمال الصالحہ کہتے ہیں. اور اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے (ب) دوسری صورت یہ کہ کسی ایسی شخصیت کے وسیلے سے دعا کرے، جس کو بارگاہ خداوندی میں مقبول سمجھتا ہے، اس کو توسل بالاعمال کہتے ہیں، جمہور اس کے جواز کے قائل ہیں، اور وہ یہ سمجھتے ہیں کہ اگر چہ اس وسیلہ کا ظاہر توسل بالاعیان ہے، لیکن اس کی حقیقت توسل بالاعمال الصالحہ ہی ہے، کیونکہ جو شخص اللہ تعالیٰ سے اس طرح دعا کرتا ہے۔ اللّٰھم اتوسل الیك بعبدك فلان اے اللہ میں فلاں بزرگ کے توسل سے دعا کرتا ہوں اس کی بنیاد کوئی غلط عقیدہ نہیں، کہ وہ اس بزرگ کو متصرف فی الامور سمجھ رہا ہے، یا یہ سمجھ رہا ہے کہ یہ بزرگ اللہ تعالیٰ سے دعا قبول کروا سکتے ہیں بلکہ وہ یہ سمجھتا ہے کہ یہ بزرگ اپنے اعمال صالحہ اور اپنی دینی خدمات کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے یہاں مقبول ہے اور مجھ کو ان سے تعلق ہے، اور اس طرح دعا کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اے اللہ میرے اس تعلق کی برکت سے میری دعا قبول فرمالے۔ وغیرہ۔ اس لئے اس کی حقیقت توسل بالعمل الصالح ہی کو قرار دیا جائے گا، خلاصہ یہ ہوا کہ جس ذات کو دعا میں وسیلہ بنایا جائے اگر دعا کرنے والا اس کو متصرف سمجھ رہا ہے، تو یہ شرک اور حرام ہے اور اگر وہ اسکو کسی بھی درجہ میں متصرف فی الامور نہیں سمجھتا ہے، دعا صرف اللہ تعالیٰ سے کرتا ہے اور وسیلے کے طور پر پیغمبر علیہ السلام یا اللہ تعالیٰ کے کسی مقرب بندہ کا نام بھی ذکر کرتا ہے تو ابن تیمیہ اس کے منکر ہیں اور جمہور اس کی گنجائش سمجھتے ہیں۔

حضرت عباسؓ سے توسل کی حقیقت وسیلے کی مختلف صورتوں اور ان کے احکام جان لینے کے بعد یہ سمجھنا آسان ہے کہ استسقاء کے موقع پر حضرت عباسؓ کا جو توسل اختیار کیا گیا وہ ہمارے زمانے میں رائج وسیلہ سے مختلف ہے، رائج وسیلہ کا طریقہ یہ ہے کہ خدا سے مانگنے والا انبیاء و صالحین کا نام اور ان سے اپنے تعلق کا ذکر کر کے اپنی دعا کی قبولیت کی امید رکھتا ہے، یعنی وہ یہ کہتا ہے اے اللہ فلاں کے وسیلے سے یعنی فلاں سے میرے تعلق کی برکت سے میری دعاء قبول فرمائیے، اور حضرت عباسؓ کے توسل میں یہ صورت نہیں ہوئی، بلکہ استسقاء کے لیے حضرت عباسؓ سے دعاء کرائی گئی اور دوسرے حضرات شریک ہوئے، گویا یہاں نہ توسل بالاعیان ہے اور نہ توسل بالاعمال الصالحہ ہے، بلکہ یہاں توسل بالدعاء ہے علامہ عینیؒ فرماتے ہیں کہ

بعده استسقي عمر بمن معه بالعباس عم النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم فجعلوه کالإمام یسأل فیه لأنه کان أمس النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم وأقربهم إلیه رحمًا (عمدۃ القاری) حضور ﷺ کے وفات کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھیوں کے ہمراہ حضور ﷺ کے چچا حضرت عباسؓ کے وسیلہ سے دعاء کی، چنانچہ حضرت عباسؓ کو امام کی طرح پیشوا بنایا کہ وہ سوال یعنی دعا کریں کیونکہ ان کا تعلق حضور ﷺ سے سب سے زیادہ مضبوط تھا، اور وہ رشتہ میں آپ ﷺ کے سب سے زیادہ قریب تھے۔ اس سے حضرت عباسؓ کو وسیلہ بنانے کا یہ مطلب ہوا کہ ان کو دعاء میں پیشوا بنایا گیا اور باقی سب حضرات شریک دعاء رہے۔ اور توسل کا یہی طریقہ عہد نبوی میں معروف تھا، کہ صحابہؓ حضور ﷺ سے دعاء کی درخواست کیا کرتے تھے۔ اور اس طریقے کے مطابق

حضرت عباسؓ سے استسقاء کے لئے دعاء کی درخواست کی گئی۔

رائج وسیلہ کا ثبوت

یہاں یہ بیان کرنا مناسب ہے کہ اگر چہ اس درخواست میں رائج وسیلہ کی بات نہیں ہے، مگر دیگر صحیح روایات سے جائز وسیلہ ثابت ہے۔ امام ترمذی نے کتاب الدعوات میں بسند نقل کیا ہے کہ عن عثمان بن حنیف ان رجلاضرء البصر اتی النبي صلی اللّٰه علیه وسلم الخ حضرت عثمان بن حنیفؓ سے روایت ہے کہ ایک نابینا شخص حضور ﷺ کے پاس آئے اور عرض کیا کہ آپ دعا فرمائیں کہ اللہ مجھے شفاعطا فرمائے (یعنی بینا کردے) آپ ﷺ نے فرمایا اگر تم چاہوتو دعا کروں اور اگر چاہوتو صبر کرو اور صبر کرنا ہی تمہارے لئے بہتر ہے انہوں نے عرض کیا دعا فرمایئے تو ان کو رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ وہ وضو کریں اور اچھی طرح وضو کریں اور دعا کریں کہ اے اللہ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور تیرے نبی محمد ﷺ کو متوجہ کرتا ہوں جو نبی رحمت ہیں اور بے شک میں نے اے محمد آپ کے وسیلہ سے اپنی ضرورت میں اپنے پروردگار کی طرف رخ کیا ہے تاکہ میری ضرورت پوری ہو جائے اے اللہ پس تو حضور ﷺ کی شفاعت میرے حق میں قبول فرما۔

روایت سے مروجہ توسل کا ثبوت

اس روایت سے دعا میں مروجہ توسل کا ثبوت بالکل ظاہر ہے، مروجہ توسل کا حاصل یہ ہے کہ دعا کرنیوالا صرف خدا سے دعا مانگتا ہے اور صرف خدا ہی کو کارساز اور قاضی الحاجات سمجھتا ہے البتہ وہ کسی شخصیت کو اسکے اعمال صالحہ یعنی زہد، عبادت، تقوی وطہارت اور اسکی دینی خدمات کیوجہ سے مقبول بارگاہ خداوندی تصور کرتا ہے، اور اس مقبول بندے سے اپنے مخلصانہ تعلق کو بارگاہِ خداوندی میں وسیلہ کے طور پر پیش کر کے خدا سے اپنی دعا کے قبول ہونے کی امید رکھتا ہے۔

اس روایت میں یہ بات صراحت سے آئی کی ایک نابینا صحابی نے حضور ﷺ سے آنکھوں کی بیماری سے شفا کی دعا کے لئے عرض کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر تم دعا چاہتے ہو تو میں دعا کروں گا اور اگر تم صبر کرلو تو صبر کرنا ہی تمہارے لئے بہتر ہے، بہتر ہونے کا مطلب یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ''إذا ابتلیت عبدی بحبیبتیه ثم صبر عوضته منهما الجنه'' جب میں اپنے بندے کو دونوں آنکھوں کے سلسلے میں مبتلا کرتا ہوں پھر بندہ اس پر صبر کرتا ہے تو میں اسکو ان کے بدلے میں جنت عطا کرتا ہوں، نابینا نے عرض کیا کہ آپ دعا فرمادیں، تو آپ ﷺ نے بذات خود دعا نہیں کی، البتہ انہی نابینا کو حکم دیا کی تم اچھی طرح وضو کرو اور ابن ماجہ کی روایت میں ہے پھر دو رکعت نماز پڑھو اور اس کے بعد ان الفاظ میں دعا کرو۔

وفات کے بعد توسل کا ثبوت

اس روایت سے توسل بالدعا مراد نہ ہونے کی ایک مضبوط اور واضح دلیل یہ ہے کہ راوئ حدیث حضرت عثمان بن حنیف نے حضور ﷺ کے وفات کے بعد بعینہ یہی دعا انہی الفاظ میں ایک ضرورت کے موقع پر کسی کو سکھلائی اور اس کی برکت سے اس کی ضرورت پوری ہوئی، طبرانی کی روایت ہے!

عن عثمان بن حنیف أن رجلا كان يختلف إلى عثمان بن عفان في حاجته له فكان عثمان لايلتفت إليه ولا ينظرفي حاجته فلقي عثمان بن حنيف فشكا ذلك إليه فقال له عثمان بن حنيف ائت الميضاة فتوضاثم أئت المسجد فصل فيه ركعتين ثم قل ،! اللّهم إني اسئلك وأتوجه إليك بنبينا محمد صلى الله عليه وسلم نبي الرحمة إلى آخر الحديث (قال الطبرانی بعدذكر طرقه والحديث صحيح)

عثمان بن حنیف سے روایت ہے کہ ایک شخص اپنی ایک ضرورت میں حضرت عثمان بن عفانؓ کی خدمت میں آمدورفت رکھتا تھا اور حضرت عثمان (کسی وجہ سے) اس کی طرف توجہ نہیں فرمارہے تھے نہ ضرورت پر غور کررہے تھے تو وہ حضرت عثمان بن حنیف سے ملا اور ان سے شکایت کی تو انھوں نے فرمایا کہ تو وضو خانہ میں جاؤ وضو کرو، پھر مسجد میں جاؤ اور دو رکعت نماز پڑھو، پھر یہ دعا کرو۔ اللّٰهم اني

اسألك واتوجه إليك بنبينامحمد بنبي الرحمة (الحديث) طبرانی نے اس روایت کے طرق ذکر کرنے کے بعد فرمایا کہ حدیث صحیح ہے پھراس کے بعد اس صحیح روایت میں یہ ہے کہ اس ضرورت مند نے حضرت عثمان بن حنیف کی ہدایت کے مطابق عمل کیا، پھر وہ حضرت عثمان غنی کے دروازے پر پہنچا تو دربان نے اس کا ہاتھ پکڑ کر حضرت عثمان غنی کی خدمت میں پہنچا دیا، حضرت عثمان نے انھیں اپنے ساتھ فرش پر بٹھایا، ضرورت معلوم کی اور اس کو پورا کر دیا، اور یہ فرمایا کہ مجھے آپ کی ضرورت یاد ہی نہیں رہی تھی اور آئندہ کوئی ضرورت ہو تو بتلا دینا، پھر اس کے بعد یہ صاحب حضرت عثمان غنی کے یہاں سے نکل کر حضرت عثمان بن حنیف کے پاس پہنچے، اور کہا اللہ آپ کو جزائے خیر عطا کرے، حضرت عثمانؓ میری ضرورت پر غور نہیں فرماتے تھے اور نہ میری طرف التفات کرتے تھے، یہاں تک کہ آپ نے ان سے میرے بارے میں بات کی تو حضرت عثمان بن حنیف نے فرمایا کہ بخدا میں نے ان سے کوئی بات نہیں کی، لیکن میں نے جو دعا آپ کو بتائی تھی اس کا قصہ یہ ہے کہ میں حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر تھا کہ ایک نابینا آئے اور انھوں نے حضور ﷺ سے اپنی نظر کی تکلیف کی شکایت کی، پھر انھوں نے پوری روایت بیان کی۔

حافظ ابن تیمیہ کی تاویل

طبرانی کی اس روایت سے صراحت کے درجہ میں یہ مضمون ثابت ہے کہ توسل بذات النبی ﷺ پر مشتمل یہ دعا، حضور ﷺ کی وفات کے بعد بھی صحابہ کے معمول میں تھی، اس لیے جمہور اہل علم اور اہل سنت والجماعت اس کی مشروعیت کے قائل ہیں۔

حافظ ابن تیمیہ طبرانی کی اس روایت اور اس روایت سے توسل بذات النبی ﷺ کے ثبوت کا انکار نہیں کر سکے، لیکن انھوں نے یہ تاویل کی کہ اگر حضرت عثمان بن حنیف یا کسی اور سے ثابت ہے کہ وہ حضور ﷺ کی وفات کے بعد توسل بالنبی ﷺ کو مشروع اور مستحب سمجھتے ہیں، تو حضرت عمر اور دیگر اکابر صحابہ اس کو وفات کے بعد مشروع نہیں سمجھتے، کیونکہ وہ استسقاء کے لئے آپ ﷺ کی زندگی میں آپ کا وسیلہ اختیار کرتے تھے اور آپ ﷺ کی وفات کے بعد انھوں نے آپ کا وسیلہ اختیار نہیں کیا بلکہ صحابہ مہاجرین وانصار کی موجودگی میں عام الرمادہ میں جو دعاء کی گئی اس میں حضرت عباسؓ کا وسیلہ ہے، ابن تیمیہ کہتے ہیں کہ اگر وفات کے بعد بھی زندگی ہی کی طرح حضور کے توسل کو وہ درست سمجھتے تو افضل الخلائق کا توسل کو چھوڑ کر کسی دوسرے کا توسل اختیار نہ کرتے، تمام صحابہ کی اتفاق رائے کی وجہ سے اس کی حیثیت ابن تیمیہ کے نزدیک اجماع کی ہوتی ہے، فرماتے ہیں، هذا دعاء أقره عليه جميع الصحابه ولم ينكره أحد مع شهرته وهومن أظهر الإجماعات الإقرارية فتاوی کبری: ۱/۸۴: ترجمہ حضرت عباس کی استسقاء کی یہ دعاء وہ ہے جس کو تمام صحابہ نے برقرار رکھا اور اس کی شہرت کے باوجود اس پر کسی کا انکار ثابت نہیں، اس لیے اجماعات اقراریہ میں یہ سب سے کھلا اور ظاہر اجماع ہے، ابن تیمیہ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ حضرت عمر کے توسل بالدعاء کے طریقے سے حضرت عثمان بن حنیف کے توسل بذات النبی ﷺ کے طریقے کی تردید ہوگئی۔

حافظ ابن تیمیہ کی تاویل کی حیثیت

ابن تیمیہ نے اپنی تاویل کو ثابت کرنے کیلئے فتاوی میں بڑا تفصیلی کلام کیا، لیکن ہماری سمجھ میں تو یہی آتا ہے کہ وہ ایک کمزور بات کو زور بیان سے تقویت دینے کی کوشش کر رہے ہیں، اگر یہ تسلیم کرلیا جائے کہ صحابہ کرام کی موجودگی میں کی گئی یہ دعاء اجماع اقرار کی حیثیت رکھتی ہے، تو ظاہر ہے کہ یہ اجماع توسل بالدعاء کی مشروعیت پر ہوا ہے، نہ کہ توسل بالذات کی عدم مشروعیت پر، گویا حضرت عمرؓ نے حضور ﷺ کی وفات کے بعد حضرت عباس سے جو دعاء کرائی وہ توسل بالدعاء کی صورت ہوئی اور یہ بھی توسل کا ایک طریقہ ہوا کہ ضرورت مند کسی سے اپنے لئے دعاء کی درخواست کرے اور حضرت عثمان بن حنیف نے جو کسی ضرورت مند کو حضور ﷺ کی وفات کے بعد آپ ﷺ کی تعلیم کردہ دعاء سکھائی وہ توسل کا دوسرا طریقہ

ہوا کہ ضرورت مند خود اپنی ذات کے لیے حضور ﷺ کے توسل سے دعاء کرے توسل اور دعاء کے یہ دونوں طریقے درست ہیں اور ان میں کسی ایک طریقے سے دوسرے طریقے کی نفی نہیں ہوتی۔

پر یہ بات سمجھ میں نہیں آتی حافظ ابن تیمیہ کو حضرت عثمان بن حنیف کی روایت سے ثابت ہونے والے توسل بالذات کی نفی پر کیوں اصرار ہوا، جبکہ وہ توسل بالذات کے بعض معانی کو درست قرار دیتے ہیں، من أراد هذا المعنى فهو مصيب في ذلك بلانزاع بھی کہ چکے ہیں، تو حضرت عثمان بن حنیف کی روایت سے ثابت ہونے والے توسل کے بارے میں وہی معنی مراد لینے میں کیا مضائقہ، یعنی انہیں اسألك بنبيك محمد سے اسالك بايماني (واللہ اعلم)

توسل کی حیثیت

توسل کے مختلف طریقوں اور ان کے احکام کے ساتھ یہ معلوم کر لینا بھی مناسب ہے کہ توسل کی حیثیت کیا ہے؟ جمہور کے نزدیک دعاؤں میں وسیلہ اختیار کرنا مشروع اور جائز ہے، بعض حضرات نے اس کو آداب میں شمار کیا ہے اور بعض کے یہاں اس کی اہمیت بھی ہے، حضرت شاہ ولی اللہؒ لکھتے ہیں، ومن آداب الدعاء تقديم الثناء على الله والتوسل بنبي الله يستجاب، حجة الله البالغه ۲/۶۔

دعاء کے آداب میں اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء اور نبی کریم ﷺ سے توسل کو مقدم کیا جائے تا کہ دعاء قبول ہو۔

حدیث نمبر ۱۴۲۹ ﴿قبولیت دعاء﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۵۱۰

وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: خَرَجَ نَبِيٌّ مِنَ الْأَنْبِيَاءِ بِالنَّاسِ يَسْتَسْقِي فَإِذَا هُوَ بِنَمْلَةٍ رَافِعَةٍ بَعْضَ قَوَائِمِهَا إِلَى السَّمَاءِ فَقَالَ: ارْجِعُوْا فَقَدِ اسْتُجِيْبَ لَكُمْ مِنْ أَجْلِ هٰذِهِ النَّمْلَةِ رَوَاهُ الدَّارِ قُطْنِيْ.

حوالہ: دار قطنی، ۲/۶۶، کتاب الاستسقاء۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ نبیوں میں سے ایک نبی اپنے امتیوں کو لے کر نماز استسقاء کے لئے نکلے تو دیکھا کہ ایک چیونٹی اپنے پیر آسمان کی طرف اٹھائے ہوئے ہے، یہ دیکھ کر نبی وقت نے فرمایا کہ واپس چلو اس چیونٹی کی وجہ سے تمہاری دعا قبول کر لی گئی ہے۔ (دار قطنی)

خلاصۂ حدیث

اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ اللہ کی رحمت وتوجہ اپنی تمام مخلوقات پر ہے، معمولی سی چیونٹی نے بارگاہ الٰہی میں بارش کے نزول کی درخواست کی، تو اللہ تعالیٰ نے اس کی بھی دعا قبول کرتے ہوئے بارش نازل فرما دی۔

کلمات حدیث کی تشریح

نبي من الأنبياء حضرت سلیمان علیہ السلام مراد ہیں، رافعة چیونٹی اپنے ہاتھوں کو اٹھا کر اللہ تعالیٰ سے دعاء مانگ رہی تھی: اللّٰهم أنت خلقتنافإن رزقتنا وإلافاهلكنا: یا پھر یہ دعاء چیونٹی مانگ رہی تھی اللّٰهم إناخلق من خلقك لاغنى بنا عن رزقك فلا تهلكنا بذنوب بني آدم : فقد استجيب لكم من أجل هذه النملة اس میں اللہ تعالیٰ کی عظمت، اس کی قدرت مخلوق سے بے نیازی اور تمام مخلوقات کے حق میں رحمت ورافت ساری چیزیں سمجھ میں آتی ہیں

(مرقات ص ۳۴۰ ج ۳)

باب في الرياح　　﴿ہواؤں کا بیان﴾

اس باب کے تحت بارہ ۱۲ روایتیں بیان کی گئی ہیں جن میں تیز ہوا، بادل اور بارش کے وقت آپ کے دل کی کیفیت اور ان اوقات میں آپ ﷺ سے منقول دعاؤں کا تذکرہ کیا گیا ہے نبی کریم ﷺ کو اگر چہ اس بات کی پہلے ہی اطلاع دیدی گئی تھی کہ آپ ﷺ کی موجودگی وزندگی میں امت پر کوئی عذاب نازل نہیں ہوگا جیسا کہ قرآن کریم میں ہے، وما كان الله ليعذبهم و أنت فيهم (سورہ

انفال) اور اللہ ایسا نہ کرے گا کہ تیرے ہوتے ہوئے عذاب دے۔ لیکن اس کے باوجود اللہ کے خوف اور اس کے بے نیاز ذات کے سبب آندھی، بادل، اور گرج چمک کے وقت شدید خوف آپ ﷺ پر طاری ہوجاتا سارے کام چھوڑ کر اللہ کی جانب فورا رجوع ہوجاتے اور جب تک حالات اطمینان کے نہ ہوتے مسلسل دعا ومناجات میں مشغول رہتے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ جب آسمان پر گھٹا اٹھتی دیکھتے تو کام کاج چھوڑ کر ادھر متوجہ ہوجاتے اور یہ دعا فرتے اللّٰھم انی اعوذ بك من شر ما فیه اے اللہ جو کچھ اس میں برائی ہو میں اس سے تیری پناہ چاہتا ہوں اگر اللہ تعالیٰ (بغیر برسائے) آسمان کو صاف کردیتا تو آپ ﷺ اللہ کی حمد بیان کرتے اور اگر بارش شروع ہوجاتی تو یہ دعا فرماتے اللّٰھم سقیًا نافعًا اے اللہ نفع دینے والا پانی برسا۔

الفصل الاول

حدیث نمبر ۱۴۳۰ ﴿ہوا اللہ کے حکم کے تابع دار ہے﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۵۱۱

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ نُصِرْتُ بِالصَّبَا وَاُهْلِكَتْ عَادٌ بِالدَّبُوْرِ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حوالہ: بخاری ص ۱۴۱ جلد ۱ باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم "نصرت بالصباء" کتاب الاستسقا حدیث ۱۰۳۵ مسلم ص ۲۹۵ ج ۱۔ باب فی ریح الصباء. کتاب الاستسقاء حدیث ۹۰۰۔

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ پوروہ ہوا کے ذریعہ میری مدد کی گئی، اور قوم عاد پچھوا ہوا کے ذریعہ ہلاک کی گئی۔ (بخاری ومسلم)

خلاصۂ حدیث حدیث اس حدیث کا حاصل یہ کہ ہوا پورے طور پر اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطیع وفرماں بردار ہے، اللہ تعالیٰ اسے جس طور پر استعمال کرتا ہے۔ وہ استعمال ہوتی ہے، اسی ہوا کو کسی قوم پر رحمت بنا کر بھیجتا ہے، اور کسی قوم پر عذاب کی شکل میں بھیجتا ہے، غزوۂ خندق کے موقع پر اسی ہوا کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی حضرت محمد ﷺ کو فتح سے ہمکنار کیا تھا، جب کہ قوم عاد کو ہوا کے ہی ذریعہ سے ہلاک وبرباد کیا تھا۔

کلمات حدیث کی تشریح نصرت بالصباء، صبا اس ہوا کو کہتے ہیں جو مشرق سے چلتی ہے اور "دبور" اس ہوا کو کہتے ہیں جو مغرب کی طرف سے چلتی ہے یہاں ہوا کے ذریعہ سے جو نصرت مراد ہے وہ غزوۂ خندق کے موقع پر ہوا کے ذریعہ سے ایمان والوں کو حاصل ہوئی۔ کفار مکہ نے مدینہ منورہ کا پورے طور پر محاصرہ کرلیا تھا، اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس موقع پر شدید ہوا چلائی گئی جس کی وجہ سے کفار مکہ کے خیمے اکھڑ گئے، اور ہانڈیاں الٹ گئی، اور ان کے چہروں پر مٹی اور کنکریوں کی بارش ہوگئی، اور ان کے دلوں پر ایسا رعب طاری ہوگیا کہ ان کو ہلاکت کا یقین ہوگیا، چنانچہ وہ سب بھاگ کھڑے ہوئے۔ (مرقات ص ۳۴۰ جلد ۱)

سوال: جب یہ ہوا اللہ تعالیٰ کی جانب سے مدد کے لئے آئی تھی تو آپ ﷺ کو اس ہوا کے نمودار ہونے کے وقت خوف کیوں محسوس ہوا؟ حضرت عائشہ سے روایت ہے "فکان اذا غیمًا او ریحًا عرف ذلك فی وجهه" ہوا سے حضور ﷺ کے چہرے پر خوف کے اثرات ظاہر ہوئے۔

جواب: کسی چیز سے خوف ہونے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی ضد مرتب کرنے پر قادر نہیں، شروع میں جس ہوا سے آپ ﷺ کو خوف محسوس ہوا اللہ تعالیٰ نے اسی کو آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے اصحاب کے لئے رحمت ونصرت بنادیا۔

واهلکت عاد بالدبور، قوم عاد ایک عظیم الجثہ قوم تھی، جب ان کی نافرمانی حد سے بڑھ گئی، تو اللہ تعالیٰ نے ہوا کے ذریعہ سے ان کو ہلاک کردیا۔

حدیث نمبر ۱۴۳۱ ﴿بادل دیکھ کر آپ ﷺ کا فکر مند ہونا﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۵۱۲

وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ مَارَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ضَاحِكًاحَتّٰى رَاى مِنْهُ لَهَوَاتِهِ اِنَّمَا كَانَ يَتَبَسَّمُ فَكَانَ إِذَا رَاى غَيْمًا اَوْ رِيْحًا عُرِفَ فِيْ وَجْهِهٖ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حوالہ: بخاری، ۲/۷۱۵، باب فلما رأوه عاضا مستقبل أوديتهم "كتاب التفسير. حديث ۴۸۲۸. مسلم ۱/۲۹۵ باب التعوذ عندرؤية الريح. كتاب صلاة الاستسقاء. حديث ۸۹۹۔

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ میں نے کبھی رسول اللہ ﷺ کو اس طرح ہنستے ہوئے نہیں دیکھا کہ آپ ﷺ کے حلق کا کوا نظر آ گیا ہو۔ آپ تو صرف مسکرانے پر اکتفا کرتے تھے، جب آپ ﷺ بادل یا ہوا دیکھتے تو آپ ﷺ چہرے کی رنگت کی تبدیلی صاف سمجھ میں آتی تھی۔ (بخاری ومسلم)

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ کہ آپ ﷺ منھ کھول کر اور قہقہہ لگا کر نہیں ہنستے تھے، سنجیدگی اور متانت آپ ﷺ کا امتیازی وصف تھا، خوشی وفرحت کے موقع پر آپ ﷺ مسکرانے پر اکتفا کرتے تھے، چونکہ ہوا کے ذریعہ سے اور ابر کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ نے ظالموں کو سابقہ زمانوں میں ہلاک فرمایا تھا، اس لیے آپ ﷺ کو بھی ان چیزوں کو دیکھ کر فکر لاحق ہو جایا کرتی تھی اور خوف وخشیت میں اضافہ ہو جاتا۔

کلمات حدیث کی تشریح إذا رأى غيما أو ريحا عرف في وجهه جب ابر یا آندھی دیکھتے تو آپ ﷺ کے چہرے مبارک پر تفکر کے اثرات نمایاں ہو جاتے، بخاری شریف کی روایت میں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عائشہؓ نے عرض کیا کہ لوگ جب ابر کو دیکھتے ہیں تو خوش ہوتے ہیں کہ اب بارش ہوگی مگر آپ ﷺ کے چہرے پر آثار فکر نمودار ہو جاتے ہیں، ایسا کیوں ہوتا ہے آپ ﷺ نے فرمایا اے عائشہ" مايؤمنني أن يكون فيه عذاب عذب قوم با لريح وقدرأى قوم العذاب فقالوا هٰذا عارض ممطرنا" مجھے اس بات کی فکر ہوتی ہے کہ کہیں یہ عذاب تو نہیں ہے، ایک قوم پر آندھی کا عذاب آیا انھوں نے عذاب کا ابر دیکھا تو کہنے لگے یہ ابر تو ہم پر برسنے والا ہے، آپ ﷺ کا اسطرح فکر مند ہونا امت کے حق میں انتہائی شفیق ومہربان ہونے کی دلیل ہے۔

حدیث نمبر ۱۴۳۲ ☆☆ عالمی حدیث نمبر ۱۵۱۳

﴿تیز ہوا کے وقت آپ ﷺ کی دعا کا تذکرہ﴾

وَعَنْهَا قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا عَصَفَتِ الرِّيْحُ قَالَ اللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْئَلُكَ خَيْرَهَا وَخَيْرَمَا فِيْهَا وَ خَيْرَ مَا اُرْسِلَتْ بِهٖ ، وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّهَا وَشَرِّمَا فِيْهَا وَشَرِّ مَا اُرْسِلَتْ بِهٖ ، وَإِذَا تغيمت السَّمَآءُ تَغَيَّرَ لَوْنُهُ وَخَرَجَ وَدَخَلَ وَ اَقْبَلَ وَاَدْبَرَ، فَإِذَا مَطَرَتْ سُرِّيَ عَنْهُ فَعَرَفَتْ ذٰلِكَ عَائِشَةُ فَسَاَلَتْهُ فَقَالَ لَعَلَّهُ يَا عَائِشَةُ كَمَا قَالَ قَوْمُ عَادٍ فَلَمَّارَاَوْهُ عَارِضًا مُسْتَقْبِلَ اَوْ دِيَتِهِمْ قَالُوْا هٰذَا عَارِضٌ مُمْطِرُنَا وَفِيْ رِوَايَةٍ وَيَقُوْلُ إِذَا رَاَى الْمَطَرَ رَحْمَةً مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ .

حوالہ: بخاری، ص ۴۵۵. باب ماجاء في قوله تعالىٰ وهوالذي يرسل الرياح ، كتاب بدء الخلق حديث ۳۲۰۶ مسلم ۱/۲۹۴ باب التعوذ عند رؤ ية الريح، كتاب صلاة الاستسقاء حديث ۸۹۹۔

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ جب تیز ہوا چلتی تو آپ ﷺ یہ دعاء مانگتے تھے، اللّٰهم انى اسئلك الخ اے اللہ میں تجھ سے اس ہوا کی بھلائی مانگتا ہوں، اور وہ بھلائی مانگتا ہوں جو تو نے اس ہوا میں رکھی ہے اور اس چیز کی بھلائی مانگتا ہوں جس کے لئے تو نے اس ہوا کو بھیجا ہے. اور میں پناہ مانگتا ہوں آپ کی اس ہوا کی برائی سے اور اس برائی سے جو آپ نے اس میں رکھی ہے اور اس چیز کی

برائی سے جس کے لئے آپ نے اس کو بھیجا ہے، اور جب آسمان پر ابر ظاہر ہوتا تو آپ ﷺ کے چہرے کا رنگ بدل جاتا، آپ ﷺ باہر نکلتے پھر اندر داخل ہوتے، آگے ہوتے پیچھے ہوتے، پھر جب پانی برسنا شروع ہو جاتا تو یہ پریشانی آپ ﷺ سے دور ہو جاتی، حضرت عائشہؓ نے اس چیز کو محسوس کیا تو آپ ﷺ سے انھوں نے پوچھا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ اے عائشہ یہ ابر کہیں ایسا ہی نہ ہو جس کے بارے میں قوم عاد نے کہا تھا، (جس کا ذکر قرآن پاک میں یوں ہے فلما راوہ الخ) پھر جب قوم عاد نے اس ابر کو دیکھا جو ان کی وادیوں کے سامنے آیا تو انھوں نے کہا یہ ابر ہے جو ہم پر برسے گا، اور ایک روایت میں ہے آپ ﷺ جب بارش کو دیکھتے تو فرماتے اے اللہ اس بارش کو رحمت بنا دیجئے۔

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ آپ ﷺ جب بادلوں کو امنڈتے دیکھتے تو آپ ﷺ کو اپنی امت سے انتہائی تعلق ولگاؤ کی بنا پر یہ خدشہ ہونے لگتا کہ کہیں یہ عذاب کے بادل نہ ہوں۔ اسی وجہ سے آپ ﷺ کے چہرے کی رنگت بدل جایا کرتی تھی۔ آپ ﷺ کے علم میں یہ بات بخوبی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے قوم عاد کو ان کی نافرمانی کی وجہ سے بادل بھیج کر ہلاک کیا تھا جب قوم عاد نے قحط کے زمانے میں بادل دیکھے تھے تو وہ اس بات کو لے کر بے حد مسرور ہوتے کہ اس میں ہمارے لئے راحت کا سامان ہے لیکن درحقیقت اس میں ان کے لئے عذاب پوشیدہ تھا۔

کلمات حدیث کی تشریح تغیر لونہ: بادل دیکھ کر آپ ﷺ کا رنگ بدل جاتا ہے۔

سوال: بادل دیکھ کر آپ ﷺ کا رنگ کیوں بدل جاتا ہے؟

جواب: چونکہ بادلوں کے ذریعہ سے ماضی میں بعض قوموں کو ہلاک کیا تھا اس لئے اللہ کی خشیت اور اپنی امت پر شفقت کی وجہ سے آپ کے چہرے کا رنگ بدل جاتا تھا۔

اشکال: اللہ کے نبی ﷺ کو اس بات کا خدشہ کیوں ہوا کہ آپ ﷺ کی امت پر عذاب آسکتا ہے جب کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ **وما كان الله ليعذ بهم وأنت فيهم؟**

جواب: اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ: مذکورہ آیت اس قصہ کے بعد نازل ہوئی ہے۔ (عمدة القاري)

حدیث نمبر ۱۴۳۳ ﴿غیب کی کنجیاں﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۵۱۴

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَفَاتِيحُ الْغَيْبِ خَمْسٌ ثُمَّ قَرَءَ إِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ الْآيَةَ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ.

حوالہ: بخاری ۲/۱۰۲۶، باب وعند مفاتيح الغيب لايعلمها إلا هو، كتاب التفسير.

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ غیب کی کنجیاں پانچ ہیں۔ پھر آپ ﷺ نے یہ آیت پڑھی إن الله عنده الخ بے شک اللہ تعالیٰ ہی کو قیامت کا علم ہے اور وہی بارش نازل کرتا ہے۔ (بخاری)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ پانچ چیزیں ایسی ہیں کہ جن کا کلی علم اللہ تعالیٰ نے کسی کو نہیں دیا ہے، ان پانچ چیزوں کا قطعی اور یقینی علم اللہ کی ذات کے علاوہ کسی کو نہیں، البتہ اپنے بعض مقرب بندوں کو جزئی طور پر کبھی کبھی ان چیزوں سے باخبر کر دیتا ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح مفاتيح الغيب خمس غیب کی وہ چیزیں جن کا انسان بہت آرزومند ہوتا ہے لیکن اللہ کے علاوہ کسی بھی ذات کو ان کی پوری معرفت نہیں، وہ پانچ چیزیں ہیں، (۱) قیامت کے وقوع کا علم (۲) بارش کے نزول کا علم (۳) رحم مادر میں کیا ہے اس کا علم (۴) انسان آئندہ کیا کمائے گا اس کا علم (۵) کس زمین پر موت آئے گی اس کا علم،

انھیں پانچ چیزوں کو سورۂ لقمان کی آیت میں ذکر کیا ہے، ان اللہ عندہ علم الساعة قیامت کے وقوع کے بارے میں حضرت جبرئیل نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا تھا، تو آپ نے بھی فرمایا تھا کہ ماالمسؤل عنهاباعلم من السائل، یعنی کہ جس سے تو پوچھ رہا ہے وہ پوچھنے والے سے زیادہ نہیں جانتا ہے، حاصل یہ تھا کہ، قیامت کے وقوع کا قطعی علم اللہ کے علاوہ کسی کو نہیں، وینزل الغیث بارش کب ہوگی، کتنی ہوگی، کن جگہوں پر ہوگی، اس کا قطعی علم اللہ کے علاوہ کسی کو نہیں ہے، ویعلم مافی الارحام، مادر رحم میں لڑکا ہے یا لڑکی تام الخلقت یا ناقص الخلقت ہے کالا ہے یا گورا ہے۔ طویل ہے یا ناٹا، نیک بخت ہے یا بد بخت، ان تمام چیزوں کی مکمل تفصیلات اللہ کے علاوہ کسی کو نہیں، وماتدري نفس ماذاتكسب غدا. یا کے اندر خیر حاصل کرے گا یا شر، اطاعت کرے گا یا نافرمانی، اور آخرت میں ثواب کا مستحق ہوگا یا عذاب کا، اس کا قطعی علم صرف اللہ کو ہی ہے، وماتدری نفس بأی أرض تموت دارالاسلام میں مرے گا یا دارالکفر میں، کس حالت اور کس عالم میں رخصت ہوگا اس کا یقینی علم بھی اللہ کو ہی ہے۔ (مرقات ص۳۴۲۱ ج۲)

حدیث نمبر ۱۴۳۴ ﴿شدید قحط سالی کا تذکرہ﴾ عالمی حدیث نمبر ۱/۱۵۱۵

وَعَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَتِ السَّنَةُ بِاَنْ لَّا تُمْطَرُوْا وَلٰكِنَّ السَّنَةَ اَنْ تُمْطَرُوْا وَتُمْطَرُوا وَلَا تُنْبِتُ الْاَرْضُ شَيْئًا رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

حوالہ: مسلم ج۲۔ باب فی سکنی المدینة. کتا ب الفتن، حدیث۲۹۰۴۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سخت قحط سالی صرف یہ نہیں کہ تم پر بارش نہ ہو لیکن سخت قحط سالی یہ ہے کہ بارش تو ہو اور خوب ہو لیکن زمین کچھ بھی زر نہ اُگائے۔ (مسلم)

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ زمین کا فصل اگانا اور نہ اگانا اللہ کی مشیت پر موقوف ہے زمین کے سبزہ اگانے کا ذریعہ اصل ذات اللہ کی ہے، کبھی کبھی اللہ تعالیٰ ایسا بھی کردیتے ہیں کہ بارش ہونے کے باوجود لوگوں کو قحط سالی کا شکار بنادیتے ہیں، زمین کو پانی تو خوب ملتا ہے لیکن فصلیں اگا نہیں پاتی ہیں۔

کلمات حدیث کی تشریح ولکن السنة ان تمطروا آپ ﷺ نے بارش ہونے کے باوجود قحط پڑنے کو اس لئے زیادہ سخت قحط قرار دیا ہے کہ جب بارش نہیں ہوتی ہے تو انسان ذہنی طور پر قحط میں پڑتا ہے تو خلاف تصور ہونے کی وجہ سے بہت دشوار لگتا ہے اس لئے آپ ﷺ نے ایسی قحط سالی کو سخت قحط سالی قرار دیا ہے۔

الفصل الثانی

حدیث نمبر ۱۴۳۵ ﴿ہوا کو برا کہنے کی ممانعت﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۵۱۶

وَعَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ الرِّيْحُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ تَأْتِيْ بِالرَّحْمَةِ وَبِالْعَذَابِ فَلَا تَسُبُّوْهَا وَسَلُوْا اللّٰهَ مِنْ خَيْرِهَا وَعُوْذُوْا بِهٖ مِنْ شَرِّهَا رَوَاهُ الشَّافِعِيُّ وَاَبُوْدَاوٗدَ وَابْنُ مَاجَةَ وَالْبَيْهَقِيُّ فِي الدَّعَوَاتِ الْكَبِيْرِ.

حوالہ: مسند امام شافعی ۱/۱۷۵-۱۷۶ باب فی الدعاء حدیث۵۰۴، أبو داؤد ۲/۶۹۵ باب مایقول إذا هاجت الريح، كتاب الأدب حديث ۵۰۹۷ ابن ماجه ص۱۲۶، باب النهى عن أصب الريح كتاب الادب حديث۳۷۲۷۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ ہوا اللہ تعالیٰ کی رحم سے ہے وہ رحمت بھی لاتی ہے اور عذاب بھی لاتی ہے لہذا اس کو گالی مت دو اللہ سے ہوا کی بھلائی مانگو اور ہوا کی برائی سے اللہ کی پناہ طلب کرو۔
(مسند شافعی ابوداؤد ابن ماجه بیهقی فی الدعوة الکبیر)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ ہوا ہم سب کے لیے اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی رحمت ہے اس سے ہمارے بے شمار فائدے وابستہ ہیں، اس ہوا کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ ظالم قوموں کو ہلاک بھی کرتے ہیں ظالموں کا ہلاک ہونا بھی درحقیقت ایمان والوں کے لئے رحمت ہی ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح لاتسبوھا ہوا کو کسی بھی صورت میں برا بھلا نہ کہنا چاہئے، اگر کسی وجہ سے ہوا کے ذریعہ سے نقصان پہنچا ہو تو اللہ تعالیٰ سے توبہ کرنا چاہئے، کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے تادیب ہے اور بندوں کے حق میں اللہ تعالیٰ کی جانب سے تادیب بھی رحمت ہوتی ہے، وسلوا اللّٰہ من خیرھا وعوذوا بہٖ من شرھا صاحب مرقات لکھتے ہیں کہ ہوا کی آٹھ قسمیں ہیں۔ چار کا تعلق رحمت سے ہیں اور وہ یہ ہیں (۱) ناشرات (۲) ذاریات (۳) مرسلات (۴) مبشرات۔ اور چار کا تعلق عذاب سے ہے (۱) عاصف (۲) قاصف، یہ دونوں سمندر میں چلتی ہیں (۳) صرصر (۴) عقیم، یہ دونوں خشکی میں چلتی ہیں۔ آپ ﷺ نے اس فرمان میں ایمان والوں کو حکم دیا ہے کہ رحمت والی ہواؤں کو طلب کرو اور جو ہوا عذاب کیلئے چلتی ہے اس سے پناہ طلب کریں۔

حدیث نمبر ۱۴۳۶ ﴿ہوا پر لعنت کی ممانعت﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۵۱۷

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَجُلًا لَعَنَ الرِّيْحَ عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَاتَلْعَنُوْا الرِّيْحَ فَاِنَّهَا مَامُوْرَةٌ وَّاِنَّهٗ مَنْ لَعَنَ شَيْئًا لَيْسَ لَهٗ بِاَهْلٍ رَجَعَتِ اللَّعْنَةُ عَلَيْهِ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ.

حوالہ: ترمذی: ص ۱۸ ج ۲ باب ماجاء فی اللعنۃ، کتاب ابر۔ حدیث ۱۹۷۸۔

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے ہوا کی لعنت کی ہے۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا ہے ہوا کو لعنت مت کرو، کیونکہ ہوا تو حکم کے تابع ہے، بلاشبہ جو کسی ایسی چیز پر لعنت کرے جو لعنت کے قابل نہ ہو تو لعنت اسی پر لوٹتی ہے۔

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ جو بھی چیز لعنت کے قابل نہ ہو اس پر ہرگز لعنت نہ کرنا چاہئے، اگر کوئی کریگا تو وہ خود اپنے اوپر لعنت کرنیوالا ہوگا کسی بھی معین چیز یا شخص پر لعنت کرنا جائز نہیں ہے، البتہ اگر کسی کا کفر پر مرنا یقینی طور پر معلوم ہو جیسے کہ فرعون اور ھامان تو ان پر لعنت کی جاسکتی ہے، نیز برے اوصاف پر بھی لعنت کی جاسکتی ہے، مثلاً لعنۃ اللّٰہ علی الظالمین۔

کلمات حدیث کی تشریح لا تلعنوا الریح. آپ ﷺ نے ہوا پر لعنت کرنے کی ممانعت فرمائی ہے، امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ جو چیزیں لعنت کا مستحق بناتی ہیں وہ تین ہیں (۱) کفر (۲) بدعت (۳) فسق، اور چونکہ ان تینوں میں سے کوئی چیز بھی ہوا میں نہیں پائی جاتی ہے اسلئے ہوا کو لعنت کرنا درست نہیں ہے، فانھا مامورۃ ہوا بذات خود کوئی حیثیت نہیں رکھتی وہ تو اللہ کے حکم کی پابند ہے، ایسی صورت میں اگر ہوا سے کسی کو تکلیف پہنچی ہے اور وہ ہوا کو برا بھلا کہتا ہے تو یہ اللہ کی شان میں گستاخی ہے، اور تقاضۂ عبودیت کیخلاف ہے، من لعن شیئًا لیس لہ بأھل رجعت اللعنۃ علیہ لعنت کا مطلب ہے اللہ کی رحمت سے دور کرنا، کوئی ایسی چیز جو اللہ کی رحمت کے قابل ہو اسکو اللہ کی رحمت سے دور کرنیوالا خود اللہ کی رحمت سے دور ہو جاتا ہے، اسلئے آپ ﷺ نے ایک موقعہ پر فرمایا لیس المؤمن بالطعان و لا لعان، مومن نہ تو بہت عیب جوئی کرنیوالا ہوتا ہے، اور نہ بہت لعن طعن کرنے والا ہوتا ہے۔

حدیث نمبر ۱۴۳۷ ﴿تکلیف دہ ہوا کے وقت دعاء مانگنے کا ذکر﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۵۱۸

عَنْ اُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ قَالَ قَالَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَسُبُّوْا الرِّيْحَ فَاِذَا رَاَيْتُمْ مَا تَكْرَهُوْنَ فَقُوْلُوْا اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَسْئَلُكَ مِنْ خَيْرِ هٰذِهِ الرِّيْحِ وَخَيْرِ مَا فِيْهَا وَخَيْرِ مَا اُمِرَتْ بِهٖ، وَنَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّ هٰذِهِ الرِّيْحِ وَشَرِّ مَا فِيْهَا وَشَرِّ مَا اُمِرَتْ بِهٖ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ.

حوالہ: ترمذی: ۹۱/۲ باب ماجاء فی النہی عن سب الریح، کتاب الفتن. حدیث ۲۲۵۲۔

ترجمہ: حضرت ابی بن کعبؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم لوگ ہوا کو برا مت کہا کرو، جب تم ایسی ہوا دیکھو جو تمہارے حق میں نقصان دہ ہو تو یہ دعاء مانگو اللّٰھم اناانسئلك الخ: اے اللہ میں تجھ سے اس ہوا کی خیر و برکت مانگتا ہوں اور اس ہوا میں جو چیز پوشیدہ ہے اسکی بھلائی مانگتا ہوں نیز جس چیز کا اسے حکم دیا گیا ہے اسکی بھلائی طلب کرتا ہوں اور میں تجھ سے اس ہوا کے شر سے پناہ مانگتا ہوں اور جو اسمیں پوشیدہ ہے اسکے شر سے پناہ چاہتا ہوں اور جس چیز کیلئے وہ مامور ہے اسکے شر سے پناہ طلب کرتا ہوں۔ (ترمذی)

خلاصۂ حدیث یہ بات گذر چکی ہے کہ ہوائیں کبھی رحمت الٰہی کے نزول کا سبب ہوتی ہیں اور کبھی اللہ کا عذاب لے کر آتی ہیں .لہٰذا اللہ کے بندوں کو چاہئے کہ وہ ہوا اس کے چلنے کے وقت عافیت طلب کریں ، اور مصیبت سے پناہ چاہیں ، آپ ﷺ کا یہی معمول تھا.

کلمات حدیث کی تشریح لا تسبوا الريح. ہواؤں کو برا بھلا نہ کہنا چاہئے. کیونکہ وہ اللہ کے حکم کی پابند ہے. چنانچہ ان کو لعن طعن کرنا تقاضۂ عبدیت کے خلاف ہے رأيتم ما تكرهون. ہوا شدید گرم یا شدید ٹھنڈی ہو یا اس کے تیز چلنے کی وجہ سے کوئی تکلیف پہنچ رہی ہو تو اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنا چاہئے۔

حدیث نمبر ۱۴۳۸ ﴿آندھی کے تیز چلنے کے وقت کی دعا﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۵۱۹

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ مَا هَبَّتْ رِيْحٌ قَطُّ اِلَّا جَثَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى رُكْبَتَيْهِ ، وَقَالَ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهَا رَحْمَةً وَّ لَا تَجْعَلْهَا رِيْحًا ، قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ فِيْ كِتَابِ اللّٰهِ تَعَالٰى اِنَّا اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الرِّيْحَ الْعَقِيْمَ وَاَرْسَلْنَا الرِّيٰحَ لَوَاقِحَ وَاَنْ يُّرْسِلَ الرِّيَاحَ مُبَشِّرَاتٍ رَوَاهُ الشَّافِعِيُّ وَالْبَيْهَقِيُّ فِي الدَّعَوَاتِ الْكَبِيْرِ.

حوالہ: بیهقی، ترتیب مسند الإمام الشافعي ۱/۱۷۵، باب في الدعاء حدیث ۵۰۲۔

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ جب بھی تیز ہوا چلتی تو نبی کریم ﷺ دوزانوں ہو کر بیٹھ جاتے تھے. اور یہ دعا مانگتے تھے اللّٰھم اجعلھا رحمةً. اے اللہ اس ہوا کو رحمت بنا دیجئے. عذاب نہ بنائیے۔ اے اللہ اس ہوا کو ریاح یعنی رحمت بنائیے. ریح یعنی عذاب نہ بنائیے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کے ارشادات میں. انا ارسلنا الخ اور بھیجی ہم نے ان پر تیز وتند ہوا، اور ہم نے ان پر بانجھ ہوا بھیجی، اور ہم نے مینہ لانے والی ہوا بھیجیں اور ہم نے خوشخبری لانے والی ہوا بھیجیں۔

(مسند امام شافعی بیھقی فی الدعوات الکبیر)

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ ہوائیں اللہ کے حکم کی پابند ہیں بعض ہواؤں کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ پھل میوؤں میں کثرت و برکت عطا کرتے ہیں. ایسے ہی بعض ہوائیں بارش کے لئے خوشخبری ہوتی ہیں. جبکہ بعض ہوائیں ایسی ہوتی ہیں جو درختوں کو بارآور نہیں ہونے دیتیں، آپ ﷺ نے رحمت و عافیت والی ہواؤں کو طلب کیا ہے، اور نقصان دہ ہواؤں سے پناہ طلب کی ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح اللّٰھم اجعلھا ریاحًا ولا تجعلھا ریحًا. ہوا کی دو قسمیں بنیادی طور پر ہیں (۱) ریاح (۲) ریح، ریاح کا اطلاق رحمت پر ہوتا ہے، جیسے کہ ارسلنا الریاح لواقح (ہم نے مینہ لانے والی ہوائیں بھیجیں) اور ریح کا اطلاق عذاب والی ہوا پر ہوتا ہے جیسا کہ ارشاد ہے أرسلنا علیھم الریح العقیم (ہم نے ایسی ہوائیں بھیجیں ان پر جو درختوں کو بارآور نہیں ہونے دیتیں)

اشکال: امام طحاویؒ نے مذکورہ اصطلاح پر اشکال کیا ہے کہ ریح کا اطلاق خیر شر دونوں طرح کی ہواؤں کے لئے ہوتا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وجرین بھم بریح طیبة.

جواب: امام طحاویؒ کا اشکال اپنی جگہ پر درست ہے اور اللہ کے نبی ﷺ نے ریح اور ریاح میں جو فرق کیا ہے اس کی بعض لوگوں نے یہ تاویل کی ہے کہ ریاح یعنی ہوائیں جب زیادہ ہوتیں ہیں تو بارش کا سبب بنتی ہیں اور کھیتیوں میں اضافہ ہوتا ہے۔ جبکہ ریح یعنی مفرد ہوا میں یہ بات کم ہوتی ہے، اس بنا پر آپ ﷺ نے دعا کی ہے کہ اے اللہ اس ہوا کو ریاح بنا ریح مت بنا۔

حدیث نمبر ۱۴۳۹ ﴿کالی گھٹا کے وقت آپ ﷺ کی دعا﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۵۲۰

وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا اَبْصَرْنَا شَيْئًا مِنَ السَّمَآءِ تَعْنِي السَّحَابَةَ تَرَكَ عَمَلَهُ وَاسْتَقْبَلَهُ وَقَالَ اللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّمَا فِيْهِ فَاِنْ كَشَفَهُ حَمِدَ اللّٰهَ وَاِنْ مَطَرَتْ قَالَ اللّٰهُمَّ سَقْيًانَافِعًا رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَالشَّافِعِيُّ وَاللَّفْظُ لَهُ.

حوالہ: ابوداود ۲/ ۶۹۵۔ باب مایقول إذا حاجت الریح . کتاب الادب.حدیث ۵۰۹۹، نسائی ۱/۱۷۲ باب القول عندالمطر، کتاب الاستسقاء، ص۲۷۷. باب دعاء الرجل إذا رأى السحاب و المطر، کتاب الدعاء حدیث۳۸۸۹، مسند شافعی ۱/۱۷۴باب الدعاء حدیث ۵۰۱۔

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ جب آسمان میں کوئی چیز یعنی بادل وغیرہ دیکھتے تو اپنے کام کاج چھوڑ دیتے اور اس بادل کی طرف متوجہ ہوجاتے اور دعا کرتے اللّٰھم انی اعوذ بك الخ، اے اللہ اس بادل میں جو بھی شر ہے اس سے آپ کی پناہ مانگتا ہوں، اگر اللہ تعالیٰ اس بادل کو ہٹا دیتے تو آپ ﷺ اللہ کی تعریف کرتے۔ اور اگر بارش ہوتی تو آپ ﷺ دعا کرتے، اللّٰھم سقیا نافعا اے اللہ فائدہ مند پانی عطا فرمایئے (ابوداود، نسائی، ابن ماجہ، شافعی) روایت کے الفاظ مسند شافعی کے ہیں۔

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل بھی یہ ہے کہ یہ بات بھی معلوم تھی کہ بعض قوموں کو اللہ نے سایہ دار بادل بھیج کر عذاب میں مبتلا کیا تھا لہٰذا آپ ﷺ جوں ہی گھنے بادل کالی گھٹا دیکھتے اللہ تعالیٰ طرف رجوع کرتے، اور اللہ سے اس کے شر سے پناہ مانگتے اور خیر کو طلب کرتے۔

کلمات حدیث کی تشریح ترك عمله یعنی جن مباح کاموں میں آپ ﷺ لگے ہوتے ان کو چھوڑ کر اللہ کی حمد وثنا اور اس سے دعا والتجا میں لگ جاتے، کشف الله، یعنی اگر اللہ تعالیٰ بادل ہٹالیتے اور بارش نہ ہوتی تو بادل کے شر سے نجات کی وجہ سے اللہ کی حمد بیان کرتے. سقیًا نافعًا اگر بارش ہونے لگتی تو چونکہ بارش میں بھی نفع اور نقصان دونوں کا امکان ہے لہٰذا نفع بخش بارش طلب فرماتے۔

حدیث نمبر ۱۴۴۰ ﴿بادل کے گرج کے وقت کی دعا﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۵۲۱

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا سَمِعَ صَوْتَ الرَّعْدِ وَالصَّوَاعِقِ قَالَ اللّٰهُمَّ لَا تَقْتُلْنَا بِغَضَبِكَ وَلَا تُهْلِكْنَا بِعَذَابِكَ وَعَافِنَا قَبْلَ ذٰلِكَ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غريب .

حوالہ: مسند أحمد ص۱۰۰-۱۰۱ ترمذی، ص۱۸۳ باب ما یقول إذا سمع الرعد، کتاب الدعوات حدیث ۳۴۵۰۔

ترجمہ: ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ جب بادل کی گرج اور بجلی کی کڑک کی آواز سنتے تو یہ دعا کرتے اللّٰھم لا تقتلنا. اے اللہ ہمیں اپنے غضب سے قتل مت کریئے، اور ہمیں اپنے عذاب سے ہلاک نہ کیجئے اور ہمیں عذاب نازل ہونے سے پہلے عافیت عطا کیجئے (احمد، ترمذی) ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔

الفصل الثالث

حدیث نمبر ۱۴۴۱ ﴿گرج کے وقت کا آپ ﷺ کا تسبیح پڑھنا﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۵۲۲

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الزُّبَيْرِ اَنَّهٗ كَانَ إِذَا سَمِعَ الرَّعْدَ تَرَكَ الْحَدِيْثَ ، وَقَالَ سُبْحَانَ الَّذِيْ يُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهٖ وَالْمَلٰٓئِكَةُ مِنْ خِيْفَتِهٖ رَوَاهُ مَالِكٌ.

حوالہ: مؤطا إمام مالك ص۳۸۸ باب القول إذا سمعت الرعد ، كتاب الكلام حديث۲۶۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب نبی ﷺ گرج کی آواز سنتے تو بات چیت موقوف کر دیتے، اور یہ دعا پڑھتے "سبحان الذی الخ" پاک ہے وہ ذات جس کی پاکی اس کی حمد کے ساتھ رعد بیان کرتا ہے اور دوسرے فرشتے بھی بیان کرتے ہیں اس ذات کے خوف سے (مؤطا امام مالک)

خلاصۂ حدیث: اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ بجلی کے کڑکنے اور چمکنے کے وقت بھی اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنا چاہئے۔ اور اللہ کی پاکی اور اس کی حمد بیان کرنا چاہئے۔ یہی آپ ﷺ کا طریقہ تھا۔

کلمات حدیث کی تشریح: الرعد. رعد وہ فرشتہ ہے جو اللہ تعالیٰ جانب سے بادلوں کو ہانکنے پر متعین ہے، اور گرج اس فرشتے کی تسبیح کی آواز ہے، جو شخص مذکورہ تسبیح کو تین مرتبہ پڑھے گا اسے عافیت مل جائے گی، حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث نقل کی ہے اور کہا ہے کہ ایک موقع پر ہم لوگوں نے مذکورہ تسبیح تین مرتبہ پڑھی تو لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے عافیت عطا کر دی۔

کتاب الجنائز

﴿جنازے کا بیان﴾

جنائز جنازہ کی جمع ہے لفظ جنازہ لغت کے اعتبار سے جیم کے زبر اور زیر کے ساتھ استعمال ہے۔ لیکن جیم کے زیر کے ساتھ زیادہ فصیح ہے جنازہ میت کو کہتے ہیں جو تخت پر ہو بعض حضرات کا کہنا ہے کہ جنازہ جیم کے زبر کے ساتھ میت کے معنی میں استعمال ہے اور جنازہ جیم کے زیر کے ساتھ تابوت، تخت یا چارپائی کیلئے استعمال ہے، جس پر مردہ کو رکھ کر اٹھاتے ہیں بعض حضرات نے اس کے برعکس کہا ہے یعنی جنازہ تخت یا تابوت کو اور جنازہ میت کو کہا جاتا ہے،

باب عيادة المريض وثواب المرض

﴿بیمار کی عیادت اور بیمار کے ثواب کا بیان﴾

اس باب کے تحت مصنف ؒ نے چوہتر ۷۴ روایتیں درج کی ہیں جن میں مریض کی عیادت، بیماری کا ثواب واجر، عیادت کا ثواب، مسلمانوں کے آپسی حقوق، بیمار کے لئے آنحضرت ﷺ کی دعاء شفاء، بیمار پر دم کرنا، آنحضرت ﷺ کی علالت اور حضرت جبرائیل کی دعا، تعوذ، بیماری و تکلیف کا گناہوں کے لئے کفارہ ہونا، مومن اور منافق کی زندگی کی مثال، بیماری میں نیک عمل کا ثواب جاری رہنا، شہادت کا رتبہ پانے والے افراد، ابتلاء و مصیبت سے بلند سعادت کے رتبہ کا ملنا، مریض کی دلداری کرنا، غیر مسلم کی عیادت، وغیرہ مضامین بیان کئے گئے ہیں

بیمار کی مزاج پرسی کرنا، بیماری میں بابرکت اور مفید جھاڑ پھونک کرنا۔ لب مرگ کے ساتھ نرمی اور ملاطفت کرنا، مرنے کے بعد کفن دفن کرنا۔ میت کے ساتھ حسن سلوک کرنا۔ میت پر آنسو بہانا۔ پسماندگان کو تسلی دینا یہ ایسے امور ہیں جو عربوں میں رائج تھے اور ان پر پا

ان کے نظائر پر عجم کے لوگ بھی متفق تھے اور یہ ایسی عادتیں ہیں جن سے سلیم الفطرت والے جدا نہیں ہوتے اور نہ جدا ہونا مناسب ہے کہ یہ سب باتیں ہر طرح مفید ہیں اس لئے جب آنحضرت ﷺ کی بعثت ہوئی تو آپ ﷺ نے ان عادات کا جائزہ لیا اور ان کی اصلاح فرمائی۔ حدیث شریف میں ہے کہ "جب ایک مسلمان اپنے مسلمان بھائی کی بیمار پرسی کے لئے جاتا ہے تو وہ واپس آنے تک برابر جنت کے چنیدہ میووں میں رہتا ہے (مشکوۃ شریف) بیمار پرسی کرنا، مریض کو تسلی دینا اور ہمدردی ظاہر کرنا او نچے درجہ کا نیک عمل اور مقبول ترین عبادت ہے اور اس کی وجہ یہ کہ سوسائٹی میں جذبہ الفت اس وقت پیدا ہوتا ہے جب حاجت مندوں کی معاونت کی جائے، اور جو کام عمرانی زندگی کو سنوارتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کو پسند ہیں اور عیادت رشتۂ الفت قائم کرنے کا بہترین ذریعہ ہے اس لئے اس میں بڑا اجر و ثواب ہے۔ بیماری سے گناہ معاف ہوتے ہیں حدیث شریف میں ہے کہ "مسلمان کو جو بھی تکلیف پہنچتی ہے خواہ بیماری ہو یا کچھ اور، تو اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ اس کے گناہوں کو جھاڑ دیتے ہیں جیسے خزاں رسیدہ درخت اپنے پتے جھاڑ دیتا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ جب آدمی بیمار پڑتا ہے تو بہیمیت کمزور ہوتی ہے اس لئے برائیوں کا ازالہ ہوتا ہے اور دنیا کی طرف سے کچھ دل اکھڑتا ہے اور آخرت کی طرف مائل ہوتا ہے اس لئے بیماری سے گناہ جھڑتے ہیں اور اس حدیث کے عموم میں مرض موت بھی داخل ہے اس وجہ سے بھی سیأت معاف ہوتے ہیں اور درجات بڑھتے ہیں۔

الفصل الاول

حدیث نمبر ۱۴۴۲ ﴿مریض کی عیادت کا تذکرہ﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۵۲۳

عَنْ اَبِيْ مُوْسٰى قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَطْعِمُوْا الْجَائِعَ وَعُوْدُوا الْمَرِيْضَ وَفُكُّوْا الْعَانِيَ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ .

حواله: بخاری ۸۴۳/۲۔ باب وجوب عيادة المريض، كتاب المرضى، حدیث ۵۶۴۹۔

حل لغات: الجائع بھوکا۔ فاقہ مست، جاع (ن) جموعا بھوکا ہونا، فکوا امر حاضر ہے۔ فک (ن) فكاً الشى کھولنا۔ الاسیر، قیدی کو رہا کرنا۔ العانی قیدی عاناہ۔ معاناۃ۔ مفاعلت سے سختی جھیلنا۔ تکلیف برداشت کرنا۔

ترجمه: حضرت ابوموسیٰؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرمایا کہ بھوکے کو کھانا کھلاؤ۔ بیمار کی عیادت کرو، قیدی کو رہا کرو۔ (بخاری)

خلاصۂ حدیث اس حدیث میں تین بہت اہم باتوں کی تاکید ہے۔ یہ حکم وجوب علی الکفایہ کے طور پر ہے۔ اگر بھوکے کو بستی کے کسی شخص نے بھی کھانا کھلا دیا تو سب کی طرف سے کافی ہو جائیگا۔ اور اگر کسی نے نہیں کھلایا تو سب لوگ گناہ گار ہوں گے۔ یہی معاملہ دیگر چیزوں کا بھی ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح اطعموا الجائع حالت اضطرار میں اگر کوئی بھوکا ہے تو اس کو کھانا کھلانا ضروری ہے۔ اور اگر یہ نہیں ہے تو بھوکے کو کھانا کھلانا سنت ہے۔ عودوا المریض عام حالات میں مریض کی عیادت بھی جمہور علماء کے نزدیک سنت ہے۔ مریض کی عیادت کے بہت سے آداب ہیں۔ جن مین بنیادی بات یہ ہے کہ کوئی ایسا عمل اور حرکت عیادت کرنے والا نہ کرے جس سے مریض کو رنج و تکلیف پہنچے۔ عیادت کرنے والا اخلاص کے ساتھ مریض کے لئے دعا کرے۔ آپ ﷺ سے یہ دعا منقول ہے۔ أسأل الله العليم رب العرش العظيم أن يشفيك۔ سات مرتبہ یہ دعا پڑھنی چاہئے۔ مریض سے ایسی بات کی جائے جس سے اس کا حوصلہ بڑھے۔ ابن ماجہ میں روایت ہے کہ "إذا دخلتم على المريض فنفسوا له في الأجل فإن ذلك لايرد شيئا وهو يطيب بنفس المريض. وفكوا العانى جن لوگوں کو دشمن نے قید کر رکھا ہے۔ ان کی رہائی کے حتی الامکان کوشش کرنی چاہئے۔ اسی طرح جو لوگ ذلت و پریشانی کی زندگی گذار رہے ہیں ان کو اس سے نجات دلانے کی کوشش کرنا چاہئے۔

حدیث نمبر ۱۴۴۳ ﴿جنازہ کے ساتھ جانے کا حکم﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۵۲۴

وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَقُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ خَمْسٌ: رَدُّ السَّلَامِ وَعِيَادَةُ الْمَرِيْضِ وَاتِّبَاعُ الْجَنَائِزِ وَاِجَابَةُ الدَّعْوَةِ وَتَشْمِيْتُ الْعَاطِسِ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حوالہ: بخاری ۱/۱ باب الأمر باتباع الجنائز. کتاب الجنائز حدیث ۱۲۴۰ مسلم ۲/۲۱۳ باب حق المسلم للمسلم رد السلام. کتاب السلام حدیث ۲۱۶۲۔

حل لغات: تشمیت مصدر۔ باب تفعیل سے۔ العاطس وعلیہ چھینکنے والے پر یرحمك اللّٰہ کہہ کر دعا دینا۔ العاطس چھینکنے والا۔ عطس (ض) عطسا چھینک آنا چھینکنا۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مسلمان کے مسلمان پر پانچ حق ہیں۔ (۱) سلام کا جواب دینا (۲) مریض کی عیادت کرنا (۳) جنازہ کے ساتھ جانا۔ (۴) دعوت قبول کرنا۔ (۵) چھینکنے والے کا جواب دینا۔ (بخاری و مسلم)

خلاصۂ حدیث: اس حدیث میں جن باتوں کی تعلیم دی گئی ہے۔ اور جن کو ایک مسلمان پر دوسرے مسلمان کا حق بتایا گیا ہے وہ باتیں ہیں جن پر عمل کرنے سے باہمی محبت والفت پروان چڑھتی ہے۔ اور متحد معاشرہ تکمیل پاتا ہے۔ لہٰذا ہر مسلمان کو ان ہدایات پر عمل ضروری ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح: حق المسلم آگے آنے والے احکام فرض کفایہ ہیں۔ رد السلام سلام کرنا سنت ہے۔ لیکن جواب دینا سنت ہے بطور کفایہ کے۔ اگر جماعت میں سے کسی نے جواب دیدیا تو کافی ہوگا۔ کیونکہ اس سے مقصد پوا ر ہو گیا۔ سلام کرنا سنت اور جواب دینا واجب ہے۔ لیکن یہ ایسی سنت ہے جو واجب سے افضل ہے اس وجہ سے کہ اس میں تواضع بھی ہے۔ اور یہی اداء واجب کا سبب بھی ہے۔ سلام کرنے سے دلوں میں بہت محبت ہوتی ہے۔ اور شریعت کی نگاہ میں یہ عمل بہت ہی مبارک ہے۔ ایک موقع پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ "والذی بیدہ لا تدخلوا الجنۃ حتی تؤ منوا. ولا تؤمنوا حتی تحابوا، اولا ادلکم علی شئی إذا فعلتموہ تحابتم أفشوا السلام بینکم" قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے۔ تم لوگ جنت میں اسوقت تک داخل نہیں ہو سکتے جب تک تم مومن نہ ہو جاؤ۔ اور مومن نہیں ہو سکتے اسوقت تک جبتک کہ آپس میں محبت نہ کرنے لگو۔ اور میں تمہیں ایسی چیز نہ بتادوں کہ جب تم اسکو کرنے لگو تو آپس میں محبت پیدا ہو جائے۔ تم لوگ آپس میں سلام کیا کرو۔ (ابن ماجہ) عیادۃ المریض بیمار کی عیادت کرنا، اسکو تسلی دینا اور اسکی مزاج پرسی کرنا بھی ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان پر حق ہے، لیکن بدعتیوں اور خاص طور سے فرقۂ قدریہ کے عقائد رکھنے والوں کی عیادت نہ کرنا چاہئے۔ اسوجہ سے کہ وہ اپنے کو مسلمان بتا کر دین میں فساد پھیلانے کی کوشش کرتے ہیں۔ آپ ﷺ کا فرمان ہے إن مجوس ھذہ الأمۃ المکذبون باقدار اللّٰہ. إن مرضوا فلا تعودوھم وإن ماتوا فلا تشھدوھم. وإن لقیتموھم فلا تسلموا علیھم (ابن ماجۃ) اللہ کی تقدیر کو جھٹلانے والے لوگ اس امت کے مجوسی ہیں۔ اگر وہ بیمار ہوں تو ان کی عیادت نہ کرو۔ اگر وہ مرجائیں تو ان کے جنازہ میں مت شریک ہو، اور اگر ان سے ملاقات ہو تو ان کو سلام مت کرو (عیادت مریض کی کچھ بحث گذشتہ حدیث کے تحت دیکھیں) واتباع الجنائز جنازہ میں شرکت کرنا بھی ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان پر حق ہے۔ جنازہ میں شرکت کرنے میں نماز جنازہ پڑھنا، اس کو کندھا دینا، اس کی تجہیز و تکفین میں شرکت کرنا سب داخل ہے۔

سوال: جنازہ کے پیچھے چلنا افضل ہے یا آگے؟

جواب: حنفیہ کے نزدیک پیچھے چلنا افضل ہے۔ شوافع کے یہاں آگے چلنا بہتر ہے۔

اشکال: اس حدیث میں پانچ حقوق کا ذکر ہے۔ جبکہ بخاری شریف میں ایک روایت ہے " أمرنا النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم

بسبع اس حدیث کے تحت سات حقوق آپ ﷺ نے ذکر کیے ہیں، ایسا کیوں کیا؟

جواب: کسی روایت میں پانچ اور کسی روایت میں سات کا ذکر ہے لیکن چونکہ کسی بھی روایت میں حصر مقصود نہیں ہے، اس لئے اشکال کی کوئی بات بھی نہیں ہے. اجابة الدعوة مسلمان کی دعوت قبول کرنا بھی دوسرے مسلمان پر واجب ہے۔

سوال: کون سی دعوت مراد ہے؟

جواب: معاونت کی دعوت مراد ہے. یعنی اگر کوئی مسلمان اپنی مدد کے لئے دوسرے مسلمان کو پکار رہا ہے تو حتی الامکان اس کی مدد لازم ہے. بعض لوگوں نے ضیافت مراد لیا ہے. یعنی اگر کوئی مسلمان دوسرے مسلمان کو مہمان بنا رہا ہے تو اس کی دعوت قبول کرنا چاہئے لیکن یہ جب ہے کہ جب اس میں گناہ نہ ہو. وتشميت العاطس چھینکنے والا مسلمان ہے. اور چھینک آنے پر الحمد للہ کہہ رہا ہے۔ تو دوسرے مسلمان کو چھینک کا جواب دینا چاہئے اور اس کی صورت یہ کہ وہ "یرحمک اللہ" کہے.

حدیث نمبر۱۴۴۴ ﴿مسلمان کا حق مسلمان پر﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۵۲۵

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَقُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ سِتٌّ قِيْلَ مَاهُنَّ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ إِذَا لَقِيْتَهُ فَسَلِّمْ عَلَيْهِ وَ إِذَا دَعَاكَ فَأَجِبْهُ وَإِذَا اسْتَنْصَحَكَ فَانْصَحْ لَهُ وَإِذَا عَطَسَ فَحَمِدَ اللّٰهَ فَشَمِّتْهُ وَإِذَا مَرِضَ فَعُدْهُ وَ إِذَا مَاتَ فَاتَّبِعْهُ رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

حوالہ: مسلم ص۲۱۳ ج۲. باب حق المسلم للمسلم الخ کتاب السلام. حدیث۲۱۶۲۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مسلمان کے دوسرے مسلمان پر چھ حق ہیں. عرض کیا گیا کہ اے اللہ کے رسول وہ کیا ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب تم کسی مسلمان سے ملاقات کرو تو اس کو سلام کرو. جب تم کو کوئی دعوت دے تو تم اس کی دعوت قبول کرو. جب تم سے کوئی نصیحت طلب کرے تو تم اس کو نصیحت کرو. جب کسی مسلمان کو چھینک آئے اور وہ الحمد للہ کہے. تو تم چھینک کا جواب دو. جب کوئی مسلمان بیمار ہو تو اس کی عیادت کرو. اور جب کوئی مسلمان مرجائے تو اس کی جنازہ میں شرکت کرو (مسلم)

خلاصۂ حدیث ایک مسلمان دوسرے مسلمان سے محبت کرنے والا بن جائے. آپسی تعلقات نہایت مستحکم ہو جائیں. اور مسلم معاشرہ اتحاد و اتفاق کے حوالے سے بے مثال ہو. اس کے لئے بہت سے امور پر عمل پیرا ہونا لازم ہے. آپ ﷺ نے موقع بموقع ان ہی اصول وضوابط اور مسلمانوں کی ذمہ داریوں کو بیان کیا ہے. اس موقع پر بھی مذکورہ چھ امور کے بیان کا مقصد یہی ہے کہ مسلمان ایک دوسرے کے حق میں خیر خواہ اور وفادار ہوں. اور ایک دوسرے کے بے حد ہمدرد و غمگسار ہوں.

کلمات حدیث کی تشریح واذا استنصحك فانصح له یعنی جب کوئی مسلمان کسی مسلمان سے کسی معاملہ میں مشورہ طلب کرے تو اس کو خیر خواہی کے ساتھ مشورہ دینا چاہئے. اس سے ایسی بات کرنا چاہئے جس کو واقعی اس کے حق میں مفید سمجھتا ہو. و إذا عطس چھینکنے والا اگر "الحمدلله" نہیں کہتا ہے تو جواب میں یرحمک اللہ کہنا مستحب نہیں ہے (مزید کلمات حدیث کی تشریح گذشتہ حدیث کے تحت دیکھیں)

حدیث نمبر۱۴۴۵ ﴿سات امور کی تاکید﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۵۲۶

وَعَنِ الْبَرَآءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ اَمَرَنَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِسَبْعٍ وَّنَهَانَا عَنْ سَبْعٍ أَمَرَنَا بِعِيَادَةِ الْمَرِيْضِ وَاتِّبَاعِ الْجَنَائِزِ وَتَشْمِيْتِ الْعَاطِسِ وَرَدِّ السَّلَامِ وَإِجَابَةِ الدَّاعِيْ وَإِبْرَارِ الْقَسمِ وَنَصْرِ الْمَظْلُوْمِ وَنَهَانَا عَنْ خَاتَمِ الذَّهَبِ وَعَنِ الْحَرِيْرِ وَالْإِسْتَبْرَقِ وَالدِّيْبَاجِ وَالْمِيْثَرَةِ الْمَحْرَآءِ وَالْقَسِّيِّ وَاٰنِيَةِ الْفِضَّةِ وَفِيْ رِوَايَةٍ وَعَنِ الشُّرْبِ فِي الْفِضَّةِ فَإِنَّهُ مَنْ شَرِبَ فِيْهَا فِي الدُّنْيَا لَمْ يَشْرَبْ فِيْهَا فِي الْاٰخِرَةِ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حوالہ: بخاری ۱/۱۶۶ باب الأمر باتباع الجنائز: کتاب الجنائز حدیث ۱۲۳۹ مسلم ۲/۱۸۸ باب تحریم استعمال إناء الذهب و الفضة، کتاب اللباس و الزینة حدیث ۲۰۶۶۔

ترجمہ: براء ابن عازبؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ہمیں سات باتوں کا حکم کیا اور سات باتوں سے منع فرمایا آپ ﷺ نے ہمیں جن باتوں کا حکم کیا وہ یہ ہیں (۱) مریض کی عیادت کرنا (۲) جنازہ کے ساتھ چلنا (۳) چھینکنے والے کا جواب دینا (۴) سلام کا جواب دینا (۵) دعوت دینے والے کی دعوت قبول کرنا (۶) قسم کھانے والے کی قسم پوری کرنا (۷) مظلوم کی مدد کرنا اور جن امور سے آپ ﷺ نے روکا وہ یہ ہیں (۱) سونے کی انگوٹھی پہننے سے (۲) ریشمی کپڑے پہننے سے (۳) استبرق پہننے سے (۴) دیباج پہننے سے (۵) سرخ زین کے استعمال سے۔ (۶) قسی کپڑا پہننے سے۔ (۷) چاندی کے استعمال سے۔ اور ایک روایت میں یوں ہے کہ چاندی کے برتن میں پینے سے منع فرمایا اور جو کوئی دنیا میں چاندی کے برتن میں پیئے گا اس کو آخرت میں چاندی کے برتن میں پینا نصیب نہ ہوگا۔ (بخاری و مسلم)

خلاصہ حدیث اس حدیث میں آپ ﷺ نے چند ان امور کا حکم دیا ہے جن کو اختیار کرنے سے آپس میں محبت والفت پروان چڑھتی ہے۔ اور جن باتوں سے منع کیا ہے کہ ان کے کرنے سے بندہ کے اندر کبر و غرور کا مادہ پیدا ہوتا ہے اور تواضع وانکساری ختم ہوتی ہے، ان اوامر کو اختیار کرنے اور نواہی سے بچنے کی صورت میں ایک ایسا معاشرہ وجود میں آئے گا جو انسانیت کے حق میں ہر طرح باعث خیر ہوگا۔

کلمات حدیث کی تشریح **و ابرار القسم** اگر کسی مسلمان نے کسی جائز کام کرنے کی قسم کھالی ہے اور وہ نہیں کر پارہا ہے تو دوسرے مسلمان کو چاہیے کہ اس کی مدد کرکے اس کی قسم کو پورا کرادے۔ بعض لوگوں نے یہاں وہ معنی بھی کیے ہیں کہ اگر کسی مسلمان نے دوسرے سے کہا کہ تم کو اللہ کی قسم تم ایسا کرلو تو اللہ کے نام کی عظمت کا لحاظ کرتے ہوئے اگر وہ کام جائز ہے تو اس کو کرلینا چاہیے، **ونصر المظلوم** مظلوم کی ہر ممکنہ مدد کرنا واجب ہے، **المیثرة الحمراء** زین پوش اگر ریشم کا ہے تو ہر رنگ کا حرام ہے، اگر ریشم نہیں ہے تو سرخ رنگ کا مکروہ ہے، اور اگر نہ ریشم ہے اور نہ سرخ رنگ کا ہے تو اس کا استعمال جائز ہے، حریر ریشم اس امت کے لوگوں پر حرام ہے، استبرق یہ بھی ریشم کا دبیز کپڑا ہوتا ہے، اطلس دیباچہ اور قسی بھی مختلف قسم کے ریشم کے کپڑے ہیں۔ ان سب کا استعمال حرام ہے، **و آنیة الفضة** چاندی کے برتنوں کے استعمال کی اجازت ہرگز نہیں ہے۔ جو اس کو استعمال کرے گا اللہ تعالی آخرت میں اس کو یہ چیزیں عطا نہ کرے گا یہاں یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ مذکورہ چیزیں مردوں کے لئے حرام ہے عورتوں کیلئے حلال ہیں۔ البتہ چاندی وسونے کے برتنوں کا استعمال سب کے لیے حرام ہے۔

حدیث نمبر ۱۴۴۶ ﴿بیماری کی عیادت کا ثواب﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۵۲۷

وَعَنْ ثَوْبَانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ الْمُسْلِمَ إِذَا عَادَ أَخَاهُ الْمُسْلِمَ لَمْ يَزَلْ فِيْ خُرْفَةِ الْجَنَّةِ حَتّٰى يَرْجِعَ رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

حوالہ: مسلم: ۲/۳۱۶۔ باب فضل عیادة المریض، کتاب البر و الصلة و الأداب حدیث ۲۵۶۸۔

ترجمہ: حضرت ثوبانؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بلاشبہ ایک مسلمان جب اپنے مسلمان کی عیادت کرنے جاتا ہے تو جب تک وہ واپس نہیں آجاتا ہے جنت کی میوہ خوری میں رہتا ہے۔ (مسلم)

کلمات حدیث کی تشریح **إن المسلم إذا عاد** بیمار کی عیادت کرنے والا جنت کے درختوں کے چنے ہوئے میوہ کا مستحق ہوجاتا ہے، ایک حدیث میں ہے کہ ''عائد المریض علی مخارف الجنة حتی یرجع'' مطلب یہ ہوتا ہے کہ بیمار پرسی کرنے والا اپنی سعی وجدوجہد اور اللہ کے فضل کی بدولت جنت کا مستحق ہوجاتا ہے۔

حدیث نمبر۱۴۴۷ ﴿بیمار کی مزاج پرسی کی اہمیت﴾ عالمی حدیث نمبر۱۵۲۸

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی یَقُوْلُ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ یَاابْنَ اٰدَمَ مَرِضْتُ فَلَمْ تَعُدْنِیْ قَالَ یَارَبِّ کَیْفَ اَعُوْدُكَ وَاَنْتَ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ قَالَ اَمَا عَلِمْتَ اَنَّ عَبْدِیْ فُلَانًا مَّرِضَ فَلَمْ تَعُدْهُ اَمَا عَلِمْتَ اَنَّكَ لَوْ عُدْتَّهٗ لَوَجَدْتَّنِیْ عِنْدَهٗ یَاابْنَ اٰدَمَ اِسْتَطْعَمْتُكَ فَلَمْ تُطْعِمْنِیْ قَالَ یَا رَبِّ کَیْفَ اُطْعِمُكَ وَاَنْتَ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ قَالَ اَمَا عَلِمْتَ اَنَّهٗ اسْتَطْعَمَكَ عَبْدِیْ فُلَانٌ فَلَمْ تُطْعِمْهُ اَمَا عَلِمْتَ اَنَّكَ لَوْ اَطْعَمْتَهٗ لَوَجَدْتَّ ذٰلِكَ عِنْدِیْ یَاابْنَ اٰدَمَ اسْتَسْقَیْتُكَ فَلَمْ تَسْقِنِیْ قَالَ یَارَبِّ کَیْفَ اَسْقِیْكَ وَاَنْتَ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ قَالَ اسْتَسْقَاكَ عَبْدِیْ فُلَانٌ فَلَمْ تَسْقِهٖ اَمَا عَلِمْتَ اَنَّكَ لَوْ سَقَیْتَهٗ وَجَدْتَّ ذٰلِكَ عِنْدِیْ رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

حوالہ: مسلم، ص ۳۱۷، ج ۲، باب فضل عیادۃ المریض کتاب البر والصلہ حدیث ۲۵۶۹۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن فرمائیں گے کہ اے آدم کی اولاد میں بیمار ہوا تو تو نے میری عیادت نہیں کی، بندہ کہے گا کہ اے میرے رب میں آپ کی عیادت کیسے کرسکتا آپ تو سارے جہاں کو پیدا کرنے والے ہیں، اللہ فرمائے گا کیا تم کو یہ بات معلوم نہیں ہوئی کہ میرا فلاں بندہ بیمار ہے پھر بھی تو نے اس کی عیادت نہیں کی، کیا تم کو یہ بات معلوم نہیں تھی کہ اگر تم اس کی عیادت کرتے تو تم مجھ کو اس کے پاس پاتے۔ اے ابن آدم میں نے تجھ سے کھانا طلب کیا تھا اور تو نے مجھ کو کھلایا نہیں بندہ کہے گا اے میرے رب میں آپ کو کیسے کھلاتا آپ تو سارے جہاں کے رب ہیں، اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ کیا تم کو معلوم نہیں کہ میرا فلاں بندہ تجھ سے کھانا مانگتا تھا، تو تو نے اسے کھانا نہیں کھلایا تھا، کیا تمہارے علم میں یہ بات نہیں تھی کہ اگر تم اس کو کھانا کھلاتے تو تم اس کو میرے پاس پاتے۔ اے ابن آدم میں نے تجھ سے پانی طلب کیا تو نے مجھے پانی نہیں پلایا، بندہ کہے گا کہ اے پروردگار میں آپ کو کیسے پانی پلاتا آپ تو سب کے رب ہیں اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ میرا فلاں بندہ نے تجھ سے پانی طلب کیا تھا تو نے اسے پانی نہیں پلایا تھا، کیا تمہارے علم میں یہ بات نہیں تھی کہ اگر تو اس کو پانی پلاتا تو تو اس کو میرے پاس پاتے (مسلم)

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ بیماری کی عیادت کرنا مسکین وغریب کو کھانا کھلانا، پیاسوں کو پانی پلانا بہت ثواب کا کام ہیں، ان کا ثواب اللہ خصوصی طور پر عطا کریں گے، جو لوگ ان چیزوں پر توجہ نہیں دیتے وہ ذرا دل کی گہرائیوں سے سوچیں کہ اس حدیث کو پڑھنے کے بعد اگر ہم نے عمل نہیں کیا اور رب العالمین نے میدان محشر میں ہم سے یہ سوال کرلیا تو کیسی ندامت اور کیسا افسوس ہوگا، اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان امور پر عمل کرنے کی توفیق نصیب فرمائیں۔

کلمات حدیث کی تشریح ان اللہ تعالی یقول: اللہ تعالیٰ قیامت کے دن بندوں سے فرمائیں گے۔

سوال: اللہ تعالیٰ کا بندوں سے کس طور پر خطاب ہوگا؟

جواب: فرشتوں کے واسطہ سے خطاب ہوگا یا وحی عام کے ذریعہ بغیر کسی واسطہ کے ہوگا، یا مخلوق کے دلوں میں الہام کے ذریعہ سے ہوگا۔

سوال: اللہ تعالیٰ بیمار تو ہو نہیں سکتے پھر بندوں سے یہ کیوں کہیں گے تم نے میری عیادت نہیں کی؟

جواب: اللہ تعالیٰ بندہ کی بیماری کی نسبت اپنی ذات کی طرف فرمائیں گے، اس میں بندہ کے شرف وکمال کا اظہار ہوگا، بندہ کو اپنی ذات کے منزلہ میں اتار کر سوال کرے گا حاصل کلام یہ ہے کہ جس نے مریض کی عیادت کی اس نے گویا اللہ تعالیٰ کی زیارت کی۔

لوجدتنی عندہ: یعنی اگر تم بیمار کی عیادت کو جاتے تو میری رضا کو اسکے پاس پاتے۔ اللہ تعالیٰ نے مریض کی عیادت کرنے والے کے حوالہ سے یوں فرمایا کہ اگر تو عیادت کرتا تو مجھ کو اس کے پاس پاتا۔ جبکہ کھانا کھلانے اور پانی پلانے کے حق میں یوں فرمایا کہ

اس کا ثواب میرے پاس پاتا، دونوں اسلوب میں باریک فرق ہے جو اس بات کی طرف مشیر ہے کہ بیمار کی عیادت کرنا غریب کو کھانا کھلانا اور پانی پانی پلانے سے افضل عمل ہے۔ (مستفاد مرقات: ۳/۳۴۹)

حدیث نمبر ۱۴۴۸ ﴿بیماری سے گناہ دھل جاتے ہیں﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۵۲۹

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِيَّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ عَلٰى اَعْرَابِيٍّ يَعُوْدُهٗ وَكَانَ إِذَا دَخَلَ عَلٰى مَرِيْضٍ يَعُوْدُهٗ قَالَ لَا بَأْسَ طَهُوْرٌ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ تَعَالٰى فَقَالَ لَهٗ لَا بَاْسَ طَهُوْرٌ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ تَعَالٰى قَالَ كَلَّا بَلْ حُمّٰى تَفُوْرُ عَلٰى شَيْخٍ كَبِيْرٍ تُزِيْرُهُ الْقُبُوْرَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَنَعَمْ إِذَنْ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ .

حوالہ: بخاری: ص ۸۴۵ ج ۲ / باب مایقال للمریض ومایجب، کتاب المرض. حدیث ۵۶۶۲۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت نبی کریم ﷺ ایک اعرابی کی عیادت کے لئے اس کے پاس تشریف لے گئے آپ ﷺ کا یہ معمول تھا کہ جب کسی بیمار کے پاس اس کی مزاج پرسی کے لئے تشریف لے جاتے تو فرماتے "لاباس الخ" فکر کی کوئی بات نہیں. یہ بیماری تمہارے گناہوں کو دھوڈالے گی، انشاء اللہ تعالیٰ وہ اعرابی بولا ہرگز نہیں یہ بخار ہے جو بوڑھے آدمی پر جوش مار رہا ہے. اور اس کو قبرستان پہنچا کر رہیگا، آپ ﷺ نے فرمایا اچھا تو اسی طرح ہوگا۔

خلاصۂ حدیث اس حدیث سے چند باتیں معلوم ہوتی ہیں، (۱) ہر طرح کے لوگوں کی عیادت کرنا چاہئے، غریب کمزور اور دیہاتیوں کو غیر الفہم سمجھ کر ان کی عیادت سے باز رہنا اچھے اخلاق کی علامت نہیں ہے، اس بیمار کو تسلی دینا چاہیے۔ اس کو بیماری کی عظیم نعمت یعنی گناہوں کا زائل ہونا یاد دلانا چاہیے، تاکہ بیماری پر اللہ کی شکر گزاری کی توفیق نصیب ہو۔ (۳) بیمار کو صبر واستقامت سے کام لینا چاہیے، مرض کی شدت سے گھبرا کر اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہونا چاہئے۔

کلمات حدیث کی تشریح **لاباس طهور** عیادت کرنے والے کو مریض کے پاس جا کر ایسی بات نہ کرنا چاہئے جن سے اس کی دل شکنی ہو آپ ﷺ بھی مریض کی دلداری کیلئے فرماتے تھے کہ فکر کی بات نہیں مرض تو تمہارے گناہوں کو زائل کرنے والا ہے، جب آپ ﷺ شدید بخار میں مبتلا تھے، تو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کی مزاج پرسی کیلئے تشریف لائے اور انھوں نے عرض کیا: "انك لتوعك وعكا شديدا" مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ کو تو عادۃً بہت شدید بخار ہوتا ہے، لہٰذا یہ کوئی خدشہ کی بات نہیں ہے، پھر آگے فرمایا کہ "وذلك ان لك اجرين" اور اس شدید بخار کی وجہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو دوگنا ثواب دینے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا" **أجل ومامن مسلم يصيبه أذى إلاحاتت عنه خطاياه كما تحات ورق الشجر**" ہاں جس مسلمان کو کوئی تکلیف پہنچے۔ اس کے گناہ اس طرح جھڑ جاتے ہیں جیسے موسم خزاں میں درخت کے پتے جھڑ جاتے ہیں۔ (بخاری)

كلا بل حمى آپ ﷺ نے اعرابی سے تسلی کے کلمات کہے، لیکن اس نے آپ ﷺ کی بات کی ناقدری کی، اپنی صحت سے مایوس ہو کر اور مرض سے گھبرا کر اپنے مرض کے سلسلہ میں یوں کہا کہ اس سے شفاء یابی ممکن نہیں، اب تو ہمیں قبرستان ہی جانا ہے، اعرابی کی بات پر آپ ﷺ کو غصہ آ گیا۔ چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا ٹھیک ہے تو قبرستان جانا چاہتا ہے اور صحت نہیں چاہتا تو اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ یہی معاملہ فرمائیں گے اور بیماری تمہاری موت کا سبب بنے گی۔

حدیث نمبر ۱۴۴۹ ﴿آپ ﷺ کی عیادت فرمانے کا طریقہ﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۵۳۰

وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا اشْتَكٰى مِنَّا اِنْسَانٌ مَسَحَهٗ بِيَمِيْنِهٖ ثُمَّ قَالَ اَذْهِبِ الْبَاسَ رَبَّ النَّاسِ وَاشْفِ اَنْتَ الشَّافِيْ لَا شِفَآءَ اِلَّا شِفَآءُكَ شِفَاءً لَّا يُغَادِرُ سَقَمًا.

حوالہ: بخاری ۲/۸۴۷باب دعاء العائد للمریض، کتاب المرضیٰ، حدیث ۵۶۷۵، مسلم ۲/۲۲۲باب الاستحباب رقیة المریض کتاب السلام، حدیث ۲۱۹۱۔

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ جب ہم میں سے کوئی بیمار ہوتا تو رسول اللہ ﷺ اس پر اپنے دائیں ہاتھ پھیرتے، اور فرماتے کہ" اذھب الباس الخ اے تمام لوگوں کے رب الوگوں کی بیماری کو دور کر دے، شفاء عطا فرمادے، تیرے علاوہ کوئی شفاء دینے والا نہیں ہے، تو ہی شفاء دینے والا ہے، ایسی شفاء دے کہ کوئی بیماری نہ رہے۔

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ بیمار کی مزاج پرسی کرنے والے کے لئے، اسی طرح اس شخص کیلئے جس کی خدمت میں مریض لایا جائے مستحب ہے، کہ مریض کے حق میں مرض سے شفایابی کی دعا کرے، آپ ﷺ کا بھی یہی معمول تھا کہ مریض کے حق میں اللہ تعالیٰ سے مرض سے بہت ہی جلد جامع الفاظ میں دعا مانگتے تھے۔

کلمات حدیث کی تشریح شفاء لا یغادر سقما اے اللہ مریض کو ایسی شفاء عطا فرمادے کوئی مرض باقی نہ رہے، بسا اوقات آدمی کو ایک بیماری سے شفا مل جاتی ہے لیکن اسکے بعد دوسرے بیماری کا شکار ہو جاتا ہے، اس بناء پر آپ ﷺ صرف موجودہ بیماری سے شفاء یابی کیلئے دعا نہیں فرماتے تھے۔ بلکہ مطلقا ہر طرح کی بیماری سے شفاء کی دعاء فرماتے تھے۔ (فتح الباری)

اشکال: مرض سے گناہ زائل ہوتے اور اس سے اخروی ثواب بڑھتا ہے، لہٰذا مرض تو مومن کے حق میں رحمت خداوندی ہے، اس سے شفایابی کی دعاء کیوں کی جاتی ہے؟

جواب: دعاء ایک عظیم عبادت ہے، اور یہ گناہوں کے زائل ہونے اور اخروی ثواب میں اضافہ ہونے کے منافی نہیں ہے۔ نیز مرض گناہوں کے زوال کا سبب ہے، لیکن اس کے لئے مرض کا ہمیشہ ہمیشہ باقی رہنا ضروری نہیں ہے، لہٰذا مریض کے لئے دعاء کرنا مرض کے نعمت ہونے کے منافی نہیں ہے۔ (فتح الباری: ص۱۲۲ ج:۱۰)

حدیث نمبر ۱۴۵ ﴿زخم کا علاج اور دعاء﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۵۲۱

وَعَنْهَا قَالَتْ كَانَ إِذَا اشْتَكَى الْإِنْسَانُ الشَّيْءَ مِنْهُ اَوْكَانَتْ بِهٖ قَرْحَةٌ اَوْ جُرْحٌ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِاِصْبَعِهٖ بِسْمِ اللّٰهِ تُرْبَةُ اَرْضِنَا بِرِيْقَةِ بَعْضِنَا لِيُشْفٰى سَقِيْمُنَا بِاِذْنِ رَبِّنَا مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ ، بِرِيْقَةِ بَعْضِنَا لِيُشْفٰى سَقِيْمُنَا بِاِذْنِ رَبِّنَا .

حوالہ: بخاری ۲/۸۵۵ باب رقیة النبی صلی اللہ علیہ وسلم، کتاب الطب، حدیث ۵۷۴۳، مسلم ۲/۲۲۳ باب استحباب الرقیة من العین، کتاب السلام، حدیث ۲۱۹۴۔

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جب کوئی انسان اپنی کوئی بیماری بیان کرتا ہے، یا اس کا کوئی پھوڑا یا زخم ہو جاتا ہے، تو نبی کریم ﷺ اپنی انگلی رکھ کر فرماتے "بسم اللہ قربة الخ" اللہ کے نام کیساتھ یہ ہماری ہی زمین کی مٹی، ہم سے کسی کے تھوک کے ساتھ، ہمارے پروردگار کے حکم سے ہمارے مریض کو شفاء دے گی (بخاری و مسلم)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ آپ ﷺ کے پاس کوئی زخمی یا کسی مرض میں مبتلا شخص آتا تو آپ ﷺ اس کا علاج یوں کرتے کہ اپنی شہادت کی انگلی پر اپنا مبارک لعاب دہن لگاتے، پھر اس انگلی کو زمین پر رکھ کر اس کو مٹی سے آلودہ کر لیتے، پھر اس انگلی کو مریض کے جائے مرض پر رکھ کر مذکورہ دعا پڑھتے جاتے، اور اپنی انگلی مریض پر پھیرتے جاتے، اس عمل اور دعا کی برکت سے مریض شفاء پا جاتا تھا۔

کلمات حدیث کی تشریح قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم باصبعہ آپ ﷺ مریض کے زخم یا درد والی جگہ پر انگلی رکھ کر مذکورہ عمل انجام دیتے تھے۔

سوال: آپ ﷺ کی زبان مبارک سے نکلنے والے کلمات اور زخم پر مٹی اور لعاب لگنے سے مرض کیسے ختم ہو جاتے تھا؟

جواب: آپ ﷺ کی زبان مبارک سے نکلنے والے کلمات اور آپ ﷺ کا عمل اسرار الٰہی میں سے تھے، لہٰذا اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اس کے اسرار کو پورے طور پر سمجھنے سے ہماری عقل قاصر ہے۔ لہٰذا اس بارے میں چون و چرا کی گنجائش نہیں ہے، البتہ بعض لوگوں نے احتمال کے درجہ میں بعض توجیہات ذکر کی ہیں. ان میں سے ایک یہ ہے کہ مٹی کی تاثیر ٹھنڈی ہوتی ہے اور یہ خشک بھی ہوتی ہے، اس وجہ سے اس کے ذریعہ سے زخم مندمل ہو جاتے ہیں۔ یہی خصوصیت لعاب میں بھی ہے کہ اس سے زخم سوکھ جاتا ہے۔ (عمدۃ القاری ص ۲۷۰ ج ۲۱،) امام طبری کہتے ہیں کہ ان طبعی توجیہات کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں ہے یہ اللہ تعالیٰ کے نام کی برکت ہے کہ مریض محض دم کرنے سے اپنے مرض میں افاقہ محسوس کرتا ہے (فتح الباری ص ۶۵۶ ج ۱۰) تربۃ ارضنا علامہ توربشتی فرماتے ہیں کہ اس سے فطرت انسانی کی طرف اشارہ ہے. اور "ریقۃ بعضنا" سے نطفہ کی طرف اشارہ ہے. گویا کہ زبان حال سے کہا جا رہا ہے کہ اے اللہ تو نے اس بندے کی اصل اول کو مٹی سے بنایا. پھر اس کا سلسلہ معمولی پانی سے جاری کیا. آپ کے لئے اس کو شفاء دینا کوئی مشکل کام نہیں ہے (عمدۃ القاری)

سوال: آپ ﷺ نے دم فرمایا تو کیا امت کے افراد دم کر سکتے ہیں اور کیا منتر اور دم کرنا جائز ہے؟

جواب: فی نفسہ دم کرنا اور منتر پڑھنا جائز ہے۔ جب کہ اس میں سحر اور کفر و شرک کے کلمات کی شمولیت ہرگز نہ ہو، اور جن کلمات کے معنی معلوم نہ ہوں ان سے بھی دم نہ کیا جائے، کیونکہ ممکن ہے کہ کفریہ کلمات ہوں، البتہ جن کلمات سے آپ ﷺ نے دم کیا ہے ان کے معنی معلوم نہ ہو پھر بھی دم کرنا درست ہے۔

حدیث نمبر ۱۴۵۱ ﴿معوذتین کے ذریعہ دم کرنے کا تذکرہ﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۵۳۲

وَعَنْهَا قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا اشْتَكَى نَفَثَ عَلَى نَفْسِهِ بِالْمُعَوِّذَاتِ وَمَسَحَ عَنْهُ بِيَدِهِ فَلَمَّا اشْتَكَى وَجَعَهُ الَّذِيْ تُوُفِّيَ فِيْهِ كُنْتُ اَنْفُثُ عَلَيْهِ بِالْمُعَوِّذَاتِ الَّتِيْ كَانَ يَنْفُثُ وَاَمْسَحُ بِيَدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَفِيْ رِوَايَةٍ لِمُسْلِمٍ قَالَتْ كَانَ إِذَا مَرِضَ اَحَدٌ مِّنْ اَهْلِ بَيْتِهِ نَفَثَ عَلَيْهِ بِالْمُعَوِّذَاتِ.

حوالہ: بخاری ص ۶۳۹ ج ۲۔ باب مرض النبی صلی اللہ علیہ وسلم ووفاتہ. کتاب المغازی. حدیث ۴۴۳۹. مسلم ص ۲۲۳ ج ۲. باب رقیۃ المریض بالمعوذات والنفث، کتاب السلام حدیث ۲۱۹۲۔

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ انھوں نے بیان کیا کہ جب نبی کریم ﷺ بیمار ہوتے تو معوذتین پڑھ کر اپنے اوپر دم فرماتے، اور اپنا ہاتھ اپنے اوپر پھیرتے. پھر جب اس مرض میں مبتلا ہوئے جس میں آپ ﷺ کی وفات ہوئی تو میں وہی معوذتین پڑھ کر آپ ﷺ پر دم کرتی تھی، جن کو پڑھ کر آپ ﷺ دم کیا کرتے تھے، میں نبی کریم ﷺ کے ہاتھوں کو آپ ﷺ کے جسم پر پھیرتی تھی (بخاری و مسلم) اور مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ جب آپ ﷺ کے گھر والوں میں سے کوئی بیمار ہوتا تو آپ ﷺ اس پر معوذتین پڑھ کر دم کیا کرتے تھے۔

خلاصۂ حدیث معوذتین یعنی قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس، دونوں سورتیں بہت ہی بابرکت اور باعث شفا ہیں، ان کو پڑھ کر دم کرنے سے مرض میں افاقہ ہوتا ہے. آپ ﷺ اپنے اور اپنے گھر والوں کے مریض ہونے کی صورت میں ان سورتوں کو پڑھ کر دم کیا کرتے تھے، ہزاروں دواؤں اور پچاسوں منتروں سے کہیں بڑھ کر یہ عمل ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح المعوذات مراد قل أعوذ برب الفلق اور قل أعوذ برب الناس ہیں۔
سوال: دونوں سورتوں پر جمع کا لفظ کیوں استعمال کیا گیا ہے؟
جواب: جمع کا صیغہ ان دونوں سورتوں کی مجموعی آیتوں کے اعتبار سے کیا گیا ہے۔ یا پھر اس وجہ سے کہ اقل جمع دو ہیں۔ یا پھر معوذات سے تین سورتیں مراد ہیں اور تیسری سورت قل ھو اللہ احد ہے۔ ان تینوں سورتوں پر معوذات کا اطلاق تغلیباً کیا گیا ہے، ومسح عنه بیده آپ ﷺ معوذات پڑھ کر پہلے اپنے ہاتھوں پر دم فرماتے پھر ہاتھوں کو پورے جسم پر پھیر لیتے تھے، وفي رواية لمسلم مسلم کی روایت میں صرف دم کرنے کا ذکر ہے، "مسح" کا ذکر نہیں ہے۔ چوں کہ دم کرنے سے ہاتھ پھیرنا خود سمجھ میں آتا ہے، اس لئے ممکن ہے کہ اس کا ذکر صراحتاً نہ کیا ہو۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ آپ ﷺ نے صرف دم کرنا کافی سمجھا ہو۔ اور ہاتھ نہ پھیرا ہو۔ (مرقات ص۳۵۲ ج۳)

حدیث نمبر ۱۴۵۲ ﴿جسم کا درد دور کرنے کی دعا﴾ عالمی حدیث ۱۵۳۳

وَعَنْ عُثْمَانَ بْنِ اَبِي الْعَاصِ اَنَّهٗ شَكٰى اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَجَعًا يَجِدُهٗ فِيْ جَسَدِهٖ فَقَالَ لَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ضَعْ يَدَكَ عَلَى الَّذِيْ يَاْلَمُ مِنْ جَسَدِكَ وَقُلْ بِسْمِ اللّٰهِ ثَلٰثًا وَقُلْ سَبْعَ مَرَّاتٍ اَعُوْذُ بِعِزَّةِ اللّٰهِ وَقُدْرَتِهٖ مِنْ شَرِّ مَا اَجِدُ وَاُحَاذِرُ قَالَ فَفَعَلْتُ فَاَذْهَبَ اللّٰهُ مَا كَانَ بِيْ رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

حوالہ: مسلم ص۲۲۴ ج۲. باب استحباب وضع يده على موضع الالم مع الدعاء، کتاب السلام حدیث ۲۲۰۲۔

ترجمہ: حضرت عثمان بن ابوالعاص ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے اس درد کا ذکر کیا جو ان کے جسم میں ہوا کرتا تھا، تو ان سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تمہارے جسم کے جس حصہ میں درد ہے وہاں اپنا ہاتھ رکھو اور یہ دعا پڑھو، تین مرتبہ بسم اللہ کہو۔ اور سات مرتبہ یہ کلمات پڑھو "اعوذ بعزة الله الخ" میں اللہ کی عزت اور اس کی قدرت کی پناہ لیتا ہوں اس درد کے شر سے جو مجھے محسوس ہو رہا ہے اور جس سے مجھے خطرہ لگ رہا ہے۔ حضرت عثمان کہتے ہیں کہ میں نے ایسا ہی کیا، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے میرے مرض کو دور کر دیا۔ (مسلم)

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ اگر جسم میں درد یا تکلیف محسوس ہو رہی ہے تو مذکورہ عمل کیا جائے، اس کے کرنے سے تکلیف دور ہو جائیگی، آپ ﷺ کے بتانے سے صحابی رسول نے اس نسخہ پر عمل کیا۔ چنانچہ وہ شفایاب ہو گئے۔ احادیث رسول ﷺ میں جس طرح ہمارے روحانی امراض کا علاج موجود ہے اسی طرح ہمارے جسمانی امراض کا بھی علاج ہے۔ لیکن افسوس کہ ہم اس علاج پر توجہ نہیں دیتے ہیں اور در در کی خاک چھانتے پھرتے ہیں۔

کلمات حدیث کی تشریح واحاذر آپ ﷺ نے جو نسخہ عطا کیا وہ نہ صرف موجودہ مرض کا تھا، بلکہ آئندہ لاحق ہونے والے امراض اور خوف اور غم سب کا علاج اس میں پوشیدہ تھا۔ یعنی ان کلمات کے پڑھنے کی برکت سے جو امراض پیش آسکتے ہیں ان سے بھی حفاظت ہو جاتی ہے۔

حدیث نمبر ۱۴۵۳ ﴿حضرت جبرائیل کا عیادت فرمانا﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۵۴۳

وَعَنْ اَبِيْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ اَنَّ جِبْرَئِيْلَ اَتَى النَّبِيَّ ﷺ فَقَالَ يَا مُحَمَّدُ اشْتَكَيْتَ فَقَالَ نَعَمْ قَالَ بِسْمِ اللّٰهِ اَرْقِيْكَ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ يُّؤْذِيْكَ مِنْ شَرِّ كُلِّ نَفْسٍ اَوْ عَيْنٍ حَاسِدٍ اَللّٰهُ يَشْفِيْكَ بِسْمِ اللّٰهِ اَرْقِيْكَ رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

حوالہ: مسلم ص۲۱۹ ج۲. باب الطب والمرض والرقى، کتاب السلام. حدیث ۲۱۸۶۔

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری ؓ سے روایت ہے کہ جبرائیل امین حضرت نبی کریم ﷺ کے پاس تشریف لائے اور انھوں نے کہا کہ اے محمد کیا آپ ﷺ بیمار ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں میں بیمار ہوں۔ حضرت جبرائیل نے کہا کہ بسم اللہ الخ اللہ کے نام سے میں آپ ﷺ پر دم کرتا ہوں۔ ہر اس چیز سے جو آپ ﷺ کو تکلیف دے رہی ہے۔ ہر نفس کے شر سے یا حسد کرنے والی آنکھ کے شر سے۔ اللہ

آپ ﷺ کو شفاء دے، میں اللہ کے نام سے آپ ﷺ پر دم کرتا ہوں۔ (مسلم)

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ بیمار کی مزاج پرسی کرنا چاہئے۔ اور اگر مریض کے مرض کا علاج معلوم ہے تو حتی الامکان اس مرض کو دور کرنے میں تعاون کرنا چاہئے۔ دم کرنا آتا ہے تو پاکیزہ کلمات پڑھ کر دم بھی کرنا چاہئے۔

کلمات حدیث کی تشریح بسم اللہ ارقیک حضرت جبرائیل نے آپ ﷺ پر دم کیا، دم کے کلمات کے شروع و آخر دونوں میں بسم اللہ پڑھا۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ شفاء دینے والی ذات صرف اور صرف اللہ کی ہے، یہ دم وغیرہ صرف سبب کے درجہ میں ہے۔

حدیث نمبر ۱۴۵۴ ﴿حسنینؓ کے لئے آپؐ کا استعاذہ﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۵۳۵

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُعَوِّذُ الْحَسَنَ وَالْحُسَيْنَ أُعِيْذُكُمَا بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّةِ مِنْ شَرِّ كُلِّ شَيْطَانٍ وَّهَامَّةٍ وَّمِنْ كُلِّ عَيْنٍ لَامَّةٍ وَّيَقُوْلُ إِنَّ أَبَاكُمَا كَانَ يُعَوِّذُ بِهَا إِسْمٰعِيْلَ وَإِسْحٰقَ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ وَفِيْ أَكْثَرِ نُسَخِ الْمَصَابِيْحِ بِهِمَا عَلَى لَفْظِ التَّثْنِيَةِ۔

حوالہ: بخاری ص ۴۷۷ ج ۱، باب یزفون النسلان فی المشی کتاب الانبیاء حدیث ۳۳۷۱۔

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حسنؓ اور حسینؓ کو اللہ کی پناہ میں دیتے ہوئے یہ کلمات پڑھے۔ "اعیذ کما" میں تم دونوں کو اللہ کے کلمات تامہ کے ساتھ پناہ میں دیتا ہوں، ہر شیطان، ہر زہریلے جانور اور ضرر رساں نظر سے، اور آپؐ فرماتے تمہارے باپ (حضرت ابراہیمؑ) ان کلمات کے ذریعہ حضرت اسماعیلؑ اور حضرت اسحاقؑ کو اللہ تعالیٰ کی پناہ میں دیتے تھے۔ (بخاری) اور مصابیح کے اکثر نسخوں میں بھما تثنیہ کی ضمیر کے ساتھ آیا ہے۔

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ حضرات انبیاء کرام کی اولادیں بھی نظر بد سے متاثر ہوتی ہیں، اسی وجہ سے خود نبی کریم ﷺ اور ان کے جد امجد حضرت ابراہیمؑ کا یہ معمول رہا کہ اپنی اولادوں پر دم کرتے تھے۔ اور ان کو اللہ کی پناہ میں دیتے تھے تا کہ وہ ہر ضرر رساں شی کے اثرات بد سے محفوظ رہیں۔

کلمات حدیث کی تشریح بکلمات اللہ التامۃ، اس سے مراد اللہ تعالیٰ کے اسماءِ حسنیٰ اور اس کی نازل کردہ کتابیں۔ اللہ تعالیٰ کے کلمات کے ذریعہ پناہ طلب کرنا عوارض اور نقائص کے خاتمہ کے لئے بہت مؤثر ہیں۔ انسان کے کلام میں نقص و خطاء کا امکان ہے، جبکہ اللہ تعالیٰ کے کلمات بے عیب ہیں کل شیطان انسانوں اور جناتوں دونوں قبیل کے شیطانوں کے شر سے پناہ مطلوب ہے۔ ھامۃ وہ زہریلا جانور مراد ہے جس کے کاٹنے سے عموماً آدمی مرجاتا ہے، جیسے سانپ وغیرہ، اور "ھامۃ" کا اطلاق ان جانوروں پر بھی ہوتا ہے جو زہردار نہیں ہوتے یعنی ان کے کاٹنے سے آدمی مرتا نہیں ہے جیسے بچھو۔ بھما اس جز کا مطلب یہ ہے کہ تثنیہ ضمیر کا مرجع ان دونوں جملوں کو قرار دیا جائے، من شر کل شیطان وھامۃ اور من کل عین لامۃ" مگر اس میں بے جا تکلف ہے، درست یہی ہے کہ ضمیر مفرد "بھا" تلفظ کیا جائے۔

حدیث نمبر ۱۴۵۵ ﴿تکلیف بھی اللہ کی رحمت ہے﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۵۳۶

وَعَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ بِهٖ خَيْرًا يُّصِبْ مِنْهُ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ.

حوالہ: بخاری ص ۸۴۳ ج ۲، باب ماجاء فی کفارۃ المرض. کتاب المرض. حدیث ۵۶۴۵۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ "جس شخص کو اللہ تعالیٰ بھلائی پہنچانا چاہتا ہے اس کو کسی مصیبت میں مبتلا کر دیتا ہے۔ (بخاری)

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ مؤمن بندہ کے مرتبے بلند کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ بھی کبھار اس کو کسی تکلیف میں مبتلاء کردیتے ہیں. وہ اس مصیبت پر جزع فزع نہیں کرتا ہے. بلکہ تقدیر پر راضی رہتے ہوئے صبر شکر سے کام لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں اس کے لئے بھلائیاں مقدر فرمادیتے ہیں اور اخروی اعتبار سے اس کے درجات بہت بلند فرمادیتے ہیں۔

کلمات حدیث کی تشریح من یرد اللّٰہ به خیرا یصب منه اللہ تعالیٰ مومن بندہ کو اس لئے مصیبت میں مبتلا کرتا ہے تا کہ گناہ معاف ہوں، اور درجات بلند ہوں، اس دنیا میں سب سے زیادہ تکالیف میں حضرات انبیاء کرام رہے ہیں، آپ ﷺ کا فرمان ہے "اشد الناس بلاءً الأنبياء ثم الامثل فالامثل" انبیاء کرام اور اسلاف نے ہر مصیبت پر صبر سے کام لیا، لہٰذا ان کے درجات بلند ہوتے رہے۔

مصیبت کی اقسام

انسان کو جو بھی تکالیف و پریشانی پہنچتی ہیں ان کی دو قسمیں ہیں. (۱) جن کے ذریعہ بندہ کے درجات بلند ہوتے ہیں اور اس کے اجر و ثواب میں اضافہ ہوتا ہے۔ پریشانیاں درحقیقت اللہ کی رحمت ہے (۲) وہ پریشانیاں فی الواقع اللہ کی جانب سے عذاب کی شکل میں آتی ہیں، گناہوں کی اصل سزا تو اللہ تعالیٰ آخرت میں دیں گے، لیکن کبھی کبھی دنیا میں کچھ عذاب کا مزہ اللہ تعالیٰ چکھادیتے ہیں. جیسے کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے" ولنذيقنهم من العذاب الادنى دون العذاب الاكبر الخ "یعنی آخرت میں جو بڑا عذاب آنے والا ہے، ہم اس سے پہلے دنیا میں تھوڑا سا عذاب چکھادیتے ہیں، تا کہ یہ لوگ اپنی بداعمالیوں سے باز آجائیں۔

﴿مصیبت کے اقسام میں فرق جاننے کا طریقہ﴾

کسی انسان کو کوئی تکلیف پہنچتی. اب وہ یہ کیسے جانے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے یا عذاب ہے، اس کو علامات سے جانا جائیگا، کیوں کہ دونوں کی علامات الگ الگ ہیں، اگر مصیبت پر بندہ صبر کرتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتا ہے تو یہ اللہ کی رحمت ہے اور اگر جزع فزع کرتا ہے. تقدیر سے شکوہ کرتا ہے. اور اللہ کی طرف رجوع ہونے کو اہم نہیں سمجھتا ہے تو یہ عذاب و سزا ہے۔

حدیث نمبر ۱۴۵۶ ﴿مرض گناهوں کا کفارہ هے﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۵۳۷

وَعَنْهُ وَعَنْ اَبِيْ سَعِيْدِنِ الْخُدْرِيِّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا يُصِيْبُ الْمُسْلِمَ مِنْ نَّصَبٍ وَّلَا وَصَبٍ وَّلَا هَمٍّ وَّلَاحُزْنٍ وَّلَا اَذًى وَّلَا غَمٍّ حَتَّى الشَّوْكَةِ يُشَارِكُهَا اِلَّا كَفَّرَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ خَطَايَاهُ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

حوالہ: بخاری ص ۸۴۳ ج ۲. باب فی كفارة المرضیٰ حدیث ۶۱ _ ۵۶۴۱. مسلم ص ۳۱۹ ج ۲. باب ثواب المؤمن فيما يصيبه، كتاب البر والصلة، حدیث ۲۵۷۱۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ "مسلمان پر جب کوئی تکلیف، رنج، پریشانی، صدمہ، ایذا اور غم پہنچے، حتی کہ اگر کانٹا بھی چبھے تو ہر بات کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اس کے گناہ معاف کرتے ہیں

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ بندۂ مومن کو جو بھی تکلیف پہنچتی ہے اور اس کو جو بھی زحمت برداشت کرنا پڑتی ہے، چاہے وہ چھوٹی ہو یا بڑی، اس پر صبر کرنے کی وجہ سے نہ اس کو صرف ثواب ملتا ہے، بلکہ اس کی وجہ سے اس کے گناہ مٹادیئے جاتے ہیں۔

کلمات حدیث کی تشریح مايصيب المسلم اللہ تعالیٰ اپنے محبوب بندوں کو بسا اوقات تکالیف سے دوچار کرتے ہیں، ایک موقع پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ إذا أحب الله عبدًا صب عليه البلاء صبًا جب اللہ کسی بندہ سے محبت کرتے ہیں تو اس پر مختلف قسم کی آزمائش اور تکالیف بھیجتے ہیں، وہ آزمائش اور تکالیف بارش کی طرح بندہ پر برستی ہیں، بعض

روایات میں آتا ہے کہ فرشتے اللہ تعالیٰ سے دریافت کرتے ہیں کہ اے اللہ یہ آپ کا محبوب بندہ ہے، پھر اس پر اتنی مصیبتیں کیوں؟، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ بندہ کو اسی حال میں رہنے دو، کیوں کہ اس کی آہ وبکا مجھے پسند ہے۔

تکلیف کے موقع پر کیا کیا جائے؟ جب کوئی تکلیف پہنچے تو اللہ کی طرف رجوع کرنا چاہئے۔نہ تو بہت زیادہ بہادری کا اظہار کیا جائے، اور نہ ہی تو تقدیر پر شکوہ شکایت کیا جائے، حضرت ایوبؑ کو جب بیماری پہنچی تو انہوں نے نہایت عاجزی کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے دعا کی "رب إني مسني الضر وانت ارحم الراحمين" اے اللہ مجھے یہ تکلیف لاحق ہے آپ ارحم الراحمین ہیں، میری تکلیف کو دور فرما دیجئے۔

تکلیف میں آپ ﷺ کا اسوۂ حسنہ آپ ﷺ کو مرض الوفات کے موقع پر سخت تکلیف لاحق تھی، آپ ﷺ اپنا دست مبارک پانی میں بھگوتے اور ملتے تھے۔اور اپنی تکلیف کا اظہار فرماتے تھے، آپ ﷺ کی تکلیف دیکھ کر آپ ﷺ کی بیٹی حضرت فاطمہؓ نے کہا کہ "واکرباہ" میرے والد کو کتنی تکلیف ہو رہی ہے، جواب میں آپ نے فرمایا کہ "لا كرب أبيك بعد اليوم" آج کے بعد تیرے باپ پر کوئی تکلیف نہیں رہے گی، آپ ﷺ نے تکلیف کا اظہار ضرور کیا، شکوہ شکایت نہیں کیا، اور اگلی منزل کی راحت وچین کی طرف اشارہ بھی کر دیا، مرض میں مبتلا شخص کو یہی طریقہ اختیار کرنا چاہئے نصب، نصب کے معنی تھکن، حضرت موسیٰؑ نے حضرت خضرؑ کی تلاش میں آگے نکل جانے کے موقع پر کہا تھا "لقد لقينا من سفرنا هذا نصبا"۔

صب: مرض کے معنی میں ہے۔بعض لوگ کہتے ہیں کہ وصب مرض لازم کے لئے مستعمل ہے، یعنی ایسا مرض جو ختم ہی نہ ہو، ھم کسی نقصان یا حادثہ کے پیش آنے سے پہلے اس نقصان یا حادثہ کو سوچ کر جو پریشانی لاحق ہوتی ہے اس کو ھم کہتے ہیں، غم کسی بھی ناگوار واقعہ کے پیش آنے سے انسان کے دل کو جو تکلیف پہنچتی ہے اس کو غم کہتے ہیں، يشار کھا حافظ ابن حجرؒ کہتے ہیں کہ جب کوئی دوسرا شخص کانٹا چبھائے تب گناہ معاف ہوں گے، لیکن حدیث کے الفاظ عام ہیں، کوئی دوسرا چبھائے یا خود چبھے دونوں شکلوں میں گناہ معاف ہوں گے، الا كفر الله من خطاياه شیخ عزالدین بن عبدالسلام کہتے ہیں کہ اجر وثواب کا تعلق انسان کے اپنے کسب سے ہے، لہٰذا مصائب اور تکالیف کا اس میں دخل نہیں ہے، البتہ مصیبت پہنچنے پر اگر بندہ صبر کرے گا تو ثواب ملے گا، لیکن دیگر علما نے اس قول کی تردید کی ہے اور کہا ہے کہ بندۂ مومن پر پہنچنے والی مصیبتوں پر مطلقاً ثواب ہے۔اور حدیث کے کلمات سے بھی یہی مطلب سمجھ میں آتا ہے۔(ان مباحث کے لئے فتح الباری ج ۱۰ اور مرقات ۴ کی طرف رجوع کریں)

حدیث نمبر ۱۴۵۷ ﴿حضور ﷺ کی بیماری کا تذکرہ﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۵۳۸

وَعَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ دَخَلْتُ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يُوْعَكُ فَمَسَسْتُهُ بِيَدِيْ فَقُلْتُ يَارَسُوْلَ اللهِ اِنَّكَ لَتُوْعَكُ وَعْكًا شَدِيْدًا فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَجَلْ اِنِّيْ اُوْعَكُ كَمَا يُوْعَكُ رَجُلَانِ مِنْكُمْ قَالَ فَقُلْتُ ذٰلِكَ لِاَنَّ لَكَ اَجْرَيْنِ فَقَالَ اَجَلْ ثُمَّ قَالَ مَا مِنْ مُسْلِمٍ يُصِيْبُهُ اَذًى مِنْ مَرَضٍ فَمَا سِوَاهُ اِلَّا حَطَّ اللهُ بِهٖ سَيِّئَاتِهٖ كَمَا تَحُطُّ الشَّجَرَةُ وَرَقَهَا.

حوالہ: بخاری ۲/۸۴۳ باب اشد الناس بلاء الأنبياء كتاب المرضى. حدیث ۵۶۴۸ مسلم ۲/۳۱۸ باب ثواب المؤمن فيما يصيبه من مرضى، كتاب البر والصلة والأدب. حدیث ۲۵۷۱۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ میں آپ ﷺ کے پاس حاضر ہوا، اس وقت آپ ﷺ کو سخت بخار تھا، میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! آپ ﷺ کو تو بہت سخت بخار رہتا ہے۔آپ ﷺ نے فرمایا ہاں مجھ اکیلے کو تم میں سے دو شخصوں کے برابر بخار آیا کرتا ہے۔حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ میں نے کہا کہ یہ اس لئے ہے کہ تا کہ آپ ﷺ کو دوگنا ثواب ملے، آپ

ﷺ نے فرمایا ہاں ایسا ہی ہے. پھر آپ ﷺ نے فرمایا جس مسلمان کو بھی بیماری یا اسکے علاوہ کسی بھی وجہ سے کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو اس کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ گناہوں کو ایسے دور کرتے ہیں جیسے درخت اپنے پتے جھاڑ دیتا ہے (بخاری ومسلم)

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل بھی یہی ہے کہ جو بھی تکلیف بندہ مومن کو پہنچتی ہے، وہ اس کیلئے خیر ہی کا سبب بنتی ہے، اس کے ذریعہ نہ صرف بندہ کو اجر وثواب ملتا ہے، بلکہ اس کی خطاؤں کو بھی ختم کر دیا جاتا ہے **(فالحمد للّٰه علی ذالك)**

کلمات حدیث کی تشریح بان لك اجرین حضرت ابن مسعودؓ کے سوال کا مقصد یہ تھا کہ کیا آپ ﷺ کے تیز بخار کی بنا پر آپ ﷺ کو دہرا اجر ملے گا آپ ﷺ نے فرمایا ہاں. لیکن آخری کلمات جو آپ ﷺ نے فرمائے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اجر نہیں ملے گا، بلکہ گناہ معاف ہوں گے. بظاہر دونوں باتوں میں تطبیق نہیں ہے. اصل بات یہ ہے کہ آپ ﷺ نے ''اجل'' فرما کر اولاً عبداللہ ابن مسعودؓ کی بات کی تصدیق فرمائی، کہ ہاں بخار کی شدت کی وجہ سے دوہرا اجر ملے گا. اس کے بعد ایک نئی بات مزید فرمائی کہ تکلیف ورنج کے ذریعہ سے گناہ بھی معاف ہوتے ہیں. ابوداؤد نے ایک حدیث نقل کی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ کبھی کبھی بندہ نیک اعمال کی بنا پر بلند مرتبہ تک نہیں پہنچ پاتا ہے. تو اللہ تعالیٰ اس کو کسی مصیبت میں مبتلا کر دیتے ہیں. وہ اس آزمائش پر صبر کرتا ہے. چنانچہ بلند مقام پر پہنچ جاتا ہے. حدیث کے کلمات یہ ہیں ''**ان العبد إذا سبقت له منزلة لم يبلغها بعمله ابتلاء الله فى جسده أوفى ماله أوفى ولده ثم صبر على ذلك حتى يبلغه المنز لة التى سبقت له من الله تعالىٰ**'' (**ابو داؤد، کتاب الجنائز ۲/۱۸۳**) مومن جس مرض میں مبتلا ہو، اس میں بھی اس کے لئے خیر ہوتی ہے، اس کو بیان کرتے ہوئے حضور ﷺ نے ایک موقع پر فرمایا کہ ''**عجبًا لأمر المومن، ان امر كله خير، وليس ذلك لاحد ، للمومن إن أصابته سراء فشكر الله فله أجر، وإن أصابته ضراء فصبر فله أجر ، فكل قضاء الله للمسلم خير**'' (مسلم)

حدیث نمبر ۱۴۵۸ ﴿حضور ﷺ کے مرض کی شدت کا تذکرہ﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۵۳۹

وَعَنْ عَآئِشَةَ قَالَتْ مَا رَاَيْتُ اَحَدًا اَلْوَجَعُ عَلَيْهِ اَشَدُّ مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حوالہ: بخاری ص ۸۴۳ ج ۲۔ باب شدت المرض. حدیث ۵۶۴۶. مسلم ص ۳۱۸، ج ۲۔ باب ثواب المومن فيما يصيبه كتاب البر والصلة والادب، حدیث ۲۵۷۰۔

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ میں نے بیماری کی سختی اتنی کسی پر نہیں دیکھی، جتنی کہ آپ ﷺ پر ہوئی تھی (بخاری ومسلم)

خلاصۂ حدیث سب سے زیادہ مشکلات کا شکار حضرات انبیاء کرام ہوتے ہیں، جیسا کہ آپ ﷺ کا فرمان ہے کہ ''اشد الناس بلاء الانبیاء'' اور چونکہ آپ ﷺ نبیوں کے سردار ہیں، اس لیے آپ ﷺ کو تمام نبیوں سے زیادہ مشکلات کا سامنا کرنا پڑا. بیماری اور تکالیف بھی مشکلات کا ایک حصہ ہیں، اور یہ بھی تقرب الی اللہ کا ذریعہ ہیں. لہٰذا اس حوالہ سے بھی آپ ﷺ ممتاز ہیں. اس بات کو حضرت عائشہؓ نے حدیث باب میں ذکر کیا ہے کہ آپ ﷺ پر بیماری کی سختی بھی بہت زیادہ ہوا کرتی تھی۔

کلمات حدیث کی تشریح الوجع عرب میں ہر درد اور وجع کو مرض کہتے ہیں، الوجع مبتدا ہے اور اشد اس کی خبر ہے، اور پورا جملہ مارایت کے لئے مفعول ہے، مرقات ص ۳۵۲ ج ۳۔

حدیث نمبر ۱۴۵۹ ﴿موت کی سختی کا تذکرہ﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۵۴۰

وَعَنْهَا قَالَتْ مَاتَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَ حَاقِنَتِيْ و ذا قنتى فَلَا اَكْرَهُ شِدَّةَ الْمَوْتِ لِاَحَدٍ اَبَدًا بَعْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ.

حوالہ: بخاری ص ج ا. باب مرض الی صلی اللہ علیہ وسلم ووفاتہ ، کتاب المغازی، حدیث ۴۴۴۶۔

حل لغات: حاقنتی حاقن کی تانیث ہے، دونوں ہنسلیوں کا درمیانی گڑھا، ذاقنتی ذاقن کی تانیث ہے، ٹھوڑی کے نیچے کا حصہ، ٹیڈ ج ذواقن آتی ہے۔

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے میرے حلق اور میرے سینہ کے درمیان وفات پائی اور نبی کریم ﷺ کے بعد میں نے کبھی بھی کسی موت کی سختی کو برا نہیں سمجھا۔ (بخاری)

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ آپ ﷺ کی وفات جب ہوئی، اس وقت آپ ﷺ کو بہت شدید تکالیف لاحق ہوئیں اور آپ ﷺ کو موت کی سختی سے دوچار ہونا پڑا. یہ سب اس وجہ سے ہوا تا کہ آپ ﷺ کے مراتب مزید بلند ہو جائیں، معلوم ہوا کہ موت کی سختی کا مطلب برا خاتمہ نہیں ہے، اسی طرح آسان موت حسین خاتمہ کی دلیل نہیں ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح مات النبی صلی اللہ علیہ وسلم بین حاقنتی و ذاقنتی حضرت عائشہؓ کے فرمان کا مقصد یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ دنیا سے اس حالت میں رخصت ہوئے کہ آپ ﷺ میرے سینہ سے ٹیک لگائے ہوئے تھے لہٰذا آپ ﷺ پر موت کی جو سختی طاری ہوئی اس سے میں بخوبی واقف ہوں۔ فلا اکرہ شدۃ الموت. مطلب یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کی وفات سے قبل یہ سمجھتی تھیں کہ موت کی سختی گناہوں کی وجہ سے ہوتی ہے، لیکن جب موت کی وجہ سے آپ ﷺ کی کیفیت کو دیکھا تو سمجھ لیا کہ کبھی کبھی موت کی سختی رفع درجات کے لئے ہوتی ہے جیسا کہ آپ ﷺ کے حق میں ہوا ہے، اور موت کی آسانی کا تعلق کرامات سے نہیں ہے، ورنہ آپ ﷺ اس کے سب سے زیادہ مستحق تھے (مرقات ص ۳۵۶ ج ۳)

حدیث نمبر ۱۴۶۰ ﴿موت کے حوالہ سے مومن و منافق میں فرق﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۵۴۱

وَعَنْ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَثَلُ الْمُؤْمِنِ كَمَثَلِ الْخَامَةِ مِنَ الزَّرْعِ تَفِيْئُهَا الرِّيْحُ تَصْرَعُهَا مَرَّةً وَّتَعْدِلُهَا أُخْرٰى حَتّٰى يَأْتِيَهُ اَجَلُهُ وَمَثَلُ الْمُنَافِقِ كَمَثَلِ الْاَرْزَةِ الْمُجْذِيَةِ الَّتِىْ لَا يُصِيْبُهَا شَىْءٌ حَتّٰى يَكُوْنَ انْجِعَافُهَا مَرَّةً وَّاحِدَةً مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ .

حوالہ: بخاری ص ۸۴۳ ج ۲۔ باب ماجاء فی کفارۃ المرض ، کتاب المرض، حدیث ۵۶۴۳، مسلم ص ۳۷۵ ج ۲۔ باب مثل المومن کالزرع، کتاب صفات المنافقین واحکامھم، حدیث ۲۸۰۹۔

حل لغات: **تَفِيْئُهَا تَفَيًّا** الشجرۃ درخت کا سایہ دار ہونا، الریاح ہواؤں کا ہلانا، حرکت میں لانا، تصرعھا صَرَعَ (ف) صَرْعاً زمین پر گرانا، الارزۃ صنوبر کا درخت المذیۃ ثابت، قائم، الجذیُ اصل، جڑ، یصیبھا اَصَابَ، اصابۃً انعال سے الشی پالینا۔ **انجعا فھا انجعف**، باب انفعال سے اکھڑ جانا، جَعَفَ (ف) جَعْفًا پلٹ دینا، اکھاڑ دینا۔

ترجمہ: حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مؤمن کی مثال تر و تازہ کھیتی کی ملائم ٹہنی کی سی ہے، ہوائیں اس کو ہلاتی رہتی ہیں، کبھی اس کو جھکا دیتی ہیں، اور کبھی اس کو سیدھا کر دیتی ہیں، یہاں تک کہ اس کا وقت پورا ہو جاتا ہے، اور منافق کی مثال صنوبر کے درخت کی سی ہے، جو کہ اپنی مضبوط جڑوں کے ساتھ کھڑا رہتا ہے، اور کوئی چیز اس پر اثر انداز نہیں ہوتی ہے، بس یک بارگی جڑ سے اکھڑ کر گر پڑتا ہے (بخاری)

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ بندۂ مومن کی اللہ تبارک وتعالیٰ وقتاً فوقتاً آزمائش کرتے رہتے ہیں اور وہ عام طور پر کسی نہ کسی پریشانی کا شکار رہتا ہے، اور مومن کے صبر و رضا پر اللہ تعالیٰ اس کو اجر عظیم عطا فرماتے ہیں، اور چونکہ منافقوں اور کافروں کے لئے آخرت میں کوئی عزت نہیں ہے، اس لئے اللہ تبارک وتعالیٰ ان کو عام طور پر دنیا میں اتنا زیادہ آزمائش میں

مبتلا نہیں فرماتے ہیں اور یہی چیز ان کے فخر و غرور میں اضافہ کرتی ہے جو کہ فی الواقع ان کے عذاب کو دو چند کرنے والی ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح مثل المومن یہ بات گذشتہ صفحات میں گذر چکی ہے کہ اللہ تعالیٰ جب کسی بندہ سے محبت کرتے ہیں تو اس کو آزمائش میں مبتلا کرتے ہیں وہ روتا ہے گڑگڑاتا ہے۔ اللہ کو اپنے بندہ کی یہ ادا بہت پسند آتی ہے۔ چنانچہ اس کے مراتب بلند کرتا چلا جاتا ہے، پھر قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے صاف طور پر فرمایا ہے کہ " ولنبلونکم بشیء من الخوف والجوع ونقص من الا موال والانفس والثمرات وبشر الصابرین '' اسی آزمائش کا بھی حدیث میں تذکرہ ہے کہ بندۂ مومن کبھی کسی بیماری یا آفت کی وجہ سے پریشان ہو جاتا ہے، کبھی تندرستی اور خوشحالی سے مسرور ہو جاتا ہے، دونوں طرح کے حالات آتے رہتے ہیں، جبکہ منافق عام طور پر تندرست و توانا اور خوش حالی میں رہتا ہے ان کی طرف آفات و بلایا کم ہی متوجہ ہوتی ہے۔

سوال: منافق اور کافر قومیں دنیا میں اتنا زیادہ کیوں پھولتی پھلتی ہیں، جبکہ درحقیقت، اللہ تعالیٰ کے دشمن قومیں ہیں؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے ذہن میں آنے والے اس سوال کا جوب قرآن مجید میں یوں دیا ہے کہ "والذین کذبوا بایتنا سنستدرجھم من حیث لا یعلمون" وہ اپنی آیات کے جھٹلانے والوں کو اپنی حکمت کی بنا پر دفعۃً نہیں پکڑتے ہیں، بلکہ آہستہ آہستہ تدریجاً پکڑتے ہیں جس کی ان کو خبر بھی نہیں ہوتی، لہٰذا دنیا میں کفار و فجار کی مالداری یا عزت و جاہ سے دھوکہ نہ کھایا جائے، کیوں کہ درحقیقت ان کے لئے بھلائی کا سامان یہی ہے، قرآن و حدیث کی اصطلاح میں استدراج اس کو کہا جاتا ہے کہ بندہ کے گناہ پر دنیا میں کوئی مصیبت نہ آسکے، بلکہ جوں جوں وہ گناہ میں آگے بڑھتا جائے دنیاوی مال واسباب اور بڑھتے جائیں، جس کا یہ انجام ہوتا ہے کہ اس کو اپنی بدکرداری پر کسی وقت تنبیہ نہیں ہوتی، اور غفلت سے آنکھ نہیں کھلتی، اور اپنے برے اعمال اس کو برے نظر نہیں آتے، کہ وہ ان سے باز آنے کی فکر کرے، اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ کبھی تو دنیا ہی میں یہ شخص عذاب میں پکڑ لیا جاتا ہے۔ اور کبھی موت تک یہ سلسلہ چلتا ہے بالآخر موت ہی اس کی مستی اور بے ہوشی کا خاتمہ کرتی ہے، اور دائمی عذاب اسکا ٹھکانہ بن جاتا ہے۔

حدیث نمبر ۱۴۶۱ ﴿مومن اور منافق کی مثال﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۵۴۲

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَثَلُ الْمُؤْمِنِ کَمَثَلِ الزَّرْعِ لَا تَزَالُ الرِّیْحُ تُمِیْلُهٗ وَلَا یَزَالُ الْمُؤْمِنُ یُصِیْبُهُ الْبَلَآءُ وَمَثَلُ الْمُنَافِقِ کَمَثَلِ شَجَرَةِ الْاَرْزَةِ لَا تَهْتَزُّ حَتّٰی تُسْتَحْصَدَ مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ.

حوالہ: بخاری ۸۴۳/۲ باب ماجاء فی کفارۃ المرض، کتاب المرض، حدیث ۵۶۴۴، مسلم ۳۷۵/۲، باب مثل المومن کالزرع . کتاب صفات المنافقین واحکامھم، حدیث ۲۸۰۹۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مومن کی مثال کھیتی کی جیسی ہے۔ ہوا اس کو ادھر ادھر جھکا دیتی ہے، اور مومن پر برابر مصیبتیں آتی رہتی ہیں، اور منافق کی مثال صنوبر درخت کی جیسی ہے، یہ جھکتا نہیں، بس جڑ سے اکھاڑ دیا جاتا ہے، (بخاری و مسلم)

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ جس طرح تیز ہوا میں شاخ ادھر ادھر جھومتی رہتی ہے، اسی طرح مومن کے حالات بھی بدلتے رہتے ہیں، کبھی خوشی ہے تو کبھی غمی، کبھی پریشانی ہے تو کبھی راحت اور اکثر ایام میں اکثر ایمان والے کسی نہ کسی دشواری کا شکار رہتے ہیں، جبکہ منافق کا معاملہ ایسا نہیں ہوتا ہے۔ وہ عام طور پر صنوبر درخت کی طرح ایک ہی حالت یعنی راحت پر جما رہتا ہے اور پھر جس طرح ایک نہ ایک دن درخت کا انجام جڑ سے کٹنا ہوتا ہے اسی طرح ظالموں یعنی منافقوں اور کافروں کا ہوتا ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح مثل المومن کمثل الزرع لا تزال الریح تمیله مومن رنج و غم اور آرام و سکون دونوں حالات سے گذرتا رہتا ہے۔ ایک شخص نبی کریم ﷺ کی خدمت میں آئے اور انھوں نے کہا کہ ایک ایسی عورت سے شادی کی ہے جو بیمار نہیں ہوتی ہے، آپ ﷺ نے کہا کہ اس کو طلاق دیدو۔ شاید اس میں حکمت کی وہ بات تھی جس کی نبی کریم ﷺ کو

اطلاع دی گئی تھی کہ اللہ نے دنیا کی طرف وحی بھیجی ہے. کہ میرے اولیاء کو تو پریشان کرتی رہنا، تا کہ ان کو میری ملاقات کا اشتیاق رہے، اور یہی معنی اس مشہور حدیث کے ہیں جن کے الفاظ یوں ہیں ''لا تهتز حتى تستحصد یعنی صنوبر کا درخت بڑی شان سے کھڑا رہتا ہے، لیکن جب وقت آتا ہے تو یکبارگی کاٹ دیا جاتا ہے. اسی طرح منافق کو دنیا میں مصیبتوں کا سامنا کم ہوتا ہے اور عذاب آخرت کو فراموش کئے رہتا ہے اور اچانک اس کو عذاب کا سامنا ہو جاتا ہے۔

حدیث نمبر۱٤٦٢ ﴿بخار سے گناہ دور ہوتے ہیں﴾ عالمی حدیث نمبر١٥٤٣

وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ دَخَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَلٰى اُمِّ السَّآئِبِ فَقَالَ مَالَكِ تُزَفْزِفِيْنَ قَالَتِ الْحُمّٰى لَا بَارَكَ اللّٰهُ فِيْهَا قَالَ لَا تَسُبِّى الْحُمّٰى فَاِنَّهَا تُذْهِبُ خَطَايَا بَنِىْ اٰدَمَ كَمَا يُذْهِبُ الْكِيْرُ خَبَثَ الْحَدِيْدِ رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

حوالہ: مسلم،۲/۳۱۹۔ باب ثواب المؤمن فيمايصيبه، كتاب البر والصلة والآداب، حدیث۲۵۷۵۔

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ ام سائب کے پاس تشریف لائے اور آپ ﷺ نے فرمایا کہ تمہیں کیا ہوا کہ کانپ رہی ہو، وہ بولیں کہ بخار ہے، اللہ اس کو بے برکت کرے. آپ ﷺ نے فرمایا کہ بخار کو گالی مت دو. بخار تو بنی آدم کی گناہوں کو اس طرح سے دور کرتا ہے جیسے کہ بھٹی لوہے کے میل کچیل کو دور کرتی ہے (مسلم)

خلاصۂ حدیث گذشتہ اوراق میں تفصیل سے یہ بات گذر چکی ہے کہ مؤمن کو جو بھی تکلیف پہنچتی ہے اس سے اس کے درجات بلند ہوتے ہیں اور گناہ معاف ہوتے ہیں. اس حدیث کا بھی یہی مقصد ہے کہ بخار سے انسان ٹوٹ کر رہ جاتا ہے، لیکن اخروی اعتبار سے اس کیلئے منافع بخش ہے. چنانچہ ایک روایت میں ہے کہ ایک سال کے گناہ ایک رات کے بخار سے دور ہو جاتے ہیں۔

کلمات حدیث کی تشریح فانها تذهب خطايا بنى آدم بخار سے گناہ بہت جھڑتے ہیں، ایک روایت میں ہے کہ ایک رات کے بخار سے مومن کے تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں، بخار کے ذریعہ سے آخرت میں اتنا فائدہ سن کر حضرت ابی بن کعبؓ نے مزید جانکاری کے لئے حضرت نبی کریم ﷺ سے دریافت کیا ''یارسول الله ماجزاء الحمىٰ'' آپ ﷺ نے فرمایا کہ بخار والے پر نیکیاں برستی ہیں. راوی کہتے ہیں کہ میرے باپ ہمیشہ یہ دعا کرتے تھے کہ ''اللّٰهم انى اسئلك الحمى لا تمنعنى خروجافى سبيلك ولا خرو جا إلى بيتك وبيت نبيك قال الراوى فلم يمش أبى قط الا وبه حمى'' (اے اللہ میں آپ سے ایسے بخار کو طلب کرتا ہوں جو جہاد میں نکلنے سے بیت اللہ شریف اور مسجد نبوی کی حاضری سے مانع نہ بنتا ہو، راوی کہتے ہیں کہ اس دعا کے بعد میرے والد کو ہمیشہ بخار رہتا تھا) آپ ﷺ کو جب بھی بخار آتا تھا، بہت شدید ہوتا تھا، اور آپ ﷺ کا فرمان ہے کہ بخار سے مقام و مرتبہ میں اضافہ ہوتا ہے۔

حدیث نمبر۱٤٦٣ ﴿مریض پر اللہ تعالیٰ کی خصوصی عنایت﴾ عالمی حدیث نمبر١٥٤٤

وَعَنْ اَبِىْ مُوْسٰى قَالَ قَالَ رَسُوْلُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا مَرِضَ الْعَبْدُ اَوْ سَافَرَ كُتِبَ لَهٗ بِمِثْلِ مَاكَانَ يَعْمَلُ مُقِيْمًا صَحِيْحًا رَوَاهُ الْبُخَارِىُّ.

حوالہ: بخاری، ۲/۴۲۰ باب يكتب للمسافرمثل ماكان يعمل فى الاقامة، كتاب الجهاد. حدیث۲۹۹۶۔

ترجمہ: حضرت ابوموسیٰؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب بندہ بیمار ہوتا ہے یا سفر کرتا ہے تو اس کے لئے اتنا عمل لکھ دیا جاتا ہے جتنا عمل وہ مقیم اور تندرست ہونے کی حالت میں کرتا تھا:۔ (بخاری)

خلاصۂ حدیث اس حدیث میں مریض و مسافر پر اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہونیوالے کرم کا ذکر ہے، اگر کوئی شخص کسی نفل کام کو مواظبت سے انجام دیتا ہے پھر بیماری یا سفر درپیش ہونے کی بنا پر وہ نیک کام اس سے فوت ہو جاتا ہے تو اللہ اس عمل کے نہ

کر پانے کے باوجود اسکے ثواب کے سلسلہ کو برقرار رکھتے ہیں، اور اللہ کے رجسٹر میں یہ شخص اس نیک کام کو انجام دینے والا ہی شمار ہوتا ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح اذا مرض العبد او سافر بیماری یا سفر کی وجہ سے نفل کام فوت ہوگیا، اسی حکم میں بوڑھاپا بھی ہے یعنی بندہ اپنی جوانی میں کوئی نیک عمل انجام دیتا رہتا ہے اور بوڑھاپے کی وجہ سے اس عمل کے انجام دہی سے قاصر ہے تو اس کو بھی ثواب ملتا رہیگا، ایک حدیث میں اس کی صراحت بھی ہے، (مرقات ص ۳۵۸ ج ۳)

حدیث نمبر ۱٤٦٤ ﴿طاعون میں مرنے والے کی فضیلت﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۵٤۵

وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الطَّاعُوْنُ شَهَادَةٌ لِّكُلِّ مُسْلِمٍ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حوالہ: بخاری ص ۸۵۳ ج ۲، باب ما یذکر فی الطاعون، کتاب الطب، حدیث ۵۷۳۲، مسلم ص ۱۴۳ ج ۲، باب بیان الشهداء کتاب الامارۃ حدیث ۱۹۱۶۔

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ طاعون کے سبب مرنا ہر مسلمان کیلئے شہادت ہے۔ (بخاری ومسلم)

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ جو شخص طاعون سے متاثر بستی میں سکونت پذیر رہتا ہے پھر مرض میں مبتلا ہو جاتا ہے تو تقدیر پر رضامندی کے ساتھ صبر کرتا ہے، راہ فرار اختیار نہیں کرتا ہے، تو یہ شخص شہید کا ثواب پاتا ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح الطاعون شهادة لكل مسلم ، طاعون کی موت مسلمان کے حق میں شہادت ہے۔

سوال: طاعون کس بیماری یا وبا کو کہتے ہیں؟

جواب: طاعون ایک خاص بیماری کا نام ہے جو کہ وبا کی شکل میں آتی ہے، اس بیماری میں بسا اوقات جسم کے مختلف حصوں میں خاص طور پر بغل میں گلٹی نکل آتی ہے، جسم سرخ یا سیاہ ہو کر جلنے لگتا ہے دل پر گھبراہٹ طاری ہو جاتی ہے۔ قے وغیرہ آنے لگتی ہے، اور آدمی بہت جلد موت کے منہ میں پہنچ جاتا ہے۔ (فتح الباری)

سوال: طاعون پھیلنے کا سبب کیا ہے اور بیماری کیسے پیدا ہوتی ہے؟

جواب: اس سوال کے جواب میں مسند احمد بن حنبل کی روایت نقل کرنا مناسب ہوگا، آپ ﷺ نے فرمایا کہ میری امت طعن اور طاعون کی وجہ سے فنا ہوگی، صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! طعن تو ہم جانتے ہیں لیکن طاعون کیا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ طاعون جنات کے اندرونی جسم کے ڈسنے کی وجہ سے ہوتا ہے کہ طاعون کا اصل سبب جنوں کا اندرونی جسم کو کچوکے لگانا ہے، لیکن جسم کے ظاہری حصہ پر اس کا اثر گلٹی اور پھوڑے کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے (عمدۃ القاری ص ۲۵۷ ج ۲۱)

سوال: حدیث میں طاعون کی وبا کی وجہ سے مرنے والے مسلمان کو شہید قرار دیا گیا ہے جب کہ شہید تو اصطلاح میں اس کو کہتے ہیں جو کہ کسی معرکہ میں مارا جائے اور اس پر نشانات بھی ہوں، طاعون کی وبا میں مرنے والے پر تو یہ تعریف صادق نہیں آتی ہے، پھر اس کو شہید کیوں کہا گیا ہے؟

جواب: اللہ کی راہ میں قتل ہونیوالے کے علاوہ جن لوگوں کو بھی شہید کہا گیا ہے تو اسکا مطلب یہ ہے کہ انکو شہید کے برابر اجر سے نوازا جائیگا

حدیث نمبر ۱٤٦۵ ﴿طاعون کی بیماری میں مرنیوالا شہید ہے﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۵٤٦

وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الشُّهَدَاءُ خَمْسَةٌ اَلْمَطْعُوْنُ وَالْمَبْطُوْنُ وَالْغَرِيْقُ وَصَاحِبُ الْهَدْمِ وَالشَّهِيْدُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حوالہ: بخاری ص ۳۹۷ ج ۱، باب الشهادة سوى القتل، کتاب الجهاد والسير، حدیث ۲۸۲۹، مسلم ص ۱۴۲ ج ۲، باب

بیان الشهداء. كتاب الامارة حديث۱۹۱۴۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ شہید پانچ شخص ہیں (۱) طاعون سے مرنے والا (۲) پیٹ کی بیماری میں مرنے والا (۳) ڈوب کر مرنے والا (۴) مکان گر کر مرنے والا (۵) اللہ کی راہ میں شہید ہونے والا (بخاری ومسلم)

خلاصہ حدیث شہید حقیقی تو وہی ہے جو اللہ کی راہ میں قتل کیا جائے، لیکن شہادت کا ثواب قتل ہی میں منحصر نہیں ہے بلکہ بعض دیگر اسباب سے بھی شہادت کی فضیلت حاصل ہوتی ہے. حدیث باب میں جس عدد کا ذکر ہے. اسمیں انحصار مقصود دلیل ہے

کلمات حدیث کی تشریح الشهداء خمسة شہید پانچ ہیں۔

اشکال: اس حدیث میں پانچ کا عدد ذکر کیا ہے، جب کہ موطا میں روایت ہے کہ "الشهداء سبعة" شہداء سات قسم کے لوگ ہیں، اس کے علاوہ ترمذی میں "الشهداء اربعة" کے الفاظ آئے ہیں، عدد کا یہ اختلاف کیوں ہے؟.

جواب: اعداد کا ذکر کہیں بھی حصر کی وجہ سے نہیں ہے. عدد کا اختلاف مختلف احوال کی وجہ سے ہے، آپ ﷺ نے سائلین کے مختلف احوال کی بنا پر مختلف جوابات عنایت کئے ہیں. یا پھر آپ ﷺ کو اولاً تین کا علم عطا ہوا ہو، پھر علم کی زیادتی کے ساتھ شہداء کی تعداد بھی بڑھتی رہی، اور آپ ﷺ اس کو بیان کرتے رہے۔ (فتح الباری)

﴿شہید کی قسمیں﴾

شہید کی تین قسمیں ہیں (۱) دنیا وآخرت دونوں اعتبار سے شہید، یہ وہ مجاہد ہے کہ اعلاء کلمۃ اللہ کی غرض سے نکلے اور پھر قتل ہو جائے (۲) صرف دنیاوی اعتبار سے شہید، یہ وہ شخص ہے جو میدان جنگ میں قتل ہوا، لیکن اس کا ارادہ اعلاء کلمۃ اللہ کا نہ تھا، بلکہ وہ تو صرف نام ونمود کی غرض سے میدان جنگ میں گیا تھا، یہ دنیاوی اعتبار سے شہید ہے، لہٰذا اس کو اسی کپڑے میں دفن کیا جائے گا. غسل نہ دیا جائے گا۔ دنیا میں اس پر شہید کے احکام جاری ہوں گے، (۳) صرف اخروی اعتبار سے شہید، اس کی بعض صورتوں کا تذکرہ حدیث میں ہے، یعنی دیوار سے دب کر یا ڈوب کر مرنے والا یا پیٹ کی بیماری میں مبتلا ہو کر مرنے والا یہ وہ شہید ہیں جن پر شہید کے دنیاوی احکام جاری نہ ہونگے، لہٰذا ان کو کفن بھی دیا جائے گا، لیکن اخروی اعتبار سے ان کو اجر وثواب شہیدوں والا ہی ملے گا۔

المطعون: طاعون کی وبا کا جو شکار ہو کر مرا وہ شہید کا ثواب پائے گا۔ آپ ﷺ کا فرمان ہے کہ جس شہر یا بستی میں طاعون پھیلے وہاں باہر کے لوگ نہ جائیں. اور جس بستی میں یہ مرض پھیلا ہے وہاں موجود لوگ بستی کو چھوڑیں نہیں. آپ ﷺ نے اس حدیث میں قتل فی سبیل اللہ کے علاوہ جن افراد کو شہید قرار دیا ہے اس میں ان کو پہنچنے والی تکلیف اور ان تکالیف پر صبر کرنے کو مدنظر رکھا ہے. تکلیف پر صبر کرنے سے گناہ معاف ہوجاتے ہیں اور ان کے اجر وثواب میں نہایت ہی اضافہ ہوجاتا ہے۔

حدیث نمبر ۱۴۶۶ ﴿طاعون مسلمانوں کے حق میں رحمت ہے﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۵۴۷

وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ سَأَلْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الطَّاعُوْنِ فَأَخْبَرَنِيْ أَنَّهُ عَذَابٌ يَّبْعَثُهُ اللّٰهُ عَلٰى مَنْ يَشَآءُ وَإِنَّ اللّٰهَ جَعَلَهُ رَحْمَةً لِلْمُؤْمِنِيْنَ لَيْسَ مِنْ أَحَدٍ يَقَعُ الطَّاعُوْنُ فَيَمْكُثُ فِيْ بَلَدِهِ صَابِرًا مُحْتَسِبًا يَعْلَمُ أَنَّهُ لَا يُصِيْبُهُ إِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَهُ إِلَّا كَانَ لَهُ مِثْلُ أَجْرِ شَهِيْدٍ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ.

حوالہ: بخاری ص۸۵۳ ج۲. باب اجر الصابر على الطاعون، كتاب الطب حديث۵۷۳۴۔

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے طاعون کے بارے میں دریافت کیا تو آپ ﷺ نے بتایا کہ درحقیقت یہ ایک عذاب ہے اللہ تعالیٰ جن بندوں پر چاہتا ہے اس کو بھیجتا ہے، لیکن یہ ایمان والوں کے لئے اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے اور کوئی شخص ایسا نہیں کہ وہ اپنے شہر میں طاعون کی وبائی حالت میں صبر کے ساتھ اور اس امید کے ساتھ مقیم رہے کہ جو کچھ اس کے بارے میں

اللہ تعالیٰ نے مقرر فرمایا ہے وہی وقوع پذیر ہوگا تو اس کو شہادت کا اجر ملے گا۔(بخاری)

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ جو شخص طاعون زدہ علاقہ میں تقدیر پر رضامندی کے ساتھ سکونت پزیر رہے اور اس بات پر کامل اعتقاد رکھے کہ اللہ مرضی جو ہوگی وہی ہو کر رہیگا، اگر موت لکھی ہے تو اس کو کوئی ٹال نہیں سکتا ہے اور اگر حیات مقدر ہے تو کوئی مار نہیں سکتا ہے۔ تو ایسے شخص کو شہید کے برابر ثواب ملے گا، اگر چہ اسکی موت طاعون کی وجہ سے نہ بھی ہو۔

کلمات حدیث کی تشریح فاخبرنی عن الطاعون حضرت عائشہؓ نے آپ ﷺ سے دریافت فرمایا کہ طاعون میں کیا حکمت ہے آپ کے جواب کا حاصل یہ ہے کہ طاعون بعض بندوں کے حق میں اللہ کا عذاب ہے، اور بعض کے حق میں رحمت کی زیادتی کا سبب ہے۔ اس کی نظیر فرمان باری تعالیٰ ہے ''ونزلنا من القرآن ماهو شفاء و رحمة للمومنين. ولايزيد الظالمين الا خسارًا'' یعنی جس طرح قرآن بعض بندوں کے حق میں باعث رحمت ہے اور بعض اس کے انکار سے ذریعہ خسارہ اٹھاتے ہیں اسی طرح طاعون کا معاملہ ہے۔ فیمکث، جس علاقہ میں طاعون پھیل جائے اس علاقہ کے لوگوں کے لئے شریعت کا حکم یہ ہے کہ وہاں سے موت کے ڈر سے فرار اختیار نہ کریں۔ اس بات کی آگے وضاحت بھی آرہی ہے کہ اگر کوئی شخص شریعت کے اس حکم کی تعمیل کرتا ہے اور وہیں ٹھہرتا ہے۔ مقصد صرف حصول ثواب ہے، مال و دولت کی حفاظت اصل مقصود نہیں ہے، اور نکلنے پر قدرت کے باوجود اللہ کی ذات پر اعتماد کر کے تقدیر کے لکھے پر راضی رہتے ہوئے ٹھہرتا ہے، تو طاعون ایسے شخص کے لئے، باعث رحمت ہے اور اللہ تعالیٰ کے یہاں اس کے لئے شہید کے برابر اجر لکھا جائے گا۔

حدیث نمبر ۱۴۶۷ ﴿طاعون زدہ بستی سے فرار کی ممانعت﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۵۴۸

وَعَنْ اُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الطَّاعُوْنُ رِجْزٌ اُرْسِلَ عَلٰى طَآئِفَةٍ مِّنْ بَنِيْ اِسْرَائِيْلَ اَوْ عَلٰى مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ فَاِذَا سَمِعْتُمْ بِهٖ بِاَرْضٍ فَلَا تَقْدَمُوْا عَلَيْهِ وَاِذَا وَقَعَ بِاَرْضٍ وَّاَنْتُمْ بِهَا فَلَا تَخْرُجُوْا فِرَارًا مِّنْهُ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حوالہ: بخاری ۱/۴۹۴ باب کتاب الانبياء حديث ۳۴۷۳ مسلم ۲/۲۲۸ باب الطاعون، والطيرة، کتاب السلام حدیث ۲۲۱۸۔

ترجمہ: حضرت اسامہ بن زیدؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ طاعون عذاب الٰہی ہے، جو کہ بنی اسرائیل کے ایک گروہ پر یا آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم سے پہلی قوموں پر نازل کیا گیا تھا، اگر تم کو یہ معلوم ہو کہ فلاں جگہ طاعون پھیلا ہے تو وہاں مت جاؤ۔ اور اگر ایسی جگہ میں طاعون پھیلے جہاں تم پہلے سے موجود ہو تو پھر وہاں سے راہ فرار اختیار مت کرو (بخاری و مسلم)

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ طاعون ایک عذاب ہے، اللہ تبارک و تعالیٰ نے بہت سی قوموں کو طاعون کی وبا کے ذریعہ سے ہلاک فرمایا ہے، بنی اسرائیل پر بھی اللہ نے ان کی نافرمانی کی وجہ سے یہ عذاب بھیجا تھا، طاعون کے بارے میں ہماری شریعت کا حکم یہ ہے کہ جس علاقہ میں پھیل جائے وہاں موجود شخص موت کے ڈر سے راہ فرار اختیار نہ کرے، اور جو شخص اس بستی میں موجود نہیں ہے وہ وہاں داخل بھی نہ ہو۔

کلمات حدیث کی تشریح الطاعون رجز أرسل على طائفة من بنى إسرائيل بنی اسرائیل سے کونسی طائفہ مراد ہے؟ بنو اسرائیل کے وہ لوگ جن کو اللہ تبارک و تعالیٰ نے شہر میں داخل ہونے کا حکم دیا تھا'' ادخلوا الباب سجدًا'' سجدہ کرتے ہوئے شہر میں داخل ہو، لیکن انھوں نے اپنی بدبختی کی بنا پر فرمان رب کی خلاف ورزی کی تھی، پھر اللہ نے ان پر عذاب مسلط کیا تھا، جس کا ذکر یوں ہے'' فانزلنا على الذين ظلموا رجزا من السماء'' پھر ہم نے ان ظالموں پر آسمان سے عذاب اتارا، اور وہ عذاب طاعون ہی تھا، اور طاعون کی وبا کا شکار ہونے والی بنو اسرائیل کی وہ قوم ہے جس کا حدیث باب میں ذکر ہے

یہی تھی، فإذا سمعتم به بارض فلا تقدموا علیه ، اسلام کا بنیادی عقیدہ تو یہی ہے کہ نہ تو کسی جگہ جانا موت کا سبب ہے اور نہ کسی جگہ سے بھاگنے سے موت سے بچا سکتا ہے، لیکن اس کے باوجود طاعون زدہ بستی میں داخل ہونے سے روکنا چند اہم حکمتوں کی بنا پر ہے۔

طاعون زدہ بستی میں دخول سے ممانعت کی حکمتیں

طاعون زدہ بستی میں داخل ہونے سے آپ ﷺ نے جو روکا ہے اس کی چند حکمتیں ہیں، (۱) ممکن ہے کہ کسی شخص کی زندگی اس بستی میں داخل ہوتے ہی پوری ہو جائے، اور وہ مر جائے، پھر مرنے والے کے بارے میں لوگوں کا یہ گمان قائم ہو کہ اگر وہ اس بستی میں نہ آتا تو موت کا شکار نہ ہوتا، حالانکہ اس کی موت لکھی تھی وہ آکر رہتی، مسلمانوں کے عقیدہ میں خرابی نہ آجائے اور وہ غلط فہمی کا شکار نہ ہوں اس لئے آپ ﷺ نے ایسی بستی میں جانے سے منع فرمایا، (۲) آدمی کے ذمہ اپنی حفاظت کرنا لازم ہے، جہاں تکلیف یا اذیت پہنچنے کا خطرہ ہو وہاں جانے سے گریز کرنا چاہئے، اور طاعون زدہ بستی میں داخل ہونے سے روکنا بھی اسی احتیاط کا ایک حصہ ہے۔

سوال: کیا طاعون زدہ بستی میں داخل ہونا حرام ہے؟

جواب: بعض حضرات حدیث میں وارد نہی کو تحریمی کہتے ہیں، چنانچہ ان کے نزدیک ایسی بستی میں داخل ہونا حرام ہے، جبکہ بعض دیگر لوگ نہی کو تنزیہی مانتے ہیں، لہٰذا جو شخص مضبوط عقیدہ والا ہو اس کے داخل ہونے میں کوئی حرج نہیں ہے، اس طرح تیمارداری کی غرض سے جانے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے، وإذا وقع بارض وأنتم بها فلا تخرجوا جس طرح طاعون زدہ بستی میں داخل ہونا منع ہے اسی طرح طاعون زدہ بستی میں موجود لوگوں کے لئے وہاں سے بھاگنا بھی منع ہے۔

طاعون زدہ بستی سے خروج کی ممانعت کی حکمتیں

(۱) خروج سے ممانعت کی ایک حکمت تو یہ ہے کہ جو طاقتور و توانا لوگ ہوں گے وہ تو بھاگ جائیں گے، کمزور اور ضعفاء لوگ رہ جائیں گے، پھر وہ وحشت و تنہائی کے خوف سے ہی مرنے لگیں گے، طاعون کے شکار ہونے کی وجہ سے ان کی حالت مزید ابتر ہوتی، ایسے میں ان کی دیکھ ریکھ کرنے والا اور انتقال کی صورت میں کفن دفن کرنے والا میسر نہ ہوتا، لہٰذا آپ ﷺ نے اس بستی سے خروج کی ممانعت فرمائی، (۲) دوسری حکمت یہ ہے کہ جو لوگ بھاگیں گے ان میں سے کچھ ابتدائی طور پر ہی طاعون کا شکار ہو چکے ہوں گے، ممکن ہے جب بستی میں یہ جائیں اللہ تعالیٰ مشئیت سے ان کے پہنچنے کے بعد وہاں طاعون پھیل جائے، تو لوگوں کا عقیدہ بنے گا کہ انہی لوگوں کی وجہ سے طاعون کی وبا پھیلی ہے، اس غلط فہمی کا لوگ شکار نہ ہوں اس بناء پر بھی آپ ﷺ نے طاعون زدہ بستی سے نکلنے سے ممانعت فرمائی ہے۔

اسلام میں طاعون کی ابتداء

اسلام میں طاعون کی سب سے پہلے وبا رملہ اور بیت المقدس کے درمیان ایک بستی ''عمواس'' میں پھیلی اس میں تیس ہزار کے قریب مسلمان شہید ہوئے۔

فاروق اعظمؓ کا طاعون زدہ بستی میں داخل ہونے سے روکنا

حضرت فاروق اعظمؓ شام کے سفر پر روانہ تھے۔ شام کی سرحد تبوک کے قریب ایک مقام ''سرغ'' وہاں پہونچنے پر معلوم ہوا کہ شام کے علاقوں میں طاعون پھیلا ہوا ہے۔ صحابۂ کرام سے مشورہ کیا گیا، تو حضرت عبدالرحمٰن نے آپ ﷺ کے اس فرمان سے لوگوں کو مطلع کیا کہ آپ ﷺ نے طاعون زدہ بستی میں داخل ہونے سے منع فرمایا ہے، حضرت فاروق اعظم نے جب آپ ﷺ کا ارشاد سنا تو لوگوں کو واپسی کا حکم دیا، حضرت ابو عبیدہؓ نے اس موقع پر کہا کہ ''افرارا من قدر الله '' کہا آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کی تقدیر سے بھاگنا چاہتے ہیں؟ فاروق اعظم نے جواب دیا کہ ابو عبیدہ کاش یہ بات کوئی اور کہتا، یعنی تمہاری زبان سے ایسی بات سن کر تعجب ہوا اور پھر فاروق اعظمؓ نے جواب دیا کہ ''نعم نفر من قدر الله تعالىٰ إلى قدر الله'' (بلاشبہ ہم اللہ کی تقدیر سے اللہ ہی کی تقدیر کی طرف بھاگ

رہے ہیں) یعنی جو ہم کر رہیں وہ اللہ کے حکم کے مطابق کر رہے ہیں جس کو آپ ﷺ نے بیان فرمایا ہے۔ (ماخوذ معارف القرآن ج۱)

فلا تخرجوا فرارا منه: اگر کوئی شخص موت کے ڈر سے نہیں بھاگ رہا ہے بلکہ صرف ماحول کی تبدیلی کے لئے نکل رہا ہے، اور اس کا عقیدہ پختہ ہے کہ موت تو جب اور جہاں آنی ہے آ کر رہے گی، تو اس خروج میں کوئی حرج نہیں ہے۔

حدیث نمبر ۱۴۶۸ ﴿بینائی چلے جانے پر﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۵۴۹

وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ قَالَ اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰی اِذَا ابْتَلَیْتُ عَبْدِیْ بِحَبِیْبَتَیْهِ ثُمَّ صَبَرَ عَوَّضْتُهٗ مِنْهُمَا الْجَنَّةَ یُرِیْدُ عَیْنَیْهِ رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ.

حوالہ: بخاری ۸۴۴/۲ باب فضل من ذهب بصره، كتاب المرض، حدیث ۵۶۵۳۔

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ آپ ﷺ فرمایا کہ جب میں اپنے بندہ کو اس کی دو محبوب چیزوں میں مبتلا کرتا ہوں اور وہ صبر کرتا ہے تو میں ان کے عوض جنت عطا کروں گا، راوی کہتے ہیں کہ محبوب سے مراد دونوں آنکھیں ہیں۔ (بخاری)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ بینائی سے محروم ہو جانے پر صبر کرنا چاہئے، شکوہ شکایت سے گریز کرنا چاہئے، جو شخص تقدیر پر راضی رہے گا اللہ تعالیٰ اس کے تسلیم و رضا کی بنا پر سیدھا جنت میں داخل کریں گے۔

کلمات حدیث کی تشریح عینیه یہ حضرت انسؓ کی تشریح ہے۔ مطلب یہ ہے کہ حدیث میں "حبیبتیه" سے مراد آنکھیں ہیں اور یہ بات ظاہر بھی ہے کہ انسان کے جسمانی اعضاء میں آنکھ انتہائی محبوب اور عزیز چیز ہے، اس کے چلے جانے پر صبر کا صلہ جنت ہے۔

الفصل الثانی

حدیث نمبر ۱۴۶۹ ﴿عیادت کی فضیلت﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۵۵۰

عَنْ عَلِیٍّ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ مَا مِنْ مُسْلِمٍ یَعُوْدُ مُسْلِمًا غُدْوَةً اِلَّا صَلّٰی عَلَیْهِ سَبْعُوْنَ اَلْفَ مَلَكٍ حَتّٰی یُمْسِیَ وَاِنْ عَادَهٗ عَشِیَّةً اِلَّا صَلّٰی عَلَیْهِ سَبْعُوْنَ اَلْفَ مَلَكٍ حَتّٰی یُصْبِحَ وَكَانَ لَهٗ خَرِیْفٌ فِی الْجَنَّةِ رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَاَبُوْ دَاوٗدَ.

حوالہ: ابوداؤد ۴۴۳/۲ باب فی فضل العبادة، كتاب الجنائز حدیث ۳۰۹۸ ترمذی ۱۹۱/۱، باب ماجاء فی عیادة المریض، کتاب الجنائز حدیث ۹۶۹۔

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جو مسلمان صبح کے وقت کسی مسلمان کی عیادت کرتا ہے ستر ہزار فرشتے اس کے لئے مصروف دعا رہتے ہیں، اگر شام کے وقت عیادت کرتا ہے تو صبح تک ستر ہزار فرشتے اس کے لئے دعا کرتے ہیں اور اس کے لئے جنت میں ایک باغ مقرر کیا جاتا ہے۔ (ابوداؤد، ترمذی)

خلاصہ حدیث اس حدیث میں مریض کی عیادت کرنے کی فضیلت کا تذکرہ ہے، دن کے وقت عیادت کرنے والے کے لئے اور رات کے وقت عیادت کرنے والے کے لئے ستر ہزار فرشتے دعاء مغفرت کرتے ہیں، اور ظاہر بات ہے کہ فرشتوں کی دعا کو قبول ہونا ہی ہوتا ہے، اس حدیث کی روشنی میں حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب فرماتے تھے کہ جس زمانہ میں دن بڑا ہو اس زمانہ میں صبح کے وقت عیادت کرنی چاہئے، اور جب رات بڑی ہو تو شام کے وقت عیادت کرنی چاہئے۔ (الدر المنضود)

کلمات حدیث کی تشریح غدوة مراد زوال سے پہلے دن کا ابتدائی حصہ ہے۔ عشیة زوال کے بعد یا رات کا ابتدائی حصہ اس حدیث میں ستر ہزار فرشتوں کی دعاء مغفرت کا ذکر ہے، جب کہ ابوداؤد ہی میں حضرت انسؓ کی

روایت کا حاصل یہ ہے آپ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص اچھی طرح وضو کرنے کے بعد اپنے مسلمان بھائی کی عیادت محض ثواب کی نیت سے کرے تو وہ شخص جہنم سے ساٹھ سال کی مسافت کے بقدر دور کر دیا جاتا ہے، ان احادیث میں عیادت کا ثواب اتنا تذکرہ ہے اسی بنا پر بعض لوگوں نے فرمایا ہے کہ "العیادت افضل من العبادت" "وکان له خریف فی الجنة" "خریف کے معنی ہیں بستان یعنی باغ، ترمذی کی روایت میں "لم یزل فی خرفة الجنة" اور اس روایت کے ایک دوسری طریق میں اس کا اضافہ ہے کہ "قیل ما خرفة الجنة قال جناها" یعنی جنت کے پھل وفواکہ۔

حدیث نمبر ۱۴۷۰ ☆☆ عالمی حدیث نمبر ۱۵۵۱

﴿آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا آشوب چشم کے مریض کی عیادت کرنا﴾

وَعَنْ زَيْدِ بْنِ اَرْقَمَ قَالَ عَادَنِيْ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ وَّجَعٍ كَانَ بِعَيْنِيَّ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَاَبُوْدَاوُدَ.

حواله: مسند احمد ص ۳۷۵ ج ۴۔ ابوداؤد، ص ۴۴۲ ج ۲۔ باب فی العیادة من الرمد . کتاب الجنائز حدیث ۳۱۰۲۔

ترجمه: حضرت زید بن ارقم سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ میری عیادت کے لئے اس وقت تشریف لائے جب کہ میری آنکھوں میں تکلیف تھی۔ (مسند احمد، ابوداؤد)

خلاصۂ حدیث اس حدیث سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ آشوب چشم کے مریض کی عیادت کرنا سنت ہے، آپ ﷺ نے معمولی مرض میں مبتلا لوگوں کی عیادت کر کے اپنے عمل سے یہ درس دیا کہ ہر طرح کے مریض کی عیادت کیلئے جانا چاہئے۔

کلمات حدیث کی تشریح من وجع کان بعینی اس حدیث کو ابوداؤد نے مستقل باب کے تحت ذکر کیا ہے، باب قائم کیا ہے "باب العیادة من الرمد" آشوب چشم کے مریض کی عیادت کا ذکر، اس کو مستقل باب کے تحت اس لیے ذکر کیا ہے کہ ایک حدیث ہے جس میں تین بیماریوں میں مبتلا مریضوں کی عیادت کی ممانعت وارد ہوئی ہے، وہ حدیث بیہقی میں ہے کہ "ثلاثة لیس لهم عیادة العین والرمل والضرس" (تین بیماری ایسی ہیں کہ ان میں عیادت نہیں، ایک تو آشوب چشم ہے، دوسرے پھوڑا پھنسی، تیسرے داڑ کا درد) حدیث باب اور اس حدیث میں بظاہر تعارض ہے، صاحب مرقات تو کہتے ہیں کہ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ مذکورہ مریضوں کی عیادت لازم نہیں ہے، اور یہ بات بھی نقل کی گئی ہے کہ یہ حدیث موقوف ہے، اور حدیث اصح ہے، بعض لوگوں نے یہ جواب دیا ہے کہ جن لوگوں کی خاطر مریض کو تکلیف اٹھانی پڑے، مثلاً آشوب چشم کے مریض کو آنکھ کھولنا پڑے، دانت کے درد کے مریض کو بولنا پڑے، پھوڑ میں مبتلا شخص کو اپنی ہیئت بدل کر تکلیف کے ساتھ بیٹھنا پڑے ان لوگوں کو عیادت کے لیے نہ جانا چاہئے، اور جن سے بے تکلف ہو اس کے جانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

حدیث نمبر ۱۴۷۱ ﴿باب وضو عیادت کیلئے جانے کا ذکر﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۵۵۲

وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَوَضَّأَ فَاَحْسَنَ الْوُضُوْءَ وَعَادَ اَخَاهُ الْمُسْلِمَ مُحْتَسِبًا بُوْعِدَ مِنْ جَهَنَّمَ مَسِيْرَةَ سِتِّيْنَ خَرِيْفًا رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ.

حواله: ابوداؤد ص ۴۴۱ ج ۲۔ "باب فی فضل العبادة علی وضوء" کتاب الجنائز. حدیث ۳۰۹۷۔

ترجمه: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس نے اچھی طرح وضو کیا، پھر اپنے مسلمان بھائی کی اجر ثواب کی نیت سے عیادت کی تو وہ دوزخ سے ساٹھ سال کی مسافت کے بقدر دور کر دیا گیا (ابوداؤد)

خلاصۂ حدیث اس حدیث سے یہ بات معلوم ہوئی کہ عیادت کیلئے جانے سے پہلے وضو کرنا سنت ہے اور عیادت کا ثواب اسوقت ہے جبکہ ثواب کی نیت سے ہو، ریا اور دکھانے کی غرض سے کی جانے والی عیادت کی اللہ کی نگاہ میں کوئی وقعت نہیں ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح توضا عیادت سے قبل وضو کرنا سنت ہے اور عیادت بھی ایک قسم کی عبادت ہے، لہٰذا اس سے پہلے بھی وضو کا آپ ﷺ نے حکم دیا، تاکہ عیادت بھی کامل و مکمل ہو، اور چوں کہ بندہ وضو کر کے طہارت کے ساتھ جب مریض کے حق میں دعا کرے گا تو یہ قبولیت کے زیادہ لائق ہوگی، اسی بنا پر آپ ﷺ نے عیادت سے قبل وضو کی تاکید فرمائی ہے

حدیث نمبر ۱۴۷۲ ﴿عیادت کے وقت کی دعا کا تذکرہ﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۵۵۳

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَعُوْدُ مُسْلِمًا فَيَقُوْلُ سَبْعَ مَرَّاتٍ أَسْأَلُ اللّٰهَ الْعَظِيْمَ رَبَّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ اَنْ يَّشْفِيَكَ اِلَّا شُفِيَ اِلَّا اَنْ يَّكُوْنَ قَدْ حَضَرَ اَجَلُهٗ رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَالتِّرْمِذِيُّ.

حوالہ: ابوداؤد، ج ۲ باب الدعاء للمریض عند العیادۃ، حدیث ۳۱۰۶، ترمذی ۲، باب کتاب الطب حدیث ۲۰۷۵۔

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کوئی مسلمان ایسا نہیں جو اپنے مسلمان بھائی کی عیادت کے وقت سات مرتبہ یہ دعائیہ کلمات کہے. میں اللہ رب العالمین سے جو عرش عظیم کا بھی رب ہے. دعا کرتا ہوں کہ وہ تم کو شفا عطا کرے۔ تو اللہ تعالیٰ اس کو شفا عطا فرمائیں گے الا یہ کہ اس کی موت ہی کا وقت آ گیا ہو (ابوداؤد، ترمذی)

خلاصۂ حدیث حدیث میں جو دعا مذکور ہے وہ دعا، مریض کی عیادت کرنے والے کو سات مرتبہ پڑھنی چاہئے. اللہ تعالیٰ اس دعا کی برکت سے مریض کو شفا عطا فرمائیں گے۔

کلمات حدیث کی تشریح قد حضر اجلہ یعنی اگر کسی کے لئے موت ہی مقدر ہے تب تو کوئی بات نہیں. ورنہ یہ دعا بہت سریع الاثر ہے، اس دعا سے ہر طرح کا مرض دور ہو جاتا ہے، کسی مریض کی عیادت کے لیے جائے تو اس کی پیشانی پر ہاتھ رکھ کر یا اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر دعا کی جائے، ابوداؤد میں حدیث ہے کہ حضرت سعد بن وقاصؓ فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ مکہ میں بیمار ہو گیا، تو حضور ﷺ میری عیادت کے لئے تشریف لائے اور میری پیشانی پر اپنا دست مبارک رکھا، اور سینہ و پیٹ پر ہاتھ پھیر کر میرے لئے دعا کی۔

حدیث نمبر ۱۴۷۳ ﴿بخار کے دور کرنے کی دعا﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۵۵۴

وَعَنْهُ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُعَلِّمُهُمْ مِنَ الْحُمّٰى وَمِنَ الْاَوْجَاعِ كُلِّهَا اَنْ يَّقُوْلُوْا بِسْمِ اللّٰهِ الْكَبِيْرِ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ مِنْ شَرِّ كُلِّ عِرْقٍ نَّعَّارٍ وَّمِنْ شَرِّ حَرِّ النَّارِ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ لَا يُعْرَفُ اِلَّا مِنْ حَدِيْثِ اِبْرَاهِيْمَ بْنِ اِسْمٰعِيْلَ وَهُوَ يُضَعَّفُ فِي الْحَدِيْثِ.

حوالہ: ترمذی، ج ۲، باب، کتاب الرقی حدیث ۲۰۷۵۔

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بخار اور ہر طرح کے درد کے دور کرنے کے لئے یہ دعا سکھاتے تھے کہ وہ پڑھیں "بسم اللہ الکبیر الخ" اللہ و بزرگ و برتر کے نام سے میں پناہ لیتا ہوں اللہ بزرگ و برتر کی ہر جوش مارنے والی آپ کے شر سے اور آگ کی حرارت کے شر سے اس روایت کو ترمذی نے نقل کیا ہے، اور کہا کہ یہ حدیث غریب ہے، صرف ابراہیم بن اسماعیل کی روایت سے جانی جاتی ہے، اور وہ روایت حدیث میں ضعیف شمار ہوتے ہیں۔

خلاصۂ حدیث آپ ﷺ نے بخار اور دیگر امراض کے دور کرنے کے لئے دوائیں بھی بتائیں ہیں، اور دعائیں بھی بیان کی ہیں حدیث باب میں جو دعاء مذکور ہے، اس کے دم کرنے سے بخار اور دیگر تکالیف میں شفا ملنی بھی یقینی بات ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح کل عرق نعار اس کا مطلب ہے کہا اگر بہت کر زور سے خون نکلنا اور خون نکلنے سے باہر خون نکلنا مراد نہیں ہے، بلکہ رگوں میں خون کا دباؤ غیر ضروری مقدار میں بڑھ جائے، اور پھر وہ بخار و دیگر امراض کا

سبب ہے آپ ﷺ نے اس سے پناہ مانگی ہے، اس دعا کو پڑھ کر دوسرا شخص بھی مریض پر دم کرسکتا ہے، اور خود مریض بھی دعا پڑھ کر اپنے اوپر دم کرسکتا ہے، یہ دعا سات مرتبہ پڑھ کر دم کی جائے اور وقفہ وقفہ سے دم کیا جاتا رہے، انشاء اللہ شفا نصیب ہوگی۔

حدیث نمبر ۱۴۷۴ ﴿مریض کی دعا کا تذکرہ﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۵۵۵

وَعَنْ اَبِي الدَّرْدَآءِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنِ اشْتَكٰى مِنْكُمْ شَيْئًا اَوِ اشْتَكَاهُ اَخٌ لَّهُ فَلْيَقُلْ رَبُّنَا اللّٰهُ الَّذِيْ فِي السَّمَآءِ تَقَدَّسَ اسْمُكَ اَمْرُكَ فِي السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ كَمَا رَحْمَتُكَ فِي السَّمَآءِ فَاجْعَلْ رَحْمَتَكَ فِي الْاَرْضِ اغْفِرْلَنَا حُوْبَنَا وَخَطَايَانَا اَنْتَ رَبُّ الطَّيِّبِيْنَ اَنْزِلْ رَحْمَةً مِّنْ رَّحْمَتِكَ وَشِفَاءً مِّنْ شِفَآئِكَ عَلٰى هٰذَا الْوَجَعِ فَيَبْرَأَ رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ.

حوالہ: ابوداؤد ص ۴۴۳: ج ۲ باب کیف امر الرقی، کتاب الطب حدیث ۳۸۹۲۔

ترجمہ: حضرت ابو درداءؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ تم میں سے کوئی شخص بیمار ہو یا کوئی دوسرا شخص اپنے بھائی سے اپنی بیماری کا ذکر کرے تو اس کو چاہئے کہ یہ دعا پڑھے "ربنا اللہ الذی الخ" ہمارا رب وہ اللہ ہے جو آسمان میں ہے یا اللہ آپ کا نام پاک ہے، آپ ہی کا حکم آسمان وزمین میں ہے، اپنی اصل زمین میں بھی عنایت فرمادیجئے، ہمارے گناہوں اور خطاؤں کو معاف فرمادیجئے، آپ پاکیزوں کے سیر درد مار ہیں، اپنی رحمت میں سے کچھ رحمت اور اپنی شفا میں سے کچھ شفاء اس بیمار پر نازل کردیجئے اس دعا کی برکت سے بیمار اچھا ہوجائے گا۔ (ابوداؤد)

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ بیمار شخص مذکورہ دعا پڑھ کر اپنے داء شفا طلب کرے جو اللہ کے کرم سے شفا پاجائے گا، حدیث میں جو دعا ہے اس میں اللہ تعالیٰ کی عظمت کا اعتراف اور اپنے قصور پر ندامت کا اظہار اور عاجزی کے ساتھ اپنی بیماری سے شفایابی کی درخواست ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح ربنا اللہ الذی فی السماء تمام معبودان باطلہ سے بیزاری کے اظہار کے ساتھ صرف اللہ ہی کی بندگی کرنے کا اعتراف ہے اور یہ بتانا مقصود ہے کہ نا آسمان کی کوئی ایسی شئی ہے جو عبادت کے لائق ہوسکتی ہے اور نہ زمین میں کوئی عبادت کے قابل ہے رحمتك فی سماء آسمان میں اللہ کی رحمت خصوصی ہے جو کوئی بھی وہاں ہے اس کے ساتھ تو اللہ کی خصوصی عنایت ہے اور زمین میں بھی ایمان والوں پر خصوصی عنایت ہے اور کافروں پر نہیں ہے عمومی رحمت سب پر ہے آسمان والوں پر ایک خصوصی عنایت اس لئے ہے کہ وہ صرف پاکیزہ اور معصوم لوگ بھی ہیں پر اللہ تعالیٰ تو ہر مخلوق کے رب ہیں لیکن یہاں پر پاکیزہ لوگوں کا ذکر اضافت تشریفیہ ہے اور پاکیزہ لوگوں سے مراد وہ لوگ ہیں جو شرک سے پاک ہیں یعنی وہ لوگ مراد ہیں جو کہ برے اعمال اور برے اقوال سے پاک ہیں۔

حدیث نمبر ۱۴۷۵ ﴿بوقت عیادت کی جانے والی﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۵۵۶

وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا جَآءَ الرَّجُلُ يَعُوْدُ مَرِيْضًا فَلْيَقُلْ اللّٰهُمَّ اشْفِ عَبْدَكَ يَنْكَأُلَكَ عَدُوًّا اَوْ يَمْشِيْ لَكَ اِلٰى جَنَازَةٍ رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ.

حوالہ: ابوداؤد: ص ۴۴۳ ج ۲۔ باب الدعاء للمریض عندالعیادۃ، کتاب الجنائز. حدیث ۱۰۷۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب کوئی آدمی بیمار کی عیادت کے لئے آئے گا تو یہ دعاء پڑھے، اللّٰھم اشف الخ اللہ اپنے اس بندے کو شفاء عطا کردیجئے تا کہ یہ تیرے دشمنوں کو سزا دے یا تیری رضا کے لئے کسی جنازہ کے ساتھ جائے۔ (ابوداؤد)

خلاصۂ حدیث مریض کی عیادت کے لیے جایا جائے تو اسکے پاس پہونچ کر اسکے حق میں شفایابی کی دعا کرنا سنت ہے، آپ ﷺ نے مختلف مواقع پر مختلف دعائیں کی ہیں آپ ﷺ کی دعاؤں میں ایک دعا کا ذکر حدیث باب میں بھی ہے اس دعا کے ذریعہ بھی مریض کی شفایابی کی قوی امید ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح یکاینکا لك عدوًا او یمشی لك إلی جنازة مریض کے لیے شفا کا حصول طلب کرتے وقت دو امور کا ذکر ہے (۱) شفا پاکر دشمن خدا سے مقابلہ کرے (۲) بندۂ مومن کی نماز جنازہ میں شرکت کرے مریض کے ساتھ ان دو امور کا خاص ربط ہے، وہ اس طور پر کہ مرض یا تو گناہوں کا کفارہ اور درجات کی بلندی کا ذریعہ بنتا ہے، یا اس کے ذریعہ سے موت کی آخرت کی اور سزا کی یاد دہانی ہوتی ہے، اور یہ مقاصد حدیث میں مذکورہ دو امور سے حاصل ہوتے ہیں اس لئے پہلے امر میں اللہ کے دشمن کو سزا دینے کی کوشش ہے اور دوسرے امر میں اللہ کو رحمت پہچانے کی جدوجہد ہے (مرقات: ص ۳۶۴ ر ج ۳)

حدیث نمبر ۱۴۷۶ ﴿رنج والم سے مومن میں نکھار پیدا ہوتا ہے﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۵۵۷

وَعَنْ عَلِيِّ بْنِ زَيْدٍ عَنْ اُمَيَّةَ اَنَّهَا سَاَلَتْ عَائِشَةَ عَنْ قَوْلِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ اِنْ تُبْدُوْا مَافِيْ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ وَعَنْ قَوْلِهٖ مَنْ يَّعْمَلْ سُوْءً يُّجْزَبِهٖ فَقَالَتْ مَا سَاَلَنِيْ عَنْهَا اَحَدٌ مُنْذُ سَاَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ هٰذِهٖ مُعَاتَبَةُ اللّٰهِ الْعَبْدَ بِمَا يُصِيْبُهٗ مِنَ الْحُمّٰى وَالنَّكْبَةِ حَتّٰى الْبِضَاعَةِ يَضَعُهَا فِيْ يَدِ قَمِيْصِهٖ فَيَفْقِدُهَا فَيَفْزَعُ لَهَا حَتّٰى اِنَّ الْعَبْدَ لَيَخْرُجُ مِنْ ذُنُوْبِهٖ كَمَا يَخْرُجُ التِّبْرُ الْاَحْمَرُ مِنَ الْكِيْرِ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ .

حوالہ: ترمذی، ص ۱۲۸ ر ج ۲، باب ومن سورۃ البقرۃ، کتاب تفسیر القرآن حدیث ۲۹۹۱۔

ترجمہ: حضرت علی بن زیدؒ حضرت امیہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت عائشہ سے اللہ تعالیٰ کے ارشاد "إن تبدوا الخ کے بارے میں معلوم کیا یعنی اگر تم ظاہر کرو گے جو کچھ دل میں ہے یا اس کو چھپاؤ گے اللہ تعالیٰ تم سے اس کا حساب لے گا اور اللہ تعالیٰ کے ارشاد "من یعمل سوا یجزبه" کے بارے میں معلوم کیا، یعنی جو شخص برا عمل کرے گا تو اس کا بدلہ دیا جائے گا، حضرت عائشہؓ نے کہا جب سے اس بارے میں میں نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا ہے کہ مجھ سے اس بارے میں سوال نہیں کیا، آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ یہ بندہ پر اللہ کی جانب سے عتاب ہے، جس میں کہ وہ بندہ کی بخار یا کسی اور پریشانی میں مبتلا کرتا ہے، یہاں تک کہ مال میں سے کچھ چیز جس کو وہ اپنی آستین میں رکھتا ہے اور وہ گم ہو جاتی ہے، تو وہ اس پر اظہار افسوس کرتا ہے، یہاں تک کہ بندہ گناہوں سے اس طرح صاف ہو جاتا ہے، جس طرح سونا بھٹی سے کندن ہو کر نکلتا ہے (ترمذی)

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ دنیا کے اور مسلمانوں کو جو تکلیف اور اذیتیں پہنچتی ہیں وہ بھی درحقیقت ان کے حق میں باعث رحمت ہیں اس کے ذریعہ سے بندہ کے گناہوں کو معاف کیا جاتا ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح إن تبدوا مافی انفسکم الخ یہاں حدیث میں جو آیات مذکور ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ بندوں کے دل میں آنے والے خیالات کا محاسبہ بھی فرمائیں گے، اور بندہ کو ہر برے کام کی سزا بھی ملے گی، چنانچہ پہلی آیت جب نازل ہوئی تو صحابہ کو بڑی بے چینی ہوئی صحابہ نے اپنی فکرمندی کا اظہار بارگاہ رسالت میں کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ جو حکم ربانی نازل ہوا ہے اس کی تعمیل کا پختہ ارادہ کر لو اور یہ کہو کہ "سمعنا واطعنا" یعنی ہم نے سن لیا اور ہم نے تعمیل کی، صحابہ نے اس کے مطابق عمل کیا، تو قرآن مجید میں اللہ نے یہ اعلان کیا ہے کہ "لایکلف الله نفسا الا وسعها" یعنی اللہ تعالیٰ کسی بھی شخص کو اس کی قدرت سے زائد تکلیف نہیں دیتے ہیں، اس کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ غیر اختیاری وساوس پر مواخذہ نہیں کریں گے حضرت عائشہؓ سے بھی بعد میں اس طرح کا سوال کیا گیا تو آپ نے مزید یہ بتایا کے اللہ تعالیٰ نے جو ہر عمل کا حساب لینے اور اس پر مواخذہ کرنے

کی بات فرمائی ہے اس کا مقصد گناہ پر عتاب ہے، اور عتاب دنیا کی کسی پریشانی اور تکلیف کے سبب بھی ہوسکتا ہے، لہٰذا جب بندہ حادثہ یا مصیبت سے دوچار ہوتے تو اس کو سمجھ لینا چاہئے کہ اس کے ذریعہ سے اللہ نے اس کے گناہ کا حساب چکتا کردیا ہے، یعنی اب ہمارے کھاتے میں گناہ نہیں لکھا ہے۔

حدیث نمبر ۱۴۷۷ ﴿گناہ کی وجہ سے مصیبت پہنچنا﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۵۵۸

وَعَنْ اَبِیْ مُوْسٰی اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ قَالَ لَا یُصِیْبُ عَبْداً نَکْبَۃٌ فَمَا فَوْقَھَا اَوْدُوْنَھَا اِلَّا بِذَنْبٍ وَّمَا یَعْفُوْاللّٰہُ عَنْہُ اَکْثَرُ قَرَأَ وَمَا اَصَابَکُمْ مِّنْ مُّصِیْبَۃٍ فَبِمَا کَسَبَتْ اَیْدِیْکُمْ وَیَعْفُوْا عَنْ کَثِیْرٍ رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ۔

حوالہ: ترمذی: ۲/۱۶۱۔ باب ومن سورۃ حمعسق، کتاب تفسیر القرآن، حدیث ۳۲۵۲۔

ترجمہ: حضرت ابوموسیٰؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ بندہ کو کم یا زیادہ جو بھی تکلیف پہونچتی ہے، وہ در حقیقت گناہ کے سبب سے ہوتی ہے، اور بہت سے گناہ اللہ تعالیٰ یوں ہی معاف فرمادیتے ہیں، اس کے بعد آپ ﷺ نے تلاوت فرمائی "وما اصابکم الخ تم کو جو مصیبت پہونچتی ہے وہ تمہارے اعمال کا ثمرہ ہے، اور اللہ تعالیٰ تو بہت سے گناہوں کو معاف کردیتے ہیں۔ (ترمذی)

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ ہر مصیبت کسی نہ کسی گناہ کی وجہ سے انسان کو پہنچتی ہے، حدیث باب میں جو آیت مذکور ہے جب نازل ہوئی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے جس شخص کو لکڑی سے کوئی خراش آجائے یا کوئی رگ دھڑکتی ہے۔ یا قدم کو لغزش ہوتی ہے یہ سب اس کے گناہ کے سبب ہوتا ہے اور گناہ کی سزا اللہ تعالیٰ نہیں دیتے ہیں۔

کلمات حدیث کی تشریح لایصیب عبدا نکبۃ جس طرح جسمانی تکلیف گناہوں کے سبب آتی ہے اسی طرح امراض بھی گناہوں کے سبب آتے ہیں اس لیے کہ گناہ کی سب سے پہلی جو نحوست ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ اس کے بعد دوسرے گناہ میں آدمی مبتلا ہوجاتا ہے۔

سوال: جو لوگ گناہوں سے معصوم ہیں ان کو دنیا میں تکالیف کیوں پہونچتی ہیں؟

جواب: حدیث باب یا قرآن مجید کی آیت میں جو بات ہے وہ ان لوگوں کے لئے مخصوص ہے جن سے گناہ سرزد ہوتے ہیں اور جو لوگ گناہ سے پاک ہیں ان کو دیگر اسباب سے تکالیف پہنچتی ہیں، مثلاً رفع درجات اور اللہ سے قرب میں اضافہ کی وجہ سے تکالیف پہنچتی ہیں۔

حدیث نمبر ۱۴۷۸ ☆☆ عالمی حدیث نمبر ۱۵۵۹

﴿بیماری میں تندرستی کے زمانہ میں کی جانیوالی عبادت کا ثواب﴾

وَعَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ الْعَبْدَ اِذَا کَانَ عَلٰی طَرِیْقَۃٍ حَسَنَۃٍ مِّنَ الْعِبَادَۃِ ثُمَّ مَرِضَ قِیْلَ لِلْمَلَکِ الْمُوَکَّلِ بِہٖ اُکْتُبْ لَہٗ مِثْلَ عَمَلِہٖ اِذَا کَانَ طَلِیْقًا حَتّٰی اُطْلِقَہٗ اَوْ اَکْفِتَہٗ اِلَیَّ۔

حوالہ: البغوی فی شرح السنہ: ص ۲۴۰ ج: ۵۔ باب المریض یکتب لہ مثل عملہ۔ کتاب الجنائز ۱۴۲۹۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بندہ نیکی کے راہوں پر گامزن ہوتا ہے، اور اسی حال میں بیمار ہوتا ہے تو اس کے لئے اعمال لکھنے والے فرشتے سے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اس کے اعمال اس طرح لکھو جس طرح اس کے صحت کی حالت میں لکھتے تھے، یہاں تک اس کو صحت عطا کردوں، یا اپنے پاس بلالوں۔ (شرح السنہ)

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ جس طرح بندہ کو صحت کے زمانہ میں اس کی عبادت کرنے پر ثواب ملتا ہے اسی طرح مرض میں مبتلا ہونے کی صورت میں عبادت پر قادر ہونے کی وجہ سے ترک عبادت پر بھی ثواب ملتا ہے یعنی اس کے

ثواب کا لکھا جاتا رہتا ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح اِذا کان علی طریقة حسنة اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ آدمی کو اپنی صحت کی قدر کرنا چاہئے، اور دوران صحت کثرت سے عبادت کرنا چاہئے، کیونکہ دوران صحت وہ جس قدر کثرت سے عبادت کرے گا اس کا ثواب ملے گا یہی حالت مرض بھی عبادت سے معذوری کے وقت بھی اتنا ثواب ملتا رہے گا۔ اس کو آپ ﷺ نے ایک موقعہ پر فرمایا کہ دوران صحت کو اپنی بیماری سے پہلے غنیمت جانو"

حدیث نمبر ۱۴۷۹ ﴿مرض میں عمل صالح لکھے جاتے رہتے ہیں﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۵۶۰

وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ قَالَ اِذَا ابْتُلِيَ الْمُسْلِمُ بِبَلَاءٍ فِيْ جَسَدِهٖ قِيْلَ لِلْمَلَكِ اُكْتُبْ لَهٗ صَالِحَ عَمَلِهِ الَّذِيْ كَانَ يَعْمَلُ فَاِنْ شَفَاهُ غَسَّلَهٗ وَطَهَّرَهٗ وَاِنْ قَبَضَهٗ غَفَرَ لَهٗ وَرَحِمَهٗ رَوَاهُمَا فِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ.

حوالہ: بغوی فی شرح السنه، ص ۲۴۱: ج ۵۔ باب المریض یکتب له مثل عمله. کتاب الجنائز، حدیث ۱۴۲۰۔

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بندہ مسلم جب اپنی کسی جسمانی بیماری میں مبتلا ہوتا ہے تو نیک اعمال لکھنے والے فرشتے کو حکم ہوتا ہے کہ اس کے اعمال نامہ میں اس کے عمل صالح لکھتے رہو، جو یہ بندہ کیا کرتا تھا، پھر اگر اللہ تعالیٰ اس کو شفا عطا کرتے ہیں تو اس کو دھو دیتے ہیں، اور اس کو پاک کر دیتے ہیں، اور اگر اس کی روح قبض کر لیتے ہیں تو اس کو معاف فرما دیتے ہیں، اور اس پر رحم فرماتے ہیں۔ (شرح السنہ)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل بھی یہی ہے کہ بندہ کو اپنی صحت کی قدر کرنی چاہئے اور اسی دوران صحت خوب عبادت کرنا چاہئے، کیونکہ زمانہ مرض میں جبکہ عبادت کرنے سے معذور ہو جاتا ہے، تو اللہ تعالیٰ زمانہ صحت کے بقدر عبادت بندہ کے اعمال میں لکھواتے ہیں۔

کلمات حدیث کی تشریح قیل للملك، انسان کے دائیں طرف جو فرشتہ مقرر ہے، وہی اعمال لکھتا ہے اسی کو اللہ تعالیٰ یہ حکم فرماتے ہیں۔ جس کا حدیث باب میں ذکر ہے، عمله نفس عمل لکھنے کی روایت بھی ممکن ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ عمل کا ثواب مراد ہے۔ وطهره یعنی اللہ تعالیٰ گناہوں سے پاک کرتے ہیں۔ کیونکہ مرض گناہوں کیلئے کفارہ ہے، ان قبضه اگر اللہ تعالیٰ روح قبض کرنے اور موت دینے کا حکم کرتے ہیں تو بندہ کی خطائیں معاف کر دیتے ہیں۔ ورحمه نیکیوں کو قبول کر کے رحم کرتے ہیں۔ یا زیادہ ثواب عطا کر کے فضل فرماتے ہیں۔

حدیث نمبر ۱۴۸۰ ﴿ڈوبنے والا بھی شہید حکمی ہے﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۵۶۱

وَعَنْ جَابِرِ بْنِ عَتِيْكٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلشَّهَادَةُ سَبْعٌ سِوَى الْقَتْلِ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَلْمَطْعُوْنُ شَهِيْدٌ وَالْغَرِيْقُ شَهِيْدٌ وَصَاحِبُ ذَاتِ الْجَنْبِ شَهِيْدٌ وَالْمَبْطُوْنُ شَهِيْدٌ وَصَاحِبُ الْحَرِيْقِ شَهِيْدٌ وَالَّذِيْ يَمُوْتُ تَحْتَ الْهَدْمِ شَهِيْدٌ وَالْمَرْاَةُ تَمُوْتُ بِجُمْعٍ شَهِيْدٌ رَوَاهُ مَالِكٌ وَاَبُوْدَاوٗدَ وَالنَّسَائِيُّ.

حوالہ: مؤطا امام مالک: ص باب النهی عن البکاء علی المیت، کتاب الجنائز، حدیث ۳۶، ابوداؤد: ص باب فی فضل من مات فی الطاعون، کتاب الجنائز، حدیث ۳۱۱۱، نسائی ص ر ج ۲۔ باب النهی عن البکاء علی المیت. کتاب الجنائز حدیث ۱۸۴۵

ترجمہ: حضرت جابر بن عتیک سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ راہ حق میں قتل ہونے والے کے علاوہ سات طبقے شہادت کا مقام پانے والے ہیں (۱) جو طاعون میں مرے وہ شہید ہے (۲) ڈوب کر مرنے والا شہید ہے (۳) اس ذات جنب میں مرنے والا شہید ہے (۴) پیٹ کی بیماری میں مبتلا ہو کر مرنے والا شہید ہے (۵) جل کر مرنے والا شہید ہے (۶) کسی چیز سے دب

کر مرنے والا شہید ہے (۷) اور وہ عورت جو بچے کی ولادت کے دنوں میں فوت ہو جائے شہید ہے۔ (موطا امام مالک)

خلاصۂ حدیث ایک حقیقی شہادت ہے وہ تو راہ حق میں قتل ہونا ہے، یہی حقیقی شہادت ہے، اس پر دنیا میں شہیدوں کا حکم جاری ہوگا، اور اس کو بغیر نہلائے دفن کفن کیا جاتا ہے، اس کے علاوہ بہت سے حکمی شہید ہیں۔ جن کو اللہ نے اپنے فضل سے شہیدوں والا ثواب عنایت فرمائیں گے، حکمی شہداء میں سے سات شہیدوں کا حدیث باب میں تذکرہ ہے۔ ان کے علاوہ بعض دیگر حکمی شہداء کا تذکرہ دیگر احادیث میں بھی آیا ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح الشهادة سبع ابوداؤد کی روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے پوچھا کہ ''ماتعدون الشهادة'' تم شہادت کس کو سمجھتے ہو۔ جواب ملا اللہ کے سامنے قتل ہونے کو، اس موقعہ پر آپ ﷺ نے فرمایا ہے کہ اسباب شہادت اس کے علاوہ سات اور ہیں۔

سوال: حدیث باب میں اسباب شہادت سات مذکور ہیں کیا اس تعداد میں حصر ہے؟

جواب: حصر مقصود نہیں ہے۔ حضرت شیخ الحدیثؒ نے اوجز میں سات کا ذکر کیا ہے، اور علامہ سیوطیؒ کی ایک مستقل تالیف ہے ''ابواب السعادة في أسباب الشهادة'' اس میں اسباب شہادت مذکور ہیں آپ ﷺ نے یہاں سے گر کر مرنے والے، گھوڑے سے کچل کر مرنے والے۔ جیل میں مرنے والے، طلب علم کی راہ میں انتقال کرنے والوں کو بھی شہید قرار دیا ہے، اس کے علاوہ مزید تحقیق کے لئے مذکورہ کتابوں کی طرف رجوع کیا جائے۔

صاحب ذات الجنب ذات الجنب کی دو قسمیں ہیں (۱) ورم کی شکل میں بیماری ہوتی ہے، انسان کی پسلیوں کے اندرونی پٹھوں میں ورم آجاتا ہے، جس کی وجہ سے بخار کھانسی وغیرہ مرض بھی لاحق ہو جاتے ہیں (۲) وہ درد جو گیس کی وجہ سے آدمی کے پہلو میں اٹھتا ہے **المرء ةغوث بجمع** وہ عورت جو حالت حمل میں مرجائے، یا شادی سے پہلے حالت بکارت میں مرجائے، یا حالت نفاس میں بچہ کی پیدائش کے بعد مرجائے۔

حدیث نمبر ۱۴۸۱ ﴿مصیبتوں پر صبر کرنے کا بیان﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۵۶۲

وَعَنْ سَعْدٍ قَالَ سُئِلَ النَّبِيُّ ﷺ اَيُّ النَّاسِ اَشَدُّ بَلَآءً قَالَ الْاَنْبِيَآءُ ثُمَّ الْاَمْثَلُ فَالْاَمْثَلُ يُبْتَلَى الرَّجُلُ عَلٰى حَسْبِ دِيْنِهٖ فَاِنْ كَانَ فِيْ دِيْنِهٖ صُلْبًا، اشْتَدَّ بَلَآءُ هٗ وَاِنْ كَانَ فِيْ دِيْنِهٖ رِقَّةٌ هُوِّنَ عَلَيْهِ فَمَا زَالَ كَذٰلِكَ حَتّٰى يَمْشِيْ عَلَى الْاَرْضِ مَالَهٗ ذَنْبٌ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارِمِيُّ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ.

حواله: ترمذی، ص نمبر: ۶۰ ج ۲، باب ما جاء في الصبر على البلاء كتاب الزهد. حدیث نمبر: ۲۳۹۸ ابن ماجه، ص: ۲۹۱ باب الصبر على البلاء كتاب الفتن حدیث نمبر: ۴۰۲۳ دارمی ص نمبر: ۴۱۲ ج ۲، باب أشد الناس بلاء كتاب الرقاق حدیث نمبر: ۲۸۸۳

ترجمه: حضرت سعدؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا گیا سب سے زیادہ سختی کن لوگوں پر کی گئی؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ انبیاء پر پھران پر جو پیغمبروں کے مشابہ ہوتے ہیں پھران پر جوان کے بعد ان کے مثل ہوں دراصل بات یہ ہے کہ آدمی اپنے دین کے اعتبار سے ہی آزمائش میں مبتلا کیا جاتا ہے اگر وہ دین کے بارے میں سخت ہوتا ہے تو اس کی آزمائش بھی سخت ہوتی ہے اور اگر اس کے دین میں نرمی ہوتی ہے تو اس کی آزمائش بھی ہلکی ہوتی ہے ایسا ہی ہوتا رہتا ہے اور وہ بھی زمین پر چلتا رہتا ہے اور اس کے نامۂ اعمال میں کوئی نہیں لکھا جاتا ہے (ابن ماجہ)

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ جو اللہ سے جتنا قرب رکھتا ہے اور جتنا دین حق پر چلتا ہے اس کو دنیا میں اتنا ہی امتحان سے گزرنا پڑتا ہے چونکہ انسان میں سب سے زیادہ خدا ترس طبقہ انبیاء کا ہے لہٰذا سب سے سخت آزمائش ان ہی کو

ہوتی ہے پھر انبیاء سے تعلق رکھنے والے اولیاء صلحا پھر ان کے متبعین اسی طرح حسب مراتب آزمائش ہوتی رہتی ہے اور جو جتنے مشکل امتحان میں کامیاب ہوتا ہے اس کا آخرت میں اتنا ہی بلند مقام و مرتبہ ہوتا ہے اسی وجہ سے آپ ﷺ نے ایک موقع پر فرمایا کہ بسا اوقات انسان کسی بلند مقام پر اپنی عبادت کے ذریعہ نہیں پہنچ پاتا ہے اور اللہ کو اس کو وہ بلندی عطا کرنا ہوتی ہے چنانچہ بندہ کو کسی مصیبت میں مبتلا کر دیتے ہیں وہ صبر کرتا ہے، جس کی وجہ سے اس مقام کو حاصل کر لیتا ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح الأنبیاء انبیاء کرام کو سب سے زیادہ سخت آزمائش سے گزرنا پڑا ہے ان کو مصیبتوں میں ایسی ہی لذت محسوس ہوتی ہے جیسے کہ دیگر لوگوں کو نعمتوں میں محسوس ہوتی ہے انبیاء کرام کو سخت آزمائش سے اس لئے بھی گزارا جاتا ہے تاکہ لوگوں کو اسکا وہم نہ ہو کہ نعوذ باللہ خدا ہیں، فالامثل جو لوگ انبیاء کے مشابہ ہوں اور انبیا کے علاوہ لوگوں پر افضل ہوں تو انبیاء کے بعد ان ہی کو سخت آزمائش سے گزرنا پڑتا ہے اور ان ہی کا ثواب بھی سب سے زیادہ ہوتا ہے۔

حدیث نمبر ۱۴۸۲ ﴿موت کی سختی نعمت ھے﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۵۶۳

وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ مَا اَغْبِطُ اَحَداً بِهَوْنِ مَوْتٍ بَعْدَ الَّذِیْ رَاَیْتُ مِنْ شِدَّةِ مَوْتِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَالنَّسَائِیُّ.

حوالہ: ترمذی ص نمبر: ۱۹۲ ج ۲ باب ماجاء فی التشدید عند الموت کتاب الجنائز حدیث نمبر: ۹۷۹ نسائی ص نمبر ۲۰۲ ج ۱ باب شدة الموت کتاب الجنائز حدیث نمبر ۱۸۲۹۔

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا موت کی سختی کو برا سمجھتی تھیں اور اس سے پناہ طلب کرتی تھیں اور اس بات کی تمنا کرتی تھیں کہ موت آسان ہو لیکن جب انھوں نے دیکھا کہ موت کے وقت حضور ﷺ کو بھی تکلیف پہنچی تو انھوں نے جان لیا کہ مومن کے حق میں یہ بھی ایک نعمت ہے اگر نعمت نہ ہوتی تو حضور ﷺ کو اس سے دوچار نہ ہونا پڑتا لہذا انھوں نے آسان موت کی آرزو کو چھوڑ دیا۔

کلمات حدیث کی تشریح شدة موت آگے حدیث آرہی ہے نمبر: ۱۵۴۷ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مومن کی روح بہت آسانی سے نکالی جائے گی اور کافر کی روح بہت مشقت سے نکلے گی یہاں حدیث سے معلوم ہو رہا ہے کہ موت کے وقت کی تکلیف مومن کے حق میں راحت ہے دونوں احادیث کے مفہوم میں بظاہر تضاد ہے لیکن حقیقت کے اعتبار سے کوئی تضاد نہیں ہے اس وجہ سے کہ موت سے پہلے کی سختی جس کو سکرات موت کہتے ہیں یہ الگ چیز ہے اس سے مومن دوچار ہوگا لیکن روح کے نکلتے وقت کی تکلیف دوسری چیز ہے اس سے مسلمان محفوظ رہے گا۔

حدیث نمبر ۱۴۸۳ ﴿وفات کے وقت آپ ﷺ کی دعا﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۵۶۴

وَعَنْهَا قَالَتْ رَاَیْتُ النَّبِیَّ ﷺ وَهُوَ بِالْمَوْتِ وَعِنْدَهٗ قَدَحٌ فِیْهِ مَاءٌ وَهُوَ یُدْخِلُ یَدَهٗ فِی الْقَدَحِ ثُمَّ یَمْسَحُ وَجْهَهٗ ثُمَّ یَقُوْلُ اللّٰهُمَّ اَعِنِّیْ عَلٰی مُنْکَرَاتِ الْمَوْتِ اَوْ سَکَرَاتِ الْمَوْتِ رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَابْنُ مَاجَةَ.

حوالہ: ترمذی ص نمبر: ۱۹۲ ج ۱، باب ماجاء فی التشدید عندالموت، کتاب الجنائز حدیث نمبر: ۹۷۸ ابن ماجہ ص نمبر: ۱۱۷ باب ماجاء فی ذکر مرض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کتاب الجنائز حدیث نمبر: ۱۶۲۳۔

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو اس وقت دیکھا جبکہ آپ ﷺ اس دنیا سے رخصت ہونے والے تھے اس وقت آپ ﷺ کے قریب پانی کا ایک پیالہ رکھا ہوا تھا آپ ﷺ اس میں اپنا ہاتھ ڈالتے پھر اپنے چہرے پر مل کر کہتے ''اللهم أعنی الخ'' یا اللہ موت کی سختی یا موت کی شدت میں میری مدد فرمائیے۔ (ترمذی، ابن ماجہ)

خلاصہ حدیث مومن کی روح بہت آسانی سے نکلتی ہے جب کہ روایت میں آتا ہے کہ ''فتخرج تسهل كما تسهل القطرة من السقاء'' مومن کے جسم سے روح اس طرح آسانی سے نکل جاتی ہے جس طرح سے پانی کا قطرہ مشک سے نکل جاتا ہے مومن کو مرتے وقت جو بھی شدت ہوتی ہے وہ مرض کی شدت ہوتی ہے روح نکلنے میں کسی بھی تکلیف کا احساس نہیں ہوتا ہے آپ ﷺ کے حق میں بھی مرض کی شدت تھی روح نکلنے کی تکلیف نہیں تھی۔

کلمات حدیث کی تشریح ثم يمسحه آپ کے پاس پیالہ رکھا تھا اس میں پانی تھا آپ ﷺ پیالہ میں ہاتھ ڈال کر ہاتھ کو اپنے چہرے پر ملتے تھے تاکہ موت کی حرارت کا اثر کم ہو جائے یا پھر اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف اپنے چہرے کو متوجہ کرنے کے لئے صاف ستھرا رکھنے کی غرض سے ایسا کر رہے تھے۔

سوال: مرض الوفات میں آپ ﷺ کو اس قدر تکلیف کیوں دی گئی؟

جواب: اسکی بہت سی وجوہات ہیں ان سب سے بنیادی وجہ امت کی تسلی ہے کہ بعد والے اگر کسی بھی قسم کی تکلیف میں مبتلا ہوں تو ان کیلئے سامان سکون یہ بات رہے کہ جب اللہ کے محبوب پیغمبر کو موت سے پہلے تکلیف ہوئی تو ہم کیا اور ہماری بساط کیا یہ سوچ کر صبر وضبط سے کام لیں

حدیث نمبر ۱۴۸۴ ﴿دنیا کی سزا﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۵۶۵

وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا اَرَادَ اللّٰهُ بِعَبْدِهِ الْخَيْرَ عَجَّلَ لَهُ الْعُقُوْبَةَ فِي الدُّنْيَا وَإِذَا اَرَادَ اللّٰهُ بِعَبْدِهِ الشَّرَّ اَمْسَكَ عَنْهُ بِذَنْبِهِ حَتّٰى يُوَافِيَهُ بِهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ.

حواله: ترمذی ص نمبر: ۶۵ ج ۲، باب ماجاء في الصبر على البلاء، كتاب الزهد حدیث نمبر: ۲۳۹۴۔

ترجمه: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جب اپنے بندے کی بھلائی چاہتا ہے تو اس کے گناہوں کی سزا جلد ہی دنیا میں دیتا ہے اور جب اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندہ کی برائی چاہتا ہے تو اس کو اس کے گناہوں کی سزا سے بچائے رکھتا ہے یہاں تک کہ قیامت کے دن اس کو پوری پوری سزا دے گا (ترمذی)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ دنیا کی سزا آخرت کی سزا سے بہت بہتر ہے چنانچہ اللہ جس کے ساتھ بہتری کرنا چاہتے ہیں تو اس کو دنیا میں کسی بیماری میں مبتلا کر کے یا کسی حادثہ سے دوچار کر کے اس کے گناہوں کی سزا دیتے ہیں اور جس کے لئے بہتری کا ارادہ نہیں ہوتا ہے تو اس کو ڈھیل دیتے ہیں وہ گناہ کرتا رہتا ہے اور دنیا میں اس کی پکڑ نہیں ہوتی ہے اس کے لئے اللہ کا فیصلہ یہ ہوتا ہے کہ اس کو آخرت میں مکمل سزا دی جاتی ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح عجل له العقوبة دنیا کے اندر نا گوار و ناپسندیدہ چیزوں میں مبتلا کرنا مراد ہے اس وجہ سے کہ آخرت کا عذاب زیادہ سخت اور باقی رہنے والا ہے اس حدیث سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ دنیا میں مسلمان بظاہر پریشانی اور کافر عیش وعشرت میں کیوں رہتے ہیں۔

حدیث نمبر ۱۴۸۵ ﴿اللہ والوں کی تکالیف﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۵۶۶

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ عُظْمَ الْجَزَآءِ مَعَ عُظْمِ الْبَلَآءِ وَإِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ إِذَا اَحَبَّ قَوْمًا ابْتَلَاهُمْ فَمَنْ رَضِيَ فَلَهُ الرِّضَاءُ وَمَنْ سَخِطَ فَلَهُ السُّخْطُ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ.

حواله: ترمذی ص نمبر ۶۵ ج ۲، باب ماجاء في الصبر على البلاء، كتاب الزهد حدیث نمبر: ۲۳۹۴، ابن ماجہ نمبر: ۲۱۲۔

ترجمه: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جتنی بڑی مصیبت ہوتی ہے اتنا ہی زیادہ ثواب ملتا ہے اور اللہ تعالیٰ جب کسی قوم سے محبت کرتے ہیں تو ان کو آزمائش میں ڈالتے ہیں جو شخص اس پر صابر و شاکر رہتا ہے تو اس کے لئے اللہ کی رضا

وخوشنودی ہوتی ہے اور جو ناشکری وغصہ کرتا ہے اس کے لئے اللہ کا غصہ ہوتا ہے۔

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ جو دنیا میں پریشانیاں آتی ہیں وہ اس کے مقام ومرتبہ کو بڑھانے اور اس کی گناہوں کو معاف کرانے کے لئے اللہ کی طرف سے آتی ہیں جتنی بڑی مصیبت سے بندہ دوچار ہوگا اتنا ہی زیادہ ثواب اس کے کھاتے میں لکھا جائے گا مزید یہ کہ بندہ اگر صبر وشکر سے اس مصیبت کو برداشت کرے گا تو اللہ کی رضا اس کو حاصل ہوگی اور اگر مصیبت پر زبان شکوہ دراز کر کے غم وغصہ کا اظہار کرے گا تو اللہ بھی اس سے ناراض ہوگا۔

کلمات حدیث کی تشریح ومن سخط فله السخط بندہ اگر اس بات کو سمجھنا چاہتا ہے کہ اللہ اس سے راضی ہے یا ناراض؟ تو اس کو محاسبہ کرنا چاہئے اور یہ دیکھنا چاہئے کہ دنیوی مصیبت پہنچنے پر اس کا معاملہ کیا ہوتا ہے اگر وہ صبر ورضا کا پیکر بنتا ہے خدا کا شکر ادا کرتا ہے تو سمجھنا چاہئے کہ اللہ اس سے راضی ہے اور اگر وہ غصہ گرمی کرتا ہے تو سمجھ لینا چاہئے کہ اللہ ناراض ہے۔

حدیث نمبر ۱۴۸۶ ﴿مصیبت پر صبر آخرت کی راحت کا ذریعہ ہے﴾ عالمی حدیث نمبر: ۱۵۶۷

وَعَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَزَالُ الْبَلَاءُ بِالْمُؤْمِنِ أَوِ الْمُؤْمِنَةِ فِيْ نَفْسِهٖ وَمَالِهٖ وَوَلَدِهٖ حَتّٰى يَلْقَى اللّٰهَ وَمَا عَلَيْهِ مِنْ خَطِيْئَةٍ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَرَوٰى مَالِكٌ نَحْوَهٗ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ.

حوالہ: ترمذی ص: ۲۵ ج ۲، باب ماجاء في الصبر على البلاء كتاب الزهد حدیث نمبر: ۲۳۹۴ موطا مالک ص نمبر: ۸۲ باب الحسبة في المصيبة كتاب الجنائز حدیث نمبر ۴۰۔

ترجمہ: حضرت ابوھریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مسلمان مرد وعورت اپنی جان اپنے آل اور اپنی اولاد کے حوالے سے برابر مبتلاء آزمائش کا شکار رہیں گے یہاں تک کہ وہ اللہ سے ملاقات کرلیں گے اور ان کے ذمہ کوئی گناہ نہ ہوگا۔ (ترمذی) امام مالکؒ نے اسی طرح روایت نقل کی ہے امام ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ بندہ کو جو بھی مصیبت پہنچتی ہے اس سے گناہ معاف ہوجاتے ہیں اور بسا اوقات اللہ تعالیٰ کے یہاں اس طرح حاضری ہوتی ہے کہ اس کے ذمہ کوئی گناہ ہوتا ہی نہیں ہے یہ معلوم ہوا کہ مصائب پر صبر کے ذریعہ بندہ اس مقام کو حاصل کرلیتا ہے جس کا حصول عبادت وریاضت کے ذریعہ نہیں ہوپاتا ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح وماعليه من خطيئة یعنی بندہ جب مرتا ہے تو اس کے ذمہ کوئی گناہ نہیں ہوتا ہے اس لئے کہ سب کے سب مصیبت پر صبر کرنے کی بنا پر زائل ہوچکتے ہیں۔

حدیث نمبر ۱۴۸۷ ﴿آزمائش پر صبر کا اجر﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۵۶۸

وَعَنْ مُحَمَّدِ بْنِ خَالِدِنِ السُّلَمِيِّ عَنْ أَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ الْعَبْدَ إِذَا سَبَقَتْ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ مَنْزِلَةٌ لَمْ يَبْلُغْهَا بِعَمَلِهٖ ابْتَلَاهُ اللّٰهُ فِيْ جَسَدِهٖ أَوْ فِيْ مَالِهٖ أَوْ فِيْ وَلَدِهٖ ثُمَّ صَبَّرَهٗ عَلٰى ذٰلِكَ حَتّٰى يَبْلُغَهُ الْمَنْزِلَةَ الَّتِيْ سَبَقَتْ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ رَوَاهُ أَحْمَدُ وَأَبُوْ دَاوُدَ.

حوالہ: مسند احمد ص نمبر: ۲۷۲ ج ۵، ابوداؤد ص نمبر: ۴۴۰ ج ۲، باب الا مراض المكفرة للذنوب، كتاب الجنائز حدیث نمبر: ۳۰۹۰

ترجمہ: حضرت محمد بن خالد السلمیؒ سے روایت ہے وہ اپنے والد سے اور وہ ان کے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب بندہ کے لئے اللہ کی طرف سے کوئی ایسا شرف عطا ہوجانا مقدر ہوجاتا ہے جس کو وہ اپنے اعمال کی بدولت حاصل نہیں کر سکتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو کسی جسمانی تکلیف یا مالی خسارہ یا اولاد کے تعلق سے کسی مصیبت میں مبتلا کردیتے ہیں پھر اس مصیبت پر صبر کی

توفیق عطا کر دیتے ہیں یہاں تک کہ وہ اس شرف کو پالیتا ہے جو اللہ کی طرف سے اس کے لئے مقدر ہوتا ہے۔ (احمد ابوداؤد)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ مصیبت پر بندہ کو صبر کرنا چاہئے کیوں کہ یہ بھی اس کے حق میں باعث خیر ہی ہے اس کے ذریعہ سے اللہ وہ مرتبہ عطا کر دیتے ہیں جو عبادت کے ذریعہ ممکن نہیں ہوتا ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح حتی یبلغه حقیقت یہ ہے کہ بندہ کو جو کچھ بھی ملتا ہے وہ اللہ کے فضل سے ملتا ہے لیکن دنیا دار العمل ہے اللہ تعالیٰ نے صراحۃً ثواب و عقاب ہر ایک کو عمل کے ساتھ مربوط کر رکھا ہے چنانچہ اللہ تعالی مصائب پر صبر کے ذریعہ سے بھی درجات بلند فرماتے ہیں۔

حدیث نمبر ۱۴۸۸ ﴿انسانوں کا مصیبتوں سے تعلق﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۵۶۹

وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ شِخِّيرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُثِّلَ ابْنُ اٰدَمَ وَإِلٰى جَنْبِهٖ تِسْعٌ وَّ تِسْعُوْنَ مَنِيَّةً إِنْ أَخْطَأَتْهُ الْمَنَا يَاوَقَعَ فِي الْهَرَمِ حَتّٰى يَمُوْتَ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ.

حوالہ: ترمذی ص نمبر: ۳۷ ج ۲، باب کتاب القدر حدیث نمبر: ۲۴۰۲۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن شخیرؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ابن آدم کو اس طرح پر پیدا کیا گیا کہ اس کے بازو میں ننانوے نام بتلائیں ہیں (یعنی بہت سی بلا اور مصیبت اس کی طرف متوجہ ہیں) اگر وہ ان مصیبتوں سے بچ گیا تو بڑھاپے میں گرفتار ہو کر رہے گا، یہاں تک اس کو موت آکر دبوچ لے گی (ترمذی) امام ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ مصیبت اور انسان کا ساتھ دائمی ہے اگر کوئی حسن اتفاق سے مصیبت کا شکار ہونے سے بچ گیا تو بالآخر لا علاج مرض بوڑھاپے کا شکار تو اس کو ہونا ہی ہے اور پھر موت کا اس کو لقمہ بننا ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح ان اخطأته المنايا، انسان کو موت سے ہمکنار کرنے والے اور اس کو مصائب کا شکار کرنے والے بہت سے اسباب ہیں اگر تمام اسباب سے انسان بچ بھی جائے تو آخر میں بھی بوڑھاپے سے کوئی بچ نہیں سکتا ہے۔

حدیث نمبر ۱۴۸۹ ☆☆ عالمی حدیث نمبر ۱۵۷۰

﴿دنیا میں مصیبت زدہ لوگ آخرت میں قابل رشک ہوں گے﴾

وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوَدُّ اَهْلُ الْعَافِيَةِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ حِيْنَ يُعْطٰى اَهْلُ الْبَلَاءِ الثَّوَابَ لَوْاَنَّ جُلُوْدَهُمْ كَانَتْ قُرِضَتْ فِي الدُّنْيَا بِالْمَقَارِيْضِ رَوَاهُ التِّرْمِذِ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ .

حوالہ: ترمذی ص نمبر: ۶۶ ج ۲، باب کتاب الزهد حدیث نمبر: ۲۴۰۲۔

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے دن آزمائش میں مبتلا لوگوں کو ثواب عطا کیا جائے گا تو دنیا میں عافیت سے رہنے والے تمنا کریں گے کہ کاش ان کی کھالوں کو بھی قینچیوں سے کاٹ دیا گیا ہوتا (ترمذی) امام ترمذی نے کہا کہ یہ حدیث غریب ہے۔

خلاصہ حدیث دنیا کے اندر عام طور پر مسلمان تکالیف اور مصائب کا شکار رہتے ہیں جبکہ کافر مشرک آرام و چین میں نظر آتے ہیں ایک موقع پر آپ نے فرمایا بھی کہ، الدنيا سجن المؤمن و جنة الكافر، دنیا مومن کے قید خانہ اور کافر کے لئے جنت ہے یہ تو دنیا کا حال ہے لیکن آخرت میں ایمان والوں کو مصائب پر صبر کی وجہ سے ایسے بلند و بالا مقام اور بیش بہا انعامات سے نوازا جائے گا جو لوگ دنیا کے اندر ہر طرح سے راحت میں ہونگے ان کو یہ حسرت ہوگی کہ کاش ہمیں بھی دنیا میں سخت سے سخت آزمائش کا

شکار بنایا گیا ہوتا اور آخرت میں یہ نعمتیں ملتی

کلمات حدیث کی تشریح اهل البلاء الثواب، مصائب پر صبر کرنے والوں کو بہت اجر ملے گا یوں کہئے کہ بلاحساب کے اجر ملے گا اس موقع پر بعض لوگ آرزو کریں گے کہ کاش ان دنیا میں سخت ترین سزائیں دی گئی ہوتیں اور انھوں نے اس پر صبر کیا ہوتا۔

حدیث نمبر ۱۴۹۰ ﴿بیماری مؤمن کے لئے عزت ہے﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۵۷۱

وَعَنْ عَامِرِ الرَّامِ قَالَ ذَكَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْاَسْقَامَ فَقَالَ اِنَّ الْمُؤْمِنَ اِذَا اَصَابَهُ السَّقَمُ ثُمَّ عَافَاهُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ مِنْهُ كَانَ كَفَّارَةً لِمَا مَضٰى مِنْ ذُنُوْبِهٖ وَمَوْعِظَةً لَهٗ فِيْمَا يَسْتَقْبِلُ وَاِنَّ الْمُنَافِقَ اِذَا مَرِضَ ثُمَّ اُعْفِيَ كَانَ كَالْبَعِيْرِ عَقَلَهٗ اَهْلُهٗ ثُمَّ اَرْسَلُوْهُ فَلَمْ يَدْرِ لِمَ عَقَلُوْهُ وَلِمَ اَرْسَلُوْهُ فَقَالَ رَجُلٌ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ وَمَا الْاَسْقَامُ وَاللّٰهِ مَا مَرِضْتُ قَطُّ فَقَالَ قُمْ عَنَّا فَلَسْتَ مِنَّا رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ۔

حواله: ابوداؤد ص نمبر: ۴۴۰ ج ۲، الامراض المكفرة للذنوب كتاب الجنائز، حدیث نمبر: ۳۰۸۹۔

توجمه: حضرت عامرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بیماریوں کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ بلاشبہ بندہ مومن جب کسی بیماری میں مبتلا کیا جاتا ہے پھر اللہ تعالیٰ اس کو صحت عطا فرماتے ہیں تو وہ بیماری اس کے سابقہ گناہوں کے لئے کفارہ ہوتی ہے اور مستقبل کے لئے نصیحت کا سبب ہوتی ہے اور بلاشبہ منافق وہ جب بیمار ہو کر صحت یاب ہوتا ہے تو اس اونٹ کی طرح ہوتا ہے جس کو اس کے مالک نے باندھا پھر اس کو آزاد چھوڑ دیا اور اونٹ نے ذرا بھی نہ جانا کہ اس کو کیوں باندھا اور کھولا گیا اس موقع پر ایک صاحب نے عرض کیا کہ بیماری کیا ہوتی ہے؟ اللہ کی قسم میں تو آج تک بیمار نہیں ہوا آپ ﷺ نے اس سے کہا کہ یہاں سے اٹھو تم ہم میں سے نہیں ہو (ابوداؤد)

خلاصۂ حدیث دراصل انسان کو جو بھی مصیبت رنج وغم بیماری و آزاری پہنچتی ہے وہ کسی نہ کسی گناہ کے سبب پہنچتی ہے بیماری کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے گناہ بھی دور کر دیتے ہیں لیکن بندۂ مومن شفا پانے کے بعد بیماری سے عبرت پکڑتے ہیں اور آئندہ گناہ کرنے سے اجتناب کرنے کا پختہ ارادہ کرتا ہے جبکہ کافر شفا پانے کے بعد ذرا سا بھی تدبر سے کام نہیں لیتا ہے وہ شفایابی کے بعد اپنی سابقہ زندگی پر راضی رہتا ہے اور اپنے مرض سے ذرہ برابر عبرت نہیں پکڑتا ہے بندہ مومن بیماریوں کے ذریعہ سے ضرور آزمایا جاتا ہے آپ ﷺ سے سوال کرنے والے کو کبھی تکلیف اور بیماری نہیں پہنچی تھی اور اس نے اس کا اظہار بھی کیا تو آپ ﷺ کو علم ہو گیا کہ یہ مومن نہیں ہے چنانچہ آپ نے اس کا اظہار بھی کر دیا۔

کلمات حدیث کی تشریح كفارة لما مضى، علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ بندۂ مومن مرض سے شفا پانے کے بعد یہ احساس کرتا ہے کہ مرض گناہ کی وجہ سے لاحق ہوا تھا منافق نہ تو عبرت حاصل کرتا ہے اور نہ توبہ کرتا ہے اس کا مرض اس کے حق میں ماضی و مستقبل کے اعتبار سے مفید نہیں ہوتا ہے اور انھیں جیسے لوگوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے،، اولئك كالانعام بل هم أضل و أولئك هم الغافلون، فلست؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ مومن سره أن ينظر إلى رجل من أهل النار فلينظر إلى هذا لو كان الله يريد به خيرا لطهر به جسده (مرقات ص نمبر: ۳۷۳ ج ۳)

حدیث نمبر ۱۴۹۱ ﴿بیمار کو تسلی دینے کی ھدایت﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۵۷۲

وَعَنْ اَبِيْ سَعِيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا دَخَلْتُمْ عَلَى الْمَرِيْضِ فَنَفِّسُوْا لَهٗ فِيْ اَجَلِهٖ فَاِنَّ ذٰلِكَ لَا يَرُدُّ شَيْئًا وَّيُطَيِّبُ بِنَفْسِهٖ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ۔

حواله: ترمذی ص نمبر ۲۹ ج ۲، کتاب الطب، حدیث نمبر: ۲۰۸۷، ابن ماجہ ص نمبر: ۱۰۴ باب ماجاء في عيادة المريض كتاب

الجنائز، حدیث نمبر:۱۴۳۸۔

ترجمہ: حضرت ابوسعیدؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب تم مریض کی عیادت کے لئے جاؤ تو اس کی زندگی سے غموں کو دور کرنے کی کوشش کرو اس سے اگر چہ تقدیر کا لکھا ٹل نہیں سکتا ہے لیکن مریض کا دل خوش ہو جاتا ہے (ترمذی ابن ماجہ)

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ عیادت کرنے والے کو چاہئے کہ مریض کے لئے دعا کرے اس کو صبر کی تلقین کرے نیز اس سے ایسی بات کرے جس سے اس کا غم دور ہو اور اس کو تسلی حاصل ہو تسلی دینے سے تقدیر کا لکھا بدلے گا نہیں لیکن مریض کو راحت ملے گی اور عیادت کرنے والے کا یہی ہدف بھی ہے مرض اور شفا دینا تو اس کے اختیار میں ہے بھی نہیں۔

کلمات حدیث کی تشریح فنفسوا له اجله مریض کی موت میں گنجائش پیدا کرو چوں کہ مریض اپنی حیات سے عام طور پر ناامید ہو کر سخت ملول رہتا ہے اس لئے اس سے ایسی بات کرنا آداب عیادت میں سے ہے جس سے اس کی دل بستگی ہو سکے مثلاً اس سے کہا جائے کہ عنقریب اچھے ہو جاؤ گے یہ کوئی بہت بڑا مرض نہیں ہے اللہ کی قدرت بہت بڑی چیز ہے فلاں اس مرض سے شفایاب ہو چکا ہے اس طرح کی باتیں کہنا بہت اچھی بات ہے اس کا بہت ثواب ہے۔

حدیث نمبر ۱۴۹۲ ﴿پیٹ کی بیماری میں مبتلا ہوکر مرنیوالے کا اجر﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۴۷۳

وَعَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ صُرَدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَتَلَهُ بَطْنُهُ لَمْ يُعَذَّبْ فِيْ قَبْرِهٖ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ.

حوالہ: مسند احمد ص نمبر:۲۶۲ ج ۴، ترمذی ص نمبر:۲۰۴ ج ۱، باب ماجاء في الشهداء منهم، كتاب الجنائز حدیث نمبر:۱۴۳۸

ترجمہ: حضرت سلیمان بن صردؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص کو اس کے پیٹ نے مارا (یعنی پیٹ کی کسی بیماری میں مبتلا ہو کر مرا) تو اس کو قبر میں عذاب نہیں دیا جائے گا (احمد ترمذی)

خلاصۂ حدیث پیٹ کی بیماری میں مبتلا ہو کر مرنے والا حکمی شہید ہے، اللہ تعالیٰ اس کے گناہ معاف فرمادیتے ہیں لہٰذا اس کو قبر میں عذاب بھی نہیں ہوتا ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح من قتله بطنه، اسنادِ مجازی ہے مطلب یہ ہے کہ جو شخص پیٹ کی کسی بیماری کی وجہ سے فوت ہو مثلاً اسہال کا مرض لاحق ہو گیا یا اسکے مانند پیٹ کے دیگر امراض کا شکار ہو گیا بعض لوگوں نے کہا کہ مطلب یہ ہے کہ جس شخص نے مال حرام اور مال مشتبہ سے اپنی حفاظت کی تو گویا اس کو اس کے پیٹ نے مار دیا اس مطلب کو لینے صورت میں رزق حرام سے بچنے اور رزق حلال کا استعمال کرنے والی کی فضیلت مقصود ہو گی لم یعذب فی قبره پیٹ کے مرض کی شدت کی وجہ سے اس کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں اور یہ حکمی شہید ہو جاتا ہے اور شہید کے بارے میں صحیح مسلم میں حدیث ہے کہ ان الشهيد يغفر له كل شيءٍ الا الدين، بیشک شہید کے سارے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں سوائے دین کے یعنی حقوق العباد کے۔

الفصل الثالث

حدیث نمبر ۱۴۹۳ ﴿آپ کا غیر مسلم کی عیادت کرنا﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۵۷۴

عَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ غُلَامٌ يَهُوْدِيٌّ يَخْدِمُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَمَرِضَ فَاَتَاهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعُوْدُهٗ فَقَعَدَ عِنْدَ رَأْسِهٖ فَقَالَ لَهٗ اَسْلِمْ فَنَظَرَ اِلٰى اَبِيْهِ وَهُوَ عِنْدَهٗ فَقَالَ اَطِعْ اَبَا الْقَاسِمِ فَاَسْلَمَ فَخَرَجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يَقُوْلُ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ اَنْقَذَهٗ مِنَ النَّارِ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ.

حوالہ: بخاری ص نمبر:۱۸۱ ج ۱، باب إذا أسلم الصبي فمات هل يصلى عليه، كتاب الجنائز حدیث نمبر:۱۳۵۶۔

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ ایک یہودی بچہ حضرت نبی کریم ﷺ کی خدمت کیا کرتا تھا وہ بیمار ہوا تو حضرت نبی کریم ﷺ اس کا حال پوچھنے کے لئے اس کے پاس تشریف لائے آپ ﷺ اس کے سرہانے بیٹھ گئے اور آپ ﷺ نے اس سے کہا کہ مسلمان ہوجاؤ اس بچہ نے اپنے باپ کی طرف دیکھا جو کہ وہیں قریب میں موجود تھا باپ نے کہا کہ ابوالقاسم ﷺ کی بات مان لو چنانچہ وہ بچہ مسلمان ہوگیا چنانچہ نبی کریم ﷺ یہ کہتے ہوئے نکلے کہ تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جس نے اس بچہ کو آگ سے بچالیا (بخاری)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ مریض کی عیادت کو جایا جائے تو اس کے سرہانے بیٹھا جائے یہودی مریض کی عیادت درست ہے اسی طرح اس سے خدمت لینا بھی جائز ہے مریض کافر ہے تو اس سے اسلام پیش کیا جائے قبول کرلے تو اللہ کا شکر ادا کیا جائے۔

کلمات حدیث کی تشریح فاتاه النبی صلی اللہ علیہ وسلم لیعوده ، اس میں بات کی دلیل ہے کہ ذمی کی عیادت جائز ہے یہودی کی عیادت کرنے میں مضائقہ نہیں ہے مجوس کی عیادت کا مسئلہ مختلف فیہ ہے فاسق کی عیادت کرنے میں بھی اختلاف ہے اصح قول یہ ہے کہ کوئی حرج نہیں ہے الحمد للہ یعنی اگر کافر ہوکر مرتا تو جہنم میں جلتا اللہ کا شکر ہے کہ ایمان کی حالت میں موت آرہی ہے مشرکین بچے جنت میں جائیں گے یا جہنم میں اس سلسلہ میں روایات مختلف ہیں جمہور کا موقف یہ ہے کہ اس سلسلہ میں سکوت اختیار کیا جائے۔

حدیث نمبر ۱۴۹۴ ﴿عیادت کو جانیوالے کے بارے میں خوشخبری﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۵۷۵

وَعَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ عَادَ مَرِيْضًا نَادٰى مُنَادٍ مِّنَ السَّمَآءِ طِبْتَ وَطَابَ مَمْشَاكَ وَتَبَوَّءْتَ مِنَ الْجَنَّةِ مَنْزِلًا رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ.

حوالہ: ابن ماجہ ص نمبر ۱۰۴ باب ماجاء فی ثواب من عاد مریضا ، کتاب الجنائز حدیث نمبر: ۱۴۴۳۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب کوئی شخص مریض کی عیادت کے لئے جاتا ہے تو ایک پکارنے والا آسمان سے پکارتا ہے کہ تجھے بشارت ہے تیرا چلنا اچھا ہے اور تو نے جنت میں ایک بڑا مقام حاصل کرلیا ہے۔ (ابن ماجہ)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ بیماری کی عیادت کے لئے پیدل جانا زیادہ بہتر ہے عیادت کرنے والے کے لئے اللہ تعالیٰ جنت میں عمدہ ٹھکانا بنادیتے ہیں اور فرشتے عیادت کرنے والے کو اس کی خوشخبری سناتے ہیں۔

کلمات حدیث کی تشریح طبت، یہاں فرشتوں کی جانب سے عیادت کرنے والے کے لئے دنیا و آخرت میں عیش و آرام کی دعا کا ذکر ہے دعا کا تذکرہ خبر کی صورت میں اس لئے کیا گیا ہے تاکہ لوگوں کی عیادت کی رغبت خوب پیدا ہو۔ (مرقات ص نمبر: ۳۷۳ ج ۳)

حدیث نمبر ۱۴۹۵ ﴿مریض کی حالت سے باخبر کرنیکا طریقہ﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۵۷۶

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ إِنَّ عَلِيًّا خَرَجَ مِنْ عِنْدِ النَّبِيِّ ﷺ فِيْ وَجَعِهِ الَّذِيْ تُوُفِّيَ فِيْهِ فَقَالَ النَّاسُ يَا اَبَا الْحَسَنِ كَيْفَ اَصْبَحَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَصْبَحَ بِحَمْدِ اللّٰهِ بَارِئًا رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ.

حوالہ: بخاری ص نمبر: ۹۲۷ ج ۲، باب المعانقة الخ کتاب الاستئذان حدیث نمبر ۶۲۶۶۔

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی اس بیماری میں جس میں آپ ﷺ نے وفات پائی حضرت علی رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے پاس سے باہر نکل آئے لوگوں نے کہا کہ اے ابوالحسن رسول اللہ ﷺ کی طبیعت کیسی ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ الحمد للہ آج تو آپ ﷺ کی طبیعت بحال ہے۔ (بخاری)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ جب کوئی شخص کسی عیادت کرنے والے سے بیمار کا حال دریافت کرے تو جواب میں امید افزا بات کہنا چاہئے مایوس اور بدنامی سے گریز کرنا چاہئے حضرت علیؓ نے اپنے خیالات کے اعتبار سے اور نیک فال کے غرض سے آپ ﷺ کا حال بہتر بتادیا تھا۔

کلمات حدیث کی تشریح بارئا اگر چہ آپ ﷺ اس مرض سے شفایاب نہ ہو پائے لیکن حضرت علیؓ جس وقت عیادت کرنے گئے تھے اس وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ایسا لگا تھا کہ آپ ﷺ مائل بصحت ہیں اس وجہ سے حضرت علیؓ نے پوچھنے والوں کو یہی بتایا کہ آپ ﷺ کو الحمد للہ افاقہ ہے۔

حدیث نمبر ۱۴۹۶ ﴿صابر مریض کی فضیلت کا تذکرہ﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۵۷۷

وَعَنْ عَطَآءِ بْنِ أَبِيْ رِبَاحٍ قَالَ قَالَ لِيْ ابْنُ عَبَّاسٍ اَلَا أُرِيْكَ إِمْرَأَةً مِّنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ قُلْتُ بَلٰى قَالَ هٰذِهِ الْمَرْأَةُ السَّوْدَآءُ اَتَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ إِنِّيْ أُصْرَعُ وَ إِنِّيْ اَتَكَشَّفُ فَادْعُ اللّٰهَ لِيْ فَقَالَ إِنْ شِئْتِ صَبَرْتِ وَلَكِ الْجَنَّةُ وَإِنْ شِئْتِ دَعَوْتُ اللّٰهَ اَنْ يُّعَافِيَكِ فَقَالَتْ اَصْبِرُ فَقَالَتْ إِنِّيْ اَتَكَشَّفُ فَادْعُ اللّٰهَ اَنْ لَّا اَتَكَشَّفَ فَدَعَا لَهَا مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حوالہ: بخاری ص نمبر: ۸۴۴ ج ۲، باب فضل من یصرع الخ، کتاب المرضی حدیث نمبر: ۵۶۵۲ مسلم ص نمبر: ۳۱۹ باب ثواب المو من الخ، کتاب البر و الصلۃ حدیث نمبر: ۲۵۷۶۔

ترجمہ: حضرت عطا ابن رباحؒ سے روایت ہے کہ مجھ سے حضرت ابن عباسؓ نے دریافت کیا کہ کیا میں تمھیں ایک جنتی عورت نہ دکھاؤں؟ میں نے عرض کیا ضرور دکھایئے آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ کالی عورت نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور اس نے کہا کہ اے اللہ کے رسول مجھے مرگی کا دورہ پڑتا ہے اور پردہ باقی نہیں رہ پاتا ہے تو آپ ﷺ میرے لئے دعاء فرمادیجئے آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر تم چاہو تو اس پر صبر کر کے جنت لے لو اور اگر چاہو تو میں اللہ سے دعا کردوں اور تم کو شفا عطا کردے تو اس عورت نے کہا کہ میں صبر کو ترجیح دیتی ہوں پھر وہ عورت بولی کہ دورہ کے درمیان سر کھل جاتا ہے اس کے لئے آپ ﷺ دعا کردیں کہ سر نہ کھلے چنانچہ آپ ﷺ نے اس کے لئے دعا فرمادی۔ (بخری و مسلم)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ بیماری پر صبر کرنا اور تقدیر پر راضی رہنا بہت مبارک عمل ہے، خاتون نے علاج معالجہ اور دعا کو ترک کر کے تقدیر الٰہی پر رضامندی ظاہر کی اور آپ ﷺ نے اس پر ابھارا بھی، معلوم ہوا کے بعض لوگوں کے حق میں یہی بہتر ہے، لیکن دوا کرنا بھی درست ہے اور یہ توکل کے خلاف نہیں ہے، خود آپ ﷺ نے بھی دوا کی ہے، اور دوا کرنے کی تعلیم بھی دی ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح المراۃ السوداء اس عورت کا نام سُعَیرہ تھا، انی اصرع مطلب یہ ہے کہ مرگی کا دورہ پڑتا ہے۔ ان شئت صبر ت ولك الجنة معلوم ہوا کے مصائب پر صبر کی وجہ سے مؤمن جنت کا وارث بن جاتا ہے، اصبر معلوم ہوا رخصت کے مقابلہ میں عزیمت پر عمل کرنا اس شخص کے لئے بہتر ہے، جو عزیمت پر عمل کرنے کی طاقت پاتا ہو، اور یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ مریض علاج چھوڑ سکتا ہے (مزید تحقیق کے لئے دیکھئے فتح الباری ص ۱۴۳ ج ۱۰)

حدیث نمبر ۱۴۹۷ ﴿مرض میں مبتلا ہو کر مرنیوالے کی فضیلت﴾ عالمی حدیث ۱۵۷۸

وَعَنْ يَحْيٰى بْنِ سَعِيْدٍ قَالَ إِنَّ رَجُلًا جَآءَهُ الْمَوْتُ فِيْ زَمَنِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ رَجُلٌ هَنِيْئًا لَهُ مَاتَ وَلَمْ يُبْتَلَ بِمَرَضٍ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَيْحَكَ مَا يُدْرِيْكَ لَوْ اَنَّ اللّٰهَ ابْتَلَاهُ

بِمَرَضٍ فَكَفَّرَ عَنْهُ مِنْ سَيِّاٰتِهِ رَوَاهُ مَالِكٌ مُرْسَلًا.

حوالہ: موطاامام مالک، ص نمبر:۳۷۵ باب ماجاء فی اجر المریض ، کتاب العین حدیث نمبر:۸۔

ترجمہ: حضرت یحییٰ بن سعید سے روایت ہے کہ ایک شخص کا رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں اچانک انتقال ہو گیا، تو ایک شخص بولے اسکو موت مبارک ہو، کسی بیماری میں مبتلا ہوئے بغیر مر گیا، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم پر افسوس ہے، تمہیں یہ کیسے معلوم ہوا؟ اگر اللہ تعالیٰ اس کو کسی بیماری میں مبتلا کرتے تو اس سے اس کے گناہ دور کر دیتے: اس روایت کو مالک نے بطور ارسال نقل کیا ہے۔

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ جو شخص بیماری کا شکار ہو کر اور طرح طرح کی مشقتیں برداشت کر کے رخصت ہوتا ہے وہ اچانک انتقال کرنے والے سے اس معنی کر بہتر ہے کہ ایام بیماری میں انابت الی اللہ کی توفیق ملتی ہے، گناہوں پر ندامت ہوتی ہے، اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے خصوصی طور پر گناہوں کی معافی ہوتی ہے، جبکہ اچانک انتقال کرنے والا ان خصوصیات کو نہیں پاتا ہے، لہٰذا اچانک انتقال کرنا قابل ستائش نہیں ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح ویحك کلمہ ترحم ہے، جس شخص نے اپنے قصور فہم کی وجہ سے یہ سمجھا کہ مرض کا نہ ہونا باعث سعادت ہے اس پر رحم کھاتے ہوئے آپ ﷺ نے یہ جملہ کہا، اور آپ ﷺ نے بغیر مرض کا شکار ہوئے انتقال کرنے والے کی وجہ سے کہ وہ بیمار نہیں ہوا مدح کرنے سے منع کیا لو ان اللہ مطلب یہ ہے کہ اگر اللہ اس کے مرنے سے پہلے اس کو مرض عطا کرتے تو اس کے لیے بہت بہتر ہوتا، رواہ مالك مرسلاً چونکہ امام مالک نے یہ روایت یحییٰ بن سعید سے روایت کیا ہے اور وہ تابعی ہیں لہٰذا یہ روایت مرسل ہے، یحییٰ ابن سعید حدیث کے امام تھے، بہت بڑے فقیہ عالم، زاہد شخص تھے۔

حدیث نمبر۱۴۹۸ ﴿صابر مریض اللہ کی نگاہ میں﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۵۷۹

وَعَنْ شَدَّادِ بْنِ اَوْسٍ وَّ الصُّنَابِحِيِّ اَنَّهُمَا دَخَلَا عَلٰى رَجُلٍ مَّرِيْضٍ يَّعُوْدَانِهٖ فَقَالَا لَهٗ كَيْفَ اَصْبَحْتَ قَالَ اَصْبَحْتُ بِنِعْمَةٍ قَالَ شَدَّادٌ اَبْشِرْ بِكَفَّارَاتِ السَّيِّاٰتِ وَحَطِّ الْخَطَايَا فَاِنِّيْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ يَقُوْلُ اِذَا اَنَا ابْتَلَيْتُ عَبْدًا مِّنْ عِبَادِيْ مُؤْمِنًا فَحَمِدَنِيْ عَلٰى مَاابْتَلَيْتُهٗ فَاِنَّهٗ يَقُوْمُ مِنْ مَّضْجَعِهٖ ذٰلِكَ كَيَوْمِ وَلَدَتْهُ اُمُّهٗ مِنَ الْخَطَايَا وَيَقُوْلُ الرَّبُّ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى اَنَا قَيَّدْتُّ عَبْدِيْ وَابْتَلَيْتُهٗ فَاَجْرُوْا لَهٗ مَا كُنْتُمْ تُجْرُوْنَ لَهٗ وَهُوَ صَحِيْحٌ رَوَاهُ اَحْمَدُ.

حوالہ: مسند احمد ص ۱۲۱ ج ۴۔

ترجمہ: حضرت شداد بن اوسؓ اور حضرت الصنابحی سے روایت ہے کہ یہ دونوں ایک مریض شخص کی عیادت کیلئے تشریف لے گئے، انھوں نے مریض سے پوچھا کہ تمہاری صبح کیسے گزری، اس مریض نے جواب دیا اللہ کا کرم ہے، حضرت شدادؓ نے اس سے کہا کہ گناہوں کی بخشش اور خطاؤں کی معافی کی خوش خبری تمہیں مبارک ہو، حقیقت یہ ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے کہ جب میں اپنے کسی بندۂ مومن کو کسی مصیبت میں مبتلا کرتا ہوں، اور میری طرف سے پہنچنے والی مصیبت پر میری تعریف کرتا ہے، تو وہ اپنی بیماری کے بستر سے ایسے ہی گناہوں سے پاک صاف ہو کر اٹھتا ہے، جیسا کے اس دن گناہوں سے پاک صاف تھا جب کہ اس کی ماں نے اس کو جنا تھا، اور اللہ تعالیٰ یہ بھی فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے بندے کو مقید کیا ہے اور میں نے اس کو آزمائش میں ڈالا، لہٰذا تم لوگ اس کے نامۂ اعمال میں وہ اعمال اس کیلئے لکھدو جو وہ اپنی صحت وعافیت کے زمانہ میں کیا کرتا تھا۔ (احمد)

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل بھی یہی ہے کے بندے کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے پہنچنے والی مصیبت پر صابر وشاکر رہنا چاہئے، کوئی مزاج پوچھے تو بغیر شکوہ شکایت کے وہ بات زبان پر لانا چاہئے جس سے یہ معلوم ہو کہ بندہ اللہ کی رضا میں

راضی ہے، ایسے بندے سے اللہ تعالیٰ بہت خوش ہوتے ہیں، اور اس کے تمام گناہ معاف فرمادیتے ہیں، اور مرض کے زمانہ میں بھی جب کہ عبادت وریاضت سے مریض عاجز ہوتا ہے عابدوزاہد شمار کرتے ہیں۔ اور صحت کے زمانہ میں جن عبادتوں کا معمول تھا مرض کے زمانہ میں وہ عبادتیں بدستور اس کے نامۂ اعمال میں لکھوادیتے ہیں۔

کلمات حدیث کی تشریح شداد ابن اوس حضرت حسان بن ثابت کے بھتیجے ہیں، الصنابحی یہ تابعی ہیں، اس وجہ سے کہ ابو عبداللہ الصنابحی صحابہ میں غیر معروف ہیں. کیف اصبحت معلوم ہوا کہ دن کے شروع میں عبادت کرنا افضل ہے، اصبحت بنعمة مریض نے جواب دیا کہ میں نے نعمت کے ساتھ صبح گزاری یعنی اللہ سے راضی رہنے کی نعمت اور قضا وقدر پر سر تسلیم خم کرنے کی نعمت مجھے حاصل ہوئی۔ بکفارات السئیات معاصی سے بخشش کی نوید ہے وحط الخطایا، عبادت وطاعت میں کوتاہی سے معافی کی بشارت ہے کیوم ولد تہ اس سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ صابروشاکر کے تمام صغیرہ وکبیرہ گناہ معاف ہوجاتے ہیں لیکن جمہور صغائر کے ساتھ اس کو خاص قرار دیتے ہیں اس حدیث کی بناپر جو کتاب الصلاۃ میں گزرچکی ہے آپ ﷺ کا فرمان ہے,, کفارات اذااجتنب الکبائر،،

حدیث نمبر ۱۴۹۹ ﴿تذکرہ غموں سے گناھوں کے جھڑنے کا﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۵۸۰

وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا كَثُرَتْ ذُنُوْبُ الْعَبْدِ وَلَمْ يَكُنْ لَهُ مَا يُكَفِّرُهَا مِنَ الْعَمَلِ ابْتَلَاهُ اللّٰهُ بِالْحُزْنِ لِيُكَفِّرَهَا عَنْهُ رَوَاهُ اَحْمَدُ.

حوالہ: مسند احمد ص نمبر ۱۵۷ ج ۶۔

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب بندہ کے گناہ بہت زیادہ ہوجاتے ہیں اور نیک عمل میں اس کے گناہوں کے کفارہ کی کوئی صورت نہیں ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو کسی غم میں مبتلا کردیتے ہیں تاکہ غم کے ذریعہ گناہ دور ہوجائیں (احمد)

خلاصۂ حدیث اللہ تعالیٰ بہت مہربان اور رحیم وکریم ہیں وہ چاہتے ہیں کہ بندہ مومن گناہ سے دور رہے تاکہ آخرت کے عذاب سے بچ جائے لیکن بندہ نادان اپنے رب کی رضا کے خلاف گناہ کیا کرتا ہے رب کریم چوں کہ گناہ سے ناراض ہوتے ہیں لہٰذا نافرمان بندہ کو کسی غم میں مبتلا کرکے اس کو اپنے سے قریب کرلیتے ہیں اور اس کے گناہ کو معاف کردیتے ہیں۔

کلمات حدیث کی تشریح لیکفرھا رنج وغم دے کر اللہ تعالیٰ گناہ معاف کرتے ہیں صاحب مرقات نے بحوالہ حاکم وطبرانی روایت نقل کی ہے کہ ,,ان اللہ یحب کل قلب حزین،، اللہ تعالیٰ ہر غمزدہ دل سے محبت فرماتے ہیں معلوم ہوا کہ غم دنیا بھی محبت کی دلیل ہے۔

حدیث نمبر ۱۵۰۰ ﴿عبادت کرنے والے پر اللہ کی رحمت﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۵۸۱

وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ عَادَ مَرِيْضًا لَمْ يَزَلْ يَخُوْضُ الرَّحْمَةَ حَتّٰى يَجْلِسَ فَإِذَا جَلَسَ اغْتَمَسَ فِيْهَا رَوَاهُ مَالِكٌ وَاَحْمَدُ.

حوالہ: موطا امام مالکؒ ص نمبر: ۳۸۱ باب عیادۃ المریض والطیرۃ، کتاب العین، حدیث نمبر: ۱۷، مسند احمد ص نمبر: ۳۰۴ ج ۳

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص مریض کی عیادت کے لیے جاتا ہے وہ دریائے رحمت میں غوطہ لگاتا ہے یہاں تک کہ مریض کے پاس بیٹھ جاتا ہے اور جب وہ مریض کے پاس بیٹھ جاتا ہے تو دریائے رحمت میں ڈوب جاتا ہے۔ (مالک، احمد)

خلاصۂ حدیث مریض کی عیادت کی نیت سے گھر سے نکلنا ہی باعث ثواب اور رحمت خداوندی کا ذریعہ ہے اور جب انسان مریض کی عیادت میں مصروف ہوجاتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی رحمت پورے طور پر اس کی طرف متوجہ ہوجاتی ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح فاذا جلس اغتمس یعنی مریض کی عیادت میں مصروف شخص رحمت خداوندی میں ڈوب جاتا ہے، رحمت کو پانی سے تشبیہ دینے کی وجہ یا تو پانی کی طہارت ہے یا اس کا عموم ہے ایک موقع پر آپ ﷺ نے یہی بات فرمائی کہ جو شخص مریض کی عیادت کرتا ہے وہ اللہ کی رحمت میں ڈوب جاتا ہے تو ایک صحابی نے عرض کیا کہ یہ بشارت تو اس تندرست کے حق میں ہے جو عیادت کیلئے گیا ہو مریض کے لیے آپ ﷺ کیا نوید سناتے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا کہ مریض کے مرض کے سبب گناہ معاف ہوجاتے ہیں۔ (مرقات ص نمبر ۲۷۶ ج ۴)

حدیث نمبر ۱۵۰۱ ﴿بخار دور کرنے کی ایک تدبیر﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۵۸۲

وَعَنْ ثَوْبَانَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا اَصَابَ اَحَدَكُمُ الْحُمّٰى فَاِنَّ الْحُمّٰى قِطْعَةٌ مِّنَ النَّارِ فَلْيُطْفِئْهَا عَنْهُ بِالْمَاءِ فَلْيَسْتَنْقِعْ فِيْ نَهْرٍ جَارٍ وَلْيَسْتَقْبِلْ جِرْيَتَهٗ فَيَقُوْلُ بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُمَّ اشْفِ عَبْدَكَ وَصَدِّقْ رَسُوْلَكَ بَعْدَ صَلٰوةِ الصُّبْحِ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَلْيَنْغَمِسْ فِيْهِ ثَلٰثَ غَمَسَاتٍ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ فَاِنْ لَّمْ يَبْرَءْ فِيْ ثَلٰثٍ فَخَمْسٌ فَاِنْ لَّمْ يَبْرَءْ فِيْ خَمْسٍ فَسَبْعٌ فَاِنْ لَّمْ يَبْرَأْ فِيْ سَبْعٍ فَتِسْعٌ فَاِنَّهَا لَا تَكَادُ تُجَاوِزُ تِسْعًا بِاِذْنِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ.

حوالہ: ترمذی ص نمبر: ج ۲، باب الحمی، کتاب الطب، حدیث نمبر: ۳۴۶۹۔

ترجمہ: حضرت ثوبانؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب تم میں سے کسی کو بخار آتا ہے تو جان لو کہ بخار آگ کا ایک ٹکڑا ہے تو اس کو پانی سے بجھاؤ اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ بہتے پانی کی نہر میں اترنا چاہئے اور جس طرف پانی کا بہاؤ ہو اس طرف رخ کرکے یہ دعا پڑھنی چاہئے ,,بسم اللہ اللھم اشف الخ اللہ کے نام سے اپنے بندہ کو شفا عطا کردیجئے اور اپنے رسول کی تصدیق کرئیے یہ عمل فجر کی نماز کے بعد سورج نکلنے سے پہلے کرے اور اس نہر میں تین ڈبکیاں لگائے یہ عمل تین دن تک کرے اگر فائدہ نہ ہوتو پانچ دن ایسا کرے اگر پانچ دن میں بھی شفا نہ ملے تو سات دن کرے اور اگر سات دن میں بھی فائدہ نہ ہو تو نو دن کرے اللہ کے حکم سے بخار نو دن سے آگے نہیں جائے گا۔ (ترمذی) ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔

خلاصۂ حدیث اس حدیث میں بخار کے علاج کا طریقہ مذکور ہے یہ علاج کا طریقہ مخصوص نوعیت کے بخار کو دور کرتا ہے ہر طرح کا بخار اس تدبیر سے ٹھیک نہیں ہوتا ہے بلکہ بسا اوقات بخار میں پانی کا استعمال مرض میں اضافہ کا باعث ہوتا ہے لہٰذا طبیب ماہر سے مشورہ کے بعد اس طریقہ علاج پر عمل کرنا چاہئے۔

کلمات حدیث کی تشریح فلیطفئھا یہ علاج صفراوی بخار کا ہے، اور اس حدیث کے اصل مصداق اہل حجاز ہیں کیوں کہ مکہ و مدینہ کے علاقے کے لوگوں کو دھوپ کی شدید تپش اور مزاج کی تیزی وگرمی کی وجہ سے بخار آجایا کرتا تھا۔ اس بخار کا بہترین علاج ٹھنڈے پانی میں غوطے لگانا ہے یا ٹھنڈے پانی کو اپنے بدن پر بہانا ہے۔ (تحفۃ الاحوذی)

حدیث نمبر ۱۵۰۲ ﴿بخار سے گناہوں کے دور ہونے کا تذکرہ﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۵۸۳

وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ ذُكِرَتِ الْحُمّٰى عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَبَّهَا رَجُلٌ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَسُبَّهَا فَاِنَّهَا تَنْفِي الذُّنُوْبَ كَمَا تَنْفِي النَّارُ خَبَثَ الْحَدِيْدِ رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ.

حوالہ: ابن ماجہ، ص نمبر ۲۴۸، باب الحمی، کتاب الطب، حدیث نمبر: ۳۴۶۹۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے بخار کا تذکرہ ہوا تو ایک آدمی نے بخار کو برا کہا آپ ﷺ نے فرمایا کہ بخار کو برا مت کہو کیونکہ بخار گناہوں کو اس طرح دور کرتا ہے جس طرح آگ لوہے کے میل کچیل کو ختم کر دیتی ہے۔ (ابن ماجہ)

خلاصہ حدیث بخار بظاہر ایک مرض ہے اور اس سے انسان کو بڑی سخت قسم کی مشقت ہوتی ہے لیکن آخرت کے اعتبار سے یہ اس معنی کر کے بہت زیادہ نفع کا ذریعہ ہے کہ اس کے سبب گناہ زائل ہو جاتے ہیں لہٰذا بندہ کو جس طرح نعمت پر اللہ کا شکر گزار ہونا چاہئے اسی طرح مصائب پر بھی صابر و شاکر رہنا چاہئے کیوں کہ اس میں بندہ کا بہت بڑا فائدہ مضمر ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح خبث الحدید، جس طرح آگ سے لوہے کا میل کچیل دور ہوتا ہے اسی طرح بخار سے گناہ جھڑ جاتے ہیں یہ جز اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ بخار سے بہت زیادہ گناہ زائل ہوتے ہیں۔

حدیث نمبر ۱۵۰۳ ﴿بخار بندہ مومن کیلئے باعث رحمت ہے﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۵۸۴

وَعَنْهُ قَالَ إِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ عاد مريضا فقال ابشر فان الله تعالى يقول يَقُوْلُ هِيَ نَارِيْ اُسَلِّطُهَا عَلٰى عَبْدِيَ الْمُؤْمِنِ فِي الدُّنْيَا لِتَكُوْنَ حَظَّهُ مِنَ النَّارِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ رَوَاهُ اَحْمَدُ ابْنُ مَاجَةَ وَالْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْإِيْمَانِ.

حوالہ: مسند احمد ص ۴۴۰ ج ۲ ابن ماجہ ص نمبر ۲۴۸ باب الحمی، کتاب الطب، حدیث نمبر ۳۴۷۰ بیهقی فی شعب الا یمان ص نمبر ۱۶۱ ج ۷، باب فی الصبر علی المصائب حدیث نمبر: ۹۸۴۴۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک مریض کی عیادت کی غرض سے تشریف لے گئے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ تمہارے لئے خوش خبری ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ بخار میری آگ ہے جس کو میں دنیا کے اندر اپنے مومن بندہ پر اس لئے مسلط کرتا ہوں تاکہ قیامت کے دن اس کے لئے یہ جہنم کی آگ سے کفایت کر لے۔ (مسند احمد، ابن ماجہ، بیہقی فی شعب الایمان)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ مؤمن کامل کو دنیا کے اندر بخار میں مبتلا کر کے جہنم کی آگ سے محفوظ کر دیا جاتا ہے جو تکلیف پل بھر کے لئے سہی دوزخ میں دخول کی وجہ سے قیامت کے دن ہوتی وہ بخار کی شکل میں دنیا کے اندر ہی دے دی جاتی ہے، تاکہ آخرت میں مکمل طور پر مشقت سے محفوظ رہے۔

کلمات حدیث کی تشریح ناری اللہ تعالیٰ نے نار کی اضافت اپنی طرف کر کے اس بات کی طرف اشارہ کر دیا کہ یہ ایک طرح سے رحم و کرم ہے اور پھر اسی کی صراحت اپنے فرمان ,,عبدی،، کے ذریعہ سے اور پھر عبد کو مؤمن کے ساتھ متصف کر کے کر دی۔ اسلطها اصل بات یہ ہے کہ جہنم سے ہر شخص کو گزرنا ہے یہ اللہ کا فیصلہ ہے وان منکم الا واردها دنیا کے اندر مؤمن پر بخار مسلط کر کے آخرت کے جہنم پر ورود کا حصہ دے دیا جاتا ہے حضرت حسنؓ سے مرفوع روایت ہے ہر ایک شخص کے لئے جہنم میں سے حصہ ہے، مؤمن کا حصہ جہنم سے اس کو بخار میں مبتلا کرنا ہے یہاں مؤمن سے کامل مؤمن مراد ہے اس وجہ سے کہ بعض نافرمان مؤمنوں کو جہنم کا عذاب ہوگا۔ (مرقات ص نمبر: ۱۵۸۵)

حدیث نمبر ۱۵۰۴ ﴿رزق کی تنگی بخشش کا ذریعہ﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۵۸۵

وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ إِنَّ الرَّبَّ سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰى يَقُوْلُ وَعِزَّتِيْ وَجَلَالِيْ لَا اُخْرِجُ أَحَدًا مِّنَ الدُّنْيَا اُرِيْدُ اَغْفِرُ حَتّٰى اسْتَوْفِيَ كُلَّ خَطِيْئَةٍ فِيْ عُنُقِهٖ بِسَقَمٍ فِيْ بَدَنِهٖ وَاِقْتَارٍ فِيْ رِزْقِهٖ رَوَاهُ رَزِيْنٌ.

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ میری عزت و جلال کی قسم میں دنیا سے کسی ایسے شخص کو جس کی بخشش کا ارادہ ہوتا ہے اس وقت تک نہیں اٹھاتا ہوں جب تک کہ اس کو کسی بدنی بیماری میں مبتلا کر کے یا اس کے رزق میں تنگی کر کے اس کے ہر اس گناہ کو معاف نہیں کر دیتا ہوں جو اس کی گردن پر ہے۔ (رزین)

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ بندہ اگر گناہوں میں کثرت سے مبتلا رہتا ہے اور اللہ تعالیٰ اسکو معاف کرنا چاہتے ہیں تو اس کی روزی تنگ کر دیتے ہیں یا کسی بیماری میں مبتلا کر دیتے ہیں چنانچہ یہ مصائب اسکے گناہوں کو مٹا دیتے ہیں اور یہ شخص اللہ کی نگاہ میں دھلا دھلا ہو جاتا ہے لہٰذا اس کی بخشش ہو جاتی ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح عزتی، میرے غلبہ اور میری قوت کی قسم، وجلالی، میری عظمت اور میری قدرت کی قسم، اقتار فی رزقه، رزق میں تنگی گناہوں کی بخشش کا ذریعہ ہے فقراء لوگ جنت میں اغنیاء سے پانچ سو سال پہلے داخل ہوں گے۔

حدیث نمبر ۱۵۰۵ ﴿متقی کیلئے جوانی کی بیماری بہتر ہے﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۵۸۶

وَعَنْ شَقِيْقٍ قَالَ مَرِضَ عَبْدُ اللّٰهِ فَعُدْنَاهُ فَجَعَلَ يَبْكِيْ فَعُوْتِبَ فَقَالَ اِنِّيْ لَا اَبْكِيْ لِاَجْلِ الْمَرَضِ لِاَنِّيْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ الْمَرَضُ كَفَّارَةٌ وَاِنَّمَا اَبْكِيْ اَنَّهٗ اَصَابَنِيْ عَلٰى حَالِ فَتْرَةٍ وَلَمْ يُصِبْنِيْ فِيْ حَالِ اجْتِهَادٍ لِاَنَّهٗ يُكْتَبُ لِلْعَبْدِ مِنَ الْاَجْرِ اِذَا مَرِضَ مَا كَانَ يُكْتَبُ لَهٗ قَبْلَ اَنْ يَّمْرَضَ فَمَنَعَهٗ مِنْهُ الْمَرَضُ رَوَاهُ رَزِيْنٌ.

حوالہ: رزین۔

ترجمہ: حضرت شقیقؒ سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ جب بیمار ہوئے تو ہم لوگ ان کی عیادت کے لئے گئے تو وہ رونے لگے، لوگوں کو اس کے رونے پر ناگواری ہوئی تو انھوں نے کہا کہ میں مرض کی وجہ سے نہیں رو رہا ہوں اس وجہ کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سن رکھا ہے کہ مرض بعض گناہوں کا کفارہ ہے میں تو اس لئے رو رہا ہوں کہ یہ بیماری مجھ پر کمزور حالت میں طاری ہوئی ہے اور طاقت وقوت کی حالت میں مسلط نہیں ہوئی اصل بات یہ ہے کہ دوران علالت بندے کے نامۂ اعمال لکھے جاتے ہیں جو کہ بیمار ہونے سے پہلے لکھے جاتے تھے اور بیماری کی وجہ سے بندہ عمل کرنے سے رک جاتا ہے۔ (رزین)

خلاصۂ حدیث جوانی میں نیک ومتقی لوگ خوب اعمال صالحہ انجام دیتے ہیں، چنانچہ بیماری آتی ہے، اور اعمال صالحہ کی انجام دہی نہیں ہو پاتی، تو فضل ربانی سے بیماری کے ایام میں بھی اعمال صالحہ کثیر ہی لکھے جاتے ہیں، جبکہ بوڑھاپے میں طاقت وقوت کے فقدان کی وجہ سے عبادت میں بھی کمی آجاتی ہے، اور بوڑھاپے میں بیماری کے عالم میں اعمال صالحہ کم ہی لکھے جاتے ہیں، اسی لئے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو یہ حسرت ہوئی کہ بیماری جوانی میں آتی تو بہتر تھا، کیوں کہ اسوقت اجر کثیر ملتا۔

کلمات حدیث کی تشریح فعوتب حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو روتا دیکھ کر لوگوں کو اس لئے ناگواری ہوئی کہ وہ یہ سمجھے مرض پر جزع کر رہا ہے، جو کہ اکابر کی شان کے خلاف ہے، فی حال اجتهاد اگر بیماری جوانی میں جب کہ عبادت میں خوب مجاہدہ کرتا تھا آتی، تو ثواب کی زیادتی کا سبب ہوتی۔

حدیث نمبر ۱۵۰۶ ☆☆ عالمی حدیث نمبر ۱۵۸۷

﴿عیادت کیلئے تین دن بعد جانیکا تذکرہ﴾

وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَعُوْدُ مَرِيْضًا اِلَّا بَعْدَ ثَلٰثٍ رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ وَالْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ.

حوالہ: ابن ماجہ ص نمبر ۱۰۴ باب ماجاء فی عیادۃ المریض، کتاب الجنائز، حدیث نمبر ۱۴۳۷، بیهقی فی شعب الایمان ص نمبر ۵۴۳ ج ۶۔

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ کسی مریض کی عیادت کو تب ہی جاتے تھے جب تین دن گزر جاتے تھے۔

(ابن ماجہ، بیہقی فی شعب الایمان)

خلاصۂ حدیث اس حدیث سے بظاہر یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ مریض کی عیادت کو جانے میں عجلت سے کام نہیں لینا چاہئے، بلکہ مریض پر تین دن گزر جائے تب عیادت کے لیے جایا جائے، کیونکہ آپ ﷺ یہی معمول تھا، لیکن جمہور کہتے ہیں۔ کہ یہ حدیث ضعیف ہے، بلکہ بعض محدثین نے تو موضوع قرار دیا ہے، لہٰذا یہ قابل عمل نہیں ہے، مزاج پرسی کے لیے مرض لاحق ہوتے ہی جانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح الابعد ثلاث جمہور کہتے ہیں کہ عیادت کسی زمانے کے ساتھ مقید نہیں ہے، اس وجہ سے کہ آپ ﷺ کا فرمان ہے کہ ''عودوا المریض''، یہ مطلق ہے کسی زمانے کی اس میں کوئی قید نہیں ہے، حدیث باب بہت ضعیف ہے، ابوحاتم سے اس حدیث کے بارے میں دریافت کیا گیا تو انہوں نے اس کو باطل قرار دیا۔

(مرقات ص نمبر ۳۷۸ ج ۳)

حدیث نمبر ۱۵۰۷ ﴿مریض سے دعا کی درخواست کرنے کا تذکرہ﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۵۸۸

وَعَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا دَخَلْتَ عَلٰى مَرِيْضٍ فَمُرْهُ يَدْعُوْلَكَ فَإِنَّ دُعَاءَهُ كَدُعَاءِ الْمَلٰئِكَةِ رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ.

حوالہ: ابن ماجہ، ص نمبر ۱۰۴، باب عیادۃ المریض، کتاب الجنائز، حدیث نمبر ۱۴۴۱۔

ترجمہ: حضرت عمر بن خطابؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب تم کسی بیمار کے پاس جاؤ تو اس سے درخواست کہ وہ تمہارے لئے دعا کرے، کیونکہ بیمار کی دعا فرشتوں کی دعا کی طرح ہے۔ (ابن ماجہ)

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ بیماری کے ایام میں بندۂ مومن عموماً اللہ تعالیٰ ہی کی طرف متوجہ رہتا ہے، اس کی زبان ذکر واذکار اور تسبیح ومناجات سے تر رہتی ہے، تو اس کا قلب خشیت الٰہی سے منور رہتا ہے، بسا اوقات تو کھانے پینے کا بھی ہوش نہیں رہتا ہے، گناہوں سے بالکلیہ اجتناب کرتا ہے، یہ اوصاف بندۂ کو فرشتوں کے مشابہ کردیتے ہیں لہٰذا اس کی دعا اللہ کے یہاں بہت جلد شرف قبولیت پالیتی ہے، عیادت کے لیے جانے والے کو دعا کی درخواست کرنی چاہیئے۔

کلمات حدیث کی تشریح مرہ یدعولك، عیادت کرنے والا مریض سے دعا کے لیے کہے کیوں کہ مرض کی بنا پر اس کے گناہ زائل ہوچکے ہیں کدعاء الملائکۃ مریض گناہوں سے پاک ہونے ذکر و دعا پر مداومت کرنے اور تضرع وانابت میں فرشتوں کے مشابہ ہوجاتا ہے (مرقات ۳/۳۷۹)

حدیث نمبر ۱۵۰۸ ﴿بیمار کے پاس شور کرنے کی ممانعت﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۵۸۹

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ مِنَ السُّنَّةِ تَخْفِيْفُ الْجُلُوْسِ وَقِلَّةُ الصَّخَبِ فِي الْعِيَادَةِ عِنْدَ الْمَرِيْضِ قَالَ وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا كَثُرَ لَغَطُهُمْ وَاخْتِلَافُهُمْ قَالَ قُوْمُوْا عَنِّيْ رَوَاهُ رَزِيْنٌ.

حوالہ: رزین۔

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ مریض کے پاس کم بیٹھا اور بوقت عیادت شور نہ کرنا سنت ہے کیوں کہ رسول اللہ ﷺ کی عیادت کے دوران جب صحابہؓ کے اختلاف کی وجہ سے شور بڑھا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ میرے پاس سے اٹھو۔ (رزین)

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہیکہ مریض کے پاس زیادہ دیر نہ بیٹھنا چاہئے کیونکہ اس سے اس کو تکلیف ہوتی ہے اسی طرح مریض کے پاس شور دغوغا کرنے سے بھی پرہیز کرنا چاہئے۔ آپ ﷺ کے مرض الوفات کے موقع پر آپ ﷺ کے روبرو صحابہ میں جو اختلاف ہوا تھا وہ وہی اختلاف ہے جس کو سیرت کی کتابوں میں واقعہ قرطاس کہا گیا ہے جب صحابہؓ میں باہمی تکرار شروع ہوئی تو آپ ﷺ نے اپنے پاس سے ہٹ جانے کا حکم دیا۔

کلمات حدیث کی تشریح تخفیف الجلوس، آداب عیادت میں سے ہے کہ مریض کے پاس زیادہ دیر تک نہ بیٹھا جائے اگر کسی کے سلسلہ میں خود مریض کی خواہش ہے کہ وہ دیر تک بیٹھے تو اس کے بیٹھنے میں کوئی حرج نہیں ہے بلکہ مریض کی دلداری کی خاطر اس کے لئے زیادہ دیر تک بیٹھنا ہی بہتر ہے۔ حضرت حسن بصریؒ کی عیادت کیلئے ایک صاحب تشریف لائے کافی دیر گزرنے کے بعد بھی جب وہ اٹھے نہیں تو حضرت نے اشارہ میں بتایا کہ آپ تشریف لے جائیں مجھے گھر والوں کی ضرورت ہے لیکن وہ صاحب سمجھ نہیں سکے تو حضرت نے صراحتاً کہا کہ بعض لوگ عیادت کے لئے آتے ہیں تو جانے کا نام نہیں لیتے ہیں وہ صاحب پھر بھی نہیں سمجھے کہ ان ہی سے اٹھنے کے لئے کہا جا رہا ہے چنانچہ کہتے ہیں کہ حضرت اندر سے کنڈی لگا دوں؟ حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا کہ اندر سے نہیں باہر سے کنڈی لگا دو مطلب یہ ہے کہ دیر تک مریض کے پاس بیٹھکر اسکو اکتاہٹ میں مبتلا نہ کرنا چاہئے، لما کثر لغطھم و اختلافھم، یہ واقعہ قرطاس کیطرف اشارہ ہے اسکی مختصر وضاحت یہ ہے کہ آپ ﷺ نے اپنی وفات سے چار دن قبل حاضرین سے فرمایا کہ سامان کتابت لے آؤ تمہیں ایک نوشتہ لکھا دوں تا کہ تم لوگ میرے بعد گمراہی سے بچ جاؤ، اس موقع پر حضرت عمرؓ نے آپ کے مرض کی شدت کیوجہ سے آپ ﷺ کو اس مشقت میں پڑنے سے بچانے کیلئے کہا کہ اسوقت حضور ﷺ پر بیماری کا غلبہ ہے لہٰذا مزید تکلیف دینا مناسب نہیں ہے اگر بالفرض دوسرے وقت میں تحریر نہیں لکھی جاسکی تو ہمارے پاس اللہ کی کتاب موجود ہے وہ ہمارے لئے کافی ہے اسمیں دنیا کی تمام ضروریات موجود ہیں آپ ﷺ اسوقت کوئی نیا حکم نہیں لکھوانا چاہتے ہیں بلکہ سابقہ کسی حکم کی تائید و تاکید مقصود ہے کیوں کہ دین تو اللہ کے ارشاد سے مکمل ہو چکا ہے حضرت عمرؓ کی رائے سے بعض صحابہ نے اتفاق کیا اور بعض نے اختلاف کیا بعض نے کتابت پر زور دیا اور بعض نے مرض میں کسی مشقت کے اندر نبی کو ڈالنے سے گریز کی رائے دی اس مسئلہ کو لے کر آوازیں بلند ہونے لگیں اور اختلاف بڑھنے لگا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم لوگ میرے پاس سے کھڑے ہو جاؤ میرے پاس باہمی اختلاف مناسب نہیں ہے یہیں سے معلوم ہوا کہ مریض کے پاس آواز بلند کرنا اور شور و ہنگامہ کرنا درست نہیں ہے اس حدیث کی بنا پر رافضیوں نے حضرت عمرؓ پر بہت الزام تراشی کی ہے، بخاری شریف میں کتاب العلم میں یہ حدیث موجود ہے تفصیلات کے لیے شروحات بخاری دیکھی جائیں۔

حدیث نمبر ۱۵۰۹ ﴿مریض کے پاس مختصر قیام کی تاکید﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۵۹۰۔۱۵۹۱

وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْعِيَادَةُ فُوَاقُ نَاقَةٍ وَفِيْ رِوَايَةِ سَعِيْدِ ابْنِ الْمُسَيَّبِ مُرْسَلًا اَفْضَلُ الْعِيَادَةِ سُرْعَةُ الْقِيَامِ رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْإِيْمَانِ.

حواله: بیھقی فی شعب الایمان ص نمبر:۵۴۲ ج ٦، باب فی عیادۃ المریض حدیث نمبر:۹۲۲۱۔

ترجمه: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ عیادت کا بہترین واقعہ اتنا ہے کے جتنا کہ دو مرتبہ اونٹنی کا دودھ دوہنے کے درمیان کا وقفہ، حضرت سعید بن المسیب بطریق ارسال نقل کرتے ہیں کہ سب سے بہتر عیادت وہ ہے جس میں جلدی واپسی ہو جائے۔ (بیہقی فی شعب الایمان)

خلاصۂ حدیث بسا اوقات عیادت کرنے والوں کی طویل نشست سے مریض کو سخت اذیت ہوتی ہے، لیکن وہ آنے والے کی رعایت میں زبان سے کچھ کہہ نہیں پاتا ہے، لہٰذا عیادت کرنیوالے کو خود اس کا خیال کرنا چاہئے کہ تھوڑی دیر بیٹھ کر واپس

ہو جائے یہی بہترین عیادت ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح العیادة فواق ناقة صاحب مرقات لکھتے ہیں کہ ,,وھو قدر ما بین الحلبتین الخ،،یعنی اونٹنی کا دودھ ایک مرتبہ تھوڑا سا دوھتے ہیں پھر اس کے بچے کو اس کے تھنوں سے لگا دیتے ہیں، تاکہ دودھ خوب اتر آئے پھر دوبارہ دوھتے ہیں، حدیث کا حاصل یہ ہے کہ اونٹنی کے دو مرتبہ دودھ دوھنے کے درمیان جو مختصر وقفہ ہوتا ہے، اتنا ہی مختصر وقفہ عیادت کرنے والے کو مریض کے پاس گزارنا چاہئے، صاحب مرقات نے نقل کیا ہے کہ حضرت سری سقطیؒ کے مرض الوفات میں ایک صاحب عیادت کے لئے تشریف لائے، اور بہت دیر بیٹھے رہے، انہوں نے جانے کا نام ہی نہیں لیا، حضرت کے پیٹ میں سخت درد ہو رہا تھا، ان صاحب نے حضرت سے دعا کی درخواست کی، حضرت سری سقطیؒ نے فرمایا ,,اللّٰھم علمه کیف یعود المرضی،اے اللہ ان کو مریض کی عیادت کا طریقہ سکھا دیجئے۔

حدیث نمبر ۱۵۱۰ ﴿مریض کی خواهش پوری کرنے کا ذکر﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۵۹۲

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَادَ رَجُلًا فَقَالَ لَهٗ مَا تَشْتَهِيْ قَالَ اَشْتَهِيْ خُبْزَبُرٍّ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ كَانَ عِنْدَهٗ خُبْزُ بُرٍّ فَلْيَبْعَثْ اِلٰى اَخِيْهِ ثُمَّ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اشْتَهٰى مَرِيْضُ اَحَدِكُمْ شَيْئًا فَلْيُطْعِمْهُ رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ.

حواله: ابن ماجه ص نمبر ۱۰۴ باب عیادة المریض ، کتاب الجنائز ، حدیث نمبر ۱۴۳۹۔

ترجمه: حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ حضرت نبی کریم ﷺ ایک صاحب کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے، آپ ﷺ نے اس سے دریافت کیا کہ تمہارا کس چیز کا دل چاہتا ہے؟ اس نے ہا گیہوں کی روٹی کھانے کا دل چاہتا ہے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جس آدمی کے پاس گیہوں کی روٹی ہو وہ اپنے بھائی کے پاس بھیج دے، پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ تمہارا مریض جب کسی چیز کی خواہش ظاہر کرے تو اس کو کھلا دینا چاہئے۔ (ابن ماجہ)

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ کھانے پینے کے حوالے سے مریض کی خواہش پوری کر دینا چاہئے، اس سے مریض کی صحت میں بہتری آتی ہے، البتہ اگر کوئی ایسی چیز ہے جس کے بارے میں مضر ہونے کا یقین ہو، تو اس سے پرہیز بہتر ہے، آپ ﷺ کا یہ فرمان مخصوص نوعیت کے مریضوں کے حوالے سے ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح من کان عنده خبز بر فلیبعث الی اخیه اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ آپ ﷺ کی معیشت بڑی تنگ تھی، اور اکثر صحابہ بھی فقر و فاقہ کا شکار رہتے تھے، حضرت عائشہؓ کی روایت ہے کہ قالت ماشبع آل محمد من خبز الشعیر یو مین متتابعین حتی قبض رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم دو دن تک لگاتار محمد ﷺ کے گھر والوں کو جو کی روٹی آپ ﷺ کی حیات مبارکہ میں کبھی بھی میسر نہیں ہوئی۔ فلیطعمه مریض کو اس کی مرغوب غذا حالت مرض میں کھلا دینا چاہئے، علامہ طیبیؒ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ کا یہ فرمان یا تو توکل پر مبنی ہے، اس لئے کہ شفا دینے والی ذات تو اللہ کی ہے، یا پھر اس مریض کے حق میں ہے جو قریب المرگ ہو۔ (مرقات ص نمبر ۳۸۰ ج ۳)

حدیث نمبر ۱۵۱۱ ﴿پردیس میں وفات پانیوالے کی فضیلت﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۵۹۳

وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ مَاتَ رَجُلٌ بِالْمَدِيْنَةِ مِمَّنْ وُلِدَ بِهَا فَصَلّٰى عَلَيْهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَالَيْتَهٗ مَاتَ بِغَيْرِ مَوْلِدِهٖ قَالُوْا وَلِمَ ذَاكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ اِنَّ الرَّجُلَ اِذَا مَاتَ بِغَيْرِ مَوْلِدِهٖ قِيْسَ لَهٗ مِنْ مَوْلِدِهٖ اِلٰى مُنْقَطَعِ اَثَرِهٖ فِي الْجَنَّةِ رَوَاهُ النَّسَائِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ.

حوالہ: نسائی ص نمبر:۲۰۲ج ۲، باب الموت بغیر مولدہ، کتاب الجنائز، حدیث نمبر:۱۸۳۱، ابن ماجہ، ص نمبر:۱۱۶، باب ماجاء فیمن مات غریباً، کتاب الجنائز، حدیث نمبر:۱۶۱۴۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ مدینہ میں ایک شخص کا انتقال ہوا، اس کی ولادت بھی مدینہ میں ہی ہوئی تھی، نبی کریم ﷺ نے اس کی جنازہ کی نماز پڑھائی، پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ کاش اس کی موت اپنی جائے ولادت کے علاوہ کہیں ہوئی ہوتی صحابہؓ نے دریافت کیا، ایسا کیوں اے اللہ کے رسول! آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب آدمی اپنی جائے پیدائش کے علاوہ کسی اور جگہ انتقال کرتا ہے تو اس کی جائے پیدائش سے اس کی جائے موت تک جتنے قدم کا فاصلہ ہوتا ہے اتنی جگہ اس کو جنت میں عطا کی جاتی ہے۔ (نسائی ابن ماجہ)

خلاصۂ حدیث اس حدیث میں سفر میں انتقال کرنے والے کی فضیلت کا ذکر ہے، وطن سے جتنی زیادہ دور ہو کر آدمی مرے گا، اتنی زیادہ جنت میں پیمائش کر کے اس کیلئے جگہ مختص کردی جائے گی، اور وہ جنت میں اتنی مقدار جگہ کا حق دار ہو جائے گا

کلمات حدیث کی تشریح اذامات بغیر مولدہ یہاں سفر سے طاعت کا سفر مراد ہے یا جہاد کا سفر مراد ہے، قیس لہ وطن سے لے کر جائے وفات تک کی مقدار میں جگہ جنت سے عطا کی جاتی ہے، ایک قول یہ بھی ہے کہ اتنی مقدار میں اس قبر کو وسیع کر دیا جاتا ہے، اور اس کے لئے جنت کی طرف ایک دروازہ کھول دیا جاتا ہے۔ (مرقات ص نمبر ۳۸۱ ج ۳)

حدیث نمبر ۱۵۱۲ ﴿وطن سے دور ہونے کا ثواب﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۵۹۴

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَوْتُ غُرْبَةٍ شَهَادَةٌ رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ.

حوالہ: ابن ماجہ، ص نمبر ۱۱۶ باب ماجاء فیمن مات غریباً، کتاب الجنائز، نمبر ۱۶۱۳۔

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کے گھر سے دور پردیس میں مرنا شہادت ہے۔

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ سفر میں وفات کا ثواب شہادت کے ثواب کے مانند ہے، اس حدیث سے دوران سفر فوت ہونے والے کی فضیلت معلوم ہو رہی ہے، لیکن سفر سے مراد سفر جہاد ہے، یا پھر کوئی ایسا سفر ہے جو اللہ کی رضا کے حصول کے لئے کیا گیا ہو۔

کلمات حدیث کی تشریح موت غربۃ شہادۃ پردیس میں مرنے والے کو شہادت کا اجر ملتا ہے، ایک دوسری روایت میں ہے کہ "من مات غریباً مات شہیداً"، پردیس میں مرنے والا بھی شہید حکمی ہے، شہید اصلی تو وہ ہے جو کفار کے مقابلہ میں قتل کیا گیا ہو، لیکن شہید حکمی کی تعداد بہت زیادہ ہے ان پر دنیا میں شہیدوں والے احکام جاری نہیں ہوتے ہیں، لیکن آخرت میں شہادت کا ثواب ملتا ہے۔

حدیث نمبر ۱۵۱۳ ☆☆ عالمی حدیث نمبر ۱۵۹۵

﴿سفر میں مرنے والے کا عذاب قبر سے محفوظ رہنا﴾

وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ مَّاتَ مَرِيْضًا مَاتَ شَهِيْدًا وَّوُقِیَ فِتْنَةَ الْقَبْرِ وَغُدِیَ وَرِيْحَ عَلَيْهِ بِرِزْقِهٖ مِنَ الْجَنَّةِ رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ وَالْبَيْهَقِیُّ فِیْ شُعَبِ الْإِيْمَانِ.

حوالہ: ابن ماجہ، ص نمبر ۱۱۶ باب ما جاء فیمن مات مریضاً، کتاب الجنائز حدیث نمبر ۱۶۱۵ ابیہقی فی شعب الایمان ص نمبر:۱۷۴ ج ۷، باب فی الصبر علی المصائب حدیث نمبر ۹۸۹۷۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص بیمار ہو کر مرتا ہے، وہ شہید کی موت مرتا ہے، اس کو فتنۂ قبر سے بچایا جاتا ہے، اور اس کو صبح و شام جنت سے اس کی روزی دی جاتی ہے۔ (ابن ماجہ بیہقی فی شعب الایمان)

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ جو شخص مرض میں مبتلا ہو کر اس دنیا سے رخصت ہوتا ہے، وہ اجر وثواب میں شہید کے مانند ہوتا ہے، قبر کے عذاب سے محفوظ رہتا ہے، اور شہیدوں کی طرح اس کو روزی بھی دی جاتی ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح من مات مریضاً مرض سے خصوصی مرض مراد ہے یا عمومی مرض مراد ہے، بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہاں مرض سے مراد پیٹ کا مرض ہے، مثلاً اسہال وغیرہ۔ جیسا کہ دوسری حدیث میں اس کی صراحت بھی ہے کہ ”من قتله بطنه لم یعذب فی قبره،، جو شخص پیٹ کے مرض میں مبتلا ہو کر مرا وہ عذاب قبر میں مبتلا نہ ہوگا، جبکہ بعض دیگر لوگ کہتے ہیں کہ یہ حدیث عام ہے، تمام مرضوں کو شامل ہے، یہاں کسی خاص مرض کو مراد نہیں لیا جائے گا بلکہ ہر طرح کے مریض کے لئے بشارت ہے، ابن ماجہ کے نسخہ میں یہاں ”مریضاً،، کے بجائے ”مرابطاً،، لفظ ہے، یعنی جو شخص سرحد کی حفاظت کرتے ہوئے مرا وہ شہید کا ثواب پانے والا ہے۔ برزقه من الجنه اس میں اللہ تعالیٰ کے قول ”بل احیاء عندربهم یر زقون، کی طرف اشارہ ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ کے فرمان،، ولهم رزقهم فیها بکرة وعشیاً ‘ کی طرف اشارہ مقصود ہے۔

حدیث نمبر ۱۵۱۴ ﴿طاعون میں فوت ہونیوالے کی فضیلت﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۵۹۶

وَعَنِ الْعِرْبَاضِ بْنِ سَارِيَةَ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَخْتَصِمُ الشُّهَدَآءُ وَالْمُتَوَفَّوْنَ عَلٰى فُرُوْشِهِمْ إِلٰى رَبِّنَا عَزَّوَجَلَّ فِى الَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنَ الطَّاعُوْنِ فَيَقُوْلُ الشُّهَدَآءُ إِخْوَانُنَا قُتِلُوْا كَمَا قُتِلْنَا وَيَقُوْلُ الْمُتَوَفَّوْنَ إِخْوَانُنَا مَاتُوْا عَلٰى فُرُشِهِمْ كَمَا مُتْنَا فَيَقُوْلُ رَبُّنَا انْظُرُوْا إِلٰى جِرَاحَتِهِمْ فَإِنْ اَشْبَهَتْ جِرَاحُهُمْ جِرَاحَ الْمَقْتُوْلِيْنَ فَإِنَّهُمْ مِنْهُمْ وَمَعَهُمْ فَإِذَا جِرَاحُهُمْ قَدْ اَشْبَهَتْ جِرَاحَهُمْ رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالنَّسَائِىُّ .

حواله: مسند احمد، ص نمبر ۱۲۸ ج ۴، نسائی، ص ۵۱ ج نمبر ۲، باب مسالة الشهادة، کتاب الجهاد، حدیث نمبر: ۳۱۶۲۔

ترجمه: حضرت عرباض بن ساریہؓ سے روایت ہے کہ شہید اور وہ لوگ جن کا انتقال اپنے بستروں پر ہوا ہوگا، اپنے پروردگار کی بارگاہ میں ان لوگوں کے سلسلہ میں جھگڑیں گے جو طاعون میں مبتلا ہو کر مرے ہوں گے، شہداء کہیں گے کہ یہ ہمارے بھائی ہیں، جس طرح ہم قتل ہوئے اسی طرح یہ بھی قتل کئے گئے، اور بستر پر فوت ہونے والے کہیں گے کہ یہ ہمارے بھائی ہیں، ان کی بھی اپنے بستر پر وفات ہوئی ہے جیسے کہ ہماری وفات ہوئی، اس پر ہمارا رب فرمائے گا کہ ان کے زخموں کو دیکھو، اگر ان کے زخم شہداء کے زخم کے مانند ہیں تو شہیدوں میں سے ہیں اور شہیدوں کے ساتھ ہیں، چنانچہ جب دیکھا جائیگا تو ان کے زخم شہداء کے زخم کے مانند ہی ہوں گے (احمد، نسائی)

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ طاعون کا مریض بظاہر تو لگتا ہے کہ بستر پر مرا ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ شہید ہوتا ہے، اسی وجہ سے شہداء اور بستر پر مرنے والے ہر ایک طاعون کے مریض کے بارے میں میدان محشر میں یہ خیال کریں گے کہ اس کا ان کے طبقہ سے متعلق ہے، اللہ تعالیٰ فیصلہ فرمائیں گے کہ اس کا تعلق شہداء کے طبقہ سے ہے، لہٰذا اس کو شہیدوں کے جیسا اجر وثواب ملے گا۔

کلمات حدیث کی تشریح الی جراحتهم طاعون جو مرض ہے اس کے بارے میں آتا ہے کہ یہ جنات کے کچوکا دینے سے ہوتا ہے، امام احمدؒ نے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ سے روایت نقل کی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میری امت طعن اور طاعون کی وجہ سے فنا ہوگی، صحابہؓ نے کہا یا رسول اللہ! طعن تو ہم جانتے ہیں، یعنی نیزہ مارنا، لیکن طاعون کیا چیز ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”وخز اخوانکم من الجن وفی کل شهادة،، معلوم ہوا کہ طاعون میں مرنے والا اگر چہ ظاہری طور پر بستر مرگ مرتا ہے حقیقتاً وہ بھی مقتول ہے۔

حدیث نمبر ۱۵۱۵ ﴿طاعون سے فرار کرنیوالے کی مذمت﴾ عالمی حدیث نمبر: ۱۵۹۷

وَعَنْ جَابِرٍ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْفَارُّ مِنَ الطَّاعُوْنِ كَالْفَارِّ مِنَ الزَّحْفِ، وَالصَّابِرُ عليه لَهُ أَجْرُ شَهِيْدٍ رَوَاهُ أَحْمَدُ.

حوالہ: مسند احمد، ص نمبر: ۳۵۲، ج ۳۔

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ طاعون سے بھاگنے والا ایسا ہی ہے، جیسا کہ میدان جنگ سے بھاگنے والا، اور طاعون پر صبر کرنے والے کیلئے شہید کا سا اجر ہے۔ (مسند احمد)

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ جس بستی میں طاعون پھیلا ہو، اسی بستی میں موجود شخص کو وہاں سے ہرگز ہرگز راہ فرار اختیار نہ کرنا چاہئے، یہ اللہ تعالیٰ کی سخت ناراضگی کا ذریعہ ہے، جبکہ طاعون زدہ بستی میں موجود شخص کا وہی جمے رہنا اس کو شہیدوں کی صف میں کھڑا کرنے والا عمل ہے، خواہ وہ طاعون کا شکار ہو کر فوت ہو یا نہ ہو۔

کلمات حدیث کی تشریح الفار من الطاعون جہاں طاعون پھیلا ہو وہاں کے بارے میں آپ ﷺ کی صاف ہدایت ہے کہ إذا وقع بارض وانتم بها فلاتخرجو فراراً ،، اگر کسی بستی میں طاعون پھیلا ہے اور تم وہاں موجود ہو تو وہاں سے بھاگو مت، اب اگر کوئی آپ کے اس فرمان کو بالائے طاق رکھ کر راہ فرار اختیار کرتا ہے، تو وہ گناہ کبیرہ کا مرتکب ہوتا ہے، اور گویا وہ اس غلط عقیدہ کا شکار ہوتا ہے کہ اگر ہم یہاں پر رہیں گے تو مر جائیں گے، اور یہاں سے چلے جائیں گے تو زندہ رہیں گے، آپ ﷺ نے طاعون زدہ بستی سے راہ فرار اختیار کرنے سے منع فرمایا ہے، اس کی بہت سی مصلحتیں ہیں، مزید تحقیق کے لئے نمبر ۱۴۶۷ دیکھیں۔

باب تمنی الموت وذکرہ

﴿تمنائے موت اور موت کو یاد رکھنے کی فضیلت کا بیان﴾

اس باب کے ذیل میں مصنفؒ نے ۱۷ سترہ حدیثیں درج کی ہیں جن میں اکثر موت کی آرزو کی ممانعت کی روایتیں ہیں اس کے علاوہ لقاء مولی اور موت، موت مومن کے لیے ذریعہ راحت ہے، خدا کی ذات سے رحمت کی امید، موت کی یاد، اللہ سے حیا کا حق، موت تحفہ مومن ہے وغیرہ جیسے مضامین کی روایت کا بیان کی ہے موت کی تمنا اور دعا کرنا اللہ تعالیٰ کی شان میں گستاخی، دلیری اور بے باکی ہے، کیونکہ موت کی دعا اللہ تعالیٰ سے یہ مطالبہ کرنا ہے کہ وہ اپنی بخشی ہوئی عظیم نعمت حیات چھین لیں۔ اس گستاخ کو اس کی کوئی ضرورت نہیں ! لیکن عجلت پسند انسان کی نادانی ہے کیونکہ زندگی اس کے لیے نعمت ہے، جب تک زندگی ہے نیکی کا موقع ہے، اور دینی ترقی کا موقعہ ہے، مرتے ہی نیکوں کاری کی بیشتر راہیں بند ہو جائے گی، اور طبعی ترقی کے علاوہ ہر ترقی رک جائے گی، اور طبعی ترقی سے مراد مادی ترقی ہے جیسے بچہ بڑھتا رہتا ہے اور جوان ہو جاتا ہے، یہ طبعی ترقی ہے۔ یہ ترقی موت کے بعد بھی جاری رہتی ہے یہاں تک کہ قیامت کے دن آدمی کا قد ساٹھ ہاتھ کا ہو جائے گا اس کے علاوہ موت کی تمنا بے دانشی اور لاپروائی سے کسی کام میں گھس پڑنا ہے۔ اور بے قراری بے صبری اور حالات سے گھبرا جانا۔ اور یہ دونوں باتیں بدترین اخلاق میں شمار ہوتی ہیں۔ آدمی کو دانش مند ہونا چاہئے اور عواقب پر نظر رکھنی چاہئے، نیز ہمت و حوصلہ سے حالات کا مردانہ وار مقابلہ کرنا چاہئے۔ کیا موت کی تمنا اور دعا کرنے والا جانتا ہے کہ آگے اس کی زندگی خوشگوار ہوگی؟ ؟ ممکن ہے آگے اس سے بھی زیادہ پریشانی پیش آئے۔ تو اس پر بارش سے بھاگ کر پرنالے کے نیچے پناہ لینے کی مقابل صادق آئیگی حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا تم میں سے کوئی شخص موت کی آرزو نہ کرے (کیونکہ) اگر وہ (یعنی موت کی آرزو کرنے والا) نیکوں کار ہے تو ہو سکتا ہے کہ (اس کی عمر دراز ہونے کی وجہ سے) اس کے نیک اعمال زیادہ ہو جائے اور اگر بدکار ہے تو ہو سکتا ہے کہ وہ (توبہ کر کے اور لوگوں کے حقوق ادا کرے) اللہ رب العزت کی رضاء و خوشنودی حاصل کر لے۔ (بخاری شریف)

موت کی آرزو وتمنا کی ممانعت کی وجہ ایک اور بھی ہے کہ وہ خودکشی کا سبب بنتی ہے۔ پس یہ ممانعت سدًا للذرائع ہے۔ البتہ دل کی بڑھاس نکالنے کی اجازت ہے اور اس کا طریقہ یہ ہیکہ یہ دعا کرے'' اللّٰھم احینی ماکانت الحیوۃ خیرالی وتوفنی اذاکانت الوفاۃ خیرالی (بخاری شریف) اے اللہ جب تک میرے لئے خیر مقدر ہے مجھے زندہ رکھ اور جب دنیا میں میرے لئے خیر نہ رہے تو مجھے موت دیدے۔ اس سے دل کی بڑھاس نکل جائے گی۔

الفصل الاوّل

حدیث نمبر ۱۵۱۶ ﴿موت کی آرزوکرنیوالے کی ممانعت﴾ عالمی حدیث ۱۵۹۸

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا یَتَمَنّٰی اَحَدُکُمُ الْمَوْتَ اِمَّا مُحْسِنًا فَلَعَلَّهٗ اَنْ یَّزْدَادَ خَیْرًا وَّ اِمَّا مُسِیْئًا فَلَعَلَّهٗ ، اَنْ یَّسْتَعْتِبَ رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ .

حوالہ: بخاری، ص نمبر: ۸۴۷ ج ۲، باب نھی تمنی المریض الموت ، کتاب المرضٰی، حدیث نمبر: ۵۶۷۳۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص موت کی آرزو نہ کرے، اس وجہ سے کہ اگر وہ نیک ہے تو ممکن ہے کہ وہ اپنی نیکیوں میں اضافہ کرلے، اور اگر وہ بدکار ہے تو ممکن ہے کہ رضاء الٰہی کی خاطر توبہ کرلے۔ (بخاری)

خلاصۂ حدیث: اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ مرض سے گھبرا کر یا کسی اور دنیوی پریشانی سے گھبرا کر موت کی تمنا نہ کرنا چاہئے، آپ ﷺ نے موت کی آرزو کرنے سے منع کرنے کے ساتھ اس کی حکمت بھی بتادی کہ آدمی اگر نیک ہے اور اس کو زندگی ملی ہوتی ہے، تو نیکیوں میں اضافہ کرکے اپنے مقام کو بلند سے بلند تر کرنے کا موقع اسکے پاس ہے، اور اگر آدمی بدکار ہے تو اس کے پاس توبہ کرکے اللہ سے قرب حاصل کرنے کی فرصت ہے، موت کے بعد یہ سنہرا موقع ہاتھ سے چلا جاتا ہے، لہٰذا موت کی تمنا کرنا حماقت ہے، البتہ اگر کوئی شخص اللہ سے ملاقات کے شوق سے اور آخرت کی نعمتوں کے حصول میں موت کی تمنا کرتا ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح: لا یتمنی احد کم زندگی اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمت ہے، لہٰذا اس کے سلب کرنے اور اس کے ختم کرنے کی تمنا عام حالات میں کرنا درحقیقت نعمت کی ناقدری ہے، اس سے اللہ تعالیٰ ناراض ہوتے ہیں۔

اما محسنا فلعله ان یزداد خیرا زندگی رہے گی تو نیک شخص کے لئے نیکی کے مواقع فراہم رہیں گے، اسی وجہ سے ایک موقع پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ ''خیارکم اطولکم اعماراً واحسنکم اعمالاً'' تم لوگوں میں بہترین شخص وہ ہے جس کو خوب لمبی زندگی ملی اور اس نے اس میں خوب اچھے اعمال انجام دیئے۔ واما مسیئاً بدکار شخص کے لئے زندگی میں اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کا موقع رہتا ہے۔

اشکال: جب موت کی تمنا کرنے کی ممانعت ہے تو پھر حضرت عمرؓ سے یہ دعا کیوں منقول ہے ''اللّٰھم کبرت سنی، وضعفت قوتی، وانتشرت رعیتی فاقبضنی إلیك غیر مضیع ولامفرط'' (موطا امام مالک)

جواب: دینی ضرر کا خدشہ ہو، یا فتنہ میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہو، یا اللہ تعالیٰ سے ملاقات کا شدید اشتیاق ہو، تو موت کی تمنا کی جاسکتی ہے، اور جہاں تک ممانعت کا تعلق ہے تو وہ دنیوی تکلیف اور مصیبت سے گھبرا کر موت کی تمنا کرنے کے بابت ہے۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص موت کی تمنا نہ کرے، اور نہ موت آنے سے پہلے اس کے لئے دعاء کرے، کیوں کہ آدمی جب مرجاتا ہے تو اس کی امید ختم ہوجاتی ہے اور بلاشبہ مومن کی عمر زیادہ ہونا اس کی نیکیوں میں اضافہ کا سبب ہے۔ (مسلم)

خلاصۂ حدیث اس حدیث میں بھی تمنائے موت کی ممانعت ہے، اور اس بات کی صراحت ہے کہ مومن کی عمر جتنی زیادہ ہوگی اس کے کھاتے میں اتنی ہی زیادہ نیکیاں جمع ہوجائیں گی، کیوں کہ تقدیر پر راضی رہنے، مصائب پر صبر کرنے اور اللہ کے احکام پر عمل کرنے کے ساتھ وہ جئے گا، اور یہ چیزیں باعث ثواب ہیں۔

کلمات حدیث کی تشریح انقطع املہ یعنی آدمی جب مرجاتا ہے تو اس سے نیک کام کے صدور کی توقع ختم ہوجاتی ہے، اور جب تک زندہ رہتا ہے، امید برقرار رہتی ہے، لہٰذا تمنائے موت کا مطلب نیک کام کی امید کو ختم کرنے کی تمنا کرنا ہے۔ لایزید المومن عمرہ الاخیرا مومن کے عمر کے اضافہ کے سبب اسکی نیکیوں میں اضافہ ہوتا ہے، آپ ﷺ فرمان ہے "طوبیٰ لمن طال عمرہ وحسن عملہ"

حدیث نمبر ۱۵۱۸ ﴿کب موت کی تمنا درست ہے؟﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۶۰۰

وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَتَمَنَّيَنَّ اَحَدُكُمُ الْمَوْتَ مِنْ ضُرٍّ اَصَابَهُ فَاِنْ كَانَ لَا بُدَّ فَاعِلًا فَلْيَقُلِ اللّٰهُمَّ اَحْيِنِيْ مَا كَانَتِ الْحَيٰوةُ خَيْرًا لِّيْ وَتَوَفَّنِيْ اِذَا كَانَتِ الْوَفَاةُ خَيْرًا لِّيْ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حوالہ: بخاری میں ص ۸۴۷ ج ۲، باب نہی تمنی المریض، کتاب المرضیٰ حدیث ۵۶۷۱، مسلم، ص ۳۴۲ ج ۲، باب کراھۃ تمنی الموت لضر نزل بہ، کتاب الذکر والدعاء، والتوبۃ والاستغفار، حدیث ۳۲۸۔

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص موت کی تمنا نہ کرے خواہ اس کو کیسی ہی تکلیف پہنچ گئی ہو اور اگر موت کی تمنا کرنا ضروری ہو تو یوں دعاء کرنا چاہیے "اللّٰھم احینی" اللہ جب تک میرے لئے زندگی بہتر ہے زندگی رکھیے اور جب تک اور جب مرنا میرے لئے بہتر ہو تو مجھے موت عطا کردیجئے (بخاری ومسلم)

خلاصۂ حدیث اس حدیث میں بھی موت کی تمنا کی ممانعت ہے، لیکن اگر دینی فتنہ میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہو تو اشارۃً موت کی آرزو کرنا درست ہے، اسی طرح شہادت کی تمنا کرنا بھی درست ہے، اس لئے کہ جو شخص صدق دل سے شہادت طلب کرتا ہے، اس کو شہادت کا ثواب عنایت کیا جاتا ہے، اگرچہ وہ شہید نہ ہو۔

کلمات حدیث کی تشریح من ضر اصابہ دنیوی ضرر مراد ہے، یعنی دنیوی مصیبت سے خوہ وہ کتنی بڑی کیوں نہ ہو، گھبرا کر موت کی تمنا کرنا درست نہیں ہے، فان کان لابدفاعلاً اگر کوئی ایسی صورت ہے جس میں موت کی تمنا کیے بغیر چارہ نہیں ہے، اشارۃً موت طلب کی جائے، اللّٰھم احینی چونکہ مطلقاً موت کی تمنا کرنا اللہ تعالیٰ کی ایک عظیم نعمت زندگی کو ٹھکراتا ہے اس لئے آپ ﷺ نے اس بات کی تلقین کی کہ یوں دعا کرو، اس کا حاصل یہ ہے کہ جب میرے حق میں دنیا میں رہنا اخروی اعتبار سے نقصاندہ ہو تو مجھے موت عطا کردیجئے۔

حدیث نمبر ۱۵۱۹ ﴿اللہ سے ملاقات کا شوق﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۶۰۱۔ ۱۶۰۲

وَعَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَحَبَّ لِقَآءَ اللّٰهِ اَحَبَّ اللّٰهُ لِقَآءَهٗ وَمَنْ كَرِهَ لِقَآءَ اللّٰهِ كَرِهَ اللّٰهُ لِقَآءَهٗ فَقَالَتْ عَائِشَةُ اَوْ بَعْضُ اَزْوَاجِهٖ اِنَّا لَنَكْرَهُ الْمَوْتَ قَالَ لَيْسَ ذٰلِكَ وَلٰكِنَّ الْمُؤْمِنَ اِذَا حَضَرَهُ الْمَوْتُ بُشِّرَ بِرِضْوَانِ اللّٰهِ وَكَرَامَتِهٖ فَلَيْسَ شَيْءٌ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِمَّا اَمَامَهٗ فَاَحَبَّ لِقَآءَ اللّٰهِ

وَاَحَبَّ اللّٰہُ لِقَآءَہٗ وَاِنَّ الْکَافِرَ اِذَا حُضِرَ بُشِّرَ بِعَذَابِ اللّٰہِ وَعُقُوْبَتِہٖ فَلَیْسَ شَیْءٌ اَکْرَہَ اِلَیْہِ مِمَّا اَمَامَہٗ فَکَرِہَ لِقَآءَ اللّٰہِ وَکَرِہَ اللّٰہُ لِقَآءَہٗ مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ وَفِیْ رِوَایَۃِ عَائِشَۃَ وَالْمَوْتُ قَبْلَ لِقَاءِ اللّٰہِ۔

حوالہ: بخاری:۲/۹۶۳، باب من احب لقاء اللّٰہ احب اللّٰہ لقاء ہ، کتاب الرقاق، حدیث ۶۵۰۷، مسلم،۲/۳۴۳، باب من احب لقاء اللّٰہ، کتاب الذکر والدعاء الخ، حدیث ۲۶۸۴۔

ترجمہ: عبادہ بن صامتؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص اللہ کی ملاقات محبوب رکھتا ہے، اللہ تعالیٰ اس سے ملاقات کو پسند کرتا ہے، اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی ملاقات کو ناپسند کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس سے ملاقات کو ناپسند کرتے ہیں، حضرت عائشہؓ یا کسی دوسری بیوی نے عرض کیا کہ ہم سب ہی موت کو ناپسند کرتے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا کہ ایسا نہیں ہے، بلکہ بات یہ ہے کہ جب مومن کی موت کا وقت قریب ہوتا ہے، تو اس کو اللہ تعالیٰ کی رضامندی اور عزت افزائی کی خوش خبری دی جاتی ہے، اس وقت اس مومن کے نزدیک کوئی چیز اس چیز سے زیادہ محبوب نہیں ہوتی جو اس کے آگے ہے، چنانچہ بندہ اللہ کی ملاقات کو محبوب رکھتا ہے، اور اللہ بندہ کی ملاقات کو پسند کرتے ہیں، اور جب کافر کی موت کا وقت قریب ہوتا ہے، تو اس کو عذاب الٰہی اور دوزخ کے عذاب کی وعید سنائی جاتی ہے، تو اس کو اس چیز سے زیادہ بدترین کوئی چیز نہیں لگتی ہے، جو اس کے آگے ہوتی ہے، چنانچہ وہ اللہ تعالیٰ کی ملاقت کو ناپسند کرتا ہے، اور اللہ تعالیٰ اس کی ملاقت کو ناپسند کرتے ہیں۔ (بخاری و مسلم) اور حضرت عائشہؓ کی روایت ہے کہ موت لقاء الٰہی سے پہلے ہے۔

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ بندہ مومن کے دل میں اللہ تعالیٰ کی ملاقات کا شوق ہوتا ہے، چنانچہ وہ دنیا پر آخرت کو اس غرض سے ترجیح بھی دیتا ہے، موت کیوقت فرشتے اسکو اللہ کی رضاء کی نوید سناتے ہیں تو اس شوق میں جلا پیدا ہو جاتا ہے، جبکہ کافر دنیوی عیش و عشرت ہی کو سب کچھ سمجھتا ہے، اللہ کی ملاقات کا اسکے دل میں اشتیاق نہیں ہوتا ہے، اور مرنے کیوقت فرشتے اسکو عذاب سے مطلع کرتے ہیں تو اسکو لقاء الٰہی سے اور زیادہ ناگواری ہوتی ہے، ایسے لوگوں سے اللہ بھی ملاقات کرنا پسند نہیں کرتے ہیں

کلمات حدیث کی تشریح انا لنکرہ الموت چوں کہ موت میں سخت تکلیف سے دوچار ہونا پڑتا ہے، لہٰذا فطری طور پر انسان کو اس سے ناگواری ہوتی ہے، حضرت عائشہؓ نے اسی بات کا آپ ﷺ سے اظہار کیا، لیس ذلک آپ ﷺ کا مقصد تھا کہ موت کی کراہت جس اعتبار سے تم نے سمجھی ہے وہ میری مراد نہیں ہے، بلکہ موت اللہ سے ملاقات کا واسطہ اور ذریعہ ہے، اس معنیٰ کر بندہ مومن موت سے نفرت نہیں کرتا ہے کیوں کہ " الموت جسر یوصل الحبیب إلی ا لحبیب،، موت ایک پل ہے جس کے ذریعہ سے حبیب محبوب تک پہنچتا ہے، اور جہاں تک نفس کا مشقت میں پڑنا ہے اور اس حساب سے اس سے ناگواری ہے وہ تو امر طبعی ہے جبکہ کافر موت سے اس لئے بھی نفرت کرتا ہے کہ وہ اللہ سے ملاقات کا خواہشمند نہیں ہوتا ہے۔

حدیث نمبر ۱۵۲۰ ﴿مومن اور کافر کی موت میں فرق﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۶۰۳

وَعَنْ اَبِیْ قَتَادَۃَ اَنَّہٗ کَانَ یُحَدِّثُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مُرَّ عَلَیْہِ بِجَنَازَۃٍ فَقَالَ مُسْتَرِیْحٌ اَوْ مُسْتَرَاحٌ مِّنْہُ فَقَالُوْا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ مَا الْمُسْتَرِیْحُ وَالْمُسْتَرَاحُ مِنْہُ فَقَالَ الْعَبْدُ الْمُؤْمِنُ یَسْتَرِیْحُ مِنْ نَصَبِ الدُّنْیَا وَاَذَاھَا اِلٰی رَحْمَۃِ اللّٰہِ وَالْعَبْدُ الْفَاجِرُ یَسْتَرِیْحُ مِنْہُ الْعِبَادُ وَالْبِلَادُ وَالشَّجَرُ وَالدَّوَابُّ مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ۔

حوالہ: بخاری، ص ۹۶۴ ج ۲، باب سکرات الموت، کتاب الرقاق، حدیث ۶۵۱۲، مسلم، ص ۳۰۸ ج ۱، باب ماجاء فی مستریح ومستراح منہ، کتاب الجنائز حدیث ۹۵۰۔

ترجمہ: حضرت ابوقتادہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس سے ایک جنازہ گزرا، آپ ﷺ نے دریافت کیا کہ یہ راحت پانے والا ہے، یا اس سے دوسروں کو راحت مل گئی ہے؟ صحابہ نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! کون راحت پانے والا ہے، اور کون ہے

جس سے دوسروں کو راحت ملی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ بندۂ مومن دنیا کی مشقتوں سے راحت پالیتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی رحمت کا حق دار ہو جاتا ہے، اور کافر کی موت سے بندے، شہر، درخت اور چوپائے راحت پالیتے ہیں۔ (بخاری ومسلم)

خلاصۂ حدیث بندۂ مومن سراپا خیر دوسروں کے لئے ذریعہ راحت ہوتے ہیں، لیکن خود عام طور پر مصائب وآلام کا شکار رہتا ہے لہٰذا جب اس کی موت ہوتی ہے تو اس کو ہر طرح کی دنیوی مشقتوں سے نجات مل جاتی ہے، اور راحت وآرام کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے جبکہ کافر وفاجر عام طور پر اپنے ظلم وستم کے ذریعہ سے مخلوق خدا کے لیے مصیبت بنے رہتے ہیں، لہٰذا ان کی موت سے مخلوق خدا کو راحت نصیب ہوتی ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح العبد المؤمن مومن میں اس کا احتمال ہے کہ اس سے مراد خاص متقی مومن ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ ہر مومن مراد ہو، اسی طرح فاجر میں اس کا بھی احتمال ہے کہ صرف کافر مراد ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ گناہ گار مومن بھی اس میں شامل ہو (فتح الملہم ص۴۹۳ ج۲) **واذاھا الیٰ رحمۃ اللہ** مومن اس دنیا سے رخصت ہو کر اللہ تعالیٰ کی جوار رحمت میں پہنچ جاتا ہے، صاحب مرقات نے نقل کیا ہے کہ حضرت مسروق کہتے تھے کسی چیز پر کسی چیز کی بنا پر اتنا رشک نہیں آتا، جتنا کہ اس مومن پر آتا ہے جس کو قبر میں رکھدیا جاتا ہے، وہ دنیا کی مصیبت سے راحت پالیتا ہے، اور اللہ کے عذاب سے محفوظ ہو جاتا ہے، اسی طرح ابو درداء فرماتے ہیں کہ "**أحب الموت اشتیاقًا إلی ربی و أحب المرض تکفیرًا لخطیئتی و أحب الفقر تواضعًا لربی** اپنے رب کے پاس حاضری کے شوق کی بنا پر مجھے موت محبوب ہے، اور اپنی غلطیوں کے معاف ہو جانے کی وجہ سے مجھے مرض پسند ہے، اور اپنے رب کے آگے عاجزی کی وجہ سے مجھے فقر وفاقہ پسند ہے۔ (مرقات ص۵ ج۴)

یستریح منه العباد والبلاد والشجر والدواب کافر کی وجہ سے مخلوق خدا پریشان ہوتی ہے، لہٰذا اس کی موت سب کے لئے راحت کا سبب بنتی ہے، بندوں کو تو پوری راحت ملی کہ اس کے کفر وعنایت پر ٹوکتے تھے تو اس کے ظلم کا شکار ہوتے تھے، ٹوکنے کی وجہ سے اخروی نقصان اٹھاتے تھے، مرگیا تو کم از کم اس کی ذات کے حوالے سے اس نقصان سے محفوظ ہو گئے، بقیہ مخلوق کو تو یوں راحت ملتی ہے کہ کافر کی نحوست سے بارش رک جاتی ہے، کبھی بھی قحط سالی ہو جاتی ہے، مرجاتا ہے تو یہ پریشانی بھی ختم ہو جاتی ہے۔

حدیث نمبر ۱۵۲۱ ﴿دنیا میں زندگی گزارنے کا طریقہ﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۶۰۴

وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ اَخَذَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَنْكِبِيْ فَقَالَ كُنْ فِي الدُّنْيَا كَاَنَّكَ غَرِيْبٌ اَوْ عَابِرُ سَبِيْلٍ وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ يَقُوْلُ إِذَا اَمْسَيْتَ فَلَا تَنْتَظِرِ الصَّبَاحَ وَإِذَا اَصْبَحْتَ فَلَا تَنْتَظِرِ الْمَسَاءَ وَخُذْ مِنْ صِحَّتِكَ لِمَرَضِكَ وَمِنْ حَيَاتِكَ لِمَوْتِكَ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ۔

حوالہ: بخاری، ۹۴۹/۲، باب قول النبی ﷺ کن فی الدنیا کانک غریبٌ، کتاب الرقاق، حدیث ۶۴۱۶۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے میرا مونڈھا پکڑ کر فرمایا کہ دنیا میں اس طرح رہو جیسا کہ تم مسافر ہو یا راہ گیر ہو۔ حضرت ابن عمرؓ فرماتے تھے کہ جب تم شام کرو تو صبح کا انتظار نہ کرو، اور جب صبح کرو تو شام کے منتظر نہ رہو، اپنی تندرستی کے زمانے میں اپنی بیماری کے لئے سامان کرلو، اور اپنی زندگی میں موت کا سامان تیار کرلو۔ (بخاری)

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ دنیا اور اس کی لذتوں میں بہت زیادہ مت پڑو، ایمان والوں کو تو ہمہ وقت آخرت کو مدنظر رکھنا چاہیئے، وہیں کا آرام اصل آرام ہے، دنیا کو تو بہت مختصر انداز میں برتنا چاہیئے، جس طرح راہ گیر مسافر جیسے تیسے سفر کر کے گھر پہنچنے کی فکر کرتا ہے، اسی طرح ایمان والے کو دنیا بقدر ضرورت حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہئے، اور صحت کو غنیمت جان کر خوب عبادت کرنا چاہیئے، زندگی کو غنیمت جاننا چاہیئے کہ مرنے کے بعد کسی عمل کا موقع نہیں ملے گا، اور ہر وقت موت کی

یادل میں بسانا چاہئے، کسی بھی وقت موت آسکتی ہے، اس لئے زندگی پر بھروسہ کر کے نہ بیٹھنا چاہیے۔

کلمات حدیث کی تشریح کانك غریب یعنی دنیا کی طرف مائل مت ہو، یہ سمجھو کہ دنیا میں تم ایک مسافر ہو تمہاری منزل آخرت ہے لہٰذا نہ تو دنیا کو وطن بناؤ اور نہ اس کی لذتوں کی طرف التفات کرو خذمن صحتك اسی کو آپ ﷺ نے ایک موقع پر فرمایا ہے کہ اپنی صحت کو اپنی بیماری سے پہلے اور اپنی زندگی کو موت سے پہلے غنیمت جان لو۔

حدیث نمبر ۱۵۲۲ ﴿موت کے وقت مغفرت کی امید کا تذکرہ﴾ عالمی حدیث ۱۶۰۵

وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَبْلَ مَوْتِهٖ بِثَلٰثَةِ اَيَّامٍ يَقُوْلُ لَا يَمُوْتَنَّ اَحَدُكُمْ اِلَّا وَهُوَ يُحْسِنُ الظَّنَّ بِاللّٰهِ رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

حوالہ: مسلم، ص۳۸۷ ج۲، باب الامر بحسن الظن باللہ تعالٰی عندالموت، کتاب الجنۃ وصفۃ الخ، حدیث ۲۸۷۷

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو آپ ﷺ کی وفات سے تین دن پہلے فرماتے ہوئے سنا کہ تم میں سے کسی شخص کو موت نہ آئے مگر اس حال میں کہ وہ اللہ تعالیٰ سے حسن ظن رکھنے والا ہو۔ (مسلم)

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ بندہ کو اپنے رب سے اچھی امید رکھنا چاہئے اور خاص طور پر موت کے وقت اس بات کی قوی امید ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ بخشش کا معاملہ فرمائیں گے، بندہ سے خوف وامید دونوں چیزوں کا مطالبہ ہے، جوانی میں خوف کا پہلو غالب رہنا چاہیے، اور بوڑھاپے میں امید کا پہلو غالب رہنا چاہئے، تاکہ جوانی میں اعمال کی طرف خوب رغبت ہو، اور بوڑھاپے میں خدانخواستہ مایوسی کا شکار نہ ہو۔

کلمات حدیث کی تشریح وھو یحسن الظن اللہ تعالیٰ کے وعدہ پر کامل اعتماد رکھنا چاہئے بعض لوگوں نے کہا ہے کہ یہاں "حسن ظن،، سے مراد اچھے اعمال ہیں، اور مطلب یہ ہے کہ زندگی میں خوب نیک اعمال کرو، تاکہ اس کی بناء پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے انعام واکرام کا گمان قائم ہو، جو شخص زندگی میں برے اعمال کرے گا، موت کے وقت اس کو اللہ تعالیٰ سے حسن ظن قائم نہ ہو پائے گا۔

الفصل الثانی

حدیث نمبر ۱۵۲۳ ﴿اللہ سے ملاقات کا شوق مغفرت کا ذریعہ ہے﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۶۰۶

عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنْ شِئْتُمْ اَنْبَأْتُكُمْ مَّا اَوَّلُ مَا يَقُوْلُ اللّٰهُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَمَا اَوَّلُ مَايَقُوْلُوْنَ لَهٗ قُلْنَا نَعَمْ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ يَقُوْلُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ هَلْ اَحْبَبْتُمْ لِقَائِيْ فَيَقُوْلُوْنَ نَعَمْ يَا رَبَّنَا فَيَقُوْلُ لِمَ فَيَقُوْلُوْنَ رَجَوْنَا عَفْوَكَ وَمَغْفِرَتَكَ فَيَقُوْلُ قَدْ وَجَبَتْ لَكُمْ مَغْفِرَتِيْ رَوَاهُ فِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ وَاَبُوْ نُعَيْمٍ فِي الْحِلْيَةِ.

حوالہ: بغوی، فی شرح السنۃ ص نمبر ۲۶۸ ج ۵، باب من أحب لقاء اللہ، کتاب الجنائز حدیث نمبر ۱۴۵۲۔

ترجمہ: حضرت معاذ بن جبل ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ ؓ سے فرمایا کہ اگر تم لوگ چاہو تو میں تمہیں بتاؤں کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو سب سے پہلے کس طرح مخاطب فرمائیں گے، اور ایمان والے اللہ تعالیٰ سے سب سے پہلے کیا عرض کریں گے؟ ہم نے عرض کیا کہ ہاں اللہ کے رسول آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں سے دریافت کریں گے کیا تم میری ملاقات کا شوق رکھتے تھے تو ایمان والے جواب دیں گے ہاں ہمارے رب، تو اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ کس لئے؟ ایمان والے کہیں گے اس لئے کہ ہم آپ کے عفو وکرم اور بخشش کی امید رکھتے ہیں اللہ تعالیٰ فرمائیں گے، تم لوگوں کے لئے میری مغفرت ثابت ہوگئی، بغوی نے

اس کو شرح السنہ میں اور ابو نعیم نے حلیہ میں نقل کیا ہے۔

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ جو بندے مومن اللہ تعالیٰ کی ملاقات کا شوق وآرزو دل میں رکھتے ہیں، اور اللہ سے محبت کرتے ہیں، نیز اللہ تعالیٰ کی رحمت وعنایت اور اس کی مغفرت کی امید رکھتے ہیں تو اللہ اپنے سے ان کی محبت اور اپنی ملاقات کے اشتیاق کی قدر کرتے ہیں، ان کی امید پوری کردیں گے، اور انہیں بخشش کی نوید وخوش خبری سنائیں گے۔

کلمات حدیث کی تشریح ان شئتم آپ ﷺ نے صحابہ کی مشیت پر اس لئے موقوف کیا کہ اس بات کی تعلیم دینا آپ ﷺ پر لازم نہیں تھا، اور یہ مقصد بھی تھا کہ صحابہ پورے طور پر متوجہ ہوجائیں اور بات کو بہت غور سے سنیں، هل احببتم لقائی آخرت کی طرف رجوع بھی مراد ہوسکتا ہے، اور اللہ تعالیٰ کا دیدار مراد ہوسکتا ہے، اور دونوں صحیح ہے و۔ فقد وجبت لکم بندے نے اللہ تعالیٰ سے اچھی امید قائم کی، تو اللہ نے بھی اس کی لاج رکھی، اور امید کے مطابق معاملہ فرمایا، اور حدیث قدسی بھی ہے کہ، انا عند ظن عبدی بی فلیظن بی ماشاء،، میرا معاملہ اپنے بندہ کے ساتھ اس کے گمان کے مطابق ہوتا ہے، اب وہ جو چاہے مرے بارے میں گمان کرلے۔

حدیث نمبر ۱۵۲۴ ﴿موت کو کثرت سے یاد کرنے کی تاکید﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۶۰۷

وَعَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَكْثِرُوْا ذِكْرَ هَاذِمِ اللَّذَّاتِ الْمَوْتِ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ، وَالنَّسَائِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ .

حواله: ترمذی ۲/ ۵۷، باب ماجاء فی ذکر الموت، کتاب الزهد حدیث نمبر: ۲۳۰۷ نسائی ۲/ ۲۰۲: باب کثرة ذکر الموت، کتاب الجنائز حدیث نمبر: ۱۸۲۳ ابن ماجه ص نمبر: ۳۴۱ باب ذکر الموت والا ستعداد له، کتاب الزهد حدیث نمبر: ۴۲۵۸

ترجمه: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ لذتوں کو ختم کردینے والی چیز یعنی موت کو خوب یاد کرو۔

(ترمذی نسائی، ابن ماجہ)

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ چونکہ موت سے غفلت ہی انسان کو بداعمالی پر آمادہ کرتی ہے، اور موت کی یاد وہ عظیم نعمت ہے جس کے ذریعہ سے اللہ کا خوف پیدا ہوتا ہے، فکر آخرت اور اللہ کے حضور جواب دہی کا احساس شدید ہوتا ہے، جس کی وجہ سے آدمی گناہوں سے بچتا ہے، اور اچھے اعمال کی طرف متوجہ ہوتا ہے، اسی سبب آپ نے موت کو کثرت سے یاد کرنے کی تاکید فرمائی۔

کلمات حدیث کی تشریح اکثرو اذکر هاذم اللذات هاذم، کے معنی ہیں کاٹنے اور قطع کردینے والا، موت وہ ہے جو تمام لذتوں سے انسان کا رشتہ کاٹ دیتی ہے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ موت کو یاد رکھو یعنی اس کو فراموش مت کرو اور آخرت سے غافل مت ہو، اور آخرت کی تیاری کو ترک مت کرو، موت یاد رکھنے کا آسان ذریعہ قبرستان جاتے رہنا ہے، اس لئے کہ جب آدمی قبرستان جائے گا تو اس کو اپنی موت بھی یاد آئے گی، اور وہ مقصد حاصل ہوگا، جس کے حصول کا حکم اس حدیث میں دیا گیا ہے۔

حدیث نمبر ۱۵۲۵ ﴿اللہ سے شرم کرنے کی تاکید﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۶۰۸

وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ اِنَّ نَبِيَّ اللّٰهِ ﷺ قَالَ ذَاتَ يَوْمٍ لِاَصْحَابِهِ اسْتَحْيُوْا مِنَ اللّٰهِ حَقَّ الْحَيَاءِ قَالُوْا اِنَّا نَسْتَحْيِيْ مِنَ اللّٰهِ يَا نَبِيَّ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ قَالَ لَيْسَ ذٰلِكَ وَلٰكِنْ مَنِ اسْتَحْيٰى مِنَ اللّٰهِ حَقَّ الْحَيَاءِ فَلْيَحْفَظِ الرَّاْسَ وَمَا وَعٰى وَلْيَحْفَظِ الْبَطْنَ وَمَا حَوٰى وَلْيَذْكُرِ الْمَوْتَ وَالْبِلٰى وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ تَرَكَ زِيْنَةَ الدُّنْيَا فَمَنْ فَعَلَ ذٰلِكَ فَقَدِ اسْتَحْيٰى مِنَ اللّٰهِ حَقَّ الْحَيَاءِ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ .

حوالہ: مسند احمد ص نمبر:۳۸۷ ج ا، ترمذی، ص، نمبر: ج ۲، باب کتاب صفة القیامة حدیث نمبر:۲۴۵۸۔

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دن اپنے صحابہ سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سے اتنی شرم کرو جتنی کے اس سے شرم کرنے کا حق ہے، صحابہؓ نے عرض کیا کہ اے اللہ کے نبی تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں، ہم اللہ سے شرم کرتے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا یہ مراد نہیں ہے، بلکہ جو شخص پورے طور پر اللہ تعالیٰ سے شرم وحیا کا حق ادا کرتا ہے، تو اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے سر کی حفاظت کرے، موت کو یاد کرنے اور ہڈیوں کے بوسیدہ ہونے کو یاد رکھے، جو شخص آخرت کا ارادہ کرے وہ دنیا کی زیب وزینت چھوڑ دے، جو شخص ایسا کرے گا، وہ اللہ سے حیا کا حق ادا کرے گا۔ (احمد ترمذی)

خلاصۂ حدیث

اس حدیث میں آپ ﷺ نے ذات باری تعالیٰ سے حیا کرنے کی تاکید فرمائی ہے، اللہ تعالیٰ سے حیا کا مطلب کفر وشرک سے اجتناب کرتے ہوئے خالص اس کی بندگی کرنا ہے، دل ودماغ میں پیدا ہونے والی تمام خرابیوں مثلاً تکبر، حسد، کینہ، غیبت، وچغلی، سے بچنا ہے، اسی طرح پیٹ کی بیماریوں، مثلاً سود، رشوت، اور دیگر طرح کی آنے والی حرام کمائیوں سے گریز کرکے پاکیزہ وحلال روزی استعمال کرنا ہے، شرم گاہ کی حفاظت کرنا ہے، دل کو حرص ولالچ سے بچانا اور جود وسخا پر آمادہ کرنا ہے، موت ہمیشہ یاد رکھنا ہے اور موت کے بعد پیش آنے والے امور کے لیے پہلے سے مکمل تیاری کرنا ہے، جو شخص اس طرح زندگی گزارے گا اس کے بارے میں کہا جائیگا کہ یہ اللہ سے شرم کرنے والا ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح

استحیوا من اللہ اللہ سے شرم کرو جتنا کہ اللہ سے شرم کرنے کا حق ہے، معلوم ہوا کہ جو ذات سب سے زیادہ اس بات کی مستحق ہے کہ اس سے حیا کی جائے وہ اللہ کی ذات ہے، آج گناہ کرتے ہوئے دنیا کے انسانوں سے تو شرم کرتے ہیں اور ان کے سامنے گناہ کرنے سے گریز کرتے ہیں، لیکن اپنے خالق ومالک سے شرم نہیں کرتے ہیں یاللعجیب! اگر ہم اللہ کی نعمتوں کو ہمہ وقت ذہن میں اور اپنی کوتاہیوں پر نظر کرتے رہیں تو اللہ تعالیٰ سے حیا کا جذبہ پیدا ہوگا۔ فلیحفظ الراس سر کی حفاظت کرو، یہاں مطلب یہ نہیں ہے کہ سر کو جسمانی بیماریوں سے بچاؤ، بلکہ مقصود ہے کہ یہ سر اللہ کے علاوہ کسی کے آگے نہ جھکے، اس مختصر فرمان کے ذریعہ سے آپ ﷺ نے شرک کی تمام ممکنہ صورتوں سے بالکلیہ اجتناب کرنے کا حکم دیا ہے۔ وما وعی سر سے متعلق جتنی چیزیں ان کی حفاظت کرو، یعنی آنکھ، ناک کان سب کو اللہ کی مرضی کے مطابق استعمال کرو، اس سے آپ ﷺ نے غیبت، بدنظری، بہتان تراشی اور ان تمام اعمال بد پر بندش لگادی جو سر کے متعلق سے ممکن ہے، اور ان تمام اعمال حسنہ کی انجام دہی کی تاکید فرمادی جو زبان، آنکھ وغیرہ سے ممکن ہے، ولیحفظ البطن پیٹ کی حفاظت کرو، اس ہدایت کا بنیادی مقصد حرام کمائی کے استعمال کرنے سے روکنا ہے، اس میں سود، جوا، شراب نوشی، غصب، رشوت خوری، اور تمام ممکنہ صورتیں جس سے حرام مال کو حاصل کیا جاسکتا ہے، یا حرام چیزوں کو استعمال کیا جاسکتا ہے آپ ﷺ نے حرام قرار دی ہیں اور ان سے آپ ﷺ نے روکا ہے، وما حوی پیٹ سے متعلقہ جو چیزیں ہیں ان کو بھی اللہ کے حکم کے خلاف استعمال کرنے سے آپ ﷺ نے منع کیا ہے، ہاتھوں سے کسی کو ستانا، ناجائز امور میں شریک ہونا، شرم گاہ کو حرام کاری میں ملوث کرنا ان سب امور سے آپ ﷺ نے روکا ہے، اور متعلقات بدن کو اپنے ہر اچھے اور باعث خیر عمل میں استعمال کرنے پر ابھارا ہے، کیوں کہ یہی مقصد ہے آپ ﷺ کے اس فرمان کا کہ پیٹ اور اس کے متعلقات کی حفاظت کرو، ولیذکر الموت والبلٰی موت کو یاد رکھنا چاہیئے اور قبر میں جس مراحل سے گزرنا ہے اور جسم کی جو کیفیت ہونا ہے اس کو فراموش نہ کرنا چاہیئے من اراد الأخرة آپ ﷺ نے اپنے اس فرمان کے ذریعہ سے زہد وتقویٰ اختیار کرنے کی دعوت دی ہے، اور دنیا اور اس کی رنگینیوں میں غرق ہونے سے روکا ہے۔

حدیث نمبر ۱۵۲۶ ﴿موت مومن کے لئے تحفہ ہے﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۶۰۹

وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرٍ وَقَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تُحْفَةُ الْمُؤْمِنِ الْمَوْتُ رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْإِيْمَانِ.

حوالہ: بیهقی فی شعب الایمان، ص ۱۷۱، ج ۷، باب فی الصبر علی المصائب حدیث نمبر ۹۸۸۴۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مومن کیلئے موت تحفہ ہے۔ (بیہقی فی شعب الایمان)

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ موت وہ عظیم نعمت ہے مومن کے حق میں جس کے ذریعہ سے وہ دنیا کے مصائب وہ آرام سے نجات بھی پا جاتا ہے، اور اللہ تبارک وتعالیٰ کی نعمتوں اور اخروی ثواب کا مستحق بھی ہو جاتا ہے، لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ زندگی مصیبت ہے، بلکہ زندگی اس اعتبار سے نعمت ہے کہ موت کے بعد جو آرام وراحت نصیب ہوتی ہے اس کے حصول کی کوشش تو زندگی میں ہوتی ہے، اور زندگی میں کی جانے والی محنت کا ثمرہ ہی تو آخرت میں ملتا ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح تحفة المومن الموت کافر وفاجر موت سے گھبراتا ہے، جبکہ بندۂ مومن بخشی اس کو قبول کرتا ہے، اس لئے کہ موت ابدی سعادتوں کا ذریعہ ہے، اور اللہ تعالیٰ سے ملاقات کا وسیلہ ہے، موت وہ پل ہے جس کو عبور کر کے ہی اللہ تعالیٰ سے ملاقات ہوتی ہے لہٰذا موت تو مومن کے لیے ہدیہ اور تحفہ ہے۔

حدیث نمبر ۱۵۲۷ ﴿موت کے وقت پسینہ آنا﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۶۱۰

وَعَنْ بُرَيْدَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْمُؤْمِنُ يَمُوْتُ بِعَرَقِ الْجَبِيْنِ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ.

حوالہ: ترمذی، ص نمبر: ۱۹۲، باب ماجاء ان المومن یموت بعرق الجبین، کتاب الجنائز، حدیث نمبر: ۹۸۲۔ نسائی، ص ۲/۲۰۲

ترجمہ: حضرت بریدہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مومن کی موت اس طرح آتی ہے جس طرح پیشانی پر پسینہ آتا ہے۔ ترمذی (ابن ماجہ، نسائی)

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ مومن کی موت آسانی سے آتی ہے، روح نکلتے وقت اس کو ذرا بھی تکلیف نہیں ہوتی ہے، جیسے پسینہ نکلنے میں انسان کو کوئی بھی تکلیف نہیں ہوتی ہے، اسی طرح روح نکلنے میں بھی کوئی دشواری نہیں ہوتی ہے

کلمات حدیث کی تشریح یموت بعرق الجبین مومن پیشانی کے پسینہ کے ساتھ مرتا ہے، اس حدیث کی محدثین نے بہت سے مطلب بیان کئے ہیں، ایک تو وہی ہے جس کا بیان خلاصۂ حدیث کے تحت ہوا ہے، ایک مطلب یہ ہے کہ یہاں یہ بیان ہے کہ مومن کو موت کے وقت مشقت ہوتی ہے، اور یہ اس مشقت سے کنایہ ہے جو کہ مومن کو زندگی بھر حلال روزی کے حصول کے لئے برداشت کرنا پڑتی ہے، اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ اس بات سے کنایہ ہے کہ موت سے قبل مومن کو بسا اوقات سخت تکلیف سے دوچار کیا جاتا ہے، اور یہ سختی اس کو گناہوں سے پاک کرنے اور اخروی درجات کو بلند کرنے کے لیے کی جاتی ہے۔

(تلخیص مرقات، ص نمبر ۸ ج ۴)

خود حضرت نبی کریم ﷺ کو وفات سے قبل سخت مشقت برداشت کرنا پڑی ہے، حضرت عائشہؓ فرماتی تھیں کی وفات کے وقت تکلیف دیکھنے سے پہلے میں مرض الوفات کی تکلیف کو برا سمجھتی تھی، لیکن جب سے حضور ﷺ کو مشقت میں دیکھا ہے تب سے برا نہیں سمجھتی ہوں، حاصل یہ ہے کہ پسینہ نکلنے سے اگر میت کے حق میں سختی مراد ہے تو وہ روح نکلنے سے پہلے سکرات کی سختی ہے، اور یہ سختی مومن کے مقام ومراتب کو بلند کرنے کی غرض سے دی جاتی ہے، اور اگر آسانی مراد ہے تو روح کے نکلنے کے وقت بندۂ مومن کے ساتھ جو آسانی

وسہولت کا معاملہ کیا جاتا ہے وہ مراد ہے۔

حدیث نمبر ۱۵۲۸ ﴿ناگھانی موت کا تذکرہ﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۶۱۱

وَعَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ خَالِدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَوْتُ الْفُجَاءَةِ اَخْذَةُ الْاَسَفِ رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَزَادَ الْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ وَرَزِيْنٌ فِيْ كِتَابِهٖ اَخْذَةُ الْاَسَفِ لِلْكَافِرِ وَرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِ.

حوالہ: ابوداؤد، ص نمبر ۴۴۳ ج ۲، باب موت الفجاۃ، کتاب الجنائز ، حدیث نمبر ۳۱۱۰۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن خالد سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ناگہانی موت غصہ کی پکڑ ہے (ابوداؤد) اور بیہقی نے شعب الایمان میں اور رزین نے اپنی کتاب میں نقل کیا ہے کہ کافر کے لئے غصہ کی پکڑ ہے اور مؤمن کیلئے رحمت ہے۔

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ بیماری کی موت بہتر ہوتی ہے، اس لئے کہ ایام بیماری میں بندہ کو رجوع الی اللہ کی توفیق ملتی ہے، اپنی بداعمالی پر ندامت ہوتی ہے، اور آئندہ گناہ نہ کرنے کا پختہ نیت کرنے کی سعادت حاصل ہوتی ہے جبکہ اچانک مرنے میں یہ بات نہیں ہوتی، لہٰذا اچانک کی موت ایک طرح سے اللہ تعالیٰ کے غصہ کی علامت ہوتی ہے اس حدیث میں آگے جو وضاحت ہے اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ناگہانی موت کافروں کے حق میں بری ہے لیکن ایمان والوں کے حق میں رحمت ہے۔ یعنی اچھی چیز ہے کافروں کی طرف نسبت کرتے ہوئے تو یہ بات ٹھیک ہے لیکن مجموعی اعتبار سے بیماری کی موت ناگہانی سے بہتر ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح اخذۃ الاسف ، ناگہانی موت اللہ کی پکڑ ہے لیکن یہ کافروں کے حق میں ہے جیسا کہ آگے روایت کے الفاظ میں اس کی صراحت بھی ہے مرقات میں حدیث نقل ہوئی ہے کہ سئل صلی اللہ علیہ وسلم عن موت الفجاۃ فقال راحۃ المؤمن واخذۃ اسف للکافر مومن کو دنیا کے مصائب سے اچانک چھٹکارہ مل جاتا ہے اس لئے اس کے لئے تو راحت کا ذریعہ ہے موت سے پہلے کی مشقتیں بھی اس پر نہیں گزرتی ہیں لیکن کافروں کے حق میں افسوس وندامت کا ذریعہ اور اللہ کی پکڑ کی علامت ہے اس وجہ سے کہ توبہ کی توفیق بھی اس کو نہیں مل پاتی ہے مومن کے حق میں بیمار ہو کر مرنا زیادہ بہتر ہے حدیث گزر چکی ہے کہ حضور ﷺ کے زمانے میں ایک شخص اچانک فوت ہو گئے تو ایک دوسرے صاحب بولے کہ ,, ھنیئالہ ولم یبتل بمرض ،، کس قدر خوش قسمت تھا کہ کسی مرض میں مبتلا ہوئے بغیر انتقال ہو گیا آپ ﷺ نے یہ سن کر فرمایا کہ ,, ویحك مایدریك لو ان اللہ ابتلاہ بمرض فکفر عنہ من سیاتہ ،، افسوس تمہیں کیا معلوم کہ اگر اللہ اس کو بیماری میں مبتلا کرتا اسکے گناہوں کا کفارہ ہو جاتا

حدیث نمبر ۱۵۲۹ ﴿موت کے وقت اللہ کی رحمت کا امید وار ہونا﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۶۱۲

(١٤) وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ دَخَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى شَابٍّ وَّهُوَ فِي الْمَوْتِ فَقَالَ كَيْفَ تَجِدُكَ قَالَ اَرْجُو اللّٰهَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ وَاِنِّيْ اَخَافُ ذُنُوْبِيْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَجْتَمِعَانِ فِيْ قَلْبِ عَبْدٍ فِيْ مِثْلِ هٰذَا الْمَوْطِنِ اِلَّا اَعْطَاهُ اللّٰهُ مَا يَرْجُوْ وَاٰمَنَهٗ مِمَّا يَخَافُ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ .

حوالہ: ترمذی ص نمبر ۱۹۲ ج ۱، الجنائز کتاب الجنائز، ابن ماجہ ص نمبر ۳۱۴ باب ذکر الموت والاستعداد له، کتاب الجنائز حدیث نمبر ۴۲۶۱۔

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک مریض کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے وہ قریب المرگ تھا آپ ﷺ نے اس سے دریافت کیا کہ تم اپنے کو کیسا پاتے ہو؟ اس نے کہا اللہ سے ملاقات کی تمنا رکھتا ہوں اور اپنے گناہوں سے ڈرتا بھی ہوں یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اس وقت میں جب بندہ کے دل میں یہ باتیں جمع ہوتی ہیں تو اللہ تعالیٰ اس کی خواہش کے مطابق عطا

کرتا ہے اور جس بات سے ڈرتا ہے اس سے محفوظ رکھتا ہے۔ (ترمذی ابن ماجہ) ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔

خلاصۂ حدیث خوف ورجاء، امید وبیم یہ عظیم نعمتیں ہیں اللہ چاہتا ہے کہ بندہ اس کے رحم وکرم کا امیدوار بھی رہے اور اس کے غضب وقہر سے ڈرتا بھی رہے مرتے وقت اگر کسی کے اندر یہ اوصاف جمع ہیں تو اس کا مطلب ہے کہ یہ مومن ہے لہٰذا اللہ تعالیٰ اس بندہ کے ساتھ رحم وکرم کا معاملہ کرتا ہے وار اپنے غضب وغصہ سے محفوظ رکھتا ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح ھذا الموطن، اسوقت میں مراد سکرات الموت کا زمانہ ہے یعنی مرتے وقت اسمیں ہر وہ زمانہ داخل ہے جبکہ موت قریب ہوتی ہے مثلاً میازرت کا وقت قصاص کا وقت یہ سب وقت وہ ہیں جو موت کے قریب اوقات شمار ہوتے ہیں، مایر جو یعنی رحمت عطا کرتے ہیں وامنہ ممایخاف یعنی معاف کر کے اور مغفرت فرما کر سزا سے محفوظ رکھتے ہیں۔

الفصل الثالث

حدیث نمبر ۱۵۳۰ ﴿موت کی آرزو کرنے سے روکنا﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۶۱۳

عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لاَ تَمَنَّوُالْمَوْتَ فَإِنَّ هَوْلَ الْمُطَّلَعِ شَدِيْدٌ وَاِنَّ مِنَ السَّعَادَةِ اَنْ يَّطُوْلَ عُمْرُ الْعَبْدِ وَيَرْزُقَهُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ الْإِنَابَةَ رَوَاهُ اَحْمَدُ.

حوالہ: مسند احمد ص نمبر ۳۳۲ ج ۳۔

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ موت کی آرزو مت کرو، اس وجہ سے کہ جانکنی کا وقت بڑا سخت ہوتا ہے، سعادت کی علامت یہ ہے کہ بندہ کی عمر طویل ہو، اور اللہ تعالیٰ اس کو اپنی طرف رجوع کرنے کی توفیق عطا کر دے،، (احمد)

خلاصۂ حدیث اس حدیث میں دنیوی تکلیف سے گھبرا کر موت کی آرزو کرنے سے منع کیا گیا ہے، اور اس بات کی وضاحت کی گئی ہے، کہ سکرات موت خود بہت تکلیف دہ چیز ہے، پھر موت آتے ہی اللہ کو راضی کرنے والے اعمال کا سلسلہ بھی ختم ہو جاتا ہے، لہٰذا از خود موت طلب نہ کرنا چاہئے، نیک بختی تو یہ ہے کہ آدمی کو لمبی عمر ملے اور اس عمر میں اللہ کی بندگی کی توفیق ملے، یہاں یہ بات بھی یاد رہے کہ دیدار الٰہی کے شوق اور اللہ سے محبت کے تقاضہ کے تحت موت کی محبت دل میں رکھنا دوسری چیز ہے، اس میں اور دنیوی مصائب سے عاجز آ کر موت کی تمنا کرنے میں بہت واضح فرق ہے، ایک مطلوب ہے اور دوسرا ممنوع ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح ھول المطلع اس سے مراد نزاع کے وقت جو دشواری اور سختی مرنے والے کو پیش آتی ہے وہ ہے ان یطول عمر العبد انسان کو ہمیشہ ہمیش کی سعادتوں کے حصول کے لیے پیدا کیا گیا ہے، اس کا رأس المال یعنی جس کے ذریعہ سے سعادتوں کا حصول ہوگا وہ زندگی ہے، کون عقلمند تاجر راس المال کو ضائع کرنا پسند کرتا ہے، راس المال کو ضائع کرنے کا مطلب نفع سے ہاتھ دھونا ہے، ایسے ہی زندگی کے خاتمہ کی آرزو کرنا نیک اعمال سے رشتہ منقطع کرنے کی آرزو کرنا ہے، لہٰذا سعادت کی بات یہ ہے کہ لمبی زندگی ہو اور کارآمد زندگی ہو۔

حدیث نمبر ۱۵۳۱ ﴿طویل زندگی اچھے عمل کیساتھ بہتر ہے﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۶۱۴

وَعَنْ اَبِىْ اُمَامَةَ قَالَ جَلَسْنَا إِلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَّرَنَا وَرَقَّقَنَا فَبَكَى سَعْدُ بْنُ اَبِىْ وَقَّاصٍ فَاَكْثَرَ الْبُكَاءَ فَقَالَ يٰلَيْتَنِىْ مِتُّ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا سَعْدُ اَعِنْدِىْ تَتَمَنَّى الْمَوْتَ فَرَدَّدَ ذٰلِكَ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ ثُمَّ قَالَ يَا سَعْدُ اِنْ كُنْتَ خُلِقْتَ لِلْجَنَّةِ فَمَا طَالَ عُمُرُكَ وَحَسُنَ مِنْ عَمَلِكَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكَ رَوَاهُ اَحْمَدُ.

حوالہ: مسند احمد ص نمبر ۲۶۷ ج ۔

ترجمہ: حضرت ابوامامہؓ سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں بیٹھے ہوئے تھے کہ آپ ﷺ نے ہمیں نصیحت فرمائی تو ہم پر رقت طاری ہوگئی، حضرت سعد بن وقاصؓ رو پڑے، اور خوب روئے، اور بولے کاش میں مر چکا ہوتا، آپ ﷺ نے فرمایا کہ اے سعد! کیا تم میری موجودگی میں موت کی تمنا کر رہے ہو، آپ ﷺ نے تین مرتبہ یہ کلمات دہرائے، پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ اے سعد اگر تم جنت کیلئے پیدا کئے گئے ہو تو تمہاری عمر جس قدر لمبی ہوگی اور تمہارا عمل اچھا ہوگا، اسی قدر تمہارے حق میں بہتر ہوگا۔ (احمد)

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ موت کی آرزو اچھی چیز نہیں ہے، بالخصوص آپ ﷺ کے زمانۂ مبارک میں جب کہ آپ ﷺ کے دیدار کی نعمت اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمتوں میں سے ایک نعمت کی شکل میں میسر تھی، اس وقت کسی کا موت کی تمنا کرنا بہت تعجب کی بات تھی، اصل بات یہ ہے کہ اگر اللہ نے کسی کے لئے جنت مقرر کی ہے تو زندہ رہنا اور نیک کام کرنا جنت میں درجات کی بلندی کا ذریعہ ہے، اور اگر اللہ نے کسی کے لئے جہنم لکھ رکھی ہے، تو اسکے لئے نہ تو مرنے میں کوئی بھلائی ہے، اور نہ موت جلد طلب کرنے میں کوئی فائدہ ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح اعندی تتمنی الموت: کیا تم میرے سامنے موت طلب کر رہے ہو؟ آپ ﷺ نے حیرت سے یہ بات پوچھی اور آپ ﷺ نے تین بار یہ بات دہرائی، حاصل یہ تھا کہ رسول اللہ کی مجلس میں حاضری اور ان سے براہ راست مستفید ہونا ایک بہت عظیم اعزاز ہے، مرنے کے بعد اخروی نعمتیں تو مل جائیں گی، لیکن سردست اس عظیم نعمت سے محرومی تو ہو ہی جائے گی، اس بات کو تم جان کر بھی موت کی آرزو کر رہے ہو، بڑی حیرت کی بات ہے۔ ان کنت خلقت، حضرت سعدؓ عشرۂ مبشرہ میں سے ہے پھر آپ ﷺ نے یقین کے ساتھ یہ بات کیوں نہیں فرمائی کہ تم جنتی ہو، اور تمہارے نیک اعمال درجات کی بلندی کا سبب ہوں گے، لہٰذا تمہاری طویل عمر تمہارے حق میں بہتر ہے؛ آپ ﷺ کا مقصد یہ تھا کہ فکر آخرت سے غفلت نہ ہو، اور عذاب قبر اور سوء انجام کے خوف سے پورے طور پر مطمئن نہ ہوں، اور ممکن ہے کہ آپ ﷺ کا یہ فرمان پہلے کا ہو، اور حضرت سعد کے حق میں جنت کی بشارت اور آپ ﷺ کا عشرۂ مبشرہ میں سے قرار دئے جانے کی بات بعد کی ہو۔

حدیث نمبر ۱۵۳۲ ﴿موت کی تمنا نہ کرنے کی وجہ﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۶۱۵

وَعَنْ حَارِثَةَ بْنِ مُضَرِّبٍ قَالَ دَخَلْتُ عَلٰى خَبَّابٍ وَّقَدِ اكْتَوٰى سَبْعًا فَقَالَ لَوْلَا اَنِّيْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَا يَتَمَنَّ اَحَدُكُمُ الْمَوْتَ لَتَمَنَّيْتُهٗ وَلَقَدْ رَاَيْتُنِيْ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا اَمْلِكُ دِرْهَمًا وَّاِنَّ فِيْ جَانِبِ بَيْتِيَ الْاٰنَ لَاَرْبَعِيْنَ اَلْفَ دِرْهَمٍ قَالَ ثُمَّ اُتِيَ بِكَفَنِهٖ فَلَمَّا رَاٰهُ بَكٰى وَقَالَ وَلٰكِنْ حَمْزَةُ لَمْ يُوْجَدْ لَهٗ كَفَنٌ اِلَّا بُرْدَةٌ مَّلْحَاءُ اِذَا جُعِلَتْ عَلٰى رَاْسِهٖ قَلَصَتْ عَنْ قَدَمَيْهِ وَاِذَا جُعِلَتْ عَلٰى قَدَمَيْهِ قَلَصَتْ عَنْ رَّاْسِهٖ حَتّٰى مُدَّتْ عَلٰى رَاْسِهٖ وَجُعِلَ عَلٰى قَدَمَيْهِ الْاِذْخَرُ وَرَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ اِلَّا اَنَّهٗ لَمْ يَذْكُرْ ثُمَّ اُتِيَ بِكَفَنِهٖ اِلٰى اٰخِرِهٖ.

حوالہ: مسند احمد، ص نمبر: ۱۱۱، ج ۵، ترمذی، ص نمبر: ۱۹۱، ج ۱، باب ماجاء فی النهی عن التمنی للموت، کتاب الجنائز حدیث: ۹۷۰۔

ترجمہ: حضرت حارثہ بن مضربؓ سے روایت ہے کہ میں حضرت خبابؓ کی عیادت کے لئے گیا، انھوں نے سات جگہ جسم کو داغوا رکھا تھا، انھوں نے کہا کہ اگر میں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ نہ سن رکھا ہوتا کہ "تم میں سے کوئی شخص موت کی تمنا نہ کریں، تو میں موت کی تمنا کرتا، بلاشبہ میں نے اپنے آپ کو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اس حال میں دیکھا کہ میرے پاس ایک درہم بھی نہیں تھا، اب میرے گھر کے کونہ میں چالیس ہزار درہم پڑے ہیں، راوی کہتے ہیں کہ جب حضرت خبابؓ کے پاس کفن لایا گیا تو آپؓ دیکھ کر رو پڑے اور فرمایا کہ آہ حمزہ، ان کو پورا کفن بھی میسر نہیں ہوا، صرف ایک دھاری دار چادر تھی، جب پیر ڈھکے جاتے تو سر کھل جاتا اور جب سر کو ڈھکا جاتا تو پیر کھل

جاتے، لہٰذا چادر سر پر اوڑھا پیروں پر ,,اذخر،، ڈالدی گئی (احمد ترمذی) لیکن ترمذی نے کفن لایا گیا سے آخر تک نہیں نقل کیا ہے۔

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت خبابؓ نے سخت پریشانی اور دشواری کے باوجود موت کی تمنا اس لئے نہیں کی کہ آپ ﷺ نے منع کیا تھا، اس سے آپؓ کی اتباع نبی کا وصف اچھی طرح معلوم ہوتا ہے، آپؓ غنی ہو گئے لیکن آپؓ کو صبر وشکر کے ساتھ فقر کی زندگی زیادہ بہتر محسوس ہوئی اسی وجہ سے حسرت کے ساتھ اس کا ذکر کیا، حضرت حمزہؓ کے کفن کو یاد کر کے اور مسلمانوں کی کس مپرسی یاد کر کے آپ ﷺ بہت آب دیدہ ہو گئے۔

کلمات حدیث کی تشریح دخلت علی خباب، حضرت خبابؓ بالکل ابتدائی دور میں مسلمان ہو گئے تھے، اسلام لانے والوں میں انکا چھٹا نمبر تھا، اسی وجہ سے سادس الاسلام کہلاتے تھے، زمانۂ جاہلیت میں غلام بنا کر مکہ میں فروخت کئے گئے تھے، چونکہ مکہ میں انکا کوئی یار ومددگار اور کنبہ وقبیلہ نہیں تھا، اسلئے اسلام لانے کے بعد کفار کے ظلم ستم کیلئے تختۂ مشق بنے، ہجرت مدینہ کے بعد آپ ﷺ نے انمیں اور خراش طلحہ غلام تمیم کے درمیان مواخات قائم فرمائی ۳۷ھ میں کوفہ میں بیمار پڑے، علاج سے افاقہ کے بجائے مرض میں شدت پیدا ہوتی چلی گئی، اس مرض میں آپنے یہ بات فرمائی جو کہ یہاں حدیث میں مذکور ہے، وفات کیوقت آپنے وصیت کر دی کہ مجھے شہر کے باہر دفنانا، چنانچہ آپکو کوفہ کے باہر دفنایا گیا، حضرت علیؓ نے نماز جنازہ پڑھائی، وفات کیوقت ۷۲ سال عمر تھی۔ وقد اکتوی سبعًا بعض امراض میں جسم کو دغوانے کی اجازت ہے ایسے ہی مرض حضرت خبابؓ کو لاحق تھا، چنانچہ انھوں نے جسم کو دغوایا تھا، لا ربعین الف درھم جب مسلمانوں کو وسعت وکشائش نصیب ہوئی تو آپ بھی غنی ہو گئے لیکن آپ مال کے فتنے سے بہت ڈرتے تھے، اور ممکن ہے کہ موت کی تمنا بھی اسی وجہ سے کرنا چاہتے تھے کہ کہیں دنیا اور اس کے سیم وزر کے فتنوں میں میں نہ ملوث ہو جاؤں لکن حمزۃ لم یوجد حضرت حمزہؓ آپ ﷺ کے چچا بھی تھے، اور حضرت حمزہ کی والدہ ہالہ بنت وہب اور آپ ﷺ کی والدہ ماجدہ حضرت آمنہ چچازاد بہنیں تھی اس کے علاوہ حضرت حمزہ آپ ﷺ کے رضاعی بھائی تھے، حضرت حمزہؓ کے اسلام لانے کا واقعہ بہت مشہور ہے، آپؓ کے ذریعہ سے اسلام اور مسلمانوں کو کافی قوت نصیب ہوئی، غزوہ احد کے موقع پر بہت بے رحمی کے ساتھ آپؓ کو شہید کیا گیا، حضرت حمزہ کی لاش کے ساتھ اس توہین کو دیکھ کر آپ ﷺ کو سخت صدمہ ہوا، اس موقع پر آپ ﷺ نے فرمایا خدا کی قسم مجھ پر تمہارا انتقام واجب ہے، میں تمہارے عوض ستر کافروں کو مثلہ کروں گا، لیکن تھوڑی دیر کے بعد وحی الٰہی نے اس انتقام کی ممانعت کر دی، آپ ﷺ نے کفارہ یمین ادا کر کے صبر اختیار کیا، حضرت حمزہؓ کی حقیقی بہن حضرت صفیہ نے اپنے بیٹے حضرت زبیر کو بھائی کے کفن کے لئے دو چادریں دی تھیں، لیکن تفصت حمزہؓ کے پہلو میں ایک انصاری صحابی کی لاش نے کفن تھی، آپ ﷺ نے دونوں چادریں ہر شہید پر تقسیم کر دیں، ایک چادر کافی نہ تھی اسی کا ذکر حدیث باب میں ہے، چنانچہ آپ ﷺ نے حکم دیا کہ چادر سے چہرہ ڈھاپ دو، پاؤں پر گھاس ڈال دو، آپ ﷺ نے حضرت حمزہؓ کو شہید الشہد اکا معزز خطاب عطا فرمایا، اور آپ ﷺ نے خود ان کی نماز جنازہ پڑھائی۔

باب مایقال عند من حضرہ الموت

«قریب المرگ کے سامنے جوچیز پڑھی جاتی ہے اس کا بیان»

اس باب کے تحت مصنفؒ نے اٹھارہ روایتیں بیان کی ہیں جن میں سے اکثر سکرات الموت میں مبتلا شخص کو کلمہ کی تلقین سے متعلق ہیں، اور بعض روایتیں مصیبت پر صبر ورضا، آخری کلام میں طیب پر جنت کی بشارت، تجہیز وتکفین میں تعجیل اور مومن وکافر کی روح قبض کئے جانے کے بیان پر مشتمل ہیں۔

تلقین کا مطلب یہ ہے کہ قریب المرگ کے پاس لا الہ الا اللہ کا کلمہ پڑھا جائے تا کہ اس کا ذھن کسی قدر توحید کی طرف منتقل ہو جائے اور زبان ساتھ دے سکے تو زبان سے بھی کلمہ پڑھ کر اپنا ایمان تازہ کر لے اور اسی حالت پر دنیا سے رخصت ہو۔ تلقین کا طریقہ

یہ ہے کہ کوئی شخص مریض کے پاس بیٹھ کر اتنے جہر سے کہ مریض سنے کلمہ پڑھے جب مریض سنے گا تو وہ خود پڑھے گا مریض کو کلمہ پڑھنے کے لئے کہا نہ جائے کبھی سکرات میں سخت تکلیف ہوتی ہے پس ممکن ہے کہ مریض تکلیف کی وجہ سے انکار کر دے اور جب مریض ایک مرتبہ کلمہ پڑھ لے تو تلقین بند کر دے پھر اگر وہ دینی بات یا ذکر کرے تو کوئی حرج نہیں اور اگر دنیوی بات کرے مثلاً استنجا کرنے کے لئے کہے یا کسی سے ملنے یا کچھ کھانے کو کہے تو دوبارہ تلقین کی جائے، ابن المبارکؒ کو بوقت نزع کسی نے کلمہ کی تلقین کی آپؒ نے زور سے کلمہ پڑھا پھر بھی تلقین کرنے والا تلقین کرتا رہا تو آپؒ نے فرمایا "جب تیرے کلمہ پڑھنے پر میں نے کلمہ پڑھ لیا تو یہ میرا آخری کلام ہے"۔ امام ترمذیؒ فرماتے ہیں! ابن المبارکؒ نے ایک حدیث کی شرح کی ہے یعنی من کان آخر کلامہ لاالہ الا اللہ دخل الجنۃ" کا مطلب بیان کیا ہے، مستفاد رحمۃ اللہ الواسعہ ۳/۶۶۲، تحفۃ الالمعی ۳/۳۸۰۔ تلقین کے لئے کلمہ کے تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ وہ افضل الذکر ہے۔ توحید اور شرک کی نفی کے مضمون پر مشتمل ہے۔ اور اذکار میں سب سے عالی شان ذکر ہے۔ (ورنہ در حقیقت مطلوب یادالٰہی پر جان سپرد کرنا ہے۔ پس جو اللہ اللہ کرتا رہا اور سانس اکھڑ گئی تو وہ بھی جنت کا حقدار ہے)

الفصل الاوّل

حدیث نمبر ۱۵۳۳ ﴿قریب المرگ کو کلمۂ توحید کی تلقین﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۶۱۶

عَنْ أَبِي سَعِيْدٍ وَّأَبِي هُرَيْرَةَ قَالَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَقِّنُوْا مَوْتَاكُمْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ رَوَاهُ مُسْلِمٌ .

حوالہ: مسلم ص ۳۰۰ ج ۱، باب تلقین الموتی "لا الہ الا اللہ" کتاب الجنائز، حدیث ۹۱۶۔

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدریؓ اور حدیث ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اپنے مردوں کو کلمہ لاالہ الااللہ کی تلقین کرو (مسلم)

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ جو لوگ قریب المرگ ہوں، جن پر موت کی علامات ظاہر ہونے لگیں ہوں، اُن کے روبرو لیکن قریب المرگ شخص سے اس کلمۂ کے پڑھنے کو نہ کہا جائے، کیوں کہ ممکن ہے کہ بدحواسی میں وہ اس کلمہ کا انکار کر دے اور یہ چیز اس کے لئے باعثِ خسارہ ثابت ہوئے۔

کلمات حدیث کی تشریح لقنوا موتاکم یہاں "موتٰی" مجازاً کہا گیا ہے، مراد قریب الموت ہے، یعنی جس پر موت کی علامات ظاہر ہونے لگیں ہوں۔

سوال: موت کی علامات کیا ہیں؟

قریب المرگ ہونے کی علامات یہ ہیں کہ پاؤں ڈھیلے پڑ جائیں، ناک کا بانسہ پھر جائے، اور کنپٹیاں اندر کو اتر جائیں (درمختار)

سوال: قریب المرگ شخص کو تلقین واجب ہے یا سنت؟

جواب: تلقین سنت علی الکفایہ ہے، میت کے اہل خانہ کو سب سے پہلے تلقین کرنا چاہئے اگر وہ نہ کریں تو پھر ان کے علاوہ جو قریبی رشتہ دار ہیں ان کے ذمہ ہے، اقرب کے لحاظ سے قریب المرگ شخص جب ایک مرتبہ کلمہ پڑھ لے تو پھر دوبارہ تلقین نہ کی جائے، اس لئے کہ اس بات کا امکان ہے، کہ اس کی زبان سے انکار نہ نکل جائے۔

سوال: کلمہ کی تلقین کیوں کی جاتی ہے؟

جواب: چونکہ شیطان قریب المرگ شخص کے پاس اس کا عقیدہ خراب کرنے کے لیے حاضر رہتا ہے۔ لہٰذا اس وقت توحید کی جانب متوجہ کرنے کی ضرورت رہتی ہے، تاکہ شیطان اپنے منصوبے میں کامیاب نہ ہونے پائے، اس کے علاوہ آپ ﷺ کا فرمان ہے "من کان آخر کلامہ لا الہ الااللہ دخل الجنۃ" یعنی جس کی زبان سے ادا ہونے والے کلمات میں سب سے آخری بات کلمۂ توحید

ہوگی وہ جنت میں داخل ہوگا۔ انسان اس بشارت کا مصداق بن جائے اس مقصد سے بھی تلقین کی جاتی ہے۔

سوال: تلقین کس طرح کی جائے؟

جواب: قریب المرگ سے کلمہ پڑھنے کے لئے نہ کہا جائے بلکہ اس کے پاس کلمہ کو پڑھا جائے، تاکہ وہ بھی پڑھنے لگے۔

حدیث نمبر۱۵۳۴ ﴿قریب المرگ سے اچھی بات کہنی چاہئیے﴾ عالمی حدیث ۱۶۱۷

وَعَنْ اُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا حَضَرْتُمُ الْمَرِيْضَ اَوِ الْمَيِّتَ فَقُوْلُوْا خَيْرًا فَاِنَّ الْمَلٰئِكَةَ يُؤَمِّنُوْنَ عَلٰى مَاتَقُوْلُوْنَ رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

حوالہ: مسلم، ص ۳۰۰ ج ۱ باب مایقال عندالمریض والمیت، کتاب الجنائز، حدیث ۹۱۹.

ترجمہ: حضرت ام سلمہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب تم کسی بیمار یا قریب المرگ شخص کے پاس جاؤ تو کلمات خیر کہو کیوں کہ تم جو کلمات کہتے ہو فرشتے اس پر آمین کہتے ہیں۔ (مسلم)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ مریض کے پاس عیادت کے لئے جایا جائے تو اس کے حق میں شفاء کی دعا کی جائے، قریب المرگ شخص ہے تو اس کے لئے دعاء مغفرت کی جائے، کوئی ایسی بات نہ کی جائے جس سے مریض کو تکلیف پہنچے، جو بھی دعا کی جائے گی فرشتے اس پر آمین کہیں گے۔

کلمات حدیث کی تشریح فقولوا خیرا علامہ نوویؒ فرماتے ہیں کہ اس سے استغفار اور دعا خیر کا استحباب معلوم ہوتا ہے، میت سے مراد وہ شخص ہے، جو قریب المرگ ہوا سکے سامنے سب سے بہتر بات کلمہ "لا الله الاّ الله" کی تلقین ہے

حدیث نمبر۱۵۳۵ ﴿مصیبت کا علاج﴾ عالمی حدیث نمبر۱۶۱۸

وَعَنْهَاقَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ مُّسْلِمٍ تُصِيْبُهُ مُصِيْبَةٌ فَيَقُوْلُ مَا اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖ اِنَّالِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ اَللّٰهُمَّ اجُرْنِىْ فِىْ مُصِيْبَتِىْ وَاَخْلِفْ لِىْ خَيْرًا مِّنْهَا اِلَّا اَخْلَفَ اللّٰهُ لَهٗ خَيْرًا مِّنْهَا فَلَمَّا مَاتَ اَبُوْسَلَمَةَ قُلْتُ اَىُّ الْمُسْلِمِيْنَ خَيْرٌ مِّنْ اَبِىْ سَلَمَةَ اَوَّلُ بَيْتٍ هَاجَرَ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ اِنِّىْ قُلْتُهَا فَاَخْلَفَ اللّٰهُ لِىْ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

حوالہ: مسلم، ۱/۳۰۰ باب مایقال عند المصیبة، کتاب الجنائز، حدیث ۹۱۹۔

ترجمہ: حضرت ام سلمہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، جب کسی مسلمان کو کوئی مصیبت پہنچے تو اس وقت وہ کہے، جس کا حکم اللہ تعالیٰ نے دیا ہے، یعنی یہ کلمات کہے، إناللّٰه وإنا إليه راجعون اللّٰهم آجرني في مصيبتي واخلف لي خيرًا منها ہم اللہ ہی کے ہیں، اور ہم سب لوٹ کر اس کی طرف جانے والے ہیں، اے اللہ میری مصیبت پر مجھے اجر عطا فرما، اور مجھے بہتر بدلہ دے، تو اللہ تعالیٰ اس کو بہتر بدلہ عطا کرتا ہے، جب میرے شوہر ابوسلمہ کا انتقال ہوا، تو میں نے کہا کہ ابوسلمہ سے بہتر کون مسلمان ہوسکتا ہے، وہ اس گھرانے سے تعلق رکھتے تھے جو کہ رسول اللہ ﷺ کی طرف سب سے پہلے ہجرت کر کے آیا، لیکن میں نے مذکورہ کلمات کہے، تو اللہ تعالیٰ نے مجھے ابوسلمہؓ کے بدلہ میں حضرت نبی کریم ﷺ کی خدمت کا موقع عطا کر دیا (مسلم)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے، کہ بندہ جب کسی مصیبت سے دوچار ہو تو اس کو صبر کرنا چاہئے، اور اللہ تعالیٰ سے بہتر بدلہ طلب کرنا چاہئے، اور بوقت مصیبت اللہ تعالیٰ نے جو دعا تلقین کی ہے، "اناللّٰه وانا اليه راجعون" پڑھنا چاہئے، اس دعا کی برکت سے اور اللہ کی تقدیر پر راضی رہنے، کی بدولت اللہ تعالیٰ خوش ہو کر بہتر بدلہ عطا فرماتے ہیں، اس حدیث کی راویہ حضرت ام سلمہؓ حدیث رسول نقل کرنے کے بعد خود اپنا تجربہ بتاتی ہیں کہ میرے شوہر "ابوسلمہ" تھے، وہ صحابہؓ میں ممتاز مقام کے حامل

تھے ظاہر بات ہے کہ ان کی وفات کے بعد بیوہ عورت کو ان جیسا شخص شوہر کی شکل میں ملنا تقریباً ناممکن تھا، میں نے اُن کی وفات پر صبر کیا، اور مذکورہ دعاء پڑھی تو مجھ کو خلاف توقع محض اللہ کے فضل سے ان سے کہیں بہتر بلکہ تمام انسانوں میں سب سے افضل شخصیت جناب محمد رسول اللہ ﷺ کی خدمت کا موقع مل گیا، اور اللہ تعالیٰ نے مجھے ان کی بیوی ہونے کا اعزاز عطا فرمایا۔

کلمات حدیث کی تشریح تصیبہ یعنی کوئی بھی ناپسندیدہ بات پیش آجائے، خواہ وہ بڑی مصیبت ہو، یا چھوٹی مصیبت ہو۔ فیقول ما اللہ تعالیٰ نے اگر چہ انا اللہ الخ پڑھنے کا صراحتاً حکم نہیں دیا ہے، لیکن قرآن مجید میں اس دعا کے پڑھنے والوں کی جس انداز میں فضیلت بیان کی ہے، وہ حکم کے مانند ہی ہے، فلمامات ابو سلمۃ کا نام عبداللہ بن عبدالاسد المخزومی تھا، ان کی وفات ۴ھ میں ہوئی، غزوۂ احد میں شدید زخم آیا تھا، یہی زخم وفات کا سبب بنا، ای المسلمین خیر حضرت ام سلمہؓ نے ابوسلمہؓ کی تعریف میں یہ بات اپنی طرف سے فرمائی ہے، ورنہ حقیقت یہ ہے، کہ بہت سے صحابہ حضرت ابوسلمہؓ سے افضل تھے اول بیت ھاجر جولوگ مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ آئے ان میں سب سے پہلے مسلمان ابوسلمہ ہی تھے، حضرت ابوسلمہؓ نے عیال سمیت سب سے پہلے ہجرت کی، فاخلف اللہ مطلب یہ ہے کہ ام سلمہ کو حضور کی زوجہ ہونے کا قابل قدر شرف ملا۔

حدیث نمبر ۱۵۳۶ ﴿میت کی آنکھیں بندکرنے کی تاکید﴾ عالمی حدیث ۱۶۱۹

وَعَنْهَا قَالَتْ دَخَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى أَبِىْ سَلَمَةَ وَ قَدْ شَقَّ بَصَرُهٗ فَأَغْمَضَهٗ ثُمَّ قَالَ اِنَّ الرُّوْحَ اِذَا قُبِضَ تَبِعَهُ الْبَصَرُ فَضَجَّ نَاسٌ مِنْ اَهْلِهٖ فَقَالَ لَا تَدْعُوْا عَلٰى اَنْفُسِكُمْ اِلَّا بِخَيْرٍ فَاِنَّ الْمَلٰٓئِكَةَ يُؤَمِّنُوْنَ عَلٰى مَاتَقُوْلُوْنَ ثُمَّ قَالَ اللّٰهُمَّ اغْفِرْلِاَبِىْ سَلَمَةَ وَارْفَعْ دَرَجَتَهٗ فِى الْمَهْدِيِّيْنَ وَاخْلُفْهُ فِىْ عَقِبِهٖ فِى الْغَابِرِيْنَ وَاغْفِرْلَنَا وَلَهٗ يَارَبَّ الْعٰلَمِيْنَ وَافْسَحْ لَهٗ فِىْ قَبْرِهٖ وَ نَوِّرْلَهٗ فِيْهِ رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

حوالہ: مسلم، ۱/۳۰۰ باب فی اغماض المیت والدعاء لہ إذا حضر، کتاب الجنائز حدیث ۹۲۰۔

توجمه: حضرت ام سلمہؓ سے روایت ہے، کہ رسول اللہ ﷺ ابوسلمہؓ کی عیادت کے لئے اس وقت تشریف لائے جبکہ ابوسلمہؓ کی آنکھیں پتھرا چکی تھیں۔ آپ ﷺ نے ان کی آنکھوں کو بند کر کے فرمایا کہ بلاشبہ جب روح قبض ہوجاتی ہے۔ تو نظر اس کے پیچھے جاتی ہے۔ یہ کلمات سن کر گھر والے دھاڑیں مار کر رونے لگے، تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اپنے حق میں صرف بھلائی کی دعا کرو، اس لیے کہ تم جو کہتے ہو فرشتے اس پر آمین کہتے ہیں، پھر آپ ﷺ نے فرمایا اللہ ابوسلمہؓ کی مغفرت فرما دیجیے ہدایت یافتہ لوگوں میں ان کے درجات بلند کر دیجیے۔ اور پسماندگان میں ان کا جانشین بنائیے، اے سارے جہانوں کے رب ہماری اور ان کی مغفرت فرما دیجیے، ان کو قبر میں وسعت عطا کر دیجیے اور ان کی قبر کو منور فرما دیجیے۔

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ جب کسی شخص کا انتقال ہو تو میت کے گھر والوں کو چاہئے کہ اگر میت کی آنکھیں کھلی ہیں، تو ان کو بند کر دے، اور مرحوم کے حق میں دعاء مغفرت کی جائے۔

کلمات حدیث کی تشریح وقدشق بصرہ قریب المرگ شخص کی کیفیت یہی ہوتی ہے کہ جس طرف دیکھتا ہے اس طرف دیکھتا رہ جاتا ہے نظریں دوسری طرف پھر نہیں پاتی ہیں۔ فاغمضہ آپ ﷺ نے ابوسلمہؓ کی آنکھیں بند فرمادیں، یہ دلیل ہے اس بات کی کہ میت کی آنکھیں بند کر دینا مستحب ہے، اگر آنکھیں بند نہ کی جائیں تو میت کی ہیئت دیکھنے میں بری لگے گی، ان الروح اذا قبض علامہ عینیؒ فرماتے ہیں کہ میت کی آنکھیں بند کرنے کی علت ہے جب روح نکل جاتی ہے تو بینائی بھی چلی جاتی ہے۔ لہٰذا آنکھیں کھلی رہنا بے فائدہ ہے۔ لہٰذا موت کے بعد آنکھوں کو بند کر دینا ہی بہتر ہے لاتدعوا علی نفوسکم الا بخیر اس جز کا مطلب یہ ہے کہ اپنے حق میں یا میت کے حق میں ایسی کوئی بات نہ کہنا چاہئے جو اللہ تعالیٰ کی رضاء کے خلاف ہو اس لیے کہ بندہ جو

بھی کلمۂ خیر یا شر زبان سے نکالے گا فرشتے اس پر آمین کہیں گے، بسا اوقات انسان مصیبت کے وقت میں اپنی زبان سے ایسی بات نکالتا ہے، جو اس کے حق میں بہتر نہیں ہوتی ہے، لہٰذا آپ ﷺ نے اس بات کی تاکید فرمائی کہ مصیبت کی گھڑی میں بھی کلمۂ خیر ہی زبان سے نکالو۔ اللّٰھم اغفر لابی سلمۃ اس سے معلوم ہوا کہ میت کے لئے دعاء مغفرت سنت ہے، وافسح لہ فی قبرہ قبر جو کہ آخرت کی منازل میں سے پہلی منزل ہے، اس میں جو دشواریاں پیش آتی ہے، مثلاً قبر کا میت کو دبانا اور قبر کا میت کے لئے تنگ ہونا، ان سب امور سے حفاظت کی دعاء ہے ونور لہ فیہ قبر کی تاریکی سے محفوظ رہنے کی دعاء فرمائی ہے۔ (تلخیص فتح الملہم ص ۴۶۹ ج ۲)

حدیث نمبر ۱۵۳۷ ﴿میت کو چادر سے ڈھانپنے کی تاکید﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۶۲۰

وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ حِيْنَ تُوُفِّيَ سُجِّيَ بِبُرْدٍ حِبَرَةٍ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ .

حوالہ: بخاری، ۱/۱۶۶، باب الدخول علی المیت بعد الموت، کتاب الجنائز، حدیث ۳۱۲۱ مسلم ۱/۳۰۶، باب تسجیۃ المیت، کتاب الجنائز، حدیث ۹۴۲۔

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات ہوئی تو دھاری والی یمنی چادر آپ ﷺ کو اوڑھادی گئی (بخاری ومسلم)

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ جب کسی کا انتقال ہو جائے، تو پھر اس کی نعش کو چادر یا کسی کپڑے سے ڈھانک دینا چاہئے آپ ﷺ کی وفات کے بعد آپ ﷺ کے جسم اطہر کو بھی ایک یمنی چادر سے ڈھانک دیا گیا تھا۔

کلمات حدیث کی تشریح ببرد حبرۃ "حبرۃ" حاء کے کسرہ کے ساتھ ہے اور با کا فتحہ ہے۔ یمن کی چادر میں سے ایک قسم کی چادر مراد ہے (فتح الملہم ص ۴۸۸ ج ۲)

الفصل الثانی

حدیث نمبر ۱۵۳۸ ﴿کلمہ طیبہ پر خاتمہ کا ثواب﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۶۲۱

عَنْ مُعَاذِبْنِ جَبَلٍ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ كَانَ اٰخِرُ كَلَامِهٖ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ .

حوالہ: ابو داؤد ۲/۴۴۳ باب تلقین المیت، کتاب الجنائز، حدیث ۳۱۱۶۔

ترجمہ: حضرت معاذ بن جبلؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ "جس کا آخری کلام کلمہ لا الہ الا اللّٰہ ہو، وہ جنت میں داخل ہوگا۔

خلاصۂ حدیث اس حدیث سے کلمہ طیبہ کی فضیلت سمجھ میں آرہی ہے۔ اور نہایت خوش نصیب ہے وہ شخص جس کو بوقت موت یہ مبارک کلمہ پڑھنے کی توفیق مل جائے اگر کسی نے اس کلمہ کو پڑھنے کے بعد مزید کوئی کلام کیے بغیر اللہ تعالیٰ سے ملاقات کی ہو تو اللہ تعالیٰ اس کلمہ کی برکت اور اپنے فضل سے اس کو جنت عطا کردیں گے۔ اسی وجہ سے آپ ﷺ نے مختلف مواقع پر اس بات کی تاکید فرمائی ہے، کہ قریب المرگ شخص کو کلمۂ طیبہ کی تلقین کیا کرو (تفصیل کے لئے حدیث ۱۵۳۳ دیکھیں)

کلمات حدیث کی تشریح من کان آخر کلامہ علماء نے لکھا ہے کہ قریب المرگ شخص کو کلمہ کی تلقین تو کی جائے لیکن اگر ایک مرتبہ وہ کلمہ پڑھ لے تو پھر دوبارہ تلقین نہ کی جائے، لیکن ایک مرتبہ پڑھنے کے بعد اگر کوئی دنیوی کلام کرلیا ہے تو پھر تلقین کی جائے تاکہ آخری کلام کلمہ طیبہ کا اقرار ہی رہے اور حدیث کی بشارت کا مستحق ہوسکے۔ لا الہ الا اللّٰہ پورا کلمہ مراد ہے، کیوں کہ لا الہ الا اللّٰہ شرعاً شہادتین کا لقب ہے، دخل الجنۃ دخول اولین مراد ہے، یا گناہوں کے سزا بھگتنے کے بعد جنت میں جانا مراد ہے، لیکن پہلے معنی کا احتمال قوی ہے، کیوں کہ جنت میں تو تمام مسلمان جائیں گے جن کا آخری کلام کلمہ طیبہ ہو، ان کی جنت میں دخل کی خصوصیت اسی وقت ہوگی جب گناہوں کی سزا کے بغیر محض اللہ کے فضل سے جنت میں داخلہ مل جائے۔

حدیث نمبر ۱۵۳۹ ﴿قریب المرگ کے پاس سورۂ یٰس پڑھنے کا حکم﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۶۲۲

وَعَنْ مَعْقِلِ بْنِ يَسَارٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اقْرَءُوْا سُوْرَةَ يٰس عَلٰى مَوْتَاكُمْ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَاَبُوْدَاوُدَ وَابْنُ مَاجَةَ.

حوالہ: مسند أحمد، ۲/۲۷، أبوداؤد ۱/۴۴۵، باب القراة عندالميت، كتاب الجنائز، حديث ۳۱۲۱ ابن ماجه، ص ۱/۱۵۴ باب ماجاء فيما يقال عند المريض، كتاب الجنائز، حديث / ۱۴۴۸۔

ترجمہ: حضرت معقل بن یسار سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم اپنے مرنے والوں پر سورہ یٰسین پڑھو۔ (احمد، ابوداؤد، ابن ماجہ)

تو جیہ: اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ سورہ یٰسین قریب المرگ شخص کے پاس پڑھنا چاہئے، اس سے اللہ تعالیٰ کی جانب سے آسانی کی جاتی ہے، اور چوں کہ اس سورت میں توحید و رسالت کا اثبات اور احوال قیامت کا ذکر ہے۔ لہٰذا اس کی برکت سے خاتمہ بالخیر ہونے اور منکر نکیر کے سوالات میں آسانی ہونے کی قوی امید ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح اقرء وا سورة يٰس علی موتاكم "موتٰی" سے مراد اگر قریب المرگ ہے۔ تو اس کے پاس بیٹھ کر سورہ یٰسین پڑھنے کی تاکید ہے۔ سورۂ یٰسین قرآن کریم کا دل ہے۔ لہٰذا اس سورت کی تلاوت سے قریب المرگ شخص کو روحانی قوت اور تسلی حاصل ہوگی، اور چوں کہ اس سورت میں توحید کا اثبات، شرک کی نفی، احوال قیامت کا تذکرہ، ثواب و عقاب کا بیان سب کچھ ہے۔ لہٰذا اس سورت کی تلاوت سن کر بندۂ مومن پورے طور پر اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو جائے گا۔ بعض لوگوں کا قول ہے کہ یہاں "موتکم" سے مراد حقیقی مردہ ہیں۔ یعنی جن کی موت ہو گئی ان پر سورہ یٰسین پڑھنے کی تاکید ہے۔ چنانچہ اس سلسلہ میں یہ حدیث بھی نقل کی جاتی ہے کہ "من زار قبر والدية او أحد هما فی كل جمعة فقرأ عندهما يٰس غفرله بعد كل حرف منهما" حاصل یہ ہے کہ سورۂ یٰسین مردوں کے لئے پڑھی جائے تو اُن کو راحت نصیب ہوتی ہے۔ اور قریب المرگ کے پاس پڑھی جائے تو اس کے لیے آسانی ہو جاتی ہے۔

حدیث نمبر ۱۵۴۰ ﴿مسلمان میت کو بوسہ دینا﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۶۲۳

وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَبَّلَ عُثْمَانَ بْنَ مَظْعُوْنٍ وَهُوَ مَيِّتٌ وَهُوَ يَبْكِيْ حَتّٰى سَالَ دُمُوْعُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى وَجْهِ عُثْمَانَ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاوُدَ وَابْنُ مَاجَةَ.

حوالہ: ابوداؤد، ۲/۴۵۱ باب فی تقبيل الميت، كتاب الجنائز، حديث ۳۱۶۳، ترمذی ۱/۱۹۳ باب ماجاء فی تقبيل الميت، كتاب الجنائز، حديث ۹۸۹ ابن ماجه، ص ۱۰۵ باب ماجاء فی تقبيل الميت، كتاب الجنائز، حديث ۱۴۵۶

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عثمان بن مظعونؓ میت کا بوسہ لیا اور آپ ﷺ رو رہے تھے۔ یہاں تک کہ آپ ﷺ کے آنسو حضرت عثمان کے چہرے پر گرے (ترمذی، ابوداؤد، نسائی)

خلاصۂ حدیث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ میت کا بوسہ لینا درست ہے۔ آپ ﷺ کو حضرت عثمان بن مظعونؓ سے بہت محبت تھی۔ اس کا اظہار حدیث باب میں آپ ﷺ کے عمل سے ہو رہا ہے۔ آپ ﷺ حضرت عثمان کے انتقال کے بعد اُن کے گھر تشریف لے گئے اور آپ ﷺ نے چادر ہٹا کر حضرت عثمان کا بوسہ لیا۔

کلمات حدیث کی تشریح قبل عثمان بن مظعون حضرت عثمانؓ بن مظعونؓ آپ ﷺ کے رضاعی بھائی ہیں۔ ہجرت کے تقریباً ڈھائی سال بعد آپ کی وفات ہوئی، سب سے پہلے آپ ہی کی تدفین جنت البقیع میں ہوئی ہے۔ آپ ﷺ نے ان کی وفات کے بعد اظہار محبت کیلئے بوسہ لیا

حدیث نمبر ۱۵۴۱ ﴿حضرت ابوبکرؓ کا آپ ﷺ کا بوسہ لینا﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۶۲۴

وَعَنْهَا قَالَتْ اِنَّ اَبَا بَكْرٍ قَبَّلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ مَيِّتٌ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ .

حوالہ: ترمذی، ۱/۱۹۳، باب ماجاء فی تقبیل المیت، کتاب الجنائز، حدیث ۹۸۹، ابن ماجه، ص ۱۰۵ باب ماجاء فی تقبیل المیت، کتاب الجنائز، حدیث ۱۴۵۶۔

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے حضرت نبی کریم ﷺ کا اس وقت بوسہ لیا جب کہ آپ ﷺ کی وفات ہو چکی تھی۔ (ترمذی، ابن ماجہ)

خلاصۂ حدیث اس حدیث سے بھی یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ میت کا بوسہ لینا درست ہے، حضرت ابوبکرؓ نے آپ ﷺ کی وفات کے بعد آپ ﷺ کا چہرۂ انور کھول کر آپ ﷺ کی پیشانی کا بوسہ لیا تھا۔

کلمات حدیث کی تشریح ان اباابکر قبل النبی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکرؓ نے آپ ﷺ کی پیشانی پر بوسہ لیا، بخاری شریف میں بھی روایت ہے کہ "فکشف عن وجهه ثم اکب علیه فقبله وبکی" جب حضرت نبی کریم ﷺ کا حضرت ابوبکرؓ نے وفات کے بعد بوسہ لیا۔ اور یہ روایت بخاری میں ہے تو مناسب تھا کہ فصل اول میں ہی بخاری کی روایات ذکر کی جاتی۔

حدیث نمبر ۱۵۴۲ ﴿تدفین میں جلدی کرنے کی وصیت﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۶۲۵

وَعَنْ حُصَيْنِ بْنِ وَحْوَحٍ اَنَّ طَلْحَةَ بْنَ الْبَرَاءِ مَرِضَ فَاَتَاهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعُوْدُهُ فَقَالَ اِنِّيْ لَا اَرٰى طَلْحَةَ اِلَّا قَدْ حَدَثَ بِهِ الْمَوْتُ فَاٰذِنُوْنِيْ بِهٖ وَعَجِّلُوْا فَاِنَّهٗ لَا يَنْبَغِيْ لِجِيْفَةِ مُسْلِمٍ اَنْ تُحْبَسَ بَيْنَ ظَهْرَانَيْ اَهْلِهٖ رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ.

حوالہ: ابوداؤد، ۲/۴۵۰، باب التعجیل بالجنازۃ و کراهیة حبسها، کتاب الجنائز حدیث، ۳۱۵۹۔

ترجمہ: حضرت حصین بن وحوح سے روایت ہے کہ حضرت طلحہؓ بن براء بیمار تھے۔ چنانچہ حضرت نبی کریم ﷺ ان کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے تو وہاں آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں سمجھتا ہوں کہ طلحہؓ کی موت کا وقت قریب آ چکا ہے، تو مجھے اُن کی وفات کی اطلاع کر دینا اور ان کی تجہیز و تکفین میں جلدی کرنا، اس وجہ سے کہ مسلمان میت کے لیے مناسب نہیں ہے کہ اس کو اس کے گھر والوں کے درمیان زیادہ دیر تک روک کر رکھا جائے (ابوداود)

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ انتقال کے بعد جتنی جلدی ممکن ہو تجہیز و تکفین کر دینا چاہیے، بلا عذر شرعی میت کو روک کر رکھنا مومن کا شیوہ نہیں ہے، میت کو جلد از جلد اس کی آخری آرامگاہ پہنچا دینے میں بڑی حکمتیں ہیں۔

کلمات حدیث کی تشریح وعجلوا مومن بہت ہی معزز اور مکرم ہوتا ہے، اللہ کی نگاہ میں بھی وہ قابل قدر ہے، اور مخلوق خدا کی نگاہ میں بھی قابل تکریم ہے۔ لیکن یہ فطرت انسانی ہے کہ روح نکل جانے کے بعد جب کہ جسم بے جان ہوتا ہے تو لوگ اس سے متوحش ہوتے ہیں اور وہ غیر مانوس ہو جاتا ہے، لہٰذا مناسب یہی ہے کہ انتقال کے فوراً بعد مومن میت کو قبر میں چھپا دیا جائے، پھر تاخیر کی صورت میں نعش کے بدبودار ہونے کا بھی خدشہ رہتا ہے اس میں بندہ مومن کی توہین و تحقیر کا پہلو ہے، لہٰذا آپ ﷺ نے بڑی تاکید کے ساتھ تجہیز و تکفین میں عجلت سے کام لینے پر ابھارا ہے۔

الفصل الثالث

حدیث نمبر۱۵۴۳ ﴿قریب المرگ کوتلقین کرنے کی تاکید﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۶۲۶

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ جَعْفَرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَقِّنُوْا مَوْتَاكُمْ لَآاِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ الْحَلِيْمُ الْكَرِيْمُ سُبْحَانَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ قَالُوْا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ كَيْفَ لِلْاَحْيَآءِ قَالَ اَجْوَدُ وَاَجْوَدُ رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ.

حوالہ: ابن ماجه، ص ۱۰۴ باب تلقين الميت لا اله الا الله ، كتاب الجنائز حديث ۱۴۴۶.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن جعفرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم لوگ اپنے قریب المرگ لوگوں کو یہ کلمہ تلقین کیا کرو "لااله الا الله الحليم الخ" اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے، وہ حلم والا ہے کرم والا ہے، اللہ کی ذات پاک ہے، عرش عظیم کا پروردگار ہے۔ تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں جو کہ سارے جہانوں کا پروردگار ہے۔ صحابہؓ نے عرض کیا اللہ کے رسول تندرست زندہ لوگوں کو یہ کلمہ سکھانا کیسا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا بہت اچھا اور بہت ہی بہتر ہے۔ (ابن ماجہ)

خلاصۂ حدیث: حدیث باب میں جو کلمہ مذکور ہے یہ بڑا ہی عظیم اور بابرکت کلمہ ہے، اس کلمہ کے پڑھنے سے بڑے فوائد وابستہ ہیں۔ یہ کلمہ زندہ لوگوں کے لئے بھی باعثِ نفع ہے، اور قریب المرگ شخص پڑھے تو اس کیلئے بہت ہی فائدہ کا ذریعہ ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح: لا اله الا الله الحليم الكريم صاحب مرقات نے ابن عساکر کے حوالے سے حضرت علیؓ سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ چند کلمات ہیں جن کو پڑھنے والا جنت میں داخل ہوگا۔ جب کہ وہ اپنی وفات کے وقت ان کلمات کو پڑھے، لا اله الا الله الحليم الكريم تین بار، "الحمد الله رب العالمين" تین بار تبارك الذى بيده الملك يحي ويميت وهو على كل شيء قدير، آخیر میں پڑھے۔

حدیث نمبر ۱۵۴۴ ﴿تذکرہ مؤمن کی روح کے اعزاز کا﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۶۲۷

وَعَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْمَيِّتُ تَحْضُرُهُ الْمَلٰئِكَةُ فَاِذَا كَانَ الرَّجُلُ صَالِحًا قَالُوْا اُخْرُجِىْ اَيَّتُهَا النَّفْسُ الطَّيِّبَةُ كَانَتْ فِى الْجَسَدِ الطَّيِّبِ اُخْرُجِىْ حَمِيْدَةً وَّاَبْشِرِىْ بِرَوْحٍ وَّرَيْحَانٍ وَّرَبٍّ غَيْرِ غَضْبَانَ فَلَاتَزَالُ يُقَالُ لَهَا ذٰلِكَ حَتّٰى تَخْرُجَ ثُمَّ يُعْرَجُ بِهَا اِلَى السَّمَآءِ فَيُفْتَحُ لَهَا فَيُقَالُ مَنْ هٰذَا فَيَقُوْلُوْنَ فُلَانٌ فَيُقَالُ مَرْحَبًا بِالنَّفْسِ الطَّيِّبَةِ كَانَتْ فِى الْجَسَدِ الطَّيِّبِ اُدْخُلِىْ حَمِيْدَةً وَّ اَبْشِرِىْ بِرَوْحٍ وَّرَيْحَانٍ وَّ رَبٍّ غَيْرِ غَضْبَانَ فَلَا تَزَالُ يُقَالُ لَهَا ذٰلِكَ حَتّٰى تَنْتَهِىَ اِلَى السَّمَاءِ الَّتِىْ فِيْهَا اللّٰهُ فَاِذَا كَانَ الرَّجُلُ السُّوْءُ قَالَ اُخْرُجِىْ اَيَّتُهَا النَّفْسُ الْخَبِيْثَةُ كَانَتْ فِى الْجَسَدِ الْخَبِيْثِ اُخْرُجِىْ ذَمِيْمَةً وَّ اَبْشِرِىْ بِحَمِيْمٍ وَّ غَسَّاقٍ وَّاٰخَرَ مِنْ شَكْلِهٖ اَزْوَاجٌ فَمَا تَزَالُ يُقَالُ لَهَا ذٰلِكَ حَتّٰى تَخْرُجَ ثُمَّ يُعْرَجُ بِهَا اِلَى السَّمَاءِ فَيُفْتَحُ لَهَا فَيُقَالُ مَنْ هٰذَا فَيُقَالُ فُلَانٌ فَيُقَالُ لَامَرْحَبًا بِالنَّفْسِ الْخَبِيْثَةِ كَانَتْ فِى الْجَسَدِ الْخَبِيْثِ اِرْجِعِىْ ذَمِيْمَةً فَاِنَّهَا لَاتُفْتَحُ لَكِ اَبْوَابُ السَّمَاءِ فَتُرْسَلُ مِنَ السَّمَاءِ ثُمَّ تَصِيْرُ اِلَى الْقَبْرِ رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ.

حوالہ: ابن ماجه، ص ۳۱۴ ، باب ذكر الموت والا ستعداد أدله ، كتاب الزهد، حديث ۴۲۶۲۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قریب المرگ شخص کے پاس فرشتے آتے ہیں۔ اگر وہ شخص نیک ہوتا ہے تو فرشتے کہتے ہیں کہ اے پاک جان! جو کہ پاک بدن میں تھی باہر نکلو، اور اس طور پر نکلو کہ تیری تعریف کی گئی ہے۔ اور تیرے لئے راحت اور پاکیزہ روزی کی خوشی خبری ہے۔ اور رب کریم کی ملاقات کی خوش خبری ہے۔ جو کہ ناراض نہیں ہے۔ یہ بات روح

سے برابر کہی جاتی رہتی ہے یہاں تک کہ باہر نکل آتی ہے۔ پھر فرشتے اس کو آسمان کی طرف لے جاتے ہیں۔اس کیلئے آسمان کا دروازہ کھولا جاتا ہے،اور سوال کیا جاتا ہے کہ آنے والا کون ہے؟ فرشتے کہتے ہیں کہ فلاں شخص ہے،آسمان والے فرشتے کہتے ہیں کہ پاک جان کو خوش آمدید جو کہ پاک جسم میں تھی،داخل ہو اس طور پر کہ تیری تعریف کی گئی ہے،اور خوش ہو جاؤ اس بات سے کہ تیری لیے راحت اور پاکیزہ روزی ہے،اور رب کریم کی ملاقات کی خوش خبری ہے،جو کہ ناراض نہیں ہے یہ بات اس پاکیزہ روح سے کہی جاتی رہتی ہے، یہاں تک کہ وہ اس آسمان تک پہنچ جاتی ہے،جس میں اللہ ہے (جہاں اللہ کی خصوصی تجلیات اور عرش عظیم ہے) اور آدمی اگر برا ہوتا ہے، تو موت کا فرشتہ کہتا ہے کہ نکل اے بری اور ناپاک روح،جو کہ برے اور ناپاک جسم میں تھی،اس حال میں نکل کہ تو مذمت کے قابل ہے، تیرے لیے گرم پانی، پیپ،اور اسی نوعیت کے دوسرے عذابوں کی اطلاع ہے،اور یہ بات برابر کہی جاتی رہتی ہے، یہاں تک کہ جان نکل جاتی ہے، پھر اس کو آسمان کی طرف لے جایا جاتا ہے،اس کے لئے آسمان کا دروازہ کھلوایا جاتا ہے،فرشتے پوچھتے ہیں کہ کون ہے؟ ان کو بتایا جاتا ہے کہ فلاں شخص ہے،آسمان کے فرشتے کہتے ہیں کہ اس بد اور ناپاک روح پر پھٹکار ہے جو کہ خبیث جسم میں تھی، واپس چلی جا تیری مذمت کی گئی ہے، تیرے لئے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جائیں گے، چنانچہ وہ آسمان سے قبر میں لوٹ آتی ہے (ابن ماجہ)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ جس طرح مؤمن دنیا میں باعزت ہے اللہ کی نگاہ میں بھی قابل قدر ہے،اور آخرت میں اس کے لئے بے شمار نعمتوں کے وعدے ہیں اسی طرح عالم برزخ میں بھی اس کے لئے عزت و سربلندی ہے اس کی روح کا بھی اعزاز کیا جاتا ہے،جبکہ اس کے برخلاف کافر و منافق کے لیے جس طرح آخرت میں ذلت ہے اس طرح عالم برزخ میں بھی اس کی روح کی ذلت کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح فترسل من السماء غیر مؤمن کی روح آسمان سے دھتکاری جاتی ہے،اور اس کے لئے ہمیشہ کی ذلت مقدر کر کے بہت ہی نچلے درجہ میں قید کر دیا جاتا ہے،جبکہ مؤمن کی روح کو مکمل آزادی ہوتی ہے، جنت کے باغات میں ہر جگہ سیر کی اجازت ہوتی ہے۔

حدیث نمبر ۱۵۴۵ ﴿مؤمن کی روح کا فرشتے استقبال کرتے ہیں﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۶۲۸

وَعَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا خَرَجَتْ رُوْحُ الْمُؤْمِنِ تَلَقَّاهَا مَلَكَانِ يُصْعِدَانِهَا قَالَ حَمَّادٌ فَذَكَرَمِنْ طِيْبِ رِيْحِهَا وَذَكَرَ الْمِسْكَ قَالَ وَيَقُوْلُ اَهْلُ السَّمَاءِ رُوْحٌ طَيِّبَةٌ جَاءَتْ مِنْ قِبَلِ الْاَرْضِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْكِ وَعَلٰى جَسَدٍ كُنْتِ تَعْمُرِيْنَهٗ فَيُنْطَلَقُ بِهٖ اِلٰى رَبِّهٖ ثُمَّ يَقُوْلُ انْطَلِقُوْابِهٖ اِلٰى اٰخِرِالْاَجَلِ قَالَ وَاِنَّ الْكَافِرَاِذَاخَرَجَتْ رُوْحُهٗ قَالَ حَمَّادٌوَذَكَرَمِنْ نَتْنِهَا وَذَكَرَلَعْنًا وَيَقُوْلُ اَهْلُ السَّمَاءِ رُوْحٌ خَبِيْثَةٌ جَاءَتْ مِنْ قِبَلِ الْاَرْضِ فَيُقَالُ انْطَلِقُوْبِهٖ اِلٰى اٰخِرِالْاَجَلِ قَالَ اَبُوْهُرَيْرَةَ فَرَدَّرَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رِيْطَةً كَانَتْ عَلَيْهِ عَلٰى اَنْفِهٖ هٰكَذَا رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

حوالہ: مسلم ، ۲/۳۸۶، باب عرض مقعد المیت من الجنۃ اومن النار ، کتاب الجنۃ ،حدیث ۲۸۷۲۔

ترجمہ: حضرت ابوھریرۃؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب مؤمن کی روح باہر نکلتی ہے۔تو دو فرشتے اس کا استقبال کرتے ہیں،اور اس کو آسمان کی طرف لے جاتے ہیں،حضرت حماد کہتے ہیں کہ اس کے بعد ذکر کیا اس روح کی خوشبو کا یا مشک کا، راوی کہتے ہیں کہ اس وقت فرشتے کہتے ہیں کہ یہ پاک روح ہے جو کہ زمین سے آئی ہے تجھ پر اور اس بدن پر اللہ کی رحمت ہو جو تیری وجہ سے آباد تھا، پھر فرشتے اس روح کو اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف لے جاتے ہیں،اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اس کو قیامت تک کے لئے لے جاؤ، راوی کہتے ہیں کہ جب کافر کی روح نکلتی ہے،حماد کہتے ہیں کہ اس موقع پر آپ ﷺ نے یا ابوھریرۃؓ نے اس روح کی بدبو اور اس کے لعنتی

ہونے کاذکر کیا، اہل آسمان سے کہتے ہیں کہ یہ ایک ناپاک روح ہے جو کہ زمین کی طرف سے آئی ہے پھر کہا جاتا ہے کہ اس کو قیامت تک کے لے لے جاؤ، حضرت ابوھریرہؓ کہتے ہیں کہ اس موقع پر حضرت محمد ﷺ نے اپنی چادر مبارک سے ناک بند کر کے اوڑھی، حضرت ابوھریرہؓ نے اس طرح چادر اوڑھ کر دکھائی۔ (مسلم)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ جب مؤمن کی روح نکلتی ہے تو فضا معطر ہو جاتی ہے اور فرشتے مومن کی روح کا استقبال کرتے ہیں اور قیامت تک کے لئے روح کو عالم برزخ میں اعزاز واکرام سے رکھتے ہیں جبکہ کافر کی روح نکلتے ہی فضا میں بدبو پھیل جاتی ہے، اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرنے کی وجہ سے اللہ کے فرشتے بھی اس سے نفرت کرتے ہیں اور قیامت تک کے لیے عالم برزخ میں اس کو ذلت وسزا کے ساتھ رکھتے ہیں۔

کلمات حدیث کی تشریح كانت عليه علي انفه هكذا، کافر کی روح نکلنے کے وقت جو بدبو ہوتی ہے، وہ آپ ﷺ کو محسوس ہوئی تو آپ ﷺ نے اپنی ناک کو چادر کے کونے سے ڈھانک لیا، تا کہ بدبو ناک میں داخل نہ ہو، آپ ﷺ کی اس ادا کو حضرت ابوھریرہؓ نے دیکھا اور جس طرح آپ ﷺ نے کیا تھا اسی طرح کر کے دکھایا۔

حدیث نمبر ۱۵۴۶ ﴿مؤمن کی روح کے لیے خوش خبری﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۶۲۹

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا حُضِرَ الْمُؤْمِنُ اَتَتْ مَلٰئِكَةُ الرَّحْمَةِ بِحَرِيْرَةٍ بَيْضَآءَ فَيَقُوْلُوْنَ اخْرُجِيْ رَاضِيَةً مَّرْضِيًّا عَنْكِ اِلٰى رَوْحِ اللّٰهِ وَرَيْحَانٍ وَّرَبٍّ غَيْرِ غَضْبَانَ فَتَخْرُجُ كَاَطْيَبِ رِيْحِ الْمِسْكِ حَتّٰى اِنَّهٗ لَيُنَاوِلُهٗ بَعْضُهُمْ بَعْضًا حَتّٰى يَاْتُوْا بِهٖ اَبْوَابَ السَّمَآءِ فَيَقُوْلُوْنَ مَا اَطْيَبَ هٰذِهِ الرِّيْحَ الَّتِيْ جَآءَ تْكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ فَيَاْتُوْنَ بِهٖ اَرْوَاحَ الْمُؤْمِنِيْنَ فَلَهُمْ اَشَدُّ فَرَحًا بِهٖ مِنْ اَحَدِكُمْ بِغَآئِبِهٖ يَقْدَمُ عَلَيْهِ فَيَسْاَلُوْنَهٗ مَاذَا فَعَلَ فُلَانٌ مَّاذَا فَعَلَ فُلَانٌ فَيَقُوْلُوْنَ دَعُوْهُ فَاِنَّهٗ كَانَ فِيْ غَمِّ الدُّنْيَا فَيَقُوْلُ قَدْ مَاتَ اَمَا اَتَاكُمْ فَيَقُوْلُوْنَ قَدْ ذُهِبَ بِهٖ اِلٰى اُمِّهِ الْهَاوِيَةِ وَاِنَّ الْكَافِرَ اِذَا احْتُضِرَ اَتَتْهُ مَلٰئِكَةُ الْعَذَابِ بِمِسْحٍ فَيَقُوْلُوْنَ اخْرُجِيْ سَاخِطَةً مَسْخُوْطًا عَلَيْكِ اِلٰى عَذَابِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ فَتَخْرُجُ كَاَنْتَنِ رِيْحِ جِيْفَةٍ حَتّٰى يَاْتُوْنَ بِهٖ اِلٰى بَابِ الْاَرْضِ فَيَقُوْلُوْنَ مَا اَنْتَنَ هٰذِهِ الرِّيْحَ حَتّٰى يَاْتُوْنَ بِهٖ اَرْوَاحَ الْكُفَّارِ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالنَّسَائِيُّ.

حوالہ: نسائی، ۲/۲۰۳، باب مايلقى به المومن من الكراهة عندخروج نفسه كتاب الجنائز، حدیث ۱۸۳۲۔

ترجمہ: حضرت ابوھریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب مؤمن کی موت کا وقت آتا ہے، تو اس کے پاس رحمت کے فرشتے سفید ریشمی کپڑا لاتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ اے روح جسم سے نکل جاؤ، اس حال میں کہ اللہ تعالیٰ تجھ سے راضی ہے اور تو اللہ سے راضی ہے، اور تو چل اللہ کی رحمت کی طرف اور رزق کریم کی طرف اور پروردگار کی طرف جو غصہ نہیں ہے، چنانچہ روح مشک کی خوشبو کی طرح نکلتی ہے، اور فرشتے اس روح کو لے کر آسمان کے دروازوں پر پہنچتے ہیں، تو آسمان کے فرشتے کہتے ہیں کتنی پاکیزہ اور معطر روح ہے، جس کو لے کر تم زمین سے آئے ہو، پھر وہ فرشتے مؤمنوں کی روحوں کو آگے لے کر بڑھتے ہیں ان کو دیکھ کر دوسری مؤمن روحیں اس سے بھی زیادہ خوش ہوتی ہیں، جتنا کہ تم میں سے کوئی اپنے کسی غائب شخص کے آنے پر خوش ہوتا ہے، پھر وہ روحیں اس سے پوچھتی ہیں کہ فلاں نے کیا کیا اور فلاں نے کیا کیا؟ پھر وہ روحیں از خود کہتی ہیں کہ اس کو ابھی چھوڑ دو، اس لیے کہ یہ دنیا کی مصیبتوں میں پھنسا ہوا تھا، پھر آنے والی روح کہتی ہے، کہ فلاں شخص تو مر چکا ہے، کیا وہ تمہارے پاس نہیں آیا؟ اس پر وہ روحیں جواب دیتی ہیں، کہ بلاشبہ اس کو اس کے ٹھکانے میں جو کہ جہنم ہے لے جایا گیا ہوگا، اور جب کافر کی موت کا وقت قریب ہوتا ہے، تو عذاب کے فرشتے اس کے پاس ایک ٹاٹ لے کر آتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ اے نامراد روح نکل اللہ کے عذاب کی طرف اس حال میں کہ تجھ پر نامرادی مسلط

کردی گئی ہے، چنانچہ وہ روح مردار کی بدبو کی طرح سخت بدبودار ہو کر نکلتی ہے، یہاں تک کہ فرشتے جب اس روح کو زمین کے دروازے پر لاتے ہیں تو فرشتے کہتے ہیں کہ کس قدر بری ہے یہ بدبو، یہاں تک کہ اس کو کافروں کی روح کے پاس لاتے ہیں۔ (احمد، نسائی)

خلاصہ حدیث مومن کی روحوں کا فرشتے اعزاز کرتے ہیں، اور یہ روحیں معطر ہوتی ہے، جب اپنے پیش رو، لوگوں کی روحوں سے ملاقات کرتی ہیں، تو سب ایک دوسرے سے مل کر خوش ہوتی ہیں، جبکہ کافروں کا معاملہ اس کے بالکل برعکس ہے، فرشتے ان سے سخت نفرت کرتے ہیں، ان روحوں سے بڑی غلیظ بدبو آتی ہے اور جب ان کو ان سے پہلے فوت ہونے والے کافروں کی روحوں سے ملایا جاتا ہے، تو ایک دوسرے پر لعن طعن کرتی ہیں، اور غصہ کا اظہار کرتی ہیں۔

کلمات حدیث کی تشریح بحريرة بيضاء اس سفید کپڑے میں روح لپیٹ کر فرشتے لے جاتے ہیں، اور کفن دنیوی میں ظاہری جسم کو لپیٹا جاتا ہے، اخرجی یہ کہتے ہیں کہ "ايتها النفس المطمئنة ارجعي إلى ربك" اے اطمنان والی روح تو اپنے رب کے جوارِ رحمت کی طرف چل، ماذا فعل فلان یعنی روحیں نئی آنے والی روح سے اپنے بعض دنیا کے اعزا و اقربا کے احوال دریافت کریں گی، مقصد یہ ہوگا کہ اگر وہ اطاعت پر ہیں تو ان کی ثابت قدمی اور استقامت کے لئے دعاء کریں، اور اگر وہ معصیت کی زندگی گذار رہے ہیں، تو ان کے لئے ہدایت و مغفرت کی دعاء کریں، یا تون به إلى باب الارض فرشتے پہلے کافر کی روح بھی آسمان کی طرف لے جاتے ہیں، لیکن جب وہاں سے یہ روح دھتکاری جاتی ہے، تو فرشتے اس کو اسفل السافلین میں ڈال دیتے ہیں، ارواح الكفار کافروں کی روحیں "سجین" میں قید رہتی ہیں، جبکہ مؤمن کی روحیں "علیین" میں رہتی ہیں۔

حدیث نمبر ۱۵۴۷ ﴿قبر کے عذاب سے پناہ مانگنے کی تاکید﴾ عالمی حدیث ۱۶۳۰

وَعَنِ الْبَرَآءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ خَرَجْنَا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ فِيْ جَنَازَةِ رَجُلٍ مِّنَ الْاَنْصَارِ، فَانْتَهَيْنَا اِلَى الْقَبْرِ وَلَمَّا يُلْحَدْ فَجَلَسَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَجَلَسْنَا حَوْلَهٗ كَاَنَّ عَلٰى رُءُوْسِنَا الطَّيْرَ ، وَ فِيْ يَدِهٖ عُوْدٌ يَنْكُتُ بِهٖ فِي الْاَرْضِ فَرَفَعَ رَاْسَهٗ ، فَقَالَ: اسْتَعِيْذُوْا بِاللّٰهِ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ مَرَّتَيْنِ اَوْ ثَلٰثًا ثُمَّ قَالَ اِنَّ الْعَبْدَ الْمُؤْمِنَ اِذَا كَانَ فِي انْقِطَاعٍ مِّنَ الدُّنْيَا وَاِقْبَالٍ مِّنَ الْاٰخِرَةِ نَزَلَ اِلَيْهِ مَلٰئِكَةٌ مِّنَ السَّمَآءِ بِيْضُ الْوُجُوْهِ كَاَنَّ وُجُوْهَهُمُ الشَّمْسُ مَعَهُمْ كَفَنٌ مِّنْ اَكْفَانِ الْجَنَّةِ ، وَ حَنُوْطٌ مِّنْ حَنُوْطِ الْجَنَّةِ حَتّٰى يَجْلِسُوْا مِنْهُ مَدَّ الْبَصَرِ، ثُمَّ يَجِيْءُ مَلَكُ الْمَوْتِ عَلَيْهِ السَّلَامُ حَتّٰى يَجْلِسَ عِنْدَ رَاْسِهٖ ، فَيَقُوْلُ: اَيَّتُهَا النَّفْسُ الطَّيِّبَةُ اخْرُجِيْ اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٍ قَالَ فَتَخْرُجُ تَسِيْلُ كَمَا تَسِيْلُ الْقَطْرَةُ مِنَ السِّقَآءِ ، فَيَاْخُذُهَا فَاِذَا اَخَذَهَا لَمْ يَدَعُوْهَا فِيْ يَدِهٖ طَرْفَةَ عَيْنٍ حَتّٰى يَاْخُذُوْهَا فَيَجْعَلُوْهَا فِيْ ذٰلِكَ الْكَفَنِ وَفِيْ ذٰلِكَ الْحَنُوْطِ وَيَخْرُجُ مِنْهَا كَاَطْيَبِ نَفْحَةِ مِسْكٍ وُّجِدَتْ عَلٰى وَجْهِ الْاَرْضِ ، قَالَ: فَيَصْعَدُوْنَ بِهَا فَلَا يَمُرُّوْنَ يَعْنِيْ بِهَا عَلٰى مَلَاءٍ مِّنَ الْمَلٰئِكَةِ اِلَّا قَالُوْا مَا هٰذَا الرُّوْحُ الطَّيِّبُ ؟ فَيَقُوْلُوْنَ فُلَانُ بْنُ فُلَانٍ بِاَحْسَنِ اَسْمَآئِهِ الَّتِيْ كَانُوْا يُسَمُّوْنَهٗ بِهَا فِي الدُّنْيَا حَتّٰى يَنْتَهُوْا بِهَا اِلَى السَّمَآءِ الدُّنْيَا فَيَسْتَفْتِحُوْنَ لَهٗ فَيُفْتَحُ لَهُمْ ، فَيُشَيِّعُهٗ مِنْ كُلِّ سَمَآءٍ مُقَرَّبُوْهَا اِلَى السَّمَآءِ الَّتِيْ تَلِيْهَا حَتّٰى يُنْتَهٰى بِهٖ اِلَى السَّمَآءِ السَّابِعَةِ ، فَيَقُوْلُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ: اكْتُبُوْا كِتَابَ عَبْدِيْ فِيْ عِلِّيِّيْنَ وَاَعِيْدُوْهُ اِلَى الْاَرْضِ فَاِنِّيْ مِنْهَا خَلَقْتُهُمْ وَفِيْهَا اُعِيْدُهُمْ وَمِنْهَا اُخْرِجُهُمْ تَارَةً اُخْرٰى ، قَالَ: فَتُعَادُ رُوْحُهٗ فِيْ جَسَدِهٖ فَيَاْتِيْهِ مَلَكَانِ فَيُجْلِسَانِهٖ فَيَقُوْلَانِ لَهٗ مَنْ رَّبُّكَ ؟ فَيَقُوْلُ رَبِّيَ اللّٰهُ فَيَقُوْلَانِ لَهٗ مَا دِيْنُكَ ؟ فَيَقُوْلُ: دِيْنِيَ الْاِسْلَامُ فَيَقُوْلَانِ لَهٗ مَا هٰذَا الرَّجُلُ الَّذِيْ بُعِثَ فِيْكُمْ ؟ فَيَقُوْلُ: هُوَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَيَقُوْلَانِ لَهٗ وَمَا عِلْمُكَ ؟ فَيَقُوْلُ قَرَاْتُ كِتَابَ اللّٰهِ فَاٰمَنْتُ بِهٖ وَصَدَّقْتُ ، فَيُنَادِيْ مُنَادٍ مِّنَ السَّمَآءِ اَنْ صَدَقَ عَبْدِيْ فَاَفْرِشُوْهُ مِنَ الْجَنَّةِ وَاَلْبِسُوْهُ مِنَ الْجَنَّةِ وَافْتَحُوْا لَهٗ بَابًا اِلَى الْجَنَّةِ ، قَالَ: فَيَاْتِيْهِ مِنْ رَّوْحِهَا

وَطِيبِهَا فَيُفْسَحُ لَهُ فِي قَبْرِهِ مَدَّ بَصَرِهِ قَالَ : وَيَأْتِيهِ رَجُلٌ حَسَنُ الْوَجْهِ حَسَنُ الثِّيَابِ طَيِّبُ الرِّيحِ فَيَقُولُ : أَبْشِرْ بِالَّذِي يَسُرُّكَ هٰذَا يَوْمُكَ الَّذِي كُنْتَ تُوعَدُ فَيَقُولُ لَهُ مَنْ أَنْتَ فَوَجْهُكَ الْوَجْهُ يَجِيءُ بِالْخَيْرِ فَيَقُولُ أَنَا عَمَلُكَ الصَّالِحُ فَيَقُولُ رَبِّ أَقِمِ السَّاعَةَ رَبِّ أَقِمِ السَّاعَةَ حَتّٰى أَرْجِعَ إِلٰى أَهْلِي وَمَالِي قَالَ: وَإِنَّ الْعَبْدَ الْكَافِرَ إِذَا كَانَ فِي انْقِطَاعٍ مِّنَ الدُّنْيَا وَإِقْبَالٍ مِّنَ الْآخِرَةِ نَزَلَ إِلَيْهِ مِنَ السَّمَاءِ مَلٰئِكَةٌ سُودُ الْوُجُوهِ مَعَهُمُ الْمُسُوحُ ، فَيَجْلِسُونَ مِنْهُ مَدَّ الْبَصَرِ ثُمَّ يَجِيءُ مَلَكُ الْمَوْتِ حَتّٰى يَجْلِسَ عِنْدَ رَأْسِهِ فَيَقُولُ : أَيَّتُهَا النَّفْسُ الْخَبِيثَةُ اُخْرُجِي إِلٰى سَخَطٍ مِّنَ اللّٰهِ قَالَ فَتَفَرَّقُ فِي جَسَدِهِ فَيَنْتَزِعُهَا كَمَا يُنْتَزَعُ السَّفُّودُ مِنَ الصُّوفِ الْمَبْلُولِ فَيَأْخُذُهَا فَإِذَا أَخَذَهَا لَمْ يَدَعُوهَا فِي يَدِهِ طَرْفَةَ عَيْنٍ حَتّٰى يَجْعَلُوهَا فِي تِلْكَ الْمُسُوحِ ، وَتَخْرُجُ مِنْهَا كَأَنْتَنِ رِيحِ جِيفَةٍ وُجِدَتْ عَلٰى وَجْهِ الْأَرْضِ فَيَصْعَدُونَ بِهَا فَلَا يَمُرُّونَ بِهَا عَلٰى مَلَاءٍ مِّنَ الْمَلٰئِكَةِ إِلَّا قَالُوا مَا هٰذَا الرُّوحُ الْخَبِيثُ ، فَيَقُولُونَ فُلَانُ بْنُ فُلَانٍ بِأَقْبَحِ أَسْمَائِهِ الَّتِي كَانَ بِهَا فِي الدُّنْيَا حَتّٰى يُنْتَهٰى بِهِ إِلَى السَّمَاءِ الدُّنْيَا فَيُسْتَفْتَحُ لَهُ فَلَا يُفْتَحُ لَهُ ، ثُمَّ قَرَأَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ أَبْوَابُ السَّمَاءِ وَلَا يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ فِي سَمِّ الْخِيَاطِ فَيَقُولُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ: اُكْتُبُوا كِتَابَهُ فِي سِجِّينٍ فِي الْأَرْضِ السُّفْلٰى فَتُطْرَحُ رُوحُهُ طَرْحًا ، ثُمَّ قَرَأَ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَكَأَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَاءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ أَوْ تَهْوِي بِهِ الرِّيحُ فِي مَكَانٍ سَحِيقٍ ، فَتُعَادُ رُوحُهُ فِي جَسَدِهِ وَيَأْتِيهِ مَلَكَانِ فَيُجْلِسَانِهِ فَيَقُولَانِ لَهُ مَنْ رَّبُّكَ ؟ فَيَقُولُ هَاهْ هَاهْ لَا أَدْرِي فَيَقُولَانِ لَهُ مَا دِينُكَ ؟ فَيَقُولُ: هَاهْ هَاهْ لَا أَدْرِي فَيَقُولَانِ لَهُ مَا هٰذَا الرَّجُلُ الَّذِي بُعِثَ فِيكُمْ ، فَيَقُولُ هَاهْ هَاهْ لَا أَدْرِي فَيُنَادِي مُنَادٍ مِّنَ السَّمَاءِ أَنْ كَذَبَ فَافْرِشُوهُ مِنَ النَّارِ وَافْتَحُوا لَهُ بَابًا إِلَى النَّارِ ، فَيَأْتِيهِ مِنْ حَرِّهَا وَسَمُومِهَا وَيُضَيَّقُ عَلَيْهِ قَبْرُهُ حَتّٰى تَخْتَلِفَ فِيهِ أَضْلَاعُهُ ، وَيَأْتِيهِ رَجُلٌ قَبِيحُ الْوَجْهِ قَبِيحُ الثِّيَابِ مُنْتِنُ الرِّيحِ فَيَقُولُ أَبْشِرْ بِالَّذِي يَسُوءُكَ هٰذَا يَوْمُكَ الَّذِي كُنْتَ تُوعَدُ فَيَقُولُ: مَنْ أَنْتَ فَوَجْهُكَ الْوَجْهُ يَجِيءُ بِالشَّرِّ فَيَقُولُ أَنَا عَمَلُكَ الْخَبِيثُ فَيَقُولُ رَبِّ لَا تُقِمِ السَّاعَةَ وَفِي رِوَايَةٍ نَحْوَهُ وَزَادَ فِيهِ إِذَا خَرَجَ رُوحُهُ صَلّٰى عَلَيْهِ كُلُّ مَلَكٍ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ وَكُلُّ مَلَكٍ فِي السَّمَاءِ ، وَفُتِحَتْ لَهُ أَبْوَابُ السَّمَاءِ لَيْسَ مِنْ أَهْلِ بَابٍ إِلَّا وَهُمْ يَدْعُونَ اللّٰهَ أَنْ يُعْرَجَ بِرُوحِهِ مِنْ قِبَلِهِمْ ، وَتُنْزَعُ نَفْسُهُ يَعْنِي الْكَافِرَ مَعَ الْعُرُوقِ فَيَلْعَنُهُ كُلُّ مَلَكٍ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ وَكُلُّ مَلَكٍ فِي السَّمَاءِ وَتُغْلَقُ أَبْوَابُ السَّمَاءِ لَيْسَ مِنْ أَهْلِ بَابٍ إِلَّا وَهُمْ يَدْعُونَ اللّٰهَ أَنْ لَا يُعْرَجَ رُوحُهُ مِنْ قِبَلِهِمْ رَوَاهُ أَحْمَدُ.

حوالہ: مسند أحمد ۴/ ۲۸۷ – ۲۸۸۔

توجمہ: حضرت براء ابن عازب سے روایت ہے کہ ہم نبی کریم ﷺ کے ساتھ ایک صحابی کے جنازہ میں نکلے، اور ہم قبرستان پہنچے ابھی ان صحابی کو دفن نہیں کیا گیا تھا، چنانچہ رسول اللہ ﷺ بیٹھ گئے اور ہم بھی آپ ﷺ کے اردگرد ایسے بیٹھ گئے گویا کہ ہمارے سروں پر پرندے ہیں، اسوقت آپ ﷺ کے ہاتھ میں ایک لکڑی تھی، جس کے ذریعہ سے آپ زمین کرید رہے تھے، پھر آپ ﷺ نے اپنا سر اٹھایا اور فرمایا کہ قبر کے عذاب سے اللہ کی پناہ مانگو، یہ بات آپ ﷺ نے دو یا تین مرتبہ فرمائی پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ بلاشبہ جب بندۂ مؤمن کا دنیا سے تعلق منقطع ہونے والا ہوتا ہے، اور اس کو آخرت کا سفر درپیش ہوتا ہے، تو اس کی طرف آسمان سے ایسے فرشتے اترتے ہیں جن کے چہرے ایسے روشن ہوتے ہیں، گویا ان کے چہرے سورج ہیں ان کے ساتھ جنت کے کفنوں میں سے ایک کفن ہوتا ہے، اور جنت کی خوشبوؤں میں سے ایک خوشبو ہوتی ہے، یہاں تک کہ وہ فرشتے اس مرنے والے سے منتہاء نظر تک دور جگہ پر بیٹھتے ہیں، پھر حضرت ملک الموت علیہ السلام (حضرت عزرائیل) تشریف لاتے ہیں، اور اس کے سرہانے بیٹھ جاتے ہیں پھر کہتے ہیں اے پاکیزہ

جان اللہ کی رحمت ومغفرت کی طرف اور اس کی خوشنودی کی طرف چلو، آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ پھر جان اس طرح نکلتی ہے جیسے کہ مشک سے پانی کا قطرہ نکلتا ہے، پھر ملک الموت اس جان کو اپنے ہاتھوں میں لیتے ہیں اور جب ملک الموت اس کی جان لیتے ہیں تو دوسرے فرشتے اس جان کو پل بھر کے لئے بھی ملک الموت کے ہاتھ میں نہیں چھوڑتے ہیں، اور اس کو جلدی سے لے لیتے ہیں، پھر اس کو اس کفن اور اس خوشبو میں رکھ لیتے ہیں، اور اس روح سے ایسی پاکیزہ خوشبو نکلتی ہے، جو روئے زمین پر پائی جانے والی مشک کی تمام بہترین خوشبوؤں سے اعلیٰ ہوتی ہے، آپ ﷺ نے فرمایا پھر فرشتے اس روح کو لے کر اوپر چڑھتے ہیں اور زمین وآسمان کے درمیان موجود فرشتوں کی جس جماعت کے پاس سے بھی گذرتے ہیں، وہ جماعت پوچھتی ہے، کہ یہ پاکیزہ روح کون ہے؟ لے جانے والے فرشتے جواب دیتے ہیں کہ فلاں ابن فلاں ہیں، وہ اس کے ان بہترین اسماء والقاب کو بیان کرتے ہیں جن کے ذریعہ سے وہ دنیا میں پہچانا جاتا تھا، پھر آسمان اول سے دوسرے آسمان تک مقرب فرشتے اس کے ہمراہ رہتے ہیں یہاں تک کہ وہ ساتویں آسمان تک اس روح کو پہنچا دیا جاتا ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں میرے بندے کے نامۂ اعمال کو علیین میں لکھ دو، اور اس کو زمین پر واپس کردو، کیونکہ میں نے اس کو جس مٹی سے پیدا کیا ہے، اس میں اس کو لوٹاؤں گا، اور اسی مٹی سے دوبارہ اٹھاؤں گا، آپ ﷺ نے فرمایا چنانچہ اس روح کو پھر اس کے بدن میں پہنچا دیا جاتا ہے، پھر اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں، اس کو بٹھاتے ہیں، پھر اس سے پوچھتے ہیں کہ تمہارا رب کون ہے؟ وہ کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے، پھر فرشتے اس سے پوچھتے ہیں تمہارا دین کیا ہے؟ وہ جواب دیتا ہے، میرا دین اسلام ہے، پھر وہ فرشتے اس سے پوچھتے ہیں تمہیں یہ بات کیسے معلوم ہوئی؟ تو بندہ کہتا ہے، کہ میں نے اللہ کی کتاب پڑھی اس پر ایمان لایا اور اس کی تصدیق کی، اس وقت آسمان سے ایک پکارنے والا پکارتا ہے، میرے بندہ نے درست کہا، لہٰذا اس کے لئے جنتی فرش بچھا دو، اور اس کو جنتی لباس پہنا دو، اور اس کے لئے جنت کی طرف ایک دروازہ کھول دو آپ ﷺ نے فرمایا اس دروازہ کے ذریعہ سے جنت کی ہوائیں اور خوشبوئیں آتی ہیں، اور اس کی قبر بھی منتہاء نظر تک کشادہ کردی جاتی ہے، آپ ﷺ نے فرمایا پھر اس کے پاس ایک خوبصورت شکل اچھے لباس اور خوشبو میں بسی ہوئی ایک شخصیت آتی ہے، اور اس سے کہتی ہے، کہ تمہیں اس چیز کی خوشخبری جو تجھ کو خوش کرنے والی ہے، یہی وہ تمہارا دن ہے، جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا، وہ میت اس سے کہتی ہے تم کون ہو، کہ تمہارا چہرہ حسن وجمال میں کامل ہے، اور تم بھلائیاں لے کر آئے ہو وہ کہتا ہے کہ میں تیرا نیک عمل ہوں تو وہ بندۂ مومن کہتا ہے کہ اے میرے رب قیامت قائم کریئے، اے میرے رب قیامت قائم کریئے، تاکہ میں اپنے اہل وعیال اور اپنے مال تک پہنچ جاؤں۔

آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب کافر بندہ کے دنیا سے تعلق منقطع ہونے کا وقت ہوتا ہے، اور آخرت کا سفر درپیش ہوتا ہے تو اس کے پاس سیاہ چہرہ والے فرشتے اپنے ساتھ ٹاٹ لے کر آتے ہیں اور اس سے منتہائے نظر تک دور بیٹھ جاتے ہیں، پھر ملک الموت اس کے سرہانے آکر بیٹھتے ہیں، اور اس سے کہتے ہیں اے خبیث جان اللہ کے غضب کی طرف نکلو، آپ ﷺ نے فرمایا کافر کی جان یہ سن کر ادھر اُدھر بھاگتی ہے، چنانچہ ملک الموت اس کی روح کو اس طرح کھینچتے ہیں جس طرح سیخ کو گیلے اُون میں سے کھینچا جاتا ہے، پھر ملک الموت اس کو اپنے ہاتھ میں لے لیتے ہیں تو دوسرے فرشتے پلک جھپکنے کے بقدر بھی اس جان کو ملک الموت کے ہاتھ میں رہنے نہیں دیتے ہیں فوراً اس کو ان ٹاٹوں میں لپیٹ لیتے ہیں۔ اور اس روح سے ایسی بدبو نکلتی ہے جو روئے زمین پر پائی جانے والی مردار کی بدبو سے زیادہ سخت اور بری ہوتی ہے پھر فرشتے اس روح کو لے کر اوپر چڑھتے ہیں، ان کا گذر فرشتوں کی جس جماعت کے پاس بھی ہوتا ہے وہ جماعت پوچھتی ہے کہ یہ ناپاک روح کون ہے؟ تو یہ روح لے کر چلنے والے فرشتے کہتے ہیں کہ یہ فلاں بن فلاں ہے اس کا ان برے القاب کے ساتھ تذکرہ کرتے ہیں، جس کے ذریعہ وہ دنیا میں پہچانا جاتا تھا، یہاں تک کہ وہ آسمان دنیا تک پہنچا دیا جاتا ہے پھر اس کے

لئے دروازہ کھلوایا جاتا ہے، تو دروازہ کھلتا نہیں ہے، پھر آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت کی "لاتفتح لهم ابواب السماء الخ ان کے لئے آسمان کے دروازے کھولے نہ جائیں گے، اور وہ جنت میں داخل نہ ہوں گے یہاں تک کہ اونٹ سوئی کے ناکے میں گھس نہ جائے، اس وقت اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، کہ اس کے اعمال نامہ کو سجین میں جو کہ نیچی زمین میں ہے لکھو، چنانچہ اس روح کو زمین پر پھینک دیا جاتا ہے، پھر آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی ومن يشرك بالله فكانما الخ جو شخص اللہ کے ساتھ شرک کرتا ہے تو وہ ایسا ہے جیسے کہ وہ آسمان سے گر پڑا پھر پرندوں نے اس کی بوٹیاں نوچ لیں یا ہوا نے اس کو کسی دور جگہ میں لے جا کر پٹخ دیا، پھر آپ ﷺ نے فرمایا اس روح کو جسم میں لوٹایا جاتا ہے اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں جو اس کو اٹھا کر بٹھاتے ہیں پھر اس سے کہتے ہیں کہ تمہارا رب کون ہے؟ تو وہ کہتا ہے، ہاہ ہاہ میں نہیں جانتا پھر فرشتے اس سے کہتے ہیں کہ تمہارا دین کیا ہے، تو وہ کہتا ہے ہاہ ہاہ میں نہیں جانتا یہ شخص جو تم میں مبعوث کئے گئے کون ہے تو وہ کہتا ہے، ہاہ ہاہ میں نہیں جانتا پھر آسمان سے پکارنے والا کہتا ہے اس نے جھوٹ کہا ہے، اس کے لئے آگ کا بستر بچھا دو، اور اس کے لئے جہنم کا ایک دروازہ کھول دو جس سے جہنم کی تپش اور اس کی تکلیف دہ ہوا آتی ہے، اور اس پر اس کی قبر تنگ کر دی جاتی ہے یہاں تک کہ اس کی پسلیاں ایک دوسرے میں پیوست ہو کر دوسری طرف نکل آتی ہے اس کے بعد ایک بدشکل شخص نہایت گندا لباس پہنے ہوئے آتا ہے جس سے بہت خراب بدبو نکل رہی ہوتی ہے، وہ کہتا ہے تمھیں اس چیز کی اطلاع ہے جو کہ تم کو ناخوش کردینے والی ہے یہی وہ دن ہے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا، وہ کافر بندہ کہے گا تو کون ہے تمہاری شکل بہت بری ہے اور یہ اطلاع لے کر آیا ہے، وہ کہے گا کہ میں تمہارا برا عمل ہوں، یہ سن کر مردہ کہتا ہے اے میرے رب قیامت قائم نہ کریئے گا، اور ایک روایت میں جو کہ اسی طرح ہے اس پر یہ الفاظ مزید ہیں "اذا خرج روحه صلى عليه الخ" جب مومن کی روح نکلتی ہے تو ہر وہ فرشتہ جو زمین و آسمان کے درمیان میں ہے اور ہر وہ فرشتہ جو آسمان میں ہے، اس پر رحمت بھیجتا ہے، اور اس کے لیے آسمان کے دروازے کھولے جاتے ہیں اور ہر دروازے کے فرشتے اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ اس روح کو ان کے پاس سے گذار کر آسمان پر لے جایا جائے اور کافر تو اس کی جان اس کی رگوں کے ساتھ نکالی جاتی ہے اور اس پر آسمان و زمین کے درمیان والے فرشتے اور آسمان پر متعین فرشتے لعنت بھیجتے ہیں، اس کے لئے آسمان کے دروازے بند کردیئے جاتے ہیں، اور دروازوں پر متعین تمام فرشتے اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں، کہ یہ روح اوپر لے جائی جانے کے لئے ان کے پاس سے نہ گذاری جائے۔ (احمد)

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ مؤمن کی روح بہت آسانی سے نکالی جاتی ہے، اور اسکے ساتھ بہت اعزاز کا و اکرام کا معاملہ کیا جاتا ہے، قبر میں جو سوالات کیے جاتے ہیں اللہ کی رحمت سے وہ ان سوالات کا درست جواب عطا کرتا ہے، جس کی وجہ سے اس کو قبر میں ہی بڑی راحت عطا ہوتی ہے جنت کی ہوائیں اس تک پہنچتی ہے اور وہ خوشبوں سے معطر رہتا ہے جبکہ کافر کا معاملہ اس کے بالکل برعکس ہے، اس کی روح بڑی سختی سے نکالی جاتی ہے اس سے جو فرشتے ملاقات کرتے ہیں، وہ اس سے ذلت کا برتاؤ کرتے ہیں اس کے جسم سے نہایت بری بدبو اٹھتی ہے، اور اس کے بدعمل قبر میں کریہہ شکل میں اس سے ملاقات کرتے ہیں، قبر میں ہونے والے کسے بھی سوال کا جواب نہیں دے پاتا ہے، اور اس کی قبر بہت تنگ ہو جاتی ہے، نیز ہر طرح کے مصائب کا وہ شکار ہوتا ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح فتخرج تسيل مؤمن کی روح بہت سہولت و آسانی سے نکلتی ہے۔

اشکال: بعض روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ جان نکلتے وقت مؤمن کے روح پر بھی بڑی سختی ہوتی ہے، اور حدیث گذری ہے جس سے تو یہاں تک معلوم ہوا ہے، کہ موت سے پہلے آپ کو بھی شدید تکلیف سے دوچار ہونا پڑا ہے۔

جواب: مؤمن پر جو سختی ہوتی ہے، اس کا تعلق سکرات موت سے ہے، جو کہ روح نکلنے سے پہلے کی سختی ہے، اس پر بڑے اجر کا وعدہ ہے، لیکن روح نکلنے میں کوئی دشواری نہیں ہوتی ہے، البتہ کافر کی روح نکلنے میں بھی بہت شدید دشواری ہوتی ہے، علیین مؤمن کے اعمال

علیین میں لکھے جاتے ہیں، جب کہ کافروں کے اعمال سجین میں لکھے جاتے ہیں۔

سوال: "علیین" اور سجین" کس چیز کا نام ہے؟ **جواب:** علیین ساتویں آسمان پر فرشتوں کا عظیم دفتر ہے یہیں نیک لوگوں کے اعمال چڑھائے جاتے ہیں، اور یہیں نیک لوگوں کے اعمال محفوظ رہتے ہیں، اس میں درحقیقت سعید روحوں کا اعزاز ہے اور "سجین" ساتویں زمین کے نیچے دوزخ کی گہرائی میں ایک مقام کا نام ہے، اس میں دوزخیوں کے اعمال رکھے جاتے ہیں اس میں دوزخیوں کی ذلت کو اجاگر کرتا ہے، وتنزع نفسه کافر کی روح بدن سے نکلنا نہیں چاہتی ہے، لیکن موت کا فرشتہ زبردستی رگوں کی گہرائی سے کھینچ کر نکالتا ہے، تو وہ بڑی ناخوشی سے نکلتی ہے، اور اس حالت میں جس کی جان نکلتی ہے، اس کو سخت تکلیف ہوتی ہے۔

حدیث نمبر ۱۵۴۸ ﴿قریب المرگ سے سلام پہنچانے کیلئے کہنا﴾ عالمی حدیث ۱۶۳۱

وَعَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ كَعْبٍ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ لَمَّا حَضَرَتْ كَعْبًا الْوَفَاةُ اَتَتْهُ اُمُّ بِشْرٍ بِنْتُ الْبَرَآءِ بْنِ مَعْرُوْرٍ فَقَالَتْ : يَا اَبَا عَبْدِ الرَّحْمٰنِ اِنْ لَقِيْتَ فُلَانًا فَاقْرَءْ عَلَيْهِ مِنِّى السَّلَامَ ، فَقَالَ: غَفَرَ اللّٰهُ لَكِ يَا اُمَّ بِشْرٍ نَحْنُ اَشْغَلُ مِنْ ذٰلِكَ ، فَقَالَتْ: يَا اَبَاعَبْدِ الرَّحْمٰنِ اَمَا سَمِعْتَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ اِنَّ اَرْوَاحَ الْمُؤْمِنِيْنَ فِىْ طَيْرٍ خُضْرٍ تَعْلُقُ بِشَجَرِ الْجَنَّةِ ، قَالَ: بَلٰى قَالَتْ: فَهُوَ ذٰكَ رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ وَالْبَيْهَقِيُّ فِىْ كِتَابِ الْبَعْثِ وَالنُّشُوْرِ.

حوالہ: ابن ماجه، ص ۱۰۴ باب فيما يقال عندالمريض إذا حضر، كتاب الجنائز، حديث ۱۴۴۹۔

ترجمہ: حضرت عبدالرحمٰن بن کعبؓ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں، کہ جب کعبؓ کی وفات کا وقت قریب آیا تو حضرت براء بن معرورؓ کی صاحبزادی ام بشر تشریف لائیں اور کہا کہ اے ابوعبدالرحمٰن اگر آپؓ فلاں شخص سے ملیں تو ان کو میری طرف سے سلام عرض کر دیجئے گا، حضرت کعبؓ نے کہا کہ اے ام بشر اللہ تمھاری مغفرت کرے، ہم تو اس وقت بہت مشغول ہوں گے، تو ام بشر نے کہا اے ابوعبدالرحمٰن کیا آپ نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے نہیں سنا کہ مؤمنوں کی روحیں سبز پرندوں کی شکل میں ہوگی جنت کے درختوں سے لٹکی ہوں گی، حضرت کعبؓ نے کہا کہ ہاں سنا ہے، ام بشرؓ نے کہا کہ پھر تو ایسی ہی بات ہے (ابن ماجہ، وبیہقی فی کتاب البعث والنشور)

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ مؤمن کی روحیں اور مؤمن میں بھی خاص طور پر شہداء کی روحیں عالم برزخ میں بہت آرام وسکون سے رہتی ہیں، اور اس کے میووں کا استعمال کرتی ہیں، لہٰذا گھبرانا نہیں چاہئے اور اللہ کی ملاقات کا اشتیاق دل میں رکھنا چاہئے۔

کلمات حدیث کی تشریح فاقرء علیه ام بشرؓ نے حضرت کعبؓ سے انکو وفات کیوقت عرض کیا کہ میرے فلاں عزیز کو میری طرف سے مرنے کے بعد ملاقات ہونے پر سلام عرض کر دینا، اسکی وجہ یہ ہے کہ انھوں نے نبی کی زبان سے سن رکھا تھا کہ "لایھلك هالك من بنی سلمة الاجاء ته ام بشرفقالت یافلان علیك السلام فیقول وعلیك" نہ صرف مردے سلام سنتے ہیں بلکہ سلام کا جواب بھی دیتے ہیں، اشغل من ذالك حضرت کعبؓ کے کہنے کا مقصد یہ تھا کہ مرنے کے بعد بہت اہم امور درپیش ہونگے، ان امور کے جواب بھی دینے ہیں، لہٰذا ہمیں فرصت کہاں ہیں ارواح المؤمنین علامہ طیبیؒ کہتے ہیں کہ بعض علماء نے لکھاہے کہ تمام مؤمنوں کی روحیں جنت میں ہونگی، یہ فضیلت شہداء کیساتھ مخصوص نہیں ہے، اسکی وضاحت آپ ﷺ کے اس فرمان سے بھی ہوتی ہے کہ "ان نسمة المؤمن تسرح في الجنة حيث شاء ت ونسمة الكافرفي السجين" (مرقات ص ۴۳۰)

حدیث نمبر ۱۵۴۹ ﴿مؤمن کی روح کا جنت کے درختوں سے وابستہ ہونا﴾ عالمی حدیث ۱۶۳۲

وَعَنْهُ عَنْ اَبِيْهِ اَنَّهُ كَانَ يُحَدِّثُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ اِنَّمَا نَسَمَةُ الْمُؤْمِنِ طَيْرٌ تَعْلُقُ فِىْ شَجَرِ الْجَنَّةِ حَتّٰى يَرْجِعَهُ اللّٰهُ فِىْ جَسَدِهٖ يَوْمَ يَبْعَثُهُ ، رَوَاهُ مَالِكٌ وَالنَّسَائِىُّ وَالْبَيْهَقِىُّ فِىْ كِتَابِ الْبَعْثِ وَالنُّشُوْرِ.

حوالہ: موطاامام مالک ص، باب جامع الجنائز ،کتاب الجنائز، حدیث ۴۹ نسائی ج۲ باب ارواح المؤمنین، کتاب الجنائز، حدیث ۲۰۷۲۔

ترجمہ: حضرت عبدالرحمٰن بن کعبؓ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مؤمن کی روح پرندہ کی شکل میں جنت کے درختوں پر مصروف پرواز رہتی ہے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس کو قیامت کے دن اس کے جسم میں واپس کر دیں گے۔

(مالک، نسائی، بیہقی کتاب البعث والنشور)

خلاصۂ حدیث اس حدیث سے بھی یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ مومن کی روح کو اعزاز عطا کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ اس کو یہ آزادی عطا کر دیں گے، کہ جنت کے درختوں سے جس طرح چاہو لطف اندوز ہوتی رہو۔

کلمات حدیث کی تشریح نسمة المؤمن "نسمة" کا اطلاق انسان کی ذات پر ہوتا ہے، یعنی اس میں روح اور جسم دونوں شامل ہوتے ہیں، لیکن اس حدیث میں "نسمة" سے روح مراد ہے اسی وجہ سے تو آپ ﷺ نے یرجعه الله فی جسده فرمایا ہے، بعض لوگوں نے کہا ہے کہ منعم اور معذب کے بدن کا کچھ حصہ جس میں روح ہوگی وہی تکلیف وراحت محسوس کرے گا، جو بھی مراد حدیث کی ہو اس پر ایمان لانا ضروری ہے، اس لئے کہ اللہ کے لیے کوئی چیز محال نہیں ہے۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہاں شہدا کی روح مراد ہے وہی سبز پرندوں کی شکل میں ہوں گے جنت کے درختوں سے وابستہ ہوں گے، بعض لوگ اس حدیث کو عام ایمان والوں کے لئے بھی بشارت بتاتے ہیں، (واللہ اعلم)

حدیث نمبر ۱۵۵۰ ☆☆ عالمی حدیث نمبر ۱۶۳۳

﴿قریب المرگ سے سلام پہنچانے کی درخواست کرنا﴾

وَعَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ قَالَ دَخَلْتُ عَلٰى جَابِرِ بْنِ عَبْدِاللهِ وَهُوَ يَمُوْتُ، فَقُلْتُ اقْرَأْ عَلٰى رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ السَّلَامَ ، رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ.

حوالہ: ابن ماجه، ص ۱۰۴ باب فیمایقال عندالمریض إذا حضر، کتاب الجنائز، حدیث ۱۴۵۰۔

ترجمہ: حضرت محمد بن منکدرؒ سے روایت ہے کہ میں حضرت جابر بن عبداللہؓ کی خدمت میں اس وقت حاضر ہوا جبکہ وہ قریب المرگ تھے، میں نے ان سے کہا کہ رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں میرا سلام عرض کر دیجئے گا۔ (ابن ماجہ)

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا بھی حاصل یہ ہے کہ مردوں کو اگر سلام پیش کیا جائے تو سلام ان تک پہنچتا ہے اور جو لوگ اس دنیا سے رخصت ہوتے ہیں، ان کی ملاقات عالم ارواح میں اپنے سے پہلے فوت ہونے والوں سے ہوتی ہے، تو جن لوگوں نے جن کو سلام پیش کیا ہوتا ہے، ان کو سلام پیش کرتے ہیں۔

کلمات حدیث کی تشریح اقراعلی رسول الله محمد بن منکدرؒ جو کہ مشہور تابعی ہیں، انھوں نے حضرت جابر بن عبداللہؓ جو کہ معروف صحابی ہیں سے ان کی وفات کے وقت درخواست کی کہ میرا سلام حضور ﷺ کی خدمت میں پہنچا دیجئے گا۔ قریب المرگ سے اس طرح کی درخواست کیے جانے سے متعلق بہت سی روایات ہیں امام بخاری نے بھی یہ حدیث نقل کی ہے کہ "جاء ت أم انيس بنت أبي قتادة بعد موت أبيها بنصف شهر أبي عبدالله بن انيس وهو مريض فقالت ياعم اقرابي السلام" (مرقات ۴/۳۲)

بَابُ غُسْلِ الْمَيِّتِ وَتَكْفِيْنِه

﴿میت کونہلانے اور اس کو کفنانے کا بیان﴾

اس باب کے تحت صاحبِ مشکوۃ نے گیارہ/۱۱ احادیث ذکر کی ہیں، اِن احادیث میں میت کونہلانے اور اس کو کفن دینے، سے متعلق احکام ومسائل مذکور ہیں۔

میت کو غسل دینے کا سبب

میت کو غسل اس لیے نہیں دیا جاتا ہے کہ وہ بذاتِ خود نجس ہے، بلکہ غسل دنیا میت کے اکرام کی بناپر ہوتا ہے، آپ ﷺ کا فرمان ہے کہ "المؤمن لا ینجس" مؤمن نجس نہیں ہوتا ہے، یعنی اس کے اندر نجاستِ حقیقیہ نہیں ہوتی ہے، البتہ نجاستِ حکمیہ اس کے اندر ممکن ہے، جیسے احتلام وغیرہ، لیکن اس کی بناپر عین نجس سمجھنا غلط ہے، اصل بات ہے کہ جو بندہ دنیا سے رخصت ہوگیا، تو اس کو آخری آرام گاہ عزت واکرام سے پہنچانا چاہئے، اور اس میں میت کا بڑا اعزاز ہے کہ اس کو نہلا کر عمدہ کفن پہنا کر رخصت کیا جائے۔

میت کونہلانے کا طریقہ

میت کونہلانے کا وہی طریقہ ہے جو کہ زندوں کے نہانے کا ہے، یعنی جو چیزیں زندوں کے غسل میں فرض ہیں وہی چیزیں میت کے غسل میں بھی فرض ہیں، اسی طرح جو چیزیں زندوں کے غسل میں سنت یا مستحب ہیں وہی چیزیں مردہ کے غسل میں بھی سنت اور مستحب ہیں، بعض لوگ غسلِ میت کو کوئی بہت انوکھا طریقہ سمجھ کر اس بات کا اعتراف کرتے نظر آتے ہیں کہ ہمیں غسلِ میت کا طریقہ نہیں معلوم ہے، حالاں کہ اس میں کوئی خاص بات نہیں ہے۔ جس طرح زندہ لوگوں کا غسل بغیر سنن ومستحبات کی رعایت کے درست ہوجاتا ہے، اسی طرح میت کے غسل میں بھی اگر سنن ومستحباب کی رعایت نہ بھی ہوسکی تب بھی غسل صحیح ہوجائے گا، غسل میت میں اصل یہ ہے کہ میت کواچھی طرح دھوڑالا جائے اور اس کو صاف ستھرا کردیا جائے، حدیث کی کتابوں میں سنن ومستحباب کی رعایت کے ساتھ غسل میت کا جوطریقہ مذکور ہے، وہ یہ ہے:

جس تخت پر میت کونہلانا ہو اس کولوبان یا اگربتی وغیرہ خوشبودار چیز کے ذریعہ چاروں طرف سے تین بار یا پانچ بار یا سات بار دھونی دے کر مردے کو اس پر اُتر دکھن لٹادیا جائے اور کرتے وغیرہ کو قینچی یا کسی اور چیز کے ذریعہ چاک کر کے نکال لیا جائے اور کوئی کپڑا ناف سے لے کر گھٹنے تک یا کم از کم زانو تک ڈال دیا جائے اور اس کے استعمالی کپڑوں کو اندر ہی اندر سے اتارلیا جائے، پھر پہلے ہاتھ میں دستانہ یا کوئی کپڑا لپیٹ کر مردے کو مٹی کے ڈھیلے سے استنجا کرادیا جائے۔ لیکن ستر نہ کھلنے پائے، پھر جو کپڑا ناف سے لے کر گھٹنے تک یا زانوں تک ڈالا گیا تھا اس کے اندر اندر پانی ڈال کر دھل دیا جائے، پھر وضو کرایا جائے لیکن نہ کلی کرائی جائے نہ ناک میں پانی ڈالا جائے اور نہ گٹوں تک ہاتھ دھلایا جائے، بلکہ پہلے چہرہ دھویا جائے، البتہ اگر تین دفعہ روئی تر کر کے دانتوں اور مسوڑھوں پر اور ناک کے دونوں سوراخوں میں پھیر دیا جائے تو بھی جائز ہے، ہاں اگر مردہ جنابت کی حالت یا حالت میں یا حیض ونفاس میں مرجائے تو مذکورہ طریقے سے پانی پہونچانا ضروری ہے، اور ناک کان اور منہ میں روئی بھردی جائے تاکہ چہرہ دھلاتے اور نہلاتے وقت پانی اندر نہ جانے پائے، پہلے چہرہ پھر دونوں ہاتھ کہنیوں سمیت دھوئے جائیں، پھر سر پر مسح، پھر دونوں پاؤں ٹخنوں سمیت دھلائے جائیں، وضو کے بعد سر اور داڑھی کو گلِ خیرو یا کسی اور چیز مثلاً بیسن، کھلی یا صابون وغیرہ سے مل کر دھویا جائے، پھر میت کو بائیں کروٹ لٹا کر بیری کے پتوں سے پکایا ہوا پانی نیم گرم تین دفعہ سر سے پیر تک ڈالا جائے یہاں تک کہ تختہ سے لگی ہوئی کروٹ تک پانی پہنچ جائے، پھر دائیں کروٹ پر لٹا کر سر سے پیر تک تین دفعہ پانی ڈالا جائے یہاں تک کہ پانی اس کروٹ تک پہنچ جائے جو تختہ سے لگی ہوئی ہے، اس کے بعد میت کو اپنے بدن کی ٹیک لگا کر ذرا بیٹھایا جائے اور اس کے پیٹ کو آہستہ آہستہ ملا اور دبایا جائے، اگر پیٹ سے کچھ پاخانہ وغیرہ نکلے تو اسے پونچھ کر دھودیا

جائے لیکن اس کی صفائی کے بعد پھر دوبارہ وضو اور غسل کی ضرورت نہیں ہے، پھر اخیر میں میت کے بدن کو کسی رومال یا تولیہ سے پونچھ دیا جائے تا کہ کفن تر نہ ہو۔

بیری کے پتوں کا استعمال میت کو جس پانی سے غسل دیا جائے، اس پانی کو بیری کے پتے ڈال کر خوب گرم کرایا جائے، اس کی وجہ یہ ہے کہ بیری کے پتوں کے ساتھ اُبالا ہوا پانی جسم سے میل کچیل کو خوب صاف کر دیتا ہے۔ اگر بیری کے پتہ نہ ہوں تو صابن بھی کافی ہے۔

میت کو نہلانے میں کافور کا استعمال میت کے آخری پانی جو ڈالا جائے اس میں کافور ڈال دینا چاہئے، کافور کے استعمال کا فائدہ یہ ہے کہ اس سے جسم میت جلدی خراب نہیں ہوگا، اس سے جسم معطر رہے گا، موذی جانور میت کے قریب نہیں آئیں گے۔

میت کا کفن مرد میت کا کفن سنت تین کپڑے ہیں، (۱) تہبند (۲) کرتا (۳) لفافہ، اور کفن کفایت دو کپڑے ہیں۔ (۱) تہبند (۲) لفافہ، عورت کے کفن میں پانچ کپڑے ہیں، تین تو یہی ہیں اس کے علاوہ اوڑھنی، اور سینہ بند ہیں۔ اور عورت کے لیے کفن کفایت تین کپڑے ہیں۔

مرد میت کو کفنانے کا طریقہ کفن پہنانے سے پہلے کفن کو تین یا پانچ یا سات بار لوبان وغیرہ سے دھونی دی جائے، پھر میت کو اگر مرد ہے اس طریقہ سے کفنایا جائے کہ کسی دوسری چارپائی وغیرہ پر پہلے لفافہ یعنی چادر پھر ازار بچھا کر اس پر کفنی یعنی کرتے کے نچلے حصہ کو بچھا کر اوپر کے حصہ کو سرہانے کی طرف لپیٹ دیا جائے، پھر میت کو اس پر لٹا کر کرتے کے سمیٹے ہوئے حصہ کو اس طرح الٹ دیا جائے کہ گلے میں آجائے اور پیروں کی طرف بڑھا دیا جائے۔ اور اس کے دونوں ہاتھ سینے پر نہ رکھے جائیں بلکہ بغل میں سیدھے کر دیئے جائیں، اور کافور سر، داڑھی اور سجدہ کے مواقع (پیشانی، ناک، دونوں ہتھیلی) پر لگا دیئے جائیں۔

عورت کو کفنانے کا طریقہ عورت کو کفنانے کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے چادر پھر ازار بچھا کر اس پر کرتا رکھا جائے اور مرد کی طرح پہلے اس کو کفنی کرتا پہنا دیا جائے، پھر سر کے بالوں کو دو حصہ کر کے کرتے کے اوپر سینہ پر ڈال دیا جائے، ایک حصہ دائیں طرف اور ایک حصہ بائیں طرف، پھر اوڑھنی یعنی سر بند، سر اور بالوں پر ڈال دیا جائے، اسے باندھا نہ جائے اور نہ لپیٹا جائے، پھر اس کے اوپر ازار لپیٹ دیا جائے مردوں کی طرح اس کے بعد سینہ بند باندھ دیا جائے، پھر آخر میں چادر لپیٹ دی جائے، پہلے بائیں طرف، پھر دائیں طرف، پھر سر اور پیر کی طرف، اسی طرح میت کے بیچ میں چیٹ سے باندھ دیا جائے، تا کہ راستہ میں ہوا وغیرہ کی وجہ سے کھل نہ جائے۔

الفصل الاوّل

حدیث نمبر ۱۵۵۱ ﴿رسول اللہ ﷺ کی بیٹی کو غسل دینے کا تذکرہ﴾ عالمی حدیث ۱۶۳۴

عَنْ أُمِّ عَطِيَّةَ قَالَتْ دَخَلَ عَلَيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَنَحْنُ نَغْسِلُ ابْنَتَهُ فَقَالَ اغْسِلْنَهَا ثَلٰثًا أَوْ خَمْسًا أَوْ أَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ إِنْ رَأَيْتُنَّ ذٰلِكَ بِمَاءٍ وَ سِدْرٍ وَّا جْعَلْنَ فِي الْآخِرَةِ كَافُوْرًا أَوْ شَيْئًا مِّنْ كَافُوْرٍ، فَإِذَا فَرَغْتُنَّ فَاٰذِنَّنِيْ، فَلَمَّا فَرَغْنَا اٰذَنَّاهُ فَأَلْقٰى إِلَيْنَا حِقْوَهُ فَقَالَ: أَشْعِرْنَهَا إِيَّاهُ وَفِيْ رِوَايَةٍ اِغْسِلْنَهَا وِتْرًا ثَلٰثًا أَوْ خَمْسًا أَوْ سَبْعًا، وَابْدَأْنَ بِمَيَامِنِهَا وَمَوَاضِعِ الْوُضُوْءِ مِنْهَا قَالَتْ فَضَفَرْنَا شَعْرَهَا ثَلٰثَةَ قُرُوْنٍ فَأَلْقَيْنَاهَا خَلْفَهَا مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حوالہ: بخاری، ۱/ ۱۶۷ باب یلقی شعر المراۃ خلفھا کتاب الجنائز حدیث ۱۲۶۳ مسلم ص ۳۰۴ ج باب فی غسل المیت کتاب الجنائز حدیث ۹۳۹۔

ترجمہ: حضرت ام عطیہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے اور ہم اسوقت آپ ﷺ کی صاحبزادی کو نہلا رہے تھے، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اسکو پانی اور بیری کے پتوں سے تین یا پانچ بار یا اس سے زیادہ مرتبہ نہلاؤ اگر تم لوگ مناسب سمجھو اور آخری مرتبہ میں کافوریا آپ ﷺ نے فرمایا کہ کچھ کافور ڈالدینا اور جب غسل دے لینا تو مجھکو اطلاع کردینا، چنانچہ ہم غسل دیکر فارغ ہوگئے تو ہم نے حضور اقدس ﷺ کو اطلاع دے دی آپ ﷺ نے اپنا تہ بند ہماری طرف پھینک کر فرمایا کہ اسکو کفن کے اندر کا کپڑا بنادو، اور ایک روایت میں یوں ہے کہ اسکو غسل دو طاق بار تین بار یا پانچ بار یا سات بار اور ابتداء کرو اسکی دائیں طرف سے اور اسکے اعضائے وضوء سے، حضرت ام عطیہ کہتی ہیں کہ ہمنے انکے بالوں کی تین چوٹیاں گوندھیں پھر ہمنے ان کو ان کے پیچھے ڈال دیا۔ (بخاری مسلم)

خلاصۂ حدیث اس حدیث میں غسل میت کا اختصار کیساتھ ذکر ہے، میت کو گرم اور بیری کے پتوں سے جوش دیئے ہوئے پانی سے نہلانا چاہئے، اسطرح ایک سے زائد بار نہلانے سے مقصود یہ ہے کہ میل کچیل ختم ہوجائے اور بدن صاف ستھرا خوش بودار رہے۔

کلمات حدیث کی تشریح نغسل ابنته حدیث کے اس جز سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور ﷺ کی صاحبزادی کو حضرت ام عطیہ اور بعض دیگر عورتوں نے غسل دیا۔

سوال: اس حدیث میں کس صاحبزادی کی میت کو غسل دینے کا تذکرہ ہے؟

جواب: بخاری کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کی صاحبزادی کی صراحت نہیں ہوئی، لیکن مشہور بات یہ ہے کہ حضرت زینب تھیں جو کہ حضرت امامہ کی والدہ محترمہ ہیں ان کے شوہر حضرت ابوالعاص بن ربیع تھے، یہ آپ کی سب سے بڑی صاحبزادی تھیں غلسلها ثلاثا. تین بار نہلانا مستحب ہے، لیکن اگر تین بار میں صفائی نہ ہو پائے تو اس سے زیادہ بار نہلایا جائے۔

سوال: زیادہ سے زیادہ کتنی بار نہلانے کی گنجائش ہے؟

جواب: اکثر لوگ سات مرتبہ تک نہلانے کی گنجائش کے قائل ہیں سات مرتبہ سے زیادہ نہلانے کو پسند نہیں کرتے ہیں کیوں کہ سات مرتبہ سے زیادہ نہلانا درحقیقت اسراف ہے، چنانچہ ام عطیہ سے ایک روایت بھی ہے کہ ثلاثا خمساوالافسبعا جمہور اس کے قائل ہیں کہ سات مرتبہ سے زیادہ مرتبہ نہلانا مکروہ ہے، لیکن ابوداؤد کی ایک روایت سے سات سے زیادہ مرتبہ کی گنجائش نکلتی ہے، ابوداؤد کے روایت کے الفاظ میں اوسبعًا او اکثر من ذالك ان رأیتن یا سات مرتبہ یا اس سے زیادہ اگر مناسب سمجھو ان رایتنّ آپ ﷺ نے نہلانے کا عدد نہلانے والیوں کی رائے پر موقوف رکھا لیکن ایتار کی شرط ملحوظ رکھنے کا اشارہ کردیا تھا، بماء و سدر بیری کے پتوں سے پانی کھولا کر نہلانے سے جسم اچھی طرح صاف ہوجاتا ہے۔

سوال: کیا ہر مرتبہ نہلانے میں بیری کے پتوں سے کھولا ہوا پانی استعمال کیا جائے؟

جواب: جب نبی کریم ﷺ کو غسل دیا گیا تو تین بار دیا گیا اور تینوں دفعہ بیری کے پتوں والا پانی استعمال کیا گیا، لیکن ہر مرتبہ بیری کے پتوں کا استعمال ضروری نہیں ہے، حضرت ام عطیہ سے روایت ہے کہ وہ میت کو دو بار پانی اور بیری کے پتوں سے غسل دیتی تھیں اور تیسری مرتبہ پانی اور کافور سے فالقی الینا حقوہ جب ام عطیہؓ وغیرہ حضرت زینب کو غسل دے چکیں اور حضور ﷺ کو اس کی خبر ہوئی تو آپ ﷺ نے ان عورتوں کی طرف اپنی استعمال شدہ لنگی ڈال دی تاکہ ام عطیہ کفن میں اس کو بھی شامل کرلیں۔

سوال: آپ ﷺ نے کفن میں لنگی کیوں شامل کروائی؟

جواب: آپ ﷺ کا مقصد یہ تھا کہ آپ ﷺ کی لنگی سے آپ ﷺ کی مرحومہ بیٹی کو برکت حاصل ہو۔ وابدا بمیا منها آپ ﷺ نے غسل کی ابتداء دائیں طرف سے اور اعضائے وضوء سے کرنے کی تاکید فرمائی اس ہدایت میں دو باتیں ہیں۔

(ا) غسل داہنی طرف سے شروع کریں، (۲) وضو کی جگہوں سے شروع کریں، ان دونوں پر بیک وقت عمل کی صورت یہ ہے کہ غسل کی ابتداء اعضائے وضو سے اس طور پر کی جائے کہ پہلے میت کا داہنا ہاتھ دھویا جائے پھر اسی ترتیب پر بقیہ اعضاء کے دھلانے سے فارغ ہونے کے بعد داہنا پیر دھوئیں پھر بایاں پیر دھوئیں پھر اسی طرح باقی بدن کا غسل کیا جائے، ایضاح البخاری ص۱۵۲ ج۲ فضفرنا شعرھا حنیفہ کے نزدیک بالوں کے دوحصہ کر کے سینہ پر قمیص کے اوپر ڈال دینا بہتر ہے حضرات حنفیہ بالوں کے کنگھی سے سنوارنے کے قائل نہیں ہیں کیونکہ ان چیزوں کا شمار زینت میں ہوتا ہے اور میت کے لئے زینت کی ممانعت ہے۔ (فتح الملہم ص۴۸۴ ج۲)

حدیث نمبر ۱۵۵۲ ﴿آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کفن کا تذکرہ﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۶۳۰

وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُفِّنَ فِيْ ثَلٰثَةِ اَثْوَابٍ ثَمَانِيَة بِيْضٍ سَحُوْلِيَّةٍ مِّنْ كُرْسُفٍ لَيْسَ فِيْهَا قَمِيْصٌ وَّلَاعِمَامَةٌ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حوالہ: بخاری ص ۱۲۹ ج ۱ باب الثیاب البیض للکفن کتاب الجنائز حدیث ۱۲٦٤ مسلم ص ۳۰۵ ج کتاب الجنائز حدیث ۹٤۱.

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ کو تین کپڑوں میں دفن کیا گیا جو یمن کے مقام سحول کی روئی کے بنے ہوئے سفید تھے اس میں کرتا اور عمامہ نہیں تھا۔

خلاصۂ حدیث اس حدیث سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ کفن کے کپڑوں کی تعداد مرد میت کے لئے تین بہتر ہے اور کفن سفید رنگ کا ہونا چاہئے کفن میں عمامہ اور جس طرح کہ زندہ لوگ آستین دار سلی ہوئی قمیص پہنتے ہیں وہ نہ ہونا چاہئے۔

کلمات حدیث کی تشریح کفن فی ثلثة اثواب کفن کی تعداد اور اس کے اوصاف میں اختلاف ہے یہاں حدیث میں تین کا ذکر ہے وہ تین کون کپڑے تھے اس میں بھی اختلاف ہے اس کی صراحت، صراحت آئندہ سطروں میں بھی قیامت سطروں میں کی جائے گی بیض آپ ﷺ کو سفید کپڑے میں کفنایا گیا اور سفید کپڑوں میں کفنانا افضل بھی ہے ترمذی میں حدیث ہے کہ البسوا من ثيابكم البياض فانها من خير ثيابكم و كفنوا فيها موتاكم سفید کپڑے پہنو اس وجہ سے کہ یہ بہتر ہے اور مردوں کو سفید کپڑوں میں کفنایا کرو۔

سحولية: یہ یمن میں ایک علاقہ کا نام ہے جہاں کپڑے کا کام ہوتا تھا۔ ليس فيها قميص ولا عمامة حضرت عائشہ کی اس حدیث سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ جن کپڑوں میں آپ ﷺ کو کفن دیا گیا ان میں قمیص اور عمامہ نہیں تھا بعض لوگ اس کا مطلب یہ بیان کرتے ہیں کہ جن تین کپڑوں کا ماقبل میں ذکر ہوا ان میں قمیص اور عمامہ داخل نہیں ہے یعنی فی نفسہ تو آپ ﷺ کے کفن میں عمامہ و قمیص تھا اس صورت میں آپ ﷺ کے کفن کے کپڑوں کی تعداد پانچ ہو جاتی ہے۔

﴿کفن کے کپڑوں کی تعداد اور اختلاف ائمہ﴾

جمہور کا مذہب درحقیقت کفن تین قسمیں ہیں۔ (ا) کفن ضرورت جو میسر سے آئے، اس میں کفن دیا جائے چنانچہ حضرت حمزہؓ کو کفن میں ایک کپڑا دیا گیا ترمذی میں حدیث ہے کہ ان رسول اللّٰہ ﷺ کفن حمزة بن عبدالمطلب فی نمرة ثوب واحد، اور حضرت مصعب بن عمیر کے بارے میں آتا ہے کہ ان کو جس کپڑا میں کفن دیا گیا وہ پورے جسم کو ڈھانکنے سے قاصر تھا، چنانچہ آپ ﷺ کے حکم پر پاؤں کے پاس گھاس رکھی گی (نسائی) (۲) کفن جواز مرد کو دو کپڑوں میں اور عورت کو تین کپڑوں میں کفن دینا جائز ہے۔ (۳) کفن سنت مرد کو تین کپڑوں میں اور عورت کو پانچ کپڑوں میں کفن دینا سنت ہے۔

دلیل: مرد کو تین کپڑوں میں کفن دینا سنت ہے اس پر ایک دلیل تو حدیث باب ہے اس کے علاوہ بہت سی احادیث ہیں جن میں سے

ایک یہ بھی ہے، المیت یقمص ویوزر ویلف بالثوب الثالث، فان لم یکن الاثوب واحد کفن فیہ (موطاامام مالک) عورت کو پانچ کپڑوں میں کفن دینا سنت ہے،(۱) قمیص (۲) چادر (۳) دوپٹہ (۴) لفافہ (۵) سینہ بند، دلیل ابوداؤد میں موجود یہ حدیث ہے، عن لیلٰی قالت کنت فیمن غسل ام کلثوم ابنۃ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم عند وفاتھا، فکان اول ما اعطانا رسول اللّٰہ الحقاء ثم الدرع ثم النمار ثم الملفۃ ثم ادرجت بعد فی الثوب الآخر.

امام مالک کا مذہب

امام مالک مرد کے حق میں پانچ اور عورت کے حق میں سات کپڑوں کے استحباب کے قائل ہیں۔

دلیل: امام مالک کی دلیل بھی حدیث باب ہی ہے اور وہ کہتے ہیں کہ تین کپڑے قمیص اور عمامہ کے علاوہ تھے کل پانچ کپڑے تھے۔

جواب: امام مالک نے اپنے مذہب پر جو دلیل دی ہے وہ دلیل نہیں تاویل ہے اور یہ تاویل خلاف ظاہر ہے، بہت سی احادیث میں تین کپڑوں کا ہی صراحت کے ساتھ ذکر ہے اور یہی تعداد مسنون ہے۔(تین کپڑوں کی تعیین میں اختلاف ائمہ) جمہور کے نزدیک تین کپڑوں کا عدد متعین ہے لیکن وہ تین کپڑے کون سے ہوں اس میں اختلاف ہے۔

امام ابوحنیفہ کا مذہب

حنیفہ کے نزدیک جن تین کپڑوں میں کفن دینا مسنون ہے، وہ یہ ہیں۔(۱) لفافہ (۲) ازار (۳) قمیص۔

دلیل: "کفن رسول اللّٰہ صلی ا للّٰہ علیہ وسلم فی ثلاثۃ اثواب بخدانیۃ الحلۃ ثوبان وقمیصہ الذی مات فیہ ابوداؤد. (۲) کفن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فی ثلاثۃ اثواب قمیص وازار ولفافۃ.

شوافع کا مذہب

شوافع کے نزدیک تین چادریں مسنون کفن ہے ان کے نزدیک قمیص وغیرہ مسنون نہیں ہے۔

دلیل: ان کی دلیل حدیث باب ہے جس میں صاف صراحت ہے کہ آپ ﷺ کے کفن میں قمیص شامل نہیں تھی۔

جواب: حدیث باب میں اس قمیص کی نفی ہے جو سلی ہوئی ہے یعنی جس طرح کی قمیص زندہ لوگ زیب تن کرتے ہیں اس طرح کی قمیص سل کر مستقل طور پر آپ ﷺ کو نہیں پہنائی گی۔ پھر حضرت عائشہ صدیقہ صحابیہ ہیں اور امام ابوحنیفہ نے جن حدیث سے استدلال کیا ہے ان کی صحابہ میں سے حضرت عبداللہ ابن عباس اور حضرت جابر وغیرہ نے بیان کیا ہے اور ظاہر بات ہے کہ کفن کا حال مردوں کو عورتوں کے مقابلہ میں زیادہ بہتر معلوم ہوگا۔

سلی قمیص کا کفن دینا

گذشتہ سطور سے یہ بات معلوم ہوئی کہ زندہ لوگ جس طرح قمیص پہنتے ہیں اس طرح کی قمیص سے مردوں کا کفن بنایا جائے گا حالانکہ بہت مشہور واقعہ ہے کہ آپ ﷺ نے عبداللہ ابن سلوک کفن کے لئے آپ نے اپنی سلی ہوئی استعمالی قمیص دی تھی، حضرت گنگوہی نے اس اشکال کا جواب دیا ہے کہ اگر قمیص پہلے سے تیار موجود ہو اور برکت وغیرہ کے لئے میت کو اس کو پہنایا جائے تو کوئی قباحت نہیں ہے، سلائی ادھیڑ کر آستین وغیرہ ختم کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ (الکوکب الدری)

قمیص کے بارے مسلک حنفیہ کی مزید وضاحت

قمیص کے حوالہ سے مسلک حنفیہ کی وضاحت کرتے ہوئے مفتی تقی عثمانی دامت برکاتہم فرماتے ہیں کہ حنفیہ کا اصل مسلک تو یہی ہے کہ میت کی قمیص میں نہ کلیاں ہو اور نہ آستین ہوں البتہ روایات کے مجموعہ سے راجح معلوم ہوتا ہے کہ اصاء کی قمیص بھی جائز ہے حضرت ابوبکر صدیقؓ کی روایت کو اس پر محمول کیا جائے گا، حضرت ابوبکر کی جب وفات کا وقت قریب آیا تو انھوں نے فرمایا کہ "انظروا ثوبی ھذین فاغسلوھما ثم کفنونی فیھا فان الحی احوج الی الجدید منھما" اور جہاں تک نبی کریم ﷺ کے کفنانے کا تعلق ہے تو اس میں بھی راجح یہی نظر آتا ہے کہ جس قمیص میں آپ ﷺ کی وفات ہوئی اس کفن میں شامل کرکے برقرار رکھا گیا ہے، اس بات کو لینے کی صورت میں حضرت عائشہ کی حدیث باب کا جو جواب دیا گیا ہے اس پر اشکال ہوگا لہٰذا اس کے بارے میں درس ترمذی کے محشی لکھتے ہیں کہ اس

صورت میں حضرت عائشہ کی روایات کا یہ جواب دیا جاسکتا ہے کہ نبی کریم ﷺ کے کفن میں قمیص کا انکار حضرت عائشہ کے اپنے علم کے مطابق ہے، لیکن چونکہ تکفین وتدفین کے موقع پر وہ موجود نہ تھیں اس لیے حضرت ابن عباس کی روایت راجح ہے جس میں قمیص کا ذکر ہے۔

حدیث نمبر ۱۵۵۳ ﴿کفن عمدہ ہونے کا تذکرہ﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۶۳۶

وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا كَفَّنَ اَحَدُكُمْ اَخَاهُ فَلْيُحْسِنْ كَفَنَهُ رَوَاهُ مُسْلِمٌ .

حواله: مسلم ۱/۳۰۶ باب فی تحسين كفن الميت كتاب الجنائز ،حديث ۹۴۳۔

ترجمه: حضرت جابر سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ تم میں سے جب کوئی اپنے بھائی کو کفن دے تو اس کو چاہیے کہ اچھا کفن دے۔(مسلم)

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ مردہ کا کفن صاف ستھرا پاکیزہ اور مقدار مسنون میں ہونا چاہئے بہت زیادہ قیمتی اور نیا ہونا ضروری نہیں ہے بلکہ بہت زیادہ قیمتی کفن دینا ممنوع ہے اس لیے کہ اس میں مال کا ضیاع ہے اور یہ فضول خرچی میں داخل ہے۔

کلمات حدیث تشریح فليحسن كفنه علامہ نووی فرماتے ہیں کہ اس سے صاف ستھرا مکمل مراد ہے اور جیسا کہ وہ اپنے زندگی میں متوسط درجہ کا لباس پہنتا تھا اس معیار کا ہو، نہ اتنا اعلیٰ کپڑا ہو کہ جس پر فخر کیا جائے اور نہ اتنے کم درجہ کا ہو کہ اس کی تحقیر کی جائے۔

حدیث نمبر ۱۵۵٤ ﴿محرم کے کفن تذکرہ﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۶۳۷

وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ قَالَ اِنَّ رَجُلًا كَانَ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَوَقَصَتْهُ نَاقَتُهُ وَهُوَ مُحْرِمٌ فَمَاتَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اغْسِلُوْهُ بِمَآءٍ وَّ سِدْرٍ وَّ كَفِّنُوْهُ فِيْ ثَوْبَيْهِ وَلَا تَمَسُّوْهُ بِطِيْبٍ وَّ لَا تُخَمِّرُوْا رَأْسَهُ ، فَإِنَّهُ يُبْعَثُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مُلَبِّيًا مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَسَنَذْكُرُ حَدِيْثَ خَبَّابٍ قُتِلَ مُصْعَبُ بْنُ عُمَيْرٍ فِيْ بَابِ جَامِعِ الْمَنَاقِبِ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰى .

حواله: بخاری ۱/۱۶۹ باب كيف يكفن المحرم كتاب الجنائز حديث ۱۲۶۷ مسلم ۱/۳۸۴ باب مايفعل بالمحرم اذا مات كتاب الحج حديث ۱۲۰۶ .

ترجمه: حضرت عبداللہ ابن عباس سے روایت ہے کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے اچانک وہ اپنی سواری سے گر پڑے، اونٹنی نے ان کی گردن توڑ دی وہ شخص حالت احرام میں تھے اور ان کا انتقال ہو گیا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ان کو پانی اور بیری کے پتوں سے غسل دو، اور ان کو ان کے پہنے ہوئے دونوں کپڑوں میں کفن دیدو، ان کے خوشبو مت لگاؤ اور نہ ان کے سر کو ڈھانکو بیشک قیامت کے دن یہ شخص تلبیہ پڑھتے ہوئے اٹھایا جائے گا (بخاری ومسلم) اور حضرت خباب کی وہ حدیث جس میں مصعب بن عمیر کے قتل کئے جانے کا ذکر ہے جامع المناقب کے باب میں نقل کریں گے۔

خلاصۂ حدیث اس حدیث سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ میت کو تین کفن دینا ضروری نہیں ہے بوقت ضرورت دو کفن پر اکتفا جائز ہے۔ اس حدیث سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ میت کے لئے خوشبو کا استعمال معروف بات تھی اس بنا پر ان خاص شخص کے بارے میں آپ ﷺ نے صراحت کے ساتھ خوشبو لگانے کو منع فرمایا۔

کلمات حدیث کی تشریح فوقصته: ایک شخص حج کا احرام باندھ کر وقوف عرفہ کیے ہوئے تھے، اچانک وہ سواری سے گر پڑے بخاری شریف میں ہے کہ اذ وقع عن راحلته اپنی سواری سے گر پڑے اور ان کی گردن اس حادثہ

سے ٹوٹ گئی اور وہ اس دنیا سے رخصت ہو گئے ان کے کفن اور غسل کا مسئلہ درپیش تھا غسل تو تمام لوگوں کی طرح آپ ﷺ نے دینے کے لئے کہا البتہ کفن کے حوالے سے آپ ﷺ نے یہ حکم دیا کہ ان کے پیچھے دو کپڑوں میں ازار اور چادر ہی میں ان کو کفن دیدو۔

آپ ﷺ کا یہ فرمان خاص اس شخص کے بارے میں تھا یا جو بھی شخص حالت احرام میں انتقال کر جائے سب کیلئے عام تھا اس بات کو لے کر فقہا کی رائے مختلف ہے اس کی وضاحت آئندہ سطروں میں کی جائے گی۔ **فانه يبعث يوم القيامة ملبيا** یہ شخص تلبیہ پڑھتے ہوئے میدان محشر میں آئے گا تاکہ سب لوگ جان لیں کہ ان کا انتقال حالت احرام میں ایک اہم عبادت کی ادائیگی کے دوران ہوا تھا۔

﴿محرم کے کفن میں اختلاف ائمہ﴾

شوافع کا مذہب حالت احرام میں جو شخص مر جائے تو اس کا کفن اس کا احرام ہی ہوگا لہٰذا اس کو احرام کے دو کپڑوں ہی میں دفن کیا جائے گا۔

دلیل: حدیث باب ہے جس میں صاف صراحت ہے کہ **و كفنوه فى ثوبيه** اس کے احرام کے کپڑوں میں اس کو کفن دو۔

حنفیہ کا مذہب محرم میت کا حکم دوسرے حلال مردوں کی طرح ہے لہٰذا عام حالت میں اس کا کفن عام مردوں کی طرح ہی ہوگا۔

دلیل: عن عائشة اصنعوا به ماتصنعون بموتاكم (موطامالك) عن ابن عباس عن رسول الله صلى الله عليه وسلم فى المحرم يموت قال جمروه (دارقطنى)

شوافع کی دلیل کا جواب حدیث باب اس شخص کے ساتھ خاص ہے جن کا اس میں تذکرہ ہے اور اس پر چند قرائن بھی ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا **اغسلوا بماء وسدر**، حالانکہ یہ محرم کے لئے منع ہے۔(۲) **فانه يبعث يوم القيامة ملبيا** یہ قبولیت حج کی طرف اشارہ ہے یہ بھی خصوصیت کا ایک قرینہ ہے اور حدیث باب کا یہ بھی جواب دیا گیا ہے کہ یہ کفن جواز پر محمول ہے کیوں کہ ان محرم کے پاس صرف دو کپڑے ہی موجود تھے۔

محرم میت کے لئے خوشبو لگائی جائے گی اس حدیث میں محرم میت کے خوشبو لگانے کی بھی ممانعت ہے اور یہی شوافع وغیرہ کا مذہب ہے لیکن احناف کے نزدیک محرم میت عام میت کے حکم میں ہے، سابقہ دلائل کی بناء پر۔ لہٰذا اس کے خوشبو بھی لگائی جائے گی آپ ﷺ کا فرمان ہے کہ **إذا مات الإنسان انقطع عمله إلامن ثلاث الخ** اس حدیث کی رو سے بھی محرم اور غیر محرم سب برابر ہیں لہٰذا محرم کو عام مردوں کی طرح کفن بھی دیا جائے گا اور خوشبو بھی لگائی جائے گی۔

الفصل الثانی

حدیث نمبر ۱۵۵۵ ﴿سفید کفن پہنانے کی تاکید﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۶۳۸

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلْبَسُوْا مِنْ ثِيَابِكُمُ الْبَيَاضَ فَإِنَّهَا مِنْ خَيْرِ ثِيَابِكُمْ، وَكَفِّنُوْا فِيْهَا مَوْتَاكُمْ وَمِنْ خَيْرِ اَكْحَالِكُمُ الْاِثْمِدُ فَإِنَّهُ يُنْبِتُ الشَّعْرَ وَيَجْلُوْا الْبَصَرَ رَوَاهُ اَبُوْدَاؤُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَرَوَى ابْنُ مَاجَةَ اِلَى مَوْتَاكُمْ.

حوالہ: ابوداؤد ۲/۵۶۲ باب فى البياض كتاب اللباس حديث ۴۰۶۱ ترمذى: ۱/۱۹۳ باب مايستحب من الاكفان كتاب الجنائز حديث ۹۹۴ ابن ماجه ص ۲۰۰ باب البياض من الثياب كتاب اللباس حديث ۳۰۶۶۔

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم لوگ سفید لباس پہنا کرو اس وجہ سے کہ وہی تمہارے کپڑوں میں سب سے بہتر ہیں اور اپنے مردوں کو بھی سفید کپڑوں میں کفناؤ، اور تمہارے سرموں میں سب سے بہترین سرمہ اثمد ہے اس وجہ سے کہ وہ بالوں کو اگاتا ہے اور نگاہ کو روشن کرتا ہے (ابوداؤد و ترمذی) ابن ماجہ نے یہ روایت الی موتاکم تک نقل کی ہے۔

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ مردوں کو زندگی میں بھی عموماً سفید کپڑا استعمال کرنا چاہئے اور کفن بھی اسی رنگ کا ہونا چاہئے یہ امر مستحب ہے ورنہ جائز تو وہ تمام کپڑے کفن کے استعمال کے ہیں جن کو زندگی میں استعمال کرنا جائز ہے سرمہ کا استعمال سنت ہے اس سے بہت سے فوائد وابستہ ہیں سرموں میں اثمد سرمہ زیادہ نفع بخش ہے اس لئے اس کا استعمال زیادہ بہتر ہے۔

کلماتِ حدیث کی تشریح البسوا سفید رنگ سب سے بہتر ہے اس لئے آپ ﷺ نے اس کی تلقین فرمائی۔

آپ ﷺ نے رنگین کپڑا کیوں پہنا آپ ﷺ نے تاکید سفید کپڑے پہنے کی فرمائی ہے لیکن خود بسا اوقات مختلف رنگوں کے کپڑے زیب تن کیے ہیں اس کی دو وجہیں ہوسکتی ہیں: اول، بیان جواز، دوم سفید کپڑا میسر نہ ہونا، جہاں تک مردوں کو کفن میں سفید کپڑا دینے کا حکم ہے وہ امر مستحب ہے ورنہ مردوں اور عورتوں کے لئے وہ تمام کپڑے کفن میں استعمال کرنا درست ہے جن کو وہ زندگی میں استعمال کرتے ہیں، ومن خیرا کحالکم الا ثمد اثمد ایک خاص پتھر ہے جس سے سرمہ استعمال کیا جاتا ہے آپ ﷺ نے سرمہ لگانے پر مواظبت فرمائی ہے لہٰذا سرمہ کا استعمال سنت ہے اور رات میں سرمہ کا استعمال زیادہ نفع بخش اور موثر ہے (مرقات ص ۳۶/۴)

حدیث نمبر ۱۵۵۶ ☆☆ عالمی حدیث نمبر ۱۶۳۹

﴿کفن کے لئے بہت قیمتی کپڑا استعمال کرنے کی ممانعت﴾

وَعَنْ عَلِیٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَا تُغَالُوْا فِی الْکَفَنِ فَاِنَّهٗ یُسْلَبُ سَلْبًا سَرِیْعًا رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ.

حوالہ: ابوداؤد ص ۴۴۹ ج ۲ باب کراهية المغالاة فی الکفن کتاب الجنائز حدیث ۳۱۰۶۔

ترجمہ: حضرت علی سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ کفن میں غلومت کرو اسلئے کہ وہ بہت جلد چھین لیا جاتا ہے (ابوداؤد)

خلاصۂ حدیث کفن عمدہ اور اچھا تو ہونا چاہے صاف ستھرا اور پاکیزہ ہونا چاہئے لیکن بہت زیادہ قیمتی نہ ہونا چاہے کیوں کہ اسراف شریعت کی نگاہ میں غیر پسندیدہ عمل ہے اور بیش قیمت کفن اسراف میں داخل ہے۔

کلماتِ حدیث کی تشریح لا تغالوا، مطلب یہ ہے کہ مردہ کو کفن دینے میں مبالغہ سے کام نہ لو اور حد نہ پار کرو اتنا قیمتی کپڑا نہ دو کہ فخر وغرور اور ریا ونمود کا ذریعہ بنے البتہ بخل سے بھی کام نہ لینا چاہیے متوسط درجہ کا کفن دینا چاہئے۔ ایک موقع پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ إذا کفن أحدکم اخاه فلیحسن کفنه اس حدیث سے معلوم ہوا کہ میت کو عمدہ کفن دینا چاہئے اس حدیث فإنه یسلب سلبا سریعا، مطلب یہ ہے کہ میت کو چاہے جتنا قیمتی کپڑا دو بالآخر اس کو بہت جلد خراب ہونا ہے کیونکہ مٹی کفن کو بھی کھا جاتی ہے لہذا قیمتی کپڑا دینا سوائے مال کے ضیاع کے کچھ نہیں ہے۔

حدیث نمبر ۱۵۵۷ ﴿میت کے قیامت کے دن اٹھنے کا تذکرہ﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۶۴۰

وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِنِ الْخُدْرِیِّ اَنَّهٗ لَمَّا حَضَرَهُ الْمَوْتُ دَعَا بِثِیَابٍ جُدُدٍ فَلَبِسَهَا، ثُمَّ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ الْمَیِّتُ یُبْعَثُ فِیْ ثِیَابِهِ الَّتِیْ یَمُوْتُ فِیْهَا رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ.

حوالہ: ابوداؤد ص ۴۴۴ ج ۲ باب مایستحب من تطهر ثیاب المیت کتاب الجنائز حدیث ۳۱۱۴۔

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری سے روایت ہے کہ جب ان کی موت کا وقت قریب آیا تو انھوں نے نیا لباس منگوایا اور اس کو پہنا پھر بولے میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ مردہ کو انہی کپڑوں میں اٹھایا جائے گا جن میں وہ مرتا ہے۔ (ابوداؤد)

خلاصۂ حدیث اس حدیث میں یہ بات بتائی گئی ہے کہ کفن عمدہ اور بہتر ہونا چاہئے بہت سے صحابہ کے واقعات ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرام نے عمدہ اور برتر کفن دیے جانے کی تاکید بہت اہتمام سے کی ہے۔ تذکرۃ الحفاظ میں ہے کہ سعد بن وقاصؓ کی وفات کا وقت جب قریب ہوا تو انھوں نے اپنا پرانا جبہ منگوایا اور کہا کہ مجھے اسمیں کفنانا اسلئے کہ جنگ بدر میں میں نے اسکو پہنا تھا اور میں نے اسکو اسیوقت کیلئے چھپا رکھا تھا آپ ﷺ نے بیٹی کے کفن میں اپنا ازار برکت کی غرض سے شامل کیا تھا

کلماتِ حدیث کی تشریح المیت یبعث فی ثیابه التی یموت فیها میت کو قبر سے اس کے ان ہی کپڑوں میں اٹھایا جائے گا جن میں وہ مرتا ہے۔

اشکال: بہت عام حدیث ہے جس میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ یحشر الناس حفاۃ عراۃ یعنی لوگوں کا حشر اس حال میں ہوگا کہ وہ ننگے پیر ننگے جسم ہوں گے اور بھی حدیث میں جن سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ انسان جس طرح پیدائش کے وقت بغیر لباس کے تھا اسی طرح اسکا حشر بھی ہوگا، حدیث باب کے اندر اس بات کا ذکر ہے کہ میت کو لباس میں اٹھایا جائے گا دونوں حدیث میں بظاہر تعارض ہے۔

جواب: اول حدیث باب میں بعث کا ذکر ہے اور دیگر احادیث میں حشر کا ذکر ہے اور یہ دونوں الگ الگ امور ہیں بعث کا مطلب ہے قبر سے اٹھنا اور حشر کا مطلب ہے میدان حشر میں جمع ہونا اور دونوں میں وقت کے اعتبار سے کافی فاصلہ ہوگا۔ دوم: حدیث میں ثیاب سے مراد اعمال ہیں کہ آدمی اپنے اعمال کو لے کر قبر سے اٹھتا ہے وہ جیسے بھی ہوں لیکن ان صحابی نے اس حدیث میں ثیاب کو ظاہری معنی پر محمول کیا ہے اس طرح قرآن مجید میں وثیابك فطهر سے مراد اعمال ہیں۔ الدار المنثور ص ۲۱۶ ج ۵۔

حدیث نمبر ۱۵۵۸ ﴿عمدہ کفن کا ذکر﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۶۴۱/۱۶۴۲

وَعَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ خَيرُالْكَفَنِ الْحُلَّةُ وَخَيرُ الْاُضْحِيَةِ الْكَبْشُ الْاَقْرَنُ رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ عَنْ اَبِيْ اُمَامَةَ.

حوالہ: ابوداؤد ص ۴۵۰ ج ۲ باب کراهية المغالاة فی الکفن کتاب الجنائز حدیث ۳۱۰۶ ترمذی ص ۲۷۸ ج ۱ باب کتاب الاضاحی حدیث ۱۰۱۷ ابن ماجه ص، باب مایستحب من الکفن کتاب الجنائز حدیث ۱۴۷۳۔

ترجمہ: حضرت عبادہ بن صامت نے رسول اللہ ﷺ سے روایت کیا کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ بہترین کفن حلہ ہے اور بہترین قربانی سینگوں والا دنبہ ہے، ابوداؤد، ترمذی اور ابن ماجہ نے اس روایت کو حضرت ابوامامہ سے نقل کیا ہے۔

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ بطور کفایت کے حلہ بہترین کفن ہے کیونکہ اس میں دو کپڑے ہوتے ہیں ازار اور رداء، لہٰذا یہ ایک کپڑے میں کفن دینے سے بہتر ہے البتہ مسنون تین کپڑوں میں میت کو کفنانا ہے جبکہ میت مرد ہو اس حدیث میں آپ ﷺ نے سینگوں والے دنبہ کو قربانی کے لئے بہتر قرار دیا ہے۔

کلماتِ حدیث کی تشریح حلة کے معنی جوڑے کے ہیں اس میں لنگی اور چادر شامل ہیں، حدیث کا مطلب یا تو یہ ہے کہ قمیص کے ساتھ بہترین کفن حلہ ہے یعنی تین کپڑے مراد ہیں تب تو یہ مرد میت کا کفن مسنون ہوگا یا پھر یہ مطلب ہے کہ صرف حلہ یعنی لنگی و چادر مرد کے لئے کافی ہو سکتے ہیں ایک کپڑا پر اکتفا کرنا بغیر مجبوری کے ٹھیک نہیں ہے، وخیر الأضحیة الکبش الاقرن سینگوں والے دنبہ کو آپ ﷺ نے بہترین قربانی اس لئے قرار دیا ہے کہ یہ عام طور پر زیادہ فربہ اور خوبصورت ہوتا ہے اس کی قیمت بھی زیادہ ہوتی ہے امام ترمذی کہتے ہیں کہ یہ حدیث ضعیف ہے اس وجہ سے کہ اس کی سند میں عفیر راوی ہیں آپ ﷺ نے عرب کے طبائع کی بنا پر مینڈھے کو پسندیدہ قربانی فرمایا ہے ہمارے ملک میں بکرا زیادہ پسندیدہ ہے۔

حدیث نمبر ۱۵۵۹ ﴿شہید کے کفن کا تذکرہ﴾ عالمی حدیث نمبر ۱٦٤٣

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ اَمَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِقَتْلٰى اُحُدٍ اَنْ تُنْزَعَ عَنْهُمُ الْحَدِيْدُ وَالْجُلُوْدُ وَاَنْ يُّدْفَنُوْا بِدِمَآئِهِمْ وَثِيَابِهِمْ رَوَاهُ اَبُوْدَاؤُدَ وَابْنُ مَاجَةَ.

حوالہ: ابوداؤد ۲/۴۴۷ باب فی الشهید یغسل کتاب الجنائز حدیث ۳۱۳۴ ابن ماجه ۱۰۹ باب ماجاء فی الصلوة علی الشهداء کتاب الجنائز حدیث ۱۵۵۱۔

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے غزوہ احد کے شہداء کے بارے میں فرمایا کہ ان سے لوہے اور چمڑے الگ کر لیے جائیں اور ان کو ان کے خون اور ان کے کپڑوں کے ساتھ دفن کر دیا جائے۔

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ شہید کو نہ غسل دیا جائیگا اور نہ ہی انکو الگ سے کفن پہنایا جائیگا جو لباس وہ زیب تن کرتے ہوں اسی لباس میں انکے خون کو صاف کئے بغیر ہی دفن کر دیا جائیگا اور بروز حشر اسی عالم میں یہ لوگ اٹھیں گے۔

کلمات حدیث کی تشریح ینزع عنهم الحدید والجلود آپ ﷺ نے شہداء کے جسم سے ہتھیار اور پوستین اتارنے کا حکم دیا مقصود یہ ہے کہ جو زائد کپڑے ہیں وہ اتار دیے جائیں اور بقیہ کپڑے میں شہید کو دفن کر دیا جائے۔
امام مالکؒ کے نزدیک ہتھیار تو اتار دیے جائیں گے لیکن زائد کپڑے مثلاً پوستین وغیرہ نہیں اتارے جائیں گے۔

﴿شہداء کی نماز جنازہ اور اختلاف ائمہ﴾

شہید کو غسل نہ دیے جانے کے حوالہ سے ائمہ اربعہ متفق ہیں بشرطیکہ شہادت حالت جنابت میں واقع نہ ہوئی ہو لیکن شہید کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی کہ نہیں اس مسئلہ میں ائمہ اربعہ کے درمیان اختلاف ہے۔

امام ابوحنیفہ کا مذہب امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک شہید کی جنازہ کی نماز پڑھی جائے گی۔
دلیل: اتی بقتلی احد رسول الله صلی الله علیه وسلم یوم احد فجعل یصلی علی عشرة عشرة وحمزة هو کما هو یرفعون وهو کماهو موضوع (ابن ماجه) الثانی: صلی النبی صلی الله علیه وسلم علی قتلی احد (ابوداؤد)

ائمہ ثلاثہ کا مذہب ائمہ ثلاثہ کے نزدیک شہید کی جنازہ کی نماز نہیں پڑھی جائے گی۔
دلیل: امر (رسول الله صلی الله علیه وسلم) بدفنهم فی دمائهم ولم یغسلوا ولم یصل علیهم (بخاری ۱/۱۷۹) آپ ﷺ نے شہداء احد کو خون سمیت دفنانے کا حکم دیا اور نہ انہیں غسل دیا گیا اور نہ ان پر نماز جنازہ پڑھی گئی
جواب: اس حدیث کا جواب یہ ہے کہ آپ ﷺ نے حضرت حمزہ کے سوا کسی پر مستقلاً تنہا نماز نہیں پڑھی بلکہ متعدد صحابہ کے ساتھ پڑھی اور جواب یہ بھی دیا گیا ہے کہ آپ ﷺ زخمی تھے اس لئے اس وقت آپ ﷺ نے نماز نہیں پڑھی۔

الفصل الثالث

حدیث نمبر ۱۵٦۰ ﴿حضرت حمزہ کے کفن کا تذکرہ﴾ عالمی حدیث ۱٦٤٤

عَنْ سَعْدِبْنِ اِبْرٰهِيْمَ عَنْ اَبِيْهِ اَنَّ عَبْدَالرَّحْمٰنِ بْنَ عَوْفٍ اُتِيَ بِطَعَامٍ وَّ كَانَ صَآئِمًا فَقَالَ: قُتِلَ مُصْعَبُ بْنُ عُمَيْرٍ وَهُوَ خَيْرٌ مِّنِّيْ كُفِّنَ فِيْ بُرْدَةٍ اِنْ غُطِّيَ رَاْسُهٗ بَدَتْ رِجْلَاهُ وَاِنْ غُطِّيَ رِجْلَاهُ بَدَا رَاْسُهٗ ، وَاُرَاهُ قَالَ وَقُتِلَ حَمْزَةُ وَهُوَ خَيْرٌ مِّنِّيْ ثُمَّ بُسِطَ لَنَا مِنَ الدُّنْيَا مَابُسِطَ ، اَوْ قَالَ: اُعْطِيْنَا مِنَ الدُّنْيَامَا اُعْطِيْنَا وَلَقَدْ خَشِيْنَا اَنْ تَكُوْنَ حَسَنَاتُنَا عُجِّلَتْ لَنَا، ثُمَّ جَعَلَ يَبْكِيْ حَتّٰى تَرَكَ الطَّعَامَ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ.

حوالہ: بخاری ۱/۵۷۹ باب غزوۃ احد کتاب المغازی حدیث ۴۰۴۵۔

ترجمہ: حضرت سعد بن ابراہیم سے روایت ہے کہ وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کے سامنے جبکہ وہ روزے سے تھے کھانا لایا گیا تو انھوں نے کہا کہ حضرت مصعب بن عمیر جب شہید کیے گئے جو کہ مجھ سے بہتر تھے تو صرف ایک چادر میں ان کو کفنایا گیا اگر انکا سر ڈھانپا جاتا تو ان کے پیر کھل جاتے اور اگر ان کے پیر ڈھانپے جاتے تو ان کا سر کھل جاتا۔ راوی کہتے ہیں کہ میں گمان کرتا ہوں کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے یہ بھی کہا کہ حضرت حمزہ جو مجھ سے بہتر تھے (ان کے ساتھ بھی حضرت مصعب جیسا ہی معاملہ ہوا) پھر دنیا ہمارے اوپر خوب پھیلا دی گئی یا آپ نے یوں کہا کہ پھر ہمیں دنیا خوب عطا کی گئی چنانچہ ہمیں ڈر لگتا ہے کہ کہیں ہماری نیکیوں کا بدلہ ہمیں جلدی تو نہیں دے دیا گیا، پھر رونے لگے یہاں تک کہ انھوں نے کھانا چھوڑ دیا (بخاری)

خلاصۂ حدیث اس حدیث سے ایک بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ ضرورت کے وقت جو بھی کفن میسر ہو وہ کافی ہو جاتا ہے نیز صحابہ کا تذکرہ کرنا اچھا عمل ہے صحابۂ کرام کو ابتدائی دور میں نہایت صبر آزما اور حوصلہ شکن حالات کا سامنا تھا زندگی تو مشقتوں سے بھری تھی ہی لیکن دنیا سے رخصت ہونے پر بھی بعضوں کو پورا کفن تک میسر نہیں تھا لیکن کچھ عرصہ کے بعد حالات بدل گئے اور فتوحات کا زمانہ آگیا تو صحابہ مال و دولت کے انبار کے باوجود خوف خدا سے ڈرا کرتے تھے کہ کہیں یہ فراوانی ہماری کاوشوں اور محنتوں کے صلہ کے طور پر دنیا ہی میں تو نہیں مل گئی۔

کلمات حدیث کی تشریح مصعب بن عمیر حضرت مصعب بن عمیر جلیل القدر صحابہ میں سے ہیں ان کا شمار السابقین میں ہوتا ہے نہایت حسین و جمیل اور انتہائی مالدار تھے زندگی بہت ناز و نعمت میں رہ کر گزاری تھی، لیکن مسلمان ہونے کے بعد انتہائی مشقت کی زندگی گزاری آپ کی دونوں زندگی حضور ﷺ کے سامنے تھیں، اس لئے ایک موقع پر حضرت مصعب کی تکلیف کو دیکھ کر خود نبی اکریم ﷺ رو پڑے تھے، حضرت مصعب نبی کریم ﷺ سے کافی مشابہت رکھتے تھے یہی وجہ ہے کہ غزوہ احد میں ابن قیمہ نے جب ان کو شہید کیا تو وہ سمجھا کہ حضور ﷺ کو شہید کر دیا ہے اس کے پیش نظر وہ چیخا تھا کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو قتل کر دیا ہے اور اس خبر سے مسلمان حیران و پریشان ہو گئے تھے حضرت مصعب کو جو کفن ملا تھا وہ بھی ادھورا تھا ھو خیر منی حضرت عبدالرحمٰن کا یہ فرمانا تواضع کے طور پر تھا کیوں کہ حضرت عبدالرحمٰن تو عشرہ مبشرہ میں سے تھے وقتل حمزۃ حضرت حمزہ کی شہادت بھی مظلومانہ ہوئی ہے اور ان کو بھی ناتمام کفن میسر آیا تھا۔

حدیث نمبر ۱۵۶۱ ﴿سلی ہوئی قمیص کو کفن بنانے کا تذکرہ﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۶۴۵

وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ اَتَى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَبْدَاللّٰهِ بْنَ اُبَيٍّ بَعْدَ مَا اُدْخِلَ حُفْرَتَهٗ ، فَاَمَرَبِهٖ فَاُخْرِجَ فَوَضَعَهٗ عَلٰى رُكْبَتَيْهِ فَنَفَثَ فِيْهِ مِنْ رِّيْقِهٖ وَاَلْبَسَهٗ قَمِيْصَهٗ ، قَالَ وَكَانَ كَسَا عَبَّاسًا قَمِيْصًا مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ .

حوالہ: بخاری، ۲/۸۶۲ ، باب لبس القمیص ، کتاب اللباس ، حدیث ۵۷۹۵ مسلم، ۲/۳۶۸ کتاب صفات المنافقین ، حدیث ۲۷۷۳۔

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ عبداللہ بن ابی (منافق) کے دفن کے وقت قبرستان آئے، تو اس کو قبر میں رکھا جا چکا تھا، آپ ﷺ نے اس کو قبر سے نکلوایا، جب اس کو نکالا گیا، تو آپ ﷺ نے اس کا سر اپنے گھٹنے پر رکھا، اور اس کے منہ میں لعاب دہن لگایا، اور اس کو اپنی قمیص پہنائی، اور فرمایا کہ اس نے حضرت عباس کو قمیص پہنائی تھی۔ (بخاری و مسلم)

خلاصۂ حدیث عبداللہ بن ابی ابن سلول رئیس المنافقین تھا، لیکن آپ ﷺ نے اس کے مرنے پر اس کے ساتھ بہت خیر خواہی فرمائی اس کی جنازہ کی نماز پڑھائی، اس کو اپنا قمیص عطا کیا، یہ سب آپ ﷺ نے دو وجہوں سے کیا۔ (۱) اس منافق

کے بیٹے جن کا نام بھی عبداللہ تھا، نہایت مخلص مسلمان تھے، انہوں نے آپ ﷺ سے التجا کی تھی باپ کے جنازہ میں شرکت فرمائیں۔ (۲) غزوہ بدر میں حضرت عباسؓ قید ہو کر آئے تو ان کا جسم ننگا تھا، دراز قد ہونے کی بنا پر کسی کا کرتا ان کے فٹ نہیں تھا، تو اسی منافق نے اپنا کرتا دیا تھا، اس احسان کی ادائیگی کے لیے آپ ﷺ نے اس کو اپنی قمیص عطا کی۔

کلمات حدیث کی تشریح والبسه قميصه: معلوم ہوا کہ سلی ہوئی قمیص کو کفن بنانا جائز ہے، اسی طرح حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بوقتِ ضرورت نعش قبر سے نکالی جاسکتی ہے، اس منافق کی نماز کے بعد ہی اللہ تعالیٰ نے کافروں اور منافقوں کی نماز جنازہ پڑھنے سے منع فرمادیا۔

بَابُ المشى بالجنازه والصلاة عليها

﴿جنازہ کے ساتھ چلنے اور نماز جنازہ کا تذکرہ﴾

اس باب کے تحت صاحب مشکوٰۃ نے چوالیس/۴۴ احادیث جمع فرمائی ہیں، ان احادیث میں نماز جنازہ پڑھنے کی تاکید اور جنازہ کیساتھ جانے کی ہدایت ہے، اور ان اعمال کے ثواب کا ذکر ہے، نماز جنازہ میں پڑھی جانے والی دعاء اور جنازہ کی تکبیرات وغیرہ کا بھی تذکرہ ہے۔

جنازہ کے ساتھ جانے کی حکمت جنازہ کے ساتھ جانا بہت ہی ثواب کا باعث ہے اور اس کی آپ ﷺ نے بہت تاکید فرمائی ہے، اس کی محدثین نے بہت سی حکمتیں نقل کی ہیں، اُن میں سے چند یہ ہیں، (۱) میت کی تکریم مقصود ہے، یعنی جس طرح معزز مہمان کو رخصت کرنے کے لیے تھوڑی دور تک ساتھ جایا جاتا ہے میت کے ساتھ جانے میں بھی اس کی تکریم ہے۔ (۲) میت کے اولیاء (پسماندگان) کی دلجوئی مقصود ہے، یعنی جنازہ کے ساتھ جانے سے ورثاء کے ساتھ درد اور غم میں شرکت کا اظہار ہوتا ہے، (۳) میت کو دفن کرنے میں ورثاء کی اعانت و نصرت مقصود ہے۔ (رحمۃ اللہ الواسعۃ)

جنازہ کے ساتھ چلنے کا طریقہ جنازہ کے ساتھ چلنے کے سلسلہ میں درجہ ذیل امور کا خیال رکھا جائے۔ (۱) جنازہ کے پیچھے چلا جائے جنازہ کے آگے نہ چلا جائے، اسلئے کہ جنازہ متبوع اور لوگ تابع ہیں (۲) جنازہ کے ساتھ چلنے والے بلا عذر سوار ہو کر نہ چلیں، اس لئے کہ جنازہ کے ساتھ فرشتے بھی پیدل چلتے ہیں، اور یہ بات بڑی بے شرمی ہے کہ فرشتے تو پیدل چلیں اور انسان سوار ہو کر چلیں، عذر کی حالت میں سوار ہو کر جنازہ کے ساتھ جایا جاسکتا ہے، لیکن سوار شخص کو پیدل چلنے والوں سے پیچھے رہنا چاہئے تاکہ لوگوں کو چلنے میں دشواری نہ ہو، (۳) جنازہ سے واپس آتے وقت بلا عذر سوار ہو کر آنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (۳) جنازہ لے کر تیز چلنا چاہئے، لیکن تیز چلنے کا مطلب دوڑنا نہیں ہے۔ (۴) جنازہ لے کر چلنے والوں کو دنیاوی امور سے متعلق گفت وشنید اور آواز بلند کرنے سے گریز کرنا چاہئے۔ (۵) جنازہ کے ساتھ چلنے والے جب تک جنازہ کاندھوں سے اتار کر زمین پر رکھ نہ دیا جائے بیٹھے نہیں۔

نماز جنازہ نماز جنازہ فرض کفایہ ہے، لہٰذا اگر کچھ لوگ ادا کرلیں گے تو سب پر سے فریضہ ساقط ہو جائے گا، اور اگر کوئی ادا نہیں کرے گا تو سب لوگ گنہ گار ہوں گے، لیکن فرضِ کفایہ سمجھ کر ٹال مٹول نہ کرنا چاہئے، بلکہ کوشش کر کے جنازہ میں شریک ہونا چاہیے نماز جنازہ میں اگر تعداد کثیر ہے، تو میت کی مغفرت ہو جاتی ہے اور خود نماز پڑھنے والے بھی اجرِ کثیر کے مستحق ہوتے ہیں۔

نماز جنازہ کی ادائیگی کا طریقہ نمازِ جنازہ میں میت کیلئے اجتماعی دعاء ہوتی ہے، اس سے رحمت الٰہی بندہ کیطرف بہت جلد متوجہ ہو جاتی ہے، نماز جنازہ کا طریقہ یہ ہے کہ امام اسطرح کھڑا ہو کہ میت اسکے اور قبلہ کے درمیان ہو، اور لوگ امام کے پیچھے صفیں بنائیں، امام چار تکبیروں کیساتھ نماز پڑھائیگا، پہلی تکبیر کے بعد حمد وثنا کرے، دوسری تکبیر کے بعد تکبیر درود

شریف پڑھے تیسری تکبیر کے بعد میت کے لیے دعاء کرے، مقتدی بھی یہی کام کریں گے، پھر چوتھی تکبیر کے بعد سلام پھیر دیں۔
اگر کوئی شخص امام کے ساتھ نمازِ جنازہ میں شامل نہ ہوسکا، اور تاخیر کی بنا پر اس کی کچھ تکبیریں فوت ہوگئیں، تو یہ شخص امام کے ساتھ سلام پھیرنے کے بجائے تھوڑے وقفہ سے بغیر کچھ پڑھے ہوئے اپنی چھٹی ہوئی تکبیریں کہہ لے تب سلام پھیرے۔

نماز جنازہ کی شرائط صحت نمازِ جنازہ کے لیے تین شرطیں ہیں، (۱) میت کا مسلمان ہونا، (۲) طہارت میت۔ (۳) جنازہ کا نمازیوں کے آگے ہونا۔

الفصل الاوّل

حدیث نمبر ۱۵۶۲ ﴿جنازہ کے ساتھ تیز چلنے کا حکم﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۶۴۶

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ سَلَّمَ اَسْرِعُوْا بِالْجَنَازَةِ فَاِنْ تَكُ صَالِحَةً فَخَیْرٌ تُقَدِّمُوْنَهَا اِلَیْهِ ، وَاِنْ تَكُ سِوٰی ذٰلِكَ فَشَرٌّ تَضَعُوْنَهٗ عَنْ رِّقَابِكُمْ مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ ۔

حوالہ: بخاری، ۱/۱۷۶، باب السرعة بالجنازة، كتاب الجنائز، حديث مسلم ۱/۳۰۶، باب الإسراع بالجنازة، كتاب الجنائز، حديث ۹۴۴۔

ترجمہ: حضرت ابوھریرۃ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جنازہ کو تیزی سے لے چلو، اگر وہ نیک آدمی ہے تو وہ خیر ہے جسے آگے کر رہے ہو اور اگر اس کے علاوہ ہے تو وہ شر ہے جسے تم اپنی گردن سے اتار رہے ہو۔ (مسلم و بخاری)

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ جنازہ کو لے جانے والوں کو تیز قدم اٹھانا چاہئے، اور تیز چلنے میں فائدہ یہ ہے کہ صالح آدمی قبر میں جلدی دفن ہو کر اخروی نعمتوں کا مستحق ہو جائے گا اور میت اگر بد ہے تو دفن کرنے والے اس کے بوجھ سے جلد آزاد ہو جائیں گے۔

کلمات حدیث کی تشریح اسرعوا بالجنازۃ جنازہ کے پیچھے تیز چلنا چاہئے، تیز چلنے کا مطلب دوڑنا اور کودنا نہیں ہے بلکہ جلدی قدم اٹھانا ہے، مصنف ابن ابی شیبہ میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ انھیں ان کے والد نے نصیحت کی کہ جب تم مجھے چارپائی پر لے کر جانا تو درمیانی رفتار سے چلنا، اور جنازہ کے پیچھے رہنا، کیونکہ اگلا حصہ ملائکہ کے لئے اور پچھلا حصہ بنی آدم کے لئے ہے، جنازہ کو دفن کرنے میں بھی عجلت سے کام لینا چاہئے، رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ جب تم میں کوئی وفات پا جائے اسے مت روکو، اور قبر تک پہنچانے میں جلدی کرو۔

تعارض: حدیث باب سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ میت کو دفن کرنے کے لئے لے جاتے وقت تیز قدم اٹھائے جائیں حالانکہ بخاری کی حدیث میں حضرت ابن عباسؓ نے حضرت میمونہؓ عنہا کی میت کے متعلق فرمایا، إذا رفعتم نعشها فلا تزعزعوه ولا تزلزلوه وارفقوه، اسی طرح ایک موقع پر آپ ﷺ نے فرمایا "علیکم بالقصد فی جنائز کم" ان دونوں روایتوں سے رفق کا استحباب اور اسراع کا ترک ثابت ہوتا ہے اور یہ چیز حدیث باب کے خلاف ہے، تو دونوں حدیثوں میں بظاہر تعارض ہوگیا۔

دفع تعارض: دونوں طرح کی احادیث میں کوئی تعارض نہیں ہے، کیونکہ جہاں رفق ہے وہاں میت کا اٹھانا مراد ہے، اور جہاں اسراع ہے وہ کیفیت مشی کے متعلق ہے، لہٰذا دونوں میں کوئی تعارض نہیں رہا (التعلیق ج/۲ص ۲۳۶)

فإن تك صالحة، جنازہ تیز لے چلنے کی حکمت بیان ہو رہی ہے، اگر میت نیک شخص کی ہے تو وہ جلد بھلائی کو پالے گا، یعنی اس کا حال قبر میں اچھا ہوگا، لہٰذا اسے جلدی لے چلو، وان تك سوی ذلك فشر، یعنی اگر میت برے شخص کی ہے تو اس کی مصاحبت تمہارے لئے اچھی نہیں، لہٰذا اسے جلد دفن کرنا ہی بہتر ہے۔ (فتح الملہم ۲/۴۸۹)

حدیث نمبر ۱۵۶۳ ﴿نیک میت کا کلام﴾ عالمی حدیث نمبر ۱٦٤٧

وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا وُضِعَتِ الْجَنَازَۃُ فَاحْتَمَلَھَا الرِّجَالُ عَلٰی اَعْنَاقِھِمْ ، فَاِنْ کَانَتْ صَالِحَۃً قَالَتْ قَدِّمُوْنِیْ وَاِنْ کَانَتْ غَیْرَ صَالِحَۃٍ قَالَتْ لِاَھْلِھَا یَا وَیْلَھَا اَیْنَ تَذْھَبُوْنَ بِھَا یَسْمَعُ صَوْتَھَا کُلُّ شَیْءٍ اِلَّا الْاِنْسَانُ وَلَوْسَمِعَ الْاِنْسَانُ لَصَعِقَ رَوَاہُ الْبُخَارِیُّ .

حوالہ: بخاری ۱/۱۷٦، باب قول المیت وھو علی الجنازۃ قدمونی ، کتاب الجنائز ،حدیث ۱۳۱٦۔

ترجمہ: حضرت ابوسعیدؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس وقت جنازہ کو تیار کیا جاتا ہے اور لوگ اپنی گردنوں پر اس اٹھاتے ہیں اگر وہ نیک ہوتا ہے تو کہتا ہے مجھے جلدی سے لے چلو، اور اگر نیک نہیں ہوتا ہے تو اپنے لوگوں سے کہتا ہے ہائے افسوس تم لوگ مجھے کہاں لئے جارہے ہو، اس کی آواز انسان کے علاوہ ہر شی سنتی ہے، اگر انسان اس کی آواز سن لے تو بیہوش ہو جائے۔ (بخاری)

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ قبر آخرت کی منزلوں میں سے پہلی منزل ہے، نیک شخص کے لئے وہاں راحت وآرام ہے، اور برے شخص کے لئے عذاب وسزا ہے، یہی وجہ ہے کہ میت کو جب لے کر لوگ چلتے ہیں تو اسے اپنے انعام یافتہ یا سزایافتہ ہونے کا ادراک ہوجاتا ہے، چنانچہ اگر اس کے لئے قبر میں راحت ہوتی ہے تو وہ اس بات کی درخواست کرتی ہے کہ مجھے میری منزل تک پہنچادو، اور اگر میت کے لئے قبر میں سزا مقدر ہوتی ہے اپنے لے جانے والوں سے اپنی خرابی کے اظہار کے ساتھ یہ کہتی ہے کہ تم مجھے کہاں لے جارہے ہو، اللہ تعالیٰ نے ایسا انتظام کر رکھا ہے کہ میت کی آواز کو انسان نہیں سن پاتے ہیں۔

کلمات حدیث کی تشریح قدمونی میت کا یہ کلام بطور حقیقت کے ہے، اور اللہ تعالیٰ اس بات پر قادر ہیں کہ اس کی زبان سے کلام جاری کردیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ میت کو سننے کی صلاحیت عطا کردیتے ہیں، جیسا کہ حدیث میں آتا کہ "**ان المیت یسمع قرع نعالھم أتاھم ملکان**" بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہاں جو میت کے لئے کلام کا اثبات کیا گیا ہے یہ بطور مجاز کے ہے، یعنی قبر میں داخل ہو کر مردہ جو کلام کرے گا، اس کو مایؤول کے اعتبار سے ثابت کیا گیا ہے، **یسمع صوتھا کل شئی**، میت کی اس پکار کو ہر کوئی سنتا ہے حتی کہ جمادات بھی سنتے ہیں لیکن انسان نہیں سن سکتا ہے، اگر انسان سن لے تو وہ مرجائے یا بیہوش ہوجائے، آپ ﷺ نے اپنے فرمان کے ذریعہ انسان کے نہ سن پانے کی حکمت بیان کردی کہ اگر وہ سنے تو نظامِ عالم مختل ہوجائے، اور ایمان بالغیب جائے (مرقات ص۴۲ ج۴)

حدیث نمبر ۱۵٦٤ ﴿جنازہ کے لئے کھڑے ہونے کا تذکرہ﴾ عالمی حدیث نمبر ۱٦٤٨

وَعَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا رَاَیْتُمُ الْجَنَازَۃَ فَقُوْمُوْا ، فَمَنْ تَبِعَھَا فَلَا یَقْعُدْ حَتّٰی تُوْضَعَ مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ .

حوالہ: بخاری ۱/۱۷۵، باب من تبع جنازۃ فلایقعد حتی توضع ،کتاب الجنائز ،حدیث ۱۳۱۰، مسلم ۱/۳۱۰، باب القیام للجنازۃ ،کتاب الجنائز ،حدیث ۹٦۰۱۔

ترجمہ: حضرت ابوسعیدؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تم جنازہ کو دیکھو تو کھڑے ہوجاؤ، اور جو شخص جنازہ کے ساتھ چل رہا ہو، وہ اس وقت تک نہ بیٹھے جب تک جنازہ رکھ نہ دیا جائے (بخاری ومسلم)

خلاصۂ حدیث اس حدیث میں دو باتوں کا حکم ہے۔ (۱) جو شخص جنازہ جاتے ہوئے یا جنازہ گھر سے نکلتے ہوئے دیکھے اس کو چاہئے کہ وہ کھڑا ہوجائے۔ (۲) جو لوگ جنازہ لے کر جارہے ہیں ان لوگوں کو اس وقت تک بیٹھنا نہ چاہئے جب تک جنازہ قبر میں رکھ نہ دیا جائے یا لوگوں کے کاندھوں سے اتار کر زمین پر رکھ نہ دیا جائے۔

کلمات حدیث کی تشریح

إذا رایتم الجنازة فقوموا، یہاں جنازہ دیکھ کر کھڑے ہونے کا حکم ہے، جنازہ دیکھنے کے بعد کھڑا ہوا جائے یا نہ کھڑا ہوا جائے اس سلسلہ میں آرا بھی مختلف ہیں اور احادیث بھی مختلف ہیں، بعض حضرات کہتے ہیں کہ جب جنازہ گذرے تو اسکے غائب ہونے تک کھڑے رہنا واجب ہے، اور بعض انکار کرتے ہیں جو لوگ قائل ہیں انکی دلیل تو حدیث باب ہے، اور جو لوگ انکار کرتے ہیں وہ اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں ''عن حبان في صحيحه كان النبي عليه السلام يامرنا بالقيام في الجنائز ثم جلس بعد ذلك وامر بالجلوس'' امام نوویؒ دونوں طرح کی احادیث میں یوں تطبیق دیتے ہیں کہ جن احادیث میں قیام للجنازہ کا حکم دیا گیا ہے وہ حکم استحبابی ہے، اور جن احادیث میں نہی آئی ہے وہاں وجوب کی نفی مراد ہے، بہر حال جمہور کا مذہب تو یہی ہے کہ جنازہ دیکھ کر بیٹھا ہوا شخص کھڑا نہ ہو، اور جن احادیث میں کھڑے ہونے کا حکم ہے وہ سب منسوخ ہیں، فمن تبعها فلايقعد حتى توضع، جب تک کندھوں سے اتار کر جنازہ زمین پر رکھ نہ دیا جائے بیٹھنا نہ چاہئے، بخاری میں روایت ہے ''كنافي جنازة فأخذ أبوهريرة يد مروان فجلسا قبل أن توضع، فجاء أبو سعيد قال فأخذ بيد مروان فقال: قم فوالله لقد علم هذا أن النبي صلى الله عليه وسلم نهانا عن ذلك فقال أبوهريرة صدق (بخاری ۱/۱۷۵)

حضرت سعید مقبری کے والد روایت کرتے ہیں کہ ہم ایک جنازہ میں تھے، ابوہریرہؓ نے مروان کے ہاتھ پکڑا اور دونوں جنازہ رکھنے سے پہلے بیٹھ گئے، اتنے میں حضرت ابوسعید خدری آئے اور مروان کا ہاتھ پکڑ کر کہا کھڑے ہو خدا کی قسم ابوہریرہؓ جانتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ہم کو اس سے منع کیا ہے، حضرت ابوہریرہؓ نے کہا کہ ابوسعیدؓ سچ کہتے ہیں، معلوم ہوا کہ جنازہ رکھنے سے پہلے لوگوں کو بیٹھنا نہ چاہئے۔

حدیث نمبر ۱۵۶۵ ﴿آپ ﷺ کا جنازہ دیکھ کر کھڑا ہونا﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۶۴۹

وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ مَرَّتْ جَنَازَةٌ فَقَامَ لَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقُمْنَا مَعَهُ فَقُلْنَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، اِنَّهَا يَهُوْدِيَّةٌ فَقَالَ اِنَّ الْمَوْتَ فَزَعٌ فَاِذَا رَاَيْتُمُ الْجَنَازَةَ فَقُوْمُوْا مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ .

حوالہ: بخاری، ۱/۱۷۵، باب من قام لجنازة يهودي، كتاب الجنائز حديث ۱۳۱۱، مسلم ۱/۳۱۰، باب القيام للجنازة، كتاب الجنائز، حديث ۹۶۰۔

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ ایک جنازہ گزرا تو رسول اللہ ﷺ کھڑے ہوگئے، اور ہم بھی آپ ﷺ کے ساتھ کھڑے ہوگئے، پھر ہم نے عرض کیا اے اللہ کے رسول وہ تو یہودیہ عورت کا جنازہ تھا، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا بلاشبہ موت گھبراہٹ کی چیز ہے، لہٰذا جب تم جنازہ دیکھو تو کھڑے ہو جاؤ (بخاری و مسلم)

خلاصۂ حدیث

اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ بسا اوقات آپ ﷺ جنازہ دیکھ کر کھڑے ہوئے ہیں، لیکن بعض احادیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جنازہ دیکھ کر کھڑا نہ ہوا جائے، چنانچہ روایات کے اختلاف کی وجہ سے فقہا کے یہاں بھی اختلاف ہے، بعض جنازہ دیکھ کر کھڑے ہونے کا حکم کرتے ہیں اور بعض منع کرتے ہیں۔ (مزید تحقیق کے لئے حدیث ۱۵۶۴ دیکھیں)

کلمات حدیث کی تشریح

ان الموت فزع، موت گھبرانے کی چیز ہے، لہٰذا انسان غفلت میں مبتلا نہ رہے، اور میت کو دیکھ کر موت کی یاد تازہ کرے، آپ ﷺ کا کھڑا ہونا یہودیہ کا جنازہ دیکھ کر اس کی تعظیم کی خاطر نہیں تھا بلکہ تعلیم امت کے لئے تھا، ایک موقع پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب تمہارے پاس سے کوئی جنازہ گذرے خواہ وہ مسلمان کا ہو، یا یہودی کا ہو، تو اس کے لئے کھڑے ہو جاؤ، اور یہ کھڑے ہونا اس کے لئے نہیں ہے، بلکہ ان ملائکہ کے لئے ہے جو اس کے ساتھ ہیں، ایک موقع پر رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا گیا اے اللہ کے رسول ہمارے پاس سے کافر کا جنازہ گذرے تو کیا ہم کھڑے ہوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں کھڑے ہو، کیونکہ تم اس کی تعظیم کے لئے کھڑے ہو جو روحیں قبض کرتا ہے (فتح الملہم ص ۵۰۱ ج ۲)

حدیث نمبر ۱۵۶۶ ﴿صحابہ کا جنازہ دیکھ کر کھڑے ہونا﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۶۵۰

وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ رَأَيْنَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَامَ فَقُمْنَا وَقَعَدَ فَقَعَدْنَا يَعْنِيْ فِي الْجَنَازَةِ رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَفِيْ رِوَايَةِ مَالِكٍ وَّاَبِيْ دَاوٗدَ قَامَ فِي الْجَنَازَةِ ثُمَّ قَعَدَ بَعْدُ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ .

حوالہ: مسلم باب نسخ القیام للجنازہ ،کتاب الجنائز ،حدیث ۹۶۲۔

ترجمہ: حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کو کھڑے ہوتے دیکھتے تو کھڑے ہوجاتے ،اور جب ہم نے بیٹھے دیکھا تو ہم بیٹھ گئے ،یعنی جنازہ کے وقت (مسلم) اور مالک وابوداؤد کی روایت میں یوں ہے کہ آپ ﷺ جنازہ دیکھ کر شروع میں کھڑے ہوئے پھر بیٹھ گئے۔

خلاصۂ حدیث اس حدیث سے ایک اہم بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ صحابہ کرامؓ ہر معاملہ میں حضورؐ کی کامل اتباع کرتے تھے حتی کہ جنازہ میں کھڑے اور بیٹھنے کے حوالے سے آپ ﷺ ہی کے اسوۂ حسنہ کو اختیار کرتے تھے،شروع میں آپ ﷺ کا معمول جنازہ دیکھکر کھڑے ہونیکا تھا تو صحابہ نے اسی کو اختیار کیا، پھر جب آپ ﷺ نے کھڑا ہونا چھوڑ دیا تو صحابہ نے بھی چھوڑ دیا۔

کلمات حدیث کی تشریح رأینارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قام فقمنا وقعدفقعدنا، حدیث کے ان کلمات کے دو مطلب ہوسکتے ہیں۔نمبر (۱) حضور ﷺ اور صحابہ جنازہ دیکھ کر کھڑے ہوتے اور جب جنازہ نگاہوں سے اوجھل ہوجاتا تب بیٹھ جاتے ،(۲) شروع میں حضور ﷺ اور صحابہ کا کھڑے ہونے کا معمول تھا۔پھر یہ حکم منسوخ ہوگیا تو آپ ﷺ نے اور صحابہ نے جنازہ دیکھ کر کھڑا ہونا چھوڑ دیا،اور یہ دوسرا معنی زیادہ صحیح ہے۔اور اسی کی تائید بعض احادیث سے بھی ہوتی ہے۔

حدیث نمبر ۱۵۶۷ ﴿جنازہ کے ساتھ چلنے کا بیان﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۶۵۱

وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنِ اتَّبَعَ جَنَازَةَ مُسْلِمٍ اِيْمَانًا وَّ احْتِسَابًا وَّ كَانَ مَعَهٗ حَتّٰى يُصَلّٰى عَلَيْهَا وَيَفْرُغَ مِنْ دَفْنِهَا فَاِنَّهٗ يَرْجِعُ مِنَ الْاَجْرِ بِقِيْرَاطَيْنِ كُلُّ قِيْرَاطٍ مِثْلُ اُحُدٍ ، وَّمَنْ صَلّٰى عَلَيْهَا ثُمَّ رَجَعَ قَبْلَ اَنْ تُدْفَنَ فَاِنَّهٗ يَرْجِعُ بِقِيْرَاطٍ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ .

حوالہ: بخاری ۱/۱۲، باب اتباع الجنائز من الإیمان، کتاب الإیمان حدیث ۴۷ مسلم، ۱/۳۰۷،باب فضل الصلاۃ علی الجنازہ الخ ،کتاب الجنائز ،حدیث ۹۴۵۔

ترجمہ: حضرت ابوھریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص مسلمان کے جنازہ میں ایمان کے ساتھ رضاء الٰہی کی خاطر شرکت کرتا ہے اور نماز جنازہ اور تدفین میں آخیر تک شریک رہتا ہے،تو وہ دو قیراط کے برابر ثواب کے ساتھ واپس ہوتا ہے،ایک قیراط احد پہاڑ کے برابر وزن رکھتا ہے،اور جو شخص صرف نماز جنازہ میں شامل ہوتا ہے،اور تدفین سے پہلے واپس آجاتا ہے وہ ایک قیراط ثواب کا حقدار ہوکر لوٹتا ہے۔(بخاری ومسلم)

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ جو شخص کسی مسلمان کے نماز جنازہ اور اس کی تدفین میں اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر شرکت کرے گا،دنیا کو دکھاوا مقصود نہ ہوگا تو اللہ تعالیٰ اس کو بہت زیادہ ثواب عطا فرمائیں گے۔

کلمات حدیث کی تشریح من اتبع جنازۃ مسلم ،اتباع عرف عام میں پیچھے چلنے کو کہتے ہیں،اسی بناء پر بعض فقہا نے فرمایا ہے کہ جنازہ میں شرکت کے وقت میت کے پیچھے چلنا افضل ہے،اور یہی حنفیہ کا مسلک بھی ہے۔

جنازہ کے پیچھے چلنا افضل ہے یا آگے؟ اور اختلاف ائمہ

اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ جنازہ میں میت کے پیچھے چلنا افضل ہے یا آگے؟

امام ابوحنیفہؒ کا مذہب

امام صاحب، کے نزدیک مطلقاً پیچھے چلنا افضل ہے۔

دلیل: حضرت عبداللہ بن مسعود کی مرفوع حدیث ہے، الجنازۃ متبوعۃ ولا تتبع ولیس منھا من تقدمھا (ترمذی) اسی طرح حضرت طاؤس سے مروی ہے "ما مشی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی جنازۃ حتی مات الاخلف الجنازۃ وبہ نأخذہ (مصنف عبدالرزاق)

حضرت امام شافعی کا مذہب

امام شافعیؒ کے نزدیک مطلقاً آگے چلنا افضل ہے۔

دلیل: رأیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم واباہکروعمریمشون امام الجنازۃ (نسائی)

جواب: یہ حدیث بیان جواز پر محمول ہے اور یا پھر کسی عذر کی بنا پر آپ ﷺ اور شیخین آگے رہے ہوں گے ورنہ اصل حکم یہی ہے کہ لوگ جنازہ کے پیچھے چلیں، ایمانا و احتسابا، ایمان پر اللہ پر یقین اور اس کے وعدوں پر یقین اور احتساب یعنی جو کام کیا جائے وہ لوجہ اللہ کیا جائے، حصول ثواب مقصود ہو، ریا اور نمود مقصود نہ ہو۔

ایمان واحتساب کی حقیقت

ایمان نیت کا صاف ہونا یعنی جو کام کیا جارہا ہے وہ ایمانی تقاضہ کے تحت ہو، کوئی دوسرا مقصد پیش نظر نہ ہو، اور احتساب نیت کا استحضار، علامہ کشمیریؒ فرماتے ہیں کہ شریعت میں احتساب کا لفظ مختلف مقامات پر استعمال ہوا ہے، لیکن ان سب میں نیت کا استحضار ضرور ہے، یہاں پر احتساب اس لئے فرمایا جارہا ہے کہ جنازہ کے ساتھ جانے والے عموماً اسے رسمی عمل سمجھتے ہیں، اور اسے دنیا کی حد تک ایک دوسرے کے دکھ درد میں شریک ہونے سے تعبیر کرتے ہیں شریعت نے احتساب کا لفظ بڑھا کر اس جانب توجہ دلائی کہ اگر عمل کے ساتھ نیت کی اصلاح کر لی جائے تو اجروثواب بڑھ جاتا ہے۔

حتی یصلی علیھا ویفرغ من دفنھا، جو شخص میت کے ساتھ نماز جنازہ اور دفن تک شریک رہا، اسے دو قیراط ثواب ملے گا، یہاں تین عمل ہیں (۱) اس میت کے ساتھ رہنا، (۲) نماز میں شرکت کرنا (۳) دفن تک ساتھ رہنا، اگر صرف دفن میں شرکت کی تو اجر تو ملے گا لیکن ابر موعود یعنی دو قیراط نہیں ملے گا، صرف نماز میں شرکت کی یا صرف دفن میں شرکت کی تو اس سے ایک قیراط ثواب ملتا ہے، اور قیراط کی مقدار جبل احد کے برابر ہے۔

قیراط کی حقیقت

قیراط اصل میں قراط تھا، اس کی جمع قراریط آتی ہے، اکثر ملکوں میں قیراط ایک دینار کا بیسواں حصہ کہلاتا ہے، بعض ملکوں میں کم وبیش بھی ہے، ایک موقع پر حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے دریافت فرمایا ما القیراط؟ قیراط کیا ہے؟ اس کے جواب میں آپ ﷺ نے فرمایا قیراط احد پہاڑ کے برابر ہے، یہ درحقیقت تمثیل کلام ہے مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بہت زیادہ ثواب عطا فرمائیں گے، چونکہ احد پہاڑ مسلمانوں کی نگاہوں کے سامنے تھا اور اس کو مثال میں پیش کرنے سے صحابہ ثواب کی کثرت کو بخوبی سمجھ سکتے تھے، اسی بنا پر آپ ﷺ نے اس پہاڑ کا تذکرہ کیا۔

حدیث نمبر ١٥٦٨ ﴿نجاشی کی نماز جنازہ پڑھنے کا تذکرہ﴾ عالمی حدیث نمبر ١٦٥٢

وَعَنْهُ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَعَى لِلنَّاسِ النَّجَاشِيَّ الْيَوْمَ الَّذِيْ مَاتَ فِيْهِ ، وَخَرَجَ بِهِمْ اِلَى الْمُصَلّٰى فَصَفَّ بِهِمْ وَكَبَّرَ اَرْبَعَ تَكْبِيْرَاتٍ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ .

حوالہ: بخاری ١/١٧٩، باب الصفوف علی الجنازۃ، کتاب الجنائز، حدیث ١٣١٨ مسلم ١/٣٠٩، باب الإیماء للمیت فی الصلاۃ، کتاب الجنائز حدیث ٩٦٣۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نجاشی کے مرنے کی خبر نبی کریم ﷺ نے اسی روز دی جس روز ان کا انتقال ہوا، آپ ﷺ صحابہ کو لے کر عیدگاہ تشریف لے گئے، اور وہاں آپ ﷺ نے صحابہ کے ساتھ صف بندی کی، اور چار تکبیریں کہیں۔

خلاصۂ حدیث ملک حبشہ کے بادشاہ نجاشی جنھوں نے ابتدائی دور میں حبشہ ہجرت کرنے والے مسلمانوں کی اعانت کی تھی، حبشہ میں جب ان کا انتقال حالت اسلام پر ہوا تو ان کی نماز جنازہ ادا کرنے والا کوئی نہیں تھا، حضرت نبی کریم ﷺ کو ان حضرت صحابہ کرام کو مطلع کیا، اللہ تعالیٰ نے نجاشی بادشاہ کا جنازہ آپ ﷺ کے سامنے کر دیا، چنانچہ آپ ﷺ نے اپنے اصحاب کے ساتھ ان کی نماز جنازہ ادا فرمائی۔

کلمات حدیث کی تشریح نعی للناس النجاشی: حدیث کے اس جزء سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ میت کے انتقال کی اطلاع میت کے عزیز واقارب اور اس کے دوست واحباب کو دینا درست ہے، نجاشی کے انتقال کی اطلاع آپ ﷺ نے حضرت صحابہ کو اسی دن دی جس دن ان کا انتقال ہوا، یہ درحقیقت آپ کا معجزہ تھا، نجاشی حبشہ کے بادشاہ کا لقب ہوتا تھا جن کا اس حدیث میں تذکرہ ہے، ان کا نام اصل میں اصحمہ تھا، وخرج بھم الی المصلی آپ ﷺ نے صف بندی فرما کر حضرات صحابہ کے ساتھ نماز جنازہ ادا کی، اس سے بظاہر غائبانہ نماز جنازہ کا جواز معلوم ہوتا ہے، و کبر اربع تکبیرات اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز جنازہ کے لئے چار تکبیرات ہی ہیں۔

﴿غائبانہ نماز جنازہ کا مسئلہ﴾

اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ غائبانہ نماز جنازہ درست ہے یا نہیں؟

امام شافعیؒ کا مذھب امام شافعیؒ کے نزدیک غائبانہ نماز جنازہ جائز ہے۔
دلیل: انکی دلیل حدیث باب ہے، جسمیں آپ ﷺ نے اور صحابہ نے شاہِ حبشہ کی غائبانہ نماز جنازہ ادا فرمائی

احناف کا مذھب احناف اور جمہور فقہاء کے نزدیک غائبانہ نماز جنازہ مشروع نہیں ہے۔
دلیل: آنحضرت ﷺ اور خلفاء راشدین کے زمانہ میں بہت سے صحابہ کا دور دراز شہروں میں انتقال ہوا، لیکن آپ ﷺ نے اور صحابہ نے دو ایک لوگوں کے علاوہ کسی پر غائبانہ نماز جنازہ نہیں ادا کی ہے، یہ دلیل ہے اس بات کی کہ عام لوگوں کی غائبانہ نماز جنازہ ادا کرنا مشروع نہیں ہے۔

حدیث باب کا جواب نجاشی کا جنازہ غائبانہ نہ تھا، بلکہ حضور ﷺ کے سامنے نجاشی کو منکشف کر دیا گیا تھا، اس لئے آپ ﷺ نے ان کی نماز جنازہ ادا کی، ابن حبان میں عمران بن حصینؓ کی روایت ہے وھم لایظنون الا ان جنازته بین یدیه، یعنی صحابہ کرام یہ سمجھ رہے تھے کہ آپ ﷺ کے سامنے نجاشی کا جنازہ حاضر تھا، اسی طرح ابن عباس سے مروی ہے کشف للنبی صلی اللّٰہ علیه وسلم عن سریر النجاشی حتی راٰہ وصلی علیه (مرقات ص۴۶ ج۴) اسی طرح حضور ﷺ نے معاویہ ابن معاویہ المزنی کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھی، وہاں بھی طی الارض کر کے جنازہ آپ ﷺ کے سامنے لایا گیا تھا، جیسا کہ حضرت ابوامامہ کی روایت ہے کہ قال کنا مع النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم لتبوك فنزل جبرئیل فقال یارسول اللّٰہ أن معاویة بن معاویة المزنی مات بالمدینة، اتحب ان تطوی لك الارض فتصلی علیه، قال علیه السلام: نعم، فضرب بجناحه علی الأرض ورفع له سریرہ فصلی علیه (التعلیق ۲/۲۲۷)

﴿مسجد میں نماز جنازہ پڑھنے کا مسئلہ﴾

جنازہ کی نماز مسجد میں ادا کی جاسکتی ہے یا نہیں، اس مسئلہ میں بھی اختلاف ہے۔

امام شافعیؒ کا مذھب امام شافعیؒ کے نزدیک مسجد میں نماز جنازہ درست ہے بشرطیکہ مسجد کی پاکی متاثر نہ ہو۔

دلیل: حضرت امام شافعیؒ کی دلیل حضرت عائشہؓ کی یہ حدیث ہے ماصلی النبی صلی اللہ علیہ وسلم علی سھیل ابن بیضاء إلافي المسجد .

امام ابوحنیفہؒ کا مذھب مسجد میں نماز جنازہ بلاعذر مکروہ ہے اگر عذر کے باعث ہے تو مکروہ نہیں ہے، اوراعذار میں سے ایک عذر بارش بھی ہے۔

دلیل: أن النبي صلی اللہ علیہ وسلم نعی للناس النجاشي الیوم الذی مات فیہ وخرج بھم إلی المصلی الخ آپ ﷺ کا نجاشی کی نماز جنازہ کے لئے بھی عیدگاہ تشریف لے جانا اور مسجد میں نماز جنازہ نہ پڑھنا اس بات کی دلیل ہے کہ مسجد میں نماز جنازہ نہ پڑھنا چاہئے، جب آپ ﷺ نے میت کے نہ ہونے اور مسجد کے گندگی سے آلودہ نہ ہونے کے احتمال کے باوجود نماز جنازہ مسجد میں نہیں پڑھی تو میت موجود ہونے کی صورت میں بدرجہ اولی نماز جنازہ مسجد میں نہیں پڑھی جائے گی۔

﴿چارتکبیروں کا مسئلہ﴾

نماز جنازہ کی تکبیروں کی تعداد کے بارے میں بھی اختلاف ہے بعض صحابہؓ تین کے قائل ہیں بعض سے سات مروی ہیں بعض پانچ تکبیرات نقل کرتے ہیں، لیکن اس بات پر تقریباً اجماع ہوگیا ہے کہ جنازہ میں چار تکبیرات ہیں، اور جن روایات میں چار سے زائد تکبیریں منقول ہیں وہ چار پر اجماع کی وجہ سے منسوخ ہیں، یہاں یہ اشکال ہوسکتا ہے کہ اجماع تو حضور ﷺ کے بعد ہوا تو حضور ﷺ کی وفات کے بعد کے اجماع سے حضور ﷺ کے زمانہ کا فعل کیسے منسوخ ہوسکتا ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ اجماع نص کی طرح علم یقین کا فائدہ دیتا ہے، لہٰذا اجماع کے ذریعہ نسخ درست ہے، بعض لوگ کہتے ہیں کہ حدیث باب سے چار سے زائد تکبیرات والی روایات منسوخ ہیں کیوں کہ اس روایت کے راوی ابوھریرہؓ ہیں جو کہ متاخر الاسلام ہیں۔

حدیث نمبر ۱۵۶۹ ﴿نماز جنازہ میں پانچ تکبیروں کا ذکر﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۶۵۳

وَعَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ اَبِیْ لَیْلٰی کَانَ زَیْدُ بْنُ اَرْقَمَ یُکَبِّرُ عَلٰی جَنَائِزِنَااَرْبَعًا وَّاِنَّهٗ کَبَّرَعَلٰی جَنَازَةٍ خَمْسًا فَسَاَلْنَاهُ فَقَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یُکَبِّرُ هَا رَوَاهُ مُسْلِمٌ .

حوالہ: مسلم ۱/۳۱۰، باب الصلاۃ علی القبر، کتاب الجنائز حدیث نمبر ۹۵۷۔

ترجمہ: حضرت عبدالرحمٰن ابن ابی لیلیٰ سے روایت ہے کہ وہ نقل کرتے ہیں کہ حضرت زید بن ارقمؓ ہمارے جنازوں پر چار تکبیریں کہا کرتے تھے، ایک جنازہ پرانھوں نے پانچ تکبیریں کہیں، تو ہم نے ان سے دریافت کیا تو انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ پانچ تکبیریں کہتے تھے (مسلم)

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ ایک صحابی حضرت زید بن ارقمؓ نے جنازہ پر پانچ تکبیریں کہیں اور اپنے عمل پر استدلال کے لئے آپ نے حضور ﷺ کے عمل کو پیش کیا کہ حضور ﷺ پانچ تکبیریں کہتے تھے۔

کلمات حدیث کی تشریح کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یکبرھا آپ ﷺ کے عمل سے یہ ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے پانچ تکبیریں کہیں ہیں نیز سات اور نو بھی ثابت ہیں، یعنی آپ ﷺ سے جنازہ کی تکبیرات کے

عدد مختلف ثابت ہیں، لیکن آپ ﷺ کا آخری عمل یہی ہے کہ آپ ﷺ چار تکبیریں کہتے ہیں، لہٰذا جو روایات ایسی ہیں جن سے چار سے زائد تکبیرات کا علم ہوتا ہے وہ منسوخ ہیں، ممکن ہے کہ حضرت زید رضی اللہ عنہ نے بھول کر پانچ تکبیریں کہیں اور پھر نماز کی صحت پر استدلال کرنے کے لئے یہ بات پیش کی ہو کہ حضور ﷺ نے پانچ تکبیریں کہیں تھیں، حدیث میں اس بات کی صراحت نہیں ہے کہ حضرت زید بن ارقمؓ پانچ تکبیرات کے منسوخ ہونے کے قائل نہیں ہیں (فتح الملہم ص۴۹۹ ج ۲)

حدیث نمبر ۱۵۷۰ ﴿نماز جنازہ میں قرآت فاتحہ کا بیان﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۶۴۴

وَعَنْ طَلْحَةَ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَوْفٍ قَالَ صَلَّيْتُ خَلْفَ ابْنِ عَبَّاسٍ عَلٰى جَنَازَةٍ فَقَرَأَ فَاتِحَةَ الْكِتٰبِ فَقَالَ: لِتَعْلَمُوْا اَنَّهَا سُنَّةٌ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ .

حوالہ: بخاری ۱/۱۷۸، باب قرآۃ فاتحۃ الکتاب علی الجنازۃ، کتاب الجنائز، حدیث ۱۳۳۵۔

ترجمہ: حضرت طلحہ بن عبداللہ بن عوفؓ سے روایت ہے کہ میں نے ابن عباسؓ کے پیچھے نماز جنازہ پڑھی، انھوں نے سورۂ فاتحہ پڑھی اور کہا میں نے اس لئے پڑھی کہ تا کہ تم لوگ جان لو کہ یہ سنت ہے۔ (بخاری)

خلاصۂ حدیث اس حدیث سے بظاہر یہ سمجھ میں آتا ہے کہ سورۃ فاتحہ نماز جنازہ میں پڑھی جائے گی، لیکن اکثر صحابہ نماز جنازہ میں بطور قرآت کے سورۂ فاتحہ نہیں پڑھتے تھے اور نہ ہی بطور قرأت کے سورۂ فاتحہ کا پڑھنا اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے، لیکن آج کل کے غیر مقلدین اسی حدیث سے استدلال کر کے اپنے عمل سے یہ ثابت کرتے ہیں کہ سورۃ فاتحہ بطور قرآت کے نماز جنازہ میں داخل ہے، حالانکہ یہ زیادہ سے زیادہ پہلی تکبیر کے بعد ثنا کے قائم مقام ہوسکتی ہے یعنی ثنا کی جگہ اس کو پڑھا جاسکتا ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح صلیت خلف ابن عباس علی جنازہ فقرأ فاتحۃ الکتاب، اس حدیث کی بنا پر غیر مقلدین نماز جنازہ میں نہ صرف سورۂ فاتحہ پڑھنے کو ضروری سمجھتے ہیں بلکہ بعض تو جہر کیساتھ پڑھتے ہیں، یہ حدیث بخاری میں مختصر ہے، نسائی میں اس پر یہ اضافہ ہے فلما انصرف أحذت بیدہ فسألتہ فقلت لہ تقرأ قال: نعم أنہ حق و سنۃ (جب ابن عباسؓ نے سلام پھیرا تو میں نے یعنی حضرت طلحہ نے انکا ہاتھ پکڑ کر پوچھا کہ آپ جنازہ میں قرأت کرتے ہیں تو عبداللہ ابن عباس نے کہا کہ ہاں یہ حق اور سنت ہے) اسکے علاوہ نسائی کی روایت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ابن عباس نے سورۃ فاتحہ کیساتھ سورۃ کی بھی قرأت کی، بعض روایات وہ ہیں جنسے نبی ﷺ کا بھی جنازہ کی نماز میں سورۂ فاتحہ کا پڑھنا معلوم ہوتا ہے، لیکن آپ ﷺ کیطرف جتنی بھی احادیث منسوب ہیں کوئی بھی صحیح نہیں ہیں، چنانچہ ابن قیمؒ نے زاد المعاد میں لکھا ہے کہ، ویذکر عن النبی ﷺ أنہ امر ان یقرأ علی الجنازۃ بفاتحۃ الکتاب ولایصح إسنادہ، یعنی آپ ﷺ سے جن احادیث میں سورۃ فاتحہ کا پڑھے جانے کا حکم دیا جانا معلوم ہوتا ہے ان کی سند صحیح نہیں ہے، خلفاء راشدین اور اکثر صحابہ کرام کا معمول یہی رہا ہے کہ انھوں نے جنازہ میں سورۂ فاتحہ نہیں پڑھی ہے۔

سوال: حضرت ابن عباسؓ اور حضرت ابوامامہ نے سورۃ فاتحہ جنازہ کی نماز میں کیوں پڑھی؟

جواب: ان حضرات نے نماز جنازہ میں سورۂ فاتحہ ثناء کے طور پر پڑھی ہے، چنانچہ ابوامامہ کی نسائی میں روایت ہے، السنۃ فی الصلاۃ علی الجنازۃ أن یقرأ فی التکبیرۃ الأولیٰ بأم القرآن مخافۃ ثم یکبر ثلا ثا والتسلیم عند الآخرۃ (حضرت ابوامامہ فرماتے ہیں کہ جنازہ کی نماز میں سنت یہ ہے کہ پہلی تکبیر میں سورۂ فاتحہ آہستہ سے پڑھی جائے پھر تین تکبیر کہی جائیں، اور آخر میں سلام پھیرا جائے معلوم ہوا کہ سورۂ فاتحہ کی تلاوت بطور قرأت کے نہ تھی بلکہ صرف ثنا کی جگہ پڑھا اس مطلب کو اختیار کیا جائے تو کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ تمام مسلمانوں کے نزدیک سورۂ فاتحہ کو ثنا کی جگہ پڑھنا درست ہے، سورۂ فاتحہ جامع دعا ہے، دعا کے طور پر پڑھنے میں کوئی حرج

نہیں ہے، البتہ سورۃ فاتحہ کو بطور تلاوت کے پڑھنا آپ ﷺ سے اور خلفاء راشدین سے ثابت نہیں ہے۔

﴿سورۃ فاتحہ کی تلاوت اجنبی عمل تھا﴾

حضرت طلحہ کی جو حدیث یہاں مذکور ہے اسکا وہ حصہ امام بخاری نے ذکر نہیں کیا ہے اور امام نسائی نے ذکر کیا ہے اس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ سورۃ فاتحہ کی تلاوت صحابہ کے درمیان رائج عمل نہیں تھا، کیونکہ حضرت ابن عباسؓ سے حضرت طلحہ نے تعجب کیساتھ پوچھا تھا کہ کیا آپ ﷺ نے سورۃ فاتحہ کی تلاوت کی ہے، اگر صحابہ میں یہ سنت رائج ہوتی تو حضرت طلحہ کو اس پر تعجب نہ ہوتا، اور حضرت طلحہ کو سوال کرنے کی ضرورت پیش نہ آتی، جیسا کہ یہ بات کہی گئی عام صحابہ نماز جنازہ میں سورۃ فاتحہ نہیں پڑھتے تھے، اسکی تائید امام مالکؒ کے اس قول سے بھی ہوتی ہے، **لیس ذلک بمعمول به إنما هو الدعاء أدركت أهل بلادنا على هذا** (المدونۃ ۱/۲۷۴) یعنی نماز جنازہ میں سورۃ فاتحہ کا معمول نہیں ہے، جنازہ میں تو صرف میت کیلئے دعا ہے، میں نے اہل مدینہ کو اسی پر پایا ہے، امام مالکؒ نے موطا میں حضرت ابوھریرہؓ کی یہ حدیث بھی نقل کی ہے حضرت ابوھریرہؓ سے پوچھا گیا کہ آپ ﷺ نماز جنازہ کیسے پڑھتے ہیں تو حضرت ابوھریرہؓ نے کہا کہ بخدا میں تمکو اسکا طریقہ بتلاؤنگا، میں گھر والوں کے ساتھ جنازہ میں شریک ہوتا ہوں، جب جنازہ نماز کے لئے رکھا جاتا ہے تو میں تکبیر کہتا ہوں، اور اللہ کی حمد وثنا کرتا ہوں، پھر اللہ کے رسول ﷺ پر درود پڑھتا ہوں، پھر میں دعا میں یہ پڑھتا ہوں **اللّٰهم إني عبدك وابن عبدك الخ** یہ روایت بالکل صحیح ہے اس میں حضرت ابوھریرہؓ نے نماز جنازہ کا طریقہ بتلایا ہے اور اس میں کہیں بھی سورۃ فاتحہ پڑھنے کا تذکرہ نہیں ہے۔

مدونہ میں حضرت عمر بن خطابؓ حضرت علی، حضرت عبداللہ بن عمرؓ حضرت عبیداللہ ابن قضاعہ، حضرت ابوھریرہ حضرت جابر ابن عبداللہ حضرت وائلہ ابن اسقع، حضرت قاسم، حضرت سالم ابن عبداللہ، حضرت ابن مسیب، حضرت ربیعہ، حضرت عطاء، حضرت یحی بن سعیدؓ اور دیگر کبار صحابہ وتابعین کا یہ عمل نقل ہوا ہے، "**لم يكونوا يقرؤن في الصلاة على الميت**" یہ لوگ نماز جنازہ میں قرآن نہیں پڑھا کرتے تھے، حضرت امام شعبی جن کی پانچ صحابہ سے ملاقات ثابت ہے ان کے بارے میں مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے کہ وہ نماز جنازہ کے بارے میں فرماتے تھے پہلی تکبیر میں اللہ کی حمد وثنا کی جائے اور دوسری تکبیر میں درود شریف پڑھا جائے اور تیسری میں میت کے لئے دعا کی جائے اور چوتھی تکبیر میں سلام پھیرا جائے۔

یہ اور اس جیسے بہت سے دلائل ہیں جن کی روشنی میں اور عام صحابہ کرام وتابعین عظام کی اتباع میں حضرات حنفیہ وغیرہ کا یہ مذھب ہے، کہ نماز جنازہ میں سورۃ فاتحہ بطور تلاوت مشروع نہیں ہے، البتہ سورۃ فاتحہ یا قرآن کریم کا کوئی حصہ بطور ثنا کے پڑھا جاسکتا ہے اور یہی حدیث کا حاصل بھی ہے۔

﴿جنازہ میں جھراً سورۃ فاتحہ پڑھنا﴾

جہراً سورۃ فاتحہ پڑھنا چاہے ثنا کے طور پر ہو یہ شاذ عمل ہے اس کا ثبوت قرآن وحدیث میں نہیں ہے، جنازہ میں جو کچھ پڑھا جائے وہ آہستہ پڑھا جائے گا، حضرت ابوامامہ کی وہ روایت جس میں بطور ثناء کے سورۃ فاتحہ پڑھنے کا ثبوت ملتا ہے اس میں بھی اس بات کا تذکرہ ہے کہ سورۃ فاتحہ آہستہ پڑھی جائے گی، چنانچہ الفاظ گذر چکے ہیں کہ "**في التكبيرة الاولى بام القرآن مخافة**" جنازہ کی نماز میں پہلی تکبیر میں سورۃ فاتحہ آہستہ سے پڑھی جائے گی، آج کل غیر مقلدین جو سورۃ فاتحہ کو جنازہ کی نماز میں زور سے پڑھتے ہیں دیگر بہت سے معاملوں کی طرح اس معاملہ میں بھی شیعوں کی تقلید کرتے ہیں اور اجماع امت کے خلاف عمل کرتے ہیں۔

﴿حضرت ابن عباس کا جھراً قرأت کرنا﴾

حضرت ابن عباس نے ایک مرتبہ جہراً نماز جنازہ میں سورۃ فاتحہ کی قرأت کی جیسا کہ روایت سے ثابت ہوتا ہے تو اس کی وجہ انھوں نے خود بتائی تھی کہ "**لتعلموا أنها سنة**" تاکہ تم لوگ جان کہ سورۃ فاتحہ کا بطور ثنا پڑھنا مسنون ہے، جیسے کہ آپ ﷺ نے کبھی کبھی سری

نمازوں میں ایک آدھ آتیں جہراً پڑھیں تاکہ لوگ یہ جان لیں کہ ان نمازوں میں کونسی سورتوں کی قرأت کرنا بہتر ہے، آپ ﷺ کے اس عمل کا قطعاً یہ مطلب نہیں تھا کہ سری نمازوں میں جہری قرأت کی جائے، اور نہ ہی امت کے کسی طبقہ نے ایسا کہا، ٹھیک اسی طرح حضرت ابن عباس کے اس عمل کا مقصد تعلیم تھا کہ لوگ ثنا کی جگہ سورۃ فاتحہ کا پڑھنا بھی سمجھ لیں اس کا قطعی مطلب یہ نہیں تھا کہ لوگ نماز جنازہ میں جہراً سورۃ فاتحہ پڑھنے لگیں، (یہ مباحث اختصار کے ساتھ ارمغان حق جلد دوم سے ماثور ہیں تفصیل مذکورہ کتاب میں دیکھی جاسکتی ہے)

حدیث نمبر ۱۵۷۱ ﴿نماز جنازہ میں آپکی ایک دعاکا تذکرہ﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۶۵۵۱

وَعَنْ عَوْفِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ صَلّٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى جَنَازَةٍ فَحَفِظْتُ مِنْ دُعَآئِهٖ وَهُوَ يَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلَهٗ وَارْحَمْهُ وَعَافِهٖ وَاعْفُ عَنْهُ وَاَكْرِمْ نُزُلَهٗ وَوَسِّعْ مُدْخَلَهٗ وَاغْسِلْهُ بِالْمَآءِ وَالثَّلْجِ وَالْبَرَدِ وَنَقِّهٖ مِنَ الْخَطَايَا كَمَا نَقَّيْتَ الثَّوْبَ الْاَبْيَضَ مِنَ الدَّنَسِ وَاَبْدِلْهُ دَارًا خَيْرًا مِّنْ دَارِهٖ وَاَهْلًا خَيْرًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَزَوْجًا خَيْرًا مِّنْ زَوْجِهٖ وَاَدْخِلْهُ الْجَنَّةَ وَاَعِذْهُ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ اَوْ مِنْ عَذَابِ النَّارِ وَ فِیْ رِوَايَةٍ وَقِهٖ فِتْنَةَ الْقَبْرِ وَعَذَابَ النَّارِ قَالَ حَتّٰى تَمَنَّيْتُ اَنْ اَكُوْنَ اَنَا ذٰلِكَ الْمَيِّتَ رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

حواله: مسلم ،۱/۳۱۱، باب الدعاء للميت فى الصلاة ،كتاب الجنائز، حديث ۹۶۳۔

ترجمه: حضرت عوف ابن مالکؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک جنازہ کی نماز پڑھائی تو میں نے آپ ﷺ کی دعایاد کرلی، آپ ﷺ نے جو دعاء پڑھی وہ یہ تھی، اللهم اغفر له الخ، اے اللہ اسکے گناہ بخش دیجئے، اور اسپر رحم فرمائیے، اسکو عافیت عطا کیجئے، اور اسے معاف فرمادیجئے اور اسکو عمدہ ٹھکانہ دیجئے، اور اس کی قبر کو کشادہ کردیجئے، اس کو پانی برف اور اولے سے دھودیجئے، اور اسے گناہوں سے ایسا پاک صاف کردیجئے جیسے کہ سفید کپڑا میل کچیل سے پاک ہوجاتا ہے، اور اسے اس کے گھر کے بدلہ میں بہترین گھر عطا کردیجئے، اور اہل وعیال کے بدلہ میں بہترین اہل وعیال عطا کیجئے، اور اس کی بیوی کے بدلہ میں بہتر بیوی عطا فرمائیے، اور اس کو جنت میں داخل فرمائیے، اور اس کو قبر کے عذاب سے یا آپ ﷺ نے فرمایا کہ جہنم کے عذاب سے بچالیجئے، اور ایک روایت میں ہے کہ اس کو قبر کے فتنہ سے اور جہنم کے عذاب بچالیجئے، حضرت عبدالرحمٰن ابن عوف کہتے ہیں کہ میرے دل میں یہ آرزو پیدا ہوئی کہ کاش یہ میرا جنازہ ہوتا۔

خلاصۂ حدیث اس حدیث میں نماز جنازہ میں پڑھی جانے والی ایک دعا کا ذکر ہے، آپ ﷺ نے مختلف مواقع پر مختلف دعائیں پڑھی ہیں، ایک موقع پر یہ دعا بھی پڑھی ہے جس کا ذکر حدیث باب میں ہے آپ ﷺ نے میت کے حق میں اتنے بلند اور بابرکت کلمات سے دعا فرمائی کہ راوی حدیث حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کو میت پر رشک آیا اور ان کے دل میں یہ تمنا پیدا ہوئی کہ کاش یہ جنازہ میرا ہوتا، اور آپ ﷺ کی یہ بابرکت دعا میرے نصیب میں آتی۔

کلمات حدیث کی تشریح وهو يقول آپ ﷺ نے تیسری تکبیر کے بعد دعا پڑھی۔

سوال: دعا تو آہستہ پڑھی جاتی ہے، پھر عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے اس کو کیسے سنا اور اس کو کیسے یاد کیا؟

جواب: اصلاً تو جنازہ کی نماز میں آہستہ دعا پڑھنا افضل ہے، اور یہی آپ ﷺ کا معمول بھی تھا، لیکن کبھی کبھی آپ ﷺ تعلیم کی خاطر دعا بلند آواز سے بھی پڑھا کرتے تھے، تاکہ لوگ یاد کرلیں، (۲) بسا اوقات آہستہ پڑھنا اس طور پر ہوتا ہے کہ بالکل قریب والا شخص اس کو سن لیتا ہے، ممکن ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ حضرت نبی کریم ﷺ کے بالکل قریب رہے ہوں، اور آپ ﷺ کی زبان مبارک سے آہستہ نکلنے والے کلمات کو انھوں نے سن کر یاد کرلیا ہو (فتح الملہم ۲/۵۰۲۱) وزوجا خيرًا من زوجه، جنت میں بہتر بیوی عطا کرے۔

اشکال: ایک حدیث میں ہے کہ نماز روزہ والی دنیا کی عورتیں جنت کی حوروں سے بہتر ہیں، جبکہ حدیث باب سے معلوم ہورہا ہے کہ دنیا کی عورتوں سے حوریں بہتر ہیں، اس لئے کہ جنت میں دنیا سے بہتر، زوج، ملنے کی دعا کی ہے۔

جواب: یہاں ''زوج'' یعنی بیوی سے مطلق بیوی مراد ہے، خواہ وہ حور ہو یا دنیا کی عورتوں میں سے کوئی ہو، اس سے سابقہ اشکال ختم ہو جاتا ہے، کیوں کہ اب دنیا کی پابند شریعت عورتوں پر حوروں کی فضیلت ثابت نہیں ہوتی ہے۔

حدیث نمبر ۱۵۷۲ ﴿جنازہ کی نماز مسجد میں اداکرنے کاتذکرہ﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۶۵۶

وَعَنْ اَبِیْ سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِالرَّحْمٰنِ اَنَّ عَائِشَةَ لَمَّا تُوُفِّیَ سَعْدُ بْنُ اَبِیْ وَقَّاصٍ قَالَتْ اُدْخُلُوْا بِهِ الْمَسْجِدَ حَتّٰی اُصَلِّیَ عَلَیْهِ فَاُنْكِرَ ذٰلِكَ عَلَیْهَا فَقَالَتْ وَاللّٰهِ لَقَدْ صَلّٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَلَی ابْنَیْ بَیْضَاءَ فِی الْمَسْجِدِ سُهَیْلٍ وَّاَخِیْهِ رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

حوالہ: مسلم ۱/۳۱۳، باب الصلاۃ علی الجنازہ فی المسجد، کتاب الجنائز.

ترجمہ: حضرت ابوسلمہ بن عبدالرحمنؒ سے روایت ہے کہ جب حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کا انتقال ہوا تو حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ ان کے جنازہ کو مسجد کے اندر لاؤ، تاکہ میں بھی ان کی نماز جنازہ ادا کروں، حضرت عائشہؓ کی اس بات سے انکار کیا گیا، تو حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ اللہ کی قسم رسول اللہ ﷺ نے ''بیضاء'' کے دونوں بیٹوں سہیل اور اس کے بھائی کی نماز جنازہ مسجد میں پڑھی تھی (مسلم)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ حضرت عائشہؓ کی خواہش یہ تھی کہ حضرت سعدؓ کی نماز جنازہ مسجد میں ادا کی جائے، تاکہ ان مشہور صحابی کی نماز جنازہ میں کمرہ کے اندر رہ کر ان کی بھی شرکت ہو جائے، لیکن چونکہ یہ بات آپ ﷺ کے معمول کے خلاف تھی، آپ ﷺ نے نماز جنازہ مسجد کے باہر ادا کرنے کا معمول رکھا تھا، اس وجہ سے صحابہؓ نے حضرت عائشہؓ کی اس بات کو قبول نہیں کیا، حضرت عائشہؓ نے اپنی بات کی دلیل میں حضور ﷺ کا عمل پیش کیا کہ حضور ﷺ نے حضرت بیضاء کے لڑکوں کی نماز جنازہ مسجد میں ادا فرمائی تھی، لیکن صحابہ کے لئے یہ دلیل قابل قبول اس لئے نہیں تھی کہ آپ ﷺ نے عذر کی وجہ سے مسجد کے اندر بیضاء کے لڑکوں کی نماز جنازہ ادا کی تھی۔

کلمات حدیث کی تشریح **توفی سعدبن وقاص** حضرت سعد کا انتقال حضرت معاویہؓ کے دور حکومت میں ہوا تھا، ان کا انتقال مدینہ منورہ سے دس میل دور مقام عقیق میں ہوا، اور ان کو بقیع میں دفن کے لئے لوگ کاندھوں پر لائے،

ادخلوا به المسجد حضرت عائشہؓ بلا عذر مسجد میں نماز جنازہ ادا کرنے کی قائل تھیں، ان ہی کے قول کو امام شافعیؒ نے اختیار کیا ہے، **فانکر ذلك علیها** عام صحابہ نماز جنازہ بلا عذر مسجد میں ادا کرنا پسند نہیں کرتے تھے، اس کے قائل حضرت امام ابوحنیفہؒ ہیں، تفصیل کے لئے حدیث ۱۵۶۸ دیکھیں۔ **صلی رسول الله صلی الله علیه وسلم علی ابنی بیضاء فی المسجدسهیل و أخیه،** حضرت سہیل قدیم الاسلام صحابی ہیں، رسول اللہ ﷺ کی غزوہ تبوک سے واپسی پر ان کا انتقال ہوا، ان کے بھائی کا نام سہل ہے، ان کے والد کا نام عمرو بن وہب تھا، ماں کا نام بیضاء ہے، ماں ہی کی نسبت سے دونوں صحابی مشہور ہیں ماں کا اصلی نام وعد بنت جحدم تھا، لیکن بیضا کے نام سے مشہور تھیں، ان ہی دونوں کی نماز جنازہ آپ ﷺ نے مسجد کے اندر پڑھائی، اس کو بنیاد بنا کر حضرت عائشہؓ نے یہ موقف اختیار کیا تھا کہ مسجد میں جنازہ کی نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں ہے، لیکن آپ ﷺ کا معمول مسجد کے باہر نماز ادا کرنے کا تھا، اس لئے عام صحابہ مسجد میں نماز جنازہ بلا عذر نہیں پڑھتے تھے، اور آپ ﷺ نے بیضاء کے بیٹوں پر نماز جنازہ مسجد میں پڑھی، اس کے بارے میں نقل ہوا ہے کہ اس وقت آپ ﷺ مسجد میں معتکف تھے، اس لئے مسجد کے اندر نماز جنازہ ادا کی۔

حدیث نمبر ۱۵۷۳ ☆☆ عالمی حدیث نمبر ۱۶۵۷

﴿نماز جنازہ میں امام کے کھڑے ہونے کی جگہ کاذکر﴾

وَعَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ قَالَ صَلَّیْتُ وَرَآءَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ عَلَی امْرَاَةٍ مَاتَتْ فِیْ نِفَاسِهَا فَقَامَ وَسْطَهَا مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ.

حوالہ: بخاری ۱/۱۷۷، باب این یقوم الإمام من المرأۃ والرجل، کتاب الجنائز، حدیث ۱۳۳۲، مسلم ۱/۳۱۱، باب این یقوم الإمام من المیت للصلاۃ علیہ، کتاب الجنائز، حدیث ۹۶۴۔

ترجمہ: حضرت سمرہؓ بن جندبؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے پیچھے ایک ایسی عورت کی نماز جنازہ پڑھی کہ نفاس میں مر گئی تھی، چنانچہ آپ ﷺ جنازہ کے وسط میں کھڑے ہوئے (بخاری ومسلم)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ آپ ﷺ نے ایک عورت کی نماز جنازہ پڑھائی، اور نماز جنازہ کی ادائیگی کے وقت آپ ﷺ میت کے وسط میں یعنی اس کی سرین یا کمر کے مقابل کھڑے ہوئے۔

کلمات حدیث کی تشریح فقام وسطها "وسط" سین کے سکون کے ساتھ درمیانی وجہ کو کہا جاتا ہے، یعنی دونوں طرفوں کے درمیان جو بھی حصہ ہے وہ اور سین کے فتحہ کے ساتھ بالکل درمیانی حصہ مراد ہوتا ہے، جنازہ میں امام میت سے بالکل متصل نہ کھڑا ہوا کچھ الگ کھڑا ہو، یہ مسئلہ متفق علیہ ہے۔

﴿امام کے کھڑے ہونے کی جگہ میں اختلاف ائمہ﴾

امام شافعیؒ کا مذہب شوافع کے نزدیک امام مرد کے سر اور عورت کے کمر کے برابر کھڑا ہو۔

دلیل: ایک دلیل تو حدیث باب ہے، دوسری دلیل ابوداؤد کی روایت ہے "عن انس انه قام عند رأس الرجل فكبر أربع تكبيرات ثم جيئت المرأة الأنصارية فقام النبى عليه السلام عند عجيزتها" مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ نے مرد کے سرہانے کھڑے ہو کر چار تکبیروں کے ساتھ نماز جنازہ ادا کی، جبکہ عورت کی نماز جنازہ آپ ﷺ نے سرین کے پاس کھڑے ہو کر ادا کی۔

احناف کا مذہب احناف کے نزدیک امام مرد و عورت دونوں کے سینے کے مقابل کھڑا ہوگا۔

دلیل: عن نافع عن أبى غالب قال: صليت خلف أنس على جنازة فقام على حيال صدره.

سینہ قلب کا محل ہے اور قلب کے اندر نور ایمان ہوتا ہے، علامہ ابن ہمامؒ کے نزدیک تو سینہ ہی محقق طور پر درمیان میں ہے، اس وجہ سے کہ اس کے اوپر ہاتھ اور سر ہے، جبکہ اس کے نیچے پیٹ اور پاؤں ہیں، اور جہاں تک کہ حضرت انسؓ کی روایت ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ آپ ﷺ سینہ کے سامنے تھوڑا سا سرین کی طرف مائل ہو کر کھڑے ہوتے ہوں گے، چوں کہ دونوں حصے آپس میں ملے ہوتے ہیں اس بنا پر راوی نے یہ خیال کر لیا کہ آپ ﷺ سرین کے مقابل کھڑے ہیں۔

حدیث نمبر ۱۵۷۴ ﴿قبر پر نماز جنازہ پڑھنے کا ذکر﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۶۵۸

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّ بِقَبْرٍ دُفِنَ لَيْلًا فَقَالَ مَتٰى دُفِنَ هٰذَا ؟ قَالُوْا: الْبَارِحَةَ قَالَ اَفَلَا اٰذَنْتُمُوْنِىْ ؟ قَالُوْا دَفَنَّاهُ فِىْ ظُلْمَةِ اللَّيْلِ فَكَرِهْنَا اَنْ نُوْقِظَكَ فَقَامَ فَصَفَفْنَا خَلْفَهٗ فَصَلّٰى عَلَيْهِ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حوالہ: بخاری ۱/۱۶۷، باب الأذن بالجنازہ، کتاب الجنائز، حدیث ۱۲۴۷. مسلم ۱/۳۰۹، باب الصلاۃ علی القبر کتاب الجنائز، حدیث ۹۵۴۔

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ ایک قبر کے پاس سے گذرے، جس میں رات کے وقت میت کو دفن کیا گیا تھا، آپ ﷺ نے دریافت کیا کہ ان کو کب دفن کیا گیا؟ صحابہؓ نے عرض کیا کہ گذشتہ رات میں دفن کیا گیا ہے، آپ ﷺ نے دریافت کیا کہ تم نے مجھے اس کی اطلاع کیوں نہیں دی؟ صحابہؓ نے عرض کیا کہ ہم نے انہیں رات کی تاریکی میں دفن کیا تھا، اور آپ ﷺ کو رات میں جگانا مناسب خیال نہیں کیا، پھر آپ ﷺ نے صف بندی کا حکم کیا، ہم نے آپ ﷺ کے پیچھے صف باندھی، چنانچہ آپ ﷺ نے ان کی

نماز جنازہ پڑھائی (بخاری وسلم)

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ ایک صحابی حضرت طلحہ بن براء ابن عمرؓ کی تدفین رات کی تاریکی میں ہوئی، صحابہؓ نے اس کی اطلاع آپ ﷺ کو اس لئے نہیں دی کرتاریک رات میں آپ ﷺ کو بیدار کرنا اور پھر تدفین کے لئے لانا آپ ﷺ کو مشقت میں ڈالنا ہے، حضرت نبی کریم ﷺ کا جب اس قبر پر سے گذر ہوا تو آپ ﷺ نے قبر پر نماز جنازہ پڑھی، معلوم ہوا کہ قبر پر نماز جنازہ ادا کرنے کی گنجائش ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح فصلی علیه آپ ﷺ نے گذشتہ شب دفن شدہ میت کی قبر پر نماز جنازہ پڑھی۔

﴿قبر پر نماز جنازہ پڑھنے میں اختلاف ائمہ﴾

احناف کا مذہب اگر میت بغیر نماز جنازہ پڑھے دفن کی گئی ہے تو اس کی قبر پر نماز جنازہ پڑھی جائے گی، لیکن اس وقت تک نماز جنازہ پڑھنے کی گنجائش ہے جب تک اس بات کا ظن غالب ہو کہ میت کے اجزاء متفرق نہیں ہوئے ہوں گے، اگر اس بات کا ظن غالب ہو کہ اجزاء جسم ریزہ ریزہ ہو گئے ہوں گے تو پھر نماز جنازہ نہیں پڑھی جائے گی، امام ابو یوسفؒ نے اس کا خلاصہ یوں کیا ہے کہ تین دن تک نماز پڑھی جاسکتی ہے اس کے بعد نہیں، یہ تفصیل اسوقت ہے جبکہ نماز جنازہ پڑھے بغیر میت دفن کی گئی ہو، اگر جنازہ کی نماز ادا کر کے میت کو دفن کیا گیا ہے، تب قبر پر نماز جنازہ نہیں پڑھی جائے گی۔

دلیل: عن ابن عمر أنه كان إذا انتهى إلى جنازة صلى عليه دعا وانصرف ولم يعد الصلاة، صحابہ کرام کا گذر لاکھوں قبروں پر سے ہوا، لیکن چند واقعات کے علاوہ اس بات کا ثبوت نہیں ملتا ہے کہ انھوں نے قبروں پر نماز جنازہ ادا کی ہے، جہاں تک آپ ﷺ کے عمل کا تعلق ہے وہ آپ ﷺ کی خصوصیات میں سے ہے، آپ ﷺ کے نماز پڑھنے سے قبر منور ہو جاتی تھی، لہٰذا آپ ﷺ قبر پر اعادۂ صلاۃ فرماتے تھے۔

شوافع کا مذہب امام شافعیؒ کے نزدیک نماز جنازہ پڑھنے کے بعد دفن کرنے کی صورت میں بھی قبر پر نماز جائز ہے، ان کی دلیل حدیث باب ہے، ہماری طرف سے اس کا جواب نقل ہو چکا ہے کہ یہ آپ ﷺ کی خصوصیت تھی۔

حدیث نمبر ۱۵۷۵ ☆☆ عالمی حدیث نمبر ۱۶۵۹

﴿آپ ﷺ کے نماز جنازہ پڑھنے سے قبروں کا منور ہوجانا﴾

وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ اَنَّ امْرَاَةً سَوْدَآءَ كَانَتْ تَقُمُّ الْمَسْجِدَ اَوْشَابٌّ فَفَقَدَهَا رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَسَالَ عَنْهَا اَوْ عَنْهُ فَقَالُوْا مَاتَ قَالَ اَفَلَا كُنْتُمْ اٰذَنْتُمُوْنِيْ ، قَالَ فَكَاَنَّهُمْ صَغَّرُوْا اَمْرَهَا اَوْاَمْرَهُ فَقَالَ: دُلُّوْنِيْ عَلٰى قَبْرِهٖ فَدَلُّوْهُ فَصَلّٰى عَلَيْهَا ، ثُمَّ قَالَ : اِنَّ هٰذِهِ الْقُبُوْرَ مَمْلُوْءَةٌ ظُلْمَةً عَلٰى اَهْلِهَا وَاِنَّ اللّٰهَ يُنَوِّرُهَا لَهُمْ بِصَلٰوتِيْ عَلَيْهِمْ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَلَفْظُهٗ لِمُسْلِمٍ .

حواله: بخاری ۱/۱۷۸، باب الصلاۃ علی القبر بعد مایدفن ، کتاب الجنائز، حدیث ۱۳۳۷، مسلم ۱/ ۳۰۹، باب الصلاۃ علی القبر، کتاب الجنائز حدیث ۹۵۶۔

ترجمه: حضرت ابوھریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک کالی عورت مسجد میں جھاڑو دیا کرتی تھی، یا ایک جوان جھاڑو دیا کرتا تھا، رسول اللہ ﷺ نے اس کو گم پایا، تو آپ ﷺ نے اس عورت یا جوان کے بارے میں دریافت کیا تو صحابہؓ نے جواب دیا کہ اس کا انتقال ہو چکا ہے، تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ مجھ کو اطلاع کیوں نہیں دی، گویا کہ صحابہ نے اس عورت یا جوان کے معاملہ کو حقیر خیال کیا، تو آپ ﷺ نے فرمایا

کہ اس کی قبر مجھ کو بتاؤ، صحابہؓ نے آپ ﷺ کو اس کی قبر بتائی، تو آپ ﷺ نے اس قبر پر نماز جنازہ پڑھی، پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ بلاشبہ یہ قبریں صاحب قبر کے لئے تاریکیوں سے بھری ہوتی ہیں، اور اللہ تعالیٰ میرے ان پر نماز پڑھنے کے ذریعہ سے ان کی قبروں کو ان کے حق میں روشن فرمادیتے ہیں۔ (بخاری و مسلم)

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ حضرات صحابہؓ نے حضور ﷺ کی تعظیم کی وجہ سے مسجد میں جھاڑو لگانے والی کی موت کی اطلاع نہیں دی کہ آپ ﷺ کو زحمت ہوگی، لیکن جب حضور ﷺ کو اس کی وفات کا علم ہوا تو آپ ﷺ نے اس کی قبر پر نماز جنازہ ادا کی، تاکہ آپ ﷺ کے نماز پڑھنے کی برکت سے اس کی قبر منور ہوجائے۔

کلمات حدیث کی تشریح ان امرأۃ سوداء ان عورت کا نام "حرقاء" اور کنیت ام محجن تھی، فکانھم صغروا صحابہؓ نے انکو اتنی بلند شان والا نہ سمجھا کہ انکی خاطر رسول اللہ ﷺ کو تکلیف دی جائے، ان اللہ ینورھالھم یہیں سے معلوم ہوا کہ قبر پر اعادۂ صلاۃ آپ ﷺ کی خصوصیت تھی، چونکہ آپ ﷺ کی نماز پر قبر کا منور ہونا موقوف تھا، لہٰذا آپ ﷺ اعادۂ صلاۃ فرماتے تھے

حدیث نمبر ۱۵۷۶ ﴿نماز جنازہ باعث مغفرت ہے﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۶۶۰

وَعَنْ كُرَيْبٍ مَوْلَى ابْنِ عَبَّاسٍ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ اَنَّهُ مَاتَ لَهُ ابْنٌ بِقُدَيْدٍ اَوْ بِعُسْفَانَ فَقَالَ يَاكُرَيْبُ انْظُرْمَااجْتَمَعَ لَهُ مِنَ النَّاسِ ، قَالَ فَخَرَجْتُ فَاِذَا نَاسٌ قَدِاجْتَمَعُوْا لَهُ فَاَخْبَرْتُهُ فَقَالَ تَقُوْلُ هُمْ اَرْبَعُوْنَ قَالَ نَعَمْ قَالَ اَخْرِجُوْهُ فَاِنِّيْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَا مِنْ رَجُلٍ مُسْلِمٍ يَمُوْتُ فَيَقُوْمُ عَلٰى جَنَازَتِهٖ اَرْبَعُوْنَ رَجُلًالَايُشْرِكُوْنَ بِاللّٰهِ شَيْئًا اِلَّا شَفَّعَهُمُ اللّٰهُ فِيْهِ ، رَوَاهُ مُسْلِمٌ .

حوالہ: مسلم ۱/۳۰۸، باب من صلی علیه اربعون شفعوا فیه، کتاب الجنائز، حدیث ۹۴۸۔

ترجمہ: حضرت کریبؓ مولیٰ ابن عباس حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ ان کا بیٹا "قدید" یا "عسفان" میں انتقال کرگیا، تو آپ نے فرمایا کہ اے کریب! دیکھو کس قدر لوگ جمع ہیں! میں باہر نکلا تو دیکھا کہ کافی تعداد میں لوگ جمع ہیں، میں نے ان کو آکر اطلاع کیا تو انھوں نے کہا کہ تمھارے خیال میں کیا چالیس ہوں گے! میں نے کہا ہاں آپؓ نے فرمایا کہ جنازہ نکالو، بے شک میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہیں ہوئے سنا کہ جو مسلمان بھی مرتا ہے اور اس کی جنازہ کی نماز ایسے چالیس لوگ ادا کرتے ہیں جو ذرا بھی شرک نہیں کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ میت کے حق میں ان کی سفارش ضرور قبول فرماتے ہیں۔ (مسلم)

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ جنازہ کی نماز میں لوگوں کی کثرت بہت بابرکت شی ہے، اور اگر چالیس نفوس جنازہ کی نماز میں شریک ہیں اور وہ ہر طرح کے شرک سے پاک وصاف ہوں تو ان کو دعاء مغفرت کی برکت سے اللہ تعالیٰ میت کو معاف فرمادیتے ہیں۔

کلمات حدیث کی تشریح فیقوم علی جنازته اربعون رجلا چالیس آدمیوں کا نماز جنازہ میں شریک ہونا میت کی کامیابی اور مغفرت کی علامت ہے۔

تعارض: اس حدیث میں چالیس افراد کا ذکر ہے جبکہ مسلم میں سو کا عدد مذکور ہے، حدیث ہے مامن میت تصلی علیه امة من المسلمین یبلغون مائة کلهم یشفعون له الا شفعوا فیه " جبکہ مالک بن جبیرؓ کی روایت میں مغفرت کے لئے تین وصف کا تذکرہ ہے، حدیث میں مامن مؤمن یموت فیصلي علیه امة من المسلمین یبلغون ثلاثة صفوف الاغفرله ، تو قبول شفاعت کے سلسلہ میں تین روایتیں ہوگئیں، اور تینوں میں بظاہر تعارض ہے۔

جواب: قاضی عیاض نے نقل کیا ہے کہ تین روایتیں مختلف سوالات کے جوابات میں وارد ہوئی ہیں، کسی نے آپ ﷺ سے دریافت

کیا کہ اگر سو آدمی نماز جنازہ پڑھیں تو کیا میت کے گناہ معاف ہوں گے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ میت کی مغفرت ہوجائے گی، اسی طرح کسی نے چالیس افراد کے بارے میں سوال کیا اور کسی نے صفوف کے متعلق سوال کیا، آپ ﷺ نے سب پر مغفرت کی بشارت سنائی، علامہ نووی نے فرمایا کہ آپ ﷺ کو پہلے سو آدمی کے نماز جنازہ میں شرکت پر مغفرت کی اطلاع ملی، پھر چالیس آدمی کی شرکت پر شفاعت کی اطلاع ملی، پھر تین صفوف کے بارے میں اطلاع ملی، جیسی آپ ﷺ کو اطلاع ملی، آپ ﷺ نے امت کو اسی کے متعلق بتادیا، لہٰذا روایات میں کوئی تعارض نہیں ہے، یہ بھی نقل ہوا ہے کہ یہاں کوئی خاص عدد مراد نہیں ہے، بلکہ کثرت مراد ہے (التعلیق الصبیح ص ۲۴۳ ج ۲)

حدیث نمبر ۱۵۷۷ ﴿نماز جنازہ میں سو لوگوں کی شرکت کی برکت﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۶۶۱

وَعَنْ عَائِشَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ قَالَ مَامِنْ مَيِّتٍ تُصَلِّيْ عَلَيْهِ اُمَّةٌ مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ يَبْلُغُوْنَ مِائَةً كُلُّهُمْ يَشْفَعُوْنَ لَهٗ اِلَّا شُفِّعُوْا فِيْهِ رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

حوالہ: مسلم، ص ۳۰۸ ج ۱، باب من صلی علیہ مائۃ شفعوا فیہ، کتاب الجنائز، حدیث ۹۴۷.

ترجمه: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جس میت کی نماز جنازہ مسلمانوں کی اتنی بڑی تعداد پڑھے کہ اس کا عدد سو تک پہنچ جائے اور وہ سب میت کے لئے شفاعت کریں تو ان کی شفاعت ضرور قبول ہوتی ہے (مسلم)

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل بھی یہ ہے کہ نماز جنازہ میں شرکا کی تعداد کی زیادتی میت کے لئے باعث مغفرت ہے، لہٰذا ایک مسلمان کو دوسرے مسلمان کی نماز جنازہ میں ضرور شرکت کرنا چاہئے، اس کے لئے دعا مغفرت کرنا چاہئے، اور اللہ تعالیٰ سے اس کے لئے شفاعت کرنا چاہئے، فرض کفایہ سمجھ کر ٹالنا نہ چاہئے۔

کلمات حدیث کی تشریح یبلغون مائة یہاں اس بات کا ذکر ہے کہ شفاعت کے لئے نماز جنازہ میں شرکت کرنیوالوں کی تعداد سو ہونا چاہئے، گذشتہ حدیث میں چالیس کا ذکر ہے اصل بات یہ ہے کہ کوئی خاص عدد مراد نہیں ہے، بلکہ صرف کثرت مراد ہے، اور وہ دونوں عددوں سے حاصل ہے، مزید تحقیق کے لئے گذشتہ حدیث دیکھیں۔

حدیث نمبر ۱۵۷۸ ﴿میت کی تعریف کرنے کا فائدہ﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۶۶۲

وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ مَرُّوْا بِجَنَازَةٍ فَاَثْنَوْا عَلَيْهَا خَيْرًا فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ وَجَبَتْ، ثُمَّ مَرُّوْا بِاُخْرٰى فَاَثْنَوْا عَلَيْهَا شَرًّا فَقَالَ وَجَبَتْ، فَقَالَ عُمَرُ: مَاوَجَبَتْ فَقَالَ هٰذَا اَثْنَيْتُمْ عَلَيْهِ خَيْرًا فَوَجَبَتْ لَهُ الْجَنَّةُ، وَهٰذَا اَثْنَيْتُمْ عَلَيْهِ شَرًّا فَوَجَبَتْ لَهُ النَّارُ، اَنْتُمْ شُهَدَآءُ اللّٰهِ فِي الْاَرْضِ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَفِيْ رِوَايَةٍ اَلْمُؤْمِنُوْنَ شُهَدَآءُ اللّٰهِ فِي الْاَرْضِ.

حوالہ: بخاری ۱/۱۸۳، باب ثناء الناس علی المیت، کتاب الجنائز، حدیث ۱۳۶۷، مسلم ۱/۳۰۸، باب فیمن یثنی علیہ خیرًا وشرًا من الموتی، کتاب الجنائز، حدیث ۹۴۹۔

ترجمه: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ صحابہ کا گذر ایک جنازہ پر ہوا تو انھوں نے اس کی بہترین تعریف کی، آپ ﷺ نے فرمایا کہ واجب ہوگئی، پھر دوسرے جنازہ پر سے ان کا گذر ہوا، تو اس کا صحابہؓ نے برائی سے ذکر کیا، آپ ﷺ نے فرمایا کہ واجب ہوگئی، حضرت عمرؓ نے عرض کیا کہ کیا چیز واجب ہوگئی؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص کی تم لوگوں نے خوبیاں بیان کی اس کے لئے جنت واجب ہوگئی، اور جس کا تذکرہ تم لوگوں نے برائی کے ساتھ کیا اس کے لئے جہنم واجب ہوگئی، تم زمین پر اللہ کے گواہ ہو (بخاری ومسلم) اور ایک روایت میں ہے کہ مومن لوگ زمین پر اللہ کے گواہ ہیں۔

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ حضرات صحابہ کرام اور ان کے مشابہ متقی مومن حضرات کے قلوب میں اگر کسی میت کے لئے تعریف کا جذبہ موجزن رہا ہے تو یہ اس کے لئے جنتی ہونے کی علامت ہے، جس میت کی صحابہؓ نے تعریف

کی اس کے جنتی ہونے کی اور جس کی انھوں نے مذمت کی اس کے جہنمی ہونے کی اطلاع آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوگئی تھی، اس لئے آپ ﷺ نے ان میں سے ایک کے جنتی ہونے اور دوسرے کے جہنمی ہونے کے بارے میں صحابہ کو مطلع فرمادیا۔

کلمات حدیث کی تشریح وجبت اگر مومن اور متقی لوگ کسی کی مدح کررہے ہیں تو اسکے جنت میں جانے کی امید کی جاسکتی ہے، اور اگر کسی کی برائی کررہے ہیں تو اس کیلئے جہنم کا خوف کیا جاسکتا ہے، یقینی فیصلہ کرنا درست نہیں ہے اسلئے کہ جنت میں یا جہنم میں داخل کرنا اللہ علیم وخبیر کی ذات پر موقوف ہے، آپ ﷺ نے جو جنت وجہنم کا فیصلہ فرمایا یہ اللہ کے علم دینے سے آپ ﷺ نے کیا تھا، انتم شهداء الله في الأرض بعض حضرات کے نزدیک آپ ﷺ کا یہ فرمانا صحابہ کرام کیساتھ خاص ہے، بعض نے کہا ہے کہ صحابہ اور وہ متقی مومن مراد ہیں جو صحابہ کے مشابہ ہوں، بہرحال صحابہ یا تقات مومنین کا کسی کی تعریف کرنا اس بات کی علامت ہے کہ اللہ نے اس شخص کیلئے خیر کا فیصلہ فرمایا ہے، اور کسی کی مذمت کرنا اس بات کی علامت ہے کہ اللہ نے اس کیلئے برا فیصلہ کر رکھا ہے۔

حدیث نمبر ۱۵۷۹ ﴿میت کے حق میں گواہی دینے کا ذکر﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۶۶۳

وَعَنْ عُمَرَ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَيُّمَامُسْلِمٍ شَهِدَلَهٗ اَرْبَعَةٌ بِخَيْرٍ اَدْخَلَهُ اللّٰهُ الْجَنَّةَ قُلْنَاوَثَلٰثَةٌ قَالَ وَثَلٰثَةٌ قُلْنَاوَاِثْنَانِ قَالَ وَاِثْنَانِ ثُمَّ لَمْ نَسْاَلْهُ عَنِ الْوَاحِدِ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ.

حوالہ: بخاری ۱/۱۸۳، باب ثناء الناس علی المیت، کتاب الجنائز، حدیث ۱۳۶۸۔

ترجمہ: حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس مسلمان کی بھلائی کی چار مسلمان گواہی دے دیں، تو اللہ اس کو جنت میں داخل فرمائیں گے، ہم نے عرض کیا اگر تین افراد گواہی دیں تو؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تین بھی، ہم نے کہا کہ اور دو تو؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ دو بھی پھر ہم نے ایک کے بارے میں دریافت نہیں کیا۔ (بخاری)

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ جس شخص کے بارے میں نیک ومتقی لوگ اچھا گمان رکھتے ہیں، اللہ تعالیٰ اس شخص کو محض اپنے فضل وکرم سے جنت عطا فرد یتے ہیں۔

کلمات حدیث کی تشریح ایمامسلم شهد له شہادت سے مراد یہ ہے کہ میت کی نماز جنازہ پڑھیں، اس کے حق میں دعا کریں، اللہ تعالیٰ کے حضور ﷺ اس کی سفارش کریں، اگر اللہ کے نیک بندے کسی شخص کے بارے میں شفاعت کرتے ہیں اور اس کا ذکر جمیل کرتے ہیں حالانکہ حقیقت میں وہ بندہ گنہگار ہوتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اپنے متقی بندوں کے گمان کی لاج رکھتے ہوئے اس کے گناہوں کو معاف فرما کر اس کو جنت میں داخل کرتے ہیں، اسی لئے مقولہ ہے کہ "السنة الخلق أقلام الحق" مخلوق کی زبانیں حق تعالیٰ کا قلم ہیں، لم نسأله عن الواحد دو پر اقتصار رکھا اس لئے شہادت کا نصاب عام طور پر دو ہی ہوتا۔

(تلخیص مرقات ص ۵۴ ج ۴)

حدیث نمبر ۱۵۸۰ ﴿میت کو برا کہنے کی ممانعت﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۶۶۴

وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَاتَسُبُّوا الْاَمْوَاتَ فَاِنَّهُمْ اَفْضَوْا اِلٰى مَا قَدَّمُوْا رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ.

حوالہ: بخاری ۱/۱۸۷ باب ماینهی من سب الاموات، کتاب الجنائز، حدیث ۱۳۹۲۔

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مردوں کو برا بھلا مت کہا کرو، کیوں کہ انھوں نے جو کچھ آگے بھیجا وہ اس کے بدلہ تک پہنچ گئے۔ (بخاری)

خلاصۂ حدیث اس حدیث میں مردوں کی مذمت بیان کرنے سے اس لئے منع کیا گیا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر ہو چکے ہیں اگر وہ مجرم ہیں اور اللہ نے انھیں معاف نہیں کیا ہے تو وہ اپنی سزا بھگت رہے ہیں، اور اگر معاف کر دیا ہے تو رحمت

خداوندی کے مستحق ہو چکے ہیں لہٰذا دنیا والوں کا ان کی مذمت کرنا بے سود ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح لاتسبوا الاموات مردوں کو برا بھلا مت کہو، اس سے مسلمان مردے مراد ہیں، مسلمان مردوں کے حوالے سے آپ ﷺ کا فرمان ہے کہ ''لاتذکروا الموتی الابخیر'' مردوں کا ذکر بھلائی سے کرو، جن لوگوں کا کفر پر مرنا یقینی ہے، ان کی مذمت کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، امام بخاری نے کتاب الجنائز کا جو آخری باب تحریر کیا ہے، وہ ہے، باب شرار الموتی (مردوں کی برائی کا بیان) معلوم ہوا کہ جو شریر مردے ہیں یا کفار ہیں ان کی برائی کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، اسی طرح مجروح راویوں کا حال بیان کرنا اور محدثین نے ان پر جو طعن کیا ہے اس کو نقل کرنا درست ہے۔

حدیث نمبر ۱۵۸۱ ﴿شہید کی نماز جنازہ کا تذکرہ﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۶۶۵

وَعَنْ جَابِرٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَجْمَعُ بَيْنَ الرَّجُلَيْنِ مِنْ قَتْلٰى اُحُدٍفِيْ ثَوْبٍ وَّاحِدٍ، ثُمَّ يَقُوْلُ: اَيُّهُمْ اَكْثَرُ اَخْذًا لِلْقُرْاٰنِ فَاِذَا اُشِيْرَلَهٗ اِلٰى اَحَدِهِمَا قَدَّمَهٗ فِي اللَّحْدِ، وَقَالَ اَنَا شَهِيْدٌ عَلٰى هٰؤُلَاۤءِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَاَمَرَبِدَفْنِهِمْ بِدِمَآئِهِمْ وَلَمْ يُصَلِّ عَلَيْهِمْ وَلَمْ يُغْسَلُوْا رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ.

حواله: بخاری ۱/۱۷۹ باب من يقدم في اللحد، كتاب الجنائز، حديث ۱۳۴۷۔

ترجمه: حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ شہدائے احد میں سے دو آدمیوں کو ایک کپڑے میں جمع کرتے، پھر فرماتے ان میں سے کس کو زیادہ قرآن یاد ہے؟ جب ان میں سے کسی ایک کی طرف اشارہ کیا جاتا تو آپ ﷺ اس کو قبر میں آگے کرتے اور کہتے کہ قیامت کے دن ان کا گواہ ہوں گا۔ نیز آپ ﷺ نے ان کو ان کے خون سمیت دفن کرنے کا حکم دیا، اور نہ ان پر نماز جنازہ پڑھی اور نہ ان کو غسل دیا۔ (بخاری)

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ آپ ﷺ نے کپڑوں کی قلت کے پیش نظر ایک کپڑے میں دو شہیدوں کو غزوہ احد کے موقع پر لپیٹا، یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ آپ ﷺ نے جسکو زیادہ قرآن یاد تھا اسکو قبر میں پہلے اتار کر گویا اسکو امام بنایا اور اسکی تعظیم کی، شہید کو آپ ﷺ نے غسل نہیں دیا، اور نماز بھی نہیں پڑھی، شہید کو غسل نہ دیے جانے پر اتفاق ہے، البتہ شہید کی نماز جنازہ پڑھی جائے کہ نہیں اس مسئلہ میں ائمہ کا اختلاف ہے، حدیث باب سے تو یہی سمجھ میں آتا ہے شہید کی نماز جنازہ بھی نہیں پڑھی جائیگی

کلمات حدیث کی تشریح ولم یصل علیھم ان پر نماز جنازہ نہیں پڑھی جائے گی، جیسا کہ نقل کیا گیا ہے کہ شہداء کی نماز ہوگی یا نہیں اس بارے میں ائمہ کا اختلاف ہے، اور اختلاف کی بنیاد شہدائے احد پر حضور اکرم ﷺ کی نماز پڑھنے یا نہیں پڑھنے پر ہے، بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے شہدائے احد پر نماز پڑھی ہے اور بعض سے معلوم ہوتا ہے کہ نہیں پڑھی ہے، اختلاف روایات کی بنا پر ائمہ کے درمیان بھی اختلاف ہوا ہے۔

﴿شہید کی نماز جنازہ اور اختلاف ائمہ﴾

احناف کا مذہب شہدا کی نماز جنازہ پڑھنا واجب ہے۔

دلیل: (۱) عن عطاء ابن ابی رباح قال ان النبی صلی اللہ علیه وسلم صلی علیٰ قتلی احد. (ابوداؤد) (۲) ان النبی صلی اللہ علیه وسلم خرج یوماً فصلی علی احد صلوته علی المیت (بخاری)

شوافع کا مذہب شہدا پر نماز جنازہ نہیں پڑھی جائے گی۔

(۲) عن انس ان شهداء احد لم يغسلوا ودفنوا بدمائهم ولم يصل عليهم.

جواب: احادیث مثبتہ اوراحادیث نافیہ میں راجح احادیث مثبتہ ہوتی ہیں۔لہٰذا دلائل احناف راجح ہیں۔(۲) جہاں اس بات کی نفی ہے کہ آپ ﷺ نے نماز جنازہ شہداء احد پر نہیں پڑھی تو وہاں مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ نے درد وغم کی بنا پر اس دن نماز نہیں پڑھی، بلکہ بعد میں پڑھی، حدیث باب حضرت جابرؓ سے مروی ہے، حضرت جابرؓ تو اپنے باپ و چچا کی شہادت کی بنا پر مشغول تھے، اور وہ بوقت نماز جنازہ حاضر نہیں تھے، اس لئے کہ وہ مدینہ گئے ہوئے تھے۔

حدیث نمبر ۱۵۸۲ ﴿سواری پر ہوکر قبرستان سے واپس آیا﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۶۶۶

وَعَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ أُتِيَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِفَرَسٍ مُعْرَوْرٍ فَرَكِبَهُ حِيْنَ انْصَرَفَ مِنْ جَنَازَةِ ابْنِ الدَّحْدَاحِ وَنَحْنُ نَمْشِيْ حَوْلَهُ رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

حوالہ: مسلم ۱/۳۱۱، ركوب المصلي على الجنازة اذا انصرف، كتاب الجنائز، حديث ۹۶۵۔

ترجمہ: حضرت جابر بن سمرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ابن دحداح کے جنازہ سے گھوڑے کی ننگی پیٹھ پر بیٹھ کر واپس ہوئے، اس وقت ہم لوگ آپ ﷺ کے اردگرد پیدل چل رہے تھے۔ (مسلم)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ جنازہ کی تدفین کے بعد واپس آتے ہوئے سواری پر بیٹھ کر آنے میں کوئی حرج نہیں ہے، یہ چیز بلا کراہت جائز ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح فركبه حين انصرف، جنازہ لیے جاتے وقت سوار ہوکر جانا مناسب نہیں ہے، اسلئے کہ جنازہ کیساتھ فرشتے پیدل چلتے ہیں، البتہ واپسی سوار ہوکر کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، ممکن ہے کہ آپ ﷺ واپسی کیوقت کسی عذر کیوجہ سے گھوڑے پر سوار ہوئے ہوں، لیکن بلا عذر بھی جنازہ سے واپسی میں سوار ہوا جاسکتا ہے، کیونکہ عبادت سے فراغت ہوچکی ہوتی ہے۔

الفصل الثانی

حدیث نمبر ۱۵۸۳ ﴿جنازہ کے ساتھ چلنے کے طریقہ کا تذکرہ﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۶۶۷

عَنِ الْمُغِيْرَةِ بْنِ شُعْبَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الرَّاكِبُ يَسِيْرُ خَلْفَ الْجَنَازَةِ، وَالْمَاشِيْ يَمْشِيْ خَلْفَهَا وَاَمَامَهَا وَعَنْ يَمِيْنِهَا وَعَنْ يَسَارِهَا قَرِيْبًا مِّنْهَا وَالسِّقْطُ يُصَلّٰى عَلَيْهِ، وَيُدْعٰى لِوَالِدَيْهِ بِالْمَغْفِرَةِ وَالرَّحْمَةِ رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ وَفِيْ رِوَايَةِ اَحْمَدَ وَالتِّرْمِذِيِّ وَالنَّسَائِيِّ وَابْنِ مَاجَةَ قَالَ: الرَّاكِبُ خَلْفَ الْجَنَازَةِ وَالْمَاشِيْ حَيْثُ شَآءَ مِنْهَا وَالطِّفْلُ يُصَلّٰى عَلَيْهِ وَفِي الْمَصَابِيْحِ عَنِ الْمُغِيْرَةِ بْنِ زِيَادٍ.

حوالہ: أبو داؤد ۲/۴۵۳، باب المشی إمام الجنازة، كتاب الجنائز، حديث ۳۱۸۰۔

ترجمہ: حضرت مغیرہ بن شعبہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ سوار جنازہ کے پیچھے چلے، اور پیدل اس کے پیچھے، آگے، دائیں، بائیں، اس سے قریب رہ کر چلے، اور ساقط ہونے والے بچے کے نماز جنازہ ادا کی جائے گی، (اگر زندگی کا اثر پیدائش کے وقت موجود ہو) اور اس کے ماں باپ کے لئے دعاء مغفرت کی جائے گی (ابوداؤد احمد، ترمذی، نسائی) اور ابن ماجہ کی ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ سوار جنازہ کے پیچھے چلے، اور پیادہ جس طرف چاہے چلے، اور بچہ کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی، مصابیح میں یہ حدیث مغیرہ بن زیاد سے مروی ہے۔

خلاصۂ حدیث اس میں چند باتیں بہت اہم مذکور ہیں، (۱) عذر کے وقت سوار ہوکر اگر کوئی جنازہ میں شرکت کررہا ہے تو اس کو جنازہ کے پیچھے چلنا چاہئے بلا عذر جنازہ میں سوار ہوکر نہ چلنا چاہئے، لیکن اگر کوئی چل رہا ہے تو جائز ہے، (۲) پیدل چلنے والے جنازہ کے آگے پیچھے دائیں بائیں، ہر سمت میں چل سکتے ہیں، لیکن حنفیہ کے نزدیک پیچھے چلنا افضل ہے، (۳) ناتمام بچہ میں اگر زندگی کے کچھ اثرات ہیں تو اس کی جنازہ کی نماز ادا کی جائے گی، اور اگر بوقت ولادت اس میں زندگی کے آثار نہیں ہیں، تو اس کو بغیر نماز جنازہ پڑھے دفن کیا جائے گا، (۴) بچہ کی نماز جنازہ میں جو دعا پڑھی جائے گی اس میں اس کے والدین کی مغفرت کی دعا کی جائے گی۔

کلمات حدیث کی تشریح الراکب یسیر خلف الجنازۃ عذر کے وقت سوار ہوکر چلنے میں کوئی حرج نہیں ہے، لیکن بلا عذر سوار ہوکر چلنا اگرچہ جائز ہے، لیکن مکروہ ہے، حضرت ثوبانؓ کی حدیث ہے کہ آپ ﷺ نے ایک جنازہ میں لوگوں کو سوار دیکھا تو فرمایا کہ کیا تم لوگ حیا نہیں کرتے؟ بلاشبہ اللہ کے فرشتے پیدل چل رہے ہیں (مشکوۃ) حدیث باب یا تو یہاں جواز پر محمول ہے یا پھر معذور کے حق میں ہے، والماشی یمشی خلفها وإمامها، جنازہ کے آگے پیچھے، دائیں بائیں، ہر طرح چلنا جائز ہے البتہ افضلیت میں اختلاف ہے، امام شافعی علی الاطلاق جنازہ کے آگے چلنا افضل قرار دیتے ہیں، امام شافعی اپنے موقف پر بعض دلائل کے ساتھ یہ بات نقل کرتے ہیں کہ جنازہ کے آگے چلنا ہی بہتر ہے، امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مطلقاً جنازہ کے پیچھے چلنا افضل ہے ، بہت سی احادیث میں جن میں آپ ﷺ نے اتباع جنازہ کی تاکید فرمائی ہے، امام ابوحنیفہؒ کی جانب سے اپنے موقف پر دیگر دلائل کے تذکرہ کے ساتھ یہ بات بھی نقل کی جاتی ہے کہ جب جنازہ آگے ہوگا اور لوگ اس کے پیچھے ہوں گے، تو اس میں عبرت حاصل کرنے کا زیادہ موقع ہوگا، نیز بوقت ضرورت مدد بھی سہولت سے کی جاسکتی ہے، اور جہاں تک امام شافعیؒ کا یہ فرمانا کہ سفارش کرنے والے آگے رہتے ہیں، یہ کوئی لازمی بات نہیں ہے اس وجہ سے کی نماز جنازہ پڑھنے والے بھی درحقیقت میت کی سفارش کرنے والے ہوتے ہیں ، لیکن وہ جنازہ کے پیچھے کھڑے ہوکر نماز پڑھتے ہیں، اس مسئلہ سے متعلق مزید تحقیق کے لئے حدیث ۱۵۶۷ دیکھیں۔ والسقط یصلی علیها ناتمام بچہ اگر وقت سے پہلے گر گیا اور اس پر چار ماہ نہیں گذرے ہیں تو بالاتفاق اسکی نماز جنازہ ادا نہیں کی جائے گی، اور اگر چار ماہ کے بعد زائل ہوا ہے تو اس کی نماز جنازہ میں اختلاف ہے۔

﴿ناتمام بچہ کی نماز جنازہ اور اختلاف ائمہ﴾

امام ابوحنیفہؒ کا مذہب امام ابوحنیفہؒ امام شافعیؒ اور امام مالکؒ وغیرہ کے نزدیک اگر بچہ کی ولادت کے وقت زندگی کے آثار ہیں تو اس کی نماز جنازہ ادا کی جائے گی، اور اگر آثار حیات نہیں ہیں تو نماز جنازہ نہیں پڑھی جائے گی۔

دلیل: (۱) عن جابرؓ مرفوعًا إذا استهل الصبی صلی علیه و ورث، نسائی (۲) الطفل لایصلی علیه ولایرث، ولا یورث حتی یستهل (مشکوۃ) ان دونوں حدیثوں میں استہلال، سے مراد آثار حیات ہیں معلوم ہوا کہ جس بچہ میں آثار حیات نہیں ہیں اس کی نماز جنازہ ادا نہیں کی جائے گی۔

امام احمدؒ کا مذہب امام احمدؒ کے نزدیک اگر بچہ چار ماہ اور ایک روایت میں چار ماہ دس دن کے بعد پیدا ہوا تو اس پر نماز جنازہ پڑھی جائے گی خواہ اس میں بوقت ولادت آثار حیات ہوں یا نہ ہوں۔

دلیل: الطفل یصلی علیه، (ترمذی) بچہ میں چار ماہ کے بعد روح ڈالی جاتی ہے اس لئے چار ماہ کے بعد بچہ کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی، حدیث مذکور میں مطلق نماز پڑھنے کا تذکرہ ہے علامت حیات کا کوئی ذکر نہیں ہے۔

جواب: سقط اور طفل سے مراد وہ بچہ ہے جس میں زندگی کے آثار محسوس ہوں، جیسا کہ ماقبل کی روایات میں اس کا تذکرہ بھی ہے، امام

احمدؒ کی طرف سے جو حدیث پیش کی گئی ہے وہ مبہم ہے، اور حضرت جابرؓ کی اوپر جو حدیث پیش ہوئی ہے وہ مفصل ہے اور مفصل حدیث مجمل ومبہم حدیث پر مقدم ہوتی ہے، نیز امام احمدؒ کی دلیل مطلق کو مقید پر محمول کیا جائے گا۔

حدیث نمبر ۱۵۸٤ ﴿جنازہ کے آگے چلنے کا تذکرہ﴾ عالمی حدیث نمبر ۱٦٦٨

وَعَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ سَالِمٍ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ وَاَبَابَكْرٍ وَّعُمَرَ يَمْشُوْنَ اَمَامَ الْجَنَازَةِ ، رَوَاهُ اَحْمَدُ وَاَبُوْدَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ : وَاَهْلُ الْحَدِيْثِ كَاَنَّهُمْ يَرَوْنَهٗ مُرْسَلًا .

حوالہ: أحمد، ١/٨، ابوداؤد، ٢/٤٥٣، باب المشی إمام الجنازة، کتاب الجنائز، حدیث ۳۱۷۹ ترمذی، ۱/۱۹۶، باب ماجاء فی المشی إمام الجنازة، کتاب الجنائز حدیث ۱۰۰۷ نسائی ۱/۲۱۳، باب مکان الماشی من الجنازة، حدیث ۱۹۴۳ ابن ماجه ص۱۰٦، باب ماجاء فی المشی امام الجنازة، کتاب الجنائز، حدیث ۱۴۸۲۔

ترجمہ: حضرت زہریؒ حضرت سالمؒ سے اور وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسُول اللہ ﷺ اور حضرت ابوبکرؓ وعمرؓ کو جنازہ کے آگے چلتے ہوئے دیکھا ہے (احمد، ابوداود، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ) امام ترمذی نے نقل کیا ہے کہ محدثین اس حدیث کو مرسل سمجھتے ہیں

خلاصۂ حدیث اس حدیث سے بظاہر یہ بات معلوم ہو رہی ہے کہ جنازہ کے آگے چلنا بہتر ہے، کیوں کہ یہی آپ ﷺ اور شیخین کے عمل سے ثابت ہو رہا ہے، امام شافعیؒ کے نزدیک جنازہ لے جاتے وقت میت کے آگے چلنا افضل ہے، لہذا یہ حدیث امام شافعیؒ کے موقف کی تائید کرتی ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح یمشون امام الجنازة حنفیہ کے نزدیک مطلقاً جنازہ کے پیچھے چلنا افضل ہے، اس حدیث کا ان کی طرف سے یہ جواب نقل کیا جاتا ہے کہ بسا اوقات آپ ﷺ یا اکابر صحابہؓ جنازہ کے آگے چلتے تھے، لیکن یہ چلنا افضلیت کی غرض سے نہیں تھا، بلکہ معاملہ میں وسعت پیدا کرنے کی غرض سے تھا، جیسا کہ وضو میں ہر عضو کو تین بار دھونا مسنون ہے، لیکن کبھی آپ ﷺ نے ہر عضو کو ایک بار اور کبھی دو بار بھی دھویا ہے، یہ افضلیت کی غرض سے نہیں بلکہ توسع کی غرض سے تھا، اسطرح آپ ﷺ کبھی کبھی جنازہ کے آگے چلے وسعت پیدا کرنے کیلئے، چنانچہ احناف کہتے ہیں کہ جنازہ کے آگے چلنا جائز ہے، رہی بات افضلیت کی تو بہت سی احادیث سے یہ ثابت ہے کہ جنازہ کے پیچھے چلنا چاہئے، جیسا کہ اگلی حدیث میں بھی یہی منقول ہے، مزید تحقیق کیلئے حدیث ۱۵٦۷ دیکھیں، کانهم یرونه مرسلاً ، چونکہ یہ حدیث ابن شہاب زہری یا سالم سے مروی ہے، اور یہ صحابہ میں سے نہیں ہیں لہذا محدثین نے اسکو مرسل گمان کیا ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ حدیث مرفوع ہے، اسکو حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے روایت کیا ہے۔

حدیث نمبر ۱۵۸۵ ﴿جنازہ کے پیچھے چلنے کا تذکرہ﴾ عالمی حدیث نمبر ۱٦٦۹

وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْجَنَازَةُ مَتْبُوْعَةٌ وَّلَاتَتْبَعُ وَلَيْسَ مِنْهَا مَنْ تَقَدَّمَهَا رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاوُدَ وَابْنُ مَاجَةَ قَالَ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْمَاجِدِ الرَّاوِيْ رَجُلٌ مَّجْهُوْلٌ .

حوالہ: ترمذی ۱/۱۹٦، باب ماجاء فی المشی خلف الجنازة، کتاب الجنائز حدیث ۱۰۱۱، أبوداؤد ۲/۴۵۳ باب الاسراع بالجنازة، کتاب الجنائز حدیث ۳۱۸۴، ابن ماجة ص۱۰٦، باب ماجاء فی المشی إمام الجنازة، کتاب الجنائز، حدیث ۱۴۸۴۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جنازہ متبوع ہے، یعنی اس کے پیچھے چلنا چاہئے، جنازہ تابع نہیں ہے، اور وہ شخص جنازہ کے ساتھ نہیں ہے جو اس سے آگے ہو گیا (ترمذی، ابوداود، ابن ماجہ) ترمذی نے نقل کیا ہے کہ ابن ماجد راوی مجہول شخص ہے۔

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ جنازہ کے پیچھے چلنا چاہئے، جنازہ کے آگے نہیں چلنا چاہئے، عذر کے وقت آگے چلنے کی گنجائش ہے، آپ ﷺ بسا اوقات آگے چلے ہیں بیان جواز کیلئے، لیکن اصل طریقہ جنازہ کے پیچھے ہی چلنا ہے

کلمات حدیث کی تشریح الجنازۃ متبوعۃ اس حدیث سے خوب اچھی طرح یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ جنازہ کو آگے رکھا جائے اور جنازہ میں شامل لوگ پیچھے رہیں، جنازہ کو آگے رکھ کر چلنے میں اس بات کا اظہار ہے کہ مجرم ہے، حالانکہ میت کے بارے میں بدگمانی سے بچنے کی تاکید بہت سی احادیث میں وارد ہے، ابو ماجد امام ترمذی نے ابو ماجد راوی کو مجہول کہا ہے لیکن اس کی جہالت سے امام صاحب کے موقف کی تائید میں کوئی کمزوری نہیں آتی ہے، کیونکہ یہ راوی امام اعظمؒ کے زمانہ کے بعد کا ہے جس وقت امام صاحب نے اس حدیث سے استدلال کیا تھا اس وقت وہ موجود نہیں تھا۔

حدیث نمبر ۱۵۸٦ ﴿جنازہ کو کاندھا دینے کی فضلیت کا تذکرہ﴾ عالمی حدیث ۱٦۷۰۔۱٦۷۱

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَبِعَ جَنَازَةً وَّحَمَلَهَا ثَلٰثَ مِرَارٍ فَقَدْ قَضٰى مَا عَلَیْهِ مِنْ حَقِّهَا رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَ قَالَ هٰذَا حَدِیْثٌ غَرِیْبٌ ، وَ قَدْرُوِیَ فِیْ شَرْحِ السُّنَّةِ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ حَمَلَ جَنَازَةَ سَعْدِ بْنِ مُعَاذٍ بَیْنَ الْعَمُوْدَیْنِ .

حوالہ: ترمذی ۱/۲۰۱ باب کتاب الجنائز ،حدیث ۱۰۴۱۔

ترجمہ: حضرت ابوھریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص جنازہ کے پیچھے چلا اور اس نے تین بار جنازہ کو اٹھایا تو اس نے وہ حق ادا کر دیا جو اس کے اوپر میت کا تھا، ترمذی نے یہ روایت نقل کی ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے، اور شرح السنہ میں یہ روایت نقل ہوئی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت سعد بن معاذؓ کا جنازہ دو لکڑیوں کے درمیان اٹھایا۔

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ جنازہ کو کم از کم تین بار کاندھا دینا چاہئے جس نے قبر تک جانے میں تین بار کاندھا دیا اور تدفین وغیرہ میں شرکت کی تو ایک مؤمن کا دوسرے مؤمن پر جنازہ کے حوالے سے جو حق تھا وہ ادا کر دیا، جنازہ اٹھاتے وقت امام شافعیؒ کے نزدیک بہتر یہ ہے کہ اگلی جانب میں پایوں کے بیچ کی مٹی کا درمیان حصہ کو ایک شخص اپنے کاندھے پر رکھے اور پیچھے دو لوگ دونوں پایوں کو اٹھائیں، کل تین لوگ شروع میں جنازہ اٹھائیں، حدیث میں اسی طریقہ کا ذکر ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح من تبع جنازۃ وحملھا ثلاث مرار جس نے جنازہ کو کاندھا دیا اس نے جنازہ کا حق ادا کر دیا، حدیث میں جنازہ کو کاندھا دینے کا کوئی خاص طریقہ مقرر نہیں ہے، مؤطا امام محمد میں لکھا ہے کہ دائیں طرف کے اگلے پایہ کو پکڑ کر دس قدم چلے پھر پچھلے پایہ کو پکڑ کر دس قدم چلے، پھر بائیں طرف کے اگلے پایہ کو پھر پچھلے پایہ کو پکڑ کر دس قدم چلے۔

یہ طریقہ لوگوں کی سہولت کے لئے تجویز کیا گیا ہے، حدیث میں نہ پایوں کی تعین ہے نہ قدموں کی حسب سہولت جس طرح موقع ہو کاندھا دے سکتا ہے (تحفۃ الالمعی) حمل جنازۃ سعدبن معاذ بین العمودین ، جنازہ کیسے اٹھایا جائے؟ امام شافعیؒ کے نزدیک وہ طریقہ ہے کہ جس کا ذکر خلاصہ حدیث میں ہوا، اور اس کی طرف حدیث باب میں اشارہ ہے، اس کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ میت جس چارپائی پر ہے اس کے اگلے دونوں پاؤں کے درمیان کی لکڑی کا بیچ والا حصہ پشت کی طرف سے ایک شخص کاندھوں پر رکھے اس طرح آپ ﷺ نے سعد بن معاذ کے جنازہ کو اٹھایا جس کا ذکر ہے کہ آپ ﷺ نے جنازہ دو لکڑیوں کے درمیان اٹھایا، اور دو آدمی چارپائی کے پائینتی کی طرف دونوں پٹیوں کو اپنے اپنے کاندھوں پر رکھیں گے، اسی طرح تین لوگ شروع میں جنازہ اٹھائیں گے، امام ابوحنیفہ کے نزدیک، تربیع، افضل ہے، یعنی چار آدمی جنازہ کو چاروں پاؤں کی طرف سے اٹھا کر اپنے اپنے کاندھوں پر رکھ لیں، یہی طریقہ عبداللہ بن مسعودؓ سے منقول ہے، اور جہاں تک اس طریقہ کا ذکر ہے جس کو امام شافعیؒ نے پسند کیا ہے، اور جس کا حدیث باب میں ذکر ہے، اس کا

تعلق مخصوص واقعہ سے ہے، ممکن ہے کہ سعد بن معاذؓ کا جنازہ جس جگہ اٹھایا گیا ہو، وہاں تین آدمی سے زیادہ کی گنجائش نہ ہو، یا عین جنازہ اٹھاتے وقت صرف تین آدمی ہی موجود رہے ہوں۔

حدیث نمبر ۱۵۸۷ ☆☆ عالمی حدیث نمبر ۱۶۷۲

﴿سواری پر جنازہ کے ساتھ جانے سے منع کرنے کا تذکرہ﴾

وَعَنْ ثَوْبَانَ قَالَ خَرَجْنَامَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي جَنَازَةٍ فَرَاٰى نَاسًا رُكْبَانًا فَقَالَ اَلَا تَسْتَحْيُوْنَ اَنَّ مَلٰئِكَةَ اللّٰهِ عَلٰى اَقْدَامِهِمْ وَاَنْتُمْ عَلٰى ظُهُوْرِ الدَّوَآبِّ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَدْرُوِيَ عَنْ ثَوْبَانَ مَوْقُوْفًا.

حوالہ: ترمذی ۱/۱۹۶ باب ماجاء فی کراھیۃ الرکوب خلف الجنازۃ، کتاب الجنائز، حدیث ۱۰۱۲ ابن ماجہ ص ۱۰۶ باب ماجاء فی شھود الجنائز، کتاب الجنائز، حدیث ۱۴۸۰ ابو داؤد ص ۲/۴۹۲ باب الرکوب فی الجنازہ، کتاب الجنائز حدیث ۳۱۷۷۔

ترجمہ: حضرت ثوبانؓ سے روایت ہے کہ ہم لوگ ایک جنازہ میں نبی کریم ﷺ کیساتھ نکلے، تو آپ ﷺ نے کچھ لوگوں کو سوار دیکھا، چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ کیا تم لوگوں کو شرم نہیں آتی ہے، بیشک اللہ کے فرشتے اپنے پیروں پر ہیں، اور تم لوگ جانوروں کی پیٹھوں پر ہو (ترمذی، ابن ماجہ) ابوداؤد نے بھی اسی طرح روایت نقل کی ہے، ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث حضرت ثوبانؓ سے موقوفاً مروی ہے۔

خلاصۂ حدیث اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جنازہ کے پیچھے سوار ہو کر چلنا قطعاً مناسب نہیں ہے، لیکن عذر کے وقت سوار ہو کر جنازہ کے ساتھ جانے میں کوئی حرج نہیں ہے، جیسا کہ ماقبل میں روایت گذری ہے کہ "الراکب خلف الجنازۃ" سوار جنازہ کے پیچھے چلے، یہ عذر کی حالت پر محمول ہے، یہ حدیث اگر چہ حضرت ثوبان پر موقوف ہے لیکن حکم میں حدیث مرفوع کے ہے، کیوں کہ حضرت ثوبان اس طرح کی بات اپنی طرف سے نہیں کہیں گے، بلکہ انھوں نے ضرور نبی سے سنا ہوگا۔

کلمات حدیث کی تشریح أن ملا نکۃ اللّٰہ ملائکہ کے حقیقی معنی بھی مراد ہو سکتے ہیں اور مجازی معنی بھی ہو سکتے ہیں، حقیقی معنی مراد لینے کی صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ اللہ کے فرشتے جنازہ میں پیدل شرکت کرتے ہیں، اور اس میں کوئی استبعاد نہیں ہے، کیوں کہ فرشتے بہت سی جگہوں میں حاضر ہوتے ہیں، مثلاً نمازوں میں ذکر کی مجلسوں میں وغیرہ وغیرہ مجازی معنی مراد لیں تو مطلب یہ ہوگا کہ فرشتہ صفت صحابہ جنازہ میں پیدل چل رہے ہیں اور کچھ لوگ گھوڑوں پر سوار ہیں یہ بے شرمی کی بات ہے۔ مگر یہ احتمال ضعیف ہے۔ حقیقی معنی مراد لینا زیادہ بہتر ہے۔ حاصل یہ ہے کہ بلا عذر سوار ہو کر جنازہ کے پیچھے نہ چلنا چاہئے۔

حدیث نمبر ۱۵۸۸ ﴿نماز جنازہ میں سورۂ فاتحہ کی تلاوت کا بیان﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۶۷۳

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَرَأَ عَلَى الْجَنَازَةِ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاوُدَ وَابْنُ مَاجَةَ.

حوالہ: ابن ماجہ ص ۱۰۷ باب ماجاء فی القرآۃ علی الجنازۃ، کتاب الجنائز حدیث ۱۴۹۵، ترمذی ۱/۹۸ باب ماجاء فی القراءۃ علی الجنازۃ بفاتحۃ الکتاب، کتاب الجنائز حدث ۱۰۲۶، ابوداؤد ۲۵۶ ج ۲/ اباب مایقرأ علی الجنازۃ، کتاب الجنائز حدیث ۳۱۹۸۔

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نماز جنازہ میں سورۂ فاتحہ کی تلاوت کی (ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ)

خلاصۂ حدیث اس حدیث سے بظاہر یہ سمجھ میں آرہا ہے کہ آپ نے نماز جنازہ میں قرأت فرمائی ہے، نماز جنازہ میں بطور تلاوت کے سورۂ فاتحہ پڑھنا ثابت نہیں ہے، البتہ بطور دعا کے پڑھنا درست ہے، حدیث باب قابل اعتبار نہیں ہے خود امام ترمذی نے [illegible] اسنادہ بذلک القوی، حضرت ابن عباسؓ کی حدیث قوی نہیں ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح قرا علی الجنازة بفاتحة الکتاب اصل بات یہ ہے کہ ایک موقع پر حضرت ابن عباسؓ نے نماز جنازہ میں سورۂ فاتحہ کی تلاوت کی، نماز کے بعد لوگوں نے دریافت کیا تو انہوں نے کہا کہ "یہ سنت ہے" غور طلب بات ہے کہ اگر نماز جنازہ میں سورۂ فاتحہ کی تلاوت ہوتی تو صحابہ اس سے واقف ہوتے، اور حضرت ابن عباس کا یہ عمل اجنبی نہ ہوتا، صحابہ کا سوال کرنا دلیل ہے کہ عام صحابہ جنازہ میں سورۃ فاتحہ نہیں پڑھتے تھے، حضرت ابن عباسؓ کا یہ اپنا اجتہادی عمل تھا، اور بسا اوقات صحابہ اپنے اجتہاد کو بھی سنت کہتے تھے، اور جہاں تک حدیث باب ہے وہ درحقیقت حضرت ابن عباسؓ کا عمل ہے، مرفوع روایت نہیں ہے، اس حدیث کی سند نہایت ضعیف ہے، مزید تحقیق کے لئے حدیث ۱۵۷۰ دیکھیں۔

حدیث نمبر ۱۵۸۹ ﴿میت کیلئے خلوص دل سے دعامانگنے کی تاکید﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۶۷۴

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا صَلَّیْتُمْ عَلَی الْمَیِّتِ فَاَخْلِصُوْا لَهُ الدُّعَاءَ رَوَاهُ اَبُوْدَاؤدَ وَابْنُ مَاجَةَ.

حوالہ: ابوداؤد ۲/۴۵۶، باب الدعاء للمیت، کتاب الجنائز، حدیث ۳۱۹۹، ابن ماجہ ۱۰۷، باب ماجاء فی الدعاء فی الصلاۃ علی الجنازۃ، کتاب الجنائز حدیث ۱۴۹۷)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب تم میت پر نماز جنازہ پڑھو تو اس کے لئے خلوص سے دعا کرو۔ (ابوداؤد، ابن ماجہ)

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ جنازہ کی نماز پڑھنا ایک مسلمان پر میت کا حق ہے، لہٰذا نماز جنازہ کی ادائیگی اور دعاء مغفرت خلوص دل سے کرنا چاہئے، ریاکاری اور شہرت مقصود نہ ہو، بلکہ اللہ تعالیٰ میت سے درگذر فرمادیں اس کی دعا کرنا چاہئے اور ایسے طور پر نماز اور دعا کرنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ خوش ہوجائیں۔

کلمات حدیث کی تشریح فاخلصوا له فی الدعاء: میت کے لئے خالص رضاء الٰہی کے خاطر دعا کرو، تیسری تکبیر کے بعد خاص طور پر میت کے لئے دعاء کرنا نمازہ کا رکن ہے عمومی دعاء کافی نہیں ہے (مرقات ۴/۵۹) میت کے لئے دعا کی جائے؟ اس کا تذکرہ اگلی حدیث میں ہے۔

حدیث نمبر ۱۵۹۰ ☆☆ عالمی حدیث نمبر ۱۶۷۵ - ۱۶۷۶

﴿جنازہ کی نماز میں پڑھی جانیوالی دعاکا تذکرہ﴾

وَعَنْهُ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا صَلّٰی عَلَی الْجَنَازَةِ قَالَ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِحَیِّنَا وَمَیِّتِنَا وَشَاهِدِنَا وَغَآئِبِنَا، وَصَغِیْرِنَا وَكَبِیْرِنَا، وَذَكَرِنَا وَاُنْثَانَا، اَللّٰهُمَّ مَنْ اَحْیَیْتَهٗ مِنَّا فَاَحْیِهٖ عَلَی الْاِسْلَامِ وَمَنْ تَوَفَّیْتَهٗ مِنَّا فَتَوَفَّهٗ عَلَی الْاِیْمَانِ، اَللّٰهُمَّ لَاتَحْرِمْنَا اَجْرَهٗ وَلَاتَفْتِنَّا بَعْدَهٗ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَاَبُوْدَاؤدَ وَالتِّرْمِذِیُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَرَوَاهُ النَّسَائِیُّ عَنْ اَبِیْ اِبْرٰهِیْمَ الْاَشْهَلِیِّ عَنْ اَبِیْهِ وَانْتَهَتْ رِوَایَتُهٗ عِنْدَه وَاُنْثَانَا وَفِیْ رِوَایَةِ اَبِیْ دَاؤدَ فَاَحْیِهٖ عَلَی الْاِیْمَانِ وَتَوَفَّهٗ عَلَی الْاِسْلَامِ وَفِیْ اٰخِرِهٖ وَلَا تُضِلَّنَا بَعْدَهٗ.

حوالہ: احمد ص ۳۶۸ ج ۲، ابوداؤد ص ۲/۴۵۶ باب الدعاء لیمیت، کتاب الجنائز، حدیث ۳۲۰۱، ترمذی ص ۱/۱۹۸ باب مایقول فی الصلاۃ علی للمیت الجنائز، حدیث ۱۰۲۴، ابن ماجہ ص ۱۰۷، باب با ماجاء فی الدعاء الصلاۃ الخ کتاب الجناء، حدیث ۱۴۹۸

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب جنازہ کی نماز پڑھتے تھے تو یہ دعاء پڑھتے تھے، اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِحَیِّنَا الخ اے اللہ ہمارے زندوں کی اور مردوں، موجودین کی اور غائبین کی چھوٹوں اور بڑوں کی، مردوں کی اور عورتوں کی مغفرت فرمادیجئے،

اے اللہ آپ ہم میں سے جس کو زندہ رکھیں تو اس کو اسلام پر زندہ رکھیں اور آپ ہم میں سے جس کو وفات دیں تو اس کو ایمان پر وفات دیں اے اللہ ہمیں اس کے ثواب سے محروم نہ فرمایئے، اور اس کے بعد ہمیں آزمائش میں نہ ڈالیے (ترمذی، احمد، ابوداؤد، ابن ماجہ) اور نسائی نے اس روایت کو إبراهيم الأشهلي عن ابيه کی سند سے نقل کیا ہے اور نسائی کی وہ روایت لفظ ''وانثانا'' پر منتہی ہوتی ہے اور ابوداؤد کی ایک روایت میں فاحيه على الإيمان وتوفه على الإسلام کے الفاظ ہیں، اور اس کے اخیر میں کلمات ہیں ''ولا تضلنا بعده''

خلاصہ حدیث جنازہ کی نماز میں سب سے پہلی تکبیر کے بعد ثناء پڑھنا چاہئے، دوسری تکبیر کے بعد درود شریف پڑھنا چاہئے اور تیسری تکبیر کے بعد مذکورہ دعا پڑھنا چاہئے، نماز جنازہ میں تیسری تکبیر کے بعد کوئی بھی دعا پڑھی جاسکتی ہے، لیکن اس بات کا خیال رکھا جائے کہ میت کے حق میں خصوصی طور پر دعاءِ مغفرت ہو جائے، حدیث باب میں جو دعا مذکور ہے بہت ہی جامع ہے دعا چوتھی تکبیر کہہ کر سلام پھیرنا ہے اور چوں کہ نماز جنازہ خود دعا ہے لہٰذا سلام کے بعد کوئی دعا نہیں ہے۔

وصغيرنا وكبيرنا: لحيينا وميتنا: یہ دعاء خصوصی طور پر میت کے لئے ہے، اور عمومی طور پر تمام مسلمانوں کے لئے ہے، اس کی توجیہ یہ نقل کی ہے کہ صغیر تو بے گناہ ہوتا ہے اس کے حق میں مغفرت طلب کرنے کا مطلب یہ ہے کہ بلوغ کے بعد جو گناہ کرے گا وہ لوح محفوظ میں لکھیں ہیں، اللہ تعالیٰ سے اس کے حق میں دعا کا مطلب یہ ہے کہ جب وہ گناہ کرے تو ان کو معاف کر دیا جائے۔

اللّٰهم من أحييته: یعنی فرمانبردار بنا کر رکھیے ''ومن توفيته'' موت کے وقت تصدیق قلبی حاصل ہے ''اللّٰهم لاتحرمنا'' ایمان کے اجر اور وفات پر غم امت نیز صبر کرنے کے ثواب سے محروم نہ کریئے ''ولا تفتنا بعده'' میت کی وفات کے بعد ہمیں کسی آزمائش میں نہ ڈالئے، یعنی کسی ایسی چیز میں مبتلا نہ کریئے، جو مقتضی ایمان کے خلاف ہو۔

حدیث نمبر ۱۵۹۱ ﴿نماز جنازہ میں پڑھی جانے والی ایک اور دعاء﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۶۷۷

وَعَنْ وَّاثِلَةَ بْنِ الْاَسْقَعِ قَالَ صَلّٰى بِنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ فَسَمِعْتُهُ يَقُوْلُ اللّٰهُمَّ اِنَّ فُلَانَ بْنَ فُلَانٍ فِيْ ذِمَّتِكَ وَحَبْلِ جِوَارِكَ فَقِهِ مِنْ فِتْنَةِ الْقَبْرِ وَعَذَابِ النَّارِ، وَاَنْتَ اَهْلُ الْوَفَاءِ وَالْحَقِّ اللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَهُ وَارْحَمْهُ اِنَّكَ اَنْتَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَابْنُ مَاجَةَ.

حوالہ: ابوداؤد ۲/ ۴۵۷ باب الدعاء للميت، كتاب الجنائز، حدیث ۳۲۰۲ ابن ماجۃ ۱۰۶ باب ماجاء في الدعاء في الصلاة على الجنازة، كتاب الجنائز، حدیث ۱۴۹۹۔

ترجمہ: حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مسلمان شخص کی نماز جنازہ ہمارے ساتھ پڑھی، تو میں نے سنا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا پڑھ رہے تھے ''أللّٰهم ان فلان بن فلان الخ'' اے اللہ تیرا فلاں بندہ تیری امان اور تیری پناہ میں ہے اس کو قبر کے فتنہ سے اور جہنم کے عذاب سے محفوظ فرمادیجئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم وعدہ کو پورا کرنے والے اور سچے کرنے والے ہیں، اے اللہ اس بندہ کی مغفرت فرمایئے، اور اس پر رحم فرمایئے، بے شک آپ تو ہی مغفرت کرنے والے بہت رحم کرنے والے ہیں (ابوداؤد ابن ماجہ)

خلاصہ حدیث اس حدیث میں بھی نماز جنازہ میں پڑھی جانے والی ایک دعا کا ذکر ہے، کبھی کبھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم جنازہ کی نماز میں یہ دعا بھی پڑھتے تھے، اسمیں صرف میت کے حق میں ہی دعا ہے، اور نماز جنازہ میں تو اصلاً تو میت ہی کے حق میں دعا ہے

کلمات حدیث کی تشریح في ذمتك چونکہ بندہ آپ پر ایمان لانے والا ہے، اس کی امان میں ہے ''وحبل جوارك'' آپ کی حفاظت میں ہے'' فقه من فتنة القبر'' مطلب یہ ہے کہ قبر کے مختلف عذاب مثلاً قبر کے دبوچنے اور اس کی تاریکی وغیرہ سے بچایئے ''أهل الوفاء'' آپ وعدہ پورا کرنے والے ہیں وعدہ کی خلاف ورزی کرنے والے نہیں ہیں،

"والحق" اس میں اللہ تعالیٰ کے ارشاد "هو اهل التقوى واهل المغفرة" کی طرف اشارہ ہے، اللہ کی ذات اس لائق ہے کہ اس کے ساتھ شریک ٹھہرانے سے بچا جائے، اور اس مغفرت کی امید رکھی جائے۔ (مرقات ص۶۱/ج۴)

حدیث نمبر ۱۵۹۲ ﴿مردوں کا بھلائی کے ساتھ تذکرہ کرنے کی تاکید﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۶۷۸

وعن ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُذْكُرُوا مَحَاسِنَ مَوْتَاكُمْ ، وَكُفُّوا عَنْ مَسَاوِيهِمْ رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ وَالتِرْمِذِيُّ .

حوالہ: ابوداؤد ۲/۱۷۰ باب في النهي عن سب الموتى ، كتاب الأدب ، حدیث ۴۹۰۰، ترمذی ۱/۱۹۸/ باب آخر كتاب الجنائز حدیث ۱۰۱۹۔

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اپنے مردوں کی خوبیاں بیان کرو، اور ان کی برائیاں بیان کرنے سے زبان کو روکے رہو۔

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ جو اچھائیاں سامنے آئیں انکا ذکر کرنا چاہئے تاکہ لوگوں کو نیک بننے کی ترغیب ہو، اور میت کی برائیاں نقل کرنے سے گریز کرنا چاہیے، کیونکہ بدکار کو اپنی برائی کا بدلہ اللہ کے یہاں مل گیا، اب اسکی برائیاں

کلمات حدیث کی تشریح أذكروا محاسن موتاكم اپنے مردوں کی صرف خوبیاں بیان کرو، ان کے عیبوں کو مت چھیڑو حضرت گنگوہی کی تقریر میں ہے کہ آپ ﷺ مطلق "موتی" نہیں فرمایا ہے بلکہ "موتاکم" فرمایا ہے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ نہی کا تعلق ان اموات سے ہے جن کی موت مسلمانوں کے طریقہ پر گامزن رہتے ہوئے ہوئی ہو، اور جس کا طریقہ مسلمانوں کے خلاف ہو، مثلاً اس بدعت تو اس سے عیبوں سے سکوت جائز نہیں ہے، تاکہ لوگ اس کے طریقہ کے اختیار نہ کریں، لیکن یہ ضروری ہے کہ اسکے عیبوں کا ذکر رضائے الٰہی کی خاطر ہو، اپنے نفس کی تشفی کیلئے نہ ہو (الدر المنضود) خود آپ ﷺ نے بعض لوگوں کی ان کے مرنے کے بعد مذمت کی ہے، مثلاً جس شخص نے عربوں میں بت پرستی رائج کی تھی آپ ﷺ نے اس کے بارے میں فرمایا کہ میں نے اس کو جہنم میں دیکھا ہے مزید تحقیق کے لئے حدیث ۱۵۸۰ دیکھیں۔

حدیث نمبر ۱۵۹۳ ☆☆ عالمی حدیث نمبر ۱۶۷۹

﴿نماز جنازہ پڑھاتے وقت امام کے کھڑے ہونے کی جگہ کا ذکر﴾

وَعَنْ نَافِعٍ أَبِي غَالِبٍ قَالَ صَلَّيْتُ مَعَ أَنِسِ بْنِ مَالِكٍ عَلَى جَنَازَةِ رَجُلٍ فَقَامَ حِيَالَ رَأْسِهِ ثُمَّ جَاؤُا بِجَنَازَةِ امْرَأَةٍ مِنْ قُرَيْشٍ فَقَالُوْيَاأَبَا حَمْزَةَ صَلِّ عَلَيْهَا، فَقَامَ حِيَالَ وَسْطِ السَّرِيْرِ فَقَالَ لَهُ الْعَلَاءُ بْنُ زِيَادٍ:هٰكَذَا رَأَيْتَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَامَ عَلَى الْجَنَازَةِ مَقَامَكَ مِنْهَا وَمِنَ الرَّجُلِ مَقَامَكَ مِنْهُ ، قَالَ رَوَاهُ التِرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَفِي رِوَيَةِ أَبِي دَاوُدَ نَحْوَهُ مَعَ زِيَادَةٍ وَفِيْهِ فَقَامَ عِنْدَ عَجِيْزِ الْمَرْأَةِ .

حوالہ: ۱/۴۰۵ باب ماجاء أين يقوم الإمام من الرجل والمرأة ، كتاب الجنائز ، حدیث ۱۰۳۴ ابن ماجہ ص ۱۰۷ باب ماجاء في أين يقوم إذا صلي على الجنازة حدیث ۱۴۹۴، ابوداؤد ۲/۴۵۵ باب أين يقوم الإمام من الميت الخ كتاب الجنائز حدیث

ترجمہ: حضرت نافع ابوغالبؒ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضرت انس بن مالک کے ساتھ ایک آدمی کی جنازہ کی نماز پڑھی، تو وہ میت کے سر کے مقابل کھڑے ہوئے پھر لوگ قریش خاتون کا جنازہ لے کر آئے، تو لوگوں نے کہا کہ اے ابوحمزہ اس خاتون کی بھی نماز جنازہ پڑھادیں تو حضرت چارپائی بیچ حصہ کے مقابل میں کھڑے ہوئے، حضرت عبداللہ بن زیاد نے ان سے پوچھا کیا آپ رسول اللہ ﷺ کو عورت کے جنازہ پر جہاں آپ ﷺ کھڑے ہوئے وہاں اور مرد کے جنازہ پر جہاں آپ کھڑے ہوئے وہاں کھڑے ہوکر

نماز جنازہ پڑھاتے ہوئے دیکھا ہے؟ حضرت انس نے فرمایا کہ ہاں (ترمذی، ابن ماجہ (ابوداؤد نے بھی اس کے مانند روایت نقل کی ہے، لیکن اس میں یہ الفاظ مزید ہیں، حضرت انس خاتون کے کولہے کے مقابل میں کھڑے ہوئے۔

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ حضرت انسؓ نے مرد وعورت کے جنازہ پڑھانے میں کھڑے ہونے کی جگہ میں فرق کیا، عورت کا جنازہ پڑھاتے وقت اس کے نصف بدن کے مقابل کھڑے ہوئے اور مرد کا جنازہ پڑھاتے وقت سینہ کے مقابل کھڑے ہوئے، اور پوچھنے پر یہ بتایا کہ اس طرح میں نے حضور ﷺ کو نماز جنازہ پڑھاتے ہوئے دیکھا ہے، یہاں غور طلب بات یہ ہے کہ اگر اس طرح آپ ﷺ کا کھڑا ہونا طریقہ ومعمول تھا تو سوال کرنے کی ضرورت کیوں پڑی؟ اور حضرت انسؓ کا طریقہ نیا کیوں معلوم ہوا؟ اصل بات یہ ہے کہ آپ ﷺ کا عمومی عمل مرد وعورت دونوں میں سینہ کے مقابل کھڑے ہونے کا تھا، لیکن اگر عورت کا جنازہ مکمل طور پر مستور نہ ہوتا تو آپ ﷺ پردہ کی غرض اسے عورت کے نصف بدن کے مقابل کھڑے ہوجاتے تھے، حضرت انسؓ نے آپ ﷺ کے اس عمل کو دیکھ کر اس پر عمل کیا، لیکن یہ معاملہ خصوصی حالت کا ہے، عام حالات میں دونوں میں خواہ مرد ہو یا عورت امام کو جنازہ پڑھاتے وقت سینہ کے مقابل کھڑا ہونا چاہئے، کیونکہ دل محل ایمان ہے، اور نماز جنازہ ایمان کیساتھ ہی باعث شفاعت ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح قام حیال رأسه: امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک جنازہ کے سینہ کے مقابلہ میں امام کھڑا ہو، جنازہ چاہے مرد کا ہو یا عورت کا ہو، لیکن عورت کے جنازہ میں سینہ کے مقابل اس وقت کھڑا ہوا جائے جبکہ جنازہ اچھی طرح ڈھکا ہوا گر پوری طرح ڈھکا نہ ہوتو امام نصف بدن کے مقابل کھڑا ہوا، امام شافعی کے نزدیک اگر مرد کا جنازہ ہے تو سر کے مقابل اور اگر عورت کا جنازہ ہے تو نصف بدن کے مقابل کھڑا ہونا چاہئے۔

حدیث باب بظاہر شوافع کے موافق ہے، لیکن حنفیہ کہتے ہیں کہ آپ عورتوں کے نصف بدن کے سامنے اس وقت کھڑے ہوتے ہیں جب کہ جنازہ پورے طور پر ڈھکا ہوا نہیں رہا ہے، مزید تحقیق کے لئے حدیث ۱۵۷۳ دیکھیں۔

ثم جاؤا بجنازۃ اگر متعدد جنازہ ہوں تو افضل یہی ہے کہ علاحدہ علاحدہ جنازہ کی نماز پڑھی جائے، اگر چہ ایک ساتھ پڑھنا بھی جائز ہے، بعض لوگ غلط فہمی کی بنا پر سمجھتے ہیں کہ ایک ساتھ جنازہ پڑھنا بہتر ہے۔

الفصل الثانی

حدیث نمبر ۱۵۹٤ ☆☆ عالمی حدیث نمبر ۱٦۸۰

﴿احتراما جنازہ دیکھ کر کھڑے ہونا چاہیے﴾

عَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ ابْنِ أَبِيْ لَيْلٰى كَانَ سَهْلُ بْنُ حُنَيْفٍ وَقَيْسُ بْنُ سَعْدٍ قَاعِدَيْنِ بِالْقَادِ سِيَّةِ ، فَمُرَّ عَلَيْهِمَا بِجَنَازَةٍ فَقَامَا فَقِيْلَ لَهُمَا إِنَّهَا مِنْ أَهْلِ الْأَرْضِ أَيْ مِنْ أَهْلِ الذِّمَّةِ ، فَقَالَا: إِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّتْ بِهِ جَنَازَةٌ فَقَامَ فَقِيْلَ : لَهُ إِنَّهَا جَنَازَةُ يَهُوْدِيٍّ فَقَالَ أَلَيْسَتْ نَفْساً مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حوالہ: بخاری ۱/ ۱۷۵ باب من قام لجنازة يهودی ، کتاب الجنائز حدیث ۱۳۱۲، مسلم ص ۳۱۰ ج ۱ باب القيام للجنازة كتاب الجنائز .

ترجمہ: حضرت عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ روایت کرتے ہیں کہ حضرت سہل بن حنیفؓ اور قیس بن سعدؓ قادسیہ میں ایک جگہ بیٹھے ہوئے تھے، کہ ان کے سامنے سے ایک جنازہ گذرا تو یہ دونوں کھڑے ہوگئے، جب انھیں بتایا گیا کہ یہ جنازہ یہاں کے ایک مقامی ذمی شخص کا تھا، تو دونوں نے کہا کہ آپ ﷺ کے سامنے سے ایک جنازہ گذرا تو آپ ﷺ کھڑے ہوگئے تھے اس وقت آپ ﷺ کو بتایا گیا کہ یہ جنازہ تو یہودی کا تھا تو آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ کیا یہ انسان نہیں تھا (بخاری ومسلم)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ احترام انسانیت کی خاطر جنازہ دیکھ کر کھڑا ہونا چاہئے جنازہ خواہ مسلمان کا ہو یا غیر مسلم کا ہو آپ کے عمل سے بھی ثابت ہوا کہ آپ یہودی کا جنازہ دیکھ کر کھڑے ہوئے تھے، اور حضرات صحابہ میں سے بعض لوگوں نے غیر مسلموں کا جنازہ دیکھ کر کھڑے ہونے کا اہتمام کیا۔

کلمات حدیث کی تشریح فمر علیھما بجنازۃ فقاما جنازہ گزرا تو دونوں حضرات کھڑے ہوئے، اصل بات یہ ہے کہ آپ پہلے جنازہ دیکھ کر کھڑے ہوئے تھے بعد میں ترک کر دیا تھا، ترمذی میں حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ قام رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ثم قعدہ یعنی شروع میں آپ جنازہ دیکھ کر کھڑے ہوتے تھے پھر آپ نے کھڑا ہونا چھوڑ دیا تھا، اس کو صاحب مرقات نے لکھا ہے "وقد ثبت نسخ القیام" بروایۃ علی کرم اللّٰہ وجہ حضرت علی کی روایت سے جنازہ دیکھ کر کھڑا ہونا منسوخ ہوگیا ہے۔

جنازہ دیکھ کر کھڑے ہونے کی حکمت موت سے عبرت حاصل کرنا امر مطلوب ہے، لیکن عبرت حاصل کرنا ایک مخفی امر ہے، کس نے موت سے عبرت حاصل کی اور کس نے حاصل نہیں کی اس کا پتہ چلنا مشکل ہے لہٰذا آپ ﷺ نے جنازے کو دیکھ کر کھڑے ہونے کی تاکید کی تاکہ موت سے لوگوں کی حصول عبرت کا کسی قدر اندازہ ہو سکے۔

جنازہ دیکھ کر کھڑے ہونے کی ممانعت کی حکمت کچھ مدت تک آپ ﷺ نے جنازہ دیکھکر کھڑا ہونا بند کر دیا اور لوگوں کو بھی اس سے منع کر دیا اسکی وجہ یہ تھی کہ زمانہ جاہلیت میں مقام تعظیم کا رواج تھا اور اسمیں بہت زیادہ غلو ہوتا تھا آپ ﷺ نے اسی تعظیم سے منع کر دیا تھا، جنازہ دیکھکر کھڑا ہونا مردہ کی تعظیم کی غرض سے نہیں بلکہ موت سے عبرت پکڑنے کی غرض سے تھا، لیکن ممکن تھا کہ بعد والے یہ سمجھتے کہ یہ کھڑا ہونا تعظیم میت کی غرض سے ہے اور پھر وہ یہ فیصلہ کرتے کہ جب مردوں کی تعظیم کیلئے کھڑا ہونا درست ہے تو زندوں کیلئے بھی کھڑے ہونے میں کوئی حرج نہیں اور پھر تعظیم جاہلیت والی شکل اختیار کر لیتے، آپ ﷺ نے اس غلط رواج کے پھیلنے کو محسوس کر کے اسکا دروازہ بند کر دیا، لہٰذا اب جنازہ دیکھ کر کھڑا نہ ہوا جائے۔

ممانعت کے بعد صحابہ کا کھڑا ہونا ظاہر بات یہ ہے کہ حضور ﷺ نے اپنی حیات ہی میں جنازہ دیکھ کر کھڑا ہونا ترک کر دیا تھا صحابہؓ کو بھی اس سے منع کر دیا تھا پھر یہ حضرات صحابہ جن کا ذکر حدیث باب میں ہے جنازہ دیکھ کر کیوں کھڑے ہوئے اس کا جواب یہ ہے کہ ان حضرات کو نسخ کا علم نہیں تھا۔

حدیث نمبر ۱۵۹۵ ☆☆ عالمی حدیث نمبر ۱۶۸۱

﴿جنازہ قبر میں رکھنے سے پہلے بیٹھنے کا تذکرہ﴾

وعن عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا تَبِعَ جَنَازَةً لَمْ يَقْعُدْ حَتّٰى تُوضَعَ فِي اللَّحْدِ، فَعَرَضَ لَهُ حَبْرٌ مِنَ الْيَهُودِ فَقَالَ لَهُ إِنَّا هٰكَذَا نَصْنَعُ يَا مُحَمَّدُ قَالَ فَجَلَسَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَالَ خَالِفُوْهُمْ، رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَأَبُوْدَاوُدَ وَابْنُ مَاجَةَ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ وَبِشْرُ ابْنُ رَافِعٍ الرَّاوِي لَيْسَ بِالْقَوِيِّ.

حوالہ: ترمذی ص ۱۹۸ ج/۱ "باب ماجاء فی الجلوس قبل ان توضع" کتاب الجنائز حدیث ۱۰۲۰ ابوداؤد ص ۴۵۲ ج/۲، باب القیام للجنازۃ کتاب الجنائز، حدیث ۳۱۷۶، ابن ماجہ ص ۱۱۱، باب القیام للجنازہ کتاب الجنائز حدیث ۱۰۴۰۔

ترجمہ: حضرت عبادہ بن صامتؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا معمول تھا کہ جب جنازہ کے ساتھ جاتے تو اس وقت تک نہ بیٹھتے تھے کہ جنازہ کو قبر میں نہ رکھ دیا جاتا ایک موقع پر ایک یہودی عالم کی حضور سے ملاقات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے محمد ہم لوگ بھی

ایسا ہی کرتے ہیں راوی کہتے ہیں کہ آپ اس وقت بیٹھ گئے اور آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہود کی مخالفت کرو (ترمذی ابوداؤد وابن ماجہ) ترمذی نے فرمایا کہ یہ حدیث غریب ہے کیونکہ اس کا راوی بشر بن رافع قوی نہیں ہے۔

خلاصہ حدیث پہلے آپ ﷺ کا معمول تھا کہ جب تک جنازہ قبر میں اتار نہیں دیا جاتا تھا، آپ ﷺ بیٹھتے نہیں تھے، لیکن جب ایک یہودی عالم نے آپ ﷺ سے آکر عرض کیا کہ ہمارا بھی یہی طریقہ ہے، تو آپ ﷺ نے مخالفت یہودی کی غرض سے اس عمل سے اجتناب کیا، یہ حدیث ضعیف ہے اس میں مسلسل تین راوی ضعیف ہیں، جن میں سے ایک کا امام ترمذی نے ذکر کیا ہے

کلمات حدیث کی تشریح لم يقعد حتى توضع في اللحد: جب جنازہ کاندھوں سے اتار دیا جائے، اور زمین پر رکھ دیا جائے تو اب قبر میں اتارے جانے سے پہلے بیٹھنے میں کوئی حرج نہیں ہے، پہلے آپ ﷺ نہیں بیٹھتے تھے لیکن بعد میں بیٹھنے لگے البتہ جب تک جنازہ کاندھوں پر ہے، اس وقت تک بیٹھنے میں یہ تفصیل ہے کہ اگر لوگ تھوڑے ہیں تو جب تک جنازہ زمین پر رکھ نہ دیا جائے کوئی نہ بیٹھے، اس وجہ سے کہ اگر لوگ بیٹھ جائیں گے تو جنازہ زمین پر اتارتے وقت گرنے کا امکان ہے، کیونکہ زمین پر رکھتے وقت بسا اوقات جنازہ اٹھانے والوں کے علاوہ دیگر افراد کی بھی ضرورت پڑتی ہے۔ اور اگر جنازہ کے ساتھ زیادہ لوگ ہیں تو جو لوگ جنازہ کے اردگرد ہیں وہ جنازہ زمین پر رکھنے سے پہلے نہ بیٹھیں، دور کے لوگ بیٹھ سکتے ہیں۔

حدیث نمبر ۱۵۹۶ ﴿قبرستان میں بیٹھنے کا تذکرہ﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۶۸۲

وعن عَلِيٍّ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَرَ نَا بِالْقِيَامِ فِيْ الْجَنَازَةِ جَلَسَ بَعْدَ ذٰلِكَ وَأَمَرَنَا بِالْجُلُوسِ رَوَاهُ أَحْمَدُ .

حواله: أحمد ۸۲/۱۔

ترجمه: حضرت علی سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے پہلے ہمیں جنازہ کے ساتھ قبرستان میں کھڑے رہنے کا حکم دیا، لیکن بعد میں خود بھی بیٹھے اور ہمیں بھی بیٹھنے کا حکم دیا (احمد)

خلاصہ حدیث آپ ﷺ کا پہلے معمول تھا کہ جب تک جنازہ قبر میں رکھ نہ دیا جاتا بیٹھتے نہ تھے لیکن جب آپ ﷺ کو ایک یہودی عالم نے اس کی اطلاع دی کہ یہی یہود کا بھی طریقہ ہے تو آپ ﷺ نے یہود کے طریقہ کی مخالفت کے غرض سے اس کے بعد سے خود بھی جنازہ قبر میں رکھنے سے پہلے بیٹھنے کا اہتمام کیا اور صحابہ کو بھی بیٹھنے کی تاکید کی۔

کلمات حدیث کی تشریح امرنا بقیام: کھڑے ہونے کا حضور نے حکم دیا، یہ امر ندب کے لئے بھی ہوسکتا ہے اور وجوب کے لئے بھی ہوسکتا ہے "في الجنازة" یہاں دو معنی ممکن ہیں (۱) جنازہ دیکھ کر کھڑے ہونے کا حکم کیا (۲) جب تک تدفین نہ ہو جائے کھڑے رہنے کا حکم کیا "ثم جلس بعدذلك" قبر میں جنازہ رکھنے اور تدفین سے فراغت سے پہلے آپ ﷺ بیٹھ گئے، یا پھر جنازہ دیکھ کر آپ ﷺ کھڑے نہیں ہوئے، بلکہ بیٹھ گئے یا بیٹھنے کا معمول رکھا، "امرنا بالجلوس" آپ ﷺ نے اپنے عمل کی تائید اپنے قول سے فرمائی، اور حضرات صحابہ کو بھی بیٹھنے کی تاکید کی ہے کہ اس حکم کے بعد کھڑا ہونا بھی کہ آپ ﷺ نے جو بیٹھنے کا حکم کیا ہے یہ اباحت کے لئے پہلے کھڑے ہونا واجب تھا، اب بیٹھنا بھی جائز ہے۔ (مرقات ۴/۶۳)

حدیث نمبر ۱۵۹۷ ﴿جنازہ دیکھ کر کھڑا ہونا منسوخ ہے﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۶۸۳

وعن مُحَمَّدِ ابْنِ سِيْرِيْنَ قَالَ إِنَّ جَنَازَةً مَرَّتْ بِالْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ وَابْنِ عَبَّاسٍ فَقَامَ الْحَسَنُ وَلَمْ يَقُمْ ابْنُ عَبَّاسٍ فَقَالَ الْحَسَنُ أَلَيْسَ قَدْقَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لِجَنَازَةِ يَهُوْدِيٍّ قَالَ نَعَمْ ثُمَّ جَلَسَ رَوَاهُ النَّسَائِيُّ .

حواله: نسائی ص۲/۲ ج/۲ باب الرخصة في ترك القيام كتاب الجنائز حديث ۱۹۲۳۔

ترجمہ: حضرت محمد بن سیرینؒ سے روایت ہے کہ ایک جنازہ حضرت حسن بن علیؓ اور ابن عباسؓ کے سامنے سے گذرا تو حضرت حسن کھڑے ہوئے اور حضرت ابن عباسؓ نہیں کھڑے ہوئے، اس موقع پر حضرت حسنؓ نے فرمایا کیا رسول اللہ ﷺ ایک یہودی کے جنازہ کے لئے کھڑے نہیں ہوئے تھے، حضرت ابن عباس نے جواب دیا کہ ہاں کھڑے ہوئے تھے، لیکن بعد میں بیٹھ گئے تھے (نسائی)

کلمات حدیث کی تشریح "فقام الحسن" حضرت حسنؓ جنازہ دیکھکر کھڑے ہوئے یا تو انکو نسخ کا علم نہیں تھا یا پھر انہوں نے یہ سمجھا کہ نسخ کا تعلق وجوب سے نہیں ہے یعنی جنازہ دیکھکر کھڑے ہونا واجب نہیں ہے البتہ کھڑا ہونا مباح ہے۔

"ولم یقم ابن عباس" حضرت ابن عباسؓ نے نسخ پر عمل کیا، آپ ﷺ کے فرمان "اجلسوا" یعنی بیٹھنے پر عمل کیا، حضرت حسنؓ کو تعجب ہوا، اور انہوں نے کہا کہ حضور ﷺ تو یہودی کے جنازہ میں کھڑے ہوئے اور آپ ﷺ مسلمان کے جنازہ میں نہیں کھڑے ہوئے، حضرت ابن عباسؓ نے جواب دیا کہ حضور ﷺ پہلے کھڑے ہوئے تھے پھر کھڑے ہونے سے رک گئے تھے، مزید تحقیق کیلئے حدیث ۱۵۹۴ دیکھیں

حدیث نمبر ۱۵۹۸ ﴿یہودی کے جنازہ پر کھڑے ہونا﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۶۸۴

عَنْ جَعْفَرِبْنِ مُحَمَّدٍ أَنَّ الْحَسَنَ بنَ عَلِيٍّ كَانَ جَالِساً فَمُرَّعَلَيْهِ بِجَنَازَةٍ ، فَقَامَ النَّاسُ حَتّٰى جَاوَزَتِ الْجَنَازَةُ فَقَالَ الْحَسَنُ إِنَّمَا مُرَّ بِجَنَازَةِ يَهُودِيٍّ وَكَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى طَرِيْقِهَا جَالِساً وَكَرِهَ أَنْ تَعْلُوَرَأْسَهُ جَنَازَةُ يَهُودِيٍّ فَقَامَ رَوَاهُ النَّسَائِيُّ .

حوالہ: نسائی ص ۲۱۲ ج ۲/ باب الرخصة فی ترك القیام کتاب الجنائز حدیث ۱۹۲۶۔

ترجمہ: حضرت جعفر بن محمدؒ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں جناب حسنؓ بن علیؓ بیٹھے ہوئے تھے انکے پاس سے ایک جنازہ گزرا تو سب لوگ کھڑے ہوگئے، جب جنازہ آگے بڑھ گیا تو حضرت حسنؓ نے فرمایا کہ ایک یہودی کا جنازہ گزرا اسوقت آپ ﷺ راستہ میں کھڑے ہوئے تھے، آپ ﷺ نے اس بات کو ناپسند کیا کہ ایک یہودی کا جنازہ آپ ﷺ سے بلند ہو لہٰذا آپ ﷺ کھڑے ہوگئے (نسائی)

خلاصۂ حدیث پہلے آپ ﷺ جنازہ دیکھ کر کھڑے ہوتے تھے پھر کھڑا ہونا بند کردیا تھا، جنازہ دیکھ کر کھڑے ہونے کی بہت سی علتیں ہوسکتی ہیں مثلاً موت سے عبرت حاصل کرنا، ملائکہ کا احترام کرنا، ایک علت حدیث کے باب میں بھی مذکور ہے کہ یہودی کا جنازہ آپ ﷺ سے بلند نہ ہو، اس لئے آپ ﷺ کھڑے ہوگئے۔

کلمات حدیث کی تشریح فقام الناس: بعض لوگ جنازہ دیکھکر کھڑے ہوئے ان لوگوں کو نسخ کا علم نہیں تھا یا پھر یہ جائز سمجھکر کھڑے ہوئے ہونگے اور نسخ کا تعلق وجوب سے سمجھتے ہونگے "کرہ أن تعلو راسه" اسمیں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ "الإسلام یعلو ولا یعلیٰ علیه" حضرت حسنؓ نے ایک طرح سے لوگوں کے کھڑے ہونے کو ناپسند کیا اور گذشتہ حدیث میں ہے کہ وہ خود کھڑے ہوئے تھے اصل بات یہ ہے کہ جب ان کو مسئلہ اچھی طرح معلوم ہوگیا تو انہوں نے کھڑا ہونا چھوڑ دیا۔

حدیث نمبر ۱۵۹۹ ﴿جنازہ کے لئے کھڑے ہونے کی تاکید﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۶۸۵

وعن أَبِي مُوسٰى أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا مَرَّتْ بِكَ جَنَازَةُ يَهُودِيٍّ أَوْنَصْرَانِيٍّ أَوْ مُسْلِمٍ فَقُومُوا لَهَا فَلَسْتُمْ لَهَا تَقُومُونَ إِنَّمَا تَقُومُونَ لِمَنْ مَعَهَا مِنَ الْمَلَائِكَةِ رَوَاهُ أَحْمَدُ.

حوالہ: مسند احمد ص ۳۶۱ ج ۴۔

ترجمہ: حضرت ابوموسیٰؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب تمہارے سامنے سے جنازہ گزرے خواہ یہودی کا ہو یا نصرانی کا ہو، یا مسلمان کا ہو تو تم اس کے لئے کھڑے ہو بات یہ ہے کہ تم جنازہ کے لئے نہیں کھڑے ہوتے ہو، تم تو ان فرشتوں کے لئے کھڑے ہوئے ہو جو جنازے کے ساتھ ہیں (احمد)

خلاصۂ حدیث جنازہ دیکھ کر کھڑے ہونے کی شروع میں آپ ﷺ نے تاکید کررکھی تھی بعد میں اس کی ممانعت ہوگئی، جنازہ دیکھ کر کھڑے ہونے کی مختلف حکمتیں تھیں یہاں اس کی حکمت تعظیم ملائکہ مذکور ہے یعنی جنازہ کے ساتھ جو فرشتے ہیں ان کی تعظیم کی غرض سے کھڑے ہوا کرو۔

کلمات حدیث کی تشریح فقومو الھا: جنازہ دیکھ کر کھڑے ہونے کا حکم پہلے تھا پھر منسوخ ہوگیا اور مختلف وجوہات کی بنا پر تھا اور اس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ ایک امر کی مختلف علتیں ہوں چنانچہ احادیث میں مختلف علتیں بیان ہوئی ہیں

حدیث نمبر ۱۶۰۰ ﴿جنازہ میں فرشتوں کی شرکت﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۶۸۶

وَعَنْ أَنَسٍ اَنَّ جَنَازَةً مَرَّتْ بِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: فَقِيْلَ: اِنَّهَا جَنَازَةُ يَهُوْدِيٍّ فَقَالَ: اِنَّمَا قُمْتُ لِلْمَلٰئِكَةِ رَوَاهُ النَّسَائِيُّ .

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس سے ایک جنازہ گزرا تو آپ ﷺ کھڑے ہوگئے آپ ﷺ سے کہا گیا کہ یہ تو ایک یہودی کا جنازہ ہے آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں تو فرشتوں کی وجہ سے کھڑا ہوا ہوں (نسائی)

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل بھی یہی ہے کہ ممانعت سے پہلے بھی آپ ﷺ جنازہ دیکھ کر کھڑے ہوتے تھے کسی نے آپ ﷺ سے عرض کیا کہ آپ ﷺ یہودی کے جنازے میں کھڑے ہوتے ہیں تو آپ ﷺ نے صراحت فرمائی کہ میں تعظیم میت کی خاطر نہیں کھڑا ہوا تھا بلکہ میت کے ساتھ جو فرشتے ہیں ان کی تعظیم کی بنا پر کھڑا ہوا تھا، بہر حال بعد میں آپ ﷺ نے اس وجہ سے میت کو دیکھ کر کھڑا ہونا چھوڑ دیا کہ کہیں لوگ یہ نہ خیال کریں کہ تعظیم میت کے لئے کھڑا ہوا جاتا ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح اِنّما قمت للملائکۃ: معلوم ہو کہ میت کے ساتھ فرشتے ہوتے ہیں، مؤمن کے جنازہ کے ساتھ رحمت کے فرشتے ہوتے ہیں، جبکہ کافر و فاجر کے جنازے کے ساتھ عذاب کے فرشتے ہوتے ہیں۔ اور دونوں کے دونوں قابلِ احترام ہیں۔

حدیث نمبر ۱۶۰۱ ﴿نمازجنازہ کی صفوں کا تذکرہ﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۶۸۷

وَعَنْ مَالِكِ بْنِ هُبَيْرَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ مَامِنْ مُسْلِمٍ يَمُوْتُ فَيُصَلِّيْ عَلَيْهِ ثَلٰثَةُ صُفُوْفٍ مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ اِلَّا اَوْجَبَ فَكَانَ مَالِكٌ اِذَا اسْتَقَلَّ اَهْلَ الْجَنَازَةِ جَزَّأَهُمْ ثَلٰثَةَ صُفُوْفٍ لِهٰذَا الْحَدِيْثِ ، رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَفِيْ رِوَايَةِ التِّرْمِذِيِّ قَالَ كَانَ مَالِكُ بْنُ هُبَيْرَةَ اِذَا صَلّٰى عَلٰى جَنَازَةٍ فَتَقَالَّ النَّاسَ عَلَيْهَا جَزَّأَهُمْ ثَلٰثَةَ اَجْزَاءٍ ثُمَّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ صَلّٰى عَلَيْهِ ثَلٰثَةُ صُفُوْفٍ اَوْجَبَ وَرَوَى ابْنُ مَاجَةَ نَحْوَهٗ .

حوالہ: ابوداؤد ص ۴۵۱ ج ۲/ باب فی الصف علی الجنازہ، کتاب الجنائز حدیث ۳۱۶۶ ترمذی ص ۱۰۷ ج ۱/، باب کیف الصلاۃ علی المیت ، کتاب الجنائز، حدیث ۱۰۲۸۔

ترجمہ: حضرت مالک بن ہبیرہؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ جو مسلمان بھی مرتا ہے اور اس پر مسلمانوں کی تین صفیں نماز پڑھتی ہیں، تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت کو واجب کر دیتے ہیں، حضرت مالکؓ جب آدمیوں کی تعداد کم دیکھتے تو اس حدیث کی وجہ سے ان کو تین صفوں میں تقسیم کر دیتے تھے (ابوداؤد)

اور ترمذی کی روایت میں ہے کہ راوی نے کہا کہ حضرت مالک بن ہبیرہؓ جب کسی جنازہ کی نماز پڑھاتے تھے اور جنازہ میں شامل لوگوں کی تعداد کم محسوس کرتے تو ان کو تین حصوں میں تقسیم کر دیتے، پھر کہتے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس میت پر تین صفوں کے نماز پڑھی اس کے لئے جنت واجب ہوگئی، اس طرح کی روایت ابن ماجہ نے نقل کی ہے۔

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ جنازہ کی نماز میں کم از کم تین صفیں بنانا چاہئے، حتیٰ کہ اگر نماز جنازہ میں شامل لوگوں کی تعداد بہت ہی کم ہے تو بھی تین صفیں بنانے کی کوشش کرنا چاہئے، مثلاً صرف سات لوگ ہوں تو ایک امام بن جائے، اور پہلی صف میں تین، دوسری صف میں دو اور تیسری صف میں ایک آدمی کھڑا ہو، اگر تین صفوں نے نماز پڑھ لی اور ان لوگوں نے دعاء مغفرت کی تو اللہ تعالیٰ ان کی دعاء وسفارش ضرور قبول فرمالیں گے، اور اپنے فضل سے میت کی مغفرت فرما کر جنت عطا کریں گے۔

کلمات حدیث کی تشریح فصلی علیه ثلاثة صفوف اصل بات یہ ہے کہ جس میت کی نماز جنازہ میں جماعت اور بڑی جماعت کثیرہ پڑھی، تو اس کی مغفرت ہوجاتی ہے، اور بڑی جماعت سے مراد تین صفوں والی نماز جنازہ ہے اور تین صفوں میں تقریباً سو آدمی آجاتے ہیں چنانچہ حضرت عائشہؓ کی حدیث گذری ہے کہ "مامن مسلم تصلی علیه أمة من المسلمین یبلغون مائة کلهم یشفعون له الا شفعوا فیه" (جس مسلمان کا انتقال ہوجائے اور اس کی نماز جنازہ مسلمانوں کی بڑی جماعت پڑھے، جن کی تعداد سو تک پہنچ جائے اور وہ سب اس کے لئے سفارش کریں، تو اللہ تعالیٰ اس کی سفارش قبول فرماتے ہیں) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بڑی جماعت سے مراد سو آدمی ہیں، حضرت مالک ہبیرہؓ اس بشارت کے حصول کے لئے لوگوں کی تعداد کم ہونے کے وقت تین صفیں بناتے تھے، چاہے ہر صف میں چند ہی آدمی کیوں نہ ہوں، تین صفوں کے لئے کم از کم سات افراد ضرور ہونا چاہئے، اگر افراد زیادہ ہیں تو پانچ سات صفیں بنانی چاہئے صفوں کی تعداد میں عدد وتر کا خیال رکھنا اولیٰ ہے لازم یا ضروری نہیں ہے، "اوجب" اللہ تعالیٰ کے لئے کوئی چیز واجب نہیں ہے چونکہ یہ اللہ کا وعدہ ہے اور اللہ اپنے وعدہ کو ضرور پورا کرتے ہیں اس لئے یہ بات کہی گئی ہے کہ جنت دینا واجب ہے، اللہ تعالیٰ اس کے خلاف کرنے پر بھی قادر ہیں۔

حدیث نمبر ۱۶۰۲ ☆☆ عالمی حدیث نمبر ۱۶۸۸

﴿نماز جنازہ میں آپ ﷺ کی پڑھی ہوئی ایک اور دعا﴾

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ فِی الصَّلٰوةِ عَلَی الْجَنَازَةِ اَللّٰهُمَّ اَنْتَ رَبُّهَا وَاَنْتَ خَلَقْتَهَا وَاَنْتَ هَدَیْتَهَا اِلَی الْاِسْلَامِ وَاَنْتَ قَبَضْتَ رُوْحَهَا وَاَنْتَ اَعْلَمُ بِسِرِّهَا وَعَلَانِیَتِهَا جِئْنَاكَ شُفَعَآءَ فَاغْفِرْ لَهٗ رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ۔

حوالہ: ابوداؤد ص ۴۵۶ ج/۲، باب الدعاء للمیت، کتاب الجنائز حدیث ۳۲۰۰۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے جنازہ کی نماز میں یہ دعا پڑھی "اللّٰھم أنت ربھا الخ" اے اللہ آپ ہی میت کے پروردگار ہیں آپ ہی نے اس کو پیدا کیا ہے آپ ہی نے اس کو اسلام کی طرف ہدایت عطا کی ہے، آپ ہی نے اس کی روح قبض کی ہے، اور آپ ہی اس کے ظاہر و باطن سے خوب واقف ہیں، ہم اس کے سفارشی بن کر حاضر ہوئے ہیں، اے اللہ اس کو معاف فرمادیجیے۔

خلاصۂ حدیث آپ نے جنازہ کی نماز میں میت کے لئے مختلف مواقع پر مختلف دعائیں کیں ہیں، کبھی میت کے حق میں دعا کرنے کے ساتھ عام لوگوں کے لئے بھی دعا کی ہے، اور کبھی صرف میت ہی کے حق میں دعا کی ہے، حدیث باب میں جو دعا ہے اس میں صرف میت کے لئے دعا کی ہے تیسری تکبیر کے بعد کوئی بھی دعا پڑھی جائے ٹھیک ہے بس اس کا خیال رہے کہ میت کے حق میں مغفرت کی دعا ضرور شامل ہو۔

کلمات حدیث کی تشریح ربھا: یعنی اللہ تعالیٰ آپ ہی میت کے مالک، اسکے آقا، اس کے مربی سب کچھ ہیں "خلقتھا" ابتداءً آپ نے ہی پیدا فرمایا۔ "أنت ھدیتھا" آپ ہی نے دین وایمان کی شہادت عطا فرمائی "أنت قبضت" آپ ہی نے اس کی روح قبض کرنے کا حکم دیا، بعض عارف کہتے ہیں، کہ روح حقیقی طور پر اللہ تعالیٰ قبض کرتے ہیں جیسا کہ ارشاد ربانی

ہے "اللّٰہ یتوفی الأنفس حین موتھا" فرشتوں کی طرف روح قبض کرنے کی نسبت مجازی ہے "بسرھا و علا نیتھا" یعنی بندہ کے ظاہروباطن سے آپ واقف ہیں "شفعاء" یعنی ہم آپ کے بندے آپ سے اس بات کی التجا کررہے ہیں کہ میت کو معاف فرمادیجئے "فاغفرلہ" آپ بندہ کو معاف فرمادیں، بیشک آپ دعاؤں کو قبول کرنیوالے اور حاجتوں کو پورا کرنے والے ہیں۔(مرقات ۴/۶۵)

حدیث نمبر ۱۶۰۳ ﴿بچہ کی نماز جنازہ کی دعا﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۶۸۹

وَعَنْ سَعِيْدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ قَالَ صَلَّيْتُ وَرَآءَ اَبِيْ هُرَيْرَةَ عَلٰى صَبِيٍّ لَمْ يَعْمَلْ خَطِيْئَةً قَطُّ فَسَمِعْتُهُ يَقُوْلُ اللّٰهُمَّ اَعِذْهُ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ رَوَاهُ مَالِكٌ.

حوالہ: مؤطا مالک ص ۷۹ باب مایقول المصلی علی الجنازہ، کتاب الجنائز، حدیث ۸۔

ترجمہ: حضرت سعید بن مسیبؒ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت ابو ہریرہؓ کے پیچھے ایک ایسے بچہ کی نماز جنازہ پڑھی جس نے کبھی گناہ کیا ہی نہیں تھا، میں نے اس موقع پر حضرت ابو ہریرہؓ کو یہ دعا مانگتے ہوئے سنا "اللّٰھم اعذہ الخ" اے اللہ اس کو عذاب قبر سے محفوظ رکھیے (مؤطا مالک)

خلاصہ حدیث اس حدیث میں وہ دعا مذکور ہے جو حضرت ابو ہریرہؓ نے ایک چھوٹے سے نابالغ بے قصور بچہ کی نماز جنازہ میں پڑھی تھی چونکہ قبر میں وحشت اور ابتدائی غصہ اور رنج سے کوئی بھی دوچار ہوسکتا ہے، خواہ وہ بڑا ہو یا چھوٹا، لہٰذا حضرت ابو ہریرہؓ نے اسی سے حفاظت کی دعا کی ہے، یہاں بدی اور گناہ کے بدلہ میں سزا اور عذاب ہوتا ہے اس سے حفاظت کی دعا مقصود نہیں ہے۔ اس لئے کہ اس سے تو بچہ محفوظ رہے گا ہی بے خطا اور غیر مکلف کو اللہ تعالیٰ سزا نہیں دیتے ہیں۔

کلمات حدیث کی تشریح لم یعمل خطیئۃ حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ مذکورہ جملہ "صبی" کی صفت کاشفہ ہے، اس وجہ سے کہ صبی نابالغ سے گناہ متصور نہیں ہے، اور ممکن ہے کہ گناہ کی نفی کے لیے بطور مبالغہ کے اس کو ذکر کیا ہو۔

"أعذہ من عذاب القبر" اے اللہ اس بچہ کو عذاب قبر سے بچالیجئے۔

سوال: بچہ تو عذاب قبر سے محفوظ ہے یہ بات بہت سی احادیث سے ثابت ہے پھر اس کو عذاب قبر سے نجات دینے کی دعاء کیوں کی؟

جواب: اس کے چند جواب ہیں ایک کی طرف خلاصۂ حدیث میں اشارہ ہو چکا ہے، بعض لوگ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ تمام بندوں کو عذاب دینے پر قادر ہیں، اور اگر وہ عذاب دیں تو ان کو ظالم نہیں کہا جاسکتا ہے، یعنی ان کے عمل کے حوالے سے ان سے دلیل مطلوب نہیں کی جاسکتی ہے، اس وجہ سے کہ "لایسئل عما یفعل" اللہ تعالیٰ جو چاہیں کریں، کسی کو ان سے باز پرس کا اختیار نہیں ہے لہٰذا اگر بچہ کو عذاب قبر سے دوچار کریں تو بھی یہ ان کے اختیار میں ہے، لہٰذا حضرت ابو ہریرہؓ نے اس بچہ کے لئے عذاب قبر سے حفاظت کی دعاء مانگی۔

سوال: کیا بچہ سے وہ سوالات ہوں گے جو قبر کے اندر عام مردوں سے ہوتے ہیں؟

جواب: بچہ غیر مکلف ہے، لہٰذا اس سے سوالات قبر بھی نہیں ہوں گے۔

حدیث نمبر ۱۶۰۴ ☆☆ عالمی حدیث نمبر ۱۶۹۰

﴿نابالغ کی نماز جنازہ میں پڑھی جانے والی ایک اور دعا﴾

وَعَنِ الْبُخَارِيِّ تَعْلِيْقًا قَالَ يَقْرَأُ الْحَسَنُ عَلَى الطِّفْلِ فَاتِحَةَ الْكِتَابِ وَيَقُوْلُ اللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ لَنَا سَلَفًا وَّ فَرَطًا وَّذُخْرًا وَّاَجْرًا.

حوالہ: بخاری ص ۱۷۸ ج/۱ باب قراۃ فاتحۃ الکتاب علی الجنازۃ کتاب الجنائز.

ترجمہ: حضرت امام بخاری سے تعلیقاً مروی ہے کہ حضرت حسن بصریؒ نماز جنازہ میں سورۃ فاتحہ پڑھتے تھے اور یہ دعا مانگتے تھے کہ

"اللّٰھم اجعلہ لنا الخ" اے اللہ اس بچہ کو ہمارا پیش رو وپیش خیمہ، ذخیرۂ آخرت اور اجر وثواب کا ذریعہ بنا دیجئے۔ (بخاری)

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ جنازہ کی نماز میں پہلی تکبیر کے بعد حضرت حسن بصریؒ ثنا کے طور پر سورۂ فاتحہ پڑھتے تھے اور پھر تیسری تکبیر کے بعد مذکورہ دعا پڑھتے تھے، یہ طریقہ بھی درست ہے کیوں کہ سورۃ فاتحہ میں بھی اللہ تعالیٰ کی خوب حمد وثنا ہے، البتہ آج کل کے غیر مقلدین سورہ فاتحہ کو بطور تلاوت پڑھتے ہیں وہ غلط اور سنت کے خلاف ہے، تحقیق کے لئے حدیث ۱۵۷۰ دیکھیں۔

کلمات حدیث کی تشریح سلفا: سلف اس مال کو کہتے ہیں جو راحت ومنفعت کے لئے آگے بھیج دیا جائے، بچہ کو سلف بنانے کی دعا کا مقصد یہ ہے کہ یہ بچہ ہمارے لئے آخرت میں راحت کا ذریعہ بنے اور مشکل وقت میں کام آئے فرطًا اس شخص کو کہتے ہیں جس کو قافلہ پہنچنے سے پہلے منزل کی طرف روانہ کر دیا جاتا ہے، تا کہ قافلہ کے لئے راحت وآرام کے اسباب تیار کر دے، بچہ کو فرط بنانے کی دعاء سے مقصود یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حضور سفارش کر کے جنت کا مستحق بنا دے، ذخر، وہ مال جو چھپا کر رکھا جائے، اور بوقت ضرورت کام آئے اجراً ثواب کثیر۔

حدیث نمبر ۱۶۰۵ ﴿ناتمام پیدا ہونے والے بچہ کی نماز جنازہ﴾ عالمی حدیث ۱۶۹۱

وَعَنْ جَابِرٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الطِّفْلُ لَایُصَلّٰی عَلَیْهِ وَلَا یَرِثُ وَلَا یُوْرَثُ حَتّٰی یَسْتَهِلَّ رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَابْنُ مَاجَةَ اِلَّا اَنَّهٗ لَمْ یَذْكُرْ وَلَا یُوْرَثُ.

حوالہ: ترمذی ص ۲۰۰ ج ۱/ باب ما جاء فی ترك الصلاة علی الطفل حتی یستهل "کتاب الجنائز حدیث ۱۰۳۲۔

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ بچہ پر نماز نہ پڑھی جائے اور نہ تو وہ وارث ہوگا اور نہ اس کا کوئی وارث ہوگا، یہاں تک کہ بچہ کی پیدائش کیوقت آواز نکلے (ترمذی، ابن ماجہ کی روایت میں "ولا یورث" کا ذکر نہیں ہے۔

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ پیدائش کے وقت اگر بچہ میں زندگی کے آثار ہیں تب ہی اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی، اور تب وراثت کے متعلق احکام جاری ہونگے، اور اگر کوئی بچہ مردہ پیدا ہوا ہے تو نہ تو اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی، اور نہ ہی وراثت کے احکام جاری ہوں گے۔

کلمات حدیث کی تشریح الطفل لایصلی علیه: بچہ کی نماز جنازہ نہیں پڑھی جائے گی، مراد وہ بچہ ہے جس میں پیدائش کے وقت حیات کے آثار نہ ہوں، امام احمدؒ کے نزدیک جس بچہ کی تخلیق مکمل ہوگئی ہو اور وہ چار ماہ سے زائد کا ہو چکا ہو تو اس پر نماز جنازہ پڑھی جائے گی، خواہ اس میں حیات کے آثار ہوں یا نہ ہوں مزید تحقیق کے لئے ۱۵۸۳ دیکھیں۔

لا یرث ولا یورث: جب نومولود میں حیات کے آثار ظاہر ہوں تب ہی وہ دوسروں کا وارث ہوگا، اور دوسرے اس کے وارث ہوں گے اور اگر حیات کے آثار نہیں ہیں تو نہ تو وہ وارث ہوگا نہ مورث ہوگا، اس مسئلہ میں امام احمد بھی جمہور کے موافق ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ اس مسئلہ میں کوئی معارض روایت موجود نہیں ہے، اور پہلے مسئلہ میں معارض روایت ہے "والطفل یصلی علیه" بچہ پر نماز جنازہ پڑھی جائے گی، یہاں حیات کی قید نہیں ہے۔

سوال: بچہ گناہوں سے پاک ہوتا ہے پھر اس کی نماز جنازہ کیوں پڑھی جاتی ہے؟

جواب: نماز جنازہ کا بنیادی مقصد تعظیم میت ہے، استغفار تو ضمنی مقصد ہے، اسی وجہ سے حضرات انبیاء کرام کی بھی نماز جنازہ پڑھی جاتی رہی ہے۔

حدیث نمبر۱۶۰۶ ☆☆ عالمی حدیث نمبر ۱۶۹۲

﴿نماز جنازہ میں امام کا مبتدی پر کھڑا ہونا منع ہے﴾

وَعَنْ اَبِیْ مَسْعُوْدِنِ الْاَنْصَارِیِّ قَالَ نَھٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَنْ یَّقُوْمَ الْاِمَامُ فَوْقَ شَیْءٍ وَالنَّاسُ خَلْفَهٗ یَعْنِیْ اَسْفَلَ مِنْهُ رَوَاهُ الدَّارَقُطْنِیُّ فِی الْمُجْتَبٰی فِیْ کِتَابِ الْجَنَآئِزِ.

حوالہ: دار قطنی ۸۸/۲ باب نهی رسول الله صلی الله علیه وسلم أن یقوم الإمام الخ کتاب الجنائز.

ترجمہ: حضرت ابن مسعود انصاریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس بات کو منع فرمایا کہ امام کسی چیز کے اوپر کھڑا ہو اور لوگ اس کے پیچھے اس سے نیچے کھڑے ہوں، اس روایت کو دار قطنی نے مجتبی کی کتاب الجنائز میں نقل کیا ہے۔

خلاصہ حدیث یہ بات گذر چکی ہے کہ نماز میں تنہا امام کا بلند جگہ پر اور مقتدیوں کا نیچی جگہ کھڑا ہونا منع ہے، جو حکم عام نمازوں کا ہے وہی حکم نماز جنازہ کا بھی ہے نماز جنازہ میں بھی یہ چیز منع ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح أن یقوم الإمام فوق شیء: تنہا امام کا کسی بلند جگہ پر کھڑا ہو کر نماز پڑھانا منع ہے اس حدیث کے الفاظ میں، نماز جنازہ کا کوئی ذکر نہیں ہے، معلوم ہوا کہ یہ حکم عام ہے تمام نمازوں کو شامل ہے، ممکن ہے کہ بعض لوگوں نے نماز جنازہ میں اس حکم پر توجہ نہ دینے کا معمول بنالیا ہو، اور امام بلند جگہ کھڑے ہو کر نماز پڑھاتا ہو، لہٰذا اس امر پر خصوصی توجہ دلانے کے لیے یہ حدیث کتاب الجنائز میں لائی گئی ہو۔

باب دفن المیت

﴿میت کو دفن کرنے کا بیان﴾

اس باب کے تحت صاحبِ مشکوۃ نے اٹھائیس احادیث ذکر کی ہیں۔

اِن احادیث میں میت کے لئے قبر بنانے کا طریقہ اور قبر کو پختہ بنانے اور اس پر عمارت بنانے سے ممانعت کا تذکرہ ہے، اسی طرح قبر پر لکھنے اور قبر کی کسی بھی انداز سے توہین کرنے سے آپ ﷺ نے سختی سے منع کیا ہے، نیز جلد دفن کرنے اور میت کے سرہانے ایصالِ ثواب کی غرض سے قرآن مجید پڑھنے کی تاکید بھی ہے، تدفین کے بعد مٹی دینے اور قبر پر پانی چھڑکنے کا بھی اس باب کے تحت ذکر ہے۔

دفن میت کے لئے قبر بنانا شقی اور بغلی دونوں طرح کی قبریں بنائی جاسکتی ہیں، لیکن عام حالات میں بغلی قبر بنانا بہتر ہے، اس کی دو وجہیں ہیں (۱) اس میں میت کا اکرام زیادہ ہے، کیونکہ اسمیں میت کے چہرے پر مٹی نہیں پڑتی ہے، اور بلا ضرورت میت پر مٹی ڈالنا میت کی توہین کے مترادف ہے (۲) بغلی قبر میں میت مردار خور جانوروں سے محفوظ رہتی ہے، جانور نرم مٹی کھودتا رہتا ہے اور میت ایک طرف رہتی ہے، جس کی وجہ سے وہ میت تک پہنچ نہیں پاتا ہے۔

قبر کے حوالے سے راہِ اعتدال قبر کی نہ تو حد درجہ تعظیم کی جائے نہ اس کی توہین کی جائے راہِ اعتدال کو ہی اختیار کرنے کی تاکید اس باب کے تحت احادیث سے معلوم ہوتی ہے، قبروں کو پختہ بنانا، قبروں پر روضہ بنانا، ان پر پھول چادر چڑھانا، یہ قبروں پر بیٹھنا، اُن کو روندنا، اور قبروں پر استنجا کرنا وہ اعمال ہیں، جن میں قبروں کی اہانت کا پہلو ہے، ان اعمال سے قبور کی قدر و منزلت دلوں سے ختم ہو جاتی ہے، اور لوگ ممکن ہے کہ قبرستان جانا ہی چھوڑ دیں، لہٰذا آپ ﷺ نے اِن چیزوں سے بھی روکا ہے، اس سلسلہ میں راہِ اعتدال یہ ہے کہ دل میں قبروں کی قدر و منزلت رہے اور سنت کے مطابق قبرستان میں جایا جائے، ایصال ثواب کیا جائے، اور دعاء مغفرت کی جائے، مزید تحقیق احادیث باب کے تحت دیکھیں۔

الفصل الاوّل

حدیث نمبر۱۶۰۷ ﴿بغلی قبربنانے کی تاکید﴾ عالمی حدیث نمبر۱۶۹۳

عَنْ عَامِرِبْنِ سَعْدِبْنِ اَبِیْ وَقَّاصٍ اَنَّ سَعْدَ بْنَ اَبِیْ وَقَّاصٍ قَالَ فِیْ مَرَضِهِ الَّذِیْ هَلَكَ فِیْهِ اَلْحَدُوْا لِیْ لَحْدًا، وَّانْصِبُوْا عَلَیَّ اللَّبِنَ نَصْبًا كَمَا صُنِعَ بِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

حوالہ: مسلم،۱/۳۱۱ باب فی اللحد ونصب المیت ، کتاب الجنائز حدیث۹۶۶۔

توجمہ: حضرت عامر بن سعد بن ابی وقاصؓ سے روایت ہے کہ میرے والد جناب سعد بن ابی وقاصؓ نے اپنے مرض الوفات میں فرمایا کہ"میرے لئے بغلی قبر بنانا اور مجھ پر کچی اینٹیں کھڑی کرنا، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کے لئے کیا گیا تھا۔(مسلم)

خلاصہ حدیث قبر بنانے کی دوصورتیں ہیں(۱)لحدی قبر(۲)صندوقی قبر، لحدی قبر کی شکل یہ ہوتی ہے کہ قبر کھودکراس کے اندر قبلہ کی جانب ایک کھوہ بنا کر میت کو اس میں رکھا جاتا ہے، پھراینٹیں لگا کر اس کو بند کردیا جاتا ہے، اس طرح کی قبر کھودنا زیادہ بہتر ہے، آپ ﷺ کی قبر مبارک اسی طرح بنائی گئی تھی، اور صندوقی قبر کی شکل وہ ہے جو کہ ہمارے اطراف میں رائج ہے، اس کی شکل یہ ہوتی ہے کہ قبر کھود کر پھر اس کے بیچ میں ایک گڑھا کھود کر میت کو اس میں رکھ کر اوپر سے پیڑے وغیرہ لگائے جاتے ہیں، زمین اگر نرم ہے اور لحدی قبر بنانے میں قبر کے بیٹھ جانے کا خطرہ ہو تو پھر اسی طرح کی قبر بنانا چاہئے۔

کلمات حدیث کی تشریح الحدوا آپ ﷺ نے اپنی لحدی قبر بنانے کی تاکید فرمائی، اس سے لحدی قبر کی فضیلت ثابت ہوتی ہے، ترمذی شریف میں حضرت نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے "اللحدلنا والشق لغیرنا" لحد ہمارے لئے ہے اور شق ہمارے علاوہ لوگوں کیلئے ہے، اسکے دومطلب منقول ہیں(۱)لحدی قبر مسلمانوں کیلئے اور صندوقی قبر یہود ونصاریٰ کیلئے ہے، یہ معنی مراد لینے میں لحد کی فضیلت شق پر ثابت ہوتی ہے (۲) لحد اہل مدینہ کیلئے ہے اور شق اہل مکہ کیلئے ہے، چونکہ مدینہ کی زمین سخت ہے، لہذا وہ بغلی قبر کیلئے موزوں ہے، جبکہ مکہ کی زمین ریتلی ہونے کی بنا پر لحد کی صلاحیت نہیں رکھتی، اس لئے وہاں کے حساب سے "شق" کو اختیار کرنا مناسب ہے اس معنی کو لینے کی صورت میں ایک کی دوسرے پر فضیلت نہیں ہے، حاصل یہ ہے کہ عمومی احوال میں لحد کی فضیلت ہے، ورنہ جہاں جوصورت اختیار کرنا ممکن ہو وہ کی جائے " أنصبوا علیَّ اللبن نصبا " حضرت سعد بن وقاصؓ نے اس کی بھی وصیت کی کہ میری قبر کو اینٹیں لگا کر بند کردینا آپ ﷺ کی قبر کو بھی کچی اینٹوں سے بند کیا گیا تھا، اور اُن اینٹوں کی تعداد نو منقول ہے۔

حدیث نمبر۱۶۰۸ ﴿قبرکے اندرچادر بچھانے کا تذکرہ﴾ عالمی حدیث نمبر۱۶۹۴

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ جُعِلَ فِیْ قَبْرِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَطِیْفَةٌ حَمْرَاءُ رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

حوالہ: مسلم ،ص۳۱۱ج/۱باب جعل القطیفة فی القبر ،کتاب الجنائز حدیث۹۶۷۔

توجمہ: حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی قبر مبارک میں ایک سرخ روئیں دار چادر بچھائی گئی تھی(مسلم)

خلاصہ حدیث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کی قبر مبارک میں چادر بچھائی گئی تھی، چوں کہ چادر بچھانا اسراف اور مال کا ضائع کرنا ہے، اس لئے فقہاء نے اس سے منع کیا ہے، اور جہاں تک آپ ﷺ کی قبر کا معاملہ ہے تو یہ آپ ﷺ کے خصائص میں سے تھا، اس کے علاوہ بھی بعض وجوہات آپ ﷺ کی قبر میں چادر بچھانے سے متعلق کتب احادیث میں منقول ہیں۔

کلمات حدیث کی تشریح قطیفة حمراء آپ ﷺ کی قبر مبارک میں سرخ چادر بچھائی گئی تھی، ترمذی کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کی قبر میں چادر بچھانے والے آپ ﷺ مولیٰ "شقران" تھے روایت کے الفاظ ہیں "ألقی القطیفة تحته شقران مولی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم"

کیا قبر میں چادر بچھانا چاہیے؟ حدیث باب کی وجہ سے علامہ بغویؒ کا قول ہے کہ قبر میں میت کے نیچے چادر بچھانے میں کوئی حرج نہیں ہے، لیکن جمہور اہل سنت والجماعت کے نزدیک یہ عمل مکروہ ہے، صحابہ کرامؓ کے عمل سے یہ چیز ثابت نہیں ہے، بیہقی میں ابو بردہؓ سے مروی ہے "اوصٰی ابو موسٰی حین حضره الموت قال إذا انطلقتم بجنازتی فاسرعوابی المشی ولا تتبعونی بمجمر و لا تجعلن علی لحدی شیئًا یحول بینی وبین التراب" روایت کے آخر میں اس کا بھی ذکر ہے کہ صحابہؓ نے اُن سے دریافت کیا، کیا اس بارے میں آپ ﷺ نے حضور سے بھی کچھ سنا ہے، تو انہوں نے کہا کہ ہاں میں نے حضور ﷺ سے اس بارے میں سنا ہے، معلوم ہوا کہ آپ ﷺ نے قبر کے اندر کسی بھی چیز کے رکھنے سے منع فرمایا ہے۔

سوال: آپ ﷺ کے مولی شقران نے آپ ﷺ کی قبر میں چادر کیوں بچھائی تھی؟

جواب: شقران کا یہ عمل سنت تدفین کی غرض سے نہ تھا، بلکہ اس غرض سے تھا کہ آپ ﷺ کی چادر آپ ﷺ کے بعد کوئی استعمال نہ کرے جیسا کہ اس کی صراحت ہے کہ "کرهت ان یلبسها احد بعده صلی اللّٰه علیه وسلم"

سوال: جب چادر قبر میں بچھانا مکروہ ہے، تو صحابہؓ نے شقران کو چادر بچھانے سے کیوں منع نہیں کیا؟

جواب: صحابہؓ کو چادر بچھائے جانے کا شروع میں علم نہ ہوسکا، اور جب ہوا تو اس چادر کو انہوں نے نکال لیا جیسا کہ اس کی وضاحت ہے "ان تلك القطیفة استخرجت قبل ان یهال التراب" (تحقیق کے لیے مرقات اور التعلیق الصبیح کو دیکھا جائے)

حدیث نمبر ۱۶۰۹ ﴿قبر کا کوھان نما ھونے کا تذکرہ﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۶۹۵

وَعَنْ سُفْيَانَ التَّمَّارِ اَنَّهُ رَاَىٰ قَبْرَ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُسَنَّمًا رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ.

حواله: بخاری، ۱/ ۱۱۸، باب ماجاء فی قبر النبی صلی اللّٰه علیه وسلم، کتاب الجنائز حدیث ۱۳۹۰۔

ترجمه: حضرت سفیان تمار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے نبی کریم ﷺ کی قبر مبارک کو کوہان نما دیکھا ہے (بخاری)

خلاصۂ حدیث قبر کے بارے میں سنت یہ ہے کہ زمین سے تقریباً ایک بالشت کے بقدر اونچی ہو، یعنی بالکل زمین کے برابر نہ ہو اور نہ زمین سے بہت زیادہ بلند ہو، بس تھوڑی سے بلند ہو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک یہ جو قبر کی اونچائی ہوگی اس کی شکل "مسنم" یعنی کوہان کی طرح ہوگی، حدیث باب سے اسی کی تائید بھی ہورہی ہے۔

قبر کو مسنم بنانا افضل ہے یا مسطح؟ اتنی بات تو طے ہے کہ قبر زمین سے ایک بالشت کے بقدر بلند ہونا مسنون ہے، لیکن یہ بلندی مسطح شکل میں ہو یا مسنم شکل میں ہو اس حوالہ سے ائمہ میں اختلاف ہے۔

امام شافعیؒ کا مذهب: امام شافعیؒ کے نزدیک قبر کا مسطح یعنی چار گوشہ کرکے ہموار بنانا افضل ہے۔

ان النبی صلی اللّٰه علیه وسلم سطح قبر ابنه (ابراہیم) ورش علیه الماء (مرقات)

ائمه ثلاثه کا مذهب: امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ اور امام احمدؒ وغیرہ کے نزدیک قبر کا مسنم بنانا یعنی کوہانِ شتر کی شکل میں بنانا بہتر ہے۔

دلیل: (۱) حدیث باب ان حضرات کی مضبوط دلیل ہے (۲) عن سفیان قال دخلت البیت الذی فیه قبر النبی صلی اللّٰه علیه وسلم وقبر ابی بکر وعمر مسنمًا (ابن ابی شیبہ)

امام شافعیؒ کی دلیل کا جواب: حضرت ابراہیم بن حضرت محمد ﷺ کی قبر مسطح بنائی گئی تھی پھر مسنم کردی گئی تھی (کذا فی المبسوط)

حدیث نمبر ۱۶۱۰ ﴿قبر کے بهت بلند کرنے کی ممانعت﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۶۹۶

وَعَنْ اَبِی الْهَيَّاجِ الْاَسَدِیِّ قَالَ قَالَ لِیْ عَلِیٌّ اَلَا اَبْعَثُكَ عَلٰی مَابَعَثَنِیْ عَلَيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ لَّا تَدَعَ تِمْثَالًا اِلَّا طَمَسْتَهٗ وَلَا قَبْرًا مُشْرِفًا اِلَّا سَوَّيْتَهٗ رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

حوالہ: مسلم، ص۳۱۲ج/۱، باب الامر بتسویۃ القبر، کتاب الجنائز حدیث۹۶۹۔

توجمہ: حضرت ابوالہیاج اسدی سے روایت ہے کہ حضرت علیؓ نے مجھ سے فرمایا کہ میں تم کو ایسی مہم پر نہ بھیجوں جس پر مجھ کو رسول اللہ ﷺ نے روانہ کیا تھا؟ اور وہ مہم یہ ہے کہ تم جو بھی تصویر دیکھو اس کو مٹا دو اور جو بھی اونچی قبر دیکھو اسکو برابر کردو (مسلم)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ اسلام میں تصویر اور مجسموں کی قطعاً گنجائش نہیں ہے، یہی وہ عمل ہے جسکے ذریعہ سے سابقہ قوموں میں بتوں کی پوجا کا عمل داخل ہوا تھا، اس لئے اس سے اجتناب ضروری ہے، اور اس کا مٹانا لازم ہے، اسی طرح قبروں کی حد سے زیادہ تعظیم بھی منع ہے کیوں کہ اس راہ سے بھی شرک داخل ہوتا ہے، لہٰذا قبروں کو بہت اونچا بنانا ممنوع ہے، آپ ﷺ نے حضرت علیؓ کو اور حضرت علیؓ نے ابوالہیاج کو اس مہم پر نہ روانہ کیا کہ تصویروں کو مٹا دو اور بہت اونچی قبروں کو نیچا کر کے مقدار مسنون کے مطابق کردو۔

کلمات حدیث کی تشریح الاطمستہ: علامہ نوویؒ فرماتے ہیں کہ اس میں ذی روح کی تصاویر مٹانے اور ان کو محو کرنے کا حکم ہے۔ الاسویتہ اس میں "تسویہ" سے مراد یہ نہیں ہے کہ قبروں کو بالکل زمین کے برابر کردیا جائے۔ بلکہ یہاں مطلب یہ ہے کہ قبروں کو مسنون مقدار کے مطابق کردیا جائے، اور مقدار مسنون ایک بالشت ہے، جیسا کہ ابوداؤد نے اپنی مراسیل میں نقل کیا ہے کہ صالح بن صالح سے روایت ہے کہ "رأیت قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم شبرا او نحوا من شبر یعنی فی الارتفاع" قبر کو بالکل زمین کے برابر نہ کرنا چاہئے، ایک موقع پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ " لاتجلسوا علی القبور ولا تصلوا الیہا" آپ ﷺ نے قبر پر بیٹھنے سے اور قبر کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنے سے منع فرمایا، اب اگر قبر بالکل زمین کے برابر ہو اور زمین وقبر میں کوئی امتیاز ہی نہ رہے، تو پھر اس حکم پر عمل کرنا ممکن ہی نہ ہوگا، ایک بالشت کے بقدر قبر کو بلند کرنا مسنون ہے، جو قبر اس سے زیادہ بلند ہو، اس کو ایک بالشت کے بقدر کرنا مسنون ہے۔

حدیث نمبر ۱۶۱۱ ﴿پختہ قبر بنانے کی ممانعت﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۶۹۷

وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَنْ يُّجَصَّصَ الْقَبْرُ، وَاَنْ يُّبْنٰى عَلَيْهِ، وَاَنْ يُّقْعَدَ عَلَيْهِ رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

حوالہ: مسلم، ص۳۱۲ج/۱، باب النهی عن تجصیص القبر والبناء علیہ، کتاب الجنائز، حدیث۹۷۰۔

توجمہ: حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قبر کو پختہ کرنے، اس پر عمارت بنانے اور اس پر بیٹھنے سے منع فرمایا ہے۔ (مسلم)

خلاصہ حدیث اس حدیث میں قبر کو پختہ بنانے کی بھی ممانعت ہے اور قبر کے اوپر کوئی عمارت بنانے کی بھی ممانعت ہے، نیز قبر پر بیٹھنا بھی ممنوع قرار دیا ہے، کیوں کہ پہلی صورتوں میں اگر حد سے زیادہ تعظیم کا پہلو ہے جو کہ شرک کا ذریعہ ثابت ہوتا ہے، تو دوسری صورت میں میت مؤمن کی تحقیر ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح أن یجصص القبر: آپ ﷺ نے قبر کو پختہ بنانے سے منع فرمایا، اگر گارہ سے قبر کی لپائی کی گئی ہے، تا کہ قبر کی مٹی جمی رہے تو کوئی حرج نہیں ہے، لیکن اگر بلاوجہ کیا گیا ہے تو ممنوع ہے "أن یبنی علیہ" قبر کے اوپر پتھر اور اینٹ وغیرہ سے کوئی عمارت بنائی جائے یا قبر کے اوپر کوئی خیمہ لگایا جائے تو علامہ توربشتی کی صراحت کے مطابق دونوں ہی چیزیں ممنوع ہیں، کیونکہ اس میں مال کا ضیاع بھی ہے اور فعل عبث بھی ہے، نیز یہ رسم جاہلیت بھی ہے، کفار میت کے اوپر دس دن تک سایہ رکھتے تھے، لہٰذا ان سے مشابہت اختیار کرنے سے بچنا بھی ضروری ہے " وأن یقعد علیہ" مسلمان میت کی قبر پر بیٹھنا اس کی تحقیر کرنا ہے، لہٰذا آپ ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے، بعض لوگوں نے کہا ہے کہ یہاں یہ مطلب ہے کہ استنجا کرنے کیلئے قبر پر بیٹھنا ممنوع ہے، حنفیہ کہتے ہیں کہ مطلقاً بیٹھنا مکروہ تنزیہی ہے، اور بیت الخلاء کے ارادہ سے بیٹھنا حرام ہے۔

حدیث نمبر ۱۶۱۲ ﴿قبر کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنے کی ممانعت﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۶۹۸

وَعَنْ اَبِیْ مَرْثَدِ الْغَنَوِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَا تَجْلِسُوْا عَلَى الْقُبُوْرِ وَلَا تُصَلُّوْا اِلَيْهَا رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

حوالہ: مسلم، ص۳۱۲ ج/۱، باب النهی عن الجلوس علی القبر کتاب الجنائز، حدیث ۹۷۲۔

ترجمہ: حضرت ابو مرثد غنوی سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قبروں کے اوپر مت بیٹھو اور ان کی طرف منہ کر کے نماز مت پڑھو۔ (مسلم)

خلاصۂ حدیث آپ ﷺ نے اس حدیث میں بھی قبر پر بیٹھنے سے منع فرمایا ہے، یہ احترام میت کے خلاف ہے، آپ ﷺ نے تو اس بات کی تعلیم دی ہے کہ قبرستان جا کر مردوں پر سلامتی بھیجو، ان کے لیے استغفار کرو، اور اس بات کو تازہ کرو کہ تم کو بھی ایک دن یہیں آنا ہے، ایسے میں کوئی شخص میت کی قبر پر بیٹھے اور استنجا وغیرہ کرے یہ بہت غلط عمل ہے، آپ ﷺ نے حدیث میں اس بات سے بھی روکا ہے کہ قبر کی طرف رخ کر کے نماز پڑھی جائے اس لئے کہ اس میں شرک کا شائبہ ہے اور شرک کا سد باب بہر حال ضروری ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح لا تجلسوا علی القبور: قبروں پر مت بیٹھو، مسند حاکم میں حضرت عمار بن حزمؓ سے روایت ہے کہ مجھے رسول اللہ ﷺ نے قبر پر بیٹھے دیکھا تو فرمایا کہ اے قبر والے! قبر سے اترو، اور صاحب قبر کو ایذا مت پہنچاؤ، اور نہ خود کو ایذا دو، ایک مرتبہ ابن مسعودؓ سے قبر کو روندنے کے متعلق دریافت کیا گیا، تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ جس طرح مؤمن کی زندگی میں اس کو تکلیف دینا ناپسند کرتا ہوں، اسی طرح اس کو مرنے کے بعد بھی ستانا برا سمجھتا ہوں "و لا تصلوا إلیها" قبر کی طرف رخ کر کے نماز مت پڑھو، اگر کوئی شخص قبر کی طرف رخ کر کے نماز صاحب قبر کی عظمت کی بنا پر پڑھ رہا ہے تو کھلا ہوا شرک ہے، اور اگر مقصود یہ نہ ہو تو مکروہ تحریمی ہے، قبر کے آس پاس نماز نہ پڑھنا چاہئے اور نہ قبر کے پاس مسجد تعمیر کرنا چاہئے، اور نہ مسجد کے پاس کسی بزرگ کو دفن کرنا چاہئے، کیوں کہ یہی سب اور شرک کا ذریعہ بنتے ہیں۔

حدیث نمبر ۱۶۱۳ ﴿قبر پر بیٹھنا ممنوع ہے﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۶۹۹

وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَاَنْ يَّجْلِسَ اَحَدُكُمْ عَلٰى جَمْرَةٍ فَتُحْرِقَ ثِيَابَهٗ فَتَخْلُصَ اِلٰى جِلْدِهٖ خَيْرٌ لَّهٗ مِنْ اَنْ يَّجْلِسَ عَلٰى قَبْرٍ رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

حوالہ: مسلم، ص۳۱۲ ج/۲، باب النهی عن الجلوس علی القبر کتاب الجنائز حدیث ۹۷۱۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص انگارے پر بیٹھے اور یہ انگارا اس کے کپڑوں کو جلاتا ہوا اس کے جسم تک پہنچ جائے یہ بات بہتر ہے، اس سے کہ کوئی شخص کسی کی قبر پر بیٹھے۔ (مسلم)

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ قبر کے اوپر بیٹھنا کوئی معمولی گناہ نہیں ہے، بلکہ یہ بہت بڑا گناہ ہے، اس کی جو سزا آخرت میں بندہ کو ملے گی وہ دنیا کی تکلیف سے کہیں شدید ہے، حتی کہ انگارہ پر بیٹھنا اور انگارے سے جسم کا جلنا یہ قبر پر بیٹھنے کی صورت میں جو عذاب آخرت میں ملتا ہے اس سے کہیں کم ہے، لہٰذا آدمی کو اس سے اجتناب کرنا چاہئے۔

کلمات حدیث کی تشریح فتخلص الیٰ جلده مطلب یہ ہے کہ آگ کھال تک پہنچ جائے "خیر من أن یجلس" جس طرح قبر پر بیٹھنا ممنوع ہے، اسی طرح ٹیک لگانا بھی منع ہے اور ٹیک لگانے کا حکم بیٹھنے جیسا ہی ہے (مرقات) حدیث کا مطلب یہ ہے کہ قبر پر بیٹھنے کا اخروی نقصان آگ پر بیٹھنے کے جسمانی نقصان سے بہت زیادہ ہے۔

حدیث نمبر ۱۶۱۴ ﴿قبر کی ہیئت کا تذکرہ﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۷۰۰۔

عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ قَالَ كَانَ بِالْمَدِيْنَةِ رَجُلَانِ اَحَدُهُمَا يَلْحَدُ وَالْاٰخَرُ لَا يَلْحَدُ فَقَالُوْا اَيُّهُمَا جَآءَ اَوَّلًا عَمِلَ عَمَلَهٗ فَجَآءَ الَّذِىْ يَلْحَدُ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَوَاهُ فِىْ شَرْحِ السُّنَّةِ.

حوالہ: بغوی فی شرح السنة ، باب اللحد، کتاب الجنائز حدیث ۱۵۱۰۔

ترجمہ: حضرت عروہ بن زبیرؓ سے روایت ہے کہ مدینہ میں دو لوگ تھے، ان میں سے ایک لحدی قبر بناتے تھے اور دوسرے لحدی قبر نہیں بناتے تھے، صحابہ نے یہ فیصلہ کیا کہ جو صاحب ان میں سے پہلے آ جائیں وہی اپنا کام کریں، اتفاقاً لحدی بنانے والے پہلے آگئے، چنانچہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے لئے لحدی قبر تیار کی (شرح السنہ)

خلاصہ حدیث آپ ﷺ کے وصال کے موقع پر آپ ﷺ کی قبر کھودنے کے حوالہ سے کچھ اختلاف ہو گیا تھا، انصار مدینہ چاہتے تھے کہ آپ ﷺ کی قبر مدینہ والوں کے طرز پر لحدی کھودی جائے، جبکہ مہاجرین بغلی کے بجائے صندوقی قبر بنوانا چاہتے تھے، کیوں کہ مکہ والوں کا یہی طریقہ تھا، آپس میں اتفاق اس بات پر ہوا کہ حضرت ابوطلحہ انصاری جو کہ لحدی قبر کھودنے میں ماہر تھے ان کو اور حضرت ابوعبیدہ بن جراح کو جو کہ صندوقی قبر کھودنے میں ماہر تھے، بلایا جائے جو پہلے آ جائے وہ اپنے حساب سے قبر کھودے، چنانچہ اس موقع پر ابوطلحہ انصاریؓ پہلے تشریف لے آئے، لہٰذا آپ ﷺ کی بغلی قبر کھودی گئی، اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دونوں طرح کی قبریں مشروع ہیں صرف افضلیت کا اختلاف ہے، اس کے بارے میں عرض کیا جا چکا ہے کہ عمومی حالات پر لحدی قبر بنانا بہتر ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح ایهما جاء اولا عمل عمله مدینہ کی زمین سخت ہے، لہٰذا وہاں لحدی قبر ہی مناسب اور بہتر ہے، جبکہ مکہ کی زمین ریتیلی ہے، لہٰذا وہاں لحدی قبر بنانا دشوار ہے اس لئے کہ قبر کے بیٹھنے کا خدشہ ہے، لہٰذا وہاں صندوقی قبر ہی بنانا بہتر ہے، دونوں جگہوں پر اسی طرح کا رواج بھی تھا، لہٰذا انصار و مہاجرین میں سے ہر ایک نے اپنے حساب سے آپ ﷺ کی قبر بنانا چاہی، لیکن اس بات پر اتفاق ہوا کہ ابوطلحہ انصاری اور ابوعبیدہ بن جراح میں سے پہلے جو صاحب آ جائیں، اپنے حساب سے قبر کھودیں، اس بات کی قطعی دلیل ہے کہ دونوں طرح کی قبریں بنانا جائز ہے، اور اگر یہ عمل مشروع نہ ہوتا تو نہ تو صحابہ اس امر پر اتفاق کرتے اور نہ ہی ابوعبیدہؓ جیسے جلیل القدر صحابی صندوقی قبر بناتے۔

حدیث نمبر ۱۶۱۵ ﴿لحدی قبر کی افضلیت کا ثبوت﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۷۰۱/۱۷۰۲

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اللَّحْدُ لَنَا وَالشَّقُّ لِغَيْرِنَا رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَ اَبُوْدَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَرَوَاهُ اَحْمَدُ عَنْ جَرِيْرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ.

حوالہ: ابوداؤد/۲/ ۴۵۵، باب فی اللحد، کتاب الجنائز حدیث ۳۲۰۸ ترمذی ص:۳۰۲، باب ماجاء فی قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم اللحدلنا، کتاب الجنائز حدیث ۱۰۴۵، نسائی، ۱/ ۲۱۹ باب اللحد والشق، کتاب الجنائز حدیث ۲۰۰۸ ابن ماجه، ص ۱۱۱ باب ماجاء فی استحباب اللحد، کتاب الجنائز، حدیث ۱۵۵۴۔

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بغلی قبر ہمارے لئے ہے، اور صندوقی قبر ہمارے علاوہ لوگوں کے لئے ہے (ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ، نسائی) احمد نے اس کو جریر بن عبد اللہ سے روایت کیا ہے۔

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ بغلی قبر مدینہ والوں کے لئے بہتر ہے اور مکہ والوں کے لئے اور بعض دیگر علاقہ کے لوگوں کے لیے صندوقی قبر مناسب ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح

اللحدلنا اس جملہ کی تشریح میں بہت سے اقوال ہیں، ایک قول کی طرف اشارہ خلاصۂ حدیث میں ہوگیا ہے، ایک مطلب یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ نے اپنے لئے یا جماعت انبیاء کے لئے لحدی قبر کو پسند کیا ہے، اور بعض لوگوں کے نزدیک ''لنا'' سے امت محمد یہ مراد ہے اور ''غیرنا'' سے امم سابقہ مراد ہیں اور مطلب یہ ہے کہ ہمارے لئے شق کے مقابلہ میں لحد کو اختیار کرنا بہتر ہے، اس کا مقصد صرف لحدی قبر کی فضیلت بیان کرنا ہے، شقی قبر کی مشروعیت ثابت کرنا نہیں ہے، کیوں کہ مشروعیت تو دونوں طرح قبر کھودنے کی بہت سی احادیث سے ثابت ہے۔ تحقیق کے لئے حدیث ۱۶۱۴ دیکھیں۔

حدیث نمبر۱۶۱۶ ﴿کشادہ قبر کھودنے کی تاکید﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۷۰۳

وَعَنْ هِشَامِ بْنِ عَامِرٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَوْمَ اُحُدٍ اِحْفِرُوْا وَاَوْسِعُوْا وَاَعْمِقُوْا وَاَحْسِنُوْا وَادْفِنُوْا الْاِثْنَيْنِ وَالثَّلٰثَةَ فِيْ قَبْرٍ وَّاحِدٍ وَّقَدِّمُوْا اَكْثَرَ هُمْ قُرْاٰنًا رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ وَرَوَى ابْنُ مَاجَةَ اِلٰى قَوْلِهٖ وَاَحْسِنُوْا.

حوالہ: مسند احمد، ص ۱۹ ج/۴، ابوداؤد، ص ۴۵۸ ج/۲، باب فی تعمیق القبر، کتاب الجنائز حدیث ۳۲۱۵، ترمذی ۲/۳۰۱، باب ما جاء فی دفن الشهداء، کتاب الجهاد حدیث ۱۷۱۳، نسائی ص ۲۲۰، ج/۲، باب مایستحب من توسیع القبر، کتاب الجنائز، حدیث ۲۰۱۰ ابن ماجه ص ۱۱۲، باب ماجاء فی حفر القبر، کتاب الجنائز حدیث ۱۵۶۰۔

ترجمہ: حضرت ہشام بن عامر سے روایت ہے کہ حضرت نبی کریم ﷺ نے احد کے روز فرمایا کہ قبریں کھودو، اور قبروں کو کشادہ رکھو، گہرا کھودو، اور اچھی طرح کھودو، اور دو دو، تین تین شہیدوں کو ایک ہی قبر میں دفن کرو، اور جس کو قرآن کریم زیادہ یاد ہو اس کو آگے رکھو (احمد، ابوداؤد، ترمذی، نسائی) ابن ماجہ نے اس روایت کو ''احسنوا'' تک نقل کیا ہے۔

خلاصۂ حدیث

اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ قبر کشادہ ہونا چاہئے تاکہ میت کو قبر میں آسانی سے اتارا جاسکے، قبر کچھ گہری ہونا چاہئے تاکہ میت کی نعش درندوں سے اچھی طرح محفوظ رہے، قبر کے اندر جو کوڑا کرکٹ یا مٹی وغیرہ ہو اس کو نکال لینا چاہئے، اور بوقت عذر ایک قبر میں ایک سے زائد مردہ دفن کرنا چاہئے، لیکن جو قرآن کا حافظ یا عالم ہو اس کا زندگی میں تو اکرام کیا ہی جائے مرنے کے بعد بھی اس کا احترام کیا جائے چنانچہ سب سے پہلے قبر میں عالم یا حافظ کو اتارا جائے۔

کلمات حدیث کی تشریح

وادفنو الا ثنین والثلثة فی قبر واحد عذر کے وقت ایک ہی قبر میں چند مردوں کو دفن کرنا درست ہے، جنگ احد کے موقع پر آپ ﷺ کی خدمت میں بعض صحابہ آئے اور انہوں نے عرض کیا کہ ہم سب بہت مشقت میں ہیں، زخموں اور تھکن سے چور ہیں، ایسے میں ستر قبریں کھودنا دشوار ترین عمل ہے، اسی موقع پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ قبریں گہری اور وسیع کھودلو، اور دو تین شہیدوں کو ایک ہی قبر میں دفن کردو۔

حدیث نمبر۱۶۱۷ ﴿میت کو منتقل کرنے کا بیان﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۷۰۴

وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ لَمَّا كَانَ يَوْمُ اُحُدٍ جَآءَتْ عَمَّتِيْ بِاَبِيْ لِتَدْفِنَهٗ فِيْ مَقَابِرِنَا، فَنَادٰى مُنَادِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ رُدُّوا الْقَتْلٰى اِلٰى مَضَاجِعِهِمْ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ وَالدَّارِمِيُّ وَلَفْظُهٗ لِلتِّرْمِذِيِّ.

حوالہ: مسند احمد، ص ۲۹۷ ج/۳، ابوداؤد ص ۴۵۱ باب فی المیت یحمل من ارض، کتاب الجنائز حدیث ۳۱۶۵، ترمذی، ۲/۳۰۲، باب ماجاء فی دفن القتیل فی مقتله، کتاب الجهاد، حدیث ۱۷۱۷، نسائی ۲/۲۱۹ باب این یدفن الشهید، کتاب الجنائز حدیث ۲۰۰۳، دارمی، ص ۳۵، ج/۱، باب ما اکرم به النبی فی برئة الطعام حدیث ۴۵۔

ترجمہ: حضرت جابر سے روایت ہے کہ وہ بیان کرتے ہیں کہ جنگ احد کے دن میری پھوپی میرے والد کی نعش کو اپنے قبرستان میں

دفن کرنے کے لئے آئیں، لیکن رسول اللہ ﷺ کے منادی نے اعلان کیا کہ شہیدوں کو ان کے شہید ہونے کی جگہ لوٹا دو، یعنی وہیں دفن کرو (احمد، ترمذی، ابوداؤد، نسائی، داری) روایت کے الفاظ ترمذی کے ہیں۔

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ شہداء کو ان کی جائے شہادت میں ہی دفن کرنا چاہئے، ان کی نعش کو دفن کرنے کے لئے دوسری جگہ منتقل نہ کرنا چاہئے، البتہ عذر کی حالت اس سے مستثنیٰ ہے، شہداء کے علاوہ دیگر لوگوں کی میت کی منتقلی میں میں آراء مختلف ہیں، بعض جواز کے قائل ہیں، جبکہ بعض لوگ ممانعت کو ان کے حق میں بھی قرار دیتے ہیں۔

کلمات حدیث کی تشریح ردو االقتلی إلی مضاجعهم شہداء کی نعش کو منتقل کرنا ممنوع ہے، اس پر اتفاق ہے، عام میت کے نقل مکانی میں کچھ اختلاف ہے، حنفیہ کے نزدیک دفن سے قبل ایک دو میل منتقل کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، دفن کے بعد میت کو دوسری جگہ منتقل کرنا جائز نہیں ہے، ہاں اگر کوئی عذر شرعی ہے تو قبر کھود کر میت کو منتقل کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، مثلاً غصب کی ہوئی زمین میں میت کو دفن کر دیا گیا، بعد میں معلوم ہوا تو اب میت کو وہاں سے دوسری جگہ منتقل کیا جائے گا، امام شافعیؒ تدفین سے قبل اور تدفین کے بعد ہر صورت میں انتقال میت کے قائل ہیں، اور وہ حدیث باب کو شہداء کے ساتھ خاص قرار دیتے ہیں، لیکن امام شافعیؒ بھی نقل میت کے لیے مصلحت کے قائل ہیں، یعنی نقل میت کسی مصلحت کی وجہ سے ہو تب درست ہے، جیسے صلحاء کا جوار حاصل ہو جائے، یا مدینہ منورہ میں تدفین ہو جائے ان اغراض سے میت کو منتقل کیا جائے تو درست ہے۔

حدیث نمبر۱۶۱۸ ﴿میت کو قبر میں اتارنے کے طریقه کا تذکرہ﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۷۰۵

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ سُلَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ رَأْسِهٖ رَوَاهُ الشَّافِعِي .

حواله: ترتیب مسند الامام الشافعي ص۲۱۵ ج/۱، باب في صلاة الجنائز واحكامهما، حديث ۵۹۸۔

ترجمه: حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو سر مبارک کی طرف سے آہستہ آہستہ کھینچا گیا (شافعیؒ)

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ آپ ﷺ کا جنازہ اس طرح رکھا گیا کہ سرِ مبارک قبر کے کنارے تھا، پھر سر مبارک کی طرف سے آہستہ آہستہ سرکاتے ہوئے قبر مبارک میں داخل کیا گیا، شوافع کے نزدیک میت کو قبر میں اتارنے کا یہی طریقہ افضل ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح سد رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم من قبل رأسه حدیث کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کو قبر میں پائنتی طرف سے آتارا گیا اور جہتِ قبلہ کی رعایت نہیں کی گئی، میت کو قبر میں کس طرح اتارا جائے یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے۔

﴿میت کو قبر میں اتارنے کے حواله سے اختلاف ائمه﴾

امام شافعی کا مذهب: شوافع کے نزدیک جنوب میں میت کو لا کر اولاً سر کو داخل کیا جائے، پھر شمال کی طرف لے جایا جائے، اور پیر کو داخل کر کے جنوب کی طرف کھینچا جائے، شوافع کے نزدیک اسی کا نام "اسلامی" ہے اور یہی طریقہ ان کے نزدیک بہتر ہے۔

دلیل: ان کی دلیل حدیث باب ہے۔

حنفیه کا مذهب: احناف کے نزدیک میت کو قبلہ کی طرف سے اتارنا افضل ہے، میت کو پہلے قبر کے قبلہ کی جہت میں کنارے رکھا جائے پھر اترنیوالے قبر کے اندر قبلہ رو کھڑے ہو کر میت کو آہستہ سے اٹھائیں اور قبر میں رکھ دیں۔

دلیل: أن النبی صلی اللّٰه علیه وسلم دخل قبرًا لیلاً فاسرج له بسراج فاخذ من القبلة اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جہت قبلہ محترم ہے، لہٰذا آپ ﷺ نے میت کو قبلہ کی طرف ہی سے قبر میں اتارنا بہتر سمجھا۔

جواب: حدیث باب میں جو کیفیت مذکور ہے وہ عذر کی وجہ سے تھی، کیوں کہ آپ ﷺ کی قبر مبارک قبلہ کی جانب سے دیوار کے متصل تھی، لہٰذا قبلہ کی طرف سے داخل کرنا ممکن نہ تھا، اس کے علاوہ آپ ﷺ کو قبر میں اتارنے کی کیفیت کے بارے میں روایات میں بہت اضطراب ہے، ابوسعید خدری سے مروی ہے کہ اخذ من القبلة واستقبل استقبالاً اضطراب کی وجہ سے حدیث باب قابل استدلال نہیں ہے، جبکہ احناف جن رویات سے استدلال کرتے ہیں ان میں اضطراب نہیں ہے۔

حدیث نمبر ۱۶۱۹ ﴿رات کے وقت تدفین فرمانا﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۷۰۶

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ کَانَ اِذَا اَدْخَلَ الْمَیِّتَ الْقَبْرَ قَالَ بِسْمِ اللّٰهِ وَعَلٰی مِلَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ، وَفِیْ رِوَایَةٍ وَعَلٰی سُنَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِیُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَرَوٰی اَبُوْدَاوٗدَ الثَّانِیَةَ.

حوالہ: مسند احمد، ص۵۹ ج/۱، ابوداؤد باب فی الدعاء للمیت، کتاب الجنائز، حدیث ۳۲۱۳ ترمذی، ص۱۰۲ ج/۱، باب مایقول اذا ادخل المیت القبر، کتاب الجنائز، حدیث ۱۰۴۶، ابن ماجہ ص۱۱۱ باب ماجاء فی ادخال المیت القبر، کتاب الجنائز، حدیث ۱۵۵۰۔

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ میت کو قبر میں رکھتے وقت یہ دعا پڑھتے تھے بسم اللّٰہ الخ اللہ کے نام سے اور اللہ کے حکم سے اور اللہ کے رسول کی شریعت پر (اس میت کو قبر میں دفن کرتے ہیں) اور ایک روایت میں "وعلی سنة رسول اللّٰہ" (اللہ کے رسول کے طریقہ پر) الفاظ منقول ہیں (احمد ترمذی، ابن ماجہ) اور ابوداؤد نے دوسری روایت کو نقل کیا۔

خلاصۂ حدیث حدیث باب میں جو دعا مذکور ہے بڑی اہم ہے، میت کو دفن کرتے وقت اس دعا کو پڑھنا چاہئے، اس دعا کی برکت سے اللہ تعالیٰ کی میت کے اوپر رحمتیں نازل ہونے کی امید ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح قال بسم اللّٰہ میت کے دفن کے وقت آپ ﷺ خود بھی مذکورہ دعاء پڑھتے اور اس کی تعلیم بھی فرماتے تھے "بسم اللّٰہ" اللہ کے نام سے میت کو قبر میں داخل کردیا "وباللّٰہ" اللہ کے حکم سے یا اسی کی مدد سے میں نے یہ کام کیا "وعلی ملة رسول اللّٰہ" یعنی شریعت کاملہ اور محمد عربی ﷺ کے مبارک طریقہ پر یہ عمل انجام دیا۔

حدیث نمبر ۱۶۲۱ ﴿قبر پر پانی چھڑکنا﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۷۰۸

وَعَنْ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ اَبِیْهِ مُرْسَلًا اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ حَثٰی عَلَی الْمَیِّتِ ثَلٰثَ حَثَیَاتٍ بِیَدَیْهِ جَمِیْعًا، وَاَنَّهُ رَشَّ عَلٰی قَبْرِ ابْنِهٖ اِبْرٰهِیْمَ وَوَضَعَ حَصْبَاءَ رَوَاهُ فِیْ شَرْحِ السُّنَّةِ وَرَوَی الشَّافِعِیُّ مِنْ قَوْلِهٖ رَشَّ.

حوالہ: ترتیب مسند الامام الشافعی ص۲۱۵ ج/۱، باب فی صلاۃ الجنائز و احکامها حدیث ۶۰۱۔

ترجمہ: حضرت جعفر بن محمد سے روایت ہے کہ وہ اپنے والد سے بطریق ارسال نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے دونوں ہاتھوں سے تین لپیں مٹی اکٹھا کر کے اٹھائی اور میت پر ڈالی، اور اپنے بیٹے حضرت ابراہیم کی قبر پر پانی چھڑکا اور اس پر سنگریزے بھی رکھے (شرح السنہ) امام شافعیؒ نے صرف مٹی ڈالنے تک الفاظ نقل کئے ہیں۔

خلاصۂ حدیث قبر کا گڑھا جب بند ہوجائے تو تین مرتبہ دونوں ہاتھوں میں مٹی بھر کر قبر پر ڈالنا سنت ہے، اسی طرح جب تدفین کا عمل پورا ہوجائے تو قبر پر پانی ڈالنا بھی سنت ہے، اس حدیث میں آپ ﷺ کے ان اعمال کا تذکرہ ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح حثی علی المیت مسند احمد میں ضعیف روایت ہے اس میں منقول ہے کہ آپ ﷺ پہلی مرتبہ قبر پر مٹی ڈالتے وقت "منها خلقناکم" دوسری مرتبہ "وفیها نعیدکم" اور تیسری مرتبہ میں "وفیها نخرجکم تارة اخری" پڑھتے تھے، ابن الملک کہتے ہیں کہ جو شخص تدفین کے عمل میں شریک ہو اس کیلئے مسنون ہے کہ تین مرتبہ لپ

بھر کر مٹی اٹھائیے، اور گڑھا بھر جانے کے بعد وہ مٹی قبر پر ڈالے، صاحب مرقات نے نقل کیا ہے کہ ایک شخص کو انتقال کے بعد کسی نے خواب میں دیکھا تو اس سے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے ساتھ کیا معاملہ فرمایا؟ تو اس نے کہا کہ میری نیکیاں وزن کی گئیں تو برائیوں کا وزن نیکیوں کے وزن سے بڑھ گیا، پھر اچانک ایک تھیلی نیکیوں کے پلڑے میں آ گری تو نیکیوں کا پلڑا بھاری ہو گیا، اس تھیلے کو دیکھا تو اس میں وہ مٹی تھی جو کہ میں نے ایک مسلمان کی قبر پر ڈالی تھی، اس واقعہ سے مسلمان کی قبر پر مٹی ڈالنے کی اہمیت سمجھ میں آ گئی ہے۔" رش علی قبر" قبر پر آپ ﷺ نے پانی ڈالا، قبر پر ٹھنڈا پاک پانی ڈالنے کا مقصد اس بات سے نیک فالی لینا ہے، کہ اللہ تعالیٰ اس قبر کو ٹھنڈی رکھیں گے، "ووضع علیه حصباء" آپ ﷺ نے بطور علامت کے چند کنکریاں صاحبزادہ کی قبر کی پاس رکھدی تھیں۔ (مرقات ص ۷۶ ج ۴)

حدیث نمبر ۱۶۲۲ ﴿قبر پر لکھنے کی ممانعت﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۷۰۹

وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَنْ يُّجَصَّصَ الْقُبُوْرُ وَاَنْ يُّكْتَبَ عَلَيْهَا وَاَنْ تُوْطَأَ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ.

حواله: ترمذی، ج ۲۰۳ ج/۱، باب ماجاء فی کراھیة تجصیص القبور، کتاب الجنائز حدیث ۱۰۵۲۔

ترجمه: حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قبروں کو پختہ بنانے، اس پر لکھنے اور اس کو روندنے سے منع فرمایا ہے (ترمذی)

خلاصۂ حدیث اس حدیث میں تین باتوں سے منع کیا گیا ہے، (۱) قبر کو پختہ بنانے سے، چوں کہ اس میں مال کا ضیاع اور بے محل زینت ہے اور جاہلانہ رسوم کا دروازہ کھولنا ہے، اس لئے آپ ﷺ نے اس سے منع فرمایا (۱) قبر پر لکھنا منع ہے، خاص طور پر اللہ اور اس کے رسول یا قرآن مجید کی آیت لکھنے سے گریز کرنا چاہئے، کیوں کہ اس میں ان بابرکت ناموں کی توہین کا خطرہ ہے، (۳) قبروں پر چلنا منع ہے، کیوں کہ اس میں میت کی توہین ہوتی ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح ان یکتب علیها قبر پر کتبہ لگانا یا اور کچھ لکھنا منع ہے، بعض علماء کہتے ہیں کہ میت کے نام کا کتبہ لگانا جائز ہے، خصوصاً جبکہ میت صلحاء میں سے کوئی ہوتا کہ اس کی قبر کی پہچان باقی رہے، بقیہ مضامین کی تحقیق کے لئے حدیث ۱۶۱۱ دیکھیں۔

حدیث نمبر ۱۶۲۳ ﴿حضور ﷺ کی قبر پر پانی چھڑکنے کا ذکر﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۷۱۰

وَعَنْهُ قَالَ رُشَّ قَبْرُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَانَ الَّذِيْ رَشَّ الْمَاءَ عَلٰى قَبْرِهٖ بَلَالُ بْنُ رَبَاحٍ بِقِرْبَةٍ بَدَأَ مِنْ قِبَلِ رَأْسِهٖ حَتّٰى انْتَهٰى اِلٰى رِجْلَيْهِ رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِيْ دَلَائِلِ النُّبُوَّةِ.

حواله: بیهقی فی دلائل النبوة.

ترجمه: حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی قبر مبارک پر پانی چھڑکا گیا اور پانی چھڑکاؤ کا کام جن صاحب نے مشک کے ذریعہ انجام دیا وہ بلال بن ابی رباح ہیں، سرہانے سے پانی چھڑکنا شروع کیا اور قدموں تک آئے (بیهقی فی دلائل النبوة)

خلاصۂ حدیث اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قبر پر پانی چھڑکنا چاہئے یہ کام نیک فالی کے لئے کیا جاتا ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح رش قبر النبی گزشتہ اوراق میں یہ بات گزر چکی ہے کہ آپ ﷺ نے اپنے صاحبزادہ حضرت ابراہیم کی قبر پر پانی چھڑکا تھا، یہاں اس بات کا ذکر ہے کہ آپ ﷺ کی قبر پر پانی چھڑکا گیا، پانی اس لئے چھڑکا جاتا ہے، تاکہ اللہ تعالیٰ میت کے حق میں اس کی قبر کو ٹھنڈا رکھیں، علامہ طیبیؒ کہتے ہیں کہ پانی کا چھڑکنا اللہ تعالیٰ کی رحمت کے نزول کو طلب کرنے کے لئے ہے، جیسا کہ دعاءِ ماثورہ میں ہے کہ "اللّٰهم اغسل خطایاہ بالماء والثلج والبرد"۔

حدیث نمبر۱۶۲۴﴿قبر پر نشانی رکھنا﴾عالمی حدیث نمبر ۱۷۱۱

وَعَنِ الْمُطَّلِبِ بْنِ اَبِیْ وَدَاعَةَ قَالَ لَمَّا مَاتَ عُثْمَانُ بْنُ مَظْعُوْنٍ اُخْرِجَ بِجَنَازَتِهٖ فَدُفِنَ اَمَرَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلًا اَنْ يَّاْتِيَهٗ بِحَجَرٍ فَلَمْ يَسْتَطِعْ حَمْلَهَا فَقَامَ اِلَيْهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَحَسَرَ عَنْ ذِرَاعَيْهِ قَالَ الْمُطَّلِبُ قَالَ الَّذِیْ يُخْبِرُنِیْ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَاَنِّیْ اَنْظُرُ اِلٰی بَيَاضِ ذِرَاعَیْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِيْنَ حَسَرَ عَنْهُمَا ثُمَّ حَمَلَهَا فَوَضَعَهَا عِنْدَ رَاْسِهٖ وَقَالَ اُعْلِمُ قَبْرَ اَخِیْ وَاَدْفِنُ اِلَيْهِ مَنْ مَاتَ مِنْ اَهْلِیْ رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ.

حوالہ: ابو داؤد ۲/۴۵۷، باب فی جمع الموتی فی قبر، کتاب الجنائز، حدیث ۳۲۰۶۔

ترجمہ: حضرت مطلب بن وداعہؓ سے روایت ہے کہ جب حضرت عثمان بن مظعونؓ کا انتقال ہوا اور اُن کے جنازہ کو دفنایا گیا، تو رسول اللہ ﷺ نے کسی کو پتھر لانے کا حکم دیا، لیکن وہ پتھر بھاری تھا، جس کو وہ صحابی اٹھا نہیں سکے، تو اس کو اٹھانے کے لئے آپ ﷺ خود کھڑے ہوئے اور اپنی دونوں آستینیں چڑھائیں، حضرت مطلبؓ کہتے ہیں کہ جس راوی نے مجھ سے یہ حدیث بیان کی وہ فرماتے تھے کہ گویا کہ میں آپ ﷺ کے بازوؤں کی سفیدی دیکھ رہا ہوں، جس وقت کہ آپ ﷺ نے اپنی آستینیں چڑھائیں، پھر آپ ﷺ نے پتھر کو اٹھایا اور اس کو حضرت عثمان کی قبر کے سرہانے رکھ دیا، اور فرمایا کہ میں نے اس کو اپنے بھائی کی قبر کی نشانی بنا دیا ہے اور میرے اہل میں جو انتقال کرے گا اس کو میں ان کے قریب دفن کردوں گا (ابوداؤد)

خلاصۂ حدیث اس حدیث سے دو باتوں کی خاص طور پر وضاحت ہوتی ہے (۱) پہچان کے لیے قبر پر نشانی رکھنا درست ہے (۲) اقرباء کو ایک دوسرے کے آس پاس دفن کرنا بہتر ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح واعلم بها قبر اخی حضرت عثمانؓ آپ ﷺ کے رضاعی بھائی تھے، اسی مناسبت سے آپ ﷺ نے انکو "اخی" کہا ہے یہ تیرہ لوگوں کے بعد شروع دور ہی میں مسلمان ہو گئے تھے، دو مرتبہ ہجرت کا شرف حاصل ہوا، شرکاء بدر میں سے ہیں، مہاجرین میں سے مدینہ میں سب سے پہلے ان ہی کی وفات ہوئی، آپ ﷺ نے انکی قبر کے پاس بڑا سا پتھر رکھدیا تھا، تاکہ نشانی قبر باقی رہے "وادفن من مات من اهلی" آپ ﷺ نے اس بات کا عزم ظاہر کیا تھا کہ میں عثمان کے قریب ہی اپنے خاندان کے لوگوں کو دفن کرونگا، چنانچہ سب سے پہلے اپنے بیٹے حضرت ابراہیم کو آپ ﷺ نے انکے پاس ہی دفن کیا، پھر اپنی بیٹی حضرت زینبؓ کو بھی قریب ہی میں دفن کیا، معلوم ہوا کہ اقرباء کو ایک دوسرے کے قریب دفن کرنا افضل ہے (مرقات ص ۸۷ ج ۴)

حدیث نمبر۱۶۲۵﴿آپ ﷺ کی قبر کی ہیئت کا تذکرہ﴾عالمی حدیث نمبر ۱۷۱۲

وَعَنِ الْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ قَالَ دَخَلْتُ عَلٰی عَائِشَةَ فَقُلْتُ يَااُمَّاهُ اِكْشِفِیْ لِیْ عَنْ قَبْرِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَصَاحِبَيْهِ، فَكَشَفَتْ عَنْ ثَلٰثَةِ قُبُوْرٍ لَا مُشْرِفَةٍ وَّ لَا لَاطِئَةٍ مَبْطُوْحَةٍ بِبَطْحَاءِ الْعَرْصَةِ الْحَمْرَآءِ رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ

حوالہ: ابوداؤد، ص ۴۵۹ ج ۲/، باب تسوية القبر، کتاب الجنائز حدیث ۳۲۲۰۔

ترجمہ: حضرت قاسم بن محمدؒ سے روایت ہے کہ میں حضرت عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہوا، اور عرض کیا کہ اماں جان! مجھے حضور ﷺ کی قبر مبارک اور آپ ﷺ کے دونوں رفقا کی قبر مبارک کی زیارت کرادیں، چنانچہ ام المؤمنین نے پردہ ہٹا کر مجھے تینوں قبروں کی زیارت کرائی، وہ قبریں نہ تو بہت اونچی تھیں اور نہ زمین سے سل ہوئیں، انپر مدینہ کے آس پاس کی سرخ کنکریاں پڑی ہوئیں تھیں (ابوداؤد)

خلاصۂ حدیث آپ ﷺ اور حضرات شیخین کی قبریں حضرت عائشہؓ کے حجرہ میں تھیں کمرہ کے باہر پردہ لٹکا رہتا تھا، اگر کسی کو زیارت کرنا ہوتا تو حضرت عائشہؓ سے اجازت طلب کرتا، آپ پردہ ہٹا دیتی تھیں اور زیارت کرنے والا اپنے قلب

کومنور کرتا تھا، قبر کے سلسلے میں یہ بات گزر چکی ہے کہ نہ تو اس پر بلڈنگ بنائی جائے، نہ اس کو خود بہت بلند کیا جائے، اور نہ بالکل زمین سے ملایا جائے، بس ایک بالشت کے بقدر اونچی رکھی جائے یہ مسنون طریقہ ہے، آپ ﷺ کی اور آپ ﷺ کے محبوب ساتھوں کی قبریں بھی اسی کیفیت پر بنی ہوئی تھیں۔

کلمات حدیث کی تشریح اکشفی لی عن قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم وصاحبیه آپ ﷺ کی اور حضرات شیخین کی قبریں کھول دیجیے مطلب یہ ہے کہ حجرہ کا پردہ ہٹا کر مجھے قبروں کی زیارت کرا دیجئے، یہ اس زمانہ کی بات ہے جب کمرہ میں پردہ پڑا ہوا تھا، اب تو ان قبور ثلاثہ کے اردگرد ایسی دیواریں حائل ہیں کہ ان تک پہنچنا ناممکن ہے، تینوں حضرات کی ایک ہی کمرہ میں قبر کی جو ترتیب ہے اس کے بارے میں ابوعلی روایت کرتے ہیں کہ " أن رسول الله صلی الله علیه وسلم مقدم، وابوبکر عند رأسه، وعمر عند رجله، رأسه عند رجلی رسول الله صلی الله علیه وسلم" (ابوداؤد) مزید کلمات کی تحقیق کے لیے حدیث ۱۶۱۰ دیکھیں۔

حدیث نمبر ۱۶۲۶ ☆☆ عالمی حدیث نمبر ۱۷۱۳

﴿قبرستان میں تدفن کے انتظار میں بیٹھنا﴾

وَعَنِ الْبَرَآءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ خَرَجْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ جَنَازَةِ رَجُلٍ مِّنَ الْاَنْصَارِ فَانْتَهَيْنَا إِلَى الْقَبْرِ وَلَمَّا يُلْحَدْ بَعْدُ فَجَلَسَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُسْتَقْبِلَ الْقِبْلَةِ وَجَلَسْنَا مَعَهُ رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَالنَّسَائِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَزَادَ فِيْ اٰخِرِهٖ فِيْ كَاَنَّ عَلٰى رُءُوْسِنَا الطَّيْرَ.

حوالہ: ابوداؤد، ص ۴۵۸ ج /۲، باب الجلوس عند القبر، کتاب الجنائز حدیث ۳۲۱۲، نسائی ص ۲۱۹ ج /۲، باب الوقوف للجنائز، کتاب الجنائز، حدیث ۲۰۰۰، ابن ماجه، ص ۱۱۱، باب ماجاء فی الجلوس فی المقابر، کتاب الجنائز، حدیث ۱۵۴۹۔

ترجمہ: حضرت براء بن عازبؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کیساتھ ایک انصاری شخص کے جنازہ میں گئے، ہم قبر کے پاس پہنچ گئے جبکہ ابھی قبر تیار نہیں ہوئی تھی، چنانچہ نبی کریم ﷺ قبلہ رخ ہو کر بیٹھ گئے، اور ہم بھی آپ ﷺ کیساتھ بیٹھ گئے (ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ) اور ابن ماجہ نے اخیر میں یہ الفاظ مزید نقل کیے ہیں كان علی رؤسنا الطیر یعنی ہم اس طور پر بیٹھ گئے گویا کہ ہمارے سروں پر پرندے بیٹھے ہیں۔

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ قبر تیار ہونے سے پہلے اگر قبرستان پہنچ جایا جائے تو وہاں پہنچ کر فضول گوئی میں مبتلا نہ ہو جائے، بلکہ سکون سے بیٹھ جایا جائے، اور بہتر تو یہ ہے کہ اس موقع کو غنیمت جان کر میت کیلئے ایصال ثواب کے لئے تلاوت کی جائے، اس حدیث سے آپ ﷺ کا یہ عمل ثابت ہوتا ہے کہ آپ ﷺ قبلہ رو ہو کر بیٹھ گئے۔

کلمات حدیث کی تشریح لمایلحد بعد جس وقت حضورؐ مع اصحاب کے پہنچے اس وقت تک قبر مکمل طور پر کھدی نہیں تھی "فجلس" آپ ﷺ قبلہ رو ہو کر بیٹھ گئے کیونکہ آپ ﷺ ہی کا فرمان ہے کہ اشراف المجالس ما استقبل به القبلة علماء نے لکھا ہے کہ زیارت قبور کے لئے جایا جائے تو کھڑے یا بیٹھنے کی صورت میں قبلہ رخ ہی رہنا چاہئے۔

حدیث نمبر ۱۶۲۷ ﴿میت کو تکلیف پہنچانے کی ممانعت﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۷۱۴

وَعَنْ عَائِشَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ كَسْرُ عَظْمِ الْمَيِّتِ كَكَسْرِهٖ حَيًّا رَوَاهُ مَالِكٌ وَاَبُوْدَاوٗدَ وَابْنُ مَاجَةَ.

حوالہ: موطا مالک، ص ۸۳ باب ماجاء فی الإختفاء، کتاب الجنائز، حدیث ۴۵، ابوداؤد، ۲/ ۴۵۷، باب فی الحفار یجد العظم، کتاب الجنائز، حدیث ۳۲۰۷، ابن ماجه، ص ۱۱۶ باب النهي عن کسر عظام المیت، کتاب الجنائز حدیث ۱۶۱۶۔

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مردہ کی ہڈی توڑنا ایسا ہے جیسے کہ زندہ کی ہڈی توڑنا (مالک، ابوداؤد، ابن ماجہ)

خلاصۂ حدیث: اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ میت کی توہین وتذلیل کرنا منع ہے، اور جن امور سے زندہ کو تکلیف ہوتی ہے ان امور سے مردہ کو بھی تکلیف پہنچتی ہے، اسی بناپر آپ ﷺ نے قبروں پر چلنے اوران پر بیٹھنے سے بھی منع فرمایا ہے، اس لئے کہ اس میں بھی میت کی توہین ہوتی ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح: کسر عظم المیت ککسرہ حیا اس حدیث اوراس مضمون کی دیگر احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ میت کے جسم کو کاٹنا اوراس کی ہڈیوں کو توڑنا ناجائز وگناہ ہے، یہیں سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ "پوسٹ مارٹم بھی حرام ہے کیوں کہ اس میں بھی میت کے اعضاء کو کاٹا جاتا ہے اوراس کی ہڈی کو توڑا جاتا ہے، البتہ اگر پوسٹ مارٹم کے ذریعہ کسی بے قصور کی جان بچانے کا مسئلہ درپیش ہو تو پھر ممانعت باقی نہ رہے گی کیونکہ ضابطہ ہے کہ "الضرورات تبیح المحظورات لیکن عام حالات میں اس سے اجتناب لازم ہے۔

سوال: قبر کی کھودائی کے وقت ہڈی نکل آئے، تو کیا کیا جائے، کیا اس جگہ کو چھوڑ کر دوسری جگہ قبر کھودی جائے؟

جواب: حضرت سہارن پوریؒ نے بذل میں حضرت جابرؓ سے روایت نقل کی ہے کہ ایک مرتبہ ہم حضور ﷺ کیساتھ ایک جنازہ کی تدفین کی غرض سے قبرستان گئے، جب ہم وہاں پہنچے تو قبر کھودی جارہی تھی، آپ ﷺ قبر کے کنارے بیٹھ گئے گورکن نے قبر کی کھودائی کے دوران ایک ہڈی نکال کر دکھائی، جسکو وہ توڑنے لگا، تو آپ ﷺ نے اس کو توڑنے سے منع فرمایا، اوراس ہڈی کو اسی قبر میں ایک کنارے دبانے کا حکم فرمایا، معلوم ہوا کہ جس قبر میں ہڈی نکل آئے تو اس ہڈی کو اسی قبر میں دبادیا جائے، دوسری قبر کھودنے کی ضرورت نہیں ہے۔

الفصل الثالث

حدیث نمبر ۱۶۲۸ ﴿عورت کی قبر میں اترنے کا تذکرہ﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۷۱۵

عَنْ اَنَسٍ قَالَ شَهِدْنَا بِنْتَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تُدْفَنُ وَرَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَالِسٌ عَلَى الْقَبْرِ، فَرَاَيْتُ عَيْنَيْهِ تَدْمَعَانِ فَقَالَ هَلْ فِيْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ لَمْ يُقَارِفِ اللَّيْلَةَ فَقَالَ اَبُوْ طَلْحَةَ اَنَا قَالَ فَانْزِلْ فِيْ قَبْرِهَا فَنَزَلَ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ.

حوالہ: بخاری، ص ۱۷۱، ج/۱، باب یعذب المیت ببعض بکاء أهله، کتاب الجنائز حدیث ۱۲۸۵۔

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادی کی تدفین کے وقت موجود تھا، آپ ﷺ قبر کے قریب اشکبار بیٹھے تھے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ کیا تمہارے درمیان کوئی ایسا شخص ہے جس نے آج رات اپنی بیوی سے ہمبستری نہ کی ہو، ابوطلحہ نے عرض کیا کہ میں ایسا شخص ہوں، آپ ﷺ نے فرمایا کہ پھر تم ہی اس کی قبر میں اترو، چنانچہ وہ قبر میں اترے (بخاری)

خلاصۂ حدیث: میت اگر عورت ہے تو اس کی قبر میں محرم لوگوں کا اترنا اولیٰ ہے، بوقت ضرورت غیر محرم بھی اتر سکتے ہیں، لیکن غیر محرم میں جو زیادہ نیک لوگ ہوں وہ اتریں، حضرت ام کلثوم کے جنازہ میں آپ ﷺ اور حضرت عثمان موجود تھے جو کہ محرم تھے، لیکن کسی ضرورت یا بیان جواز کے لئے آپ ﷺ نے نامحرم شخص کو اپنی بیٹی کی قبر میں اتارا۔

کلمات حدیث کی تشریح: لم یقارف اللیلۃ تم میں کون ہے جس نے آج رات اپنی بیوی سے جماع نہ کیا ہو؟ جماع اپنی بیوی سے جائز ہے، لیکن آپ ﷺ نے چاہا کہ بیٹی کو وہ شخص دفن کرے جس نے کم از کم آج رات جماع نہ کیا ہو، کیونکہ یہ شخص اس صنعت میں فرشتوں کے مشابہ ہو جائے گا، بعض شراح نے نقل کیا ہے کہ اس میں حضرت عثمان پر تعریض ہے،

حضرت عثمان حضرت ام کلثوم کے شوہر تھے، بیوی کی بیماری کی عالم میں ان کو تیمارداری بھرپور خیال رکھنا چاہئے، لیکن انہوں نے کسی جاریہ سے استمتاع کیا جو کہ فی نفسہ درست ہے، لیکن حضرت عثمانؓ کی شایانِ شان نہیں، آپ ﷺ کو حضرت عثمان کی یہ بات اچھی نہیں لگی، لہٰذا آپؐ نے فرمایا کہ میری بیٹی کی تدفین کے لئے قبر میں وہ اترے جس نے آج رات صحبت نہ کی ہو، بوقتِ ضرورت غیرمحرم، عورت میت کو قبر میں اتار سکتا ہے، لہٰذا حضرت ابوطلحہؓ نے آپ ﷺ کی بیٹی کو قبر میں اتارا۔

حدیث نمبر ۱۶۲۹ ﴿دفن کے بعد کچھ دیر ٹھہرنے کا بیان﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۷۱۶

وَعَنْ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ قَالَ لِابْنِهٖ وَهُوَفِيْ سِيَاقِ الْمَوْتِ اِذَااَنَامِتُّ فَلَا تَصْحَبْنِيْ نَائِحَةٌ وَّ لَا نَارٌ، فَاِذَا دَفَنْتُمُوْنِيْ فَشُنُّوْا عَلَيَّ التُّرَابَ شَنًّا ثُمَّ اَقِيْمُوْا حَوْلَ قَبْرِيْ قَدْرَ مَا يُنْحَرُ جَزُوْرٌ، وَيُقْسَمُ لَحْمُهَا حَتّٰى اَسْتَأْنِسَ بِكُمْ وَاَعْلَمَ مَاذَا اُرَاجِعُ رُسُلَ رَبِّيْ رَوَاهُ مُسْلِمٌ

حوالہ: مسلم، ۷۶/۱، باب کون الاسلام یهدم ماقبله و کذا الهجرة والحج، کتاب الایمان، حدیث ۱۲۱۔

ترجمہ: حضرت عمرو بن عاصؓ نے اپنے صاحبزادہ سے جان کنی کی حالت میں فرمایا کہ جب میں مرجاؤں تو میرے جنازہ کے ساتھ نہ تو کوئی نوحہ کرنے والی ہو، اور نہ آگ ساتھ جائے، اور جب تم لوگ مجھ کو دفن کردو تو میرے قبر پر مٹی آہستہ ڈالنا، پھر میری قبر پر اتنی دیر ٹھہر نا جتنی دیر میں اونٹ ذبح کر کے اس کا گوشت تقسیم کیا جاتا ہے؛ تا کہ میں قبر کے ماحول سے تمہاری وجہ سے مانوس ہو جاؤں، اور جان لوں کہ میں اپنے رب کے قاصد کو کیا پیغام دیتا ہوں۔ (مسلم)

خلاصہ حدیث اس حدیث میں حضرت عمرو بن عاص نے اپنے بیٹے کو رسوم جاہلیت سے احتراز کرنے اور بعد دفن کچھ دیر ٹھہر کر دعائے مغفرت کرنے کی تاکید کی ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے رحم وکرم کا معاملہ ہو، اور قبر میں ہونے والے سوالوں کا جواب دینا آسان ہو۔

کلمات حدیث کی تشریح لاتصحبنی نائحة جنازہ کے ساتھ نوحہ کرنے والی نہ رہے، نوحہ کرنے سے میت کو تکلیف ہوتی ہے، آپ ﷺ نے نوحہ کرنے سے بھی منع کیا ہے اور جس جنازہ میں نوحہ کرنے والی ہو اس میں شرکت سے بھی منع کیا ہے، آپ ﷺ کا فرمان ہے "نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم إن تتبع جنازة نائحة" مزید تحقیق کے لئے حدیث ۱۶۶۴ دیکھیں "ولانار" کفار فخر وغرور اور شوکت کے اظہار کے لئے جنازہ کے ساتھ آگ بھی لے کر چلتے، آپ ﷺ نے اس سے منع کیا ہے، البتہ اگر کوئی عذر ہے تو آگ جلائی جاسکتی ہے، جیسے کہ رات کے وقت تدفین ہو رہی ہے، تو روشنی کے لئے آگ جلانا درست ہے "ثم أقیموا" استغفار اور قبر میں ہونے والے سوالات کے جواب میں آسانی پیدا کی جائے اور میت درست جواب دے اس کی دعا کے لئے دفن کے بعد کچھ دیر ٹھہرنے کی تاکید ہے، آپ ﷺ کے بارے میں آتا ہے "اذا فرغ من دفن الرجل يقف عليه ويقول استغفروا الله لا خيكم واسألوا له التثبيت" جب کسی کی تدفین سے فارغ ہوتے تو قبر کے پاس کھڑے ہوجاتے اور لوگوں سے کہتے کہ اپنے بھائی کے لئے دعاء مغفرت کرو اور اس کے لئے ثابت قدم رہنے کی دعا کرو۔

حدیث نمبر ۱۲۳۰ ﴿دفن کرنے میں جلدی کرنے کی تاکید﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۷۱۷

وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِذَا مَاتَ اَحَدُكُمْ فَلَا تَحْبِسُوْهُ وَاَسْرِعُوْا بِهٖ اِلٰى قَبْرِهٖ وَلْيُقْرَءْ عِنْدَ رَأْسِهٖ فَاتِحَةُ الْبَقَرَةِ وَعِنْدَ رِجْلَيْهِ بِخَاتِمَةِ الْبَقَرَةِ رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِي شُعَبِ الْاِيْمَانِ وَقَالَ وَالصَّحِيْحُ اَنَّهٗ مَوْقُوْفٌ عَلَيْهِ.

حوالہ: بيهقى يى شعب الايمان، باب فى الصلاة على من مات من أهل القبلة ص ۱۶، حدیث ۹۲۹۴۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ "جب تم میں سے کوئی شخص وفات پائے

توتم لوگ اسکوروک کر مت رکھو، اسکو قبر تک پہنچانے میں جلدی کرو، اور میت کے سرہانے سورہ بقرہ کی ابتدائی آیات اور پائنتی میں سورہ بقرہ کی آخری آیات تلاوت کی جانی چاہئے بیہقی نے شعب الایمان میں یہ روایت نقل کر کے کہا ہے کہ یہ حدیث حضرت ابن عمرؓ پر موقوف ہے

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ میت کے انتقال کے بعد اس کی آخری آرام گاہ تک پہنچانے میں بلاوجہ تاخیر نہ کرنا چاہئے، انتقال کے فوراً بعد ہی تجہیز و تکفین کے انتظامات شروع کر دینا چاہئے، اور جنازہ لے چلتے وقت بھی تیز قدموں سے چلنا چاہئے، دفن کے بعد ایصال ثواب کا اہتمام کرنا چاہئے، خاص طور پر سورہ بقرہ کی ابتدائی اور آخری آیات پڑھ کر بخشا چاہئے، اس سے میت کو بڑی راحت ہوتی ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح **لا تحبسوه واسرعوا به** میت کے کفن دفن کے انتظامات اور اس کے لئے چلنے میں جلدی کرنا چاہئے ایک موقع پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ "**اسرعوا بالجنازة فإن تك صالحة فخير تقد مونها، وإن تك سوى ذالك فشر تضعو نه عن رقابكم**" ایک موقع پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر میت نیک شخص کی ہوتی ہے تو وہ خود کہتی ہیں کہ "**قدمونی**" مجھے جلدی لے چلو، مزید تحقیق کے لئے حدیث ۱۵۶۲ دیکھیں "**وليقرأ عند رأسه فاتحة البقرة**" قبر کے سرہانے کھڑے ہوکر سورہ بقرہ کی ابتدائی آیات "**اولئك هم المفلحون**" تک اور پائنتی کی طرف سورہ بقرہ کی آخری آیات "**آمن الرسول**" سے سورت کے مکمل ہونے تک پڑھنا مستحب ہے۔

حدیث نمبر ۱۶۳۱ ☆☆ عالمی حدیث نمبر ۱۷۱۸

﴿حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا اپنے بھائی کی قبر پر آنا﴾

وَعَنِ ابْنِ اَبِیْ مُلَیْکَةَ قَالَ لَمَّا تُوُفِّیَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ اَبِیْ بَکْرٍ بِالْحُبْشِیِّ وَهُوَ مَوْضِعٌ فَحُمِلَ اِلٰی مَکَّةَ فَدُفِنَ بِهَا، فَلَمَّا قَدِمَتْ عَائِشَةُ قَبْرَ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ اَبِیْ بَکْرٍ فَقَالَتْ وَکُنَّا کَنَدْمَانَیْ جَذِیْمَةَ حِقْبَةً مِنَ الدَّهْرِ حَتّٰی قِیْلَ لَنْ یَتَصَدَّعَا فَلَمَّا تَفَرَّقْنَا کَاَنِّیْ وَمَالِکًا لِطُوْلِ اجْتِمَاعٍ لَمْ نَبِتْ لَیْلَةً مَعًا ثُمَّ قَالَتْ وَاللّٰهِ لَوْ حَضَرْتُكَ مَادُفِنْتَ اِلَّا حَیْثُ مُتَّ وَلَوْ شَهِدْتُكَ مَازُرْتُكَ رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ.

حواله: ترمذی، ص ۲۰۳ ج/۱، باب، کتاب الجنائز، حدیث ۱۰۵۵۔

ترجمه: حضرت ابن ابی ملیکہؓ سے روایت ہے کہ جب عبدالرحمٰن بن ابوبکرؓ کا انتقال مقام "حبشی" میں جو کہ ایک موضع ہے میں ہوا، تو آپ کی لاش مکہ لائی گئی اور ان کو وہاں دفن کیا گیا، جب حضرت عائشہؓ حج کے لئے مکہ تشریف لائیں تو حضرت عبدالرحمٰن بن ابوبکر کی قبر پر آکر یہ اشعار پڑھے کنا کندمانی الخ ہم اور تم جذیمہ کے دو ہمنشینو کی طرح اتنی مدت دراز تک ساتھ رہے کہ لوگ کہنے لگے کہ یہ جدا نہ ہوں گے، لیکن جب میں اور مالک طویل مدت تک ساتھ رہنے کے باوجود جدا ہوئے تو ایسا لگا کہ ہم نے ایک رات بھی اکٹھا نہیں گذاری، یہ اشعار پڑھ کر حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ اگر اس وقت میں موجود ہوتی تو تمہیں وہیں دفن کیا جاتا جہاں تمہارا انتقال ہوا تھا، اور اگر میں موت کے وقت تمہارے پاس موجود ہوتی تو اس وقت تمہاری قبر کی زیارت کو نہ آتی (ترمذی)

خلاصۂ حدیث اس حدیث میں حضرت عائشہؓ متمم بن نویرہ کے اشعار پڑھ کے اپنے بھائی سے قلبی محبت کا اظہار کیا ہے اور اس بات کا بھی اشارہ کیا ہے کہ افضل یہی ہے کہ میت کا جہاں انتقال ہو اسی مقام پر دفن کیا جائے، اور اس بات کا بھی تذکرہ اشارۃً کیا ہے کہ عورتوں کے لئے قبرستان نہ آنا بہتر ہے، اور میرا آنا اس عذر کی بنا پر ہے کہ میں نے بوقت انتقال بھائی سے ملاقات نہیں کی تھی، تو میں زیارت قبر ہی کو بھائی کی آخری ملاقات کے قائم مقام سمجھ کر حاضر ہوئی ہوں۔

کلمات حدیث کی تشریح وکنا کندمانی یہ دونوں شعر متمم بن نویرہ کے ہیں، جو کہ اس نے اپنے بھائی مالک بن نویرہ کے مرثیہ میں کہے تھے، اس کا بھائی مالک واقعۂ ردت میں حضرت خالد بن ولیدؓ کے ایک لشکری حضرت ضرار بن الازور کے ہاتھوں قتل ہوا تھا، متمم کو اپنے بھائی مالک سے بہت محبت تھی، اس نے بھائی کی محبت میں بہت سے قصائد مرثیہ کے طور پر کہے تھے، فن ادب میں مراثی کا بلند مقام ہے، مذکورہ اشعار میں متمم نے اپنے آپ کو اور اپنے بھائی کو جذیمہ بادشاہ کے دو ہم نشینوں کے مانند قرار دیا ہے، جذیمہ عراق کے ایک بادشاہ کا نام ہے اس کے دو مصاحب تھے (۱) مالک (۲) عقیل یہ دونوں چالیس سال تک ساتھ میں رہے، ان دونوں میں اتنی محبت تھی کہ یہ طول رفاقت میں ضرب المثل بن گئے تھے، حضرت عائشہؓ نے اپنے بھائی کے ساتھ طول رفاقت اور قلبی محبت کے اظہار کے لئے ہی ان اشعار کو پڑھا تھا "مادفنت الا حیث مت" حضرت عبدالرحمٰن بن ابوبکر کی میت کو منتقل کیا گیا، افضل تو یہی ہے کہ ایک مقام سے دوسرے مقام میں میت کو منتقل نہ کیا جائے، حنفیہ کے یہاں فتویٰ اس پر ہے کہ ایک دو میل تک ایک مقام سے دوسرے مقام تک میت کو لے جانا جائز ہے، لیکن دفن کے بعد نعش نکال کر دوسری جگہ منتقل کرنا بغیر عذر شرعی کے درست نہیں ہے، حضرت عائشہؓ نے بھی اس کو ناپسند کیا ہے، مزید تحقیق کے لئے حدیث ۱۶۱۷ دیکھیں "لو شهد تك مازرتك" حضرت عائشہؓ اپنے بھائی کی قبر کی زیارت کے لئے آئیں، لیکن ساتھ میں انہوں نے اپنے آنے کا عذر بھی ذکر کیا، عورتوں کے قبرستان آنے سے متعلق مزید تحقیق کے لئے حدیث ۱۶۷۵ دیکھیں

حدیث نمبر ۱۶۳۲ ☆☆ عالمی حدیث نمبر ۱۷۱۹

﴿میت کو سر کے بل قبر میں اتارنے کا تذکرہ﴾

وَعَنْ اَبِي رَافِعٍ قَالَ سَلَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَعْدًا وَّرَشَّ عَلٰى قَبْرِهٖ مَآءً رَوَاهُ ابن مَاجَةَ .

حوالہ: ابن ماجہ ص ۱۱۱ ج باب حثو التراب فی القبر، کتاب الجنائز حدیث ۱۵۶۵۔

ترجمہ: حضرت ابورافع سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ حضرت سعدؓ کی میت کو سر کی طرف سے آہستہ آہستہ کھینچتے ہوئے قبر میں داخل کیا، اور ان کی قبر پر پانی چھڑکا۔ (ابن ماجہ)

خلاصۂ حدیث اس حدیث میں قبر میں میت کے داخل کرنے کا جو طریقہ مذکور ہے اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ میت قبر کے پائتانے سے داخل کیا جاتا ہے، حضرات شوافع کے یہاں یہی طریقہ افضل ہے میت کی قبر پر پانی چھڑکنے کا مقصد نزول رحمت طلب کرنا ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح سل رسول الله صلى الله عليه وسلم میت کو قبر میں اتارنے کا جو اصل طریقہ ہے وہ یہ ہے کہ میت کو قبر میں قبلہ کی جانب سے اتارا جائے، آپ ﷺ نے کبھی کبھی اس کے خلاف بیان جواز یا عذر کی وجہ سے کیا ہے مزید تحقیق کے لئے حدیث ۱۶۱۸ دیکھیں۔

حدیث نمبر ۱۶۳۳ ﴿مٹی ڈالنے کا طریقہ﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۷۲۰

وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلّٰى عَلٰى جَنَازَةٍ ثُمَّ اَتَى الْقَبْرَ فَحَثٰى عَلَيْهِ مِنْ قِبَلِ رَاْسِهٖ ثَلَاثًا رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ .

حوالہ: ابن ماجہ ص ۱۱۲، باب حثو التراب فی القبر، کتاب الجنائز، حدیث ۱۵۶۵۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک میت کی نماز جنازہ پڑھائی، پھر اس کی قبر کے پاس آئے، پھر اس کے سرہانے کی طرف سے آپ ﷺ نے تین لپ مٹی ڈالی۔

خلاصۂ حدیث قبر جب برابر ہو جائے تو تین مرتبہ مٹی ڈالنا مسنون ہے اور مٹی سرہانے کی جانب سے ڈالنا بہتر ہے، تین مرتبہ دونوں ہاتھوں میں مٹی بھری جائے اور دعا پڑھتے ہوئے مٹی ڈالی جائے پہلی مرتبہ مٹی ڈالتے وقت "منها خلقنكم" دوسری مرتبہ "وفيها نعيد كم" اور تیسری مرتبہ "ومنها نخرجكم تارة اخرى" پڑھا جائے۔

کلمات حدیث کی تشریح فحثی علیه اس کا مطلب ہے کہ آپ ﷺ نے قبر پر مٹی ڈالی "ثلاثا" تین مرتبہ اپنے ہاتھوں میں مٹی بھر کر مٹی قبر پر ڈالی، یہ بھلائی میں اعانت کرنے کے قبیل سے بھی ہے۔

حدیث نمبر ۱۶۲۴ ﴿قبر پر ٹیک لگانے کی ممانعت﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۷۲۱

وَعَنْ عَمْرِو بْنِ حَزْمٍ قَالَ رَانِيَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُتَّكِأً عَلٰى قَبْرٍ فَقَالَ لَا تُؤْ ذِصَاحِبَ هٰذَا الْقَبْرِ اَوْ لَا تُؤْذِهِ رَوَاهُ اَحْمَدُ.

حوالہ: مسند احمد۔

ترجمہ: حضرت عمرو بن حزمؓ سے روایت ہے کہ حضرت نبی کریم ﷺ نے مجھے ایک قبر پر ٹیک لگائے ہوئے دیکھا تو فرمایا کہ اس قبر والے کو تکلیف مت دو، یا آپ ﷺ نے یوں فرمایا کہ اس کو ایذا نہ دو (احمد)

خلاصۂ حدیث اصل بات یہ ہے کہ جس طرح زندہ لوگوں کو تکلیف پہنچانا اور ان کی توہین کرنا ممنوع، اسی طرح میت کی توہین اور اس کو ایذا پہنچانا ممنوع ہے، قبر پر ٹیک لگانے میں میت کی توہین ہوتی ہے اور اس توہین سے اس کو تکلیف ہوتی ہے۔ لہٰذا آپ ﷺ نے قبر پر ٹیک لگانے سے منع فرمایا۔

کلمات حدیث کی تشریح لا تؤذصاحب هذاالقبر یہاں آپ ﷺ نے قبر پر ٹیک لگانے سے منع کیا ہے، حدیث ۱۶۱۳ گذری ہے، اس میں قبر پر بیٹھنے سے منع کیا ہے، ایک اور حدیث ۱۶۲۷ گذری ہے جس میں میت کو ہڈی توڑنے سے منع کیا ہے، اسی طرح حدیث ۱۶۲۲ گذری ہے اس میں قبر پر چلنے سے منع کیا ہے اور آپ ﷺ کے ان تمام فرامین سے معلوم ہوتا ہے کہ جن امور سے زندہ لوگوں کو تکلیف ہوتی ہے، ان امور سے مردوں کو بھی تکلیف ہوتی ہے، علامہ طیبی لکھتے ہیں "لا يهان ميتاً كما لا يهان حيًا" یعنی جن امور سے زندہ کی توہین ہوتی ہے ان امور سے مردہ بھی اہانت محسوس کرتے ہیں، لہٰذا جس طرح زندوں کی توہین کرنے سے گریز کرنا لازم ہے اسی طرح مردوں کی توہین کرنے سے بھی بچنا ضروری ہے۔

باب البكاء على الميت

﴿میت پر رونے کا بیان﴾

اس باب کے تحت صاحب مشکوٰۃ نے چالیس احادیث نقل فرمائی ہیں

ان احادیث سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ کسی کی وفات پر دل کا غمگین ہونا اور آنکھوں کا اشکبار ہونا عین فطرت انسانی ہے، لہٰذا رونا اور غمگین ہونا قابل مذمت اعمال نہیں ہیں، نوحہ و ماتم کرنا، گریبان پھاڑنا، سینہ کوبی کرنا ممنوع ہے، اس سے میت کو تکلیف بھی پہنچتی ہے، اور اس عمل کو انجام دینے والے سے اللہ تعالیٰ ناراض بھی ہوتے ہیں، ان احادیث میں رنج پر صبر کرنیوالے کے اجر و ثواب کا تذکرہ بھی ہے، جنکے چھوٹے بچے اس دنیا سے والدین کی حیات میں رخصت ہوگئے، اور والدین نے صبر کیا تو ان کیلئے جنت کی بشارت بھی ہے

میت پر نوحہ کے ممنوع ہونے کی حکمت

﴿میت پر نوحہ تین وجہ سے ممنوع ہے﴾

(۱) یہ چیزیں ہیجان پیدا کرتی ہیں، جس کا کوئی عزیز فوت ہو گیا تو وہ مریض کے درجہ میں ہے، جس طرح مریض کا علاج بہتر ہے

اوراس کے مرض میں اضافہ کرنا کسی طرح مناسب نہیں ہے، اس طرح مصیبت زدہ کے حق میں جو بات بہتر ہو اس کو اختیار کرنا چاہئے اور جو چیز اس کو تکلیف پہنچائے اس سے گریز کرنا چاہئے ظاہر بات ہے کہ حادثہ کے کچھ وقفہ کے بعد مصیبت زدہ کا ذہن ادھر سے ہٹنے لگتا ہے، لہٰذا اس صدمہ پر روتے رہنے اور بالقصد اس کا ذکر کرتے رہنے سے پسماندگان کو کبھی چین نہیں ملے گا۔

(۲) اللہ کے فیصلوں پر راضی رہنا ضروری ہے، نوحہ وماتم اللہ کی تقدیر پر شکوہ شکایت کا ذریعہ بنتا ہے، لہٰذا اس سے رکنا ضروری ہے۔

(۳) زمانۂ جاہلیت میں لوگ بناوٹی طور پر نوحہ وماتم کرتے تھے، اور غم کا اظہار کرتے تھے، اس جاہلانہ رسم سے بچنے کیلئے ہماری شریعت نے مکمل طور پر نوحہ وماتم پر پابندی عائد کردی۔ (رحمۃ اللہ الواسعۃ)

﴿میت پر رونے کی اجازت کی حکمت﴾

چونکہ حادثہ پیش آنے کے وقت آنکھوں سے آنسو نکلنا رقتِ قلب کا نتیجہ ہے اور حزن وملال کا طاری ہونا ایک فطری امر ہے، لہٰذا اس سے روکنا نفس کو ایسی چیز کا مکلف بنانا ہے جو طاقت سے باہر ہے، آپ ﷺ نے نہ صرف رونے کی اجازت دی ہے، حادثہ کے وقت خود آپ ﷺ کی آنکھیں بھی اشک بار ہوئی ہیں۔

حدیث نمبر ۱۶۳۵ ☆☆ عالمی حدیث ۱۷۲۲

﴿بیٹے کی وفات پر آپ ﷺ کی آنکھوں سے آنسو نکلنا﴾

عَنْ اَنَسٍ قَالَ دَخَلْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى اَبِىْ سَيْفِ الْقَيْنِ وَكَانَ ظِئْرَ الْاِبْرَاهِيْمَ ، فَاَخَذَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِبْرَاهِيْمَ يَجُوْدُ بِنَفْسِهٖ فَجَعَلَتْ عَيْنَا رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَذْرِفَانِ، فَقَالَ: لَهٗ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ عَوْفٍ وَاَنْتَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ فَقَالَ يَاابْنَ عَوْفٍ اِنَّهَا رَحْمَةٌ ثُمَّ اَتْبَعَهَا بِاُخْرٰى فَقَا اِنَّ الْعَيْنَ تَدْمَعُ وَالْقَلْبَ يَحْزَنُ وَلَانَقُوْلُ اِلَّا مَايَرْضٰى رَبُّنَا وَاِنَّا بِفِرَاقِكَ يَااِبْرَاهِيْمُ لَمَحْزُوْنُوْنَ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

حوالہ: بخاری، ۱/۱۷۴، باب قول النبی صلی اللہ وسلم "انابفراقك یا إبراهیم لمحزونون" کتاب الجنائز، حدیث ۱۳۰۳ مسلم، ۲/۲۵۴، باب رحمۃ صلی اللہ علیہ وسلم الصبیان والعیال، کتاب الفضائل حدیث ۲۳۱۵۔

حل لغات: ظِئْراً دایہ، (انّا) دایہ کے شوہر کو بھی "ظِئْر" کہتے ہیں "قَبَّلَہٗ" باب تفعیل سے بوسہ لینا،" شَمَّہٗ (ن) سے سونگنا "یَجُوْد" (ن) جَوْداً بنفسہ عندا لموت مرنے کے قریب ہونا، تَذْرِفَانِ ذَرِفَ (س) ذَرْفًا، الدَّمْعُ آنسو بہنا۔

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ حضور اکرم ﷺ کے صاحبزادہ حضرت ابراہیم کی دایہ کے شوہر ابو یوسف قین کے گھر آئے یہاں پر آپ ﷺ نے اپنے صاحبزادہ حضرت ابراہیم کو گود میں لے کر پیار کیا، اور ان کو سونگھا اس کے بعد ایک بار حضور ﷺ کے ساتھ پھر ابو یوسف کے گھر گئے اس وقت جبکہ حضرت ابراہیم حالت نزع میں تھے، آپ ﷺ کی آنکھوں سے اشک جاری تھے، اس موقع پر حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے عرض کیا اے اللہ کے رسول آپ کی آنکھوں سے آنسوں رواں ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ اللہ کی رحمت ہے، اے ابن عوف! پھر اس کے بعد آپ ﷺ روتے ہوئے فرمایا کہ آنکھ سے آنسو جاری ہے دل بے چین ہے اس کے بعد باوجود ہم وہی کہتے ہیں جس سے ہمارا رب راضی ہوتا ہے، اور اے ابراہیم! ہم تمہاری جدائی سے غمگین ہیں۔

(بخاری، ومسلم)

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ رنج کے موقع پر آنکھوں سے آنسو نکلنا عین فطرت ہے آپ ﷺ کے بیٹے کی وفات کے موقع پر آپ ﷺ کی آنکھوں سے اشکوں کا جاری ہونا بھی پدری شفقت ومحبت کی بنا پر تھا، یہ چیز ہرگز ہرگز

آپ ﷺ کے کمال کے منافی نہیں ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح دخلنا مع رسول الله: آپ ﷺ صحابہ کے ہمراہ ابو یوسف کے گھر تشریف لے گئے ان کا نام براء اور ہمیشہ سے یہ لوہار تھے، ان کی بیوی کا نام خولہ بنت نند تھا، اور یہ انصار یہ تھیں، علامہ طیبیؒ نے بیوی کا نام ریان نقل کیا ہے، یہ حضرت ابراہیم کی دایہ تھیں ظنًا مطلب یہ ہے کہ ابو یوسف حضرت ابراہیم کی دایہ کے شوہر تھے، حضرت ابراہیم کی وفات کے وقت عمر سولہ یا سترہ ماہ تھی "وشمه" آپ ﷺ نے حضرت ابراہیم کو سونگھا یعنی ان کے گالوں اور ناک منہ پر آپ ﷺ نے اپنا منہ رکھا جیسے کہ بچوں کو پیار کرتے وقت کیا جاتا ہے، یہیں سے معلوم ہوا کہ بچوں کو پیار کرنا بھی سنت ہے، صاحب مرقات نے اس موقع پر ایک روایت نقل کیا ہے، کہ ایک شخص نے آپ ﷺ سے کہا کہ میرے تو دس بچے ہیں، لیکن میں نے کبھی کسی کو پیار نہیں کیا، آپ ﷺ نے فرمایا کہ، اگر اللہ نے تمہارے دل سے رحم و کرم کا جذبہ چھین لیا ہے تو میں کیا، کرسکتا ہوں؟" وابراهيم يجود بنفسه" یعنی جب آپ ﷺ دوبارہ ابو یوسف کے گھر گئے تو صاحبزادہ حضرت ابراہیم حالت نزع میں تھے "فجعلت عينارسول الله صلى الله عليه وسلم تذرفان" یہیں سے معلوم ہوا کہ حادثہ اور غم کے موقع پر آنکھوں سے آنسو نکلنا برا نہیں ہے، ممانعت تو چیخنے چلانے اور نوحہ وماتم کی ہے "وانت يارسول الله" آپ ﷺ کا رونا دیکھ کر حضرت عبد الرحمٰن کو تعجب ہوا چنانچہ انہوں نے اپنی حیرت کا اظہار کیا "انهارحمة" آپ ﷺ کے فرمان کا مقصد یہ تھا کہ میرا رونا بے صبری یا تقدیر سے شکوہ شکایت کی بنا پر نہیں ہے، بلکہ یہ تو فطری محبت و شفقت کی بنا پر ہے "وانا بفراقك لمحزونون" آپ ﷺ کو بیٹے کی وفات پر طبعی طور پر رنج ہوا جس کا آپ ﷺ نے ایسے طور پر اظہار کیا جس کی شریعت میں گنجائش ہے، آپ ﷺ کے اس فرمان میں اس بات کا اشارہ ہے کہ جو شخص رنج کے موقع پر رنجیدہ نہیں ہوتا ہے، تو یہ دلیل ہے اس کے قساوت قلب پر اعتدال کی راہ یہی ہے کہ خوشی کے موقع پر مسرت کا اظہار ہونا چاہئے اور رنج و غم کے موقع پر غم کا اثر ہونا چاہئے، یہی انسانیت کا وصف کمال ہے، اور یہی آپ ﷺ کے عمل سے ثابت ہے (مرقات ص/۸۴ ج/۴)

حدیث نمبر ۱۶۳۶ ﴿غم کے موقع پر رونا﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۷۲۳

وَعَنْ اُسَامَةَبْنِ زَيْدٍ قَالَ اَرْسَلَتْ بِنْتُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلَيْهِ اَنَّ ابْنًالِّيْ قُبِضَ فَاْتِنَافَاَرْسَلَ يُقْرِئُ السَّلَامَ وَيَقُوْلُ اِنَّ لِلّٰهِ مَااَخَذَ وَلَهٗ مَااَعْطٰى وَكُلٌّ عِنْدَهٗ بِاَجَلٍ مُّسَمًّى فَلْتَصْبِرْ وَ لْتَحْتَسِبْ فَاَرْسَلَتْ اِلَيْهِ تُقْسِمُ عَلَيْهِ لَيَاْتِيَنَّهَا فَقَامَ وَمَعَهٗ سَعْدُ بْنُ عُبَادَةَ وَمُعَاذُبْنُ جَبَلٍ وَاُبَيُّ بْنُ كَعْبٍ وَزَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ وَرِجَالٌ فَرُفِعَ اِلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الصَّبِيُّ وَنَفْسُهٗ تَتَقَعْقَعُ فَفَاضَتْ عَيْنَاهُ فَقَالَ سَعْدٌ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ مَا هٰذَا فَقَالَ هٰذِهٖ رَحْمَةٌ جَعَلَهَا اللّٰهُ فِيْ قُلُوْبِ عِبَادِهٖ فَاِنَّمَا يَرْحَمُ اللّٰهُ مِنْ عِبَادِهِ الرُّحَمَآءَ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حواله: بخاری ص/۱۷۱ ج/۱، باب قول النبي صلى الله عليه وسلم: يعذب الميت ببعض بكاء أهله عليه، كتاب الجنائز، حدیث ۱۲۸۴، مسلم ۱/۳۰۱، باب البكاء على الميت، كتاب الجنائز حدیث ۹۲۳۔

ترجمه: حضرت اسامہ بن زیدؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادی نے حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں یہ خبر بھیجی کہ آپ ﷺ میرے گھر تشریف لائیں، میرا بچہ قریب المرگ ہے، آپ ﷺ نے کہلا بھیجا کہ تم جا کر میرا اسلام کہہ کر یہ کہہ دینا کہ اللہ ہی کا ہے جو اس نے لیا اور اسی کا ہے جو اس نے دیا، ہر چیز کی اس کے یہاں عمر مقرر ہے، لہٰذا بندہ کو صبر کرنا چاہئے، اور ثواب کی امید رکھنی چاہئے، صاحبزادی نے حضور ﷺ کے پاس کہلا بھیجا کہ وہ قسم دیتی ہیں کہ ضرور تشریف لائیں، چنانچہ آپ ﷺ اٹھے اور آپ ﷺ کے ساتھ سعد بن عبادہ، معاذ بن جبل ابی بن کعب زید بن ثابت اور دیگر بہت سے لوگ اٹھ کھڑے ہوئے، پھر اس بچہ کو اٹھا کر حضور کے پاس اس حال میں لایا گیا کہ وہ بچہ دم توڑ رہا تھا یہ منظر دیکھ کر آپ ﷺ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے، اس وقت حضرت سعدؓ نے عرض کیا

کہ یارسول اللہ یہ کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ رحمت ہے، جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے دلوں میں ڈال دیا ہے، بے شک اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں پر رحمت نازل کرتا ہے (بخاری و مسلم)

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل بھی یہی ہے کہ غم کے موقع پر آنکھوں سے آنسو کا نکلنا یہ کمال ہے، آنسو کا نہ نکلنا قساوتِ قلب کی دلیل ہے، البتہ غم کے موقع پر بے صبری کرنا، تقدیر سے شکوہ کرنا، نوحہ و ماتم کرنا، سینہ کوبی کرنا کپڑوں کا پھاڑنا یہ سب حرام اور ناجائز ہیں، جہاں بھی حدیث میں رونے کی ممانعت ہے اس سے مراد نوحہ و ماتم ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح ارسلت ابنۃ آپ ﷺ کی جن صاحبزادی کا واقعہ حدیث میں مذکور ہے، وہ حضرت زینب ہیں بعض لوگوں نے نقل کیا ہے کہ بچی "امامہ" تھیں جن کی حالت بہت نازک تھی۔

اشکال: امامہ تو حضرت زینب کی وہ صاحبزادی ہیں جن سے حضرت فاطمہؓ کی وفات کے بعد حضرت علیؓ نے نکاح کیا، اور یہ تو حضرت علیؓ کی شہادت کے وقت بھی زندہ تھی پھر کیسے ان کی وفات کا ذکر حدیث میں ہے؟

جواب: حدیث باب کا حاصل یہ ہے کہ وہ قریب المرگ تھیں، لیکن پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو شفا عطا فرمادی تھی، اور پھر ان کو طویل عمر ہوئی "ماھذا یارسول اللّٰہ" علامہ نوویؒ نے لکھا ہے کہ حضرت سعدؓ نے یہ سمجھا تھا کہ رونے کی تمام قسمیں منع ہیں، حتیٰ کہ آواز کے بغیر بھی رونا منع ہے، اور انہوں نے گمان کیا کہ شاید رسول اللہ ﷺ بھول گئے ہیں؟ اور رسول اللہ ﷺ نے بتایا کہ آواز کے ساتھ رونا ممنوع و حرام نہیں ہے، بلکہ یہ تو رحمت علامت ہے، البتہ چیخنا چلانا اور بے صبری کا مظاہرہ کرنا ممنوع ہے (فتح الملہم ص ۴۷۰، ج ۲)

حدیث نمبر ۱۶۳۷ ﴿بیماروں کی عیادت کرنا﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۷۲۴

وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ اشْتَكٰى سَعْدُبْنُ عُبَادَةَ شَكْوٰى لَهٗ فَاَتَاهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعُوْدُهٗ مَعَ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ وَّ سَعْدِ بْنِ اَبِيْ وَقَّاصٍ وَّعَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ فَلَمَّا دَخَلَ عَلَيْهِ وَجَدَهٗ فِيْ غَاشِيَةٍ فَقَالَ قَدْ قُضِيَ قَالُوْا لَا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ فَبَكَى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا رَاَى الْقَوْمُ بُكَآءَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَكَوْا فَقَالَ اَلَاتَسْمَعُوْنَ اِنَّ اللّٰهَ لَايُعَذِّبُ بِهٰذَا ، وَاَشَارَ اِلٰى لِسَانِهٖ اَوْيَرْحَمُ وَاِنَّ الْمَيِّتَ لَيُعَذَّبُ بِبُكَآءِ اَهْلِهٖ عَلَيْهِ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ .

حوالہ: بخاری ۱/۱۷۴، باب البکاء عند المریض ، کتاب الجنائز ، حدیث ۱۳۰۴، مسلم ص ۳۰۱، ج/۱، باب البکاء علی المیت ، کتاب الجنائز حدیث ۹۲۴۔

حل لغات: اشتکی باب افتعال سے بیمار ہونا غاشیۃ غشی (س) غشاً الموت فلاں کو موت نے آ پکڑا المغشی علیہ بے ہوش قُضی قضاء (ض) قضاءً پورا کرنا، بکی (ض) بکاءً رونا، دَمْعٌ ج دُمُوْعٌ آنسو۔

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عمر سے روایت ہے کہ حضرت سعد بن عبادہؓ بیمار ہوئے، تو نبی کریم ﷺ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ، حضرت سعد بن ابی وقاص اور حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کے ساتھ عیادت کے لئے تشریف لے گئے جب ان کے گھر پہونچے تو حضرت سعد کو ان کے گھر میں (بے ہوشی کی حالت میں) پایا تو آپ ﷺ نے دریافت کیا کہ کیا سعدؓ کا انتقال ہوگیا؟ لوگوں نے کہا کہ نہیں اے اللہ کے رسول! اس وقت آپ ﷺ رو پڑے صحابہ کرام نے جب نبی کریم ﷺ کو روتے دیکھا تو وہ بھی رو پڑے، اس پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ کیا تم لوگوں نے یہ نہیں سنا کہ اللہ تعالیٰ آنکھ سے آنسو نکلنے پر اور دل کے غم پر عذاب نہیں دیتا ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے عذاب دیتا ہے یا رحم فرماتا ہے اور آپ ﷺ نے اپنی زبان کی طرف اشارہ فرمایا، اور گھر والوں کے رونے کی وجہ سے میت کو عذاب ہوتا ہے (بخاری و مسلم)

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ کسی کی وفات پر آنکھوں سے آنسو نکلنا یا دل کا غمگین ہونا نہ تو غلط عمل ہے اور نہ ہی اس پر کوئی مواخذہ ہوگا البتہ اگر زبان سے ایسی بات کہی جائے جو اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا ذریعہ بنتی ہے تو اس پر مواخذہ ہوگا اور اگر زبان سے کوئی ایسا کلمہ ادا کیا جا رہا ہے، جس سے اللہ تعالیٰ خوش ہوتے ہیں تو اس کی وجہ سے بندہ پر انعام واکرام ہوتا ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح فلما رای القوم حافظ بن حجر فرماتے ہیں کہ اس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ واقعہ حضرت ابراہیم کی وفات کے بعد پیش آیا، اسی وجہ سے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے اس موقع پر نبی کریم ﷺ کو روتے دیکھ کر کوئی سوال نہیں کیا، کیونکہ وہ حضرت ابراہیم کی وفات کے وقت نبی کریم کی آنکھوں سے آنسو نکلتے دیکھ کر سوال کر چکے تھے۔

ولکن یعذب بھذا زبان سے اگر ایسا کلمہ نکلتا ہے جو باری تعالیٰ کی ناراضگی کا ذریعہ بنتا ہے تو میت کو اس پر عذاب ہوگا۔

اشکال: قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد "ولا تزر وازرۃ وِزْرَ اخریٰ" مطلب یہ ہے کہ کسی بھی شخص کو دوسرے کے گناہ کی سزا نہیں ملیگی، جو گناہ کریگا اسی کو سزا ملیگی، یہاں اشکال یہ ہے کہ میت کے گھر والے نوحہ کرتے ہیں تو اسکی بنا پر میت کو عذاب کیوں ہوتا ہے؟

جواب: (۱) میت کو اس وقت عذاب ہوتا ہے جبکہ میت چلا کر رونے کی وصیت کر کے مرا ہو۔

(۲) میت سے قریب الموت مراد ہے یعنی قریب المرگ شخص کے پاس رونے سے اس کو تکلیف ہوتی ہے، اسی کو عذاب سے تعبیر کر دیا گیا ہے۔

(۳) وہ میت مراد ہے جس کو اپنی زندگی میں علم تھا کہ میرے مرنے کے بعد مجھ پر نوحہ کیا جائے گا لیکن اس کے باوجود اس نے منع نہیں کیا تھا لہٰذا نہی عن المنکر نہ کرنے کے گناہ کی وجہ سے میت کو عذاب ہوگا۔

حدیث نمبر ۱۶۳۸ ﴿اظہار غم کا غیر شرعی طریقہ﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۷۲۵

وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ مِنَّامَنْ ضَرَبَ الْخُدُوْدَ وَشَقَّ الْجُيُوْبَ دَعَابِدَ عْوَى الْجَاهِلِيَّةِ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حوالہ: بخاری شریف، ص۱۷۲ ج/۱، باب لیس منا من شق الجیوب، کتاب الجنائز، حدیث ۱۲۹۴، مسلم ص۷۰ ج/۱، باب تحریم ضرب الخدود، کتاب الایمان حدیث ۱۰۳۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ وہ شخص ہم میں سے نہیں ہے، جو منہ پیٹے گریبان چاک کرے اور جاہلیت کے طور طریقوں کو اپنائے (بخاری ومسلم)

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ غیر اسلامی طریقہ سے اظہار غم کرنا حرام اور ممنوع ہے، غیر اسلامی طریقہ سے اظہار غم میں نوحہ ماتم، سینہ کوبی، گریبان پھاڑنا بالوں کو بکھیرنا سب داخل ہیں، جو شخص مذکورہ طریقے سے اظہار غم کرے گا اس کا اسلامی معاشرہ سے کوئی تعلق نہ ہوگا۔

کلمات حدیث کی تشریح لیس منا آپ ﷺ کے اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ "لیس من ھدینا" یعنی مذکورہ طریقہ پر غم کا اظہار کرنے والا مسلمانوں کے طریقہ پر چلنے والا نہیں ہے، وہ تو کافروں کے روش اپنانے والا ہے، آپ ﷺ کا یہ ارشاد زجر وتوبیخ کی بنا پر ہے، اس لئے کہ اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ گناہ سے مسلمان کافر نہیں ہوتا "من ضرب الخدود" حدیثوں میں جو چند غیر اسلامی اعمال مذکور ہیں ان میں سے ہر ایک سے الگ الگ برأت کا اظہار مقصود ہے، ایسا نہیں ہے کہ ان کے صرف مجموعہ کی قباحت بیان کرنا مقصود ہے۔

حدیث نمبر ۱۶۳۹ ﴿نوحہ کرنے کی ممانعت﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۷۲۶

وَعَنْ اَبِیْ بُرْدَةَ قَالَ اُغْمِیَ عَلٰی اَبِیْ مُوْسٰی فَاَقْبَلَتْ امْرَاَتُهٗ اُمُّ عَبْدِ اللّٰهِ تَصِیْحُ بِرَنَّةٍ ثُمَّ اَفَاقَ فَقَالَ اَلَمْ تَعْلَمِیْ وَکَانَ یُحَدِّثُهَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ اَنَا بَرِیْءٌ مِّمَّنْ حَلَقَ وَصَاحَ وَخَرَقَ مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ وَلَفْظُهٗ لِمُسْلِمٍ۔

حوالہ: بخاری، ۱/۱۷۳، باب ما ینهی عن الحلق عند المصیبة، کتاب الجنائز حدیث ۱۲۹۶۔ مسلم ص ۷۰ ج/۱، باب تحریم ضرب الخدود، کتاب الایمان حدیث ۱۰۴۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابوموسیٰؓ پر مرض الوفات میں غشی طاری ہوئی، تو ان کی بیوی ام عبداللہ چلا کر رونے لگیں پھر جب ابوموسیٰ کو ہوش آیا اور انھوں نے بیوی کو روتے ہوئے دیکھا تو کہا کیا تمہیں معلوم نہیں، روای کہتے ہیں اس وقت ابو موسیٰ یہ حدیث بیان کرنے لگے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں اس شخص سے بری ہوں جو اپنے سر کے بال منڈوائے، اور چلا کر روئے اور اپنے کپڑوں کو پھاڑے (بخاری ومسلم) (روایت کے الفاظ مسلم کے ہیں)

خلاصۂ حدیث میت پر نوحہ کرنا، بال وغیرہ منڈوانا یہ کافروں کا شعار ہے، مسلمانوں کو اس سے گریز کرنا چاہئے لوگوں کو اس سے منع کرنا چاہئے اور جو یہ عمل کرے اس سے برأت کا اظہار کرنا چاہئے، چنانچہ ابوموسیٰؓ پر جب غشی طاری تھی، تو انکی بیوی نے بیان کیا، ابوموسیٰ نے ہوش میں آتے ہی فرمایا کہ میں اس عمل سے بےزار ہوں جس سے رسول اللہ ﷺ بےزار ہیں۔

کلمات حدیث کی تشریح تصیح برنۃ ابوموسیٰ کی غشی کیوقت ان کے بیوی صاحبہ چیخ کر روئیں، گذشتہ احادیث میں اس کی صراحت ہوچکی ہے کہ کسی کے انتقال پر یا کسی کے شدید بیمار ہونے پر رونا نہ صرف جائز ہے، بلکہ آپ ﷺ کے عمل سے ثابت ہے، چنانچہ علماء نے اس پر اتفاق کیا ہے کہ بکاءِ خفیف درست ہے، اور بکاءِ شدید جو کہ نوحہ کی حد تک پہنچ جائے جائز نہیں ہے، بکاءِ شدید یہ ہے کہ چیخ چیخ کر رویا جائے اور میت کے فضائل مبالغہ کے ساتھ بیان کیا جائے، تقدیر خداوندی پر شکوہ کیا جائے اور دیگر لوگوں کو رونے کی دعوت دی جائے، جو شخص اپنی زندگی میں اس بات کی وصیت کر جائے کہ میرے اوپر نوحہ کیا جائے، یا اس کو معلوم ہو کہ اسکے مرنے کے بعد اس پر نوحہ کیا جائے گا، پھر بھی منع نہ کرے تو لوگوں کے نوحہ کرنے کی وجہ سے اس کو بھی سزا دی جائے گی۔

حدیث نمبر ۱۶۴۰ ﴿نوحہ کرنے پر سزا کا تذکرہ﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۶۲۷

وَعَنْ اَبِیْ مَالِكٍ الْاَشْعَرِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَرْبَعٌ فِیْ اُمَّتِیْ مِنْ اَمْرِ الْجَاهِلِیَّةِ لَایَتْرُکُوْنَهُنَّ اَلْفَخْرُ فِی الْاَحْسَابِ وَالطَّعْنُ فِی الْاَنْسَابِ وَالْاِسْتِسْقَاءُ بِالنُّجُوْمِ وَالنِّیَاحَةُ اِذَا لَمْ تَتُبْ قَبْلَ مَوْتِهَا تُقَامُ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ وَعَلَیْهَا سِرْبَالٌ مِّنْ قَطِرَانٍ وَّدِرْعٌ مِّنْ جَرَبٍ رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

حوالہ: مسلم ص ۳۰۳ ج ۱، باب التشدید فی النیاحة، کتاب الجنائز، حدیث ۹۳۴۔

ترجمہ: حضرت ابو مالک اشعریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ چار چیزیں میری امت میں زمانہ جاہلیت کی ہیں، لوگ انہیں ترک نہ کریں گے (۱) حسب پر فخر کرنا (۲) دوسروں کے نسب پر طعن کرنا (۳) ستاروں سے بارش طلب کرنا (۴) نوحہ کرنا، آپ ﷺ نے فرمایا کہ نوحہ کرنے والے نے اگر مرنے سے پہلے توبہ نہیں کی تو وہ قیامت میں اس حال میں ہوگا کہ اس پر گندھک کا لباس اور کھجلی کا کرتہ ہوگا۔ (مسلم)

خلاصۂ حدیث اس حدیث میں جن باتوں کا تذکرہ ہے وہ باتیں اسلامی نہیں ہیں، یہ غیر اسلامی چیزیں ہیں، اسلام نے حسب ونسب کو عزت وذلت کا معیار نہیں بنایا ہے، لہٰذا اگر کوئی صرف حسب ونسب کی بنا پر اپنے کو معزز سمجھتا ہے اور دیگر خاندان کے لوگوں کو ذلیل سمجھتا ہے تو وہ غیر اسلامی طریقہ پر عمل کرتا ہے، اسی طرح اسلامی طریقہ یہ ہے کہ بارش محض اللہ کے فضل سے

ہوتی ہے اب اگر کوئی ستاروں کی چالوں کا اس میں داخل مانتا ہے تو وہ مشرکانہ عقیدہ اپناتا ہے، نیز مردوں پر نوحہ کرنا یہ کافروں کا عمل ہے، اس سے گریز کرنا چاہئے، اور سابقہ عمل پر توبہ کرنا چاہئے اور اگر توبہ کی توفیق نہ ملی تو سخت سزا مقدر ہوگی۔

کلمات حدیث کی تشریح لایترکونھن مطلب یہ ہے کہ مذکورہ خصلتیں مکمل طور پر مسلمانوں کے اندر سے ختم ہو جائیں ایسا نہیں ہوگا کچھ اگر چھوڑیں گے تو کچھ لوگ اس کو اپنائیں گے الفخر فی الاحساب یعنی بطور فخر کے اپنے آباء اجداد کی خوبیوں کا تذکرہ کرنا اور اپنے خاندان والوں کو سب سے معزز سمجھنا "الطعن فی الأنساب" دوسرے خاندان میں عیب لگانا اور نکتہ چینی کرنا اور ان کو حقیر وکمتر سمجھنا "والا ستسقاء بالنجوم" ستاروں کی حرکات سے پانی برسنے کا اعتقاد رکھنا" والنیاحۃ" مردوں کے اوصاف بڑھا کر بیان کر کے خود بھی رونا اور دوسروں کو رلانا "النائحۃ" وہ عورت جس نے نوحہ اور بین کرنے کو اپنا پیشہ بنالیا ہو، اگر اس عمل سے توبہ کے بغیر مرگئی تو اسکو گندھک میں ڈوبا ہوا قمیص پہنایا جائے گا، اور ایسا کرتا پہنایا جائے گا جس سے سارے بدن میں خوب کھجلی محسوس ہوگی۔

حدیث نمبر ۱۶۴۱ ﴿صبر کامل کا تذکرہ﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۷۲۸

وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ مَرَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِامْرَأَةٍ تَبْكِيْ عِنْدَ قَبْرٍ فَقَالَ اتَّقِي اللّٰهَ واصْبِرِيْ قَالَتْ اِلَيْكَ عَنِّيْ فَاِنَّكَ لَمْ تُصَبْ بِمُصِيْبَتِيْ وَلَمْ تَعْرِفْهُ فَقِيْلَ لَهَا اِنَّهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَتَتْ بَابَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمْ تَجِدْ عِنْدَهُ بَوَّابِيْنَ فَقَالَتْ لَمْ اَعْرِفْكَ فَقَالَ اِنَّمَا الصَّبْرُ عِنْدَ الصَّدْمَةِ الْاُوْلٰى مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

حوالہ: بخاری ۱/۱۷۱ باب زیارۃ القبور، کتاب الجنائز حدیث ۱۲۸۳، مسلم، ۱/۳۰۲، باب فی الصبر علی المصیبۃ عند الصدمۃ الأولیٰ، کتاب الجنائز حدیث ۹۲۶۔

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک عورت کے پاس سے گذرے جو کہ قبر کے پاس بیٹھی رو رہی تھی، آپ نے اس سے فرمایا کہ اللہ سے ڈرو اور صبر کرو، اس عورت نے جواب دیا آپ ﷺ یہاں سے ہٹ جائیں، آپ ﷺ پر مجھ جیسی مصیبت نہیں پڑی ہے، اور اس عورت نے حضور اکرم ﷺ کو پہچانا نہیں، لوگوں نے اس کو بتایا کہ یہ تو حضور اکرم ﷺ تھے، تو وہ نبی کریم ﷺ کے دروازہ پر آئی، اور وہاں کسی دربان کو نہیں پایا، اس عورت نے آپ ﷺ سے عرض کیا کہ حضور میں نے آپ ﷺ کو پہچانا نہیں تھا، تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ صبر تو صدمہ کے ابتداء ہی میں ہوتا ہے (بخاری ومسلم)

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ جس صبر کی قرآن واحادیث میں تعریف کی گئی ہے، اور جس پر بشارت سنائی گئی ہے وہ وہ صبر ہے جو صدمہ کے شروع میں کیا جائے ورنہ آہستہ آہستہ تو صبر آہی جاتا ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح إلیك عنی آپ ﷺ نے مصیبت زدہ عورت کو دیکھ کر صبر کی تلقین کی تو اس نے ناشائستہ جواب دیا، فإنك لم تصب بمصیبتی ولم تعرفه شاید اس عورت نے اس سے پہلے حضور کی زیارت نہیں کی تھی، یا شدت غم کی وجہ سے حضور کو پہچان نہیں سکی، لہٰذا اس نے یوں کہہ دیا کہ آپ اپنا کام کریں، آپ ﷺ صبر کی تلقین اس وجہ سے کر رہے ہیں میری جیسی مصیبت آپ ﷺ پر آہی نہیں اگر آپ ﷺ بھی میرے جیسے غم سے دوچار ہوتے تو صبر کی تلقین نہ کر رہے ہوتے "قیل لها أنه النبی صلی الله علیه وسلم" بخاری کی روایت میں ہے کہ اس کے پاس سے ایک شخص گذرا تو اس نے کہا یہ تو رسول اللہ ﷺ تھے، اس عورت نے کہا کہ میں نے آپ ﷺ کو پہچانا نہیں ابویعلی کی روایت میں ہے کہ اس شخص نے اس عورت سے دریافت کیا کہ کیا تم نے ان کو پہچانا؟ عورت نے جواب دیا نہیں، حضرت انسؓ سے ایک روایت ہے کہ یہ پوچھنے والے حضرت فضل بن عباس تھے "فأتت باب النبی صلی الله علیه وسلم" پھر وہ عورت مغفرت اور رسول اللہ کی شان اقدس میں کوتاہی کی معذرت کی خاطر آپ

ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی (فتح الملہم ۷۴ج/۲)

الصبر عند المصیبة الاولیٰ جوں ہی مصیبت پڑے اسی وقت صبر کرنا کمال کی بات بھی ہے اور اسی پر ثواب بھی ہے، قاضی عیاض کہتے ہیں کہ جو صبر کہ دشوار ہے اور جس پر ثواب بھی بہت زیادہ ہے وہ مصیبت کے وقوع کے وقت ہے ورنہ مصیبت پر آخر کار صبر آ ہی جاتا ہے (فتح الملہم ص ۲۴۷)

حدیث نمبر ۱۶۴۲ ﴿صبر کرنے پر خوش خبری﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۷۲۹

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَایَمُوْتُ لِمُسْلِمٍ ثَلٰثَةٌ مِّنَ الْوَلَدِ فَیَلِجَ النَّارَ اِلَّا تَحِلَّةَ الْقَسَمِ مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ .

حواله: بخاری ۲/۹۸۵ باب قول الله تعالیٰ واقسموا بالله جهد ایمانهم، کتاب الایمان، والنذور مسلم ۲/۳۳۰، باب فضل من یموت له ولد فیحتسبه، کتاب البر و الصلة والادب حدیث ۲۶۳۲۔

ترجمه: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اگر کسی مسلمان کے تین بچے فوت ہو گئے تو وہ قسم حلال کرنے کے لئے ہی صرف آگ تک پہونچے گا (بخاری و مسلم)

خلاصۂ حدیث اس حدیث میں بچوں کی وفات پر صبر کرنے والوں کے حق میں بہت بڑی بشارت ہے، ظاہر بات ہے کہ لخت جگر فوت ہونا اتنا بڑا صدمہ ہے کہ اس صدمہ سے حضرت نبی کریم بھی سخت غم گین ہو گئے تھے اور اس صدمہ پر صبر کرنا تقدیر پر راضی رہنا بہت ہی مبارک عمل ہے، لہٰذا جس شخص کے تین یا اس سے زائد بچے فوت ہوئے اور اس نے صبر وضبط سے کام لیا تو یہ شخص جہنم میں داخل نہ ہوگا۔

کلماتِ حدیث کی تشریح فیلج النار الا تحلة القسم قرآن مجید میں اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے کہ "وان منکم الا واردها" مطلب یہ ہے کہ جہنم پر سے ہر ایک کو گذرنا ہے، چاہے پلک جھپکنے کے بقدر ہی کیوں نہ ہو، اور اللہ تعالیٰ نے یہ بات قسم کھا کر فرمائی ہے، چنانچہ مفسرین لفظ "واللہ" کو مقدر مانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ عبارت یوں ہے "وان منکم والله الا واردها" اور لمحہ بھر ہی کیوں نہ ہو جہنم میں داخل ہونے سے مراد پل صراط سے گذرنا ہے پل صراط جہنم کے اوپر ہوگا اور اس پر سے ہر ایک کو گذرنا ہوگا، اب حدیث باب کا مطلب یہ ہے کہ جس شخص کے تین بچے فوت ہو گئے، اس کو بس اتنی ہی مقدار میں جہنم کا سامنا کرنا پڑے گا جس سے اللہ تعالیٰ کی مذکورہ قسم پوری ہو جائے، اور یہ بشارت اس کے لئے ہے جو بچوں کے فوت ہونے پر صبر کرے۔

حدیث نمبر ۱۶۴۳ ﴿بچوں کی وفات پر صبر کا صله﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۷۳۰

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لِنِسْوَةٍ مِنَ الْاَنْصَارِ لَایَمُوْتُ لِاِحْدٰکُنَّ ثَلٰثَةٌ مِّنَ الْوَلَدِ فَتَحْتَسِبُهُ اِلَّا دَخَلَتِ الْجَنَّةَ فَقَالَتِ امْرَأَتٌ مِّنْهُنَّ اَوِاثْنَانِ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ اَوِاثْنَانِ رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَّ فِیْ رِوَایَةٍ لَّهُمَا ثَلٰثَةٌ لَّمْ یَبْلُغُوا الْحِنْثَ.

حواله: مسلم ص ۳۳۰ ج/۲، باب فضل من یموتُ له ولد فیحتسبه، کتاب البر والصلة والآداب، حدیث ۲۶۳۲۔

ترجمه: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے انصار کی خواتین سے فرمایا کہ تم میں سے کسی خاتون کے تین بچے فوت ہو جائیں اور وہ ثواب کی امیدوار ہو تو اس کو جنت میں داخل کیا جائے گا، ان میں سے ایک خاتون نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! اگر کسی کے دو بچے فوت ہوں تو؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہاں اگر دو بھی فوت ہوئے ہوں (تو بھی یہ بشارت ہے) (مسلم) اور بخاری و مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ وہ فوت ہونے والے بچے اگر سن بلوغ کو نہ پہونچے ہوں۔

خلاصہ حدیث گذشتہ حدیث میں باپ کیلئے بشارت تھی اس حدیث میں ماں کے لیے بشارت ہے، حاصل یہ ہے کہ اگر کسی کے تین بچے بلکہ دو بچے بھی بچپن میں فوت ہوگئے، اور ماں باپ نے صبر کیا، تقدیر الٰہی پر راضی رہے اور اللہ تعالیٰ سے بہتر بدلہ کی امید رکھی تو یہ دونوں جنت میں جائیں گے۔

کلمات حدیث کی تشریح فتحتسبہ یعنی بچوں کی وفات پر نوحہ و ماتم نہ کرتے بلکہ اللہ تعالیٰ کی مرضی پر راضی رہے "دخلت الجنة" یعنی جنت میں دخول اولین نصیب ہوگا" او اثنان" جب عورتوں نے دو بچوں کی وفات پر بھی اسی بشارت کی خواہش کی، تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے بذریعہ وحی آپ ﷺ کو اس کی خوش خبری بھی سنانے کا حکم دیا، یا پھر آپ ﷺ نے اس کی دعا کی اور دعا قبول ہوگئی، چنانچہ آپ ﷺ نے عورتوں کو اس سے مطلع کر دیا۔

حدیث نمبر ۱۶۴۴ ﴿عزیز کی وفات پر صبر کا ثواب﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۷۳۱

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اللّٰهُ مَالِعَبْدِي الْمُؤْمِنِ عِنْدِيْ جَزَآءٌ إِذَا قَبَضْتُ صَفِيَّهٗ مِنْ اَهْلِ الدُّنْيَا ثُمَّ احْتَسَبَهٗ إِلَّا الْجَنَّةُ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ.

حوالہ: بخاری ص ۹۵۰ ج ۲، باب العمل اذی ینبغی بد وجه الله، کتاب الرقاق حدیث ۶۴۲۴۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اس بندۂ مومن کے لئے میرے پاس اور جزاء نہیں جبکہ دنیا میں اس کی محبوب شخصیت کو موت سے ہمکنار کرتا ہوں اور وہ اس پر صبر کرے جنت کا طلب گار ہوتا ہے، تو اس کے لیے صرف جنت ہی ہے (بخاری)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ اگر انسان کا کوئی عزیز اس دنیا سے رخصت ہوگیا، جس سے اس کو گہری الفت ومحبت تھی اور اس کے وفات پر اس نے صبر کیا تو اس صبر وضبط کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اس کو جنت عطاء کریں گے۔

کلمات حدیث کی تشریح إذا قبضت صفيه مرنے والا محبوب ہو خواہ لڑکا یا باپ ہو، یا ان کے علاوہ کوئی نہایت ہی قریبی عزیز ہو "من أهل الدنيا" دنیا والوں کی قید سے اس بات کا علم ہوا کہ اگر کسی سے آخرت کا تعلق ہو یعنی اس سے دینی رشتہ ہو اور اس کی وفات سے تکلیف پہنچے اور اس پر صبر کرے تو اس کا بدلہ تو بہت ہی بڑا ہے اور وہ اللہ کی رضا ہے، جس کے مقابلہ میں ہر اعزاز ہیچ اور کمتر ہے "احتسبہ" یعنی دوست کے انتقال پر صبر کر کے عظیم ثواب کی امید رکھتا ہو، "الا الجنة" گذشتہ احادیث میں تین اور دو بچوں کے انتقال پر صبر کا بدلہ جنت بتایا گیا تھا، اس حدیث میں فضل رب کا مزید اظہار ہے کہ ایک عزیز کی موت پر بھی صبر کرنے سے اللہ تعالیٰ جنت عطا کریں گے۔

الفصل الثانی

حدیث نمبر ۱۶۴۵ ﴿نوحہ کرنے والی پر لعنت﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۷۳۲

عَنْ اَبِيْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ قَالَ لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ النَّائِحَةَ وَالْمُسْتَمِعَةَ رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ.

حوالہ: ابوداؤد ۲/۴۴۶، باب فی النوح، کتاب الجنائز، حدیث ۳۱۲۸۔

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ نوحہ کرنے والی عورت اور نوحہ سننے والی عورت پر حضور ﷺ نے لعنت فرمائی ہے۔

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ جو بھی نوحہ گری کو پیشہ بنائے اور میت کے اوصاف بیان کر کر کے روئے اور رلائے اور جو اس کو برضا ورغبت سنے اور پسند کرے آپ ﷺ کے فرمان کے مطابق وہ رحمت خداوندی سے دور ہے، اور وہ ملعون ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح النائحة میت کے محاسن بیان کرکے رونا چیخ چلا کر رونا دونوں کو نوحہ کہتے ہیں، اس کی ممانعت ہے، بغیر ذکر محاسن کے آنسو سے رونا ثابت ہے، آپ ﷺ نے نوحہ کرنے والی عورت اور نوحہ سننے والی عورت دونوں پر لعنت فرمائی ہے "نائحة" میں تاء اگر تانیث کی ہے تو نوحہ میں عورت کی تخصیص اس وجہ سے ہے کہ اس عمل کو زیادہ تر عورتیں انجام دیتی ہیں، اور یہ بھی ممکن ہے کہ تاء مبالغہ کے لئے ہو، اس میں اس شخص کی طرف اشارہ ہوگا جو بکثرت ایسا کرتے ہیں جس شخص سے اتفاقاً یہ عمل سرزد ہوگیا وہ اس میں داخل نہیں ہے۔

حدیث نمبر ۱۶۴۶ ﴿مومن کا شیوہ صبر وشکر﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۷۳۳

وَعَنْ سَعْدِ بْنِ اَبِیْ وَقَّاصٍ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَجَبٌ لِّلْمُؤْمِنِ اِنْ اَصَابَهٗ خَیْرٌ حَمِدَ اللّٰهَ وَشَكَرَ وَاِنْ اَصَابَتْهُ مُصِیْبَةٌ حَمِدَ اللّٰهَ وَصَبَرَ فَالْمُؤْمِنُ یُؤْجَرُ فِیْ كُلِّ اَمْرِهٖ حَتّٰی فِی اللُّقْمَةِ یَرْفَعُهَا اِلٰی فِیْ امْرَأَتِهٖ رَوَاهُ الْبَیْهَقِیُّ فِیْ شُعَبِ الْاِیْمَانِ.

حوالہ: بیهقي في شعب الایمان، ص ۱۱۶ ج ۴، باب في تقدير نعم الله عزوجل وشكرها، حديث ۴۴۸۵۔

ترجمہ: حضرت سعد بن ابی وقاصؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مؤمن کی عجیب شان ہے، جب اس کو خوشی نصیب ہوتی ہے تو وہ شکر ادا کرتا ہے اور اللہ کی حمد وثنا کرتا ہے اور اگر وہ کسی مصیبت کا شکار ہوتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کرتا ہے اور صبر کرتا ہے، چنانچہ مؤمن کو اس کے ہر عمل کے عوض میں ثواب دیا جاتا ہے، حتی کہ اس کے اس لقمہ میں بھی جو وہ اٹھا کر اپنی بیوی کے منہ میں ڈالتا ہے۔ (بیهقی فی شعب الایمان)

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ مؤمن کا ہر جائز عمل اگر حسن نیت کے ساتھ ہے تو وہ عبادت میں شمار ہوتا ہے اور اس کو اپنے عمل پر ثواب ملتا ہے، حتی کہ بیوی سے اظہار محبت پر بھی مؤمن کو ثواب ملتا ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح شکر مؤمن کا شیوہ ہے کہ وہ نعمتوں پر شکر بجالاتا ہے اور مصیبت پر صبر کرتا ہے، حدیث میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ آدھا ایمان صبر ہے اور آدھا ایمان شکر ہے، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے "إنّ في ذلك لآيات لكل صبارٍ شكور" حدیث میں شکر کو اس لئے مقدم کیا ہے کہ نعمتیں بہت زیادہ ہیں اور قرآن میں صبر کو مقدم کیا اس لئے کیا کہ بندہ کو صبر کی زیادہ ضرورت ہے، صبر کی تین قسمیں ہیں (۱) صبر علی الطاعة (۲) صبر علی المعصیة (۳) صبر في المصيبة (مرقات ۹۳ ج ۴)

حدیث نمبر ۱۶۴۷ ﴿مؤمن کی موت کا رنج﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۶۳۴

وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَامِنْ مُؤْمِنٍ اِلَّا وَلَهٗ بَابَانِ بَابٌ یَصْعَدُ مِنْهُ عَمَلُهٗ وَبَابٌ یَنْزِلُ مِنْهُ رِزْقُهٗ فَاِذَا مَاتَ بَكَیَا عَلَیْهِ فَذٰلِكَ قَوْلُهٗ فَمَا بَكَتْ عَلَیْهِمُ السَّمَآءُ وَالْاَرْضُ رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ.

حوالہ: ترمذی ص ۱۶۱ ج ۲، باب ومن سورت الدخان، کتاب تفسير القران حدث ۳۲۵۵۔

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کوئی مؤمن ایسا نہیں ہے کہ جس کے دو دروازے نہ ہوں، ایک دروازہ سے اس کا عمل آسمان پر چڑھتا ہے، اور دوسرے دروازے سے اس کا رزق آسمان سے اترتا ہے اور اس بندہ کا جب انتقال ہوتا ہے تو یہ دونوں اس کے لئے روتے ہیں اور یہ بات اللہ تعالیٰ کے فرمان سے سمجھ میں آتی ہے "فمابكت عليهم الخ" ان پر آسمان وزمین روئے نہیں (ترمذی)

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ بندۂ مؤمن نہ صرف اللہ کا محبوب ہوتا ہے، بلکہ مخلوق خدا بھی اس سے محبت کرتی ہے، اور اس کے فیض سے لطف اندوز ہوتی ہے، تو مؤمن کی موت پر آسمان وزمین سب کو غم ہوتا ہے، خصوصاً ان دروازہ

کو غم ہوتا ہے جن دروازوں سے مؤمن کے اعمال صالحہ چڑھتے ہیں، اور اعمال صالحہ میں توانائی پیدا کرنے والی روزی اترتی ہے، چوں کہ مؤمن کی موت سے اس مؤمن کے حوالے سے یہ سعادت منقطع ہوجاتی ہے جس کا افسوس ان دروازوں کو رہتا ہے، اور چوں کہ کافر بدبخت ہوتے ہیں، ان کے اعمال شرف قبولیت نہیں پاتے اس لئے ان کے مرنے کا کسی پر اثر نہیں ہوتا۔

کلمات حدیث کی تشریح باب یصعد منه عمله اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ مؤمن کا ہر عمل نیک ہوتا ہے، مؤمن کے اعمال صالحہ زمین پر لکھ لئے جاتے ہیں، پھر آسمان پر لکھنے کی جگہ پر پہنچائے جاتے ہیں، جس دروازہ سے یہ اعمال صالحہ چڑھتے ہیں، وہ دروازہ مؤمن کی وفات کے بعد روتا ہے (مرقات ۹۴ج ۴) فمابکت علیهم جولوگ زمین وآسمان کے لئے باعث برکت نہیں ہوتے ان پر زمین وآسمان روتے بھی نہیں ہیں، یہی وجہ ہے کہ کافروں کے مرنے پر آسمان وزمین نہیں روتے ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ مؤمنوں کے مرنے پر روتے ہیں۔

حدیث نمبر ۱۶۴۸ ﴿اولاد کے فوت ہونے پر ثواب ملنے کا ذکر﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۷۳۵

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ كَانَ لَهُ فَرَطَانِ مِنْ اُمَّتِيْ اَدْخَلَهُ اللّٰهُ بِهِمَا الْجَنَّةَ فَقَالَتْ عَائِشَةُ فَمَنْ كَانَ لَهُ فَرَطٌ مِّنْ اُمَّتِكَ قَالَ وَمَنْ كَانَ لَهُ فَرَطٌ يَّا مُوَفَّقَةُ فَقَالَتْ فَمَنْ لَّمْ يَكُنْ لَهُ فَرَطٌ مِّنْ اُمَّتِكَ قَالَ فَاَنَا فَرَطُ اُمَّتِيْ لَنْ يُّصَابُوْا بِمِثْلِيْ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ .

حواله: ترمذی ص ۲۰۴ ج/۱، باب ماجاء فی ثواب من قدم والداً، کتاب الجنائز حدیث ۱۰۶۲۔

ترجمه: حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص کے دو بچے انتقال کر گئے ہوں، تو ان بچوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اس کو جنت میں داخل کردیں گے، حضرت عائشہؓ نے عرض کیا اور آپ ﷺ کی امت میں سے جس کا صرف ایک ہی بچہ فوت ہوا ہو، آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہاں اے نیک بخت لوگوں کی مدادامیں ہوں، اب محمد جیسی اذیت ان کو نہیں پہنچے گی (ترمذی)

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ جو بچے ماں باپ کے سامنے صغرسنی میں اس دنیا سے رخصت ہوجاتے ہیں، وہ اگرچہ دنیا میں ماں باپ کو غمزدہ کردیتے ہیں، لیکن آخرت میں وہی پیش خیمہ ثابت ہوں گے اور یہ ماں باپ کے لیے سفارشی ثابت ہوں گے، اپنے ماں باپ کے لیے دخول جنت کا ذریعہ بنیں گے، اور خود نبی کریم ﷺ کا اس دنیا سے رخصت ہونا سب سے بڑا صدمہ ہے، لیکن آپ ﷺ تمام امت کی سفارش کرنے والے بھی ہیں، گویا کہ دنیا کے اعتبار سے جتنا بڑا صدمہ ہوگا آخرت کے اعتبار سے اتنا ہی راحت کا ذریعہ ہوگا۔

کلمات حدیث کی تشریح فرطامن امتی "فرط" کا مطلب پیش خیمہ، یعنی وہ جو لوگوں کے منزل پر پہنچنے سے پہلے منزل پر پہنچ جائے، تاکہ بعد میں آنے والوں کے لئے ہر طرح کا بہتر سے بہتر انتظام کرسکے، جس شخص کے دو بچے فوت ہوگئے، تو وہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کے یہاں پیش خیمہ ثابت ہوں گے، اللہ تعالیٰ ان بچوں سے کہیں گے کہ اپنے والدین کا ہاتھ پکڑ کر ان کو جنت میں داخل کردو "یاموفقة" حضرت عائشہؓ نے آپ ﷺ سے سوال کیا کہ اگر کسی کا ایک بچہ اس دنیا سے رخصت ہوگیا تو وہ اپنے والدین کے لیے دخول جنت کا ذریعہ بنے گا؟ چوں کہ اس سوال کے ذریعہ تمام امت کے حق میں شفقت طلب کرنا تھا، اس لئے آپ ﷺ نے اثبات میں جواب دینے کے ساتھ حضرت عائشہؓ کو "موفقة" یعنی نیک بخت قرار دیا "ومن کان له فرط" حضرت عائشہؓ کے سوال کا مقصد یہ تھا کہ جن لوگوں کے بچے صغرسنی میں فوت ہوئے ان کی شفاعت کون کرے گا اور ان کے لیے پیش خیمہ کون بنے گا؟ آپ ﷺ نے جواب میں فرمایا کہ اپنی امت کے لیے میں خود "فرط" ہوں یعنی پہلے پہنچ جاؤں گا اور کل امت کے لیے سفارش کروں گا، ساتھ میں آپ ﷺ نے یہ بھی بتادیا کہ میرا اس دنیا سے رخصت ہونا اتنی بڑی مصیبت ہے کہ اس سے بڑی مصیبت کوئی نہیں

ہوسکتی، اسی وجہ سے حضرت فاطمہؓ نے آپ ﷺ کے انتقال پر کہا تھا کہ:

صبت علی مصائب لو أنها ☆☆ صبت علی الایام صرن لیالیا

یعنی آپ کی وفات کی وجہ سے جو مصیبت مجھ پر آپڑی ہے وہ اتنی شدید ہے کہ اگر دن پر آپڑے تو دن رات میں تبدیل ہوجائیں۔

حدیث نمبر ۱۶۴۹ ﴿مصیبت پر صبر کرنے کا صلہ﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۷۳۶

وَعَنْ اَبِیْ مُوْسَی الْاَشْعَرِیِّ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اِذَامَاتَ وَلَدُ الْعَبْدِ قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی لِمَلٰئِکَتِہٖ قَبَضْتُمْ وَلَدَ عَبْدِیْ فَیَقُوْلُوْنَ نَعَمْ فَیَقُوْلُ قَبَضْتُمْ ثَمَرَۃَ فُؤَادِہٖ فَیَقُوْلُوْنَ نَعَمْ فَیَقُوْلُ مَاذَاقَالَ عَبْدِیْ ، فَیَقُوْلُوْنَ حَمِدَکَ وَاسْتَرْجَعَ فَیَقُوْلُ اللّٰہُ ابْنُوْا لِعَبْدِیْ بَیْتًا فِی الْجَنَّۃِ وَسَمُّوْہُ بَیْتَ الْمَحْمُوْدِ رَوَاہُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِیُّ .

حوالہ: مسند احمد، ص ۴۱۵ ج/۴، ترمذی ص ۱۰۸ ج/۱، باب فضل المصیبة اذا احتسب ، کتاب الجنائز حدیث ۱۰۲۱۔

ترجمہ: حضرت ابوموسی اشعریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب کسی بندہ کا بچہ فوت ہوجاتا ہے، تو اللہ تعالیٰ فرشتوں سے فرماتا ہے کہ تم نے میرے بندے کے بچے کی روح قبض کرلی، فرشتے کہتے ہیں جی ہاں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے تم نے اسکا دل کا پھل چھین لیا؟ فرشتے کہتے ہیں جی ہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرے بندے نے کیا کہا؟ تو فرشتے کہتے ہیں کہ اسنے آپکی تعریف کی اور انا اللہ وانا الیہ راجعون پڑھا، تو اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ میرے بندے کیلئے جنت میں ایک گھر بنادو، اوراس کا نام بیت المحمو درکھو۔ (مسند احمد، ترمذی)

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ انسان کو جو کچھ ملا ہے وہ اللہ کی عطاء ہے، اگر اللہ تعالیٰ اپنی عطاء میں سے کسی مصلحت کی وجہ سے کچھ لے لے، تو صبر کرنا چاہئے، تقدیر پر راضی رہنا اور صبر وشکر سے کام لینا چاہئے، اللہ تعالیٰ کو اپنے بندہ کی ہر ادائیں بہت پسند ہیں، چنانچہ ان پر بندوں کو خوب نوازتا ہے اللہ کی ایک نوازش ہی کا حدیث باب میں بھی ذکر ہے کہ اولاد کے انتقال پر جو اللہ کی حمد کرے گا، اللہ اس کا جنت میں فرشتوں سے گھر تعمیر کروادیں گے۔

کلمات حدیث کی تشریح وسموہ بیت المحمود اللہ تعالیٰ اپنے بندہ کے صبر کی بنا پر فرشتوں سے جنت میں اس کے لئے جو محل تعمیر کرائیں گے، اس کا نام "بیت المحمود" رکھیں گے، اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ محل اس کو خاص طور پر اللہ تعالیٰ کی حمد کرنے اور تقدیر پر راضی رہنے کی وجہ سے ہی ملے گا۔

حدیث نمبر ۱۶۵۰ ﴿مصیبت زدہ کو تسلی دینے کا ثواب﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۷۳۷

وَعَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ عَزّٰی مُصَابًافَلَہٗ مِثْلُ اَجْرِہٖ ، رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَابْنُ مَاجَۃَ وَقَالَ التِّرْمِذِیُّ ھٰذَا حَدِیْثٌ غَرِیْبٌ لَانَعْرِفُہٗ مَرْفُوْعًا اِلَّا مِنْ حَدِیْثِ عَلِیِّ بْنِ عَاصِمٍ الرَّاوِیْ وَقَالَ وَرَوَاہُ بَعْضُھُمْ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سُوْقَۃَ بِھٰذَاالْاِسْنَادِمَوْقُوْفًا.

حوالہ: ترمذی، ص ۲۰۵ ج/۱، باب ماجاء فی اجرمن عزی مصاباً ، کتاب الجنائز، حدیث ۱۰۷۳، ابن ماجہ ، ص ۱۱۵ باب ما جاء فی ثواب من عزی مصاباً ، کتاب الجنائز ، حدیث ۱۶۰۲۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس نے مصیبت زدہ کی مدد کی اوراس کو تسلی دی تو اس کے لئے بھی اتنا ہی اجر ہے جتنا کہ مصیبت زدہ کے لیے ہے (ابن ماجہ) ترمذی کہتے ہیں کہ ہم اس حدیث کو علی بن عاصم کی مرفوع روایت کے علاوہ نہیں جانتے، اور بعض محدثین نے محمد بن سوقہ سے عبداللہ بن مسعود تک موقوف کیا ہے۔

خلاصۂ حدیث کسی بھی قسم کی مصیبت سے انسان اگر دوچار ہوتا ہے، تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے لیے رحمتوں کی بارش ہونے لگتی ہے، ایک موقع پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ "مایصیب المسلم من نصب ولا وصب ولاھم ولاحزن

ولااذی و لاغم حتیٰ الشوکۃ یشاکھا الا کفر اللہ بھامن خطایاہٗ مسلمان کوکوئی، تکلیف فکراورغم نہیں پہونچتا یہاں تک کہ جوکانٹااس کے چبھتا ہے تواس کوبھی اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کے لئے کفارہ بنادیتے ہیں، یہ تو مصیبت زدہ کی بات ہوئی، اس حدیث میں تو یہ بات ہے کہ اگرکوئی مصیبت زدہ کوتسلی دے، اس کوصبر وضبط کی وصیت کرے، حتی الامکان اس کی مدد کرے، تواس کوبھی مصیبت زدہ کے مانندثواب ملتاہے، اوروہ بھی مصیبت زدہ کی طرح رحمتِ خداوند کا مستحق ہوجاتا ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح من عزی مصابًا مصیبت زدہ کوتسلی دینا بہت ہی مبارک عمل ہے، تسلی مصیبت زدہ کے پاس جاکر بھی ہوسکتی ہے، خط وکتابت کے ذریعہ سے بھی ہوسکتی ہے، اور ہراس شکل سے ہوسکتی ہے جس سے غم زدہ کا غم کم ہوجائے۔ مصیبت زدہ سے ایسی بات کرنا چاہئے جوصبر کوابھارنے والی ہو، مثلاً یوں دعاء دے "اعظم اللہ لك الاجر والهمك الصبر ورزقك الشكر" جتناثواب مصیبت زدہ کومصیبت پرصبر کرنے پرملے گااتنا ہی ثواب تسلی دینے والے کوبھی ملے گا، اس لئے کہ حدیث صحیح ہے "الدال علی الخیر کفاعلہ" اچھی بات کی طرف رہنمائی کرنے والا اس راستہ پر چلنے والے کی طرح ہے۔

حدیث نمبر ۱۵۱ ﴿تعزیت کرنے کا صلہ﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۷۳۸

وَعَنْ اَبِی بَرْزَۃَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ مَنْ عَزّٰی ثَکْلٰی کُسِیَ بُرْدًا فِی الْجَنَّۃِ رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ قَالَ ھٰذَا حَدِیْثٌ غَرِیْبٌ

حوالہ: ترمذی ص ۲۰۶ ج/۱، باب آخر فی فضل التعزیۃ، کتاب الجنائز، حدیث ۱۰۷۶۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس نے ایسی عورت کی تعزیت کی جس کا بچہ فوت ہوگیا ہو، تو اس کوجنت میں لباس پہنایا جائے گا، ترمذی نے کہاہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔

خلاصۂ حدیث اس حدیث میں بھی تعزیت کی فضیلت مذکور ہے، تعزیت کرنے والوں کواللہ تعالیٰ جنت عطا فرمائیں گے، اور قیمتی پوشاک پہنائیں گے۔

کلمات حدیث کی تشریح من عزی تعزیت کے معنٰی کسی کوصبر پر ابھارنا، اور صبر کی تلقین کرنا، نیز صبر اجر وثواب کا تذکرہ کرنا، تاکہ مصیبت زدہ کوتسلی ہو" ثکلٰی "یعنی وہ عورت جس کا بچہ فوت ہوگیا" کسی بردًا "یعنی اللہ تعالیٰ اس کواجرعظیم عطاکریں گے، (مرقات، ص ۹۶ ج ۴)

حدیث نمبر ۱۶۵۲ ☆☆ عالمی حدیث نمبر ۱۷۳۹

﴿میت کے گھروالوں کے لیے کھانا بھیجنے کا تذکرہ﴾

وَعَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ جَعْفَرٍ قَالَ جَآءَ نَعْیُ جَعْفَرٍ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اصْنَعُوْا لِاٰلِ جَعْفَرٍ طَعَامًا، فَقَدْ اَتَاھُمْ مَایَشْغَلُھُمْ رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَاَبُوْدَاوٗدَ وَابْنُ مَاجَۃَ.

حوالہ: ابوداؤد، ۱/ ۴۴۷، باب صنعۃ الطعام لأھل المیت، کتاب الجنائز، حدیث ۳۱۳۲، ترمذی ص ۱۸۵ ج/۱، باب ماجاء فی الطعام لاھل المیت، کتاب الجنائز، حدیث ۹۹۸، ابن ماجہ ص ۱۱۵ باب ماجاء فی الطعام یبعث الی اھل المیت، کتاب الجنائز حدیث ۱۶۱۰۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن جعفر سے روایت ہے کہ جب میرے والد کی وفات کی اطلاع آئی تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ آلِ جعفر کے لیے کھانا تیار کرو، کیونکہ ان کووہ حادثہ پیش آیا ہے جوکھانے پکانے سے روک دیتا ہے (ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ)

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ جس گھر میں کسی کا انتقال ہوجائے تواس گھر میں رہنے والوں کے لیے کھانے کا انتظام پڑوسیوں کوکرنا چاہئے، خود میت کے گھر والوں کھاناپکاکر مجمع کوکھلانے سے گریز کرنا چاہئے۔

کلمات حدیث کوتشریح اصنعوا لآلِ جعفر طعامًا میت کے گھر والوں کو پڑوس اور اقارب کے لوگ کھانا بھیجیں، تین دن تک جوکہ ایام تعزیت ہیں کھانا بھیجتے رہنا افضل ہے۔

سوال: میت کے گھر والوں کے لیے جوکھانا آیا ہے اس کو گھر والوں کے علاوہ دیگر لوگ کھا سکتے ہیں یا نہیں؟

جواب: بعض لوگ کہتے ہیں کہ کھا سکتے ہیں اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ نہیں کھا سکتے ہیں البتہ وہ لوگ کھا سکتے ہیں کہ جو میت کی تجہیز و تکفین میں مشغول ہوں۔

الفصل الثالث

حدیث نمبر ۱۶۵۳ ☆☆ عالمی حدیث نمبر ۱۷۴۰

﴿نوحه کرنے سے میت کو تکلیف پهنچتی هے﴾

عَنِ الْمُغِيْرَةِ بْنِ شُعْبَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ نِّيحَ عَلَيْهِ فَإِنَّهُ يُعَذَّبُ بِمَا نِيحَ عَلَيْهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حوالہ: بخاری، ص ۱۷۲ ج/۱، باب مایکره من النیاحة علی المیت، کتاب الجنائز، حدیث ۱۲۹۱، مسلم، ص ۳۰۳ ج/، باب المیت یعذب ببکاء اهله، کتاب الجنائز حدیث ۹۳۳۔

ترجمه: حضرت مغیرہ بن شعبہؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ جس پر نوحہ کیا جاتا ہے، تو اس کو نوحہ کئے جانے کی وجہ سے قیامت کے دن اس کو عذاب دیا جائے گا (بخاری ومسلم)

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی زندگی میں نوحہ کو اچھا سمجھتا ہے، نوحہ کرنے سے روکتا نہیں ہے، تو اس پر جو لوگ نوحہ کریں گے وہ تو گنہگار ہوں گے ہی ساتھ میں اس میت کو بھی عذاب ملے گا۔

کلمات حدیث کی تشریح فانه یعذب بما نیح میت کو نوحہ کی وجہ سے اس وقت عذاب ملتا ہے، جبکہ اس نے نوحہ کی وصیت کی ہو، اس کے علاوہ بھی بعض توجیہات منقول ہیں تفصیل کیلئے حدحدیث ۱۶۳۷ دیکھیں۔

حدیث نمبر ۱۶۵۴ ﴿میت کو عذاب دیئے جانے کاذکر﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۷۴۱

وَعَنْ عَمْرَةَ بِنْتِ عَبْدِالرَّحْمٰنِ اَنَّهَا قَالَتْ سَمِعْتُ عَآئِشَةَ وَذُكِرَلَهَا اَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ يَقُوْلُ اِنَّ الْمَيِّتَ لَيُعَذَّبُ بِبُكَآءِ الْحَيِّ عَلَيْهِ تَقُوْلُ يَغْفِرُاللّٰهُ لِاَبِىْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ اَمَا اِنَّهُ لَمْ يَكْذِبْ وَلٰكِنَّهُ نَسِىَ اَوْاَخْطَأَ اِنَّمَا مَرَّرَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَلٰى يَهُوْدِيَّةٍ يُبْكٰى عَلَيْهَا فَقَالَ اِنَّهُمْ لَيَبْكُوْنَ عَلَيْهَا وَاِنَّهَا لَتُعَذَّبُ فِىْ قَبْرِهَا مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حوالہ: بخاری، ۱۷۲/۱ باب یعذب المیت ببعض بکاء أهله علیه، کتاب الجنائز، حدیث ۱۲۸۹ مسلم، ۳۰۳/۱، باب المیت یعذب ببکاء أهله، کتاب الجنائز، حدیث ۳۲۔

ترجمه: حضرت عمرہ بنت عبدالرحمٰن سے روایت ہے کہ میں نے حضرت عائشہؓ سے سنا ہے کہ انکے سامنے یہ ذکر کیا گیا کہ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کہتے ہیں کہ مردہ کو اس پر زندہ کے رونے کے سبب عذاب ہوتا ہے، حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ اللہ معاف کرے انھوں نے غلط نہیں کہا، لیکن انکو یادنہیں رہا، یا انسے غلطی ہوگئی ہے، اصل بات یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک یہودیہ کے جنازہ پر گذرے جس پر نوحہ کیا جارہا تھا، آپ ﷺ نے اسی وقت کہا کہ یہ لوگ مرنے والی پر رورہے ہیں اور اس پر اس کی وجہ سے عذاب قبر ہورہا ہے۔ (بخاری ومسلم)

خلاصۂ حدیث اس حدیث میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا جو فرمان ہے اس سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ جس مردہ کے اعزاد اقارب بھی مردہ پر بین کرتے ہیں اس کے اوصاف بیان کرکے روتے ہیں، تو ان کی اس حرکت کی وجہ سے مردہ کو

عذاب جھیلنا پڑتا ہے، لیکن حضرت عائشہؓ کے فرمان سے یہ سمجھ میں آرہا ہے کہ مردہ کے اوپر نوحہ کرنے سے مردہ کو عذاب نہیں ہوتا ہے، جہاں تک یہودیہ کے عذاب کا تعلق ہے وہ تو ہر کافر و مشرک کو قبر میں جھیلنا ہی ہے، معلوم ہوا کہ دورِ صحابہ میں بھی نوحہ کرنے سے میت کو عذاب ہوتا ہے، یا نہیں اس مسئلہ میں اختلاف رہا ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح ان المیت لیعذب ببکاء الحی علیہ حضرت ابن عمرؓ اس بات کے قائل تھے کہ میت کو اس کے گھر والوں کے اس کے اوپر رونے کی صورت میں عذاب ہوتا ہے، دیگر بہت سے صحابہ بھی اسی کے قائل تھے، ان حضرات کے پیش نظر آپ ﷺ کا یہ فرمان تھا کہ "ان المیت لیعذب ببکاء اھلہ" حضرت ابن عباس کی بخاری میں روایت ہے کہ "لماأصیب عمر" دخل صھیب یبکی یقول وا أخاہ واصاحبا! فقال: عمر یا صھیب اتبکی علی؟وقد قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم " "ان المیت لیعذب ببعض بکاء أھلہ" حضرت عائشہؓ اس بات کی قائل تھیں کہ میت کو گھر والوں کے رونے کی وجہ سے عذاب نہیں ہوتا ہے اور قرآن کریم کی آیت "ولا تزر وازرۃ وزر اخری" استدلال کرتی تھیں، جو لوگ تعذیب میت کے قائل ہیں انھوں نے کچھ ایسی توجیہات ذکر کی ہیں جن سے آیت پر بھی عمل ہو جاتا ہے، مثلاً ایک توجیہ یہ ہے کہ نوحہ کرنے والیاں اپنے نوحہ میں مدح کے طور پر میت کے لئے بعض ایسے عمدہ اوصاف ثابت کرتی ہے جو میت کے اندر نہیں ہوتے، چنانچہ فرشتے اس کے سینہ پر مار کر کہتے ہیں کہ "اھکذا کنت" یا پھر تعذیب اس وقت ہوتی ہے جبکہ میت ترک نوحہ کی وصیت نہ کرے، حاصل یہ ہے کہ میت کو گھر والوں کے نوحہ کی وجہ سے عذاب ہوتا ہے، لیکن بایں طور کہ اس میں خود میت کے عمل کا کسی نہ کسی صورت میں دخل ہوتا ہے، یا تو امر بالمعروف نہ کرنے کی صورت میں، یا منکر سے نہ روکنے کی صورت میں، جب یہ بات معلوم ہوگئی تو آیت پر بھی عمل ہوگیا، مزید تحقیق کیلئے حدیث ۱۶۳۷ دیکھیں۔

نسی أو أخطاء: حضرت عائشہؓ چوں کہ تعذیب میت کی نوحہ کی وجہ سے قائل نہیں ہیں، لہٰذا وہ یہ کہہ رہی ہیں کہ حضرت ابن عمرؓ سے چوک ہوگئی ہے، بات یہ ہے کہ جو میت کے اوپر رونے سے میت کو عذاب دئے جانے کی بات کہی تھی وہ یہودیہ کے حوالہ سے کہی تھی، اور مقصد یہ تھا کہ یہ لوگ تو اوصاف حسنہ بیان کر رہے ہیں اور میت کو عذاب ہو رہا ہے، آپ ﷺ کا فرمان عام ضابطہ کے طور پر نہیں تھا، لیکن یہیں یہ بات سمجھ لی جائے کہ عائشہؓ کا یہ فرمان ان کا اجتہاد ہے، اس لئے کہ آپ ﷺ کے فرمان کا تعلق صرف اس یہودیہ سے ہی تھا اس پر کوئی دلیل نہیں ہے، بلکہ آپ ﷺ نے یہ بات مختلف مواقع پر فرمائی ہے جن کو بہت سے صحابہ نے نقل کیا ہے (واللہ اعلم)

حدیث نمبر ۱۶۵۵ ﴿میت پررونے سے میت کو تکلیف ہوتی ھے﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۷۴۲

وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ اَبِیْ مُلَیْکَةَ قَالَ تُوُفِّیَتْ بِنْتٌ لِعُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ بِمَکَّةَ فَجِئْنَا لِنَشْهَدَ هَا، وَحَضَرَهَا ابْنُ عُمَرَ وَابْنُ عَبَّاسٍ فَاِنِّیْ لَجَالِسٌ بَیْنَهُمَا، فَقَالَ: عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ لِعَمْرِو بْنِ عُثْمَانَ وَهُوَ مُوَاجِهُهٗ اَلاَ تَنْهٰی عَنِ الْبُکَآءِ فَاِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ الْمَیِّتَ لَیُعَذَّبُ بِبُکَآءِ اَهْلِهٖ عَلَیْهِ ، فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: قَدْکَانَ عُمَرُ یَقُوْلُ بَعْضَ ذٰلِكَ ثُمَّ حَدَّثَ فَقَالَ صَدَرْتُ مَعَ عُمَرَ مِنْ مَّکَّةَ ، حَتّٰی اِذَاکُنَّا بِالْبَیْدَآءِ فَاِذَاهُوَ بِرَکْبٍ تَحْتَ ظِلِّ سَمُرَةٍ فَقَالَ اذْهَبْ فَانْظُرْمَنْ هٰٓؤُلَآءِ الرَّکْبُ فَنَظَرْتُ فَاِذَا هُوَ صُهَیْبٌ ،قَالَ فَاَخْبَرْتُهٗ فَقَالَ ادْعُهٗ فَرَجَعْتُ اِلٰی صُهَیْبٍ ، فَقُلْتُ ارْتَحِلْ فَالْحَقْ اَمِیْرَ الْمُؤْمِنِیْنَ فَلَمَّا اَنْ اُصِیْبَ عُمَرُ دَخَلَ صُهَیْبٌ یَّبْکِیْ یَقُوْلُ وَاَخَاهُ وَاصَاحِبَاهُ فَقَالَ عُمَرُیَا صُهَیْبُ اَتَبْکِیْ عَلَیَّ وَقَدْقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الْمَیِّتَ لَیُعَذَّبُ بِبَعْضِ بُکَآءِ اَهْلِهٖ عَلَیْهِ ،فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ فَلَمَّامَاتَ عُمَرُ ذَکَرْتُ ذٰلِكَ لِعَآئِشَةَ فَقَالَتْ یَرْحَمُ اللّٰهُ عُمَرَلَاوَاللّٰهِ مَاحَدَّثَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الْمَیِّتَ لَیُعَذَّبُ بِبُکَآءِ اَهْلِهٖ عَلَیْهِ وَلٰکِنْ یَزِیْدُ

الْکَافِرَ عَذَابًا بِبُکَآءِ اَھْلِهٖ عَلَیْهِ ، وَقَالَتْ عَآئِشَةُ حَسْبُکُمُ الْقُرآنُ وَلَاتَزِرُوَازِرَةٌ وِّزْرَاُخْرٰی ، قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ عِنْدَ ذٰلِكَ وَاللّٰهُ اَضْحَكَ وَاَبْکٰی قَالَ ابْنُ اَبِیْ مُلَیْکَةَ قَالَ ابْنُ عُمَرَ شَیْئًا مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ.

حوالہ: بخاری، ۱/۱۷۱-۱۷۲، باب یعذب المیت ببکاء أهله علیه ، کتاب الجنائز حدیث ۱۲۸۸، مسلم ۱/ ۳۰، باب المیت یعذب ببکاء أهله ، کتاب الجنائز حدیث ۹۲۹۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن ابی ملیکہ سے روایت ہے کہ حضرت عثمان بن عفانؓ کی صاحبزادی کا مکہ میں انتقال ہوگیا تو ہم وہاں آئے تا کہ تدفین میں موجود رہیں، اس موقع پر حضرت ابن عمرؓ اور حضرت ابن عباسؓ بھی تشریف لائے ، میں ان ہی کے درمیان بیٹھا ہوا تھا، حضرت عثمان کے صاحبزادے حضرت عمرو بن عثمان حضرت ابن عمر کے سامنے بیٹھے ہوئے تھے، ان سے حضرت ابن عمرؓ فرمایا تم رونے سے روکتے کیوں نہیں ہو؟ بلاشبہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ میت کے اہل خانہ کے رونے کی وجہ سے مردے کو عذاب ہوتا ہے، حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ میں نے اس سلسلہ میں حضرت عمرؓ سے کچھ سنا ہے، پھر حضرت ابن عباس نے بیان کیا کہ مکہ سے حضرت عمرؓ کے ساتھ واپس ہوا، جب مقام ''بیدا'' پہنچے تو دیکھا کہ کیکر کے درخت کے نیچے ایک قافلہ مقیم ہے، حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ جا کر دیکھو کون لوگ ہیں؟ میں نے جا کر دیکھا تو وہ صہیب تھے، میں نے اس کی خبر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو دی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ان کو بلا کر لاؤ میں نے حضرت صہیب رضی اللہ عنہ کے پاس جا کر کہا کہ امیر المؤمنین سے آپ ملاقات کریں، جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ زخمی ہوئے تو حضرت صہیبؓ کہتے تھے کہ اے میرے بھائی! اے میرے ساتھی! اور روتے جاتے تھے، حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اے صہیبؓ! تم مجھ پر رو رہے ہو، حالانکہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ میت کو اسکے بعض اہل خانہ کے رونے کی بنا پر عذاب ہوتا ہے، حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ جب حضرت عمرؓ کا انتقال ہوا تو میں نے یہ بات حضرت عائشہؓ سے ذکر کی، حضرت عائشہؓ نے جواب دیا کہ اللہ عمر پر رحم کرے، نہیں! اللہ کی قسم رسول اللہ ﷺ نے اس طرح ارشاد نہیں فرمایا ہے کہ میت پر اس رشتہ داروں کے رونے سے عذاب ہوتا ہے ، بلکہ بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کافر مردے پر اس کے اہل خانہ کے رونے کے سبب عذاب میں اضافہ کر دیتے ہیں، پھر حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ تمہارے لئے قرآن مجید کا یہ ارشاد کافی ہے ''ولاتزر وازرۃ وزر اخریٰ'' (کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا) حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اسی کے قریب اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد بھی ہے کہ ''واللہ اضحك وابکی'' (اللہ تعالیٰ ہنساتا ہے اللہ وہی رلاتا ہے) ابن ابی ملیکہ کہتے ہیں کہ حضرت ابن عمرؓ نے اس وقت کچھ بھی نہیں کہا۔ (بخاری ومسلم)

خلاصہ حدیث جیسا کہ یہ بات نقل ہو چکی ہے کہ دور صحابہ میں ہی اس بات میں اختلاف تھا، کہ میت کے اہل خانہ کے نوحہ کرنے سے میت کو عذاب ہوتا ہے یا نہیں؟ حضرت ابن عمرؓ وغیرہ نبی کے فرمان سے استدلال کرتے تھے، اور قرآن مجید کی مذکورہ آیت کی تاویل کرتے تھے جب کہ حضرت عائشہؓ قرآن مجید کی آیت سے استدلال کرتی تھیں، اور حدیث رسول اللہ کے عموم کو خصوص پر محمول کرتی تھیں، اس حدیث میں دونوں طرح کی باتیں مذکور ہیں، جس کی وضاحت گذشتہ صفحات میں بھی ہو چکی ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح ماحدث رسول اللہ ﷺ حضرت عائشہؓ نے حضرت عمرؓ کی بیان کردہ حدیث کا انکار نہیں کیا، کیوں کہ یہ حدیث تو بہت سے صحابہ سے منقول ہے، بلکہ اس مفہوم کا انکار کیا ہے جو حضرت عمرؓ نے حدیث سے سمجھا تھا، حدیث میں مذکور مسئلہ کی وضاحت کے لئے گذشتہ حدیث اور حدیث ۱۶۳۷ دیکھئے۔

حدیث نمبر ۱۶۵۶ ﴿نوحہ سے منع کرنے کا حکم﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۷۴۳

وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ لَمَّا جَآءَ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَتْلُ ابْنِ حَارِثَةَ وَجَعْفَرٍ وَابْنِ رَوَاحَةَ جَلَسَ یُعْرَفُ فِیْهِ الْحُزْنُ ، وَاَنَا اَنْظُرُ مِنْ صَائِرِ الْبَابِ تَعْنِیْ شَقَّ الْبَابِ فَاَتَاهُ رَجُلٌ فَقَالَ اِنَّ نِسَآءَ جَعْفَرٍ وَذَکَرَ بُکَاءَ هُنَّ

فَأَمَرَهُ أَنْ يَنْهَاهُنَّ فَذَهَبَ، ثُمَّ أَتَاهُ الثَّانِيَةَ لَمْ يُطِعْنَهُ فَقَالَ: انْهَهُنَّ، فَأَتَاهُ الثَّالِثَةَ قَالَ وَاللَّهِ غَلَبْنَنَا يَارَسُولَ اللَّهِ فَزَعَمَتْ أَنَّهُ قَالَ فَاحْثُ فِي أَفْوَاهِهِنَّ التُّرَابَ، فَقُلْتُ أَرْغَمَ اللَّهُ أَنْفَكَ لَمْ تَفْعَلْ مَا أَمَرَكَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَمْ تَتْرُكْ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْعَنَاءِ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حوالہ: بخاری ص۱۷۳ج/۱، باب من جلس عند المصيبة يعرف فيه الحزن، كتاب الجنائز، حدیث ۱۲۹۹، مسلم ص ۳۰۳-۳۰۴باب التشديد في النياحة، كتاب الجنائز حدیث ۹۳۵۔

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کوغزوہ موتہ میں زید بن حارثہؓ جعفرؓ بن ابی طالب اور عبداللہ رواحہ کی شہادت کی خبر ملی تو آپ ﷺ اس طرح بیٹھے تھے کہ آپ ﷺ کے چہرہ سے رنج کے آثار ظاہر تھے، اور میں یہ دروازہ کی جھری سے دیکھ رہی تھی، یا دروازہ کے دراڑ سے دیکھ رہی تھی، اتنے میں ایک صاحب آپ ﷺ کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ جعفر کے گھر کی عورتیں رو رہی ہیں، اور نوحہ کر رہی ہیں، آپ ﷺ نے ان کو حکم دیا کہ ان عورتوں کو جا کر منع کرو، وہ صاحب گئے اور واپس آ کر کہا کہ وہ خواتین ان کا کہنا نہیں مان رہی ہیں آپ ﷺ نے ان کو حکم دیا کہ پھر جا کر روکو، وہ شخص گئے پھر آپ ﷺ کی خدمت میں تیسری مرتبہ آ کر کہا کہ اے اللہ کے رسول! وہ عورتیں ہم پر غالب آ گئی ہیں، حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ان عورتوں کے منہ پر مٹی ڈال دو، حضرت عائشہؓ کہتی ہیں میں نے اس شخص سے کہا کہ اللہ تیری ناک خاک آلود کرے، تو وہ کام بھی نہیں کر سکا جس کا حضور ﷺ تجھ کو حکم دیا، اور حضور ﷺ کو تکلیف پہنچانے سے بھی باز نہیں رہا۔ (بخاری و مسلم)

کلمات حدیث کی تشریح جلس غزوہ موتہ میں جب مذکورہ سالاروں کی وفات کی اطلاع آپ ﷺ کو ملی تو آپ ﷺ کو بہت رنج ہوا لیکن آپ ﷺ کا مسجد میں بیٹھنا حسب معمول تھا، اس وجہ سے نہیں تھا کہ لوگ آ کر اظہار تعزیت کریں

يعرف فيه الحزن علامہ طیبیؒ نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے اپنے رنج وغم کو پی رکھا تھا، لیکن پھر بھی کچھ اثرات چہرے پر ظاہر تھے، اصل بات یہ ہے کہ اظہار غم میں اعتدال ہی صراط مستقیم ہے اور یہی آپ ﷺ کے عمل سے ثابت ہے، اظہار غم اتنا زیادہ بھی نہ ہو کہ نوحہ د ماتم بن جائے اور اتنی بے پرواہی بھی نہ ہو کہ قساوت قلب کی دلیل سمجھی جائے "ولم تترك" حضرت عائشہؓ کے فرمان کا مقصد یہ تھا کہ جب وہ صاحب حضور ﷺ کے فرمان پر عورتوں کو عمل نہیں کرا پا رہے تھے، تو ادب سے حضور اکرم سے عرض کر دینا چاہئے تھا کہ یہ کام میرے بس میں نہیں ہے اس کو انجام دینے کے لئے کسی دوسرے کا انتخاب فرما دیجئے۔

حدیث نمبر ۱۶۵۷ ☆☆ عالمی حدیث نمبر ۱۷٤٤

﴿نوحہ کرنے سے شیطان گھر میں داخل ہوتا ہے﴾

وَعَنْ أُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ لَمَّا مَاتَ أَبُو سَلَمَةَ قُلْتُ غَرِيبٌ وَفِي أَرْضِ غُرْبَةٍ لَأَبْكِيَنَّهُ بُكَاءً يُتَحَدَّثُ عَنْهُ، فَكُنْتُ قَدْ تَهَيَّأْتُ لِلْبُكَاءِ عَلَيْهِ إِذْ أَقْبَلَتْ امْرَأَةٌ تُرِيدُ أَنْ تُسْعِدَنِي فَاسْتَقْبَلَهَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. فَقَالَ: أَتُرِيدِينَ أَنْ تُدْخِلِي الشَّيْطَانَ بَيْتًا أَخْرَجَهُ اللَّهُ مِنْهُ مَرَّتَيْنِ وَكَفَفْتُ عَنِ الْبُكَاءِ فَلَمْ أَبْكِ رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

حوالہ: مسلم ص ۳۰۱ ج/۱، باب البكاء على الميت، كتاب الجنائز، حدیث ۹۲۲۔

ترجمہ: حضرت ام سلمہؓ سے روایت ہے کہ جب ابوسلمہؓ کا انتقال ہوا، تو میں نے سوچا کہ میں پردیسی ہوں، اور ابوسلمہؓ کا انتقال غریب الوطن میں ہوا ہے، لہٰذا میں ان کے لئے اتنا روؤں گی کہ لوگ یاد کریں گے، چنانچہ میں نے ان پر رونے کی تیاری کر لی، ایک عورت میرا ساتھ دینے کے لئے بھی آ گئی، اسی وقت رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور آپ ﷺ نے فرمایا، کیا تم اس گھر میں شیطان کو داخل کرنا چاہتی ہو، جس کو اللہ تعالیٰ نے دو مرتبہ نکال دیا ہے؟ یہ سن کر میں رونے سے رک گئی، پھر میں نہیں روئی (مسلم)

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ بندہ جب ایمان لاتا ہے، یا نیک کام کرتا ہے، تو شیطان ذلیل ہو کر چلا جاتا ہے، اور جب معصیت کا ارتکاب کرتا ہے تو شیطان اسکے ساتھ ہو لیتا ہے، چونکہ میت پر نوحہ کرنا معصیت ہے، لہٰذا، ایسا کرنیوالے شیطان کو اپنے گھر میں گھسنے کا موقع فراہم کرتے ہیں، اس عمل سے گریز کرنا چاہئے، تاکہ شیطان کے شرور وفتن سے گھر محفوظ رہے۔

کلمات حدیث کی تشریح غریب وفی ارض غربة چونکہ ابوسلمہؓ مکی تھے اور ان کا انتقال مدینہ میں ہوا، اس وجہ سے ان کی بیوی یعنی ام سلمہؓ نے یہ بات کہی کہ ابوسلمہؓ کا انتقال پردیس میں ہوا "فکنت تهيات للبكاء عليه" یعنی ابوسلمہؓ کے انتقال پر نوحہ کرنے کے لیے سارے انتظامات مکمل کر لئے، مثلاً کالے کپڑے پہن لئے، اور جو بھی اس دور کے نوحہ کرنے والیوں کے لیے لوازمات تھے جمع کر لئے "اتريدين ان تدخلي الشيطان" یعنی معصیت کا ارتکاب کروگی تو گھر میں شیطان داخل ہو جائے گا، تو کیا تم لوگ شیطان کو گھر میں لانا چاہتی ہو "اخرجه الله منه مرتين" اللہ نے شیطان کو دو مرتبہ نکال دیا، پہلی مرتبہ ایمان کے ذریعہ اور دوسری مرتبہ ہجرت کے ذریعہ، یا پھر پہلی مرتبہ سے مراد مکہ مکرمہ سے حبشہ کی طرف ہجرت کرنا ہے، اور دوسری مرتبہ سے مدینہ منورہ کی جانب ہجرت کرنا ہے، حضرت ابوسلمہؓ ذوہجرتین تھے (فتح الملہم ۴۷۰ ج/۲)

حدیث نمبر ۱۶۵۸ ﴿نوحہ کی ممانعت﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۷۴۵

وَعَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيرٍ قَالَ اُغْمِيَ عَلٰى عَبْدِاللّٰهِ بْنِ رَوَاحَةَ فَجَعَلَتْ اُخْتُهٗ عَمْرَةُ تَبْكِيْ وَاجَبَلَاهُ وَاكَذَاوَ كَذَا تُعَدِّدُ عَلَيْهِ فَقَالَ حِيْنَ اَفَاقَ مَاقُلْتِ شَيْئًا اِلَّا قِيْلَ لِيْ كَذٰلِكَ زَادَفِيْ رِوَايَةٍ فَلَمَّا مَاتَ لَمْ تَبْكِ عَلَيْهِ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ.

حوالہ: بخاری، ۲/۲۱۱، باب غزوۃ موتہ، کتاب المغازی، حدیث ۴۲۶۷۔

ترجمہ: نعمان بن بشیرؓ سے روایت ہے کہ جب حضرت عبداللہ بن رواحہ پر سکرات کے عالم میں غشی طاری ہوئی، تو ان کی بہن عمرہ نے رونا شروع کیا، اور اے پہاڑ، اور ہائے میرے ایسے اور ہائے میرے ویسے کہہ کر رونے لگیں، جب عبداللہ بن رواحہ کو ہوش آیا، تو انہوں نے فرمایا کہ تو جو کچھ بھی کہتی تھی اس پر مجھ پر کہا جاتا تھا کیا تم ایسے ہو؟ ایک روایت میں یہ الفاظ مزید ہیں "فلما مات الخ" جب ان کا انتقال ہوا تو ان پر کوئی بھی نوحہ کے طور پر نہیں رویا (بخاری)

خلاصۂ حدیث اصل بات یہ ہے کہ میت کے اوصاف بیان کر کے رونا منع ہے، اس سے میت کو تکلیف پہونچتی ہے، کیوں کہ اگر کوئی میت کے بڑھا چڑھا کر اوصاف بیان کر کے روتا ہے، تو فرشتے میت کے سینے پر مارتے ہیں کہ کیا تمہارے اندر یہ اوصاف ہیں؟ اس سے بندہ کو ایک طرف جہاں سخت تکلیف ہوتی ہے وہیں بے حد شرمندگی بھی ہوتی ہے، عبداللہ بن رواحہ کے ساتھ ایک مرتبہ میں یہ معاملہ پیش آیا کہ وہ قریب المرگ ہوگئے، بہن یہ سمجھیں کہ وہ مرگئے اور ان کے اوصاف بیان کر کے رونے لگیں، خلاف عادت حضرت عبداللہ بن رواحہ کی زندگی ہی میں فرشتوں نے ان کے نالہ کی وجہ سے پوچھ لیا کہ کیا تمہارے اندر یہ اوصاف ہیں، حضرت عبداللہ بن رواحہ جب غشی سے ہوش میں آئے، تو انھوں نے اپنی بہن کو اپنے ساتھ پیش آمدہ معاملہ سے مطلع کیا اور نوحہ کرنے سے منع کیا چنانچہ جب غزوہ موتہ کے موقع پر شہید ہوئے تو ان کے گھر والے غمزدہ ضرور ہوئے لیکن زیادہ رونے سے گریز کیا۔

کلمات حدحدیث کی تشریح "قيل لی انت كذالك" عبداللہ بن رواحہ جب ہوش میں آئے تو انھوں نے بتایا کہ جو کچھ نوحہ کرتے وقت میرے بارے میں کہا جارہا تھا، فرشتے مجھ سے پوچھ رہے تھے کہ کیا تم ایسے ہو، مثلاً بہن نے کہا تھا "واجبلاه" تو فرشتے ان سے پوچھتے کیا تم پہاڑ ہو؟ اس سے اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ میت کے گھر والوں کے نوحہ کرنے سے میت کو عذاب ہوتا ہے جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ وغیرہ کا مذہب ہے، تحقیق کے لئے حدیث ۱۶۵۵ دیکھیں۔

حدیث نمبر ۱۶۵۹ ﴿میت کو نوحہ سے تکلیف پہنچنے کا ذکر﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۷۴۶

وَعَنْ أَبِي مُوسٰى قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم يَقُوْلُ مَامِنْ مَيِّتٍ يَمُوْتُ فَيَقُوْمُ بَاكِيْهِم فَيَقُوْلُ وَاجَبَلَاهُ وَاسَيِّدَاهُ وَنَحْوَ ذٰلِكَ اِلَّا وَكَّلَ اللّٰهُ بِهٖ مَلَكَيْنِ يَلْهَزَانِهٖ وَيَقُوْلَانِ اَهٰكَذَا كُنْتَ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ حَسَنٌ .

حوالہ: ترمذی ۱/۱۹۵ باب ماجاء فی کراھیۃ البکاء علی المیت ، کتاب الجنائز ،حدیث۱۰۰۳۔

ترجمہ: حضرت ابوموسیٰؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب کوئی مرنے والا مرتا ہے اوراس پر رونے والا کھڑا ہوکر کہتا ہے کہ ہائے میرے پہاڑ! ہائے میرے سردار! اوراسی طرح کے دوسرے الفاظ کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس مردہ پر دو فرشتے مسلط کردیتے ہیں، جو اسکے سینہ پر مُکا مارکر کہتے ہیں کہ کیا تو ایسا ہی تھا، امام ترمذیؒ نے اس حدیث کو حسن غریب کہا ہے۔

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ جب میت کے اہل خانہ میت کے غیر واقعی احوال واوصاف بیان کر کے روتے ہیں تو فرشتے میت کو سرزنش وملامت کرتے ہیں اور اسکے سینے پر مکہ مار کر اسکو عار دلاتے ہیں ، کیوں صاحب کیا تو ایسا ہی ہے؟

کلمات حدیث کی تشریح واجبلاہ میت کے اوپر نوحہ کرنا اوراس کے غیر واقعی اوصاف بیان کرنا ممنوع ہے، اگراس گناہ کا باعث میت خود ہے، بایں طور پر کہ اس نے اس عمل کی وصیت کی ہو، یا اس عمل پر رضامندی کا اظہار کیا ہو، تو میت کو عذاب برداشت کرنا پڑے گا، اوراگر اس عمل میں اس کا دخل نہیں ہے تو پھر مطلب حدیث کا یہ ہوگا کہ اس عمل سے اس کو شرمندگی ہوگی، اور رنج وملال ہوگا، جس کو بعض احادیث میں عذاب سے تعبیر کیا گیا ہے۔

حدیث نمبر ۱۶۶۰ ﴿وفات پر آنسوں کانکلنا ممنوع نہیں ھے﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۷۴۷

وَعَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ مَاتَ مَيِّتٌ اٰلِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاجْتَمَعَ النِّسَآءُ يَبْكِيْنَ عَلَيْهِ ، فَقَامَ عُمَرُ يَنْهَاهُنَّ وَيَطْرُدُ هُنَّ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَعْهُنَّ يَاعُمَرُ فَاِنَّ الْعَيْنَ دَامِعَةٌ وَالْقَلْبَ مُصَابٌ وَالْعَهْدَ قَرِيْبٌ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالنَّسَائِيُّ .

حوالہ: مسنداحمد ۲/۴۴۴ نسائی ۱/۲۰۶، باب الرخصة فی البکاء علی المیت، کتاب الجنائز حدیث ۱۸۵۸۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے خانوادہ میں کسی کا انتقال ہوگیا، عورتیں رونے کے لیے جمع ہوگئیں، تو حضرت عمرؓ ان کو منع کرنے لگے، اوران کو بھگانے لگے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اے عمر! ان عورتوں کو چھوڑ دو، اس لئے کہ آنکھیں روتی ہیں، قلب رنجیدہ ہے، اور موت کے سانحہ کا زمانہ قریب ہے (احمد،نسائی)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ کسی سانحہ کے پیش آنے کے وقت دل پر چوٹ لگنا اور آنکھوں سے آنسوں کا جاری ہونا فطری بات ہے، لہٰذا کسی کے انتقال پر نفس رونا منع نہیں ہے، بلکہ واویلا کرنا، چیخنا، چلانا اور نوحہ وماتم کرنا منع ہے جس کی وضاحت گذشتہ کئی احادیث میں ہوچکی ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح مات میت حضور ﷺ کی صاحبزادی حضرت زینبؓ کا انتقال ہوا تھا، اس کی صراحت اگلی حدیث میں موجود ہے "ینھاھن" حضرت عمر نے جو قریبی رشتہ دار عورتیں تھیں ان کو تو رونے سے منع کیا اور جو اجنبیہ عورتیں تھیں ان کو مار بھگایا "فان العین دامعة" آپ ﷺ کے فرمان کا مقصد تھا کہ رشتہ دار کے انتقال پر، آنکھ سے آنسو کا جاری ہونا فطری بات ہے "والقلب مصاب" یعنی جب کوئی مصیبت واقع ہوتی ہے تو دل کا رنجیدہ ہونا طبعی امر ہے، جیسا کہ نعمت کے حصول کے وقت دل شاداں وفرحاں ہوتا ہے "العھدقریب" مصیبت کے وقوع کا وقت قریب ہے، ایسے میں صبر کرنا دشوار ہے، اس لئے آپ

ﷺ نے فرمایا کہ کامل صبر تو مصیبت کے وقوع کے وقت صبر کرنے کا نام ہے حضرت عمرؓ نے عورتوں کو رونے اس لئے منع کیا تھا کہ کہیں یہ بڑھ کر نوحہ کی شکل نہ اختیار کر لے، آپ ﷺ نے حضرت عمرؓ کو منع کرنے سے روک دیا اور عورتوں کے عذاب کو بھی بیان کر دیا۔

حدیث نمبر ۱۶۶۱ ﴿چیخ کر رونا شیطانی طریقه هے﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۷۴۰

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ مَاتَتْ زَيْنَبُ بِنْتُ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَبَكَتِ النِّسَاءُ فَجَعَلَ عُمَرُ يَضْرِبُهُنَّ بِسَوْطِهِ، فَأَخَّرَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بِيَدِهِ فَقَالَ مَهْلًا يَاعُمَرُ ثُمَّ قَالَ إِيَّاكُنَّ وَنَعِيْقَ الشَّيْطَانِ ثُمَّ قَالَ إِنَّهُ مَهْمَا كَانَ مِنَ الْعَيْنِ وَمِنَ الْقَلْبِ فَمِنَ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ وَمِنَ الرَّحْمَةِ وَمَا كَانَ مِنَ الْيَدِوَمِنَ اللِّسَانِ فَمِنَ الشَّيْطٰنِ رَوَاهُ أَحْمَدُ.

حواله: مسند احمد، ۱/۳۳۵۔

ترجمه: حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادی حضرت زینبؓ کا انتقال ہوا تو عورتیں رونے لگیں، حضرت عمرؓ ان خواتین کو کوڑے سے مارنے لگے، حضرت نبی کریم ﷺ نے انکو اپنے دستِ مبارک سے پیچھے ہٹا کر فرمایا کہ عمر! نرمی و آہستگی اختیار کرو، پھر آپ ﷺ نے عورتوں سے فرمایا کہ شیطان کی چیخ پکار سے دور رہو، پھر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو کچھ آنکھ سے ہے، اور جو کچھ دل سے ہے وہ تو اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے، اور باعثِ رحمت ہے، اور جو کچھ ہاتھ سے ہے اور زبان سے ہے وہ شیطانی عمل ہے (مسند احمد)

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ غم اور مصیبت کے نازل ہونے کے وقت آنکھوں سے آنسو نکلنا اور دل کا رنجیدہ ہونا فطری بات ہے، اور یہ وہ عمل ہے جس پر ثواب ملے گا، اس لئے کہ مؤمن کو کوئی بھی تکلیف پہنچتی ہے، تو اس کی وجہ سے اس کے گناہ معاف ہوتے ہیں، اور درجات بلند ہوتے ہیں، البتہ اگر غم کے موقع پر کوئی زبان سے شکوہ، شکایت کرتا ہے یا خلاف شرع بات نکالتا ہے اور نوحہ کرتا ہے، یا اپنے ہاتھ سے چہرے پر تھپڑ مارتا ہے، بال نوچتا ہے، تو یہ زبان اور ہاتھ سے انجام دیئے جانے والے کام، شیطان کے بہکاوے کا نتیجہ ہیں، اور اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا ذریعہ ہیں۔

کلمات حدیث کی تشریح فاخره حضرت عمرؓ نے نوحہ کرنیوالی عورت پر کوڑا چلایا تو آپ ﷺ نے انکو منع کیا، اور انھیں پیچھے ہٹا دیا، معلوم ہوا کہ نوحہ کرنیوالیوں کو نصیحت کی جائیگی، سمجھایا جائیگا، مارا پیٹا نہیں جائیگا "مهلا" کیطرف توجہ دلاتا ہے "فمن الله عزوجل" آنسو نکلنے یا رنجیدہ ہونے پر اللہ تعالیٰ کیطرف سے کوئی مواخذہ نہیں ہوتا ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ اس سے راضی ہوتے ہیں، اور اسپر رحمت نازل فرماتے ہیں اسلئے اسکی نسبت اللہ تعالیٰ کیطرف ہے "فمن الشیطٰن" نوحہ و ماتم شکوہ شکایت اور چہرے کو پیٹنا، کپڑے پھاڑنا وغیرہ شیطان کے بہکانے سے ہوتا ہے، اور شیطان اسپر خوش ہوتا ہے، اسلئے اس عمل کی نسبت شیطان کیطرف ہے۔

حدیث نمبر ۱۶۶۱ ﴿قبر کے پاس خیمه لگانے کاتذکرہ﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۷۴۹

وَعَنِ الْبُخَارِيِّ تَعْلِيْقًا قَالَ لَمَّامَاتَ الْحَسَنُ بْنُ الْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ ضَرَبَتْ امْرَأَتُهُ الْقُبَّةَ عَلٰى قَبْرِهِ سَنَةً ثُمَّ رُفِعَتْ فَسَمِعَتْ صَائِحًا يَقُوْلُ أَلَا هَلْ وَجَدُوْا مَا فَقَدُوْا فَأَجَابَهُ آخَرُ بَلْ يَئِسُوْا فَانْقَلَبُوْا.

حواله: بخاری، ۱/۱۷۷، باب مایکره من اتخاذ المساجد على القبور، كتاب الجنائز.

ترجمه: امام بخاریؒ نے تعلیقاً روایت کیا ہے کہ جب حضرت حسنؒ بن حسنؒ ابن علیؓ کا انتقال ہوا، تو ان کی بیوی نے ان کی قبر پر ایک سال تک خیمہ لگوائے رکھا، اس کے بعد اٹھالیا، اس موقع پر ایک آواز سنی گئی اے لوگو! تم نے جو کچھ کھویا تھا کیا اس کو پالیا؟ تو دوسرے نے اس کو جواب دیا کہ بلکہ وہ ناامید ہوئے اور واپس ہو گئے۔

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ حضرت حسنؒ ابن حسنؒ ابن علیؓ کے انتقال کے موقع پر ان کی اہلیہ نے جو قبہ بنایا تھا، وہ گنبد نہیں تھا، بلکہ خیمہ تھا وہ اسی میں مقیم تھیں، اسی میں وہ ذکر واذکار اور دعائے مغفرت کرتی تھیں " ثم رفعت"

سال بھر کے بعد خیمہ اکھاڑ لیا، جب خیمہ اکھاڑا گیا تو کوئی آواز آئی جس کے کہنے والے کا علم نہ تھا، اس [illegible] کا جواب تھا، کہ مقصد حاصل نہیں ہوا، بلکہ مایوس ہو کر واپس چلے گئے، یعنی کسی جن یا فرشتے کی آواز اور [illegible] کے ذریعہ یہ [illegible] غیر مفید ہے، اس لئے اس عمل سے جانے والا واپس نہیں آسکتا۔

حدیث نمبر ۱۶۶۳ ﴿جاھلیت کے طریقہ غم کی ممانعت﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۷۵۰

وَعَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ وَّ اَبِيْ بَرْزَةَ قَالَا خَرَجْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ جَنَازَةٍ فَرَاٰى قَوْمًا قَدْ طَرَحُوْا اَرْدِيَتَهُمْ يَمْشُوْنَ فِيْ قُمُصٍ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَبِفِعْلِ الْجَاهِلِيَّةِ تَاْخُذُوْنَ اَوْ بِصَنِيْعِ الْجَاهِلِيَّةِ تَشَبَّهُوْنَ لَقَدْ هَمَمْتُ اَنْ اَدْعُوَ عَلَيْكُمْ دَعْوَةً تَرْجِعُوْنَ فِيْ غَيْرِ صُوَرِكُمْ قَالَ فَاَخَذُوْا اَرْدِيَتَهُمْ وَلَمْ يَعُوْدُوْا لِذٰلِكَ رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ .

حوالہ: ابن ماجہ، ص ۱۰۷ باب ماجاء فی النھی عن التسلب مع الجنائز، کتاب الجنائز، حدیث ۱۴۸۵۔

ترجمہ: حضرت عمران بن حصینؓ اور ابو برزہؓ سے روایت ہے کہ دونوں نے نقل کیا کہ ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک جنازہ کے ہمراہ چلے تو آپ ﷺ نے کچھ لوگوں کو دیکھا کہ انھوں نے اپنی چادریں اتار پھینکی تھیں، صرف کرتوں میں چل رہے تھے، اس وقت آپ ﷺ نے فرمایا کہ کیا تم لوگ جاہلیت کی وضع پر چل رہے ہو؟ کیا تم لوگ جاہلیت کے طور طریقوں کو اختیار کر رہے ہو؟ میں نے ارادہ کر لیا تھا کہ تمہارے بارے ایسی بددعا کروں کہ تمہارے صورتیں بدل دی جائیں، راوی کہتے ہیں کہ یہ سن کر ان لوگوں نے اپنی چادریں اوڑھ لیں اور پھر انھوں نے دوبارہ ایسا کام نہیں کیا (ابن ماجہ)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ جاہلیت کی رسموں اور طور طریقوں کو اختیار کرنا بہت بڑا جرم ہے، اس لئے کہ اس میں ایک گونہ اپنے مذہب پر عدم اطمینان کا اظہار ہوتا ہے، زمانہ جاہلیت کی ایک رسم یہ بھی تھی کہ جنازہ کے ساتھ چلتے تو کرتے کے اوپر کی چادریں اتار دیتے تھے، تاکہ غم کا اظہار ہو، آپ ﷺ نے کچھ لوگوں کو ایسا کرتے دیکھا تو سخت خفگی کا اظہار کیا، چنانچہ وہ لوگ فوراً اس جاہلانہ عمل سے باز آ گئے۔

کلمات حدیث کی تشریح قد طرحوا أرديتهم انھوں نے اپنی چادریں اپنے شانوں سے اتار پھینکی تھیں یہیں سے معلوم ہوا کہ اس زمانہ کا عام معمول یہ تھا کہ قمیص کے اوپر چادر ڈالے رہا کرتے تھے، زمانہ جاہلیت کی رسم یہ تھی کہ غم کے اظہار اور عاجزی و درماندگی کی طرف اشارہ کرنے کے لئے جنازہ کے ساتھ چلتے وقت چادریں قمیص سے ہٹا دیتے تھے، زمانہ اسلام میں بھی کچھ لوگوں نے اس عمل کو کیا تو آپ ﷺ سخت غصہ ہوئے، اس سے معلوم ہوا کہ جب اتنی معمولی سی تبدیلی اور جاہلانہ رسم پر حضور ﷺ اتنا سخت برہم ہوئے تو جن غیر اسلامی رسموں میں آج مسلم معاشرہ مبتلا ہے، حضور ﷺ کو اس سے کس قدر خفگی اور غصہ ہوگا۔

حدیث نمبر ۱۶۶۴ ☆☆ عالمی حدیث نمبر ۱۷۵۱

﴿منکرات کے ساتھ جنازہ میں شرکت کی ممانعت﴾

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَنْ تُتْبَعَ جَنَازَةٌ مَعَهَا نَائِحَةٌ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَابْنُ مَاجَةَ .

حوالہ: مسند احمد، ۲/۲۹، ابن ماجة ۱/۱۳ باب النھی عن النیاحة، کتاب الجنائز، حدیث ۱۵۸۳

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس جنازہ کے ساتھ جانے سے منع کیا جس کے ساتھ نوحہ کرنے والی ہو۔ (مسند احمد، ابن ماجہ)

خلاصۂ حدیث جنازہ کی نماز پڑھنا، اور جنازہ کے ساتھ قبرستان تک جانا اور تدفین میں شرکت کرنا ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان پر حق بھی ہے، اور بہت ہی اجروثواب کا باعث بھی ہے، آپ ﷺ کا فرمان ہے کہ "جس شخص نے صرف نماز جنازہ پڑھی اور قبرستان تک نہیں گیا تو اس کا اجر ایک قیراط کے بقدر ہے، اور جو نماز پڑھنے کے بعد جنازہ کے ساتھ قبرستان تک گیا اور دفن تک وہیں رہا تو اس کے لئے دو قیراط کے بقدر ثواب ہے، آپ ﷺ نے مزید فرمایا کہ قیراط کا ثواب احد پہاڑ کے برابر ہے، جنازہ کے ساتھ جانے کے بہت فضائل ہیں، لیکن اگر جنازہ میں خلاف شرع امور انجام دیے جار ہے ہیں، جاہلانہ رسومات پر عمل ہو رہا ہے، تو ایسے جنازہ کے ساتھ جانے سے گریز کرنا چاہئے۔

کلمات حدیث کی تشریح نهى أن تتبع جنازة معهانائحة آپ ﷺ نے اس جنازہ کے پیچھے چلنے سے منع فرمایا جس میں منکر عمل کی شمولیت ہوگئی ہو، ایک موقع پر آپ ﷺ نے یوں فرمایا کہ " لا تتبع الجنازة صوت" جنازہ کے پیچھے آواز ساتھ میں نہ ہونا چاہئے آواز سے مراد عام ہے، خواہ زور سے رونے کی وجہ سے ہو یا بلند آواز سے ذکر واذکار ہے، حدیث باب سے یہ بات سمجھ میں آگئی ہے کہ جو بھی مجلس خلاف شرع امور پر مشتمل ہو اس میں جانے سے گریز کرنا چاہئے۔

حدیث نمبر ۱۶۶۵ ﴿بچے کے انتقال پر والدین کو بشارت﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۷۵۲

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَجُلًا لَهٗ مَاتَ ابْنٌ لِّیْ فَوَجَدْتُّ عَلَیْهِ هَلْ سَمِعْتَ مِنْ خَلِیْلِكَ صَلَوَاتُ اللّٰهِ عَلَیْهِ وَسَلَامُهٗ شَیْئًا یُّطِیْبُ بِاَنْفُسِنَا عَنْ مَوْتَانَاقَالَ نَعَمْ سَمِعْتُهٗ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ صِغَارُهُمْ دَعَامِیْصُ الْجَنَّةِ یَلْقٰی اَحَدُهُمْ اَبَاهُ فَیَاخُذُبِنَاحِیَةِ ثَوْبِهٖ فَلَا یُفَارِقُهٗ حَتّٰی یُدْخِلَهُ الْجَنَّةَ رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَّاَحْمَدُ وَاللَّفْظُ لَهٗ.

حوالہ: مسلم، ۲/۳۳۰، باب فضل من يموت له ولد، كتاب البرّ والصلة، حديث ۲۶۳۵، مسند احمد ۲/۴۸۸۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ مجھ سے ایک شخص نے کہا کہ میرے لڑکے کا انتقال ہوا جس کا مجھے سخت صدمہ ہوا، کیا تم نے اپنے محبوب صلوٰت اللہ علیہ السلام سے کوئی ایسی بات سنی ہے جو ہمارے مرے ہوئے کے بارے میں دلوں کو خوش کردے، حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایاہاں! میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ چھوٹی عمر میں فوت ہونے والا بچہ جنت میں پانی کے چھوٹے جانوروں کی طرح ہوں گے، ان میں سے کوئی بھی اپنے والدین میں سے کسی کو دیکھ کر اس کے دامن کو پکڑے گا اور اس وقت تک نہ چھوڑے گا جب تک اس کو جنت میں داخل نہ کرے گا (مسلم، احمد) الفاظ مسلم کے ہیں۔

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ صغرسنی میں فوت ہونے والے بچے خود بھی جنتی ہیں، وہ جنت کی وسعتوں سے لطف اندوز ہوں گے، ان کو اجازت ہوگی کہ وہ جہاں چاہیں گھومیں پھریں، اور اللہ تبارک وتعالیٰ سے وہ اپنے والدین کے سلسلہ میں جنت میں داخل کئے جانے کی سفارش کریں گے، جسکو باری تعالیٰ قبول فرمائیں گے اور انکے والدین کو جنت عطا کریں گے۔

کلمات حدیث کی تشریح صغارهم دعاميص پانی کا چھوٹا سا جانور، جو پانی میں غوطہ مارتا رہتا ہے، مراد یہ ہے کہ جس طرح دنیا کے اندر بچے ہر گھر میں چلے جاتے ہیں، کوئی ان کو روکتا ٹوکتا نہیں ہے، اور ان سے کوئی پردہ نہیں کرتا ہے اس طرح جنت میں بھی یہ بلا روک ٹوک جہاں چاہیں گے گھومیں گے "اباه" چوں کہ اس وقت باپ ہی کا ذکر تھا کہ اس لئے آپ ﷺ نے باپ کے تعلق سے خوش خبری دی، ورنہ حقیقت یہ ہے کہ یہ بشارت ماں باپ دونوں کے حق میں ہے۔

حدیث نمبر ۱۶۶۶ ﴿بچوں کی وفات پر عورتوں کے لئے بشارت﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۷۵۳

وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ قَالَ جَآءَتِ امْرَاَةٌ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ ذَهَبَ الرِّجَالُ بِحَدِیْثِكَ فَاجْعَلْ لَّنَامِنْ نَّفْسِكَ یَوْمًانَّاتِیْكَ فِیْهِ تُعَلِّمُنَا مِمَّا عَلَّمَكَ اللّٰهُ فَقَالَ اجْتَمِعْنَ فِیْ یَوْمِ كَذَا

وَکَذَا فِیْ مَکَانِ کَذَا وَکَذَا فَاجْتَمَعْنَ فَاَتَاهُنَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَعَلَّمَهُنَّ مِمَّا عَلَّمَهُ اللّٰهُ ثُمَّ قَالَ مَا مِنْکُنَّ امْرَاَۃٌ تُقَدِّمُ بَیْنَ یَدَیْهَا مِنْ وَّلَدِهَا ثَلٰثَةً اِلَّا کَانَ لَهَا حِجَابًا مِّنَ النَّارِ فَقَالَتِ امْرَاَۃٌ مِنْهُنَّ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ اَوِ اثْنَیْنِ فَاَعَادَتْهَا مَرَّتَیْنِ ثُمَّ قَالَ وَاثْنَیْنِ وَاثْنَیْنِ وَاثْنَیْنِ رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ۔

حوالہ: بخاری ۱/۲۰-۲۱ باب هل یجعل للنساء یوم علی حدة فی العلم، کتاب العلم، حدیث ۱۰۱۔

ترجمہ: حضرت ابوسعیدؓ سے روایت ہے کہ ایک خاتون رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا کہ مرد آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر فائدہ اٹھاتے ہیں، اور آپ ﷺ کے فرمان سنتے ہیں، آپ ﷺ ہمارے لئے ایک دن مقرر فرما دیجئے تا کہ اس دن ہم حاضر ہوں اور آپ ﷺ ہمیں بھی وہ احکام سکھا دیں جو اللہ نے آپ ﷺ کو سکھائے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا کہ فلاں دن فلاں جگہ پر جمع ہو جانا حسب ارشاد خواتین وہاں جمع ہو گئیں، تو آپ ﷺ وہاں تشریف لائے، اور آپ ﷺ نے وہ احکام ان کو سکھائے جو اللہ نے آپ ﷺ کو سکھائے تھے، پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم میں کوئی خاتون ایسی نہیں ہے جس نے اپنے تین بچوں کو اپنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کے یہاں بھیجا ہو، تو یہ بچے اس کے لئے آگ سے پردہ بن جائیں گے، ایک عورت نے کہا کہ اگر کسی کے دو بچے فوت ہوئے ہوں اس نے دوبارا ادا کیا تو آپ نے فرمایا کہ ہاں دو، اور دو، اور دو۔ (بخاری)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ آپ ﷺ نے عورتوں کے لئے مستقل وقت عطا فرمایا، اور دین کی بہت سی باتوں کا علم عطا کیا، معلوم ہوا کہ امام کی ذمہ داری ہے کہ عورتوں کی مستقل تعلیم کا انتظام کرے، آپ ﷺ عورتوں کو مردوں کی مجلس میں نہیں بلایا، بلکہ الگ سے تعلیم دی، تا کہ مردوں اور عورتوں کا اختلاط نہ ہو، آپ ﷺ نے جن باتوں کی تعلیم دی ان میں سے ایک یہ بھی تھی کہ جس عورت کے تین بچے صغر سنی میں فوت ہو گئے، اس کے لئے جنت کی بشارت ہے، ایک عورت کے پوچھنے پر آپ ﷺ نے یہ بات مزید بتائی اگر دو بچے فوت ہو گئے تب بھی عورت کے لئے جنت کی خوش خبری ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح مامنکن امرأة تقدم ثلاثة جس وقت انسان پر مصیبت نازل ہوتی ہے، وہ وقت سخت آزمائش کا ہوتا ہے، ایسے وقت میں انسان شکوہ شکایت میں لگ کر اللہ تعالیٰ کی ناراضگی مول لے لیتا ہے، اس وجہ سے آپ ﷺ نے مصیبت کے وقت پر صبر کرنے کی بہت تاکید بھی کی ہے، اور ثواب بھی بہت بتایا ہے، اور چوں کہ جس ماں کا بچہ فوت ہو گیا ہو، اس کا غم بہت نا قابل برداشت ہوتا ہے، اس لئے آپ ﷺ نے اس ماں کو بچہ کی موت پر صبر کرنے کے عوض جنت کی بشارت دی ہے "حجابا من النار" حجاب نار کا مطلب یہ ہے کہ بچہ اللہ تعالیٰ سے ضد کرے گا کہ ماں کو جنت میں لے کر جاؤں گا، لہٰذا اللہ تعالیٰ اس کی ضد پوری کر کے اس کی ماں کو جنت میں داخل کریں گے، اگر کسی کا جوان بچہ فوت ہوا ہے، اور ماں نے اس پر صبر کیا ہے، تو صبر کا ثواب ضرور ملے گا، لیکن یہ بچہ ماں کیلئے جنت کی سفارش نہ کر سکے گا، اس لئے کہ اس کو تو خود حساب دینا ہوگا، یہی وجہ ہے کہ ابو ہریرہؓ کی بخاری میں ہی روایت ہے جس میں یہ قید مذکور ہے "لم یبلغوا الحنث" یعنی وفات پانے والے بچے نابالغ ہوں، بسا اوقات بڑے بچے کی وفات کا حادثہ زیادہ سخت ہوتا ہے، لیکن اس کو خود حساب دینا ہوگا، لہٰذا وہ حجاب نار نہ بن سکے گا "اثنتین" اصل بات صبر کرنا ہے، یعنی صبر کے عوض جنت میں، بچوں کے ذریعہ دخول نصیب ہوگا، دو تین کی تعداد کا درحقیقت اعتبار نہیں ہے، اصل مدار صبر پر ہے۔

حدیث نمبر ۱۶۶۷ ﴿بچہ کے انتقال پر صبر کرنے کا اجر﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۷۵۴

وَعَنْ مُعَاذِبْنِ جَبَلٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَامِنْ مُّسْلِمَیْنِ یُتَوَفّٰی لَهُمَا ثَلٰثَةٌ اِلَّا اَدْخَلَهُمَا اللّٰهُ الْجَنَّةَ بِفَضْلِ رَحْمَتِهٖ اِیَّاهُمَا فَقَالُوْا یَارَسُوْلَ اللّٰهِ اَوِاثْنَانِ قَالَ اَوِاثْنَانِ قَالُوْا اَوْوَاحِدٌ قَالَ اَوْوَاحِدٌ ثُمَّ قَالَ وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِهٖ اِنَّ السِّقْطَ لَیَجُرُّ اُمَّهٗ بِسَرَرِهٖ اِلَی الْجَنَّةِ اِذَا احْتَسَبَتْهُ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَرَوَی ابْنُ مَاجَةَ مِنْ

قَوْلِهٖ وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ.

حوالہ: مسند احمد، ۵/۲۴۱، ابن ماجہ، ص۱۱۵ باب ماجاء اصیب بسقط، کتاب الجنائز، حدیث۱۶۰۹۔

ترجمہ: حضرت معاذ بن جبلؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کوئی مسلمان ایسا نہیں جس کے تین بچے فوت ہو جائیں مگر اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے ان دونوں کو جنت میں داخل فرمائیں گے صحابہ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! اگر دو بچے فوت ہوئے ہوں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ دو بھی، صحابہؓ نے عرض کیا اگر ایک بچہ فوت ہوا ہو؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں ایک بھی، اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے، کچا ضائع ہو جانے والا حمل ماں کو اپنی ناف کے ساتھ جنت میں کھینچے گا جبکہ ماں نے اس پر صبر کیا ہو، اور ثواب کی امیدوار ہو (احمد) اور ابن ماجہ نے "والذی الخ" سے روایت کیا ہے۔

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ حالت حمل میں بچہ ماں سے ناف کے ذریعہ جوڑا رہتا ہے، اگر حالت حمل میں ہی بچہ ضائع ہو گیا، اور ماں نے اس پر صبر کیا تو یہ بچہ بھی ماں کو جنت میں لے جانے کا ذریعہ بنے گا۔

کلمات حدیث کی تشریح أن السقط لیجر أمه اس میں اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ ناتمام بچہ جس کی زیادہ محبت دل کی گہرائیوں میں اتری ہوئی نہیں ہے، اس بچہ کی موت پر جب اللہ تعالیٰ یہ اجر دے رہے ہیں تو جو بچہ انتہائی محبوب ہو اس کی وفات پر اللہ تعالیٰ کس قدر نوازیں گے، خود انسان تصور کرلے" إذا احتسبته" حاصل یہ ہے کہ بچے کی وفات پر عنایت خداوندی جب ہی متوجہ ہوتی ہیں جب حادثہ پر صبر کیا جائے اور اللہ تعالیٰ سے ثواب کی امید قائم کی جائے۔

حدیث نمبر۱٦٦٨ ﴿بچہ کی وفات جہنم سے بچاؤ کا ذریعہ ہے﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۷۵۵

وَعَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ قَدَّمَ ثَلٰثَۃً مِنَ الْوَلَدِ لَمْ یَبْلُغُوا الْحِنْثَ کَانُوْا لَہٗ حِصْنًا حَصِیْنًا مِّنَ النَّارِ فَقَالَ اَبُوْ ذَرٍّ قَدَّمْتُ اثْنَیْنِ قَالَ وَاثْنَیْنِ قَالَ اُبَیُّ بْنُ کَعْبٍ اَبُوالْمُنْذِرِ سَیِّدُ الْقُرَّآءِ قَدَّمْتُ وَاحِدًا قَالَ وَوَاحِدًا رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَابْنُ مَاجَۃَ وَقَالَ التِّرْمِذِیُّ ھٰذَا حَدِیْثٌ غَرِیْبٌ.

حوالہ: ترمذی ۱/۲۰۴، باب ماجاء فی ثواب من قدم ولدًا، کتاب الجنائز، حدیث۱۰۶۱، ابن ماجہ، ص۱۱۵ باب ماجاء فی ثواب من اصیب بولدہ، کتاب الجنائز، حدیث۱۶۰۶۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے اپنی اولاد میں سے تین کو جو کہ حد بلوغ کو نہیں پہنچے تھے آگے بھیجے ہوں، تو وہ اس کے لیے دوزخ کی آگ سے بچاؤ کا مضبوط مستحکم قلعہ ثابت ہوں گے، اس موقع پر حضرت ابوذرؓ نے عرض کیا کہ کسی نے دو بچے، بھیجے ہوں، آپ نے فرمایا کہ دو بھی کافی ہیں، حضرت ابی بن کعبؓ جن کی کنیت ابوالمنذر رہے، اور جو کہ سید القراء کے نام سے مشہور ہیں، انھوں نے عرض کیا کہ میں نے تو ایک کو آگے بھیجا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا ایک بھی کافی ہے (ترمذی، ابن ماجہ) ترمذی نے کہا کہ یہ حدیث غریب ہے۔

خلاصۂ حدیث یہ بات پہلے گذری بھی ہے کہ اصل بات حادثہ پیش آنے پر صبر کرنا ہے، اور صبر ہی ہے جس کو آپ ﷺ نے یوں فرمایا کہ "عند الصدمة الاولی" یعنی جب قلب سے مصیبت کا ٹکراؤ ہو تب صبر کرے، صبر کا نتیجہ جہنم سے حفاظت ہے خواہ بچے تین بھیجے ہوں یا ایک بھیجا ہو۔

کلمات حدیث کی تشریح من قدم ثلاثة ماں باپ بچہ کے پیدا ہونے کا سبب ہیں، وہ انکی موت کا سبب نہیں ہوتے ہیں، لہٰذا یہاں بچوں کو آگے بھیجنے کا مطلب یہ ہے کہ انکی موت بچوں کی موت کے بعد ہوئی، اور انھوں نے بچوں کی وفات پر صبر کیا اور اللہ تعالیٰ سے ثواب کی امید رکھی "لم یبلغوا الحنث" جوان اولاد کی موت پر صبر کرنے کا بھی ثواب ہے، لیکن یہ خصوصی

بشارت نابالغ اولاد کے مرنے پر ہے بچے چونکہ معصوم ہیں لہٰذا وہ جنت میں جائیں گے ہی، اب وہ اللہ تعالیٰ سے التجا کریں گے ہمیں باپ کے ساتھ لاحق کیجئے، تو اللہ تعالیٰ ان کے والدین کو بھی جنت میں داخل فرمائیں گے، لہٰذا والدین بھی جہنم کی آگ سے محفوظ رہیں گے۔

حدیث نمبر ۱۶۶۹ ☆☆ عالمی حدیث نمبر ۱۷۵۶

﴿وفات پانے والی اولاد والدین کا جنت میں انتظار کرتی ہے﴾

وَعَنْ قُرَّةَ الْمُزَنِيِّ اَنَّ رَجُلًا كَانَ يَاتِي النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَعَهُ ابْنٌ لَهُ ، فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : اَتُحِبُّهُ ؟ فَقَالَ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اَحَبَّكَ اللّٰهُ كَمَا اُحِبُّهُ فَفَقَدَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَا فُعِلَ ابْنُ فُلَانٍ قَالُوْا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ مَاتَ ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :اَمَاتُحِبُّ اَنْ لَّا تَاتِيَ بَابًا مِنْ اَبْوَابِ الْجَنَّةِ اِلَّا وَجَدْتَهُ يَنْتَظِرُكَ فَقَالَ رَجُلٌ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ لَهُ خَاصَّةً اَمْ لِكُلِّنَا قَالَ بَلْ لِكُلِّكُمْ رَوَاهُ اَحْمَدُ.

حوالہ: مسند احمد، ۳۵/۵۔

ترجمہ: حضرت قرہ مزنی سے روایت ہے کہ ایک صاحب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آتے تھے تو ان کا بیٹا بھی ساتھ میں ہوتا تھا، آپ ﷺ نے ان سے دریافت کیا، کیا تم اس سے محبت کرتے ہو، اس نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو بھی اسی طرح محبوب رکھے جس طرح میں اس بچے سے محبت کرتا ہوں، پھر آپ ﷺ نے کچھ عرصہ تک اس بچہ کو نہیں دیکھا، تو آپ ﷺ نے دریافت کیا کہ فلاں کے بیٹے کو کیا ہوا؟ تو صحابہ نے بتایا کہ اس کا تو انتقال ہو گیا ہے، پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ کیا تم اس کو پسند کرتے ہو کہ جنت کے دروازوں میں سے کسی بھی دروازہ پر پہنچو اور وہاں اپنے بیٹے کو منتظر پاؤ، اس وقت ایک صحابی نے عرض کیا یارسول اللہ! یہ اس شخص کے لئے خصوصی بشارت ہے یا ہم سب کے لئے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم سب کے لئے ہے (احمد)

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ جو بچے صغرسنی میں اس دنیا سے رخصت ہو جاتے ہیں، ان کا جنت میں جانا طے ہے، اور وہ جنت میں پہنچ کر ماں باپ کا انتظار کریں گے، تو گویا کہ وہ ماں باپ کے لئے پیش خیمہ ہیں۔

کلمات حدیث کی تشریح احبك الله ظاہر بات ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اپنے نبی سے محبت ہے، جو محبت کسی باپ کو اپنی اولاد سے ہوتی ہے اس سے ہزار ہا ہزار درجہ بڑھی ہے، لیکن اس شخص کے دعا دینے کا مقصد تو اپنے بیٹے سے بہت زیادہ محبت کا اظہار کرنے کے لئے تھا، یہ بتانا نہیں تھا کہ اللہ تعالیٰ آپ ﷺ سے خدانخواستہ کم محبت رکھتا ہے "ينتظرك" مطلب یہ ہے کہ وہ والدین کی شفاعت کرے گا، اور ان کو اپنے ساتھ جنت میں داخل کرائے گا۔

حدیث نمبر ۱۶۷۰ ﴿ناتمام بچہ کی والدین کے لئے شفارش﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۷۵۷

وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ السِّقْطَ لَيُرَاغِمُ رَبَّهُ اِذَا اَدْخَلَ اَبَوَيْهِ النَّارَ فَيُقَالُ اَيُّهَا السِّقْطُ الْمُرَاغِمُ رَبَّهُ اَدْخِلْ اَبَوَيْكَ الْجَنَّةَ فَيَجُرُّهُمَا بِسَرَرِهٖ حَتّٰى يُدْخِلَهُمَا الْجَنَّةَ رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ .

حوالہ: ابن ماجہ، ص ۱۱۵ باب ماجاء فی من أصیب بسقط کتاب الجنائز، حدیث ۱۶۰۸۔

ترجمہ: حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ وہ نقل کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ناتمام بچہ اپنے والدین کے دوزخ میں داخل ہونے کے وقت اپنے پروردگار سے جھگڑا کرے گا، اس وقت کہا جائے گا کہ اے اپنے رب کریم سے جھگڑنے والے ناتمام بچے اپنے والدین کو جنت میں داخل کر دے تو وہ اپنی ناف کے ذریعہ سے کھینچ کر ان کو جنت میں داخل کرے گا (ابن ماجہ)

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ جو بچہ حالت حمل میں ضائع ہو جاتا ہے، وہ بچہ بھی ماں باپ کے لئے جہنم سے چھٹکارا اور دخول جنت کا ذریعہ بنے گا، یہ اللہ تعالیٰ کے اپنے بندوں پر بے حد مہربان ہونے کی بہت بڑی دلیل ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح اذا ادخل ابویہ النار. حب والدین کو جہنم میں داخل کرنے کا ارادہ ہوگا تو بچہ اپنے رب سے جھگڑا کرے گا یعنی بہت زیادہ فریاد اور اصرار کر کے جہنم سے چھٹکارا دلائے گا، بچہ اس موقع پر کہے گا، کہ میں اپنے والدین کے ساتھ رہوں گا، اگر ان کو جہنم میں داخل کر رہے ہیں تو مجھ کو بھی وہیں بھیج دیں، اور یہ بات شان کریمی کے خلاف ہے کہ جس کے لئے جنت کا فیصلہ ہو چکا ہو، اور جو کہ گناہوں سے معصوم ہو اس کو جہنم میں داخل کر دیں، لہٰذا بچہ کی اس حجت پر اللہ تعالیٰ شفقت فرماتے ہوئے اس کے والدین کو بھی جنت میں داخل کر دیں گے۔

حدیث نمبر ۱۶۷۱ ﴿مصیبت پڑنے پر صبر کرنے کا ثواب﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۷۵۸

وَعَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ یَقُوْلُ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰی یَاابْنَ اٰدَمَ اِنْ صَبَرْتَ وَاحْتَسَبْتَ عِنْدَ الصَّدْمَةِ الْاُوْلٰی لَمْ اَرْضَ لَكَ ثَوَابًا دُوْنَ الْجَنَّةِ رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ.

حوالہ: ابن ماجہ، ص ۱۱۴، باب فی الصبر علی المصیبۃ، کتاب الجنائز، حدیث ۱۶۰۸۔

ترجمہ: حضرت ابوامامہؓ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے آدم کے بیٹے! اگر تو صبر کرے اور صدمہ کے اول وہلہ میں ہی اللہ سے اجر طلب کرے، تو میں تیرے لئے جنت سے کم ثواب کو پسند نہیں کرتا ہوں (ابن ماجہ)

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ جو شخص مصیبت کے نزول کے وقت جبکہ صبر کرنا دشوار ہوتا ہے، صبر کرے اللہ تعالیٰ سے اجر و ثواب کا امیدوار ہو تو اللہ تعالیٰ اس کو جنت عطا فرمائیں گے۔

کلمات حدیث کی تشریح یقول اللّٰہ یہ حدیث قدسی ہے "ان صبرت" یعنی اگر مصیبت پر صبر کرے "واحتسبت" اللہ تعالیٰ سے ثواب کا امیدوار ہو، مصیبت کے نزول کے وقت صبر کی اہمیت اس لئے کہ یہ وہ وقت ہوتا ہے جبکہ انسان شدت غم میں بہک سکتا ہے اور پھر شیطان اس کو زبان سے اور اس کے ہاتھ سے ایسے اعمال صادر کرا سکتا ہے، جو اللہ کو ناراضگی کا ذریعہ بنتے ہیں، لہٰذا اس موقع پر صبر کرنے کی تلقین بھی زیادہ ہے، اور ثواب بھی زیادہ ہے، اور اسی وقت صبر کرنے کا نام اللہ کے فیصلوں پر راضی ہونا کہلائے گا، ورنہ چیخنے چلانے اور شکوہ شکایت کر لینے اور کچھ وقت گذر جانے کے بعد تو انسان تھک ہار کر صبر کرنے پر مجبور ہوتا ہے، اس کا نام اللہ کے لئے صبر کرنا نہیں ہے۔

حدیث نمبر ۱۶۷۲ ﴿مصیبت پر انا للہ الخ پڑھنے کا ثواب﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۷۵۹

وَعَنِ الْحُسَیْنِ بْنِ عَلِیٍّ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا مِنْ مُسْلِمٍ وَّلَا مُسْلِمَةٍ یُصَابُ بِمُصِیْبَةٍ فَیَذْکُرُهَا وَاِنْ طَالَ عَهْدُهَا فَیُحْدِثُ لِذٰلِكَ اسْتِرْجَاعًا اِلَّا جَدَّدَ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰی لَهٗ عِنْدَ ذٰلِكَ فَاَعْطَاهُ مِثْلَ اَجْرِهَا یَوْمَ اُصِیْبَ بِهَا رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالْبَیْهَقِیُّ فِیْ شُعَبِ الْاِیْمَانِ.

حوالہ: مسند احمد، ۱/۲۰۱، بیھقی فی شعب الایمان ۱۱۷-۱۱۸ ج/۷، باب فی الصبر علی المصائب، حدیث ۹۶۹۵۔

ترجمہ: حضرت حسین بن علیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کوئی مسلمان مرد اور کوئی مسلمان عورت ایسی نہیں ہے، جس پر کوئی مصیبت آئے، اور وہ اس مصیبت کو یاد کر کے خواہ اس کو کتنا ہی طویل عرصہ گذر چکا ہو "اِنَّالِلّٰهِ وَاِنَّااِلَیْهِ رَاجِعُوْن" پڑھے تو اللہ تبارک وتعالیٰ اس وقت اتنا ہی ثواب از سر نو عطا کرتا ہے، جتنا کہ مصیبت کے وقت اس کے پڑھنے پر اجر ملتا ہے۔

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ مصیبت کے نزول کے وقت اللہ کے فیصلے پر دل سے راضی رہنے اور زبان سے اس کے اظہار کے لئے "اِنَّالِلّٰهِ وَاِنَّااِلَیْهِ رَاجِعُوْن" پڑھنے میں بہت زیادہ ثواب ہے، اگر کوئی شخص نزول مصیبت کے وقت یہ دعائیہ کلمہ نہیں پڑھ سکا، یا اس وقت پڑھا اور پھر کافی مدت کے بعد پڑھا، تو ایسا نہیں ہے کہ مدت گذرنے سے ثواب میں کمی،

آجاتی ہو، بلکہ جتنے عرصہ بعد بھی پڑھا جائے گا ثواب میں کسی قسم کی کمی آنے والی نہیں ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح یوم اصیب بھا جس وقت مصیبت نازل ہوتی ہے، اس وقت صبر کرنے کا ثواب بہت ہے، اور اس وقت دعا مانگنے اور اجر وثواب طلب کرنے کی اللہ تعالیٰ کے یہاں بڑی قدر ہے، لیکن کلمہ استرجاع یعنی "اِنَّالِلّٰہِ وَاِنَّااِلَیْہِ رَاجِعُوْن" وہ صدابہار کلمہ ہے کہ اگر اس کو مصیبت کے نزول کے بہت بعد میں پڑھا جائے تو بھی اس کا ثواب اتنا ہی ہے جتنا کہ نزول مصیبت کے وقت اس کے پڑھنے میں ہے۔

حدیث نمبر ۱۶۷۳ ﴿مصیبت پیش آنے پر انا للہ پڑھنے کا حکم﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۷۶۰

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَاانْقَطَعَ شِسْعُ اَحَدِ کُمْ فَلْیَسْتَرْجِعْ فَاِنَّهٗ مِنَ الْمَصَائِبِ رَوَاهُ الْبَیْهَقِیْ فِیْ شُعَبِ الْاِیْمَانِ.

حوالہ: بیهقی فی شعب الایمان، ۷/۱۱۷ باب فی الصبر علی المصائب، حدیث ۹۶۹۳۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب تم میں سے کسی کے جوتے کا تسمہ بھی ٹوٹ جائے تو اس کو چاہئے کہ "اِنَّالِلّٰہ" پڑھے! کیوں کہ یہ بھی مصیبتوں میں سے ہے۔

خلاصۂ حدیث مصیبت کے نزول کیوقت جب "اِنَّالِلّٰہِ وَاِنَّااِلَیْہِ رَاجِعُوْن" پڑھا جاتا ہے تو گویا کہ صدق دل سے اسکا اعتراف ہوتا ہے کہ ہم اور ہمارے سب کچھ اللہ تعالیٰ ہی کی مِلک میں ہے، اور مالک حقیقی کو اپنی مِلک میں ہر طرح کے تصرف کرنیکا اختیار ہے، اور ہم سب کو چوں کہ اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے، لہٰذا یہاں کا نقصان اللہ وہاں پورا کرے گا، آپ ﷺ نے۔ طرح کی مصیبت کے موقع پر اس کے پڑھنے کی تلقین فرمائی ہے، لہٰذا چھوٹی سے چھوٹی مصیبت پر بھی اس دعا کا اہتمام کرنا چاہئے۔

کلمات حدیث کی تشریح إذا انقطع شسع جوتے کا تسمہ ٹوٹ جائے تو بھی "اِنَّا لِلّٰہ" پڑھنے کی تاکید فرمائی کہ آپ ﷺ نے اس بات کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ چاہے مصیبت جتنی بھی چھوٹی ہو، بہر حال وہ مصیبت ہے، لہٰذا دعاء کا اہتمام کیا جائے، چنانچہ آپ ﷺ نے خود چراغ بجھ جانے پر مذکورہ آیت پڑھی ہے۔ (مرقات ص ۱۱۱ ج ۴) اس دعاء کے پڑھنے پر ثواب بھی بہت ہے، اور اس سے رنج وغم دور ہو جاتا ہے اور دل کو بہت تسلی ہوتی ہے۔

حدیث نمبر ۱۶۷۴ ﴿صبر وشکر امت کا امتیاز ہے﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۷۶۱

وَعَنْ اُمِّ الدَّرْدَاءِ قَالَتْ سَمِعْتُ اَبَاالدَّرْدَاءِ یَقُوْلُ سَمِعْتُ اَبَا الْقَاسِمِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اِنَّ اللّٰهَ تَبَارَكَ وَتَعَالٰی یٰعِیْسٰی اِنِّیْ بَاعِثٌ مِّنْ بَعْدِكَ اُمَّةً اِذَا اَصَابَهُمْ مَا یُحِبُّوْنَ حَمِدُوا اللّٰهَ، وَاِنْ اَصَابَهُمْ مَایَکْرَهُوْنَ احْتَسَبُوْا وَصَبَرُوْا وَلَا حِلْمَ وَلَا عَقْلَ ، فَقَالَ یَارَبِّ کَیْفَ یَکُوْنُ هٰذَا لَهُمْ وَلَا حِلْمَ وَلَا عَقْلَ قَالَ اُعْطِیْهِمْ مِنْ حِلْمِیْ وَعِلْمِیْ رَوَاهُمَا الْبَیْهَقِیُّ فِیْ شُعَبِ الْاِیْمَانِ.

حوالہ: بیهقی فی شعب الایمان، ۷/۱۹۰، باب فی الصبر علی المصائب.

ترجمہ: حضرت ام درداءؓ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت ابو درداءؓ سے سنا وہ فرماتے تھے کہ میں نے ابو القاسم محمد مصطفیٰ ﷺ سے سنا کہ سرکار نے ارشاد فرمایا، اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا کہ اے عیسیٰ! میں تمہارے بعد ایک امت کو پیدا کرنے والا ہوں کہ جب ان کو کوئی ایسی چیز حاصل ہوگی جن کو وہ پسند کرتے ہوں گے، تو وہ اللہ کا شکر ادا کریں گے، اور جب کوئی ایسی چیز اُن تک پہنچے گی جو اُن کو پسند نہ ہوگی تو وہ ثواب کے طالب ہوں گے، اور صبر کریں گے، اور وہ یہ کام اس وقت کریں گے جب کہ نہ بردباری رہتی ہے اور نہ عقل رہتی ہے: حضرت عیسیٰؑ نے عرض کیا اے اللہ! یہ کیسے ہوگا جب کہ ان کے پاس حلم وعقل نہ ہوگا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا کہ اپنے حلم اور علم میں

سے اُن کو عطا کروں گا۔ (بیہقی فی شعب الایمان)

خلاصۂ حدیث اس حدیث میں امت محمدیہ کے اُن نیک لوگوں کا تذکرہ ہے، جو عیش وعشرت اور رنج وغم ہر موقع پر اللہ تبارک وتعالی کی منشا اور اسکی مرضی کے مطابق چلتے ہیں، دراصل بات یہ ہے کہ انسان کی زندگی میں دو مواقع بڑے نازک ہوتے ہیں (۱) شدت سرور، (۲) شدت غم، جب ان پر خوشی اور مسرت کا غلبہ ہوتا ہے تو وہ پھولا نہیں سماتا، چنانچہ ایسے موقع پر وہ شریعت کو فراموش کر جاتا ہے، اور فرامین خدوندی سے بے نیاز ہو جاتا ہے، ایسے ہی غمزدہ انسان شدت غم کیوجہ سے اپنی عقل کو فراموش کر جاتا ہے، چنانچہ شکوہ، شکایت اسکا وطیرہ بن جاتا ہے، اور احکام شرعیہ سے لاپرواہی برتنے لگتا ہے، جو لوگ ان مواقع پر بھی اعتدال کا دامن تھام کر مرضی رب پر چلتے ہیں وہ بہت باتوفیق ہوتے ہیں، امت محمدیہ میں پہلے دور میں ایسے لوگ بڑی تعداد میں رہے، اور حدیث میں انہی صفات کے حامل افراد کا تذکرہ ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح کیف یکون ھذا مطلب یہ ہے کہ صبر وشکر تو اسی وقت ممکن ہے، جب انسان تحمل سے کام لے، اور عقل کا استعمال کرے، خوشی اور غم میں ڈوبے افراد کے پاس سے عقل وحلم رخصت ہو جاتا ہے، پھر ان اوصاف کے نہ ہونے پر یہ لوگ کیسے صبر وشکر ادا کریں گے؟ اس کے جواب میں اللہ تعالی نے فرمایا کہ اگرچہ ان کی بردباری اور سمجھداری رخصت ہو جائے گی، لیکن میں اپنے حلم وعلم کے فیضان سے ان کو مالا مال کروں گا چنانچہ اس نور ہدایت کے ذریعہ سے وہ صبر وشکر ادا کریں گے۔ اس باب کے تحت صاحبِ مشکوٰۃ نے دس احادیث جمع فرمائی ہیں۔

ان احادیث میں نہ صرف آپ ﷺ نے قبروں کی زیارت اجازت دی ہے، بلکہ قبرستان جانے پر ابھارا ہے، نیز قبرستان میں داخل ہوتے وقت پڑھی جانے والی دعاء کا بھی ذکر ہے، اس کے علاوہ بھی بعض مضامین احادیث باب میں مذکور ہیں۔

زیارت قبور کا مقصد زیارت قبور کے دو مقاصد ہیں (۱) قبرستان جائیں گے تو اپنی موت کی یاد تازہ ہوگی، فکر آخرت طاری ہوگی، اور دنیا سے بے رغبتی کا جذبہ پیدا ہوگا، یہ وہ مقصد ہے جو قبرستان جانے کے فوائد پر مشتمل ہے۔ (۲) مردوں کو سلام کر کے اُن کے حق میں دعائے مغفرت کی جاتی ہے، یہ وہ مقصد ہے جس سے اصلامیت کا نفع وابستہ ہے۔

زیارت قبور کی اجازت کی حکمت زیارت قبور سے عظیم منافع وابستہ ہیں، لیکن چونکہ شروع میں توحید پورے طور پر دلوں میں راسخ نہیں تھی، اور اس بات کا اندیشہ تھا کہ قبرسان جانے سے قبر پرستی شروع جائیگی، لہذا آپ ﷺ نے قبرستان جانے سے منع فرمادیا تھا، لیکن جب عقیدۂ توحید میں رسوخ پیدا ہو گیا اور کفر وشرک کی نفرت پورے دل میں بیٹھ گئی تو آپ ﷺ نے زیارت قبور کی اجازت عطا فرمادی، مزید تفصیلات کیلئے ائندہ اوران کے ضمن میں بیان کی گئی تفصیلات ملاحظہ فرمائیں۔

حدیث نمبر ۱۶۷۵ ﴿زیارت قبور کی اجازت﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۷۶۲

عَنْ بُرَيْدَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَيْتُكُمْ عَنْ زِيَارَةِ الْقُبُوْرِ فَزُوْرُوْهَا وَنَهَيْتُكُمْ عَنْ لُحُوْمِ الْاَضَاحِيِّ فَوْقَ ثَلٰثٍ فَاَمْسِكُوْا مَابَدَالَكُمْ وَنَهَيْتُكُمْ عَنِ النَّبِيْذِ اِلَّا فِيْ سِقَآءٍ فَاشْرَبُوْا فِي الْاَسْقِيَةِ كُلِّهَا وَلَا تَشْرَبُوْا مُسْكِرًا رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

حواله: مسلم، ۱/۳۱۴، باب استئذان النبی ﷺ ربه عزو جل فی زیارت قبر أمه، کتاب الجنائز، حدیث ۹۷۷۔

ترجمه: حضرت بریدہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے تم کو قبروں کی زیارت کرنے سے منع کیا تھا، اب تم قبروں کی زیارت کیا کرو، اور میں نے قربانی کا گوشت تین دن سے زیادہ رکھنے سے تم کو منع کیا تھا، اب تم جب تک چاہو اس کو روکے رکھو، اور میں نے تمہیں مشکیزہ کے علاوہ کسی چیز میں نبیذ پینے سے منع کیا تھا، اب تم سب برتنوں میں پی سکتے ہو، بشرطیکہ وہ نشہ آور نہ ہو۔

خلاصۂ حدیث اس حدیث میں آپ ﷺ نے تین اُن اہم امور کی اجازت عطا فرمائی ہے، جن کی پہلے بعض مصالح کی بنا پر حرمت تھی، (۱) آپ ﷺ نے عقیدۂ توحید کے نقوش کو پورے طور پر دلوں میں ثبت کرنے کی خاطر قبروں کی زیارت سے بھی منع کر رکھا تھا، پھر جب یہ عقیدہ دلوں میں پورے طور پر نقش ہوگیا، تو آپ ﷺ نے زیارت قبور کی اجازت عطا کردی، (۲) شروع میں فقر وافلاس زیادہ تھا، لہٰذا غرباء کی رعایت کے پیش نظر آپ ﷺ نے قربانی کے گوشت کو تین دن سے زیادہ بچا کر رکھنے سے منع کیا، تاکہ اغنیاء فقراء پر تقسیم کردیں پھر لوگوں پر فراخی ہوگئی اور اس کی احتیاج نہیں رہی، تو آپ ﷺ نے اس ممانعت کو بھی ختم کردیا (۳) نبیذ جو کہ درحقیقت شربت ہے اور نشہ آور ہو جائے تو شراب ہے، اس کو آپ ﷺ نے شروع میں صرف مشکیزہ میں پینے کا حکم دیا تھا، کیوں کہ مشکیزہ میں جلدی نشہ پیدا نہیں ہوتا ہے، ممانعت کا مقصد یہ تھا کہ شراب کی حرمت جلد ہی نازل ہوئی ہے، لوگ کہیں نبیذ کے سہارے نشہ میں مبتلا نہ ہو جائیں پھر جب شراب کی حرمت دلوں میں راسخ ہوگئی اور اس سے بالکلیہ اجتناب کی عادت بن گئی تو آپ ﷺ نے تمام برتنوں میں نبیذ کے استعمال کی اجازت عطا کردی۔

کلمات حدیث کی تشریح نهيتكم عن زيارة القبور فزوروها آپ ﷺ فرمارہے ہیں کہ میں نے تم لوگوں کو قبرستان جانے سے منع کیا تھا، اب میں کہتا ہوں کہ وہاں جایا کرو، ابو داؤد شریف کی روایت میں زیارت قبور کے نفع کا بھی ذکر ہے کہ "فإن زيارتها تذكر الآخرة" زیارت قبور سے موت کی اور آخرت کی یاد تازہ ہوتی ہے، ممانعت کی وجہ عقائد کا پختہ نہ ہونا تھا، اور جب عقائد میں پختگی ہوگئی، تو آپ ﷺ نے اجازت عطا کردی، اس حدیث میں ناسخ ومنسوخ دونوں جمع ہیں۔

کیا زیارت قبور واجب ہے؟ حدیث باب میں امر کا صیغہ "فزوروها" ہے لیکن یہ امر کا صیغہ اباحت کے لئے ہے، چنانچہ جمہور ائمہ اس بات پر متفق ہیں کہ زیارت قبور مسنون ومستحب ہے، واجب نہیں ہے، البتہ ابن حزم مردوں کے لئے زیارت قبور کے وجوب کے قائل ہیں، اگرچہ زندگی میں ایک ہی مرتبہ کیوں نہ ہو، وہ امر کو وجوب کیلئے مانتے ہیں۔

کیا عورتوں کے لئے زیارت قبور کی اجازت ہے؟ عورتوں کے زیارت قبور کے حوالہ سے اختلاف ہے، جمہور کے نزدیک عورتوں کیلئے زیارت قبور مکروہ ہے، اصل بات یہ ہے کہ بعض روایات سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عورتوں کیلئے بھی زیارت قبور کی اجازت ہے، اور بعض سے اُنکے حق میں ممانعت معلوم ہوتی ہے، جن روایات سے ممانعت سمجھ میں آتی ہے، اُنسے ایک روایت یہ ہے "ان رسول الله ﷺ لعن زوارات القبور" آپ ﷺ نے قبروں کی زیارت کرنیوالیوں پر لعنت فرمائی، اور جن روایات سے عورتوں کے حق میں زیارت قبور کا جواز سمجھ میں آتا ہے ان میں سے ایک حدیث باب ہے، اسوجہ سے کہ یہ حدیث مطلق ہے، اسمیں مرد وعورت سب شامل ہیں، اسلئے کہ عورتیں تمام احکام میں مردوں کے تابع ہوتی ہیں۔ نیز گذشتہ صفحات میں وہ حدیث گذری ہے جس میں آپ ﷺ نے ایک عورت کو قبر پر روتے دیکھا تو آپ ﷺ نے اس کو صبر کی تلقین کی لیکن زیارت قبور کی وجہ سے اس کو منع نہیں کیا، اور بہت سی احادیث ہیں جن سے جواز سمجھ میں آتا ہے، ان ہی احادیث کے پیش نظر "فتاویٰ عالمگیری" میں شمس الائمہ سرخسی کا قول نقل کیا گیا ہے "الاصح انه لاباس بها" حاصل کلام یہ ہے کہ اگر عورتوں کے قبرستان آنے کی اجازت سے خلاف شرع امور پیش نہ آئیں، مثلاً عورتیں قبرستان آکر نوحہ نہ کریں، یا مردوں سے اختلاط نہ ہو، اسی طرح بدعات کا ارتکاب نہ ہو، تو عورتیں بھی قبرستان آسکتی ہیں، کیوں کہ قبرستان آنے کا بنیادی فائدہ فکر آخرت اور موت کی یاد ان کے حق میں بھی فائدہ مند ہے، اور جہاں تک آپ ﷺ کی لعنت کا تعلق ہے وہ اُن عورتوں سے متعلق ہے جو بہت زیادہ قبرستان آنے والی ہوں۔

ونهيتكم عن لحوم الاضاحى آپ ﷺ نے ایک موقع پر قربانی کے گوشت تین دن سے زیادہ استعمال کرنے سے منع فرمایا

تھا، ترمذی میں اسکی صراحت بھی ہے"عن ابن عمران النبی ﷺ قال: لایاکل احدکم من لحم أضحیته فوق ثلاثة ایام" آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص تین دن سے زیادہ قربانی کا گوشت نہ کھائے، پھر ایک دوسرے موقع پر آپ ﷺ نے نہ صرف تین دن سے زائد مدت تک قربانی کا گوشت کھانے کی اجازت دی بلکہ، سابقہ ممانعت کی علت بھی بتائی، آپ ﷺ نے فرمایا کہ" کنت نهیتکم عن لحوم الأضاحی فوق ثلاث لیتسع ذو الطول علی من لاطول له فکلوا ما بدلکم وأطعموا وادخروا "میں نے تم لوگوں کو گوشت کھانے سے روکا تھا تا کہ صاحب حیثیت لوگ ان لوگوں پر وسعت کریں جنکے پاس قربانی کی وسعت نہیں ہے، یعنی قربانی کرنیوالے تین دن تک کھانے کی مقدار روک کر بقیہ غرباء پر صدقہ کردیں، لیکن اب چونکہ وہ مصلحت باقی نہیں، اسلئے وہ حکم بھی ختم ہوگیا، اب جبتک چاہو کھاؤ، کھلاؤ، اور ذخیرہ کرو، وہ ہنگامی مصلحت جسکی بنا پر آپ ﷺ نے قربانی کا گوشت تین تک ہی صرف کھانے کا حکم دیا تھا، کیا تھی؟ اس کی وضاحت ابوداؤد کی روایت سے ہوتی ہے،"عن عائشة تقول:دف ناس من اهل البادیة حضرة الأضحی فی زمان رسول الله ﷺ فقال: رسول الله ﷺ ادخروا الثلث وتصدقوا بما بقی، قالت: فلما کان بعد ذلك قیل لرسول الله ﷺ: یارسول الله ﷺ لقد کان الناس ینتفعون من ضحایا هم ویحملون منها الودك ویتخذون منها الا سقیة، فقال:رسول الله ﷺ: وما ذلك أو کما قال: قالوا یارسول الله نهیت عن امساك لحوم الضحایا بعد ثلث فقال: رسول الله ﷺ إنما نهیتکم من أجل الدافة التی دفت علیکم فکلوا و تصدقوا وادخروا" (حضرت عائشہؓ فرماتی ہے کہ ایک مرتبہ حضور ﷺ کے زمانہ میں قربانی کے موقع پر کچھ دیہات کے لوگ مدینہ آگئے، اس موقعہ پر آپ ﷺ نے لوگوں سے فرمایا کہ وہ اپنی قربانی کا گوشت تین دن کے بقدر روک کر باقی صدقہ کردیں، پھر جب اس کے بعد قربانی کا زمانہ آیا، تو لوگوں نے آپ ﷺ سے عرض کیا کہ یارسول اللہ لوگ اپنی قربانی کے گوشت سے خوب نفع اٹھاتے ہیں اور اس کی چربی کو پگھلا کر رکھ لیتے ہیں، اور قربانی کے چمڑوں سے مشکیزہ بناتے ہیں، آپ ﷺ نے یہ بات سن کر فرمایا کہ پھر اب کیا بات ہے؟ لوگوں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! آپ ﷺ نے قربانی کا گوشت تین دن سے زیادہ روکنے سے منع فرمادیا تھا، آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے تو گزشتہ سال دیہات سے آنے والوں کی وجہ سے روکا تھا، لہٰذا تم قربانی کا گوشت کھاؤ بھی، صدقہ بھی کرو، اور ذخیرہ بنا کر رکھو بھی) معلوم ہوا کہ آپ ﷺ کا مذکورہ فرمان مصلحت کے پیش نظر تھا، اور جب مصلحت نہیں رہی تو ممانعت بھی نہیں رہی۔

نهیتکم عن النبیذ اس پانی کو" نبیذ" کہتے ہیں جس میں کھجور، چھوہارے، کشمش وغیرہ ڈالے گئے ہوں، اور یہ چیزیں پانی میں گل گئی ہوں اور پانی میٹھا ہوگیا ہو، یہ نبیذ اسی وقت پینا جائز ہے جبکہ اس میں "سکر" یعنی نشہ پیدا نہ ہوا ہو، آپ ﷺ نے نبیذ کو پہلے "مشک" میں استعمال کرنے کی اجازت عطا کی تھی، بقیہ برتنوں میں نبیذ بنانے اور پینے کی ممانعت تھی، وجہ یہ تھی کہ "مشک" میں نبیذ جلدی سے گرم ہو کر نشہ آور ہونے سے محفوظ تھی، جبکہ بقیہ برتنوں میں جلدی نشہ پیدا ہونے کا امکان تھا، اور چوں کہ شراب کی حرمت کا حکم تازہ نازل ہوا تھا، لہٰذا بر بنائے احتیاط آپ ﷺ نے دیگر برتنوں میں نبیذ بنانے سے منع کیا تھا، پھر جب شراب کی حرمت پورے طور پر واضح ہوگئی اور اس کی نفرت دلوں میں راسخ ہوگئی، تو آپ ﷺ نے اس بات کی اجازت عطا کردی کہ جس برتن میں چاہو نبیذ بناؤ۔

حدیث نمبر ۱۶۷۶ ☆☆ عالمی حدیث نمبر ۱۷۶۳

﴿حضور ﷺ کا اپنی والدہ کی قبر کی زیارت کرنا﴾

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ زَارَالنَّبِیُّ ﷺ قَبْرَ اُمِّهٖ فَبَکیٰ وَاَبْکیٰ مَنْ حَوْلَهٗ ، فَقَالَ: اسْتَاذَنْتُ رَبِّیْ فِیْ اَنْ اَسْتَغْفِرَلَهَا فَلَمْ یُؤْذَنْ لِیْ ، وَاسْتَاذَنْتُهٗ فِیْ اَنْ اَزُوْرَ قَبْرَهَا فَاَذِنَ لِیْ ، فَزُوْرُوْا الْقُبُوْرَ فَاِنَّهَا تُذَکِّرُ الْمَوْتَ رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

حواله: مسلم، ۳۱۴/۱، باب استئذان النبی ﷺ ربه عزوجل فی زیارة قبر أمه ، کتاب الجنائز، حدیث ۹۷۶۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اپنی والدہ کی قبر کی زیارت کی، آپ ﷺ روئے اور اپنے ارد گرد کے لوگوں کو رلایا، پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ "میں نے اپنے رب سے اس بات کی اجازت مانگی تھی کہ اپنی والدہ کے لئے مغفرت کی دعا کروں، مگر مجھے اجازت نہیں دی گئی، اور میں نے اس بات کی اجازت طلب کی تھی کہ میں اُن کی قبر کی زیارت کروں، تو مجھے اس بات کی اجازت عطا کردی گئی، تو تم لوگ بھی قبروں کی زیارت کیا کرو، کیوں کہ یہ موت کو یاد دلاتی ہے۔

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ ایک سفر کے موقع پر آپ ﷺ کا گذر اپنی والدہ ماجدہ حضرت آمنہ بنت وہب کی قبر پر سے ہوا، تو آپ ﷺ کے دل میں والدہ کی یاد تازہ ہوگئی، اور آپ ﷺ کی آنکھوں سے اس قدر آنسوں رواں ہوئے کہ دیگر لوگ بھی اس سے متاثر ہوکر آبدیدہ ہوگئے، آپ ﷺ نے اپنی والدہ کے لئے باری تعالیٰ سے استغفار کی اجازت طلب کی تو اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمتِ بالغہ کے تحت اس کی اجازت تو نہیں دی، البتہ آپ ﷺ کو زیارت کی قبر اجازت مرحمت فرمادی، آپ ﷺ نے نہ صرف خود اپنی والدہ کی قبر کی زیارت فرمائی، بلکہ دیگر لوگوں کو بھی زیارتِ قبور کی تاکید فرمائی، کیوں کہ اس سے موت کی یاد تازہ ہوتی ہے، اور موت کی یاد وہ چیز ہے، جس کی بدولت بندہ گناہوں سے پرہیز کرتا ہے اور اچھے اعمال کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح استاذنت ربی آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے والدہ کے لیے استغفار کرنے کی اجازت طلب کی، لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو استغفار سے منع کردیا، حدیث کے اِن الفاظ سے بظاہر یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ آپ ﷺ کی والدہ مؤمنہ نہیں تھی، آپ ﷺ کے والدین کے اسلام اور کفر کے حوالہ سے کافی اختلاف ہے، سب سے بہتر سکوت ہے اجمالی طور پر یہاں اختلاف کی کچھ وضاحت کی جارہی ہے۔

﴿حضور ﷺ کے والدین کے ایمان کا مسئلہ﴾

متقدمین کا نظریہ متقدمین کے نزدیک آپ ﷺ کے والدین کفر پر فوت ہوئے ہیں، اور ان کی دلیل حدیث باب اور اسی طرح کے مضامین کی بعض روایات ہیں۔

متاخرین کا موقف متاخرین جن میں علامہ سیوطیؒ اور حافظ ابن حجر عسقلانی بھی شامل ہیں، آپ ﷺ کے والدین کے اسلام کے قائل ہیں، اور اپنے موقف کے اثبات کے لئے تین امور پیش کرتے ہیں (۱) آپ ﷺ کے والدین دین ابراہیمی پر تھے (۲) ان کا زمانہ ایام فترت میں سے تھا لہٰذا ان تک دعوتِ اسلام نہیں پہنچی، اور بغیر دعوت وتبلیغ کے عذاب نہیں ہوتا، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے " وماکنا معذبین حتیٰ نبعث رسولاً "(۳) آپ ﷺ کی دعا سے آپ ﷺ کے والدین کو اللہ تعالیٰ نے کچھ وقت کے لئے زندہ کردیا تھا، پھر یہ لوگ ایمان لائے اس کے بعد حالتِ ایمان پر ان کی وفات ہوئی، علامہ سیوطیؒ نے حدیث نقل کی ہے " عن عائشة أن رسول الله صلى الله عليه وسلم سأل ربه أن يحي أبويه فأحيا هما له فآمنا به ثم أماتهما" یہ حدیث اگرچہ ضعیف ہے مگر اور تعدد طرق کی بنا پر اس کی تحسین کی گئی ہے "واستاذنته في أن ازور قبرها فأذن لي" اس جز سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کی والدہ مؤمنہ تھیں، کیوں کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "ولا تصل على أحد منهم مات أبدًا ولا تقم على قبره" آپ ﷺ کی والدہ کی نماز جنازہ پڑھنے سے بھی منع کیا گیا ہے، اور ان کی قبر پر کھڑے ہونے سے بھی روکا گیا ہے، اگر آپ کی والدہ مؤمنہ نہ ہوتیں تو آپ ﷺ کو ان کی قبر کی زیارت کی بھی اجازت نہ ملتی۔

سوال: اگر آپ ﷺ کی والدہ مؤمنہ تھیں، تو ان کے حق میں استغفار سے آپ ﷺ کو کیوں روکا گیا؟

جواب: اگر آپ ﷺ کو استغفار کی اجازت ملتی تو کسی کو وہم ہوسکتا تھا کہ آپ ﷺ کی والدہ نے گناہ کیا تھا جس کی وجہ سے آپ ﷺ

نے مغفرت طلب کی، اس وہم سے باز رہنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو استغفار کی اجازت نہیں دی، یا پھر چوں کہ آپ ﷺ کی والدہ زمانۂ فترت کی وجہ سے غیر مکلف تھیں، اور غیر مکلف کے لئے استغفار نہیں کیا جاتا ہے، اس بنا پر اللہ تعالیٰ نے استغفار کی اجازت نہ دی ہوگی، بہر حال یہ مسئلہ بہت اہم ہے اس لئے سکوت اختیار کرنا چاہئے کم از کم آقاء کی محبت کا تقاضا تو یہی ہے کہ حضور ﷺ کے والدین کے کفر کے فیصلہ سے زبان کو روکا جائے، ممکن ہے کہ جن دلائل کی بنا پر متاخرین نے آپ ﷺ کے والدین کے اسلام کا موقف اختیار کیا ہے وہ دلائل متقدمین سے مخفی رہے ہوں۔

حدیث نمبر۱۶۷۷ ﴿قبرستان میں داخل ہوتے وقت کی دعا﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۷٦٤

وَعَنْ بُرَيْدَةَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يُعَلِّمُهُمْ إِذَا خَرَجُوْا إِلَى الْمَقَابِرِ فَقُوْلُوْا: اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ أَهْلَ الدِّيَارِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُسْلِمِيْنَ وَإِنَّا إِنْ شَاءَ اللّٰهُ بِكُمْ لَاحِقُوْنَ نَسْأَلُ اللّٰهَ لَنَا وَلَكُمُ الْعَافِيَةَ، رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

حوالہ: مسلم، ۱/۳۱۴، باب مایقال عند دخول القبور، کتاب الجنائز، حدیث ۹۷۵۔

ترجمہ: حضرت بریدہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ صحابہ کو قبرستان کی حاضری کے آداب سکھاتے تھے، اور فرماتے تھے کہ جب تم لوگ قبرستان میں جاؤ تو یہ دعا پڑھو "السلام علیکم" اے گھر والے مسلمانوں اور مومنوں! تم پر سلامتی ہو، بیشک اللہ نے چاہا تو ہم بھی عن قریب تم سے ملاقات کرنے والے ہیں ہم اللہ تعالیٰ سے اپنے اور تمہارے لئے عافیت طلب کرتے ہیں۔ (مسلم)

خلاصۂ حدیث لہٰذا وہاں حاضری کے وقت ان پر سلامتی کی دعا بھیجنا چاہئے، اور اس بات کو بھی ذہن میں رکھ کر اس کا اعتراف کرنا چاہئے کہ بالآخر ہمیں بھی یہاں آنا ہے، لہٰذا اپنے اور تمام قبرستان والوں کیلئے اللہ تعالیٰ سے عافیت بھی طلب کرنا چاہئے

کلمات حدیث کی تشریح السلام علیکم یااھل الدیار آپ ﷺ نے قبرستان کو گھر سے اسلئے تعبیر کیا کہ جسطرح گھر میں زندہ لوگ ساتھ میں رہتے ہیں، اسی طرح قبرستان میں مردہ اکٹھا رہتے ہیں، مذکورہ دعا آپ ﷺ نے صحابہ کو سکھائی اور خود بھی اس دعاء کا اہتمام کیا، چنانچہ حضرت عائشہؓ سے مسلم شریف میں روایت ہے کہ " أنه علیه السلام یخرج من آخر اللیل إلی البقیع فیقول السلام علیکم دار قوم مؤمنین الخ" لنا ولکم العافیة، یعنی ناپسندیدہ چیزوں سے عافیت طلب کرتے ہیں

الفصل الثانی

حدیث نمبر۱۶۷۸ ☆☆ عالمی حدیث نمبر ۱۷٦٥

﴿قبرستان پہنچ کر پڑھی جانے والی ایک دعاء کا ذکر﴾

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: مَرَّ النَّبِيُّ ﷺ بِقُبُوْرٍ بِالْمَدِيْنَةِ فَأَقْبَلَ عَلَيْهِمْ بِوَجْهِهِ فَقَالَ: اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ يَا أَهْلَ الْقُبُوْرِ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَنَا وَلَكُمْ وَأَنْتُمْ سَلَفُنَا وَنَحْنُ بِالْأَثَرِ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ: هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ غَرِيْبٌ.

حوالہ: ترمذی، ۱/۲۰۳، باب مایقول الرجل المقابر، کتاب الجنائز، حدیث ۱۰۵۳۔

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ مدینہ کے قبرستان تشریف لے گئے تو قبروں کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا اے قبر والو! تم پر سلامتی ہو، اللہ تعالیٰ ہماری اور تمہاری مغفرت فرمائے، تم ہم سے پہلے چلے گئے، اور ہم بھی تمہارے پیچھے پیچھے آ رہے ہیں۔ امام ترمذی نے اس کو روایت کیا ہے اور اس حدیث کے بارے میں کہا ہے کہ یہ حسن غریب ہے۔

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ زیارتِ قبر کے لئے جایا جائے تو چہرہ کا رخ میت کی طرف رکھا جائے جس طرح کہ زندہ لوگوں سے ملاقات کے وقت چہرہ کے ساتھ متوجہ ہو کر ملا جاتا ہے، اور میت کے لئے دعاء مغفرت کی جائے، اور یہ بات یاد رکھی جائے کہ ہمیں بھی ایک دن مرنا ہے۔

کلمات حدیث تشریح فاقبل علیھم بوجھہ صاحب قبر کو سلام و دعا و استغفار کرتے وقت صاحب قبر کے منہ کی طرف منہ رکھنا مستحب ہے، ملّا علی قاریؒ نے نقل کیا ہے کہ زیارت قبر کے لئے قبرستان حاضر ہونے والا سورۃ فاتحہ اور تین مرتبہ قل ھو اللہ احد پڑھ کر میت کے لئے دعاء مغفرت کرے، قبر کو نہ تو ہاتھ لگانے اور نہ بوسہ دے، کیوں کہ یہ نصاریٰ کا طریقہ ہے۔

الفصل الثانی

حدیث نمبر ۱۶۷۹ ☆☆ عالمی حدیث نمبر ۱۷۶۶

﴿آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا رات کے وقت قبرستان تشریف لے جانا﴾

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلَّمَا كَانَ لَيْلَتُهَا مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْرُجُ اٰخِرَ اللَّيْلِ اِلَى الْبَقِيْعِ فَيَقُوْلُ السَّلَامُ عَلَيْكُمْ دَارَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِيْنَ وَاَتَاكُمْ مَا تُوْعَدُوْنَ غَدًا مُؤَجَّلُوْنَ وَاِنَّا اِنْ شَآءَ اللّٰهُ بِكُمْ لَاحِقُوْنَ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِاَهْلِ بَقِيْعِ الْغَرْقَدِ رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

حوالہ: مسلم، ۱/۳۱۴، باب مایقال عند دخول القبور الخ، کتاب الجنائز، حدیث ۹۷۴۔

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جس رات کو میرے یہاں تشریف لاتے تھے تو اس رات کو اخیر حصہ میں قبرستان تشریف لے جاتے تھے، اور وہاں یہ کلمات پڑھتے تھے " السلام علیکم الخ" اے اس بستی کے مؤمنوں کی جماعت! تم پر سلام ہو، جس چیز کا تم سے کل کے لئے وعدہ کیا گیا تھا وہ تم کو مل گئی، اب تم کو مہلت دی گئی ہے، ہم بھی انشاء اللہ تم سے ملنے والے ہیں۔ اے اللہ بقیع غرقد والوں کی مغفرت فرمادیجئے (مسلم)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ دنیا میں جن نعمتوں کا وعدہ کیا گیا تھا، یا جن سزاؤں سے ڈرایا گیا تھا اس کا کچھ مشاہدہ مردوں کو قبر میں ہوگیا ہے، بقیہ مکمل طور پر دائمی راحت یا سزا کے لئے قیامت کا دن مقرر ہے، وہاں اس کا فیصلہ ہوگا

کلمات حدیث کی تشریح بقیع غرقد یہ اہل مدینہ کا قبرستان ہے، یہاں جو لوگ دفن ہوتے ہیں ان پر اللہ تعالیٰ کی خصوصی رحمت ہوتی ہے، یہ قبرستان اب جنت البقیع کہلاتا ہے، پہلے مدینہ کے باہر تھا اب مدینہ کی وسعت کی وجہ سے مدینہ کے اندر آ گیا ہے۔

حدیث نمبر ۱۶۶۸۰ ☆☆ عالمی حدیث نمبر ۱۷۶۷

﴿زیارت قبر کے وقت پڑھی جانے والی ایک دعاء کا ذکر﴾

وَعَنْهَا قَالَتْ كَيْفَ اَقُوْلُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ تَعْنِيْ فِيْ زِيَارَةِ الْقُبُوْرِ قَالَ قُوْلِيْ : السَّلَامُ عَلٰى اَهْلِ الدِّيَارِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُسْلِمِيْنَ وَيَرْحَمُ اللّٰهُ الْمُسْتَقْدِمِيْنَ مِنَّا وَالْمُسْتَاْخِرِيْنَ وَاِنَّا اِنْ شَآءَ اللّٰهُ بِكُمْ لَاحِقُوْنَ رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

حوالہ: مسلم، ۱/۳۱۴، باب مایقال عند دخو القبور الخ کتاب الجنائز، حدیث ۹۷۴۔

ترجمہ: حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا اے اللہ کے رسول! میں کس طرح کہوں؟ ان کا مقصد تھا کہ میں زیارت قبر کے وقت کیا پڑھا کروں، آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ کہا کر "السلام علی أھل الخ" اس بستی کے مسلمان اور مؤمن باشندوں پر سلامتی ہو، ہم میں سے جو لوگ پہلے چلے گئے اور جو پیچھے رہ گئے سب پر اللہ کی رحمت ہو، اور بیشک اگر اللہ نے چاہا تو ہم عنقریب تم سے ملنے والے ہیں۔ (مسلم)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل بھی یہی ہے کہ قبرستان جا کر مردوں کے لئے دعاء مغفرت کرنا چاہئے، اور اس بات کو تازہ رکھنا چاہئے کہ عنقریب ہمیں اسی شہر خموشاں میں آنا ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح کیف اقول حضرت عائشہؓ نے آپ ﷺ سے قبرستان میں پڑھی جانے والی دعا کے بارے میں سوال کیا تو آپ ﷺ نے مذکورہ دعاء کی تلقین فرمائی، ایسے ہی آپ ﷺ سے مختلف لوگوں نے پوچھا تو آپ ﷺ نے مختلف اذکار بتائے ہیں، ایک موقع پر ابورزین نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! میرے راستہ میں قبرستان پڑتا ہے جہاں مردے دفن ہیں، کیا ایسا کوئی کلام ہے جس کے ذریعہ سے میں اُن سے بات کرسکوں؟ جب کہ میں اُن کے پاس سے گزروں، آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم یہ کلمات پڑھا کرو" السلام علیکم یا أهل القبور من المسلمین و المؤمنین أنتم لنا سلف ونحن لکم تبع و انا إن شاء الله بکم لاحقون" ابورزین نے کلمات سن کر پوچھا کہ کیا مردے یہ کلمات سنتے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا کہ سنتے تو ہیں، لیکن ان میں جواب دینے کی طاقت نہیں ہوتی ہے، پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ اے ابورزین کیا تم اس پر راضی نہیں ہو کہ تم کو قبرستان کے مردوں کی تعداد کے بقدر فرشتے سلام کا جواب دیں؟ صاحب مرقات نے اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ آپ ﷺ فرمان "مردے جواب دینے کی طاقت نہیں رکھتے ہیں" کا مقصد یہ ہے کہ وہ ایسے طور پر جواب نہیں دے پاتے ہیں کہ جس کو زندہ لوگ سن لیں، ورنہ یوں تو مردہ جواب دیتے ہیں، البتہ ہم سن نہیں پاتے ہیں، حضرت ابن عباسؓ سے ایک روایت مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص کسی ایسے ایمان والے بھائی کی قبر کے پاس سے گزرے جس کو وہ دنیا میں پہچانتا تھا پھر اس کو سلام کرے تو وہ قبر والا نہ صرف اس کو پہچان لیتا ہے، بلکہ اس کے سلام کا جواب بھی دیتا ہے۔

حدیث نمبر ۱٦۸۱ ☆☆ عالمی حدیث نمبر ۱۷٦۸

﴿جمعہ کے دن والدین کی قبر کی زیارت کی فضیلت﴾

وَعَنْ مُحَمَّدِ بْنِ النُّعْمَانِ يَرْفَعُ الْحَدِيْثَ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ زَارَ قَبْرَ اَبَوَيْهِ اَوْاَحَدِهِمَا فِيْ كُلِّ جُمُعَةٍ ، غُفِرَ لَهٗ وَكُتِبَ بَرًّا رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْإِيْمَانِ مُرْسَلًا .

حوالہ: بیهقی فی شعب الایمان ٦/۲۰۱، باب فی بر الوالدین حدیث ۷۹۰۱۔

ترجمہ: حضرت محمد بن نعمان سے روایت ہے کہ وہ اس حدیث کو نبی کریم تک پہنچاتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ "جو شخص اپنے والدین یا اُن میں سے کسی ایک کی قبر کی زیارت ہر جمعہ کو کرے تو اس کی مغفرت کردی جاتی ہے، اور اسی کو اللہ کے یہاں نیک لوگوں میں شمار کیا جاتا ہے، بیہقی نے شعب الایمان میں بطریق ارسال یہ حدیث نقل کی ہے۔

خلاصۂ حدیث جس طرح والدین کے حقوق ان کی حیات میں ہیں، اوران حقوق کی ادائیگی کرنے والی اولاد مطیع وفرماں بردار سمجھی جاتی ہے، اسی طرح والدین کے کچھ حقوق اولاد کے ذمہ ان کی وفات کے بعد بھی ہے، ان ہی حقوق میں سے ایک حق ان کی قبر پر حاضر ہوکر ان کے لئے دعاء مغفرت کرنا ہے، جو اولاد اس کا اہتمام کرتی ہے، وہ اللہ کی نگاہ میں فرماں بردار بھی ہے اور قابل مغفرت بھی ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح فی کل جمعة ہر جمعہ یا ہر ہفتہ میں والدین کی قبر کی زیارت کرنا "غفر له" یعنی زیارت کرنے والے کے گناہ معاف ہوجاتے ہیں" وکتب بر ا" ماں باپ کے حق میں مطیع وفرماں بردار اوران کے ساتھ حسن سلوک کرنے والا لکھ دیا جاتا ہے۔

حدیث نمبر ۱٦۸۲ ﴿زیارت قبور کا نفع﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۷٦۹

وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ كُنْتُ نَهَيْتُكُمْ عَنْ زِيَارَةِ الْقُبُوْرِ فَزُوْرُوْهَا فَاِنَّهَا تُزَهِّدُ فِي الدُّنْيَا وَتُذَكِّرُ الْاٰخِرَةَ رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ

حوالہ: ابن ماجہ، ص: ۱۱۲-۱۱۳ باب زیارت القبور، کتاب الجنائز حدیث ۱۵۷۱۔

ترجمہ: حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے قبروں کی زیارت سے تم کو منع کیا تھا، اب قبروں پر جایا کرو، اس وجہ سے کہ قبروں کی زیارت کرنا دنیا سے بے رغبتی پیدا کرتا ہے، اور آخرت کی یاد دلانے کا سبب بنتا ہے۔ (ابن ماجہ)

خلاصۂ حدیث: یہ بات پہلے بھی گزر چکی ہے کہ آپ ﷺ نے ابتدا میں کفر وشرک کی نفرت دل میں اچھی طرح راسخ کرنے کی غرض سے زیارت قبور سے منع کر رکھا تھا، اور جب یہ مقصد حاصل ہو گیا، تو زیارت قبور کے بعض اہم منافع کی وجہ سے آپ ﷺ نے اس کی اجازت عطا فرمادی، حدیث باب میں ممانعت کے بعد اجازت دیئے جانے اور ساتھ میں دو عظیم منافع کا تذکرہ ہے، مزید تحقیق کے لئے حدیث ۱۶۷۵ دیکھیں۔

کلمات حدیث کی تشریح: تزهد فی الدنیا موت کا تذکرہ ذات کو فنا کر دیتا ہے، اور جب آدمی قبرستان جائیگا تو اسکو یہ احساس ہوگا کہ عنقریب کسی دن ہمیں بھی قبر کی آغوش میں چلے جانا ہے، لہٰذا دنیا کی بے ثباتی کے یقین کیساتھ اس سے کنارہ کشی کا داعیہ پیدا ہوگا "و تذكر الاخرة" قبرستان کی حاضری آخرت کی یاد تازہ کرتی ہے، اور آخرت کی تیاری پر معین و مددگار بنتی ہے، لہٰذا قبرستان میں آنے والے شخص کو قبروں کو بنظر عبرت دیکھنا چاہئے، تفریح و تماشہ کا ذریعہ بنانے سے اجتناب کرنا چاہئے۔

حدیث نمبر ۱۶۸۳ ☆☆ عالمی حدیث نمبر ۱۷۷۰

﴿بہت زیادہ قبرستان آنے والیوں پر آپ ﷺ کی لعنت﴾

وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَعَنَ زَوَّارَاتِ الْقُبُوْرِ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِیُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَقَالَ التِّرْمِذِیُّ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ، وَقَالَ: قَدْ رَاٰى بَعْضُ اَهْلِ الْعِلْمِ اَنَّ هٰذَا كَانَ قَبْلَ اَنْ يُّرَخِّصَ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِیْ زِيَارَةِ الْقُبُوْرِ، فَلَمَّا رَخَّصَ دَخَلَ فِیْ رُخْصَتِهِ الرِّجَالُ وَالنِّسَآءُ، وَقَالَ: بَعْضُهُمْ اِنَّمَا كَرِهَ زِيَارَةَ الْقُبُوْرِ لِلنِّسَآءِ لِقِلَّةِ صَبْرِهِنَّ وَكَثْرَةِ جَزَعِهِنَّ تَمَّ كَلَامُهُ.

حوالہ: مسند أحمد، ۳/۴۴۲، ترمذی، ۱/۲۰۳، باب کراهية زيارة القبور للنساء، کتاب الجنائز حدیث ۱۰۵۶ ابن ماجہ، ص ۱۱۳ باب النهي عن زيارة النساء الخ، کتاب الجنائز، حدیث ۱۵۷۵۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قبروں کی زیارت کرنیوالی خواتین پر لعنت فرمائی ہے، (احمد، ترمذی، ابن ماجہ) صاحب ترمذی نے فرمایا کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے، اور انہوں نے یہ بھی کہا کہ اہل علم میں سے بعض کی رائے یہ ہے کہ قبروں کی زیارت کرنیوالیوں پر لعنت آپ ﷺ کے قبروں کی زیارت کی اجازت عطا کرنے سے پہلے تھی، جب آپ ﷺ نے اسکی اجازت کر دی تو اب یہ اجازت مردوں و عورتوں سب کے حق میں یکساں ہے، اور بعض اہل علم کی رائے یہ ہے کہ چونکہ عورتوں کے اندر صبر کی قلت ہوتی ہے اور رونے پیٹنے کی عادت زیادہ ہوتی ہے، اسی بنا پر آپ ﷺ نے عورتوں کے لیے قبرستان جانے کو ناپسند کیا ہے، ترمذی کا کلام پورا ہو گیا۔

خلاصۂ حدیث: زیارتِ قبور کی پہلے ممانعت تھی، اور آپ ﷺ نے قبروں کی زیارت کرنے پر شدید وعید سنائی تھی، بالخصوص عورتوں پر تو آپ ﷺ نے شدید لعنت فرمائی تھی، بعد میں آپ ﷺ نے زیارت قبور کی اجازت عطا فرمائی، اب مسئلہ درپیش آیا کہ عورتوں کے حق میں بھی اجازت ہوئی یا نہیں، بعض کا کہنا ہے کہ جس طرح تمام احکام میں عورتوں کو مردوں کے تابع کیا جاتا ہے، اس حکم میں بھی عورتیں مردوں کے تابع ہوں گی، لہٰذا ان کو بھی قبرستان جانے کی اجازت ہوگی، لیکن بعض لوگ کہتے ہیں کہ اجازت کا تعلق صرف مردوں سے ہے، عورتوں کو اجازت نہیں ملی ہے، ان کے حق میں ممانعت کی وجہ قلت صبر اور کثرتِ جزع بھی ہے جو کہ باقی ہے لہٰذا ممانعت بھی باقی رہے گی اس مسئلہ کی مزید تحقیق کے لئے حدیث ۱۶۷۵ دیکھیں۔

کلمات حدیث کی تشریح لعن زوارات القبور اس حدیث میں آپ ﷺ نے قبروں کی زیارت کرنے والیوں پر لعنت فرمائی ہے، جمہور کے نزدیک عورتوں کے لئے زیارت قبور مکروہ ہے، حنفیہ کے یہاں اس مسئلہ میں دوروایات ہیں (۱) جواز (۲) عدم جواز فتاویٰ عالمگیری میں ہے کہ " الاصح لا باس بها" (۵/۳۵۰) حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ احوال کے اختلاف سے حکم بدل جائے گا، (العرف الشذی) مطلب یہ ہے کہ اگر عورتوں سے کثرت جزع کا صدور ہو مردوں سے اختلاط یا بے پردگی رونما ہو یا بدعات کا ارتکاب ظاہر ہو تو ممانعت راجح ہے، اور اگر ایسا کوئی اندیشہ نہ ہو تو پھر جائز ہے۔

حدیث نمبر ۱٦٨٤ ﴿میت کا احترام﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۷۷۱

وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كُنْتُ اَدْخُلُ بَيْتِيَ الَّذِيْ فِيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَاِنِّيْ وَاضِعٌ ثَوْبِيْ وَاَقُوْلُ اِنَّمَا هُوَ زَوْجِيْ وَاَبِيْ، فَلَمَّا دُفِنَ عُمَرُ مَعَهُمْ فَوَاللّٰهِ مَادَخَلْتُهٗ اِلَّا وَاَنَا مَشْدُوْدَةٌ عَلَيَّ ثِيَابِيْ حَيَاءً مِّنْ عُمَرَ رَوَاهُ اَحْمَدُ۔

حوالہ: مسند احمد، ٦/۲۰۲۔

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ میں اپنے اس حجرہ میں جسمیں رسول اللہ ﷺ مدفون ہیں جب داخل ہوتی تو، اپنی اوڑھنی اتار کر رکھ دیتی تھی، اور یہی کہتی کہ یہاں میرے شوہر اور میرے والد آرام فرما ہیں، لیکن جب وہاں حضرت عمرؓ دفن کئے گئے تو اسکے بعد اللہ کی قسم میں جب بھی اس حجرہ میں داخل ہوئی حضرت عمرؓ سے حیا کیوجہ سے اپنے کپڑوں کو سمیٹ کر چادر سے خوب ڈھک کر داخل ہوتی تھی (احمد)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ زیارت قبور کے وقت میت کا اسی طرح احترام کرنا چاہئے جس طرح اس کی زندگی میں احترام کیا جاتا تھا چوں کہ حضرت عمرؓ حضرت عائشہؓ کے لئے اجنبی تھے لہٰذا ان کی وفات کے بعد بھی پردہ کا پورا خیال رکھ کر اس جگہ تشریف لے جاتی تھیں، جس جگہ میں وہ مدفون تھے۔

کلمات حدیث کی تشریح وانا مشدودة علی ثیابی چوں کہ حضرت عمرؓ جب تک کہ حضرت عائشہ کے حجرہ میں دفن نہیں ہوئے تھے اس وقت تک اس کمرہ میں جو لوگ مدفون تھے، وہ حضرت عائشہؓ کے لئے محرم تھے، ایک ان کے باپ تھے، اور دوسرے ان کے شوہر تھے، لہٰذا ان لوگوں سے حضرت عائشہؓ حجاب میں ملبوس ہو کر ملاقات نہیں کرتی تھیں، لیکن حضرت عمرؓ اجنبی تھے، ان سے حیا کا تقاضا یہی تھا کہ حجاب پہن کر ان کی خدمت میں حاضری دی جائے، صاحب مرقات نے سلیم بن عفرؓ کے متعلق نقل کیا ہے کہ وہ ایک دن قبرستان سے گزر رہے تھے، ان کو اس وقت پیشاب کا شدید تقاضا ہوا، لوگوں نے ان سے عرض کیا کہ سواری سے اتر کر یہیں پیشاب کرلیں آپ نے فرمایا کہ "سبحان اللہ" خدا کی قسم میں مردوں سے اسی طرح حیا کرتا ہوں جس طرح کہ زندوں سے حیا کرتا ہوں۔ (مرقات ۴/۱۱۷)

﴿الحمد للہ فیض المشکوۃ کتاب الصلاۃ مکمل ہوئی﴾

فہرست مضامین فیض المشکوٰۃ جلد سوم

کشف الاسرار

ترجمہ و شرح اردو

درّمختار

ترجمہ اردو مولانا مفتی محمد ظفیر الدین صاحب مرتب فتاویٰ دارالعلوم دیوبند

ادارہ فیض القرآن نے موجودہ دور کی اہم ضرورت کے پیش نظر فقہ حنفی کی نہایت مفید مستند اور معتبر ترین کتاب درمختار مع اردو تشریح کے صاف وسلیس اردو میں شائع کی ہے۔ مسلم پرسنل لا (یعنی مسلمانوں کے قانون کی معتبر ترین کتاب) کی طباعت یقیناً ایک بڑی خدمت ہے جس میں پاکی، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، نکاح وطلاق غرض روزمرہ کی زندگی میں پیش آنے والے ہر مسئلہ کا شرعی حل موجود ہے اس لئے اس کتاب کا ہر مسلمان کے گھر میں ہونا وقت کی شدید ضرورت ہے۔

کتاب کی اہم خصوصیات

۱- ترجمہ کے ساتھ ساتھ متن کی عربی عبارت بھی باقی رکھی گئی ہے تاکہ اہل علم اس سے پورے طور پر مستفید ہوں اور ان کو کوئی اشکال پیش نہ آئے۔

۲- عربی متن عربی خط میں لکھا گیا ہے اور ترجمہ اردو خط میں۔

۳- عموماً ہر باب کے آخر میں مصنف نے "فروع" کے نام سے ایک عنوان قائم کیا ہے اور اس کے نیچے ضروری جزئیات کے بیان کا اہتمام کیا ہے،

۴- کہیں کہیں عربی کے مشکل الفاظ کی تحقیق حاشیہ میں کردی گئی ہے۔

۵- شامی اور طحطاوی کا خلاصہ سمیٹ لینے کی سعی کی گئی ہے۔

قیمت: کامل سیٹ

پتہ

مکتبہ فیض القرآن دیوبند ضلع سہارنپور یوپی Ph.No.01336-222401

مع حواشی
تفسیر ابن کثیر اردو
واضافات
(مع اختصار تفسیر بیان القرآن)
عالم اسلام کی مستند اور بلند پایہ تفسیر قرآن ہے جس کو ہر زمانہ کے علماء اور ہر طبقہ خیال کے مفسرین نے پسند کیا ہے۔ اور اس سے مدد حاصل کی ہے تمام مفسرین اس پر متفق ہیں کہ سب سے زیادہ قرآن کو بطریق سلف صالحین سمجھانے والی تفسیر ''تفسیر ابن کثیر'' ہے اور اس کے بعد کی تمام اردو عربی تفاسیر اس سے ماخوذ ہیں، یہی وجہ ہے کہ اس تفسیر کو ام التفاسیر کا لقب دیا گیا ہے۔ نیز عوام الناس کے لئے یہ تفسیر انتہائی آسان اور سلیس اردو میں لکھی گئی ہے تاکہ کم اردو داں لوگ بھی قرآن کو اس تفسیر کے ذریعہ آسانی سے سمجھ سکیں۔
جدید نسخے کی اضافہ شدہ خصوصیات
۱- یہ تفسیر کیونکہ شافعی مسلک ہے اس لئے جہاں جہاں بھی حنفی مسلک سے ٹکراؤ پیدا ہوا وہاں حضرت مولانا سید انظر شاہ صاحب کشمیری (شیخ الحدیث وقف دار العلوم دیوبند) کے انتہائی قیمتی (آسان اردو کے ساتھ) حاشیہ نے اس تفسیر کو مزید علمی بنا کر چار چاند لگا دیئے ہیں۔ اور اب یہ تفسیر شافعی و حنفی دونوں کے لئے مفید تر ہوگئی ہے۔
۲- قدیم تفسیر میں ترجمہ قرآن پاک ابو محمد جونا گڑھی کا تھا جو کہ خود غیر مقلد عالم تھے اس لئے اس ترجمہ کی جگہ حنفی مسلک کا مستند اور آسان ترین ترجمہ حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ شامل کتاب کیا گیا ہے۔
۳- تفسیر تھانوی عنوان کے تحت تفسیر بیان القران (از حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی) کا اختصار شامل کتاب کیا گیا ہے اس طرح یہ کتاب دو تفاسیر (تفسیر ابن کثیر اور تفسیر بیان القرآن) کا مجموعہ بن گئی ہے اور عوام کو اب اس کتاب کے بعد تفسیر بیان القرآن حاصل کرنے کی ضرورت نہیں رہی۔
۴- جدید نسخہ از سر نو کمپیوٹر کی عمدہ کتابت اور بہترین کاغذ پر آفسیٹ کی دیدہ زیب طباعت سے آراستہ کیا جا رہا ہے جس کو کہ انشاء اللہ آپ حضرات ضرور پسند فرمائیں گے۔
5 قدیم نسخے میں عنوانات نہ ہونے کی وجہ سے پڑھنے والے کو دشواری کے سبب حضرت مولانا انظر شاہ صاحب کشمیری نے جگہ جگہ پر جدید عنوانات قائم کر دیئے ہیں جس سے کہ قاری مفہوم بآسانی سمجھ سکے۔
کامل تفسیر مکمل ۵ جلدوں میں اب چھپ کر تیار ہے۔
قیمت: کامل سیٹ ۵ جلد
ملنے کا پتہ:
مکتبہ فیض القرآن
نزد مسجد چھتہ دیوبند ضلع سہارنپور (یوپی)
Phone No.01336(O)222401,(Mob.)09897576186

تفہیم البخاری

عربی متن مع اردو شرح

صحیح بخاری شریف

مسلک دیوبند کا پہلا اور واحد بخاری شریف کا اردو ترجمہ

فخر دو عالم کائنات حضور اکرم ﷺ کے ارشادات مبارکہ کا گراں قدر مجموعہ قرآن کریم کے بعد دنیا کی وہ مستند ترین اور لاثانی کتاب ہے جس میں قطعی سچی احادیث کا عظیم علمی خزانہ پوشیدہ ہے۔

بخاری شریف کا مسلک دیوبند کا مکمل کوئی ترجمہ نہ ہونے کی وجہ سے علامہ وحید الزماں (غیر مقلد عالم) کا ہی ترجمہ بازار میں دستیاب تھا اور مجبوراً یہی ترجمہ عوام وخواص تک پہنچ رہا تھا اب الحمدللہ تفہیم البخاری مکمل شائع ہونے پر قدیم ترجمہ کی چندہ ضرورت نہیں رہی اس لئے کتاب خریدتے وقت صرف تفہیم البخاری ہی طلب فرمائیں۔

اہم خصوصیات

☆ اطمینان بخش ترجمانی اور عام فہم شرح اس زمانہ کی ذہنی سطح کے مطابق کی گئی ہے۔ ☆ حدیث کے ان پہلوؤں کی واضح ترجمانی جن کو موجودہ شارحین نے چھوا تک نہیں۔ ☆ بخاری شریف کے لطائف وخصوصیات کی کامل رعایت۔ ☆ فقہی مذاہب کی ترجمانی معتدل لب ولہجہ میں اور محدثین وفقہاء کے اختلافات کی دلآویز وضاحت کی گئی ہے۔ ☆ ایک کالم میں عربی متن احادیث اور مقابل کالم میں ترجمہ وتشریح۔

سائز ۳۰×۲۰ قیمت کامل سیٹ مجلد ۶ جلد

تفسیر فیض الامامین

اردو شرح تفسیر جلالین

اس تفسیر کی زبردست اہمیت اور مستند ہونے کا عظیم ترین ثبوت یہ ہے کہ ہر طالب علم کو عالم وفاضل کی سند حاصل کرنے کے لئے دیگر کتب کے ساتھ اس تفسیر کو درساً درساً پڑھ کر امتحان دینا ضروری ہے، چنانچہ جملہ مدارس کے طلباء کے لئے بھی یہ انتہائی اہم ہے۔ اب الحمدللہ اسکا جدید اردو ترجمہ وتشریح نہایت آسان اردو میں علامہ محمد عثمان صاحب شیخ الحدیث مظاہر علوم نے کرکے عوام الناس کیلئے سہل کر دیا ہے۔

اردو تفسیر کی اضافہ شدہ خصوصیات

☆ ترجمہ وتفسیر اتنی آسان اردو میں کی گئی ہے کہ ہر خاص وعام اس کو یکساں سمجھ سکیں۔ ☆ تفسیر میں ربط آیات کے نام سے عنوان لگا کر سابقہ آیات سے ربط قائم کر دیا ہے۔ ☆ تحقیق وتشریح کا عنوان لگا کر ہر آیت کی جامع تحقیق وتشریح کر دی گئی ہے۔ ☆ شان نزول کے تحت قرآن شریف کی آیتوں کے نازل ہونے کا سبب اور پس منظر بیان کر دیا گیا ہے۔ ☆ مشکل عربی الفاظ کی تحقیق کے ساتھ ساتھ نحوی وصرفی ترکیب کا بھرپور اہتمام کیا ہے۔ قیمت کامل سیٹ مکمل ۶ جلد

کشف الاسرار

ترجمہ وشرح اردو (در مختار)

ترجمہ اردو مولانا مفتی ظفیر الدین صاحب مرتب فتاویٰ دار العلوم دیوبند

ادارہ فیض القرآن نے موجودہ دور کی اہم ضرورت کے پیش نظر فقہ حنفی کی نہایت مفید مستند اور معتبر ترین کتاب در مختار مع اردو تشریح کے صاف وسلیس اردو میں شائع کی ہے۔ مسلم پرسنل لا (یعنی مسلمانوں کے قانون کی معتبر ترین کتاب) کی طباعت یقیناً ایک بڑی خدمت ہے جس میں پاکی، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، نکاح وطلاق غرض روزمرہ کی زندگی میں پیش آنے والے ہر مسئلہ کا شرعی حل موجود ہے اسلئے اس کتاب کا ہر مسلمان کے گھر میں ہونا وقت کی شدید ضرورت ہے۔

کتاب کی اہم خصوصیات

☆ ترجمہ کے ساتھ ساتھ متن کی عربی عبارت بھی باقی رکھی گئی ہے تاکہ اہل علم اس سے پورے طور پر مستفید ہوں اور انکو کوئی اشکال پیش نہ آئے۔ ☆ عموماً ہر باب کے آخر میں مصنف نے "فروع" کے نام سے ایک عنوان قائم کیا ہے اور اس کے نیچے ضروری جزئیات کے بیان کا اہتمام کیا ہے۔ ☆ شامی اور طحطاوی کا خلاصہ سمیٹ لینے کی سعی کی گئی ہے۔

تفسیر ابن کثیر اردو (مع حواشی واضافات)

(مع اختصار تفسیر بیان القرآن)

تمام مفسرین اس پر متفق ہیں کہ سب سے زیادہ قرآن کو بطریق سلف صالحین سمجھانے والی تفسیر "تفسیر ابن کثیر" ہے اور اسکے بعد کی تمام اردو عربی تفاسیر اس سے ماخوذ ہیں، یہی وجہ ہے کہ اس تفسیر کو ام التفاسیر کا لقب دیا گیا ہے۔

جدید نسخے کی اضافہ شدہ خصوصیات

☆ یہ تفسیر کیونکہ شافعی مسلک ہے اس لئے جہاں جہاں حنفی مسلک سے ٹکراؤ پیدا ہوا وہاں حضرت مولانا سید انظر شاہ صاحب کشمیری کے قیمتی حاشیہ نے چار چاند لگا دیئے ہیں۔ ☆ قدیم تفسیر میں ترجمہ قرآن پاک غیر مقلد عالم کا تھا اس لئے اس ترجمہ کی جگہ حنفی مسلک کا مستند ترجمہ حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ شامل کتاب کیا گیا ہے۔ ☆ تفسیر تھانوی عنوان کے تحت تفسیر بیان القرآن کا اختصار شامل کتاب کیا گیا ہے اس طرح یہ کتاب دو تفاسیر کا مجموعہ بن گئی ہے اور عوام کو اب اس کتاب کے بعد تفسیر بیان القرآن حاصل کرنے کی ضرورت نہیں رہی۔ ☆ جدید نسخہ از سر نو کمپیوٹر کی عمدہ کتابت اور بہترین کاغذ پر آفسیٹ کی دیدہ زیب طباعت سے آراستہ کیا گیا ہے۔

قیمت کامل سیٹ مجلد ۵ جلد

پتہ:۔ مکتبہ فیض القرآن، دیوبند، ضلع سہارنپور (یوپی) فون: 01336-222401